U13974 16-12-07.

Title - TAZKIRA KHANDAN ZUBERI KANBAVI

Author - Hussain Ahmad Zuberi

Publisher - Matabaq Muslim University (Aligarh).

Date - 1950

Pages - 408, 12

Subject - Tazkira - Khandan Zuberi Kanbavi; Taareekh Iqwaam - Kanbawah.

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

(ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ آپس میں پہچانے جاؤ۔ قرآن پاک)

سلسلۂ زبیریہ

خاندانِ زبیری کنبوہ

جلد اوّل

یعنی

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا تجزیہ

مؤلفہ

جناب مولوی حسین احمد صاحب زبیری کنبوہ مارہروی ثم المیرٹھی

۱۳۶۹ ہجری ۔ ۱۹۵۰ عیسوی

مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

طبع اوّل ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد دس روپیہ علاوہ محصولڈاک

تعلموا من انسابکم ما تصلون ارحامکم

اپنے نسب سے واقفیت حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرسکو (حدیث شریف)

سلسلۂ زبیریہ

خاندان زبیری کنبوی

جلد اول

یعنی

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا تجزیہ

مؤلفہ

جناب مولوی حسین احمد صاحب زبیری کنبوی مارہروی ثم المیرٹھی

۱۳۶۹ ہجری ۱۹۵۰ عیسوی

مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

طبع اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد دس روپیہ علاوہ محصول ڈاک

فہرس الفہرست

نذرِ عقیدت

میں نہایت ادب اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اِس کتاب کو خاندان کے کوائف و سوانح نگار بزرگوں "(۱) حضرت مخدوم شیخ جمالی مؤلف سیر العارفین" "(۲) حضرت احمد خاں اکبر شاہی مؤلف معدن اخبار احمدی اور شجرۂ سہروردیہ" "(۳) مؤلف صاحب رسالہ نواب شہباز خاں اکبری" "(۴) افلاطونِ زماں حکیم عنایت حسین صاحب بادھروی مؤلف سلسلۂ عالیہ" "(۵) نواب مبارک علی خاں میرٹھی مؤلف رسالہ مبارک" "(۶) حکیم منشی فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر" کے اسمائے گرامی سے منسوب کرتا ہوں جنہوں نے اہلِ خاندان کو اُن کے بزرگوں کے بھولے بسرے حالات و کارنامے سنا کر اُن میں جوشِ عمل پیدا کیا۔ یہ بزرگ ترین ہستیاں ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن اُن کے یہ علمی کارنامے ہمیشہ سدا بہار رہیں گے۔ "یہ انہیں بزرگانِ پاک باطن کا فیضِ روحانی ہے کہ ہماری یہ سعی مشکور ہوئی"

حسین احمد زبیری

منشی حکیم فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر

فہرست

مضامین التعارف

حسین احمد مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف مؤلف کتاب ہٰذا

قدیم کتابوں میں اس بات کی کمی کو اکثر محسوس کیا جاتا ہے کہ مصنف یا مؤلف یا مورخ دنیا کے معاملات۔ حالات اور لوگوں کے تذکروں سے تو اپنی کتاب کو پوری معلومات سے پُر کر دیتا ہے لیکن جب صاحب کتاب کے حالات کی جستجو کی جاتی ہے تو خود اس کی کتاب اس کے حالات سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ کبھی کسی کتاب میں تلاش و جستجو سے کچھ پتہ چل جاتا ہے ورنہ اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ مؤلف و مصنف کے باپ دادا کون تھے۔ اور خود اس کے کیا حالات ہیں اس کی بڑی اچھی مثال صاحب "عمل صالح" کی ہے عمل صالح شاہجہاں کے حالات میں ایک بڑی مستند اور اعلیٰ پایہ کتاب ہے لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خود صاحب کتاب کے حالات و تذکرہ سے بالکل معرّا ہے۔ مورخین نے جب اس کے حالات پر قلم اٹھایا تو انہیں اس میں ناکامیابی ہوئی۔

اس صورت کے پیش نظر ہمارے دل میں خیال گذرا کہ اس کتاب کے مؤلف مولوی حسین احمد صاحب زبیری جو ہمارے حقیقی بڑے بھائی ہیں۔ ان کی زندگی کے مختلف ادوار کو پیش کر کے ان کا تعارف کرا دیا جائے جس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مؤلف صاحب کے حالات کی روشنی میں ان کے اصلی خد و خال اور کیرکٹر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تحریر اور اس کے مقاصد کو پوری طرح سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو ملتان۔ دہلی۔ اور مارہرہ میں مسند علم و فضل پر آفتاب بنکر چمکا اور سب کی آنکھوں کو خیرہ کر گیا۔ مارہرہ میں آپ کا گھر بڑا گھر کہلاتا تھا فیصلوں کے لئے معاملات اسی گھر کے بزرگوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے جنہیں وہ اس طرح فیصل فرما دیتے تھے کہ کسی فریق کو کوئی وجہ شکایت باقی نہیں رہتی تھی۔ اس گھر کی دادھیال محمد خانی کہلاتی ہے۔ محمد خاں ابن محمد سعید خاں شہید ابن محمود خاں ابن شیخ جنید المعروف بہ عمر خاں ابن شیخ رکن الدین عرف شیخ بدھ حاکمانِ کول ابن شیخ یحییٰ عبد السلام المعروف بہ شیخ اچھن ابن حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز ابن خواجہ فخر الدین ملتانی ایک اعلیٰ پایہ امیر اور صاحب عزّ و جاہ تھے۔ ان کی شادی دہلی میں اپنے اہل خاندان میں نواب دلدار خاں کی بہن سے ہوئی تھی۔

ان کے پوتے فضیلت و... حقایق آگاہ مولوی حافظ خلیفہ محمد نصر اللہ قدس سرہ العزیز ایک ہمہ داں عالم و فاضل ہونے کے علاوہ تزکیہ نفس اہتمام شریعت و حفظ اسرار طریقت میں فرد کامل تھے۔ پچاس برس کامل تشنگانِ علم کو اپنے فیض و کرم سے سیراب کیا۔ عربی فارسی میں شیریں بیاں شاعر اور نہایت زود نویس تھے۔ تقریباً تین سو جلدیں ہر علم میں آپ کے قلم کی لکھی ہوئی کتب خانہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں موجود تھیں۔ اور ان کا فیض اہل مارہرہ پر جاری تھا حضرت سید شاہ آلِ محمد مارہروی سے شرف بیعت حاصل... اور سلطان المحبوبین حضرت سید شاہ حمزہ کے یارانِ خاص میں سے تھے۔ آپ ایک متبحر عالم تھے۔ ایک زمانہ نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ چنانچہ قدوۃ العارفین سید شاہ آلِ احمد عرف حضرت اچھے صاحب زبدۃ العاملین حضرت سید شاہ حقانی اور زبدۃ المشائخ حضرت سید آلِ برکات عرف حضرت ستھرے میاں جیسے اکابرین و فاضلین کو علوم ظاہری میں آپ سے ہی شرف شاگردی حاصل رہا حضرت سید شاہ حمزہ صاحب کا یہ ارشاد کہ مولوی صاحب کے ساتھ لطف نماز جاتا رہا" آپ کے مدارج عالیہ کی غمازی کرتا ہے۔ مارہرہ میں انتقال فرمایا۔

آپ کے پوتے جالینوس زماں حکیم عنایت حسین صاحب ابن شیخ فتح اللہ بڑے صاحب استعداد اور کامل فن بزرگ تھے۔

آپ کو حقائق تصوف، جفر و تکسیر پر بھی عبور حاصل تھا۔ طب کے فنِ شریف سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ بلکہ آپ اس کے امام تھے۔ اس میں آپ نے بڑی شہرت پائی۔ اور آپ کے دستِ شفا سے ہزاروں اشخاص صحت یاب ہوئے۔

شعر و سخن کا بھی بڑا ستھرا ذوق تھا۔ آپ کے کلام میں زور اور شگفتگی بیحد تھی۔ مجموعۂ نظم آپ کا تلف ہو گیا۔ تاریخ سے بھی آپ کو خاص دلچسپی تھی اپنی گوناں گوں مصروفیتوں کے باوجود کتب بینی کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا۔ اور تصنیف و تالیف کے لئے بھی وقت نکال ہی لیتے تھے۔

چنانچہ فنِ تاریخ میں آپ نے تین کتابیں لکھیں :-

(۱) **کاشف الاخبار** :- یہ ایک جامع اور ہمہ گیر تاریخ ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۲) **آثارِ احمدی** :- خاندانِ برکاتیہ مارہرہ کے بزرگوں کا نادر تذکرہ ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۳) **سلسلۂ عالیہ** :- زبیری کنبوی خاندان مقیم مارہرہ کے حالات میں جامع کتاب ہے۔ طبع ہو چکی ہے۔

فنِ طب جس کے آپ امام تھے۔ نظری و عملی طب میں آپ نے ایک نہایت جامع مبسوط کتاب دو جلدوں میں لکھی ہے جس کا نام "ریاضِ احمدی" ہے۔ حکیم صاحب ایک روشن دماغ۔ عالی خیال علم دوست و جامع فنون۔ باوقار۔ عابد متقی۔ شب بیدار۔ ذکر و شاغل اور معظم و محترم بزرگ تھے حضرت **اچھے صاحبؒ** سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ اور پیر و مرشد کی جو آپ کے جدِ مکرم کے شاگرد بھی تھے۔ آپ پر خاص نظر تھی۔

حضرت سید صاحب عالم صاحبؒ مارہروی نے تاریخ وفات کہی تھی ع

"رفتہ بقراط دہر ز دنیا" [illegible]

حکیم امداد حسین صاحب حکیم عنایت حسین صاحب کے صاحبزادے بھی بڑے نامی گرامی اور حاذق طبیب اور اپنے مشہور باپ کے نامور بیٹے تھے۔ علم طب اپنے قابل پدر بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ نہایت وجیہ۔ قد آور۔ خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ طاقت بڑی زبردست تھی۔ قدرت سخن سنجی و قوت معانی آفرینی اور حسنِ کلام غضب کا تھا۔ امراء۔ علماء۔ اطباء۔ فقراء و مشائخ غرض ہر قسم کی صحبتوں میں سربرآوردہ رہتے تھے۔

اوائل عمر میں تحصیلدار رہے یہ عہدہ اس زمانہ میں ہندوستانیوں کے لئے معراج تھا۔ پھر ایک مدت تک راناے اودے پور کے طبیب خاص رہے۔ بعد ازاں نواب جعفری بیگم صاحبہ رئیسۂ شمس آباد ضلع فرخ آباد۔ دختر نیک اختر نواب فضل علی خاں صاحب دہلوی وزیر شاہ اودھ کی ریاست سے تعلق رہا طبیعت چونکہ آزاد تھی ان سب جھگڑوں کو خیر باد کہکر طبابت کے فیض کو عام کیا۔ آپ کی حذاقت کے چرچے رہے۔ اب بھی بڑے بوڑھوں سے واقعات سننے میں آجاتے ہیں جب کبھی آپ کے جلسہ میں حکیم علوی خاں کا تذکرہ آجاتا تو آپ فرماتے کہ "علوی خاں تو اب بھی ہیں مگر افسوس محمد شاہ نہیں۔" آپ کو ہر فن میں دستگاہ کامل حاصل تھا۔

طبابت کے علاوہ آپ قلم کے بھی بڑے دھنی تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں مثل ترجمہ کلام مجید اردو مولوی عبد القادر صاحبؒ دہلوی "تحفۂ اثنا عشری" از مولوی شاہ عبد العزیز صاحبؒ دہلوی وغیرہ وغیرہ آپ کے قلم کی نقل کردہ اب تک موجود ہیں۔ زیادہ از یہ اپنے والد مرحوم و مغفور کی تصنیف "ریاضِ احمدی" کی تکمیل فرما کر اپنے قلم سے اس کتاب کی دونوں جلدوں کو لکھا۔

آپ کی تصانیف میں حسب ذیل تین کتابیں ہیں :-

(۱) "**میلاد شریف**"

(۲) "رسالہ منظوم توضیح القرآن"

(۳) "وردو وظائف احمدی" ایک ضخیم کتاب ہے جس کا موضوع نام کتاب سے ظاہر ہے۔ خاندان برکاتیہ کے اہم وظائف ہیں جو حکیم صاحب کو بخانۂ پیر و مرشد عطا فرمائے گئے تھے۔

(۴) "رسالہ نبض و قارورہ" نظم و نثر۔

(۵) "انوار النقائش در لغت"

حکیم صاحب کو ان کے والد بزرگوار نے اوائل عمری میں حضرت اچھے صاحبؒ سے بیعت کرا دیا تھا۔ جن کا ان پر ایک لطف خاص تھا۔

آپ نے تمام زندگی بڑے تجمل و حشم کے ساتھ بسر کی حضرت سید شاہ صاحب عالمؒ مارہروی اور چودھری عبدالغفور سرور مارہرویؒ نے بڑے دردناک قطعات تاریخ وفات لکھے ہیں۔ جن میں اول الذکر بزرگ نے مرثیہ میں اٹھائوے شعر لکھے تھے جس کا پہلا شعر ہے

دریغا ز نیرنگیٔ آسمان دریغا ز بیداد دورِ زماں

اور آخری تاریخ کا شعر

ز رضوان شنیدیم تاریخ او گلِ نو بہار در باغِ جناں شد ہے۔

اور ثانی الذکر کے مرثیہ کے آخر میں تاریخ اس شعر سے نکالی ہے؎

سنہ عیسوی گفت کلکِ سرور کہ در جنت از دہر بقراط رفت

آپ کے پانچ فرزندوں میں سے حکیم الطاف احمدؒ صاحب۔ حکیم دلدار احمدؒ صاحب اور حکیم احمد سعید صاحب بڑے حاذق طبیب ہوئے حکیم احمد سعید صاحب کے صاحبزادے حکیم محمد ابو صالح صاحب بڑے سلیقہ شعار پُر قیافہ۔ خوش فہم، خوش تقریر اور علم طب میں نکتہ رس اور دقیق بیں تھے معالجہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس فن شریف میں ان کی طبیعت اور فکر بڑی رسا تھی۔ ان کے صاحبزادے حکیم محمد اصلح صاحب بھی ایک اچھے اور موزوں طبع طبیب تھے ''رسالہ چیچک'' آپ سے یادگار ہے۔ لاہور میں طبع ہو چکا ہے'' ان کے صاحبزادے محمد زبیر صاحب سلطان لائبریری مسلم یونیورسٹی میں اسسٹنٹ لائبریرین ہیں''

حکیم دلدار احمدؒ صاحب فرزند دوم حکیم امداد حسین صاحب۔ اپنے باپ اور دادا کے حقیقی جانشین تھے۔ آپ طبیب عدیم النظیر اور معالج روشن ضمیر تھے خلقت کو بھی اس فن خاص میں ان پر نہایت اعتماد تھا۔ دینی و دنیاوی ہر کام میں فکر صائب اور ذہن رسا پایا تھا۔ آپ کی قانونی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی ضرب المثل تھی۔ آپ کی دیانت۔ صداقت اور نکتہ رسی پر اپنوں اور غیروں کو ایسا بھروسہ تھا کہ صاحب معاملہ بڑے سے بڑے پیچیدہ معاملات میں آپ ہی کو حکم بناتے اور آپ کی تجویز اور فیصلہ کو بخوشی و خرمی قبول کرتے اور آپ کی معاملہ فہمی کی وجہ سے لوگ کشاکش عدالت اور مصارف بے جا سے بچ جاتے تھے۔

اگرچہ آپ پر مریضوں کا ہجوم اور اہل حاجت کی کثرت رہتی مگر باوجود اس کے مطالعہ اور کتب بینی کا از حد شوق تھا۔ دست و قلم بیں ایسا تھا بڑی بڑی ضخیم کتابوں کو بہت جلد لکھ لیتے۔ آپ کی تحریر بہت سلیس و متین ہوتی تھی قلم برداشتہ فارسی میں لکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی فیض احمدؒ صاحب نے تھوڑے سے خطوط کو جمع کرکے ''انشاء فیضِ احمدی'' نام رکھا ہے۔ فن طب میں آپ کی تصانیف گلزار احمدی اور گلشن احمدی یادگار ہیں''

قومی و ملکی کاموں میں بھی شریک رہتے تھے۔ چنانچہ جنگ ترکی و روس میں ایک معتدبہ رقم اپنی ذات خاص اور چندہ سے جمع کرکے روانہ کی تھی۔ نہر زبیدہ کی مرمت کے چندہ میں بھی معقول رقم روانہ فرمائی تھی۔ آپ کے سانحہ وفات پر مولوی اکرام الدین حسین خاں صاحب رہبر مارہروی نے جو اس زمانہ میں منصف تھے۔ تاثرات سے پُر تاریخ کہی ہے؎

ہوئی رحلت حکیم باخدا کی کہ جس سے ہو گیا مارہرہ خالی
بڑے عالی منش اور متقی نے یکایک کر دیا مارہرہ خالی
ہماری قوم کا اک یار ہے یہ کہ نیکوں سے ہوا مارہرہ خالی
تاسف ہے کہ خاصانِ خدا سے بسی جنت ہوا مارہرہ خالی
ہے بیماری کی کثرت ہائے افسوس طبیبوں سے کیا مارہرہ خالی

ہوئی تاریخ بھی از رُوئے بیمار
عمائد سے ہوا مارہرہ خالی

حکیم دلدار احمد صاحب کے دو صاحبزادوں میں چھوٹے حکیم ابو سعید احمد عارف صاحب صابری چشتی ایک برگزیدہ بزرگ گذرے ہیں۔ تمام عمر تزکیہ نفس میں گذاری طب میں طبیعت رسا تھی۔ زود قلم بلا کے تھے۔ مطالعہ وسیع تھا ضخیم جلدیں آپ کے قلم کی موجود ہیں تصوف میں ایک رسالہ "مصباح الحق" طبع ہو چکا ہے۔ تمام عمر اللہ کی یاد میں گذار دی پیر و مرشد نے عارف کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ آپ کے دو صاحبزادے محی الدین محمد عرف محمد میاں اور شمس الدین محمود عرف محمود میاں بفضلہٖ تعالیٰ موجود ہیں۔ اوّل الذکر متعدد زبانوں سے واقف ہیں غیر ممالک کی کافی سیر و سیاحت کی ہے۔ ثانی الذکر نے اپنے محترم باپ سے طب پڑھی۔ اور ایک ذاکر و شاغل انسان ہیں۔

حکیم دلدار احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے مولوی فیض احمد صاحب اپنے اجداد اور سلف صالحین کے ایک عمدہ نمونہ تھے۔ آپ بڑے متین۔ فطین۔ محنتی۔ جفاکش۔ دیانت دار اور سلیقہ شعار بزرگ تھے۔

جنرل عظیم الدین خاں وزیر مختار ریاست رامپور کے ساتھ آپ کا جو واقعہ پیش آیا تھا۔ اور جسے اس کتاب میں آپ کے حالات میں نظم میں پیش کیا ہے "اس سے اگر ایک طرف جنرل موصوف محو حیرت ہوئے تو دوسری جانب اس سے آپ کی بلند ہمتی۔ استغنا۔ شرافت نفس ہمت اور غیرت کا اظہار ہوتا ہے۔

آپ ایک اعلیٰ پایہ کے انشا پرداز تھے۔ زود قلم اور شیریں رقم بلا کے تھے۔ آپ کی تحریر میں بڑی شگفتگی اور متانت تھی۔ بقول محترمی مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ غالب کی طرز میں ان سے بہتر لکھنے والا کوئی نظر سے نہیں گذرا۔

(۱) ۱۳ر جنوری ۱۸۸۷ء کو مولوی بشیر الدین صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ۔

"بخدا میں سچے دل سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کی تحریر کو بہت غور سے دیکھتا ہوں۔ آج کل کے لوگوں میں آپ جیسے لکھنے والے بالکل نہیں پاتا "کو آزاد شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی وغیرہ دو ایک ہوں تو وہ کس گنتی میں۔ اور یہ بات تو ان میں بھی نہ ہوگی کہ سرسری طور پر ایک کارڈ لکھیں اور ناظرین کا دل کلیجہ سے نکال لیں۔ اگر آپ کے سب خطوط ہاتھ آجاویں تو میں انہیں کتاب کے طور پر طبع کرادوں اور پبلک کو دکھادوں کہ گو زمانہ نہیں رہا۔ قدر دان اٹھ گئے۔ تاہم ایسے لوگ موجود ہیں جو ہر طرح غالب کے ہم پلّہ ہیں۔ خدا کے لئے اگر آپ اپنے خطوط فراہم کرسکیں تو میرے پاس بھیجدیں تاکہ وہ طبع کرادیئے جائیں۔ یہ دوسری کتاب ہمارے یہاں اود ہو جاوے گی"۔

(۲) اور ۴ر ستمبر ۱۸۸۸ء کے خط میں لکھا ہے کہ۔

"اب مجھے ضروری ہے کہ میں آپ کی اعلیٰ انشا پردازی کی مدح کروں۔ لیکن میرے پاس الفاظ کا ذخیرہ چونکہ کم ہے لہذا افسوس ہے کہ اس کی نسبت بجز اس کے زیادہ کیا لکھوں کہ بخدا آپ کے خط میں غالب کی تحریر کا لطف آگیا۔ اور نہ اجھوٹے نہ بلا سے تو کوئی دس بارہ دفعہ خط پڑھا اور ہر دفعہ تازہ لطف آیا۔ یہ بات میں کچھ ظاہری دنیا سازی کے طور پر نہیں کہتا بلکہ واقعی بات ہے۔ میرا تو یہاں تک ارادہ تھا کہ اس خط کو اخبار میں چھاپ دوں۔ اور پبلک کو دکھادوں کہ غالب کے مثل اس وقت بھی لوگ موجود ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ شاید آپ کے خلاف طبع ہو اس ارادے کو ملتوی رکھا۔ لیکن اب زینتِ طبع چاہتا ہوں۔ فارسی انشا پردازی میں بھی اس وقت آپ فخر روزگار ہیں۔

مطالب کی ادائیگی، اور الفاظ کی نشست و برخاست آپ کا جوہر تھا۔ آپ کے دیباچہ "انشاء ہیر" کے ایک ٹکڑے سے بھی آپ کی گرمی تحریر کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ ان نقشوں کو جانے دو۔ بزرگانِ سلف کے واقعات میں وہ بات جو سب سے نرالی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ دنیاوی جاہ و منصب اور دولت کے اس پایہ پر پہونچکر بھی وہ سیدھے۔ سچے اور پکے مسلمان نظر آتے تھے۔ دائرۂ سنت و اتباعِ شریعت سے اُن کا قدم باہر نہ ہوتا تھا دولت و حکومت۔ جو آج باعث پندار و نخوت و موجب صدہا عیوب و منزلت سمجھی جاتی ہے۔ اُن میں بے اعتدالی پیدا نہ کرتی تھی۔ اُن کی عادتیں ستھری۔ اخلاق پاکیزہ تھے۔ پھر اس کا کوئی سبب بھی۔ اس کا سبب تھا۔ اکتسابِ فضائل و ترکِ رذائل۔ وہ علم و حکمت کے شائق تھے۔ ہمت۔ استقلال۔ عزم۔ ارادہ۔ صبر۔ تحمل۔ حق شناسی۔ خودداری اُن کا فطری جوہر تھا۔ پہلے علم پڑھا۔ پھر دیانت۔ راست بازی۔ اخلاقِ حسن۔ کتاب و سنت کے موافق جزو ایمان ٹھہرائے۔ دولت و قبولیت اس جوہر کا عرض تھی۔ وہ کیوں نہ حاصل ہوتی اور اُن کو کیا نقصان پہونچاتی۔ دولت پاکر اُن کے اخلاق اور نکھر جاتے۔ دولت اُن کی خوبیاں چمکانے میں ایسی تھی جیسے سونے کو سہاگہ ''

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے پردادا حکیم عنایت حسین صاحب قدس سرہ العزیز کی کتاب '' سلسلۂ عالیہ '' کو کافی اضافوں کے ساتھ طبع کرادیا۔ اور اس طرح آپ نے خاندان زبیری کنبوہی کے سلسلۂ نسب کو اور اُن کی قومی عظمت و شان کو بڑی حد تک محفوظ کر دیا۔ اور پھر خود بھی '' الشاہیرؔ '' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور طبع کرائی۔ اس کے ذریعہ اس شہرۂ آفاق خاندان کے اکثر مشاہیر۔ نامی گرامی علماء۔ حکماء۔ شعراء۔ مشائخ۔ اراکین سلطنت اور قومی خدمت گذاروں کے تذکرہ سے خاندان کو اُن کے چھوٹے بڑے بزرگوں سے روشناس کرادیا۔ اور یہ آپ کی ایک ایسی قومی خدمت ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔

مولوی فیض احمد صاحب مرحوم و مغفور کی اولاد میں مولوی حاجی محمد انوار احمد صاحب۔ مولوی محمد حسین احمد صاحب مؤلف کتاب ہذا۔ مولوی محمد حسن احمد صاحب۔ اور یہ راقم الحروف محمد امداد احمد ہے۔

مولوی حاجی محمد انوار احمد صاحب مرحوم و مغفور کو بقول مؤلف '' ضیا دالوار '' قدرت نے ایسے تابناک جوہر عطا کئے تھے کہ اگر زمانہ مساعد ہوتا تو وہ اعاظم الرجال کے زمرہ میں شامل ہو کر آسمانِ شہرت کے انجم بنتے '' ایسا نہ ہونے پر بھی انھوں نے مسلمانانِ ہند کی تعلیمی خدمات اپنی بوتے سے کہیں بڑھ کر انجام دیں۔

نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک۔ مولانا شبلی۔ مولانا حالی۔ حکیم محمد اجمل خاں اور حضرت اکبر الہ آبادی۔ سر علی امام وغیرہ وغیرہ بزرگ عزت کی نظر سے آپ کو دیکھتے تھے۔ مولانا محمد علی۔ مولوی عبد الحق بابائے اردو اور ڈاکٹر ضیاء الدین وغیرہ اصحاب سے بے تکلفانہ روابط تھے اور ڈاکٹر سر راس مسعود آپ کا بے حد احترام اور محبت کرتے تھے۔

آپ کا سب سے بڑا جوہر خودداری و خود اعتمادی اور اپنی ذات کے لئے قناعت و استغنا تھا۔ آپ کی گفتگو سحور کن ہوتی جس موضوع پر گفتگو فرماتے معلوم ہوتا کہ بلبل چہک رہا ہے۔ طلاقتِ لسانی غضب کی تھی۔ یہی شگفتگی۔ روانی اور سلاست آپ کی تحریر میں بھی نظر آئے گی۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ سے آپ کا تعلق پینتیس سال رہا۔ بقول مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے۔ دریا آبادی '' خوب شخص تھے۔ کانفرنس کی خدمت میں جوان سے بوڑھے ہوئے اور حق یہ ہے کہ خدمت کا حق ادا کر دیا۔ جفاکش۔ خوش بیان۔ مصلحت شناس۔ معاملہ فہم تھے۔ مخالفین کو رام کرنا انہیں کا کام تھا۔ ''

آپ کی تالیفات میں دو کتابیں آپ کی یادگار ہیں '' اوّل '' خطبات عالیہ '' جس میں ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیس سالہ خطبات کو تین جلدوں میں مدون کیا ہے۔ ہر خطبہ کے شروع میں صدر کے مختصر حالات کے ساتھ اُن کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ یہ تین مجلد مسلمانانِ ہند کی چالیس سالہ قومی۔ ملکی۔ سیاسی اور سب سے زیادہ تعلیمی جدوجہد کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں حالات کی پیش کش انشاپردازی۔ عبارت کی شگفتگی۔ بیان کا تسلسل حالات کا انضباط۔ سوانح زندگی کی جامعیت خود مؤلف کی وسعتِ نظر اور قابلیت کا شاہکار ہے۔

آپ کی دوسری تالیف '' مرقع کانفرنس '' ہے۔ اس میں کانفرنس کے پچیس سالہ اجلاسوں کی کیفیت اور تعلیم جدید کی تحریک نتائج کے مختصر تذکرہ کے بعد ہر سال کے پاس شدہ قرار دادوں کا ترتیب وار اندراج ہے۔ یہ کتاب در اصل ہماری قوم کی ذہنی و عملی قوتوں کا آئینہ ہے۔

آپ کو مارہرہ کے مدرسین اسلامیہ اسکول سے بڑی دلچسپی تھی اور آخر تک اس کی ترقی میں ساعی رہے۔ کانفرنس کے صدر دفتر میں قلمی کتابوں اور نادرات کے جمع کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

اوائل عمر میں جب اٹاوہ میں قیام تھا تو وہاں کی سوسائٹی کے اثر سے شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ بشیرؔ تخلص کرتے تھے۔ مگر قومی خدمات کی ہنگامہ آرائیوں نے اس شغل کو ترک کرا دیا تھا لیکن آخر عمر میں قلبی تاثرات کی وجہ سے پھر اس جانب توجہ مبذول ہو گئی تھی چنانچہ رحلت و وفات مولانا محمد علی مرحوم میں کلیجہ چیر کر رکھ دیا ہے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے **اقبال احمد** بی۔ اے بی ٹی۔ اور **عارف احمد** بی۔ اے۔ بفضلہ تعالےٰ برسرِ روزگار ہیں۔

مولوی محمد حسن احمد صاحب۔ مولوی فیض احمد صاحب مرحوم کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ اٹاوہ اور علی گڈھ میں تعلیم پائی۔ اس کی وجہ سے قومی لگن کا چسکا اوائل عمر ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ ان دونوں مقامات کے بزرگوں کی صحبتوں نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔ مولوی **محمد بشیر الدین احمد** صاحب اور **نواب وقار الملک** بہادر مرحوم کی صحبت کا کافی موقع ملا۔ اور نواب صاحب مرحوم و مغفور کے آخری دورِ حیات میں ایک عرصہ تک آپ اُن کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی ستھرا ذوق ہے۔ اخبارات میں مضامین لکھے اور اکثر کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ ادھر قومی و ملکی خدمات میں پیش پیش رہے۔ مسلم یونیورسٹی کے چندہ کے حصول میں بڑا کام انجام دیا۔ سرکاری ملازمت اور مسلسل بیماریوں نے تھکا دیا ہے مگر قومی کاموں کی کشش آپ تک موجود ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے **حسن محمد اکمل** اور **حسن محمد شفیع** کالج و اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔

راقم الحروف **محمد امداد احمد** مولوی فیض احمد صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے بی۔ اے اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے ڈپ ایڈ کی تعلیمی سند حاصل کی ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں نے **"اصول صداقات و نیرات اسلام"** پر ایک مضمون لکھنے کی وجہ سے ایک طلائی تمغہ حاصل کیا تھا۔ یہ مضمون تاج پریس حیدرآباد دکن میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے کھیل کود میں بھی انعامات وغیرہ برابر ملتے رہے کھیل میں فٹ بال سے زیادہ رغبت تھی۔ "خطبات عالیہ" جو میرے سب سے بڑے بھائی کی تالیف ہے۔ اس میں اکثر صدور کے حالات کا انگریزی کتب سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

برادرِ محترم **مولوی محمد حسین احمد** صاحب کی تالیفات کے دَوران میں آپ کے کاموں میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا جس سے مجھے علمی فوائد حاصل ہوئے اور انہیں کاموں کے ذوق و شوق میں نے **"المحبّر"** تصنیف **محمد بن حبیب** المتوفی **۲۴۵** ہجری استاد ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ جیسی قدیم اور انمول عربی کتاب کے اردو ترجمہ کا سبب بنا۔ اس کتاب کو عربی میں دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے بعد تصحیح شائع کیا ہے میرے اصرار پر ڈاکٹر **حمید اللہ** صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے اردو میں ترجمہ اس طرح کرایا کہ وہ ترجمہ بولتے جاتے اور میں لکھتا جاتا تھا۔ اس طرح پانچ سو صفحات کی اس کتاب کا ترجمہ کئی ماہ میں انجام کو پہونچ گیا۔

اسی طرح ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی کے استاد حضرت **مولانا نصر اللہ** صاحب خویشگی خورجوی کی مشہور و معروف **تاریخ دکن** کا فارسی سے اردو میں ترجمہ اپنے عزیز دوست مولوی **محمد عقیل** صاحب فاروقی ندوی جونپوری سے کرایا۔ اور خود مؤلف کتاب اور دوسرے متعلقہ اشخاص کے حالات جمع کر کے اس کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں سو برس قبل کے حیدرآباد پر یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔ یہ دونوں ترجمے میرے پاس موجود ہیں۔ زمانۂ طالب علمی میں میرے اکثر رسائل میں مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔

کارِ سرکاری کے علاوہ کتب بینی اور اسی طرح کے علمی کاموں میں وقت گذرتا ہے۔ چنانچہ آج کل اپنے سلسلہ کے "پیرانِ طریقت" (صابریہ چشتیہ) کا تذکرہ ترتیب دے رہا ہوں۔

والد مرحوم کا انتقال ایسے وقت میں ہوا کہ میں شیر خوار تھا۔ اس لئے میری تعلیم و تربیت اپنی والدہ محترمہ مرحومہ اور برادر بزرگ مؤلف کتاب ہٰذا کی رہینِ منت ہے۔ یہ انہیں محبت بھرے بزرگوں کا فیضان ہے کہ جس نے علم و عمل کی شاہراہیں میرے لئے کھول دیں۔

مولوی محمد حسین احمد صاحب مؤلف کتاب ہٰذا مولوی فیض احمد صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ ددھیال کا تذکرہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے اب ننھیال کا کچھ تذکرہ کر دینا بھی مناسب ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسمِ گرامی حبیب فاطمہ تھا۔ آپ نے اپنی اولاد کی تربیت میں بڑا عملی حصہ لیا اور بیوگی کے ایام میں تمام دشواریوں کا اس پامردی سے مقابلہ کیا جو اولاد کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کر گیا۔ آپ ایک نیک نفس اور صاحبِ کردار بی بی تھیں۔ آپ کا سلیقہ۔ آپ کا تدین۔ آپ کا رہن سہن۔ آپ کی اصابت رائے، خوش مزاجی اور خلوص مثالی رہا۔

مؤلف کتاب ہٰذا کے نانا منشی حکیم ابو الحسین صاحب کی والدہ حکیم امداد حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے نانا کا ددھیالی سلسلہ **محمود خاں بن عبد اللہ خاں بن شیخ عبد الصمد ملتانی** کے سلسلہ سے حضرت مخدوم شیخ بہاؤ الدین زکریا سہروردی ملتانی دہلوی پر منتہی ہوتا ہے۔

محمود خاں کے دو صاحبزادے مدا خاں اور شہباز خاں با نام تھے۔ اوّل الذکر نیابت صوبہ لاہور کی خلعت سے ممتاز فرمائے گئے۔ آپ کی اولاد میں دولت خاں دیوان بانرید خاں کے ساتھ بندیل کھنڈ کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ حافظ نعمت خاں نے دولت درویشی سے فیض پایا۔ محمد معظم خاں المشہور بہ شاہ عبد اللہ حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ اوّل۔ بزرگ عہد کامل وقت۔ اور صاحبِ جذبۂ قوی تھے۔ عرصہ تک دہلی میں قیام رہا اور مرجع خلائق دہلی بنے رہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کو بھی آپ سے بڑا اعتقاد تھا۔ دہلی میں انتقال کیا۔ لاش مارہرہ لاکر پائینِ مزارِ مرشد میں دفن کی گئی۔

آپ نے جذب کی حالت میں خوب سیر کی چنانچہ دکن سے جو لڑکا آپ کے ہمراہ آیا تھا وہ آپ کی نظرِ کیمیا اثر سے شاہ میم ہو کر مشہورِ انام ہوا۔ اور آپ کا جانشین بنا۔ نواب آصف جاہ اوّل اور نواب قمر الدین خاں وزیر سلطنت دہلی اور وہاں کے مشائخ شاہ میم کی تعظیم و تکریم کرتے۔ شاہ میم ایک اعلیٰ پایہ شاعر بھی تھے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے تذکرہ "ید بیضا" میں آپ کی ابیات نقل کی ہیں "سلسلۂ عالیہ" میں بھی آپ کی ایک غزل ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے کہ ؎

چہ تی پرسی زمن اے دانش آرا درچہ تدبیرم ۔۔۔ جنونِ تازہ پیدا کردہ آمد در فکرِ زنجیرم

مدا خاں کی اولاد کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ موجود ہے۔

محمود خاں کے دوسرے صاحبزادے شہباز خاں عمدہ ملازمینِ شاہی میں سے تھے۔ شجاعت و مردانگی میں آپ نسر دستے۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہدِ سلطنت میں آپ نے ناموری حاصل کی چنانچہ قندھار ضلع ناندیڑ (ریاست حیدر آباد دکن) کی فتح میں نمایاں حصہ لیا۔ اور شاہ جہاں کے اوائل عہد میں سنہ ۱۰۴۲ ہجری میں اسی جنگ میں مع اپنے بھتیجے محمد عمر خاں بن مدا خاں کے شہادت پائی۔ اور اسی قلعہ کے دروازے پر دفن ہوئے۔

محمد ہاشم خاں المخاطب بہ خافی خاں نظام الملکی نے اپنی مشہور کتاب "منتخب اللباب حصۂ اوّل" شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ طبع شدہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء میں صفحات ۴۵۵ تا ۴۵۹ پر قندھار کی اس جنگ کی پوری تفصیل دی ہے۔ چنانچہ ان کے متعلق لکھا ہے کہ ؎

نصیری خاں کہ سال گزشتہ بقصد تسخیر قلعہ و قصبہ قندھار شرطِ سعی بجا آورد بسبب بعضے موانع دست برداشتہ موقوف بر سال آئندہ داشتہ بود۔ دریں لا باتفاق شہباز خاں وغیرہ بطریق ایلغار جلوہ ریز بر قصبۂ مذکور رسیدہ ۔۔۔۔۔۔

نصیری خاں نے گذشتہ سال قلعہ اور قصبۂ قندھار کی فتح کے لئے بہت کوشش کی تھی لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے ہاتھ اٹھا کر دوسرے برس پر اس کام کو موقوف رکھا تھا" چنانچہ شہباز خاں وغیرہ کے اتفاق سے بطریق ایلغار قصبۂ مذکور پر پہنچا ۔۔۔۔۔۔۔

خافی خاں نے اس پوری جنگ کی کیفیت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے ہوئے شہباز خاں کی وفات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ ؎

..... وہر ساعت شعلۂ آتش فساد بلند شدن گرفت وکومک از ہر دو طرف می رسید و نائرۂ جدال وقتال افروختہ تر می گردید۔ جمع کثیر از طرفین کشتہ وزخمی گردیدند۔ دریں ضمن قریب ہفت ہزار سوار غنیم و مردم بقیۃ السیف را درمیان گرفتہ بزور خود پردا ختند۔ و بہ مرتبۂ غلبۂ دکھنی ہا ظاہر شد کہ شہباز خاں با پسر خود از اسپان پیادہ شدہ داد مردانگی دادہ نقد جان را با شصت نفر دیگر در راہ ولی نعمت نثار نمودند.......

..... اور ہر گھڑی فساد کی آگ کے شعلے بلند ہوئے اور ہر طرف سے مدد پہنچی اور جدال وقتال کی آگ خوب بھڑک گئی۔ دونوں طرف کی جماعت کثیر قتل وزخمی ہو گئی۔ اسی دوران میں دشمن کے قریب سات ہزار سواروں اور باقی ماندہ لوگوں نے پھر زور حملہ کر دیا جس سے دکھنیوں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا۔ شہباز خاں یہ دیکھ کر معہ اپنے لڑکے کے گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو گئے۔ اور داد مردانگی دے کر معہ ساٹھ دوسرے لوگوں کے اپنے ولی نعمت پر نثار ہو گئے.......

تحریر بالا سے شہباز خاں کی دلاوری وشہامت بخوبی ظاہر ہے۔ نصیر خاں جس کا تذکرہ ہوا ہے۔ اسی جنگ کے اگلے سال ۱۰۷۱ھ ہجری میں خطاب خان دوران سے سرفراز کیے گئے تھے۔

اوپر خافی خان نے جو یہ "شہباز خاں با پسر خود" تحریر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ شہباز خاں کے ساتھ ان کے حقیقی بھتیجے محمد عمر خاں بن مداخاں شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ میں ہے کہ۔

"محمد عمر خاں پسر خورد مداخاں از شجاعان با نام عہد و معزز زمانیان بود۔ ہمرکاب دولت بادشاہی ہنگام مہم قندھار بہ شہادت اکبر فائض شد"......

"محمد عمر خاں چھوٹے بیٹے مداخاں کے اپنے عہد کے بہادروں میں ممتاز اور معزز زمانہ تھے۔" شہنشاہ کی ہمراہی میں مہم قندھار کے زمانے میں شہادت کبریٰ پر فائز ہوئے"......

شہباز خاں کے ایک پوتے محمد بہلول خاں بن اولیاء خاں اکابر وقت اور اہل اللہ میں سے تھے۔ اور دوسرے پوتے دلیل خاں بن اولیاء خاں کے صاحبزادے محمد جعفر اور ان کے بیٹے محمد باقر صاحب جمعیت واعتبار۔ دانش مند۔ باوقار اور معتمد اقرانِ خود تھے۔ چنانچہ محمد باقر کے پڑپوتے محمد انوار حسین بن عباد علی عرف محمد بھکاری بن تراب علی جو اپنی متانت واخلاق وعلمیت میں ممتاز تھے۔ مؤلف کتاب ہذا کے حقیقی نانا تھے۔ آپ کی بھی ایک کتاب فن طب میں یادگار ہے۔

مؤلف کتاب ہذا کی نانی کے حقیقی نانا نواب مبارک علی خاں۔ نواب خیر اندیش خاں عالمگیری کے سلسلہ سے مخدوم شیخ سعاد الدین زبیری سہروردی کے اخلاف میں ایک با نام ونشان اور صاحب دل بزرگ تھے۔ آپ کے اسلاف میں نواب خیر اندیش خاں صوبہ داری وفوجداری کے عہدوں پر عالمگیر کے زمانہ میں رہے۔ جن کا سب سے اہم اور فراموش نہ کیا جانے والا کارنامہ اٹاوہ میں ایک شفاخانہ کا قیام تھا۔ جس میں مشہور ومعروف طبیب یونانی اور وید ہندی کا بہ دستور تھے۔ فن طب سے آپ کو ذاتی طور پر ذوق تھا۔ چنانچہ اس فن شریف میں "ذخیرۃ التجارت" نامی کتاب آپ سے یادگار ہے۔

نواب مبارک علی خاں بن نواب فرحت اندیش خاں رئیس با نام ہونے کے علاوہ ایک حاذق حکیم بھی تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ شہر میں انگریزی حکومت آ چکی تھی لیکن آپ کی حرمت یگانوں اور بیگانوں کے لیے مسلمہ تھی۔ آپ کی چار کتابیں یادگار ہیں۔

(۱) "کمالات عزیزی" (اپنے پیر ومرشد کے کمالات ہیں)

(۲) "رسالہ مبارک" (زبیری کنبوی خاندان کے ذکر میں)

(۳) "رسالہ تحفۃ المسلمین" (رد شیعیت میں ہے۔ حامد علی خاں مرحوم بیرسٹر لکھنؤ کے دادا صاحب نے اس کے جواب میں کتاب تحریر کی تھی۔

(۴) "انشاء مبارک" (آپ کے خطوط ہیں)

آپ کے اکلوتے صاحبزادے نواب احمد اللہ خاں صاحب بعد خدمات سرکاری اپنے وطن میں اسپیشل مجسٹریٹ اور وائس پریذیڈنٹ میونسپل بورڈ رہے

آپ کو بھی مطالعہ کا بڑا ذوق تھا۔ چنانچہ آپ کی حسبِ ذیل تین تصانیف یادگار ہیں۔

(۱) "حکایات شاہان" اس میں جملہ بادشاہانِ دہلی کی نقل و حکایات مع تصاویر درج ہیں۔

(۲) "حکایات اُمراء" اس میں نقل و حکایات اُمرائے عہد سلاطین خاندان بابریہ لکھی ہیں۔

(۳) "اخلاق احمدی" جو عورت و مرد دونوں کے پڑھنے کے لائق ہے۔ چند کتب اخلاق سے منتخب کرکے لکھی ہے۔

خاندانی اعزاز و مرتبہ کو دیکھکر انگریزوں نے آپ کو نوابی کا خطاب عطا کیا۔ جو آپ کے پانچ صاحبزادوں میں سے تین کو یکے بعد دیگرے عطا ہوتا رہا۔ اب اس خطاب کے مسند نشین آپ کے پوتے **نواب اسلام احمد خاں** بی۔ اے۔ علیگ بن **نواب احسان اللہ خاں** مرحوم ہیں۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح آپ نے سپرنٹنڈنٹ پرمٹ کے عہدہ سے پنشن حاصل کی تھی۔

نواب حمد اللہ خاں کے سب سے بڑے صاحبزادے **نواب سعد اللہ خاں** باپ دادا کے حقیقی جانشین ہوئے۔ میونسپل بورڈ۔ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ اسپیشل مجسٹریٹی وغیرہ کو آپ سے افتخار رہا۔ اور صوبہ کی میونسپل بورڈوں کی جانب سے لیجسلیٹو اسمبلی میں نمایندگی بھی فرمائی۔ شہر میں آپ کی عوام و حکومت میں بڑی عزت تھی۔ حکمت کا فیض بھی آپ سے جاری تھا۔ دین و دنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور تھے۔ آپ قدامت خاندان اور اپنی ذاتی اخلاق اور خوبیوں اور محبوبیوں کی وجہ سے سب کے محبوب رہے۔ اگرچہ آپ بظاہر کوٹ پتلون میں ملبوس بلند و بالا نواب با وجاہت نظر آتے تھے لیکن حقیقت میں آپ ایک بڑے باخدا اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔

آپ والدہ مرحومہ کے حقیقی خالو تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے **سعید اللہ خاں** اور **سعد اللہ خاں** تھے۔ اوّل الذکر عین نوجوانی میں وفات پا گئے۔ آپ کی اکلوتی صاحبزادی رشیدہ بانو خان بہادر **اقبال احمد خاں** مرحوم بی۔ اے کلکٹر و مجسٹریٹ صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی زوجہ۔ اور صاحب اولاد ہیں۔

ثانی الذکر **سعد اللہ خاں** ڈپٹی کلکٹر تھے اور اپنے اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے سب کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھے کہ اسی عہدہ پر جھانسی میں انتقال فرما گئے۔ آپ کی صاحبزادیاں بفضلہ موجود ہیں بڑی صاحبزادی گوہر بانو مسٹر **یٰسین خاں** بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سابق مجسٹریٹ و جج عدن کی زوجہ ہیں۔

والدہ مرحومہ کے حقیقی ماموں **حاجی انعام اللہ خاں** صاحب مرحوم بھی عمائدین میں سے تھے۔ شہر میں بڑی بات تھی۔ ہمیرپور کے ڈسٹرکٹ بورڈ و میونسپل بورڈ کے ممبر اور نائب صدر تھے۔ آپ کا حسنِ اخلاق اور رعب و داب ضرب المثل تھا۔ آپ **حضرت حاجی امداد اللہ** صاحب مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ آپ کے پوتے **سلیم احمد خاں** بی۔ اے۔ علیگ مرحوم یو۔ پی کونسل کے بڑے معرکہ کے ساتھ ہمیرپور و جھانسی کے حلقہ سے ممبر بنے تھے لیکن عین جوانی میں داغِ مفارقت دے گئے۔ اب اُن کے چھوٹے بھائی عزیزی **سلیم حامد خاں** (علیگ) یو پی کونسل کے ممبر ہیں۔

اسی سلسلہ میں خان بہادر مولوی **بشیر الدین** صاحب ایڈیٹر البشیر اور بانی و منیجر اسلامیہ کالج اٹاوہ بھی مؤلف کتاب ہذا کے ماموں لگتے ہیں۔ جن کی قومی و ملکی تعلیمی خدمات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ نانی صاحبہ مرحومہ کی ایک خالہ زاد بہن **نصرت فاطمہ** صاحبہ **نواب وقار الملک** بہادر مرحوم کی زوجہ محترمہ تھیں۔

پیدائش مؤلف

برادرِ محترم کی پیدائش سے قبل ہمارے والدین کی کئی اولادیں جاتی رہی تھیں۔ اس لئے برادرِ محترم کی پیدائش بڑی اللہ آمین کے ساتھ ہوئی۔ گنڈے۔ تعویذ۔ اور دعاؤں کی بھرمار رہی۔ اور اکثر صاحبِ نسبت بزرگوں نے بھی اپنے "نظرِ کرم" اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت مولانا صاحب جو فتح پور ہسوا میں ایک سو سال سے زیادہ عمر پاکر آسودہ ہیں اُن کی کیفیت اُن کی جناب میں بیان کی "تو شفیق باپ سے ارشاد ہوا کہ "جب واپس جاؤ تو اس لڑکے کے کان میں ہمارا سلام کہہ دینا" چنانچہ [illegible] کیا گیا۔ پھر کسی بزرگ کے ارشاد پر ایک کان چھدوایا گیا۔ اس لئے بندو میاں پکارے جانے لگے۔ اس طرح پورے گھر میں سب کی آنکھوں کے تارے بنے رہے۔ ذرا کان گرم ہوا۔ اور بزرگوں نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اور یہ اسی ناز و نعم میں پروان چڑھنے لگے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

دکھ بظاہر تو اس کو ہوتا تھا ۔ تھے مگر بے قرار باپ اور ماں
کون تھا جس کو وہ نہ تھا پیارا ۔ تھا وہ سب سے عزیز تر از جان
چین سے وہ تو رات بھر سوتا ۔ ماں کو لیکن نصیب خواب کہاں
الغرض اِس طرح بہ ناز و نعم ۔ پرورش پائی تا حدِ امکان

آپ کی ختنہ اور بسم اللہ اور ختم قرآن شریف کے بعد نشرح کی رسمیں کافی حوصلہ مندی کے ساتھ انجام پائیں ۔

مکتب رسمِ بسم اللہ کے بعد مدرسہ قومی میں حافظ عظیم اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی سپردگی میں دیدیئے گئے ۔ یہ مدرسہ نواب خیر اندیش خاں زبیری کنبوی عالمگیری کی تعمیر کردہ "خیر المساجد والمعابد سنہ ۱۱۰۰ ہجری" میں خاندان کے بزرگوں نے قایم کیا تھا جس میں عربی و فارسی "علمِ حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک طرف افغانستان و صوبہ سرحد اور دوسری جانب بنگال تک کے طلباء بغرضِ حصولِ تعلیم آتے تھے ۔ اور قرآن شریف ناظرہ پڑھایا اور حفظ بھی کرایا جاتا تھا ۔ اردو، انگریزی و حساب کی تعلیم بھی چھٹی جماعت تک ہوتی تھی ۔ اِس مدرسہ نے کافی شہرت حاصل کر رکھی تھی ۔ شہر کے شرفا کی ابتدائی تعلیم کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا ۔ چنانچہ ڈاکٹر ضیاء الدین، نواب اسلام احمد خاں سابق رکن لیجس لیٹیو اسمبلی صوبۂ یو۔پی ۔ اور مولوی محمد احمد صاحب سابق پوسٹ ماسٹر جنرل ریاست حیدرآباد دکن وغیرہ وغیرہ اپنی ابتدائی تعلیم کے لئے اِسی مدرسہ کے مرہونِ منت ہیں ۔ خان بہادر مولوی بشیر الدین احمد صاحب بانی و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ و ایڈیٹر اخبار البشیر اپنی ابتدائے عمر میں اِسی مدرسہ میں ملازم ہوئے تھے اور اِسی وجہ سے ماسٹر بشیر الدین کے نام سے مشہور ہیں ۔

شرارتیں آپ گھر کے ماحول کی وجہ سے شروع سے نڈر واقع ہوئے تھے ۔ چنانچہ اِس مدرسہ میں ماسٹر عبد الرحیم صاحب ایک قدیم انگریزی داں مدرس تھے ۔ اُن کی عادت تھی کہ مارنے کی بجائے لڑکوں کی آستین چڑھا کر بازو میں کاٹ لیا کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک روز برادرِ محترم کی بھی باری آگئی ۔ اور ماسٹر صاحب نے جلدی جلدی آپ کی آستین چڑھا کر چٹکی مارنے کا اِرادہ کیا ۔ اُس وقت خود ماسٹر صاحب کے ہاتھ کا انگوٹھا ۔ خوب پک رہا تھا اور پٹی بندھی تھی ۔ برادرِ محترم نے یکایک اُن کا انگوٹھا پکڑ لیا ۔ اُسے خوب مسلتے جاتے اور شور مچاتے تھے کہ ماسٹر صاحب مرگیا معاف کرو اب ایسا نہیں کروں گا ۔ ماسٹر صاحب نے بہت بَل کھائے اور تکلیف سے تڑپ کر فرمانے لگے "تو نہیں مرا میں مرگیا" غرض برادرِ محترم نے انگوٹھا چھوڑ دیا اور ماسٹر صاحب کرب و بے چینی میں ان کے بازو کاٹنا بھول گئے " انہیں بخار چڑھ آیا دو دن کی چھٹی لینی پڑی "

اِسی طرح اِنہیں ماسٹر صاحب کے متعلق (خدا ان کو جنت نصیب کرے) ایک واقعہ ہے کہ یہ حقّہ پینے کے بہت عادی تھے ۔ لڑکے تنگ تھے ۔ ایک روز برادرِ محترم نے اُس لڑکے کو جو اس ڈیوٹی پر متعین تھا ۔ صلاح دی کہ خرگوش کی مینگنیوں کا سُلفہ ماسٹر صاحب کو پلایا جائے ۔ چنانچہ چند لڑکوں کی ایک کمیٹی بن گئی ۔ ایک دن اِس شرارت کے لئے مقرر ہوگیا ۔ چنانچہ ماسٹر صاحب نے جیسے ہی حقّہ بھرنے والے لڑکے کو چلم بھرنے کا حکم دیا ۔ اِس کمیٹی کے اراکین مختلف بہانوں سے مدرسہ کے باہر ہو گئے ۔ اور ماسٹر صاحب کی چلم میں نصف تمباکو اور نصف خرگوش کی مینگنیاں بھر دیں ۔ اور پھر ایک ایک کر کے یہ لڑکے جماعت میں حاضر ہو گئے ۔ چلم حقّہ پر رکھدی گئی ۔ ماسٹر صاحب کا قاعدہ تھا کہ پہلے تو چھوٹے چھوٹے جلدی جلدی دم لگاتے اور بعد میں ایک لمبا کش کھینچتے ۔ چنانچہ لمبا کش کھینچتے ہی انہوں نے میز پہ پاؤں پھیلا کر ـــــ پہلو بدلنا شروع کر دیئے ۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے چھوٹے چھوٹے اور لمبے لمبے چند کش اور لگائے ۔ اب تو انہیں بیٹھنے کی تاب نہیں رہی ۔ فوراً پاخانہ تشریف لے گئے ۔ مگر وہاں بجائے اس کے کہ اُن کو اجابت ہوتی ۔ ہوائیاں اُڑنے لگیں ۔ مدرسہ کے مکان کا صحن کچھ بڑا نہیں تھا اِس لئے اِن آوازوں کو سن کر تمام طلباء ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے ۔ مجبور ہو کر ماسٹر صاحب کرسی پر آ بیٹھے ۔ بے چینی بڑھتی رہی اور پیٹ پھولنا شروع ہو گیا ۔ گھبرا گئے اور لڑکوں کو چھٹی دے مکان کو سدھار گئے ۔ لڑکوں نو

کھیلنے کا موقع مل گیا۔ غرض اس طرح کی شوخیاں مدرسہ اور اس کے باہر رہتی تھیں۔

لڑکپن کے کھیل اور شوق

عزیز و قریب اور دوسرے لڑکوں کی ایک زبردست ٹولی تھی۔ جن کا ساتھ دن عید اور رات شب برات تھی۔ آئے دن نت نئی شرارتیں اور مختلف کھیل ہوتے رہتے تھے "کیڑی کانٹا" "آنکھ مچولی" "چیل جھپٹا ہوتا" "گولیاں" "اور گیڑیاں"۔ کبھی کھیلی جاتیں "ڈیلو" باہر میدان اور کھیتوں میں ہوتی "ڈیلو میں ایک لڑکے سے کہا جاتا کہ وہ فلاں درخت کا پتہ لیکر آئے۔ وہ جب آکے پتے لے آتا تو ٹولی میں سے کسی کو چھونے کی کوشش کرتا۔ اس میں بڑی بھاگ دوڑ ہوتی۔ اور جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا تو ٹولی میں شامل کرلیا جاتا۔ اور اس کی جگہ چھوئے ہوئے کو مل جاتی تھی" اب یہ تنہا رہ جاتا اور ہٹاتے ہوئے پتہ کی تلاش میں چلا جاتا تھا۔ کبڈی کے بھی اچھے کھلاڑیوں میں تھے "داہنے ونگ پر رہتے تھے" آپ کی کبڈی مشہور تھی"

پلے بڑے جوش سے لڑے جاتے تھے" ان کا قاعدہ یہ تھا کہ برادر محترم کی پارٹی کسی دوسرے محلے کے لڑکوں سے تعطیل کے دن پلہ بدل لیتی۔ اب یہ دونوں فریق سنگ تراشوں کے یہاں سے پتھر لاکر اور سڑکوں کے کنکر کھود کر اپنے اپنے مورچوں پر جمع کرتے تھے۔ اور پلہ کے دن شام کو باقاعدہ فوجی ڈریس میں رجو جوتہ "ٹوپی" کرتہ اور پاجامہ پر مشتمل ہوتا اور اس پر ایک سرخ و سبز رنگ [illegible] کندھے پر سے دوسرے ہاتھ کی بغل کے نیچے سے نکال کر ڈال لی جاتی تھی اور کمر پر پٹی باندھ کر اس میں دو پوری کا بانس کا ڈنڈا جو بڑے اہتمام سے تیل لگا کر دھوپ میں پکایا جاتا تھا" بجائے تلوار کے لٹکا لیا جاتا تھا" اپنے کپتان کے یہاں جمع ہو جاتے۔ وہاں سے بگل اور ارگن [illegible] نوچندی سے آٹھ آٹھ آنے میں خرید لئے جاتے تھے) بجاتے ہوئے اور جھنڈے سرخ و سفید [illegible] لے کر دو دو کی قطاروں میں بازاروں میں سے گذر کر اپنے مورچے پر پہنچ جاتے" وہاں [illegible] میمنہ میسرہ اور قلب قائم کرکے [illegible] سوا سو قدم کے فاصلہ سے دونوں طرف کے سپاہی اپنی اپنی جھولیوں میں کنکر اور پتھر بھر کر کھڑے ہو جاتے تھے" چند لڑکے چادروں میں کنکر پتھر لئے رہتے کہ جب کسی سپاہی کے پاس گولہ باری کے وقت رسد ختم ہو جائے تو اسے فراہم کردیں۔ کچھ لڑکے زخمیوں کو اٹھانے کے لئے بھی متعین کئے جاتے" اس دوران میں باجے زور زور سے بجتے رہتے تھے" بالآخر سرخ جھنڈی ہلائی جاتی اور گولہ باری شروع ہو جاتی۔ سپاہی گولہ باری کرتے ہوئے بڑھتے جاتے۔ اور جب آپس میں مل جاتے تو جنگ مغلوبہ شروع ہو جاتی تھی۔ یعنی بجائے تلواروں کے ڈنڈوں سے کام لیا جاتا تھا" یہ واقعہ ہے کہ برادر محترم کی پارٹی نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔ ہمیشہ فریق مخالف کو زیر و زبر کر ڈالا اور فتح حاصل کی۔ اسے دور تک بھگا دیا" ایک پلہ میں برادر محترم کے گال پر اس زور سے پتھر لگا تھا کہ تمام منہ سوج گیا تھا۔ کئی مہینوں میں آنکھیں کھل پائیں تھیں" ایک دفعہ آپ کی طرف سے ایک لڑکے کے ناک کے نتھنے کو فریق مخالف کی طرف سے آئے ہوئے تراشیدہ و خراشیدہ پتھر نے چاقو کی طرح کاٹ دیا تھا۔ جس میں ریشم جلا کر بھروانا پڑا تھا" گو اس زخم کا نشان کچھ نمایاں نہیں رہا ہے مگر یہ دوست اس دن سے آپ کی پارٹی میں بجائے عبدالوحید کے نکٹے وحید کے نام سے معروف ہوگئے ہیں" انہیں دودھ بھی پلوایا گیا تھا۔ اور جلیبیاں بھی کھلائی گئی تھیں"

جب ہند میں قومی زندگی نے کروٹ لی اور نشاۃ ثانیہ کا دور چلا تو اخبار و رسائل نے قوم کو ابھارنے کیلئے ولولہ انگیز نظموں کو شائع کرنا شروع کیا۔ یہ ایک بڑا قومی و علمی سرمایہ ہے تو آپ نے اعلیٰ پایہ قومی نظموں کو جمع کرنا شروع کر دیا اور اس طرح ایک بڑا اچھا ذخیرہ آپ کے پاس جمع ہو گیا ہے۔ ایک زمانہ میں رخصت لیکر حیدرآباد میں کئی مہینہ قیام رہا تو کتب خانہ آصفیہ کی کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالی۔ آپ کے ذوق و شوق کا یہ عالم ہے کہ آپ جہاں تشریف لے جاتے ہیں یا جس گھر میں ٹھہرتے ہیں سب سے پہلا کام آپ کا یہی ہوتا ہے کہ وہاں کی کتابوں کو دیکھ ڈالیں۔

کتابوں کی فراہمی

حیدرآباد میں جو ہفتہ وار ی جمعرات کا بازار لگتا ہے حیدرآباد کے قیام کے دوران میں اس روز آپ ضرور بازار تشریف لے جاتے اور اس میں جو کتاب اخبارات و رسائل مفید مطلب ملتے ان کو آپ ضرور خرید لیتے ہیں۔ اسی طرح میرٹھ یا دوسرے اسی طرح کے بازاروں میں آپ کی نظر کتابوں کے ذخیرہ پر پڑتی ہے اور اس طرح آپ نے ایک اچھا کتب خانہ جمع کر لیا ہے جس میں کافی اعلیٰ پایہ کتابیں ہیں۔ آپ کے اسی ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے ہمارے سب سے بڑے بھائی مولوی حاجی انوار احمد صاحب زبیری نے اپنی مرتبہ کتاب "خطبات عالیہ" کی پہلی جلد پر حسب ذیل عبارت لکھکر آپ کو بھیجی تھی:

"میرے بھائیوں میں حسین احمد سلمہ کو کتابیں حاصل کرنے کا ان کو حفاظت رکھنے کا اور بقدر استعداد لکھنے پڑھنے کا شوق ہے ان کے ذوق مطالعہ کی وجہ سے میں "خطبات عالیہ" کی یہ جلد بطور اپنی نشانی اور یادگار کے اپنے دستخطوں سے دیتا ہوں" ؎

لکھا رہے سو سا ٹھ برس جو لکھ جائے کوئی ۔۔۔ لکھن ہارا باورا جو گل گل ماٹی ہوئے

(المرقوم ۱۳ مارچ ۱۹۲۸ء علیگڈھ)

اخبارات و رسائل

ایک دفعہ خیال گذرا کہ اخبارات و رسائل کو جمع کرنا چاہئے تو آپ نے ان کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۴۵ء سے لیکر اس وقت تک کے اخبارات مجلّدات کی شکل میں آپ کے پاس موجود ہیں جن کو آپ نے اپنی ذاتی محنت و کوشش سے جمع کیا ہے۔ دہلی اردو اخبار کا ضمیمہ فوائد الناظرین منشور محمدی بنگلور میسور ریاض الاخبار گورکھپور ۱۸۸۶ء بجا نیور کا اخبار عالم تصویر ۱۸۸۶ء۔ البشیر پیسہ اخبار۔ وطن۔ وکیل۔ زمیندار۔ ہمدرد۔ ہمدم۔ اخبار ہلال۔ انقلاب وغیرہ وغیرہ سالانہ مجلدات کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ہر زمانہ کے متعلق ملک کے مختلف اخبارات و رسائل کے پرچے موجود ہیں تاکہ ملک کی عام کیفیت و رجحانات کا پتہ چل سکے۔ یہ علمی ذخیرہ بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی ہے۔ یہ اخبارات و رسائل ایک جگہ جمع ہی نہیں کر دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے مضامین کی فہرستیں بھی تیار کی گئی ہیں۔ اور اس دشوار گذار کام کو بھی خود اپنے قلم سے ہی انجام دیا۔ ان فہرستوں سے ان اخباروں وغیرہ کی افادیت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

فرامین شاہی و شجرہ جات

علاوہ کتب و اخبارات و رسائل کے میں نے اور بھائی صاحب موصوف نے فرامین شاہی جو مختلف ادوار پر محیط ہیں اور شاہی زمانہ کے کاغذات کا بھی ایک وافر ذخیرہ جمع کیا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے یہ فرامین و کاغذات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ خاندانی شجروں کا بھی ایک کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ جو بوقت فرصت کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائیگا۔

تصاویر

جب تصاویر جمع کرنے کا دل میں خیال گذرا تو مشاہیر قوم و ملک۔ شعراء۔ ادباء وغیرہ۔ اور خاندان کے بزرگوں کی تصاویر بھی بڑی تعداد میں جمع ہو گئیں۔ اور یہ سرمایہ بھی ایک قومی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پتھروں کی فراہمی

ملازمت کے دوران میں چونکہ کوہستانوں اور دکن کے پہاڑوں اور میدانوں میں کثرت سے گذر ہوا تو مختلف جگہوں پر اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب قسم کے گوناں گوں پتھر نظروں سے گذرے تو ان کو جمع کرنے کی جانب طبیعت راغب ہوئی اور اس طرح بہت اچھے اچھے پتھر جمع ہو گئے ہیں۔ ان میں قدرت نے جس جس طرح کی صناعی

نواب شہباز خان کے متعلق نظم کے کچھ اشعار اور والد ماجد مولوی فیض احمد صاحب مرحوم و مغفور مؤلف المشاہیر کے حالاتِ زندگی میں سے وہ واقعہ جو جنرل اعظم الدین مرحوم و مغفور کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آپ کا نظم کیا ہوا اِسی کتاب میں اپنے موقع پر لکھا ہے۔ آپ کے نتائج فکر کے چند اور نمونے یہاں پیش ہیں۔ ایک الوداعی جلسہ کی نظم سے حزن و ملال اور نصیحت کے تین شعر یہ ہیں:

(۱) اے محبو دوستو جب دل ہو پامالِ ملال — کس طرح کوئی سنائے تم کو روداد چمن
(۲) جاؤ جاؤ علم سیکھو اور رکھو کوشش سے کام — مت ڈرو جانا پڑے گا تمہیں چین و ختن
(۳) بعد اِس تحصیل کے کچھ کام پھر ایسے کرو — فخر تا تم پر سدا کرتا رہے ملکِ دکن

آپ نے اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے حالات نظم کیے ہیں۔ جن میں سے چند بزرگوں کے حالات میں سے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:-

مولوی حافظ محمد نصر اللہ صاحب جدِّ ششم مؤلف کتاب ہذا

حافظ نصر اللہ خاں نے علم کی تحصیل میں — دقتیں زیادہ اٹھائیں، کلفتیں بیحد سہیں
ہمت اُن کی ایسی تھی، اور یہ وفورِ شوق تھا — علم کو جس جا سنا چھوڑا وطن۔ پہنچے وہیں
ذہن تھا ایسا رسا۔ پیری میں جب آیا خیال — تھوڑے عرصہ میں کیا سب۔ حفظ قرآن مبیں
وہ ایسے تھے بحرِ سخا، تشنہ لبانِ علم کو — سیراب ہی کرتے رہے۔ تا اپنے وقت آخریں
تین سو ہر علم کی لکھ کر کتابیں ہاتھ سے — خانقاہ میں رکھیں سب کے استفادہ کے تئیں
وہ ہی تھے۔ مارہرہ جن سے بن گیا تھا جامعہ — جس کی ہر اطراف میں تھیں شہرتیں پھیلی ہوئیں

حکیم عنایت حسین صاحب جدِّ سوم مؤلف کتاب ہذا

نورِ فتح اللہ خاں کی۔ ہو صفت کیا کیا بیان — جامع علم و فنون ایسے تو دیکھے ہی نہیں
شادی اُن کی ہو گئی سترہ برس کی عمر میں — پنج ماہہ وہ تھے جبکہ والدہ اُن کی مریں
ایسے نازک حال میں۔ اُن کا سا ذوق، اور شوقِ علم — آج تک ہم نے سنا ہے، اور دیکھا ہی نہیں
وہ جفر، تکسیر میں۔ رکھتے نہ تھے اپنی نظیر — شعر کے فن میں تھے، اُستادِ زمانہ بالیقیں
طب میں تھے عیسیٰ نفس، دستِ شفا سے سب مریض — کرتے تھے چنگے بھلے، از حالتِ نازک ترین
سیر اور تاریخ پر وہ رکھتے تھے وہ ایسا عبور — ہر گھڑی جس کے لئے نکلے ہے لب سے آفریں
وہ ہی تھے بتلا گئے، جو حال ماضی کا ہے ہیں — اُن کی تحقیقات سے، کیسی نئی راہیں کھلیں
تھے مصنّف ایسے وہ۔ کہ جن کی تحقیق و تلاش — اور لیاقت پر صداقت ہے جو ان کے دل نشیں
جنبِ نظری اور عملی۔ میں رہا حق احمدی — کاشف الاخبار اور تاریخ پر وہ جو لکھیں
سلسلۂ عالیہ جو لکھی ہے حالِ قوم میں — اُن کا ثانی ہے کہاں، از چین تا یورپ زمیں
خاندانِ برکاتیہ پر لکھی، آثارِ احمدی — برکتیں چھائیں ہوئیں جس گھر سے مارہرہ پہ تھیں
سب نہیں باقی رہا، تھوڑا جو ہے اُن کا کلام — حسن کے شعرائے متفکر، ہیں جھکا دیتے جبیں

حکیم امداد حسین صاحب جدِّ دوم مؤلف کتاب ہذا

وہ جو تھے، ہے نام نامی جن کا امدادِ حسین — خوش قیافہ، قد آور، رعب والے، اور حسین
رعب و جراءت سے، ڈر یک جاتے تھے اُنکے سب بہی — قلب تھراتے تھے جب کرتے تھے وہ چین بر جبیں
تھی میسر اُن کو ثروت، پر سخاوت سے اُسے — کرتے تھے ایثار، حاجت لانے والوں کے تئیں

با خوشی تھی چھوڑ دی ، تحصیلداری اِس لئے
چاکری میں جبکہ دیکھا کوئی عزت ہے نہیں
طِب کا پیشہ کر لیا ، آکر وطن میں اختیار
تا کریں آزاد ، وہ خدمت دنیا و دیں
تھے وہ بقراطِ زماں ، اُن کی حذاقت کے سبب
جان بخش چلنے لگے ۔ لاانتہا جانیں بچیں
اہلِ مارہرہ کے محسن ، قوم کے تھے وہ رہبر
اُن سے اطمینان و راحت کا تھا سایہ ہر کہیں
اُن کے دل میں جوش تھا ، طاقت کی کچھ وقعت نہ تھی
اسلام پر تھے وہ فدا ، غیرت تھی قومی جاگزیں

حکیم دلدار احمدؒ صاحب مؤلف کتاب ہذا کے دادا

پسرِ دویم باپ کے تھے وہ بہت لائق ترین
ہر طرح کی خوبیاں قدرت نے اُن میں تھیں رکھیں
طِب میں لاثانی ، معالج تھے بہت روشن ضمیر
تھے وہ جالینوس اپنے وقت کے بالیقین
معاملہ فہمی و دیانت بھی مسلّم آپ کی
اور قانونی لیاقت پر بھی تھا سب کو یقین
کوئی ہوتا معاملہ ، سب مانتے اُن کو حَکَم
فیصلے فرماتے تھے جھگڑوں کے وہ احسن ترین
قاعدے کے اور ادب کے ایسے تھے پابند وہ
جن کی تمثیلیں تو اب ڈھونڈے سے بھی ملتیں نہیں

حاجی انوار احمدؒ صاحب برادر بزرگ مؤلف کتاب ہذا

جب کسی کو دیکھتے ، وہ کام کرتا اچھا نیک
اُن کو ہوتی تھی مسرت ایسی کہ دیکھی نہیں
تھے محبت کے وہ پُتلے ، جو کوئی اُن سے ملا
ہو گیا اُن کا فدائی اور انہیں بھولا نہیں
اُن کی مجلس میں کوئی بیٹھا جو آکر ایکبار
آج تک ہے یاد میں اُن کے وہ بے چین و حزیں
اپنی تقریروں سے کرتے تھے وہ زندہ مردوں کو
گفتگو میں اُن کی تھا اعجاز پنہاں بالیقین
پھول جھڑتے منہ سے اُن کے جب کبھی وہ بولتے
تھی طلاقت اور آمد اُن کی اعلیٰ بہترین
بیٹھنے سے اُن کے آجاتی تھی رونق بزم میں
زندہ دل ایسے تھے وہ بس کہ دیکھے ہی نہیں
تھے صلوٰۃ و صوم کے پابند آبا کی طرح
اور حج کا شوق تھا دل میں بہت ہی جاگزیں
چھوڑ کر سب کو وہ آخر کار حج کو چل دیئے
لَو لگی تھی جس جگہ کی ۔ پہنچے سر کے بل وہیں
تھا جو حج کے فرض کا اُن کو ادا کرنے کا شوق
فضل سے اللہ کے پورا ہوا احسن ترین
آیا جب ماہِ محرّم ، پانچویں تاریخ کو
وہ چلے مکّے سے بہرِ شوقِ ختم المرسلین
قبّۂ خضرا کو دیکھا ۔ شکر کا سجدہ کیا
واسطے جس کے بہت رہتے تھے بے چین و حزیں
داخلِ شہرِ مدینہ ہو کے کر کے غسل جلد
وہ ہوئے حاضر درِ اقدس پہ رکھ دی فرحاں جبیں
جس سے زیادہ کوئی بھی اُن کی تمنا تھی نہیں
پوری آخر وہ ہوئی از فضلِ ربّ العالمین

آپ کی "بزرگانِ مارہرہ" نظم بھی خاصی طویل ہے ۔ جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

چھیڑ دو مضراب کو کہنہ داستانِ باستیں
دل میں آیا ہے سنا دوں کچھ جو تھے اے ہم نشیں
جانتا اچھی طرح سے ہے اِسے چرخِ بریں
جیسی مردم خیز تھی مارہرہ کی یہ سرزمیں
اِس جگہ پیدا ہوئے تھے ۔ ایسے ایسے نامور
علمیت و عفت و سخاوت کے جو تھے ماہ جبیں
تھے شجاعت میں وہ یکتا اور جرأت میں بے مثال
چرخ تھرّاتا تھا جب وہ کھینچتے تھے تیغِ کیں
معدنِ صدق و صفا ۔ مہر و مروّت میں تھے فرد
باوفا ایسے کہ جیسے ہم نے ہیں دیکھے نہیں
علم و فن کے سیکھنے میں وہ اُٹھاتے محنتیں
پر سکھانے میں اُسے رہتے سدا خندہ جبیں

پیاسے جو آتے یہاں سیراب ہوتے تھے سبھی — کوششوں سے اُن کی یہاں پر علم کی نہریں بہیں
اِس جگہ ایسے ہوئے صاحب دل و صاحب کمال — فیض جن کا پہنچتا تھا عرب سے تا ملکِ چین

اللہ اللہ ہر صفت میں۔ تھے وہ اپنی ہی مثال
مرحبا۔ صلِّ علیٰ " صد آفریں صد آفریں

جس زمانے میں چنور ضلع آصف آباد آپ کا مستقر تھا۔ وہاں ایک نائب ناظم صاحب جنگلات بتقریب دَورہ آکر انسپکشن بنگلہ میں مقیم ہوئے تھے " مقامی کلب نے جس کے برادرِ محترم معہ مقامی افسروں اور وکلاء وغیرہ کے ممبر تھے اُن کے آنے میں ایک جلسہ ترتیب دیا تھا " اور اس میں احباب کے تقاضہ سے یہ نظم فوراً تصنیف کرکے آپ نے پڑھی تھی "

اِس قصبہ چنور میں آئے نائب ناظم جنگلات — خوشی مناؤ۔ ڈھول بجاؤ۔ ہم سے ملاؤ یارو ہاتھ
جنگل۔ جھاڑی اور پہاڑی۔ شیر، گھیرے۔ گیدڑ۔ مارے — اِن سب کے اَن داتا یہ ہیں سن لو پیارو میری بات
سات گنائے میں نے تم کو اور بہت سے چھوڑ دیئے — ساری گر تفصیل سناتا۔ صبح سے ہو تی آدھی رات
ہرگز پورے۔ سب کچھ جانیں۔ خوب نکالیں۔ دیکھیں بھالیں — اپنے کام میں ہار نہ مانیں سب سے نرالی اِن کی گھات
اِن کے ماتحت اِن سے خوش ہیں کیسی شان بڑھائی اِن کی — بنگلے سجائے۔ جھنڈے اڑائے سب میں بڑھائی اِن کی بات
ہم تو واقف اِن سے نہیں تھے۔ حال سنا جب ہم نے اِن کا — سب لوگوں کی چاہت دیکھی جانا اِن کو سونا دھات

وصف کو ان کے سن کر یارو سب ہی تو ملنا چاہتے تھے
منصف نے اِنصاف کیا ہے۔ لایا جو اِن کو اپنے ساتھ

آپ پنڈی پا کلا پراجکٹ کا کام شروع کرانے کے لئے اور لوگوں کے ساتھ یکم رمضان کی صبح کو حیدرآباد سے روانہ ہو کر وہاں شب میں پہنچے تھے۔ بائیس رمضان کو ساٹھ ستر اشعار کا ایک منظوم خط آپ نے اپنے کرم فرما شیخ محمد حسین صاحب مرحوم و مغفور وکیل ضلع کریم نگر کی خدمت میں بھیجا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں :-

بے لطف کٹ رہے ہیں روزے جناب والا — ہوں دُور آپ سے جو میں اے جناب والا
بائیس[۲۲] ہو چکے ہیں اور آٹھ جو ہیں باقی — ہمت کے سامنے یہ کیا ہیں جناب والا
چاروں طرف کو نظریں جس وقت ڈالتا ہوں — پتھر ہی دیکھتا ہوں بکھرے جناب والا
ہے دھوپ سخت لیکن۔ سایہ ذرا نہیں ہے — کانٹوں کی جھاڑیاں ہیں چھوٹی جناب والا
پتھر ہو یا کہ روڑا اُس کو اٹھاؤ گے جب — بس بچھو دیکھ لو گے۔ نیچے جناب والا
قدرت کا یہ تماشا دیکھیں گے آپ جس دم — غش غش کریں گے پھر تو بیشک جناب والا
ڈسٹرکٹ ہیل ڈاک خانہ ہے دُور اس جگہ سے — واں تک سڑک ہے کچی سنئے جناب والا
پانڈورڈ ڈاکٹر بھی اتنے ہی فصل پر ہیں — واں تک پہنچ ہے مشکل سب یہ جناب والا
تیتر بٹیر بے شک جنگل میں بہت سے ہیں — خرگوش بھی ہیں کافی یاں پر جناب والا
جب کام ہی سے فرصت مجھ کو ذرا نہیں ہے — پھر ان سے فائدہ ہی کیا ہے جناب والا
بلبل پھنسی ہے کیسی اِس جا چمن سے آکر — آؤ جناب والا۔ دیکھو جناب والا

غرض آپ کی بہت سی نظمیں ہیں جو کسی نہ کسی موقع پر آپ نے کسی جذبہ یا تاثر کے ماتحت لکھی ہیں۔ ہم نے جو یہاں ایک جھلک دکھلائی ہے اس سے آپ کی جودتِ طبع اور آمد مضمون کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے "

ذہانت تلنگانہ میں بلازمت کے سلسلہ میں آپ کو خیال پیدا ہوا کہ ملکی زبان سیکھنی چاہئے۔ چنانچہ ایک ہی ہفتہ میں آپ نے دماغ میں تلنگی زبان کا اتنا ذخیرہ جمع کر لیا کہ اس میں گفتگو فرمانے لگے۔ معلومات کا وہ ذخیرہ آپ کے دماغ میں رہتا ہے کہ کسی جلسہ کسی سوسائٹی اور کسی صحبت میں کسی بھی مسئلہ پہ بے تکلف گفتگو کرتے ہیں۔

ایک روز گلشن آباد میدک دکن میں اپنی تعیناتی کے زمانہ میں اپنے دوست وحیدالدین حیدر صاحب کے مکان پر معہ چند احباب کے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اُن کے چھوٹے بھائی امیرالدین حیدر عرف امیر میاں مرحوم و مغفور نے جن کی عمر اس وقت بائیس سال کے قریب تھی دو تصویریں دو اصحاب کی جنہیں کبھی آپ نے دیکھا نہ تھا بلکہ اُن کے ناموں سے بھی واقف نہ تھے۔ اور جن کی جسامت عمر۔ وپوشش میں بھی زیادہ فرق نہ تھا) لاکر الگ الگ دو چوکٹوں میں آپ کے سامنے رکھدیں اور کہا کہ جو کتاب آپ نے مجھ سے لیکر ایک ماہ قبل پڑھی تھی۔ اِن دونوں حضرات میں سے ایک اُس کے مصنّف ہیں۔ تصویروں کو دیکھکر بتلائیے کہ اِن میں وہ کون ہیں" معاملہ سخت تھا مگر آپ نے دونوں شکلوں کے چہروں پر نظر ڈالی اور اُس کتاب کے مضمون کو ذہن میں لاکر ایک چوکٹا اُن کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور فرمایا کہ اُس کتاب کے مصنّف یہ ہیں" امیر میاں مرحوم نے اقرار کیا اور چلے گئے۔ الگ پلنگ پر جاکر خاموش لیٹ گئے۔ آدھ گھنٹے کے بعد یہ سوچ کر کہ شاید یہ اتفاق تھا۔ پھر ایک تصویر لیکر آئے جس میں اُن کے ہم سن چند دہ سولہ لڑکوں کا گروپ تھا" اور آپ کے سامنے رکھکر کہا کہ یہ سب میرے ملنے والے ہیں۔ مگر ان میں ایک میرا خاص الخاص دوست ہے۔ بتلائیے وہ کونسا ہے" یہ معاملہ پہلے معاملہ سے بھی اہم تھا۔ سوائے دو تین لڑکوں کے آپ کسی اور سے واقف نہ تھے" مگر آپ نے امیر میاں مرحوم کے عادات وخصائل کو ذہن میں رکھکر اور گروپ کے سب لڑکوں کے چہروں کو غور سے دیکھکر ایک لڑکے کے چہرے پر انگلی رکھدی اور فرمایا کہ اگر خاص الخاص دوست تمہارا ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے" بات صحیح تھی موجودہ حضرات اور امیر میاں مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور وہ آپ کی ذہانت پر عش عش کرگئے۔ یہ لڑکا وہ تھا جسے آپ نے کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ پھر بعد میں اُسے دیکھنے کا موقع ملا" امیر میاں آپ کی ذہانت کے ہمیشہ معترف رہے جب کوئی الجھن کسی کام میں انہیں پیش آجاتی تھی تو آپ ہی سے مشورہ کرتے تھے اور اکثر اِس واقعہ کو بیان کیا کرتے تھے"

ایک دفعہ میرٹھ سے ایک مجمع میں آپ کی موجودگی میں اِس بات کا ذکر ہوا تو ایک صاحب یقین نہ کرکے اپنے آٹھ دس دوستوں کے گروپ کی ایک تصویر لے آئے اور وہی سوال کیا جو امیر میاں مرحوم نے کیا تھا" خدا کا فضل شامل حال تھا آپ نے جس لڑکے کی پیشانی پر انگلی رکھی وہی گروپ پیش کرنے والے اور سوال کرنے والے کا مطلوب تھا۔ اِن واقعات سے بھی زیادہ اہم آپ کی ذہانت کا یہ واقعہ ہے کہ حیدرآباد میں آپ کی ڈاڑھ کے قریب منہ کے اندر ایک طرح کی رسولی نکل آئی تھی جو بیر کے برابر ہوگئی اور دانتوں کے نیچے آنے لگی تھی" میرٹھ میں ڈاکٹروں سے مشورہ ہوا۔ سب کی رائے ہوئی کہ جلد سے جلد اس کو نکلوا دینا چاہئے دیر کی تو نا قابلِ علاج ہوجائے گی۔ اور خدشہ پیدا کرے گی" چنانچہ ایک دن صبح دس بجے سول سرجن صاحب نے آپریشن کرکے اُسے نکال دیا" اور خون بند کرنے کی دوا لگا دی" مکان پر آنے کے بعد قریباً بارہ بجے سے زخم سے خون آنا شروع ہوگیا" ڈاکٹر صاحب سے کہلوایا انہوں نے اور دوائیں دیں مگر کوئی کارگر نہیں ہوئی اس قدر کثرت سے خون آیا کہ جان کے لالے پڑ گئے" رات کو آکر میرٹھ کے مشہور سرجن ڈاکٹر بھوپال سنگھ نے ٹانکے لگائے تو خون بند ہوا" دوسرے دن خون بند رہا اور تیسرے دن جریان خون کی وہی کیفیت ہوگئی جو پہلے دن ہوئی تھی" رات کو دس بجے بھوپال سنگھ آئے اور مکان پر تشریف لاکر حالت کو دیکھکر انہوں نے ایک انگیٹھی منگائی اُس میں آگ سلگوائی اور اُس میں لوہے کی تیلیاں ڈال کر بیٹھ گئے" تیلیاں سُرخ ہوگئیں اور عرصہ گذر گیا مگر ڈاکٹر صاحب نے کوئی حرکت نہ کی بستر کو پکڑے خاموش ہی بیٹھے رہے" خون کے اِس کثرت سے نکل جانے کی وجہ سے برادر محترم میں کروٹ لینے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی" مگر جب انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی یہ کیفیت دیکھی تو اُن سے دریافت کیا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں اپنا کام کیوں شروع نہیں کرتے" ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے پہلے ٹانکے لگائے تھے لیکن اب وہاں کے گوشت کے سڑ جانے یا ڈھیلا پڑ جانے کی وجہ سے ٹانکے تو لگائے نہیں جاسکتے ــــــ میں نے انگیٹھی میں لوہے کی تیلی اِس غرض سے گرم کی ہے کہ وہاں داغ دینے کا ارادہ ہے

تاکہ گوشت جل کر زخم کے منہ پر آجائے اور خون بند ہو جائے مگر خیال یہ ہے کہ اندھیری رات ہے۔ زخم منہ کے اندر ایسی جگہ ہے جہاں روشنی پڑنی مشکل ہے اور سب سے بڑا خوف یہ ہے کہ پتی کا لگنے سے تھوڑا اثر ضرور رہے گا تو تمام منہ میں جگہ جگہ چھینٹے لگ جائیں گے اور منہ میں ایک زخم کے بجائے بیسیوں زخم ہو جائیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور کیسے کروں۔ برادر محترم نے اپنی ایسی حالت میں بھی فوراً جواب دیا کہ ڈاکٹر صاحب فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایسا کیجئے کہ میں جو لاہوں میں سے بانس کی نلی منگوا دیتا ہوں۔ آپ لوہے کی گرم تیلی کو اس نلی میں رکھ کر صرف ذرا سی نوک اس کی باہر نکلی رہنے دیں اور اس نوک سے کام لیں تو تمام منہ میں چھینٹے لگ جانے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب اس تجویز کو سن کر پھڑک گئے۔ چنانچہ نلی منگوائی گئی اور زخم پر بلا دقت داغ دے دیا گیا جس سے خون بھی بند ہو گیا اور منہ میں مزید زخم بھی پڑنے پائے۔ ڈاکٹر صاحب پر ایسے نازک مرحلہ پر آپ کی حاضر دماغی اور ذہانت کا بڑا اثر ہوا۔ جب آپ اچھے ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے اچھے الفاظ میں آپ کی ذہانت کی داد دی اور لوگوں سے اپنی اس وقت کی پریشانی اور کچھ میں آ لینے کا تذکرہ کیا۔

بے خوفی

بے خوفی اور بہادری آپ کا شروع ہی سے شعار تھا۔ تمام عمر لڑکوں کے لیڈر رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شرط ہوئی کہ رات میں قبرستان جا کر شمشان میں سے جہاں ہندوؤں کے مردے جلائے جاتے ہیں ایک لکڑی جو لائے گا اس کو اس قدر مٹھائی ملے گی۔ ان شمشانوں میں شب کے وقت [illegible] وحشت اس پر گری ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان سے مستغنی ہے چنانچہ دوسرے لڑکے ڈر کے مارے تیار نہیں ہوئے۔ آپ نے شرط منظور کر لی اور وہاں جا کر لکڑی لے آئے۔ اور شرط جیت گئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں سفر کے دوران جنگلی جانوروں اور دوسرے حوادثات سے سابقہ پڑتے رہتے مگر آپ نے پوری پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ بچپن شروع ہی سے کھیلا تھا پرورش کی مداولت نے اس کو اور چمکا دیا اس لئے اپنے سے دو گنے پر کیسے مقابلے سے بھی کبھی منہ نہیں موڑا اور سکو منہ کی کھانی

آپ کا ایک خاص سفر

برسات کا موسم شباب پر اور ساون کا مہینہ تھا۔ آپ ضلع محبوب نگر کے کسی مسافر بنگلہ میں ایک روز دوپہر کا کھانا کھا کر اپنے دوست سید ظہور اللہ حسینی (ملک نعمت اللہ صاحب جائنٹ مجسٹریٹ کے بھانجے) سے باتیں کر رہے تھے کہ یکایک آپ کو خیال آیا کہ مدراس دیکھنا چاہئے اور فوراً دوست مذکور کو آمادہ کر کے کھڑے ہو گئے اور روانہ ہونے میں ایسی عجلت کی کہ نہ تو آپ نے بستر ہی ساتھ کوئی چیز لی۔ نہ ناشتہ لیا۔ نہ ہی یہ دیکھا کہ سائیکل پنکچر ہونے یا پنکچر جوڑنے کیلئے سلوشن اور ربڑ بھی ہے یا نہیں ہے حتی کہ روپیہ بھی نہیں لیا۔ بس وہی روپیہ ساتھ رہا جو شیروانی کی جیب میں پڑے اور کمر بند بندھے تھے صرف ایک حیدرآبادی نوٹ سائیکل پر [illegible] باندھ لیا۔ اور چل نکلے۔ حیدرآباد کرنول روڈ جو مدراس جانے والی سڑک اور کوٹہ سے آگے عرصہ سے سرکار نظام نے اس کی مرمت موقوف کر رکھی تھی جس کی وجہ سے پل اور پلیاں ٹوٹ گئیں اور سڑک جا بجا برسات کے پانیوں سے بہہ گئی تھی مگر انہیں کیا پرواہ تھی سائیکل پر بیٹھے اور اچھے راستوں پر چلانے کی بجائے اس پر بڑی بڑی منزلیں طے کرنے کی خوب مشق تھی۔ اکثر آپ صبح کی نماز پڑھ کر سائیکل پر سوار ہوتے اور اپنے مستقر سے اسی نوے میل چل کر حیدرآباد جا کر دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے۔ غرضیکہ ایسے خراب راستہ پر طویل فاصلہ بے تکان طے کر کے سر شام ایک گاؤں میں جو لب دریائے کرشنا پہنچ گئے۔ دریا پر جا کر معلوم ہوا کہ ٹوکرہ اگلے دن صبح آٹھ بجے دوسرے کنارے کے لئے روانہ ہوگا۔ وہاں کے دریاؤں میں کشتیوں کا رواج نہیں ہے۔ اور ٹوکرے سے کام لیا جاتا ہے۔ ٹوکرہ جو درختوں کے تنوں کو کھوکھلا کر کے اور رسیوں سے متعدد تنوں کو باندھ کر بنایا جاتا ہے۔ اس میں خطرے کا احتمال نہیں ہے کیونکہ اس کے ڈوبنے یا الٹ جانے کا اندیشہ بالکل نہیں ہے۔ ٹوکرہ بانسوں کو خم دے کر اور اس پر بھینسوں کے چمڑے چڑھا کر تیار کیا جاتا ہے۔ اچھا وسیع ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس میں کافی وزن نہ ہو تو تیز ہوا سے اس کے الٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ سید ظہور اللہ حسینی صاحب ٹوکرے کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور کہا کہ جب کسی کی موت آتی ہے تو وہ اسی طرح کھینچ لاتی ہے جس طرح ہم آرام سے بنگلہ میں بیٹھے ہوئے یہاں آ گئے ہیں۔ برادر محترم نے بھی ٹوکرہ پہلی ہی بار دیکھا تھا مگر فرمایا کہ ایک دن

وہ آئی ہی ہے اب جو کچھ بھی ہو ارادہ ملتوی نہیں کرنا چاہئے۔ اور باتیں کرتے ہوئے گاؤں کی چاردری پر آگئے جس کے چاروں طرف ترانڈہ اور اُس
رسنگ سیلو کا فرش تھا۔ رات کیونکہ وہیں بسر کرنی تھی خیال ہوا کہ اس کا بند و بست کرنا چاہئے۔ اس گاؤں میں سوا ایک ہندو بنئے کی ڈاک بنگلہ کے
کوئی مسلمان نہ تھا انہیں منشی صاحب کو روپیہ دیا کہ کھانے کا انتظام کریں وہ کھانا لے کر آئے کھانا کھا کر سو گئے۔ صبح کو منشی صاحب کے یہاں کھچڑی
وغیرہ کا ناشتہ کیا اور کچھ ہمراہ رکھی اور نوکر کے ہمراہ اور سامان ڈولی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ کرشنا کو جو بہت چھوٹی ندی تھا پار کر کے گئے مگر خشکی
سے دریائے تنگبھدرا کوئی سترہ اٹھارہ میل دور ہے سڑک بن رہی تھی اور ایسی خراب حالت میں تھی کہ یہ سارا فاصلہ قریباً پیدل ہی
کرنا پڑا۔ ایک دفعہ سید ظہور اللہ حسین صاحب نے بائیسکل پر چڑھ کر چلانے کی کوشش کی تھی کہ گر پڑے اور بائیسکل میں کچھ بھی ہو گیا
مگر خدا کا فضل شامل حال تھا دیکھا تو صرف ایک دو پیچھے کے پہیے سے نکل آیا چنانچہ پھر درست کر لیا گیا۔ اس راستہ میں نہ تو درخت
نہ ہی کوئی گاؤں نظر آیا۔ تنگبھدرا کو اندھیری رات میں ڈونگے پار کرنے کا موقع ملا۔ اس کے اُس کنارے سے چند میل دور اس کے ایک ضلع کا
صدر مقام شہر کرنول آباد ہے۔ وسیع اور پرانا شہر ہے کسی زمانے میں یہ شہر نوابان کرنول کی راجدھانی تھا اُس وقت ان کی اولاد میں
اسی پچاسی برس کے ایک نواب صاحب گورنمنٹ انگریزی کے پنشن خوار شکستہ قلعہ کے ایک حصہ میں رہتے تھے۔ شہر کی نئی جگہ پہنچنے
کے لئے یہ وقت ناموزوں تھا مگر یہاں بھی قیام میں کچھ دقت نہیں پیش آئی۔ ایک برہمن صاحب جن سے دریائے کرشنا اور
تنگبھدرا کے درمیان ہم سفر ہونے کی وجہ سے تعارف ہو گیا تھا۔ ایک وسیع اور مختصر مکان میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا۔ بازار
میں جا کر کھانا کھایا اور سو رہے۔ صبح اٹھ کر شہر کی خوب سیر کی ہر چیز کو دیکھا۔ نواب صاحب تو اپنے ضعف اور فالج میں مبتلا
ہونے کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتے تھے اس لئے ملاقات کے لئے باہر تشریف نہیں لا سکے مگر اُن کے صاحبزادوں امیر الامراء
اور شجاع الملک سے ملاقاتیں رہیں۔ اور کرنول کی سیر کے بعد آگے روانہ ہوئے کئی قصبے اور شہر دیکھے۔ اور خوب سیریں کر کے پھر آپ اس
سلسلہ سے واپس ہو گئے۔ جب دریائے کرشنا کو پار کیا تو چند پیسے باقی رہ گئے تھے لیکن اب کہیں خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی
وہاں سے پیشتالیس میل کا سفر بائیسکل پر طے کر کے اپنے مستقر پر پہنچ گئے۔ آپ کو اس سفر میں جو واقعات پیش آئے وہ بہت دلچسپ
ہیں مگر انہیں طوالت کے خیال سے چھوڑ دیئے ہیں۔ ہمارا منشا تو یہاں آپ کے مزاج اور طبیعت کا ایک رخ دکھانا ہے۔ غرضکہ عزیمت و
ہمت اور جفاکشی اور اپنے ارادوں کو پورا کرنے میں پختگی آپ میں بدرجہ اتم موجود ہے جو آپ کے اس سفر کے واقعہ سے بھی ظاہر ہے۔

ادب

باوجود آزادی اور بے خوفی کے بزرگوں اور بڑوں کا ادب آپ نے ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ یہ طرز عمل اپنے عزیز بزرگوں کے ساتھ ہی نہیں
بلکہ احباب میں جو ان سے عمر میں بڑے ہوتے تھے ان کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہتا ہے۔ مولوی شیخ محمد حسین صاحب قدوائی
مرحوم لکھنؤ کے شیخ زادے اور وہاں کے بزرگوں کی صحبتوں کو دیکھے ہوئے کریم نگر (ریاست حیدرآباد دکن) میں وکالت کرتے تھے۔
عجیب و غریب خوبیوں کے بزرگ تھے۔ عہدہ داران امراء غرباء اور ہر شخص کی نظر میں بڑے باوقعت تھے۔ ان کا گھر ہر وقت کے لئے
گویا مہمان خانہ تھا شام کو اکثر جگہ کے شرفا یہاں جمع ہوتے اور شیخ صاحب کا گھر ایک کلب گھر کی شکل اختیار کر لیتا۔ راقم جب تبدیل ہو کر
کریم نگر پہنچے تو آپ کو بھی ان صحبتوں میں جانے کا موقع ملا پھر تو شیخ صاحب کی (خدا انہیں جنت نصیب کرے) یہ حالت ہوئی کہ اگر
راقم کو کسی وجہ سے جانے میں ذرا دیر ہو جاتی تو بلانے کے لئے آدمی پر آدمی چلا آتا۔ مرتے دم تک انہوں نے ان تعلقات کو اسی
طرح سے نباہا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ راقم اور شیخ صاحب بے تکلف دوست ہو گئے تھے۔ مگر شیخ صاحب کا اس قدر ادب ملحوظ رکھتے کہ
کبھی ایسا موقع نہیں آنے دیا جو ان کے کسی ملال کا باعث بن سکتا۔ اور اسی ادب و قاعدہ کو دوسرے ایسے بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا ہے

کام کی دھن

آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ جب کسی کام کو کرنے پر آجاتے ہیں تو جب تک اس کو انجام کو نہیں پہنچا لیتے اس
وقت تک دم نہیں لیتے یہی اصول سرکاری اور غیر سرکاری ہر کام میں رہتا ہے اور یہی وجہ ہے اور اسی دھن کا اثر ہے کہ تصانیف کا
اعلیٰ پایہ کام انجام کو پہنچ گیا۔ ورنہ جن حالات میں اس کام کا آغاز ہوا تھا وہ اس قدر سازگار نہیں تھے کہ یہ کام ہو سکتا مگر آپ نے برسوں مسلسل تمام تمام

دل اور تمام تمام ما کچے ایک کر دیا۔ اور جس کام کو ہاتھ لگایا تھا اُس کو بحسن وخوبی تکمیل کو پہونچا دیا۔ باغ لگانے کا خیال آیا تو جب تک اس کو تہذیب دے کر اور اعلیٰ درجہ کے میوہ دار درختوں سے بھرپور نہ کر لیا نہ چین لیا اور نہ لینے دیا۔ غرض چھوٹا ہو یا بڑا جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں کبھی ادھورا نہیں چھوڑتے۔ اس کو پورا کر کے ہی دم لیتے ہیں۔

حقّہ کا شوق

اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں یہ جب بورڈر کی حیثیت سے داخل ہوئے تو وہاں کی صحبت نے حقّہ پینے کی عادت ڈلوا دی۔ اور یہ ان کی زندگی کا ایک اہم مشغلہ بن گیا ہے۔ والد صاحب مرحوم و مغفور حقّہ نہیں پیتے تھے لیکن نانا صاحب مرحوم و مغفور حقّہ بہت پیتے تھے۔ اٹاوہ سے آپ چھٹی میں مکان پر آئے ہوئے تھے نانا صاحب کے حقّہ کو کیا ہاتھ لگا سکتے تھے اور گھر میں بھی حقّہ کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے حسب موقع اِدھر اُدھر دوست احباب میں اس کا مشغلہ ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ نانا صاحب مرحوم نے ان کو حقّہ پیتے ہوئے دیکھ لیا۔ مکان پر تشریف لا کر جب اُن کا حقّہ بھرا گیا تو انہوں نے برادر محترم کو بلوایا۔ یہ خالی الذہن سلام کر کے حاضر ہوئے۔ اِرشاد ہوا کہ بیٹھو اور حقّہ پینے کے لئے کہا۔ اب تو آپ کے حواس کے طوطے اُڑ گئے۔ اِنکار کیا۔ اِرشاد ہوا کہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اُدھر اُدھر حقّہ پیو۔ جب پیتے ہو تو ہمارے سامنے پیو۔ اس قدر مجبور ہوئے کہ ایک دو کش لینے ہی پڑے۔ اُس روز سے یہ ہوا کہ نانا صاحب جب کچھ حقّہ پی لیتے تو پھر اُس کو آپ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ اِس طرح حقّہ نوشی کا سلسلہ چلا اور اب تو اس میں ایسی کثرت ہے کہ کام کے وقت، چاہے ایک کش لینے کی نوبت نہ آئے مگر چلم بھری بھرائی حقّہ پر برابر رہے۔ سگرٹ اور بیڑی بھی حسب موقع چلتی رہتی ہے۔ غرض یہ شغل آپ کی دھن کے لئے نہایت ضروری ہے۔

طبیعت کا خاصہ

طبیعت درحقیقت بہت سادگی پسند ہے۔ اور کسی تصنّع اور بناوٹ کو دخل نہیں ہے۔ زندگی بہت سادگی کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ اس میں رہن سہن۔ کھانا پینا اور لباس سب شامل ہیں۔ بُری باتوں سے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ جھوٹ دھوکہ دہی اور فریب کے دشمن ہیں۔ اور ہمیشہ سچ بولنا اور بے لوث گفتگو کرنا پسند خاطر ہے۔ نہ کسی سے ایچ پیچ کی گفتگو کرتے ہیں۔ اور نہ چاہتے ہیں کہ ان سے اِس طرز سے گفتگو یا معاملہ کی بات چیت کی جائے۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ ایسا ہو رہا ہے تو آپ کو غصہ آجاتا ہے۔ اور اُس شخص کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ کینہ کپٹ کسی سے نہیں رکھتے۔ سچی بات ایسی کہہ دیتے ہیں کہ چاہے کسی کے دل میں رہے یا کلیجہ سے پار ہو جائے۔ دوسروں کے معاملوں میں دخیل ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور اپنے معاملہ میں بھی کسی کو خواہ مخواہ دخیل نہیں ہونے دیتے۔

بڑوں کی عزّت، چھوٹوں سے محبّت اور دوست احباب سے مروّت کا برتاؤ رہتا ہے۔ اعزّا کے ساتھ لطف و مدارات سے پیش آتے ہیں اور اُن کے کام بھی آتے ہیں۔

نماز و روزہ کے پابند ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ احکام الٰہیہ ہیں۔ ان کی بجا آوری میں کسی طرح کا تساہل نہیں ہونا چاہئے۔ بزرگانِ دین سے عقیدت ہے مگر شعلے پھٹکے والے اور دنیادار مکاروں کے سخت دشمن ہیں۔ کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے۔ گھبرا جاتے ہیں۔ اوائل عمر سے ورزش کا شوق ہے جو کسی نہ کسی شکل میں اب تک زیر مداولت ہے۔ اِس ریاضت اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے آپ کی صحت ہمیشہ بہت اچھی رہی۔ اب بھی آپ روزانہ کسی نہ کسی کام میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے ہیں۔

تاہّل

والد صاحب مرحوم و مغفور کے انتقال کے بعد کچھ مالی پریشانیاں لاحق رہیں۔ ملازم ہونے پر آپ نے اپنی فراست سے اپنے گھر کے ماحول کا اندازہ کر لیا۔ اور اپنی گاڑھی محنت کی کمائی اپنی ماں اور بہن بھائیوں پر اِس طرح صرف کرنے لگے کہ جس سے گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا۔ ماں کی مامتا چاہتی تھی کہ وہ بیٹے کا سہرا دیکھے۔ مگر آپ کی ہمت اس کی متقاضی تھی کہ پہلے بہن کی شادی ہو۔ اور میری تعلیم کی تکمیل ہو سکے۔ خدا نے اِن کاموں کو انجام کو پہونچایا۔ بہن اور دوسرے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ اور میں بھی بی۔ اے کر چکا تھا کہ یکایک ۱۹۲۹ء میں شفیق ماں نے داغ مفارقت دے دیا۔ آپ کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا اور اس نے آپ کی زندگی کے ایک باب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ میری ملازمت کے بعد مجھ پر زور ڈالا گیا کہ میں شادی کر لوں۔ میرا اصرار تھا کہ آپ کو خود پہلے شادی کرنی چاہئے۔ مگر آپ کی مستغنی طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اور صاف طور پر کہہ دیا کہ اب والدہ کے انتقال کے بعد میں تاہل کی زندگی کسی طرح بسر نہیں

کردں گا۔ چنانچہ آپ نے شادی نہیں کی۔ اور غیر تاہل زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس طرح فرض شناسی اور پاکبازی زندگی آپ کے کیرکٹر کا انمول جوہر ہیں۔ یوں تو آپ کو اپنے عزیز اقارب، بہن بھائیوں سب سے محبّت ہے لیکن سب سے زیادہ ہیں آپ کی بے پناہ محبّت و مودّت کا مرکز رہا اور اب میری تھی بچی فیضیہ تاج بانو آپ کی مسرّتوں اور خوشیوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ میری پوری تعلیم اور شادی وغیرہ کے اخراجات کے آپ ہی کفیل رہے۔

غرض آپ ایک بے چین اور ہمہ گیر طبیعت لیکر آئے ہیں۔ جوان عمری سے "خودداری" "غیرت" "فیّاضی" رحم دلی اور خدا ترسی آپ کا جوہر رہا ہے۔ قوت فہم۔ ذہانت حافظہ۔ اور طاقتِ ادراک اور طلاقت و خوش تقریری کا کافی حصّہ خدا کی طرف سے آپ کو ودیعت کیا گیا ہے پیہم مطالعہ اور کثرت کتب بینی کے باعث آپ نے لیاقت میں ترقی کی۔ آپ کے اوضاع۔ اطوار۔ اور طرزِ معاشرت مثالی ہے۔ آپ حد درجہ نیک چلن اور پاک باز رہے ہیں صحت اعلیٰ درجہ کی رہی۔ جو کتاب میں تصویر دیکھنے سے ظاہر ہے اور شاید حضرت ریاضؔ خیرآبادی نے اپنا یہ شعر آپ ہی کے لئے موزوں کیا تھا ؎

دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاضؔ پر (حسین پر)
کس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا

سادگی۔ اور پاک دامنی کا جو مسلک شروع سے اختیار کیا تھا اُس کو تا ایں دم بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی قایم رکھے ہوئے ہیں۔ اب اِس تعارف کو میں اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیش از بیش صحت و تندرستی خوشیوں اور مسرّتوں کے ساتھ علمی خدمات کی روز افزوں توفیق عطا فرمائے اور یہ کہ ؎

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آمین اللّٰھمّ آمین

راقم

محمد امداد احمد زبیری

ختم ۸ بجے شب - ۷ رمئی ۱۹۵۰ء مطابق ۱۹ رجب ۱۳۶۹ ہجری
بروز اتوار - حیدرآباد دکن

فہرست مضامین مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

زبیری کنبوی خاندان پر ایک نظر

بعد حمد خدا اور نعت رسول خدا صلعم اور اعتراف جلالت شان و بزرگی اصحاب کرامؓ عرض ہے کہ حضرت زبیرؓ کا خاندان قبل از اسلام اور بعد از اسلام جن شرافتوں اور اعلیٰ مدارج کا حامل رہا ہے۔ اُس سے آپ بنظر اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر بھی اس خاندان کے اخلاق و عادات اور خصوصی مزاج کا صحیح اندازہ اُس کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے کرا دیں۔ بقول علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی "قوموں کے اخلاق و عادات کا اندازہ کسی ایک یا چند افراد سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ کسی خاص عہد اور زمانے سے بھی قوم کے خصوصی مزاج اور اخلاق کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قوم کے اخلاق اور اُس کی خصوصیات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اُس قوم کی تمام تاریخ پر ایک نظر ڈالنی چاہئے۔ اس وسیع مطالعہ کے بعد اس قوم میں جو خصوصیتیں نظر آئیں گی وہ اُس قوم کا خصوصی مابہ الامتیاز اور آئندہ بھی اس قوم کے مستقبل سے توقع رکھی جائے گی۔ لیکن اگر تاریخ اِس کے خلاف شہادت پیش کرے تو پھر لوگوں کی جھوٹی باتوں اور فریب آمیز باتوں پر التفات نہ ہونا چاہئے۔" لہٰذا مکہ کے قریشی سردار زید الملقب بہ قصیٰ اور اُن کی اولاد میں سے چند بزرگوں کے حالات کو نہایت اختصار سے یہاں بھی روشناس کراتے ہیں تاکہ اِس خاندان کے مقیم ہندوستان کے واقعات کا سلسلہ قائم ہو جانے اور اسلاف کے جو اثرات اخلاف میں متوارث رہتے چلے آتے ہیں اُن پر مزید دوسرے واقعات پر پورا عبور حاصل ہو جائے۔ اور مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ میں خاندان مذکور پر جن مقاصد کے مدنظر اور جس نقطۂ نظر سے حاشیہ آرائی کی ہے اُس کی حقیقت کو بھی تاریخی شواہد کی روشنی میں جزوی طور پر دکھایا جا سکے۔

زید الملقب بہ قصیٰ

خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو اس شرف سے ممتاز فرمایا ہے کہ آپ سرکار دو عالم صلعم اور حضرت زبیرؓ کے جد چہارم ہیں۔ آپ میں خدا نے بڑی قابلیتیں اور بصیرتیں جمع فرمائی تھیں۔ آپ ہی ہیں جنہوں نے شہری مملکت مکہ کو قائم کیا۔ اور قریش کی منتشر قوتوں کو یکجا کر کے اُن کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کا موقع بہم پہونچایا۔ اور آئندہ عرب میں اسلام آنے پر مرکزیت کے اسباب پیدا کرنے کے آپ ہی قائد تھے۔ آپ نے بنو خزاعہ کو مکہ سے خارج کر کے قریشیوں کو اُس کے اندرون میں لا کر آباد کیا۔ اور آپ مکہ کے با اقتدار حاکم اعلیٰ قرار پائے۔ اور ایسے نظام سلطنت کی بنیاد رکھی جس میں سب قریشی قبائل شریک و سہیم بن گئے۔

آپ کے کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ مکہ میں کعبہ کے شمالی جانب اُس کے بالکل سامنے دار الندوہ کی تعمیر ہے جس کا نام دار الندوہ تھا جس کے اجلاس میں چالیس سال کی عمر سے کم کے لوگ شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن صرف آپ کے چاروں صاحبزادوں کو یہ رعایت اور شرف حاصل تھا کہ وہ عمر کی اس قید سے مستثنیٰ تھے۔ بعد میں ابوجہل تیس سال کی عمر میں شریک اجلاس بنا گیا تھا۔ اور حضرت حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ کو بیس یا پندرہ سال کی عمر میں اجلاس میں شرکت کی عزت حاصل ہو گئی تھی۔

یہ دار الندوہ ہی تھا جس میں تمام قبائل کے معززاور صاحب الرائے اصحاب مشورہ کرتے تھے۔ اسی میں جنگوں کا اعلان کیا جاتا تھا۔ مدافعتی تدبیروں پر غور ہوتا تھا۔ یہیں شادیاں بھی رچائی جاتیں۔ تجارتی معاملے طے ہوتے۔ بیرونی مہمانوں کی ضیافت کا انتظام بھی یہیں ہوتا۔ لڑکی کے سن بلوغ کو پہونچنے اور اُس کے قابل نکاح ہونے کا اعلان بھی یہیں کیا جاتا تھا۔ غرض اس طرح یہ ادارہ مکہ کا مرکزی دار السلطنت تھا۔

اِس کے علاوہ تولیت کعبہ۔ رفادہ اور سقایہ وغیرہ وغیرہ کے متعدد ادارے بھی تھے جو اپنے اپنے فرائض کو انجام دیتے تھے۔ [illegible]

پہلے سے موجود تھے اور بعد میں اکثر قصی نے ضروریات کے تحت نظم قائم کئے۔

قصی کی اولاد

ان چاروں لڑکوں عبدالدار۔ عبدمناف۔ عبدالعزیٰ اور عبد قصی میں سے عبدمناف اور عبدالعزیٰ باپ کی حیات ہی میں نامور اور صاحب عزت وجاہ ہو چکے تھے لیکن ان دونوں بھائیوں کے مقابلہ میں عبدالدار کے کمزور ہونے کی وجہ سے باپ نے اُس کو حکومت مکہ کے کاروبار سپرد کر دیئے تھے جس کی جانب ان دونوں بھائیوں نے اپنی ذاتی وجاہتوں اور دولت مندی کی وجہ سے کوئی توجہ نہیں دی لیکن ان کے انتقال پر عبدمناف کے بیٹے ہاشم اور عبدالعزیٰ کے بیٹے اسد نے عبدالدار کی اولاد سے اپنے حصوں اور کاروبار حکومت مکہ میں شمولیت کا مطالبہ کیا۔ ایک شدید جنگ کا خطرہ پیدا ہو کر رفع ہو گیا۔ اسد بن عبدالعزیٰ کو دارالندوہ کی صدارت و انتظام حرم کے آنے والوں کی دعوت اور محتاجوں کی خبر گیری سپرد ہوئی۔ اور یہ صدارت آپ کے خاندان میں متوارث رہتی چلی آئی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت زبیرؓ کے حقیقی چچا زاد بھائی حضرت حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اسی سلسلہ میں ہاشم کے بھائی عبدالشمس بن عبدمناف کو ٹیکس جمع کرنے اور حاجیوں کے لئے پانی مہیا کرنے کا انتظام سپرد ہوا۔ اور دوسرے اداروں کی تقسیم بھی عمل میں لائی گئی۔ عبدالدار کی اولاد کے حوالے فوجی انتظام ہوا۔

اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور آپ کی اولاد

آپ قریش کے نامور۔ باوجاہت اور ذی حشم سردار تھے۔ دارالندوہ کی صدارت پر آپ متمکن ہوئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ خدا نے آپ کو نامور اولاد بھی عطا فرمائی اور آپ قریش کے ایک نئے بطن اسدی کے اسی طرح مورث اعلیٰ ہوئے جیسے کہ آپ کے حقیقی چچا زاد بھائی ہاشم ایک نئے بطن ہاشمی کے مورث اعلیٰ تھے۔

آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہونے کا شرف بھی حاصل ہے کیونکہ آپ کی صاحبزادی اُم حبیب حضرت رسول مقبول صلعم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی حقیقی نانی تھیں۔ علاوہ ازیں آپ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے دادا اور سیدنا حضرت زبیرؓ کے پردادا بھی تھے سرکار دو عالم صلعم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور آپ کی حقیقی بہن سیدہ حضرت صفیہؓ والدہ ماجدہ حضرت زبیرؓ، اسد کی پوتی ہالہ بنت مطلب بن اسد کے نواسے اور نواسی تھے ہالہ زوجہ وہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی ہالہ کی شادی عبدالمطلب بن ہاشم سے قرار پائی تھی۔ اور وہیب کے بھائی وہب کی صاحبزادی آمنہ کا نکاح عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کیا تھا۔

اسی طرح اسد کی پانچویں پشت میں ابوعبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد کی صاحبزادی ھند کی شادی عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی تھی جن کے بطن سے امام محمدؐ نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم تھے جنہوں نے ۱۴۵ھ ہجری میں ابوجعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کے خلاف خروج کیا تھا۔

جناب اسد کی اولاد سے قبل از بعثت آنحضرت صلعم جن صلاحیتوں کا اظہار ہوا اور بعد از بعثت حضور اکرم صلعم انہوں نے اسلام کی جو خدمات انجام دیں تاریخ اسلام کے صفحات اُن کے کارناموں سے مزین ہیں۔

ورقہ بن نوفل

چنانچہ ورقہ بن نوفل بن اسد پہلے شخص تھے جو قریش میں سے یونانی و عبرانی زبانوں کے ماہر تھے۔ اور جنہوں نے عبرانی سے انجیل کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ اور اسی طرح توریت کو عربی میں منتقل کیا تھا۔

قریشیوں میں قبل از اسلام جن اشخاص نے بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ اُن میں سے ایک آپ اور دوسرے آپ کے چچا زاد بھائی عثمان بن حویرث بن اسد تھے۔

فٹ نوٹ ۱:۔ رسول مقبول صلعم کے نہ صرف آپ کے چچا حضرت حمزہؓ اور پھوپھی حضرت صفیہؓ دونوں حقیقی ماں جائے بھائی بہن تھے جنہوں نے خاندان ہاشمی میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا! ان دونوں کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے آنحضرت صلعم سے خون کا رشتہ رکھتے تھے۔

اس دنیا میں آپ پہلے شخص ہیں کہ جب حضور اکرم صلعم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ہی نے اس کی صداقت و حقانیت کی گواہی دی تھی لیکن رسالت کا اعلان نہیں ہوا تھا کہ دنیا سے چل بسے۔

آپ ہی ہیں کہ جنہوں نے آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے سے قبل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حضور اقدس صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر ؓ حضور اکرم صلعم کے مبعوث ہوتے ہی ایمان لے آئے اور تصدیق نبوت فرمائی۔

عثمان بن حویرث

یہ عثمان بن حویرث بن اسد ہیں جن کا حال پہلے مذکور ہوا ہے عیسائی ہوگئے تھے۔ یہ ایک با حوصلہ شخص تھے۔ اور مذہب کی کافی تلاش و جستجو کرتے رہے تھے۔ قیصر روم ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اور اس کے یہاں ان کو ایسا اقتدار حاصل ہوگیا تھا کہ اس نے انہیں مکہ کی حکومت کا فرمان دے کر روانہ کیا تھا جس میں مکہ والوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب "عثمان کے لئے بڑے اچھے مواقع حاصل تھے کیونکہ مکہ والے غلہ اور دیگر ضروریات اور نیز تجارتی کاروانوں کے لئے مصر، فلسطین۔ اور شام کے رومی صوبوں کے دست نگر تھے۔ اس لئے وہ آسانی سے فرمان قیصری کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے لیکن عین لمحۂ آخر میں عثمان ہی کے ایک رشتہ دار نے جلسہ میں اٹھ کر اعتراض کرنا شروع کردیا اور کہا کہ "مکے کے آزاد باشندے بادشاہت اور امارت کی بدعتوں کو کیسے قبول کرسکتے ہیں" اور اس خیال کا خوب مضحکہ اڑایا۔

قوم کے ذہن میں جلسے کی رائے بدل گئی۔ عثمان بیزار ہوکر شام واپس چلا گیا۔ اور قیصر روم نے اس کا بدلہ یوں لیا کہ دینی قلمرو مکہ والوں کے لئے بند کردی اور ان کے جو تاجر اس وقت وہاں موجود تھے ان کو قید کرلیا" حالانکہ اس سے قبل اسی قیصر نے آنحضرت صلعم کے پردادا جناب ہاشم کو شام میں تجارت کرنے کا منشور دیا تھا۔ اس وقت قیصر مکہ والوں کا اس سے زیادہ کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اسی دوران میں اس کی ایران سے جنگ چھڑ چکی تھی۔

ابوالبختری عاص بن ہشام بن الحارث بن اسد

ابوالبختری کے دادا حارث حضرت زبیر ؓ کے دادا خویلد بن اسد کے سگے بھائی تھے۔ اس طرح یہ خود حضرت زبیر ؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے اسلام نہیں قبول کیا۔ مگر آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی امداد کا جب موقع ملا تو اس سے دریغ نہیں کیا۔

جب کفار قریش نے "بنی ہاشم" کو شعب ابو طالب میں محصور کرکے پہرے لگا دیئے تھے تو محاصرے کی طوالت کی وجہ سے وہاں گھاس اور پتے بھی کھانے کے لئے باقی نہیں رہے تھے اکثر طلح کے پتے کھانے پڑتے۔ عجیب مصیبت میں مبتلا تھے تاہم اس زمانے میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے اثر سے جو حضور اکرم صلعم کے ساتھ شعب ابو طالب میں تھیں کبھی کبھی باہر سے کھانا پہنچ جاتا تھا جس کو ان کے خاندان والے چھپا کر وہاں پہنچا دیتے تھے [illegible] ابوجہل نے حضرت خدیجہ ؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کو دیکھ لیا جو ایک غلام پر گیہوں لدوا کر شعب ابو طالب میں پہنچانے لے جارہے تھے۔ ابوجہل نے ان کی مزاحمت کی اتنے میں "ابوالبختری" وہاں پہنچ گئے انہوں نے ماجرا دریافت کیا۔ ابوجہل سے کہا کہ انہیں جانے دو مگر جب وہ کسی طرح نہ مانا تو ابوالبختری نے ابوجہل کے ایسی سخت ضرب لگائی کہ وہ لہولہان اور بیدم ہوگیا۔

بنو ہاشم سخت مصیبت میں تھے۔ محاصرہ کو تین برس ہوچکے تھے کہ ایک دن ان کی رہائی کا اس طرح سامان ہوگیا کہ حضرت زہیر ؓ بن ہشام مخزومی نے مشورہ کرکے مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ انہوں نے اور ابوالبختری عاص اور زمعہ بن الاسود اسدی اور عدی بن قیس نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن یہ سب مل کر حرم میں گئے حضرت زہیر ؓ نے سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا۔ اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے کہ ہم لوگ آرام سے زندگی بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کردیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔ اور ابوجہل کی مخالفت کے باوجود معاہدہ کو چاک کرکے یہ لوگ شعب ابو طالب میں جاکر سب کو نکال کر مکہ معظمہ لے آئے۔

جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت صلعم نے جن لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ قتل نہ کئے جائیں ان میں "ابوالبختری [illegible]" [illegible] عباس ؓ بھی تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور لڑنے کے لئے آئے تھے۔

ابوالبختری اسدی کے قتل سے رسول مقبول صلعم نے اس لئے منع فرمایا تھا کہ انہوں نے [illegible] نہیں کی کبھی ایذا نہیں دی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جو رسول اللہ صلعم کے ناگوار خاطر ہوئی ہو۔ اس کے [illegible]

ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف (شاگرد حضرت امام ابو حنیفہ) کے ۱۸۲ھ ہجری میں انتقال کر جانے پر آپ کو بغداد کے مغربی حصہ (عسکری المہدی) کا قاضی مقرر کیا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد ۱۹۳ھ ہجری میں آپ کو قاضی بکار بن عبد اللہ الزبیری کی جگہ پر مدینہ منورہ روانہ کیا گیا اور آپ قاضی مدینہ منورہ ہو گئے جس پر آپ انتقال کے وقت ۲۰۶ھ ہجری تک فائز رہے آپ کا انتقال بغداد میں ہوا۔ آپ کی تالیفیں بعد والوں کی نظروں میں بہت قیمتی رہی ہیں۔ اور جن سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ (ابن خلکان۔ ابن اثیر۔ ابن قتیبہ۔ ڈائی فیملی آف زبیر)

آپ کی تصانیف کے منجملہ صفۃ النبی صلعم اور فضائل الانصار بھی ہیں۔ (الفاروق تالیف علامہ شبلی)

علامہ مسعودی نے آپ کی اکثر تصانیف کے لئے تحریر کیا ہے کہ "ابو البختری قاضی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں خارجیوں کے حالات اور ان کے فرقے بیان کئے ہیں اور ان میں بتایا ہے کہ کن اصولوں پر ان سب کا اتفاق ہے۔ اور وہ کون سے فروع ہیں جو ان کے درمیان مابہ الاختلاف ہیں۔ (مروج الذہب مسعودی)

آپ کی اولاد میں بڑے بڑے صاحب علم و فضل، صاحب تدبیر اور ہوشمند اصحاب ہوئے ہیں اور کئی پشتوں تک عباسی خلافت میں وزیر اعظم ہوتے رہے ہیں۔ (ان کے لئے دیکھو کتاب خاندان سیدنا حضرت زبیرؓ۔ مؤلفہ مولوی حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا)

امام ابوبکر عبداللہ الحمیدی بن زبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ بن زبیر بن عبد اللہ بن حمید بن زبیر بن الحارث بن اسد کے نام سے ایک بنیا بطن یا گھرانا قایم ہوا جس کو الحمیدی کہتے ہیں۔

آپ علامہ سفیان بن عیینہ کے شاگرد رشید تھے۔ اور انیس سال تک آپ نے اُن سے کسب کمال کیا۔ امام شافعیؒ سے مکہ کے دوران قیام میں آپ نے استفادہ حاصل کیا۔ اور مصر کے سفر میں دونوں ہمراہ تھے۔

آپ کے سب سے زیادہ مشہور و معروف شاگرد امام محمد بن اسمٰعیل البخاری ہیں جنہوں نے اپنی صحیح بخاری کی آپ ہی کی حدیث سے ابتدا کی ہے۔ آپ کی کنیت قریشی اسدی ہے۔

آپ اکثر کتابوں کے مصنف بھی ہیں چنانچہ مسلمانوں نے تعلیم پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں اُن میں آپ کی بھی ایک کتاب کا نام آتا ہے۔ اور حدیث میں آپ کی "مسند حمیدی" ایک مشہور کتاب ہے۔ ۲۱۹ھ ہجری میں مکہ معظمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

خویلد بن اسد آپ قریش کے معززین میں سے تھے۔ اور حرب فجار میں بنو اسد کے سردار تھے۔ اور اسی جنگ میں آپ مارے گئے۔ آپ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے والد اور حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت حکیمؓ بن حزام کے دادا تھے۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خویلد آپ بڑی صاحب دولت و ثروت بیوی تھیں۔ وہ اپنا مال تجارت ملک شام و عراق و یمن میں بھیجا کرتی تھیں۔ اور وہ اتنا ہوتا تھا کہ اُن کی سامان ڈھونے والی اونٹنیاں تمام قریش کے سامان لے جانے والی اونٹنیوں کے برابر ہوتی تھیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلعم نے بھی اس کام کو انجام دیا۔ اور جس میں پہلے سے کہیں زیادہ نفع حاصل ہوا۔

آپ بیوہ تھیں حسن و جمال عقل و دانش میں یکتا اور دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق میں فرد تھیں۔ آپ کے ان اوصاف نے اشراف قریش کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور آپ کو برابر پیام نکاح وصول ہوتے رہتے تھے لیکن قضا و قدر کو کچھ اور منظور تھا۔ اور آپ کو ام المومنین بننے کا فخر حاصل ہونا تھا لہذا آپ سرور دو عالم صلعم کے ازدواج میں آئیں بقول طبری اس زمانہ میں قریش میں آپ سب سے زیادہ نجیب، شریف [illegible] دولت مند خاتون تھیں۔ پھر آپ نے جو خدمات ادا فرمائیں اُن سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ آپ ہی تھیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے [illegible] رسالت کی تصدیق کی اور اپنی تمام دولت [illegible] کی خدمت میں نثار کر دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے ہی دامن پرورش میں پروان [illegible] رسالت مآب صلعم کو [illegible] اور [illegible] آپ برابر کی شریک رہیں۔ بقول ابن ہشام آپ اسلام کے متعلق [illegible]

کی سچی مشیر کار اور ہمدرد و معاون تھیں۔ سوائے ایک کے آپ آنحضرت صلعم کی جملہ اولاد کی ماں ہیں۔ اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کی نانی ہیں۔

حضرت حکیمؓ بن حزام بن خویلد بن اسد آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر واقع ہوئی۔ حضرت علیؓ کی ولادت بھی خانۂ کعبہ میں ہوئی لیکن حضرت حکیمؓ سے اڑتالیس برس بعد۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ تمام قریش میں ممتاز شان رکھتے تھے اور زمانۂ اسلام میں بھی آپ کی امارت، صائب رائے، سخاوت، تقویٰ و طہارت مشہور تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں آپ کو جو خلوص اور والہانہ محبت آنحضرت صلعم سے تھی وہ ہر زمانہ میں قائم رہا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لے آئے تب بھی یہ جذبۂ محبت و مودت برابر قائم رہا۔

اصابہ میں مذکور ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلعم کے جو تین خاص دوست تھے۔ ان میں سے ایک آپ تھے۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور تیسرے ضماد بن ثعلبہؓ تھے جو جاہلیت میں طبابت وجراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ بعد ازاں مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔

آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے "رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ میں اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص حکیمؓ بن حزام اور ابوسفیانؓ بن حرب کے گھر میں پناہ لے گا اُسے امان ہے" حضرت عثمان غنیؓ کے جنازہ کی نماز آپ ہی نے پڑھائی تھی"۔ آپ نے ۵۴ھ ہجری میں ایک سو بیس برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ علم نسب کے آپ بہت بڑے عالم تھے۔ (صحیح بخاری)

آنحضرت صلعم سے آپ کی محبت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے بہت پہلے "جب سردار قریش ہونے کی وجہ سے آپ بدر میں آئے تھے آپ نے اس جنگ کو روکنے میں اپنے اثر سے کام لیکر سپہ سالار قریش کو جنگ نہ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا مگر جب ابوجہل کی شدید مخالفت کی وجہ سے جنگ ناگزیر ہو گئی تو آپ اس میں شریک نہیں ہوئے قبل جنگ مکہ کو روانہ ہو گئے۔

اَلعوّام بن خویلد آپ رسول اللہ صلعم کی پھوپھی "حضرت صفیہؓ" کے شوہر اور اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے سگے بھائی اور حضرت زبیرؓ کے والد ماجد تھے۔ اور قریش میں نہایت جری اور نامور سردار تھے۔ جنگ فجار میں مارے گئے"

السائبؓ بن العوام آپ حضرت زبیرؓ کے برادر بزرگوار تھے" سوائے جنگ بدر اور اُحد کے آپ سارے غزوات میں شریک رہے۔ اور جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔

سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام اور مسلمانوں کو جو کچھ بھی شرف حاصل ہے وہ ذات باجبرکات آنحضرت صلعم کی وجہ سے ہے۔ **حضرت زبیرؓ** کو یہ شرف حاصل ہے کہ ماں باپ اور دوسری رشتہ داریوں کی وجہ سے [illegible] کوئی آپ کا مدمقابل نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

"علمائے نسب نوشتہ اند کہ کثرت جہات قرابت با رسول اللہ صلعم کہ زبیرؓ را میسر آمد ہیچ کس را نبود" (تحفۂ اثنا عشریہ)

آپ کے والد آپ کی اوائل عمری میں جنگ فجار میں "بنو اسد" کی سرداری کرتے ہوئے قتل ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت کا پورا انتظام آپ کی والدہ محترمہ حضرت صفیہؓ بنت حضرت عبدالمطلب کو ہی فرمانا پڑا۔ اور تعلیم مروجہ کی آپ نے تکمیل فرمائی۔ اور بقول صاحب **الخطط السلامی** "صحابہ کرام میں جو پانچ اصحاب خوش خطی میں دوسروں سے ممتاز تھے اُن میں سے ایک آپ بھی تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم صلعم کے سولہ کاتبوں میں آپ بھی شامل تھے۔ چنانچہ چند اور صحابہ کے ساتھ آپ بھی قرآن مجید کی ترتیب پر مامور تھے۔ اور حضور اکرمؐ کے اکثر وثائق سیاسیہ کے بھی آپ کاتب ہیں اور اکثروں پر گواہی کے دستخط بھی آپ کے ثبت ہیں۔

دوسری طرف کم عمری ہی سے آپ کی قوت ایمانی کا یہ عالم تھا کہ آپ سابقون الاولین میں سے ہیں۔ آپ کے چچا ناراض ہو کر آپ کو بوریہ میں لپیٹ کر ناک میں دھونی دیا کرتے تھے لیکن آپ یہی فرماتے کہ "چاہے کچھ بھی کر دیں اب کافر نہیں ہو سکتا"۔ آپ کو شروع ہی سے جو فدائیت خدا کے محبوب کے ساتھ تھی ——— اُسی کا سبب تھا کہ اس فدائیت میں سب سے پہلی تلوار اسلام میں آپ کو علم کرنی پڑی۔ خدا کے محبوب کے

بھی آپ بڑے مجد رہے اور "حواری" کے خطاب سے معزز فرمائے گئے۔ دو مرتبہ اپنے ماں باپ کو آپ پر فدا کیے جانے کا ارشاد گرامی فرمایا گیا۔ آپ کے چہرہ کو غبار سے پاک و صاف دستِ مبارک سے فرمایا گیا۔ اسی دنیا میں بہشت کی مبارک باد دی گئی۔ یہ وہ سرفرازیاں تھیں جو آپ پر ذاتِ قدوسی سے فرمائی گئیں اور تو اور جب تکمیلِ دین یعنی فتح مکہ کا دن آپہونچا اور مکہ میں لشکرِ اسلام داخل ہو رہا تھا تو مہاجرین و انصار کی سرداری کا علم بھی آپ کو مرحمت فرمایا گیا۔ اور اس طرح اس روز سے "صاحب اللوائین" کے لقب سے بھی ملقب ہوئے۔

آپ ہمیشہ مصالح اسلامی کے ساتھ رہے۔ اور اپنی اصابت رائے سے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے۔ مساوات پسندی۔ فراخ حوصلگی۔ نرم دلی۔ خوفِ الٰہی۔ تقویٰ و پرہیزگاری۔ بلند حوصلگی۔ محبت و مروت۔ غیرت و حمیت۔ شجاعت و شہامت میں آپ فرد فرید تھے۔ اسلام کی خدمت میں آپ ایک ادنیٰ سپاہی کی طرح کاروان رہے۔ بڑے سے بڑے معرکے سَر کیے۔ اور بہادرانِ اسلام میں آپ کا جو رتبہ تھا وہ اظہار سے مستغنی ہے۔ باوجود اس کے جب سیّدنا حضرت عمر فاروق رض کی شہادت کے بعد خلیفہ کے انتخاب کا وقت آیا تو آپ سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہ کے حق میں اپنے انتخاب سے دست بردار ہو گئے۔ سیّدنا حضرت عثمان غنی رض آپ کو سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے متعلق حضرت عثمان رض کا قول بخاری شریف میں ہے کہ "قسم ہے خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ سب سے بہترین اور بے شک وہ رسول اللہ صلعم کو سب سے پیارے تھے۔" یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ حضرت زبیر رض کے متعلق فرمائے۔

آپ کی زندگی کے چار پہلو اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتے جو شجاعت۔ سخاوت۔ تجارت اور امانت ہیں۔ سرکار دو عالم صلعم اور خلفاء کے زمانہ میں ہر جنگ میں آپ کا بڑا شاندار کارنامہ رہا ہے۔ بدر۔ اُحد۔ اور تمام غزوات میں آپ شریک رہے۔ خندق کی جنگ مسلمانوں کے لئے بڑا جبر آزما معاملہ تھا۔ مگر جس طرح آپ دشمنوں کی خبر لیکر حاضر حضور رسالتمآب ہوئے اس سے رحمت العالمین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور "حواری رسول اللہ" کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔ جنگ یرموک اور مصر کی فتح آپ کا عجیب و غریب کارنامہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی سربلندی و نصرت کے کارناموں میں میرے بدن کا کوئی عضو ایسا نہیں ہے جس میں زخم نہ ہو یہاں تک کہ اس سے ستر عورت بھی نہیں بچا ہے۔ اور اس طرح آپ بہادرانِ اسلام کی صف اوّل میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

تجارت

ذریعہ معاش میں آپ نے تجارت کو اختیار فرمایا تھا جس کا سلسلہ شام۔ یمن۔ مصر۔ عراق اور حبش وغیرہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے ہر جگہ آپ کے مکانات اور ایوان موجود تھے مسعودی کے زمانہ تک یہ حویلیاں اچھی حالت میں تھیں۔

ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ "آپ کی تجارت میں اس قدر ترقی کس طرح ہوئی؟" آپ نے فرمایا کہ "اوّل تو میں ادھار مال نہیں لیتا۔ دوسرے یہ کہ نفع کے پیچھے نہیں پڑا رہتا" اسی تجارت ہی کی وجہ تھی کہ دولت و ثروت میں آپ صحابہ میں بڑے ممتاز تھے۔ آپ کی دولت کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ کیا گیا تھا۔ اس دولت کے ساتھ فیاضی کے جوہر نے اس مال میں اور بھی برکت دی۔ بخاری شریف میں ہے کہ "ایک زمین آپ نے چھ لاکھ میں فروخت کی۔ لوگوں نے کہا آپ نقصان میں رہے۔ فرمایا "واللہ میں نقصان میں نہیں رہ سکتا" یہ فرمایا اور سب رقم راہِ خدا میں خرچ کر دی۔ غریبوں اور محتاجوں کی آپ برابر مدد فرماتے رہتے۔ اور ان کی خبر گیری رکھتے۔ اس تجارت کے علاوہ جو جاگیریں مختلف اوقات میں آپ کو ملتی رہیں وہ مزید برآں ہیں۔ مالِ غنیمت سے بھی آپ کو گراں قدر رقمیں حاصل ہوتی رہیں۔

امانت و دیانت

آپ کی انتظامی قابلیت و امانت و دیانت داری کا عام شہرہ تھا۔ صحابہ اپنی آل و اولاد اور مال و متاع کیلئے آپ ہی کو اپنا وصی بناتے چنانچہ حضرت عثمان رض۔ حضرت مقداد رض۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رض اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رض وغیرہ جیسے صحابۂ کرام رض نے آپ ہی کو وصی بنایا تھا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد۔ حضرت خدیجہ کے بھانجے اور خود حضرت زبیر رض کے پھوپی زاد بھائی حضرت ابی العاص رض کے بھی آپ ہی وصی تھے۔ حضرت زینب رض سرکار دو عالم صلعم کی بڑی صاحبزادی حضرت ابی العاص رض کو بیاہی تھیں۔ جن سے ان کی صاحبزادی حضرت امامہ رض پیدا ہوئی تھیں۔ اور حضور اکرم صلعم کو جن سے بہت ہی محبت تھی۔ جب حضرت ابی العاص رض کا انتقال ہونے لگا تو وہ بھی اپنی ان

صاحبزادی کو آپ ہی کی تربیت میں دے گئے تھے۔

جب حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس بلوغ کو پہونچیں اور حضرت فاطمہؓ زہرا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ شادی کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اس رشتہ کو قبول فرما کر خود نکاح پڑھا دیا۔"

یہی وجہ تھی کہ آپ مقروض ہو گئے تھے کیونکہ جو شخص آپ کے پاس کوئی امانت رکھنے آتا تھا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ میں امانت کو نہیں رکھتا البتہ قرض لے لیتا ہوں کیونکہ امانت کی صورت میں مجھے اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جب آپ کا انتقال ہوا ہے تو آپ پر بائیس لاکھ کا قرضہ تھا۔ آپ کی حسنِ نیت تھی کہ صرف ایک زمین کی فروخت سے یہ جملہ قرضہ ادا ہو گیا۔

آپ کا شوق آپ کو آلاتِ حرب اور گھوڑوں کا بڑا شوق تھا۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک آپ کے پاس اور دوسرا حضرت مقدادؓ کے پاس تھا بعد ازاں اعلیٰ درجہ کے گھوڑے آپ کے پاس رہتے تھے۔ اس طرح آلاتِ حرب بھی آپ کے پاس بہت قیمتی رہتے تھے۔ آپ کی ایک تلوار کی قیمت تین ہزار تھی۔ اور آپ کے اکثر ہتھیاروں پر چاندی کا کام ہوتا تھا۔ آپ کا بھالا۔ برچھی۔ تلوار اور آپ کی وہ سپر تھی جس کو لگا کر آپ نے فسطاط کو فتح کیا تھا۔ تبرکاً خلفاء کے پاس رہیں۔ طبری اور بلاذری وغیرہ نے ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

آپ کی ایک حدیث ہے کہ "حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ "بے شک یہ بات کہ کوئی شخص تم میں سے اپنی رسی لے اور لکڑی کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آئے اور اس کو بیچے اور اللہ اس ذریعہ سے اس کی آبرو قائم رکھے۔ یہ بات اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔"

چنانچہ آپ نے حرف بہ حرف عمل کیا اور باوجود بڑے صاحبِ ثروت صحابیؓ ہونے کے آپ معمولی کام بھی خود اپنے ہاتھوں انجام دینے میں کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ اور محنت و ایمانداری سے اپنی روزی پیدا فرماتے تھے۔ طرزِ معاشرت نہایت سادہ تھا۔ اپنے باغوں اور کھیتوں میں خود پانی دیتے تھے۔ راتوں کو جاگ کر اپنے املاک کی خود حفاظت فرماتے۔ حالانکہ آپ کے پاس ہزار غلام تھے۔ مگر پھر بھی آپ بذاتِ خود چھوٹے چھوٹے کاموں کو انجام دیتے۔ اور آپ کو کسی طرح کے کام میں عار نہیں تھا۔ روایتِ حدیث میں آپ بڑے محتاط تھے۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں آپ سے صرف (۳۸) احادیث مروی ہیں۔

جنگِ جمل سے واپس ہوتے ہوئے ۳۶ھ ہجری میں آپ شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ وادی السباع میں آپ سپردِ خاک کئے گئے جو موجودہ بصرہ سے دس گیارہ میل پر واقع ہے۔ اور وہاں کی آبادی آپ کے اسمائے گرامی کی مناسبت سے "زبیر" کہلاتی ہے۔"

آپ کے بارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں مختلف بیویوں کے بطن سے ہوئیں جن میں سے امیر المومنین سیدنا حضرت عبداللہؓ سیدنا حضرت عروہؓ اور سیدنا حضرت مصعبؓ اپنی خاص خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔

علاوہ از یں آپ ایک نئے بطن "زبیری اسدی" کے بانی بھی ہوئے۔ آپ کے صاحبزادوں اور اُن کی اولاد کی اولاد بفضلہ تعالیٰ اِس وقت تک بھی جس جس مقام پر مقیم ہے۔ اُس میں آپ کے فیض و کرم کی جھلکیاں موجود ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے امید قوی ہے کہ آپ کے اخلاق و کردار کی روشنی سے آپ کی اولاد تا قیام قیامت بہرہ ور ہوتی رہے گی۔

آپ کی اولاد مختلف ممالک میں جن ناموں سے مشہور ہوئی انساب الخلافہ ترجمہ نہایۃ الارب مؤلفہ علامہ شہاب الدین ابی العباس علامہ ابوالفوز محمد امین السویدی میں تحریر ہے کہ "ہمدانی کہتا ہے جو ہجری سنہ تیسری صدی ہجری میں حضرت زبیرؓ کی اولاد کے متعلق لکھا ہے کہ "(۱) مصر میں یہ خاندان جماعت "ذو قہ" کے نام سے مشہور رہے اور مختلف ممالک میں "(۲) بنو رمضان" (۳) بنو بدر" (۴) الزبیریوں" (۵) بنو مشلح" (۶) بنو مصعب (۷) زبیریین" (۸) بنو غنی" (۹) اور بنو حلان" کے ناموں سے موسوم ہے۔"

ہندوستان میں یہ خاندان "قریشی" اور "زبیری" اور اپنے سکنی لقب "کنبوہی" سے شہرت پذیر ہوا۔ اور امتدادِ زمانہ سے کنبوہ بھی کہلایا جانے لگا۔

امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ

آپ مہاجرین مدینہ منورہ کے مولود اولین ہیں۔ جن کی وجہ سے مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے مدینہ منورہ کے دیوار و در گونج اٹھے تھے۔ آپ مسجد قبا میں پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماء صدیقہؓ کی گود سے اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں اور پھر سرکار دو عالم صلعم کی گود میں پہونچائے گئے۔ اور سب سے پہلے آپ کے پیٹ میں رسول اکرم صلعم کا لعاب دہن پہونچا۔ اور عبداللہ نام اور اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی مناسبت سے ابوبکر اسدی قریشی کی کنیت سے سرفراز فرمائے گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ نے آپ کو بیٹا بنایا اور سرکار دو عالم صلعم نے ام المومنینؓ کی کنیت ام عبداللہ قرار فرمائی۔

اس طرح آپ کی پرورش رسول اکرم صلعم کے گھر اور حضرت عائشہؓ کی گود میں ہوئی۔ اور اس فیضان کا اثر آپ کی پوری زندگی کے ہر ہر واقعہ سے بخوبی آشکارا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ایک جامع صفات خاتون تھیں۔ آپ کے علم و فضل کا یہ فیضان ہے کہ رہتی دنیا تک دنیا اس سے مستفید ہوتی رہے گی۔ حضرت عبداللہؓ کو آپ سے بہرہ ور فرمایا۔ ہر طرح کی مروجہ تعلیم آپ کے آغوش شفقت و تربیت میں حاصل ہوئی اور اسی وجہ سے آپ نہایت باحوصلہ۔ باہمت۔ جری۔ بیباک اور فصاحت و بلاغت و تدبر میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ باپ۔ ماں۔ نانا۔ خالہ وغیرہ کے جملہ صفات آپ میں موجود تھے۔

تمام علوم اسلامیہ میں قرآن اور اس کے متعلقات راس العلوم ہیں۔ آپ کو قرأت سے خاص شغف تھا۔ وہ اسلام کے مشہور قاری تھے حضرت عبداللہ بن العباسؓ۔ آپ کے دوسرے فضائل و کمالات کے ساتھ آپ کی قرأت قرآن کے بھی خاص طور سے معترف تھے۔ جب امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے جمع قرآن شریف کی جانب توجہ مبذول فرمائی تو آپ ان چار میں سے ایک تھے جن کو قرآن شریف کے جمع کرنے اور صحت الفاظ کے لئے قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت سعید بن العاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اس کام میں شریک تھے۔ اول الذکر تین قریشی اور چوتھے بزرگ غیر قریشی تھے۔ قرآن شریف جو اس وقت مسلمانوں کا دین و ایمان ہے اس کے ترتیب و جمع کے کام میں شرکت آپ کی زندگی کا ایک [illegible] باب ہے چونکہ قرآن مجید قریش کے محاورہ کے مطابق نازل ہوا ہے اس لئے ان بزرگوں نے اس کو قریش کے محاورہ کے مطابق ہی لکھا۔ اور یہی قرآن رہتی دنیا تک مسلمانوں کا ملجا و ماویٰ رہے گا۔

آپ نے سرکار دو عالم صلعم اور صحابہ کرامؓ سے بھی فیض علم و فضل حاصل کیا تھا۔ اور جس کو بعد والوں نے آپ سے حاصل کرکے اس کی اشاعت کی۔ آپ کا علم و فضل آپ کے معاصرین میں مسلم تھا لیکن باوجود اس کے جو مسائل ایسے آ جاتے کہ جن کا آپ کو علم نہ ہوتا تو آپ معاصرین سے استفادہ حاصل فرماتے۔ اور اس طرح کے جو مشورے آپ کو دیئے جاتے ان کو آپ قبول فرما لیتے۔ اور اس میں کسی طرح کی کوئی کسر شان نہ سمجھتے تھے لیکن جس بات کو آپ صحیح جانتے اور بڑے سے بڑے صحابی اس کے متعلق کوئی استدلال فرماتے تو آپ ان کو کبھی تسلیم نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس [illegible] متعہ کے قائل تھے لیکن آپ [illegible] سختی کے ساتھ اس کا بطلان فرمایا اور اس کی تکذیب کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی متعہ کے خلاف تھے۔

آپ [illegible] علاوہ دوسرے [illegible] ممالک کی زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ اور آسانی سے گفتگو فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کے پاس مختلف اقسام کے جن سے غلام تھے آپ سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو فرماتے تھے (مستدرک حاکم جلد ۳)

بیان آوری اور خطابت میں قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور تھی۔ اور آپ کو اس میں خداداد اور فطری ملکہ حاصل تھا عثمان بن طلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ بلاغت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کا کوئی حریف نہ تھا۔

جب آپ خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آواز کی کڑک سے پہاڑیاں گونج اٹھتی تھیں۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ کی تقریریں موجود ہیں۔ جو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں۔ فتح افریقہ کے بعد جب آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضؓ کے ارشاد کے بموجب وہاں کے حالات اور فتح و نصرت پر مسجد نبویؐ میں جو خطبہ دیا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ آپ کے والد حضرت زبیرؓ تقریر سے خوش ہو کر اٹھے اور بیٹے کی پیشانی چوم لی اور فرمایا کہ اولاد و ذریت ایک دوسرے سے ہوتے ہیں اور بزرگوں کا اثر چھوٹوں پر ضرور ہوتا ہے۔ اے بیٹے تم نے

تو یہ خطبہ ابو بکرؓ کی زبان ہی سے دیا" (عقد الفرید)

آپ نے حضرت مصعبؓ کی شہادت پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "تمام تعریف اُسی خدا کے لئے ہے جس نے سب کو پیدا کیا۔ اور جس کے ہاتھ میں حکومت ہے۔ جسے چاہتا ہے سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ جان لو حق و صداقت جس کے ساتھ ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ تنہا اور بے یار و مددگار ہی کیوں نہ ہو۔ اور خدا اُس شخص کو کبھی عزت نہیں دیتا جس کی دوستی شیطان اور اُس کی جماعت سے ہو۔ اگرچہ وہ جماعت کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو۔

ہمیں عراق سے ایک خبر معلوم ہوئی ہے جس نے ہمیں رنجیدہ بھی کیا ہے اور خوشی بھی بخشی ہے۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ مصعبؓ (خدا کی رحمت اُن پر نازل ہو) شہید ہو گئے۔ ہمیں خوشی اِس لئے ہوئی ہے کہ اُنہیں درجۂ شہادت نصیب ہوا۔ غم اِس لئے ہوا کہ ہمارے رفیق مصعبؓ ہم سے جدا ہو گئے۔ جو مصیبت کے وقت ہمارے مددگار تھے۔ ایک محبِّ صادق کی جدائی۔ ایک سوزش بنانی ہوتی ہے۔ جو اُس کے دوست کو صدمہ پہنچاتی اور ستاتی ہے۔ مگر عقلا اِن تمام باتوں کے بعد صبرِ جمیل اختیار کرتے ہیں۔"

اِس وقت مجھے مصعبؓ کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔ حالانکہ اس سے پہلے حضرت زبیرؓ کی وفات کا صدمہ اُٹھا چکا ہوں۔ نیز حضرت عثمانؓ کی وفات کا رنج بھی ایسا نہیں ہے جسے میں نے فراموش کر دیا ہو۔

مصعبؓ بھی اللہ کے ایک بندے اور میرے دست و بازو تھے۔ اور خداوند بزرگ و برتر اُن کی شہادت کو ہمارے لیے بھلائی کا سبب بنانے والا ہے۔ مگر ملال اِس بات کا ہے کہ اہلِ عراق نے اُن سے بے وفائی اور منافقت کی اور دُنیا کی قلیل دولت کے عوض اُنہیں دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اور اُن کو دشمن کے حوالے ایسے ہی کیا جیسے نشتر لگایا ہوا شتر مرغ کسی کے حوالے کیا جاتا ہے۔

پس اگر مصعبؓ شہید ہو گئے تو یہ اُن کے خاندان میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے والد۔ چچا۔ بھائی بھی فی سبیل اللہ شہید ہوئے اور یہ سب خیار المسلمین میں سے تھے۔

ہم اپنے بستروں پر پڑ کر مرنے کے عادی نہیں ہیں ہماری موت بزدلوں کی طرح نہیں ہوگی۔ بلکہ جوانمرد۔ مرد میدان کی طرح تلواروں کے سایہ تلے ہم جان دیں گے۔

ہم اِس طرح نہیں مریں گے جیسے کہ ابوالعاص (جو عبدالملک کا پردادا تھا) کی اولاد مرا کرتی ہے۔ بخدا اُن کے خاندان کا کوئی شخص بھی زمانۂ جاہلیت یا اسلام کی جنگ میں کام نہیں آیا۔ اور ہم ہمیشہ تیروں کا نشانہ بنائے گئے اور تلواروں کے سائے میں جان دیتے رہے۔ ہم اب بھی نہیں مریں گے جب تک نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں۔

رہی دُنیا۔ یہ اس شہنشاہ اعلیٰ و اعظم کی طرف سے کہ صرف اسی کی حکومت کو بقاء دوام حاصل ہے ایک مستعار شئے ہے اگر وہ سامنے آئے گی تو میں اُس کو کمینہ و گمراہ اور ذلیل و نابکار لوگوں کی طرح نہ لوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پشت پھیر کر بھاگے گی تو میں اُس پر کمزور و ناتواں۔ اور ضعیف دل انسان لوگوں کی طرح نہ روؤں گا۔"

اپنی شہادت کے دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خطبہ فرمایا کہ "اے آلِ زبیرؓ اگر تم مجھ سے خوش ہو اور مجھ کو اپنے میں سے تصور کرتے ہو تو یاد رکھو کہ ہم عرب کے ایک ایسے خاندان کے لوگ ہیں جنہوں نے خدا کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں اور خدا ہی کے لئے صلح کی ہے۔"

اے آلِ زبیرؓ تم تلواروں کی ضربوں سے خوفزدہ نہ ہونا کیونکہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے اُس تکلیف سے جو زخم کے لگنے سے ہوتی ہے۔ تم جس طرح اپنے چہروں کو بچاتے ہو اُسی طرح تلواروں کی بھی حفاظت کرنا کیونکہ میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں کہ جس کی تلوار ٹوٹ گئی ہو۔ اور پھر بھی وہ زندہ باقی رہا ہو۔ مرد کے پاس ہتھیار نہ ہوں تو وہ عورت کی طرح رہتا ہے۔ اپنی اپنی تلواریں تو تو نظریں نیچی رکھو تاکہ تلواروں کی چمک سے تمہاری آنکھوں میں چکاچوند نہ پیدا ہو جائے۔ ہر شخص اپنے مقابل پر حملہ آور ہو۔ تم مجھے ڈھونڈتے نہ پھرنا۔ اگر کوئی میری تلاش ہی

کرے تو میں سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا ملوں گا۔ اللہ کا نام لے کر حملہ کر دو۔

آپ اپنے شجاع باپ کے بہادر بیٹے تھے۔ فتح افریقہ۔ حملہ قسطنطنیہ اور دوسرے محاذوں پر آپ کے کارنامے ضرب المثل ہیں۔ آپ کی بے نظیر شجاعت کا لوہا آپ کے دشمن بھی مانتے تھے۔

اس عہد کے مشہور و معروف سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ" سے اس زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اس نے حضرت مصعب بن زبیرؓ، عمر بن عبید اللہ اور عباد بن حصن کے نام بتائے۔ پوچھنے والے نے کہا: "امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا نام نے نام نہیں لیا۔"

مہلب نے برجستہ جواب دیا "ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں جنوں کا ذکر نہیں کرتے۔" (مستدرک حاکم جلد ۳)

حضرت عبد اللہ بن حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ "حضرت زبیرؓ کے دونوں بیٹوں حضرت عبد اللہؓ اور حضرت مصعبؓ میں سے کون زیادہ بہادر تھا؟"

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ "دونوں بہادر تھے۔ دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے۔" (مستدرک حاکم جلد ۳)

آپ کی جرأت و بیباکی نے حضرت امیر معاویہؓ جیسے سیاسی بزرگ کو متحیر اور خائف کر دیا تھا۔ اور جو گفتگو ان چچا بھتیجوں میں ہوئی وہ آپ کی بلند ہمتی اور بیباکی کی مثال کے لئے کافی ہے۔ اور جو اثر حضرت امیر معاویہؓ پر آپ کی گفتگو کا ہوا تھا وہ اس نصیحت سے ظاہر ہے جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت آپ کے بارے میں یزید کو کی تھی کہ۔

...... مجھے اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ امر خلافت جو تیرے لئے مقرر ہو چکا ہے اس کے متعلق قریش میں چار شخصوں کے سوا، اس بارے میں اور کوئی تم سے نزاع کرے گا۔ وہ چار "عبد اللہ بن زبیرؓ، حسین بن علیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ" ہیں۔

عبد اللہ بن عمرؓ کا تو عبادت نے کام تمام کر دیا ہے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے سوا اب کوئی باقی نہیں رہا تو وہ بھی تجھ سے بیعت کر لیں گے۔

حسین بن علیؓ کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کر لیں گے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اگر وہ تجھ پر خروج کریں اور تو ان پر قابو پا جائے تو درگذر کرنا۔ ان کو قرابت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔

عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ وہ شخص ہیں کہ اپنے اصحاب کو جو کام کرتا دیکھیں گے ویسا ہی خود بھی کریں گے۔

ہاں جو شخص شیر کی طرح تجھ پر حملہ آور ہوگا اور لومڑی کی طرح تجھے دھوکا دے گا۔ اور جب اس کو موقع ملے گا حملہ کرے گا وہ عبد اللہ بن زبیرؓ ہے اگر ایسی حرکتیں وہ تیرے ساتھ کرے اور تیرے قابو میں آ جائے تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔

عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں قلعہ والوں کی آنکھوں کے سامنے عبادت خداوندی میں مشغول ہو جاتے۔ تواریخ میں ہے کہ جب آپ دنیاوی امور کی طرف راغب ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ پکے دنیا دار ہیں۔ اور جب رجوع الی اللہ ہوتے تو معلوم ہوتا کہ دنیا سے آپ کو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ آپ کے رکوع و سجود اس قدر طویل ہوتے کہ تمام تمام شب اسی میں گذر جاتی۔ اس سکونِ قلب۔ اس اخلاص اور اس استغراق سے آپ نماز ادا فرماتے کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر تم لوگ رسول اللہ صلعم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو عبد اللہ بن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو۔" (مسند امام احمد حنبل جلد اول)

روزوں کا بھی یہی حال تھا۔ کبھی مسلسل سات سات دن کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ حج بیت اللہ کم ناغہ ہوا۔ عبادت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ نے سخت سے سخت محنت نہ اٹھائی ہو۔ آپ کی شہادت کے بعد جب حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آپ کی لاش کی طرف سے گذرے تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر کہا کہ۔

"ابوخبیب (حضرت عبداللہؓ کی کنیت ہے) خدا تمہاری مغفرت کرے۔ تم بڑے روزہ دار، بڑے نمازی اور بڑی صلہ رحمی کرنے والے تھے" بخدا جس خاندان کے تم فرد ہو وہ قوم میں سب سے زیادہ بہتر ہے"

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو سرکار دوعالم صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بعد سب سے زیادہ محبت آپ ہی سے تھی"

خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر بھی آپ کا ایک بڑا کارنامہ ہے"

خلافت امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ پر ایک نظر

"تاریخ اسلام جلد دوم مؤلفہ علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے صفحہ ۵۵ پر تحریر ہے کہ۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بہتر کوئی شخص خلافت کے لئے نہ تھا" جو مستحق خلافت ہو" آپ جرأت و بیباکی میں، جو شجاعت کا دوسرا نام ہے فرد تھے" حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنانے کے لئے اپنی پولٹیکل تدبیروں اور زر پاشیوں سے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں بند کر دی تھیں لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تیغ زبان اُن کے مقابلہ میں بھی بے نیام رہی۔ آپ نے اس شدومد سے اُن کی مخالفت کی کہ حضرت امیر معاویہؓ جیسے عالی دماغ کو بھی متحیر کر دیا۔ اور آخر تک یزید کی ولیعہدی تسلیم نہ کی" یزید تخت نشین ہونے پر آپ کو قابو میں نہ لا سکا۔

آپ بنو امیہ کے خلاف اس زور سے اٹھے کہ اُن کی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں۔ اور قریب قریب تمام عالم اسلامی سے اپنی خلافت تسلیم کرا لی۔ قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا ورنہ آج بنو امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت، کے صحیح خلافت کے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں لوگوں نے اپنی آزاد مرضی سے اُن کو خلیفہ تسلیم کیا" اور جہاں جہاں لوگوں کو آزادی حاصل تھی کسی نے بھی ان کی خلافت سے انکار نہیں کیا۔ ہاں بنو امیہ جو خلافت کے معاملہ میں اُن کے رقیب تھے اُن کی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اور شام و فلسطین و مصر وغیرہ میں جبر و قہر کے ساتھ انہوں نے اپنی حکومت قایم کی" اور پھر اسی جبر و قہر کے ساتھ وہ تمام عالم اسلام پر حکومت قایم کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے بالمقابل "مروان بن الحکم" اور عبدالملک کی حکومت کو باغیوں کی حکومت کہا جا سکتا ہے لیکن عبدالملک بن مروان کی حکومت کا وہ زمانہ ہی جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد شروع ہوتا ہے باقاعدہ حکومت سمجھنا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنے عہد خلافت میں کوئی ایسا موقع نہیں ملا کہ آپ لڑائیوں اور چڑھائیوں کی فکر سے مطمئن بیٹھے ہوں اس لئے آپ کے عہد خلافت میں اگر جدید فتوحات اور اندرونی اصلاحیں ہم کو نظر نہ آئیں تو کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے۔

آپ بہت بڑے سپہ سالار اور جنگی شہسوار تھے۔ ساتھ ہی آپ بڑے مدبر اور ملکدار بھی تھے۔ یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ آپ کے حریفوں کی تدبیریں آپ کے خلاف کامیاب ہوئیں اور آپ کو جام شہادت نوش فرمانا پڑا" آپ کی زندگی کا عملی نمونہ زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی بہت ہی قابل تعریف تھا"

بنو امیہ کے حکمرانوں میں یہ بات خصوصیت سے فائق و نمایاں تھی کہ وہ اپنی حکومت کے قیام و استحکام کے لئے روپیہ سے کام لینا خوب جانتے تھے۔ وہ روپیہ کے حاصل کرنے میں بھی خوب مستعد تھے" اور اس روپیہ کو حصول مقصد کے لئے خرچ بھی سلیقہ کے ساتھ کرتے تھے" اگر لوگوں میں امیہ کی محبت نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو وہ ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے" اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اُن کے مقابلہ میں ہرگز ناکامی حاصل نہ ہوتی"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اگر عبدالملک بن مروان کی طرح بیت المال کو اپنے دوستوں اور مددگاروں کے لئے وقف کر دیتے اور کمزوروں کا لحاظ نہ رکھتے تو آپ کے گرد بھی بہت سے شمشیر زن جمع ہو جاتے اور بنو امیہ کو نیچا دیکھنا پڑتا" لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس خلاف تقویٰ راہ عمل کو ہمیشہ ناپسند فرمایا۔ اور آپ کے لئے یہی موزوں بھی تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں "مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کا کوفہ میں قتل ہونا ایک بڑا کارنامہ ہے" نادس کے

فتنۂ خوارج کو بھی آپ نے خوب دبایا۔ اور حتی الامکان انہیں سَر نہیں اُبھارنے دیا۔ اِن مخالف عناصر کے انتظامات کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی پوری توجہ اور طاقت۔ بنی اُمیّہ کے مقابلہ میں نہیں لا سکے۔ اگر بنو اُمیہ کے ساتھ اندرونی معرکہ آرائی اور زور آزمائی جاری نہ ہوتی تو شریعت اسلام کو آپ بہت رواج دیتے اور بہترین خلیفہ ثابت ہوتے۔"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد "صحابۂ کرامؓ کی خلافت اور فرمانروائی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ آپ سب سے آخری صحابیؓ تھے جنہوں نے ملکوں پر حکومت کی۔" آپ کی عابدانہ اور زاہدانہ زندگی ایک مشعلِ راہ اور نجم ہدایت تھی۔"

آپ ہی ایک ایسے خلیفہ تھے جن کا دارالخلافہ مکہ معظمہ تھا۔ نہ آپ سے پہلے مکہ معظمہ دارالخلافہ تھا اور نہ آپ کے بعد آج تک مکہ معظمہ کو دارالخلافہ بنایا۔

"حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ آپ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ بن العوام" کی بہادریوں کے کارنامے پڑھکر اور آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شجاعت اور حوصلہ مندی دیکھکر انسان کا دل مرعوب ہو جاتا اور دنیا کے شجاعت پیشہ لوگوں کو بے اختیار اس بہادر خاندان کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاک و خون میں لوٹنا حمایت حق میں سینوں پر برچھیوں کے زخم کھا کھا کر آگے بڑھنا اور دشمنانِ حق کو تہِ تیغ کرنا جیسا مشکل اور دشوار کام ہے۔ وہ اُن کے لئے مزیدار اور خوشگوار تھا۔"

آپ کی اولاد خوب پھلی پھولی اور اس میں بڑے بڑے محدث "علماء" فضلاء" اور فقیہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی اولاد در اولاد کے حالات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ آپ ہی کی اولاد میں عبداللہؒ بن مصعب بن ثابت بن حضرت عبداللہ ہوئے تو آپ حدیث اور فقہ کے ایک بہت بڑے عالم ہونے کے علاوہ مہدی اور ہارون الرشید کے دست و بازو بھی تھے۔ انہی کے صاحبزادہ مشہور عالم ابوبکر بکار ہارون الرشید کے عہد میں والی مدینہ تھے۔ مدینہ کے گورنر ہونے کے علاوہ آپ وہاں کے قاضی بھی تھے۔ ہارون آپ کو بہت چاہتا تھا۔ آپ ہی نے بیشتر حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بانی ہارون الرشید کو مدینہ سے روانہ کیا تھا۔

محمد بن عمر واقدی المتوفی ۲۰۷ھ ہجری جو طبقات ابن سعد کے مؤلف کے استاد تھے اور مغازی میں جن کا بہت بڑا درجہ ہے۔ انہوں نے قاضی ابوبکر بکار ہی کی مدد سے یحییٰ بن خالد اور ہارون الرشید کے درباروں میں بار پایا تھا۔ آپ اپنے زمانہ کے علماء کی صف اوّل میں تھے۔ آپ کے صاحبزادہ زبیر بن ابوبکر بکار بھی بڑے عالم اور باپ کے بڑے اور فاضل بیٹے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ آپ بڑے حافظ حدیث فقیہ مؤرخ اور بڑے نسّابہ تھے۔ حافظ امام سمعانیؒ جو ان کے معاصر بھی تھے اپنی کتاب الانساب میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ ثقہ نسب کے عالم اور متقدمین کے معاصر اور تاریخ کے عالم تھے۔

ابن ابی خیثمہ نے بیان کیا ہے کہ مصعب جن کی کنیت ابو عبداللہ زبیری تھی اہل علم میں سے تھے۔ میں نے ان کو مدینہ میں بارہا کہتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر ہم سے کوئی بڑھا تو میرا بھتیجا زبیر بن ابو بکار بڑھ جائے گا۔" آپ کے شوق علمی اور کتب بینی میں استغراق کا ایک واقعہ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جو بہت سبق آموز ہے۔ ایک دن امام زبیر بن بکار کی بھانجی نے اُن کی بیوی سے کہا کہ "میرے ماموں نہایت لائق تعریف ہیں کہ انہوں نے تمہارے سوا کوئی دوسری بیوی نہیں کی۔" بیوی نے جواب دیا کہ یہ کتابیں مجھ پر سو سوکنوں سے زیادہ گراں اور بھاری ہیں۔" آپ ایک مشہور و معروف مصنف بھی ہیں چنانچہ "انساب القریش" ایک ایسی مستند کتاب ہے کہ آپ کے بعد علم الانساب کی کوئی ایک بھی کتاب ایسی نہیں کہ جس میں آپ کی اِس کتاب کا حوالہ نہ دیا گیا ہو۔ اور جس کو بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں نے سبقاً سبقاً نہ پڑھا ہو۔ مگر افسوس ہے کہ اس کتاب کا کوئی نسخہ ہماری معلومات کی حد تک ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ البتہ استنبول کے سرکاری کتب خانہ اور کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ آپ کی دوسری کتاب "موفقیات" ہے آپ کی تیسری مشہور کتاب "اخبار مدینہ" ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ کتابیں بھی آپ کی تصانیف میں سے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد تھی جنہوں نے آپ سے حدیث اور دوسرے موضوعات پر درس لیا تھا۔ ان میں ابنِ ماجہ قزوینی نے سنن میں اور ابن ابی الدنیا وغیرہ

نے حدیث میں روایتیں کی ہیں۔

اسحاق بن ابراہیم موصلی آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ابن عساکر نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ ایک زمانہ نے آپ سے علم کا فیض حاصل کیا اور آپ مکہ معظمہ اور بغداد کی مسند علم و فضل پر متمکن رہ کر تشنگان علم کو سیراب فرماتے رہے۔ آپ کے تبحر علمی کی بغداد میں شہرت ہو جانے کی وجہ سے مکہ معظمہ کے عہدۂ قضاۃ پر آپ کو ممتاز فرمایا گیا جس پر آپ ۲۵۶ھ ہجری تک جبکہ آپ کی وفات ہوئی فائز رہے مکہ میں دفن ہوئے اور چوراسی سال کی عمر پائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی اولاد میں اور بہت صاحب علم و فضل ہوئے ہیں۔

سیدنا حضرت عروہ بن زبیرؓ

آپ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ ۲۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور اپنی خالہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بڑے پیارے تھے۔ آپ نے ان ہی کی آغوش تربیت میں پرورش پائی اور ان ہی کے حلقۂ درس میں تحصیل علم کی۔ اُم المومنینؓ کے حضور میں آپ کو آپ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ و عائشہ بنت حضرت طلحہؓ جو بعد میں حضرت مصعبؓ کی بیوی ہوئیں اور اُم المومنین کی بھانجی تھیں اور صفیہؓ بنت شیبہ کو زیادہ تقرب اور اختصاص حاصل تھا۔ حضرت عروہؓ بڑے بڑے مسائل کو حضرت عائشہؓ سے حل کراتے اور یاد رکھتے۔ انہی مبارک صحبتوں کا اثر تھا کہ جب بڑے ہوئے تو وہ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے خزانۂ علمی کے کلید بردار سمجھے گئے۔ اور فضل و کمال کے تاجدار بنے۔ حضرت عائشہؓ کے مرویات اور فقہ و فتاوی کا عالم ان سے بڑھکر کوئی نہ تھا۔

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ حضرت عروہؓ اپنی علمیت کے باعث بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں ایک آپ بھی تھے۔ ابن شہاب (امام زہری)، جو آپ کے مشہور شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عروہؓ ایک بحر ناپید اکنار ہیں۔ آپ نے اُم المومنین حضرت عائشہؓ اور والدہ حضرت اسماءؓ اور اپنے والد حضرت زبیرؓ اور اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کے علاوہ بھی بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے فیض روایت حاصل کیا۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اقوال کا بہت بڑا حصہ جو وہ اپنی ماں اور اپنی خالہ۔ باپ اور بھائی سے سنتے روایت کرتے ہیں۔ آپ علم کے بحرِ ذخار تھے۔ تقویٰ اور پارسائی آپ کی سب سے بڑی خصوصیتیں ہیں۔ صحابیت کی عزت تو آپ کو حاصل نہیں ہوئی مگر اتنے بڑے صاحب علم و فضل اور اس پائے کے محدث اور فقیہ اور ایسے عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے کہ کبار تابعین میں آپ شمار کئے جاتے تھے۔ آپ قریش کے عبادت گذاروں میں سے تھے۔

سیرت و مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام میں آپ ہی سب سے پہلے مصنف ہوئے ہیں۔ اور فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب بقول صاحب کشف الظنون آپ ہی نے تدوین کی۔ الفاروق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات میں سب سے پہلی کتاب آپ نے ہی لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ ۶۳ھ ہجری میں اہل مدینہ اور یزید کی فوجوں میں جنگ حرۃ کے نام سے جو لڑائی مشہور ہے اور جس میں اہل مدینہ بہت تباہ و برباد ہوئے تھے اسی میں آپ کی یہ کتابیں بھی برباد ہو گئیں۔ جس کے بعد وہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کتابوں کا میرے پاس اس وقت ہونا میری اولاد اور مال سے میرے نزدیک محبوب تر ہوتا لیکن باوجود اس کے آپ کی بہت سی لمبی لمبی تحریرات اس وقت بھی کتب تواریخ کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے اقوال میں ہے کہ آپ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ علم سیکھو۔ اس لئے کہ اگرچہ تم اس وقت اپنی قوم کے چھوٹوں میں ہو مگر عنقریب دوسری قوموں کے بڑے بن جاؤ گے۔ جہالت بہت بُری چیز ہے۔ خصوصاً قوم کے سردار کے لئے۔"

فرماتے تھے "حضرت داؤدؑ منبر پر بیٹھے ہوئے کھجوروں کی پتیوں کی ٹوکریاں بناتے اور ان کو بیچ کر ان کی قیمت سے زندگی بسر کرتے تھے" یہ بھی فرماتے تھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ زہد والے میرے گھر کے لوگ ہیں۔

جب آپ نے اپنے محل میں جو وادی عقیق میں تھا گوشہ نشینی اختیار فرمالی۔ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنا ترک فرما دیا تو لوگوں نے اس کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ مسجدیں کھیل کود کے اکھاڑے۔ ہزلیات کی منزلیں اور گندگاہیں اور بے حیائیوں کے اڈے بن گئے ہیں۔ اس لئے مجھے گھر پر ہی عافیت معلوم ہوتی ہے۔

آپ اپنے صاحبزادوں کو تفہیم کرنے سے کبھی نہیں جھجکتے تھے کہ علم حدیث حاصل کرکے وہ اپنے آپ کو لاثانی و ابدی بنا سکتے ہیں۔ آپ کی احادیث نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے زمانۂ حیات پر محیط ہیں بلکہ خلفاء راشدینؓ کے زمانے کے واقعات پر بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔
ابو زیاد کا قول ہے کہ میں نے حضرت عروہ سے زیادہ کسی کو شعر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شاعری میں آپ بڑے دقیقہ سنج اور ماہر تھے۔ اور اکثر کتب سے ظاہر ہے کہ آپ کو اس کا بڑا ذوق تھا۔ سنہ ۹۴ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کی تمام اولاد بھی بڑی صاحب علم و فضل ہوئی۔ اور حدیث و فقہ کی کتابوں میں آپ کی اولاد در اولاد کے نام روایت حدیث میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں لیکن ہشام بن حضرت عروہؓ اپنے بھائیوں میں فرد فرید تھے۔ آپ مدینہ کے مشہور تابعین اور زیادہ حدیثیں روایت کرنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور اہل مدینہ کے حفاظ اور مقبول اور پرہیزگاروں میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کو آپ کے والد سے ورثہ میں علم و فضل حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ امام ثوری۔ امام مالک بن انسؓ اور ابن عیینہ بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ مدینہ سے آپ بغداد اور وہاں سے کوفہ تشریف لے گئے تھے اور احادیث کی روشنی میں فقہ کی تعلیم کا درس دیتے تھے۔ بغداد میں سنہ ۱۴۵ ہجری یا ۱۴۶ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ خلیفہ منصور آپ کا نہایت احترام کرتا تھا اور آپ کے جنازے کی نماز بھی اسی نے پڑھائی تھی۔

حضرت عروہؓ کے شاگردوں میں حضرت جعفر صادق۔ امام زہری۔ ہشام بن حضرت عروہؓ۔ ابو زناد خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اور ان شاگردوں کے شاگردوں میں امام مالک۔ امام اوزاعی۔ امام لیث بن سعدؒ کے شاگرد شیخ عبد اللہ بن یوسف اور شاگرد امام بخاری ہوئے۔ موسیٰ بن عیسیٰ معمر ابن رشید اور کتاب المغازی کے مشہور مؤلف محمدؒ ابن اسحٰق اور امام ابو حنیفہ۔ امام مسلم۔ امام داؤد۔ امام نسائی۔ امام ترمذی۔ اور ابن ماجہ۔ امام شافعی اور امام احمدؒ حنبل وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے امام دین آپ کے صاحبزادے اور آپ کے شاگردوں کے شاگردوں کے فیض یافتہ تھے۔ اور اس طرح سے آپ کا علم و فضل رہتی دنیا تک سلسلہ بہ سلسلہ جاری رہے گا۔

سیدنا حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ

آپ اپنے محترم باپ کی شہادت کے وقت بہت چھوٹے اور اپنے برادر بزرگ حضرت عبد اللہؓ کے بڑے محبوب تھے۔ اور اُن ہی کے آغوش اور نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اُن شاگردوں میں سے آپ ایک تھے کہ جن کو اُن کی جناب میں اختصاص حاصل تھا۔ حضرت عبد اللہؓ کے بعد شجاعت و شہامت اور خطابت و بلاغت میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ اُس زمانہ کے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ اور ابراہیم بن الاشتر وغیرہ آپ کی شجاعت و شہامت کے معترف تھے۔ مروت۔ سخاوت۔ شرم و حیا۔ صلۂ رحمی۔ اور دینداری وغیرہ میں بھی آپ کو امتیاز حاصل تھا۔ غرضکہ اپنی تعلیم و تربیت اور ذاتی اوصاف کی خوبیوں کی وجہ سے شہزادگانِ قریش میں آپ ایک بہترین نوجوان تھے۔ صورت و سیرت دونوں میں آپ فرد تھے۔ آپ اپنے زمانہ کے بے حد حسین و جمیل شخص تھے۔ اور اسی کے ساتھ بڑے شاندار اور بارعب بھی تھے۔
روایت ہے کہ مصعب بن الزبیرؓ سے زیادہ کوئی خوبصورت امیر آپ سے پیشتر ممبر پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ باپ نے کافی دولت چھوڑی تھی۔ بھائیوں کے لاڈلے تھے۔ اس لئے آپ کا لڑکپن اور جوانی کا زمانہ بہت فارغ البالی۔ ناز و نعمت اور شہزادوں کی طرح بسر ہوا۔ نوجوانانِ قریش کی جو بیٹھکیں مسجد نبوی صلعم میں ہوتیں اُن میں آپ معہ اپنے بھائی حضرت عروہؓ اور حضرت عبد اللہؓ کے بیٹوں۔ اپنے بھتیجوں کے ساتھ شریک رہتے۔ آپ کی سب سے زیادہ دوستی عبد الملک بن مروان سے تھی جو امویوں کا بعد میں بڑا زبردست خلیفہ ہوا۔ اکثر و بیشتر وقت ان دونوں کا ایک ساتھ گذرتا تھا۔

جب آپ کے بڑے بھائی امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپ کو اپنی فطری قابلیتوں کے اظہار کا موقع ملا۔ آپ پہلے مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے۔ اور بعد ازاں بصرہ و کوفہ کی حکومت سپرد کی گئی جس کے معنی یہ ہیں کہ ایران و خراسان ترکستان اور ہندوستان کی سرحد تک کے علاقے آپ کے زیر نگیں تھے۔ آپ نے فتنۂ مختار کا قلع قمع کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دے دی۔"

اور حجاج کی سرکوبی کی۔ جب عبدالملک کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کوفیوں اور عراقیوں نے بے وفائی کی اور آپ کا موقف نازک ہو گیا۔ تو آپ کو ہٹ جانے کی صلاح دی گئی۔ مگر آپ کی غیرت اس کو برداشت نہ کر سکی۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت عیسیٰ اور آپ جس طرح میدانِ جنگ میں یا وجود دشمنوں کی افراط و نداری کے میدان سے آپ ہٹ جائیں پروا نہ کر کے موت کو سامنے دیکھکر بھی ——— موت کے منہ میں گھس گئے اور ابدالآباد تک اپنا نام روشن کر گئے۔ مولانا اکبرشاہ خاں صاحب نجیب آبادی مرحوم نے اس واقعہ کا مقابلہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے اس طرح کیا ہے کہ:

"کوفیوں نے مصعب بن حضرت زبیرؓ اور حضرت حسینؓ دونوں کے قتل کرانے میں ایک ہی درجہ کا جرم کیا ہے۔ لیکن یہ دونوں جرم مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے۔

(۱) وہاں حضرت حسینؓ اپنے دشمنوں سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کو میدانِ جنگ سے مکہ یا دمشق اور کسی طرف کو بچ کر نکل جانے دیں۔ یہاں حضرت مصعبؓ کے دشمن خود چاہتے تھے کہ حضرت مصعب میدان سے نکل جائیں۔

(۲) وہاں حضرت حسینؓ کے دشمنوں نے اُن کی بات قبول نہیں کی، اور یہاں حضرت مصعب بن زبیرؓ نے اپنے دشمنوں کی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔"

نتیجہ دونوں کا ایک ہوا کہ دونوں شہید ہوئے۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک شاندار عملی نمونہ چھوڑ گئے۔ آپ کی شہادت کا جو اثر خود آپ کے دشمن عبدالملک پر ہوا اور جس طرح اُس نے آپ کو یاد فرمایا وہ تاریخ میں پڑھنے کے لائق ہے۔ عبدالملک نہیں چاہتا تھا کہ جو صورت پیدا ہوئی وہ ہوتی لیکن حضرت مصعبؓ کی غیرت نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ وہ میدان سے پشت پھیر کر نکل جائیں۔ تاریخ کا یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ جو دردناک مرثیے آپ کی شان میں کہے گئے ہیں وہ عربی زبان کے شاہکار ہیں۔ اور آپ سے پیشتر ایسی دردناک نظمیں نہیں لکھی گئی تھیں۔

تیسری صدی ہجری میں جب دیلمی خاندان کے وزرا نے بغداد کے خلفاء کو بے دست و پا کر دیا تو مجالس ماتم سیدنا حضرت حسینؓ کا رواج ڈالا گیا۔ جو ہند میں اس وقت تک جاری ہے سنّی اُس کے مقابلہ میں صدہا برس تک ماتم سیدنا حضرت مصعب بن الزبیرؓ برپا کرتے رہے۔ یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ شیعہ حضرات خسر یعنی حضرت حسینؓ کا اور سنّی آپ کے داماد یعنی حضرت مصعبؓ کے ماتم میں سوگوار رہے۔

آپ نے اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ مہذب۔ بزلہ سنج۔ خوددار۔ فخرِ زمانہ اور خوددار بیبیوں حضرت سکینہ بنت حضرت حسینؓ اور حضرت عائشہ بنت سیدنا حضرت طلحہؓ جو امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نواسی اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی محبوب شاگرد اور بھانجی بھی تھیں۔ شادی کی تھی۔ اور یہ دونوں خواتین اپنے زمانہ میں حسن و جمال، ذہن و ذکاء اور طباعی میں فرد تھیں۔

آپ رسول اللہ صلعم کی بعثت اور آپ کے احکام کی تعمیل میں ہر وقت مستعد رہے آپ تقویٰ میں بے نظیر۔ تمول و دولت لاثانی۔ فیاضی ضرب المثل۔ شجاعت بے مثال اور غیرت۔ نفاست پسندی۔ رحمدلی و درگذر، شفقت و رعایا پروری وغیرہ آپ کے خاص جوہر تھے۔ خطابت میں آپ کا نام ممتاز تھا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے درہم و دینار تیار کرائے تھے۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

آپ کی اولادیں بھی بڑے بڑے صاحبِ علم و فضل ہوئے جنہوں نے دنیا کو اس سے فیضیاب کیا۔ اور جہاں گئے علم و عمل کو اپنا شمعِ راہ بنا کر رکھا ہے۔ اور آپ کی اولادیں بڑے بڑے فقیہ۔ محدث اور صلحاء پیدا ہوئے۔ چنانچہ تاریخ گزیدہ مؤلفہ حمداللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی جو تقریباً ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ قزوین کے مختلف خاندانوں کا حال بیان کرتے ہوئے زبیری خاندان کے متعلق تحریر ہے کہ "زبیریاں۔ از نسل مصعبؓ بن زبیرؓ بن العوام اند در ایشاں علماء و صلحاء بودہ اند۔"

اسی طرح ہندستان میں جب یہ خاندان آیا تو اپنی انہیں خصوصیات کا حامل رہا۔ اور اب تک چلا آرہا ہے۔"

سندھ میں اسدیوں کی آمد اور قیام حکومت

حضرت زبیرؓ کے خاندان اَسَدی میں سے جو بزرگ اوّل سندھ میں (جس کے حدود پہلے نہایت وسیع تھے) تشریف لائے وہ منذر ہبّاری اسدی ہیں۔ آپ بنی اُمیّہ کے گورنر حکم بن عوانہ کے ہمراہ ۱۱۱ھ ہجری میں داخلِ سندھ ہوئے تھے۔ آپ کے پڑپوتے عمر بن عبدالعزیز بن ربیع بن منذر نے جو معتزلیوں کے سردار تھے۔ ۲۳۸ھ ہجری میں عبّاسی گورنر کو قتل اور مستقرِ حکومت المنصورہ پر قبضہ کر کے سندھ میں اپنی وسیع اور خود مختار سلطنت قائم کر لی تھی۔ جو نہایت قوّت و شوکت کے ساتھ ۳۸۶ھ ہجری تک اُن کی اولاد میں متوارث رہی۔

زبیریوں کی سندھ میں آمد

خود حضرت زبیرؓ حواریِ رسول اللہ صلعم کی اولاد میں سے چند بزرگوں کو ۱۴۵ھ ہجری میں اِس غرض سے سندھ میں تشریف لانا پڑا کہ وہ وہاں کے عبّاسی گورنر کو محمد نفسِ ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنّٰی بن حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ کی بیعت پر آمادہ کر دیں جنہوں نے حضرت زبیرؓ کی اولاد و خاندان کی امداد سے ابوجعفر منصور دوسرے خلیفہ عبّاسی پر خروج اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے مدینہ منوّرہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور جس کے متعلق کلثوم بنت وہب زوجہ عبدالوہاب بن یحییٰ بن عباد بن امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کے اشعار مشہور ہیں چنانچہ فرماتی ہیں کہ "اس شخص کی (محمد نفسِ ذکیہ کی) حمایت میں بڑے نجیب الطرفین نوجوان لڑکے جبکہ اَسَدی رسالہ کے علاوہ اور سب لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔"

مگر جب سندھ میں محمد نفسِ ذکیہ کی خلافت کا اعلان ہونے کے کچھ عرصہ بعد اِس خروج کی ناکامی یعنی مدینہ منوّرہ پر لڑائی میں عبّاسی کثیر فوج کے مقابلہ میں مٹھی بھر زبیریوں کو مستانہ جنگ کے بعد شکست ہو گئی۔ عثمان زبیری علمبردارِ فوج زخمی ہو کر گر پڑے۔ ابراہیم و عیسیٰ بن مصعب الملقّب بہ خضیر بن حضرت مصعبؓ بن سیدنا حضرت زبیرؓ جیسے سربرآوردہ اور جری بزرگ مع محمد نفسِ ذکیہ کے شہید ہو گئے تو اس خبر کو سن کر سندھ میں مقیم زبیری زیریں سندھ کے عبّاسی علاقہ میں اپنی رہائش خطرناک جان کر گورنر سندھ کے مشورہ سے اُس کی حدود سے ملی ہوئی ایک خود مختار ریاست میں چلے گئے۔ وہاں کے حکمران نے اُن کو بہت عزّت و احترام کے ساتھ لیا۔ اور وہ وہاں شہزادوں کی طرح رہنے لگے۔

کنباہ میں زبیریوں کی سکونت

جب عبّاسی خلیفہ کو سندھ کے گورنر کی کارروائی یعنی محمد نفسِ ذکیہ کی بیعت کرنے عبّاسی جھنڈوں کو اُتار کر محمد نفسِ ذکیہ کے جھنڈے بلند کر دینے اور اُن کی شہادت کی خبر سننے کے بعد پھر عبّاسی جھنڈوں کو قائم کر دینے کی اطلاع ملی تو اُس نے اِس گورنر کے قبیلہ کے اثر کی وجہ سے کوئی سزا دینی نامناسب خیال کر کے اُس کا تبادلہ مصر کی گورنری پر کر دیا۔ اور دوسرے گورنر کا تقرر کر کے اِس ہدایت کے ساتھ سندھ میں بھیجا کہ وہ وہاں پہنچ کر عبداللہ اشتر پسر محمد نفسِ ذکیہ اور ان کے ساتھی زبیریوں کو اُن کے پناہ دہندہ سے طلب کرے اور حوالہ نہ کرنے کی صورت میں اُس کی ریاست کو پامال کر دے۔

یہ گورنر سندھ آکر موقع کا متلاشی رہا۔ اتفاقاً جبکہ ایک دن چند زبیری مع عبداللہ اشتر کے دریائے سندھ کے کنارے سیر و شکار میں مشغول تھے انہیں اِس نئے گورنر سندھ کے بھائی نے اپنے پانچ سو سواروں سے گھیر لیا۔ اور مطیع ہو جانے کا حکم دیا۔ لیکن وہ اطاعت سے انکار کر کے بہادرانہ لڑے اور شہید ہو گئے۔ اِس معرکہ کے بعد گورنر سندھ نے باقی ماندہ زبیریوں کو اُن کے پناہ دہندہ سے طلب کیا اور انکاری جواب پا کر اُس کی ریاست پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا لیکن مقابلہ کیونکہ برابر کا نہ تھا۔ عبّاسیوں کا یہ حریف بھی لڑائی میں مارا گیا۔ اور اُس کی ریاست کا عبّاسی سلطنت میں الحاق کر لیا گیا۔ زبیری وہاں سے نقلِ مقام کر کے "شہر کنباہ" میں چلے گئے۔ عبّاسی حکومت کو اُن پر دسترس حاصل نہ ہو سکا۔ وہ وہاں نہایت امن و اطمینان اور عزّت و شان کے ساتھ سو اور دو سو برس تک بستے رہے۔

مذکورہ بالا ریاست کے الحاق کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ۱۵۸ھ ہجری میں ابوجعفر منصور عبّاسی مر گیا تو اُس کے بیٹے مہدی کو اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے زبیریوں کی استمالت کرنی پڑی یعنی اُن کی مخالفت کو دوستی میں تبدیل کرنا پڑا۔ اُس نے زبیریوں سے تعلّقات بڑھانے کے لئے عبداللہ

(نوٹ ۱) منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن حضرت ہبّار ثبیدہ در جنگ اجنادین در ۱۳ھ ہجری، بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزّٰی بن قصیٔ الملقب بہ قصیٔ۔

بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کو کہ انہوں نے بھی محمد نفس ذکیہ کی طرف سے عباسی فوج سے سخت جنگ کی تھی اور محمد نفس ذکیہ کا ایسا مرثیہ لکھا تھا جس کی تمام عرب میں شہرت ہوگئی تھی۔ ۱۶۶ہجری میں گورنر یمامہ بنایا۔ مہدی کے بیٹے ہارون الرشید کے زمانے میں آپ مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے۔ عبداللہ بن مصعب کے بعد آن کے صاحبزادے "ابو بکر بکار زبیری" کو بھی مدینہ منورہ کا گورنر نامزد مقرر کیا گیا۔ نیز آن کے دیگر اعزا کو خاص بغداد اور مکہ معظمہ وغیرہ میں اعلیٰ مناصب دیئے گئے۔

ملتان میں زبیریوں کی سکونت

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ سندھ میں ہارون الرشید کے پوتے المتوکل کے زمانے میں حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی حضرت ہبارؓ کی اولاد میں سے عمر بن عبدالعزیز نے عباسی گورنر کو قتل کرکے اپنی سیح اور خود مختار سلطنت قایم کرلی تھی جس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ اِس سلطنت کے سایہ میں تمام عربی قبایل کو ایسا امن وچین حاصل تھا جو اموی اور عباسی حکومتوں میں انہیں نصیب نہ تھا۔ مگر جب ۳۸۶ہجری میں یہ سلطنت قرامطہ کے ہاتھوں تباہ ہوگئی تو وہاں کے اِن عربی قبایل کا اطمینان وچین بھی رخصت ہوگیا۔ اُن میں سے بیشتر ملتان کی ریاست میں چلے آئے زبیری بھی "کنیا" سے نقل مقام کرکے ملتان میں آبسے" اور وہاں دوسرے عربی قبایل کی طرح مثلاً "مشہدی۔ بخاری۔ کرمانی۔ بصری۔ مدنی۔ نسائی" وغیرہ وغیرہ کے یہ بھی اپنے سکونت کے شہر "کنیا" کے تعلق سے "کنبوی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ پھر جب ملتان سے دہلی آئے تو "کنبوی ملتانی" اور کنبوی دہلوی کہلائے" چنانچہ کتب تواریخ میں اِس خاندان کے بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ یہی القاب تحریر ہیں"

جب دہلی سے جاکر دوسرے شہروں میں سکونت پذیر ہوئے تو اُن شہروں کے ناموں کی وجہ سے "میرٹھی یا دہردی۔ سنبھلی۔ امروہوی۔ بریلوی" وغیرہ وغیرہ سکنی لقب بھی اُن کے ناموں کے ساتھ حسب قاعدہ تحریر ہوئے۔ جیسے کہ لاہور کے رہنے والوں کے اسما کے ساتھ لاہوری" قنوج کے رہنے والوں کے ناموں کے ساتھ قنوجی" اور لکھنؤ کے رہنے والوں کے ناموں کے آگے لکھنوی لکھا جاتا ہے۔ وقس علی ہذا"

ہندوستان میں زبیریوں کی فضیلت و شوکت

زبیری کنبوی خاندان ہمیشہ اور ہر زمانے میں اپنے اوصافِ حمیدہ، جودتِ طبع۔ اور علم و فضل و وجاہت میں ممتاز رہا ہے" حالات ملتان کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ "جب یہ خاندان ملتان سے دہلی کی سمت آگیا تو اس کی عظمت وشان اور بزرگی کی وجہ سے وہاں کے کچھ دوسرے خاندانوں نے اپنے فخر و ناز کے لئے اِس خاندان کا سکنی لقب اختیار کر لیا ہے"

جب دہلی میں تخت اسلام قایم ہوا تو اِس قیام سلطنت کے وقت سے ہی اپنے خصوصی اوصاف کی وجہ سے اِس زبیری کنبوی خاندان کے بزرگ بھی مسلسل ہر شاہی خانوادے کے زمانے میں اربابِ حل وعقد میں شامل رہے ہیں۔ وزیروں۔ امیروں۔ گورنروں۔ سپہ سالاروں۔ شیخ الاسلاموں۔ قاضیوں۔ مفتیوں۔ مشایخ طریقت۔ علمائے شریعت۔ شعرا۔ حکما۔ اطبا۔ اور مصنفین وغیرہ وغیرہ کا ایک سلسلۂ لامتناہی سلطنت اسلامیہ ہند کے خاتمہ تک اِس خاندان میں رہتا چلا آیا ہے" اس انگریزی سلطنت کے زمانے میں بھی یہ خاندان ناموری اور خاص فضیلت کا حامل رہا اور آج تک اپنے بزرگوں کی میراث کو بہت کچھ قایم رکھے ہوئے ہے۔

کتب تواریخ میں یہ بات بھی وضاحت سے تحریر ہے کہ جو شاہانِ اسلام اپنی مصاحبت اور اعلیٰ عہدوں کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ چھوٹی سی چھوٹی ملازمت کے لیئے بھی لوگوں کے نسب کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے اور جن کو اس بارہ میں بیحد ولا انتہا غلو تھا۔ اُن کو حقیقت اِس خاندان کے بزرگوں سے تھی اور اُن کے پاس جو قدر ان بزرگوں کا تھا [illegible] ہوا ہے [illegible] یہ بادشاہان جلیل القدر ہی اِن بزرگوں کے قدم چومتے اور انہیں التجاؤں الحاح سے عمر بھر کے لئے اپنا ہمدم و ہمراز بناتے تھے۔ بلکہ حضرت سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہ العزیز برادر عزاد حضرت سید جلال الدین جہانیان جہاں گشت قدس سرہ جیسے اولیاء اللہ تک بھی اِس زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کی پالکی کو سر بازار اپنے کاندھوں پر اُٹھالیتے [illegible]

خاندانِ زبیری کے حاسدین

دُنیا کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ذی اقتدار اور ذی وجاہت و نامور لوگوں کے کچھ حاسد اور مخالف پیدا ہو جاتے ہیں جو اُن پر نکتہ چینیاں کرتے اور اُن میں طرح طرح کے عیب نکالا کرتے ہیں۔ بعض تو اس معاملہ میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ کسی ایک شخص سے کلفت ہو جانے پر اُس کے سارے خاندان یا قوم ہی کو نکتہ چینی کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور برائیاں کرتے رہنے ہی میں اپنے دل کی تسکین کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

اِسی قاعدہ کلیہ کے مطابق جس طرح دوسرے افرادِ خاندان، مخالفین و حاسدین کے نت نئے حملوں سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔ اِسی طرح یہ خاندان بھی اُن کا ہدف بننے سے مامون نہیں رہا۔

(الف) حجاج بن یوسف ثقفی

(۱) اِس خاندان کے مخالف و حاسدوں میں سے پہلی دفعہ تاریخوں میں جس شخص کا اس کے نسب پر حملہ کرنے کا ذکر آیا ہے وہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے۔ عبدالملک بن مروان اُموی کا مشہور ظالم و جفاکار سپہ سالار و گورنر تھا، جس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز اُموی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول موجود ہے کہ "اگر ہم ساری دُنیا کے ظالم و نابکار لوگوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے میں اپنے حجاج کو رکھ دیں تو یقیناً ہمارا ہی پلڑا بھاری رہے گا"۔ اِس حجاج نے اپنی مخالفت کے جوش میں خالد بن یزید بن حضرت اُمیر معاویہؓ کے پاس اپنے ایک قاصد کے ذریعہ کہلایا تھا کہ "تو اِن لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا خیال ہی کس طرح کر سکتا ہے، جو ٹھیک نسب کے بھی نہیں ہیں"۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جو تیرے باپ کے ساتھ خلافت کے لئے لڑ جھگڑ چکے ہیں"۔ اور اُس کے خلاف ہر قسم کے توہین آمیز الزامات لگا چکے ہیں، نیز تیرے باپ اور دادا کے ایمان میں کیڑے نکال چکے ہیں، خالد نے قاصد سے کہا کہ اگر تو بحیثیت قاصد اُمن میں نہ ہوتا تو میں تیرا ایک ایک عضو کٹوا ڈالتا"۔ اپنے آقا سے جاکر کہہ دے کہ یہ قریشی لوگ ہیں جو آپس میں جھگڑتے رہے ہیں"۔ اور جب وہ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک نسل کے نہیں ہیں تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ حجاج کو انساب قریش کا کس قدر کم علم ہے"۔ کیا العوّام، عبدالمطلب بن ہاشم کے برابر کے نہ تھے۔ جب انہوں نے صفیہؓ والدہ ماجدہ حضرت زبیرؓ سے اور رسولِ خداؐ نے ام المومنین حضرت بی بی خدیجہؓ (حضرت زبیرؓ کی پھوپھی) سے نکاح کیا۔

(ب) ابوالفضل

(۲) دوسری دفعہ سنہ ۹۹۱ ہجری میں "نواب شہباز خاں زبیری لکھو کنبوی کے دینِ الٰہی اکبر شاہی کی تلقین پر شہنشاہ اکبر سے تیز و تند کلام کرنے اور بیچ میں بول پڑنے پر راجہ بیربر کے از خلفائے دینِ الٰہی اکبر شاہی کو زبردست ڈانٹ بتانے اور اِس دین کی توہین کرنے کی وجہ سے" نواب صاحب موصوف سے بدلہ لینے اور اُن کو ذک دینے کے لئے اُن کے نسب پر حملہ کیا گیا ابوالفضل اور فیضی نے جو دینِ الٰہی کے موجد یعنی شہنشاہ کو وحی پہنچانے والے دو فرشتے اور اُس کے خلفائے عظام سے تھے نواب صاحب کے ایسے طرزِ عمل سے بہت پیچ و تاب کھایا۔ اور موقع کے منتظر رہے"۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ یہاں ایک قوم "کمبوہ" کے نام سے موسوم ہے۔ نواب شہباز خاں کے سکنی لقب "کنبوی" کو چھپا کر اور اسے کنبوہ ظاہر کرکے اُن کا رشتہ "قوم کمبوہ" سے ملا دینے میں اپنی ساری توانائی اور قوتوں کو صرف کر دیا" اور یہاں تک جدوجہد کی کہ نواب صاحب کے نسب کی تحقیقات کے لئے شہنشاہ کی صدارت میں اُمراء اور مورخین کا ایک جلسہ تک کرا دیا۔

اِس شاخسانے کے کھڑا کرنے سے اُن کی غرض یہ تھی کہ نواب صاحب کی عدیم المثال دینداری۔ اور دینِ الٰہی اکبر شاہی نیز اس کے پیروؤں کی حقارت کرنے کا انہیں مزا چکھا دیا جائے اور اس طرح نیچا دکھایا جائے کہ بنگال کی گورنری و سپہ سالاری پر جو اُن کا تقرر ہونے والا تھا اپنی سازشوں سے انہیں اس سے محروم کرا دیا جائے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ جس طرح بھی ہو اُن کا یہ مقصد پورا ہو جائے لیکن جب نواب شہباز خاں کے نسب میں التباس ڈال دینے اور اُن کو ترقی سے محروم کرا دینے میں انہیں ذلت کا منہ دیکھنا پڑا اور شکست فاش اُٹھانی پڑی تو وہ کف افسوس مل کر رہ گئے"۔ ابوالفضل کو اپنی کتابوں میں نواب صاحب موصوف کے نسب کے متعلق تو ایک حرف تک لکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی"۔ لیکن اس نے اُن کی ذات سے متعلق اکبر نامہ میں یہ الفاظ لکھ کر اپنے دل کا بخار نکالا ہے کہ "نواب شہباز خاں ہر طرح کی خدمت اور سربراہی سپاہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے"۔ اگر زبان کو قابو میں رکھتے اور ناہنجار گفتگو نہ کرتے تو اور ترقی کرتے"۔ یہ آخری فقرہ اِسی سازشی کارروائی کی طرف اِشارہ ہے

اور اُس میں ناکامی کی وجہ سے نواب شبہانہ خاں سے اُبوالفضل کی دلی حالت و کُلفت کو بخوبی عیاں کر رہا ہے۔

(ج) ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اسی اکبر بادشاہ کے زمانہ میں جبکہ بادشاہ سے اُنھیں توقعات تھیں اور اُس کی خوشی ایسی منظور تھی کہ خلافِ شرع اور بیجا کام کرنے میں کوئی باک نہ تھا، شاید ہی اُمراء اور مشائخ وعلماء میں سے کوئی بچا ہو جس کے انھوں نے نوچنی نہ لی ہو اور اُس کی بُرائی کرنے میں کچھ کسر اُٹھا رکھی ہو۔ اکبر نے جو علماء فضلا اور مشائخین کے خلاف جہاد کر دیا تھا اُن کی ذلت و بے آبروئی کی خدمت ملا صاحب کے سپرد کی تھی اور یہ کہ کر اُن کی دل افزائی کی تھی کہ "یہ بدایونی اُن کا سر کوب ہے" بادشاہ کے اس فقرے سے وہ پھولے نہ سمائے۔ طبیعت بھی ملا صاحب کی خاص تھی۔ اپنے استاد زادے ابوالفضل کو آپ نے ولد الزنا تحریر فرمایا ہے۔ دوسروں کے لئے جو لکھا ہوگا اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔ اپنی منتخب التواریخ کی پہلی جلد میں "زبیری کنبوی" خاندان کے ایک بزرگ "شیخ عبدالصمد المتخلص بہ شیخ گدائی" شیخ الاسلام سلطنت پر جن سے اکبر کو بیرام خاں خان خاناں کی دوستی کی وجہ سے شکر رنجی ہوگئی تھی خوب خوب زہر اُگلا ہے۔ اُن کے اقتدار بے مثال پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اپنے دلی جوش میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا ہے کہ "ائمہ کے گھروں میں جو اُن کے نسب کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے ایسے اقتدار سے رونا پیٹنا پڑ گیا اور صف ماتم بچھ گئی تھی" پھر اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر انھوں نے شیخ گدائی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات "مردہ خوک کلاں" نکالی ہے۔ ملا صاحب نے جنھیں اُمّ تحریر فرمایا ہے اُن کی حیثیت اُن کام چور اور بد دیانت لوگوں سے زیادہ نہ تھی جو ملازمت سے موقوف کر دیئے جانے پر حاکموں کے خلاف بدزبانی کیا کرتے۔ یا جو بلا استحقاق جاگیریں اور مناصب طلب کرتے اور اُن کے نہ ملنے پر رطب و یابس بکتے پھرتے ہیں یا جن کی نالائقیوں کی وجہ سے اُن کی جاگیروں میں کمی اور عہدوں میں تنزل کر دیا گیا تھا۔ مگر جب ملا صاحب بادشاہ کی نظروں سے گر گئے اور اُن کی توقعات پامال ہو گئیں یعنی راندۂ درگاہ ہو کر اُن کے حواس درست ہوئے تو انھوں نے اپنی منتخب کی دوسری جلد میں "شیخ گدائی" کا حال دوبارہ تحریر فرمایا ہے مگر اس میں نہ تو اُن کے نسب کے بارے میں کوئی حرف لکھا ہے۔ نہ ہی اُن کی "مردہ خوک کلاں" جیسی خباثت آمیز تاریخ نکالی ہے۔ بلکہ اُن کی لیاقت اور علم و فضل "نیز صوری و معنوی کمالات" کے ذکر میں اپنے قلم کی زبان لال کر دی ہے۔ اور جہاں ملا صاحب نے "شیخ گدائی" کے ماموں زاد بھائی اور ہم جد "شیخ محمد" کا حال لکھا ہے۔ وہاں اُن کے نسب کے متعلق یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "شیخ محمد کنبوہ" بعلو حسب و نسب یگانۂ زمانہ بود۔ "زبیری کنبوی" خاندان کے دو بزرگوں کے نسب کے متعلق جن متضاد تحریروں کو ہم نے یہاں پیش کیا ہے ان پر ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ ملا صاحب "منتخب" اور ابوالفضل فیضی کی صف میں کیوں اور کس وجہ سے آ گئے تھے۔

(د) نامعلوم حاسد

(۴) اب ہم زبیری کنبوی خاندان کے ایک اور حاسد سے تعارف کراتے ہیں جسے اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ جب اودھ کے گورنر محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں برہان الملک کے بھانجے اور داماد ابو المنصور صفدر جنگ کی اولاد نے شہنشاہ دہلی کی ماتحتی سے نکل کر خود مختاری حاصل کر لی اور شاہی لقب اختیار کر لیا تو اس سلطنت اودھ کے ارباب حل و عقد میں تین خاندان یعنی زبیری کنبوی، افغان اور کشمیری پیش پیش تھے۔ گو ان میں بھی آپس میں چشمک رہا کرتی تھی مگر اخیر تک سلطنت کا انصرام و اہتمام انہیں سے متعلق رہا۔

زبیری کنبوی خاندان کے وہ بزرگ جو سلطنت کے کاموں میں دخیل تھے، اُن کے کارناموں سے اس حکومت کی تاریخیں بھری پڑی ہیں اور وہ شاہ اودھ کے بادشاہ گر کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان تینوں خاندانوں کے اقتدار سے پیچ و تاب کھا کر اس گمنام شخص نے اپنے دل کی آگ کو یہ بیت لکھ کر بجھانے کی کوشش کی ہے۔

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ اُنس کم گیری — اوّل افغان دوم کنبو سوم بد ذات کشمیری

ز افغان کینہ می آید ز کنبو حیلہ می آید — ز کشمیری نمی آید بجز اندوہ و دلگیری

اس بیت کے متعلق شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی مشہور تاریخ ہندوستان میں یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے۔ "[illegible] کسی [illegible] شاعر کی لکھی ہوئی ہے"

یہاں شاید یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ سلطنت آصفیہ دکن میں یہ بیت اس طرح پڑھی جاتی ہے ؎

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ آنش کم گیری۔ اوّل میدکی دوم بیدری سوم بد ذات کو ہیری

میدک۔ بیدر۔ اور کوہیر، سلطنت متذکرہ کے قصبات ہیں۔ جن میں اوّل الذکر دو اضلاع کے مستقر ہیں۔" اِن قصبات کے اشخاص اپنی لیاقت نیز علم و فضل اور وجاہت میں ممتاز تھے نیز اپنے وقت کے محسود زمانہ تھے۔"

کنبوہی لقب میں التباس

(۵) مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانے میں جب ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور اکثر صوبے سلطنت سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے کچھ حضرات نے زبیری کنبوہی خاندان کے کسی بزرگ کا حال لکھتے ہوئے انہیں بجائے کنگو یا کنبوہی کے" از طائفہ کنبو یا از قبیلہ کنبو یا صرف کنبو لکھدیا ہے۔" مگر اس میں اُن کے حسد یا مخالفت کا کوئی دخل نہیں ہے۔" اس کا سبب محض یہ ہے کہ کسی کتاب میں انہوں نے کاتب کی غلطی سے بجائے کنبوہی کے کنبو لکھا ہوا دیکھا اور بلا کسی خیال کے ویسی طرح لکھدیا۔" ان میں ایک صاحب ایسے بھی ہیں جنہوں نے کنبو اور کمبو میں مماثلت دیکھکر دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔" یہ حضرت اپنی کم علمی اور ناواقفیت کی وجہ سے یہ بات مطلق نہیں جان سکے کہ خود ہندوستان میں اور دوسرے ملکوں میں بھی ایسے بہت اقوام و خاندان ہیں جن کے ناموں میں اسی طرح کی مماثلیں موجود ہیں۔" جیسے کہ برہمن خاندان نہرو[۱]" راجپوت خاندان نہرا" اور سادات کا مشہور خاندان نہری[۲] ہے۔" اور کچھ تو عربی قبیلہ شیبانی اور ترکی قبیلہ شیبانی۔" نیز منگولی نسل والے بھوٹانی اور افغان قبیلہ بھٹانی۔" ہند و خاندان سوری اور افغان قبیلہ سوری کے ایک ہی نام سے موسوم ہیں۔" مگر ان ہمنام اقوام و قبائل میں بھی نسلی تعلق ہرگز نہیں ہے۔" غرضکہ ان کو نسبی تحقیقات اور جستجو سے کوئی غرض نہ تھی سرسری میں جو لفظ انہیں دکھائی دیا اسے لکھدیا ہے۔"

پھر جس طرح دوسری بہت تومیں اپنے ناموں میں مماثلت رکھتی ہیں اسی طرح "کمبو" نام سے بھی مماثلت رکھنے والی اکثر قومیں موجود ہیں۔" مثلاً قوم کمبو۔ قوم کھومبو۔ خاندان کموں۔ قوم کمبرین۔ قوم کمبوا اور وغیرہ وغیرہ۔ "تولہ ستر[۱] تو ہمارے ہی علم میں ہیں۔" اور وہ سب مختلف النسل ہیں۔" کچھ اسی پر منحصر نہیں ہے بلکہ کمبو اور اس کے مماثل ناموں کے بہت شہر اور علاقے بھی" ایشیا" یورپ" افریقہ۔ امریکہ" آسٹریلیا اور جزائر میں ہیں جو نقشوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔" نیز کمبو اور اس کے مماثل الفاظ مختلف چیزوں کے لئے بھی مختلف زبانوں میں مستعمل ہیں۔" کمبوٹا" میں یا آردو زبان میں با جسے کہ اور جاپانی زبان میں بحری گھاس کو کہتے ہیں۔" کمبیہ" اس درخت کو کہتے ہیں جو برسا میں لگی ہوئی لکڑی میں اُگ آتا ہے کہنی انگل کی ایک سرخ و سفید ڈنڈی نکل کر اس پر ایک چھتری سی ہو جاتی ہے۔" اسے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے مغربی اضلاع میں سانپ کی چھتری بھی بولتے ہیں۔" کھمبی" بھی ایک گھاس کا نام ہے جو ہندوستان کے پانیوں میں ہوتی ہے۔

زبیری کنگو کنبوہی خاندان کے نسب پر جو حملے جن اسباب سے کئے گئے انہیں ہم اوپر بتا آئے ہیں۔" اس قدر زمانہ دراز میں ایسے باوجاہت اور ذی اقتدار خاندان کے حاسدوں کی تعداد کا اتنا کم ہونا بھی اپنی آپ مثال ہے۔"

(نوٹ ۱) پنڈت جواہرلال نہرو مشہور کانگریسی لیڈر اور حال وزیر اعظم ہندوستان کا خاندان" کشمیر سے آکر دہلی میں نہر کے کنارے آباد ہوا تھا" اس لئے اس کا لقب نہرو پڑگیا

(نوٹ ۲) شاہ علی نہری قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۰۶۱ ہجری مشاہیر مشائخین دکن سے ہیں۔" اوائل میں آپ کسی خدمت پر مامور تھے" جاذب حقیقی نے آپ کے دل سے دنیا کی محبت کو مٹا دیا۔" ترک روزگار کر کے حج کو تشریف لے گئے۔ اور وہاں کئی بزرگوں سے فیض باطنی اخذ کیا۔" ہمیشہ عبادت و ریاضت اشغال و اذکار میں رہے" اورنگ آباد دکن میں سکونت کی۔ مسجد و خانقاہ بنوائی۔ اور نہر خاص اپنے خرچ سے شہر میں لائے" اس لئے "نہری" مشہور ہیں" فقیرانہ مزاج تھا" امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے۔ آپ کا مزار اورنگ آباد میں ہے۔ (بہار الاولیاء تالیف مولوی سید امام صاحب گلشن آبادی مطبوعہ افضل المطابع دہلی ۱۳۱۲ ہجری صفحہ ۱۵۶ و ۱۵۷)

سید شاہ علی نہری کا خاندان "نہری خاندان" مشہور ہے۔" اور نہایت سربرآوردہ ہے۔" اس خاندان میں بڑے بڑے عہدہ دار سرکاری بھی ہیں۔"

لیکن جب کبھی کسی مصنف کی کتاب سے زبیری خاندان کے کنبوی لقب کنبوی اور دوسری اقوام کے نام میں التباس پڑنے کا شبہ ہوا تو اس خاندان کے بزرگوں نے اپنی کتابوں میں آسے فوراً ہی رفع کر دیا ہے۔" اکبر کے عہد میں جس میں پہلی مرتبہ اس التباس کے ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اور جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر و شاہ عالم ثانی نیز بعد کے زمانوں میں بھی جو کتابیں اِن بزرگوں نے لکھی ہیں اُن میں اپنے نسب کا اظہار کہیں زبیری" کہیں آلِ محمدؐ یعنی رسول اللہ صلعم کے خاندان والے، اور کہیں قریشی لکھکر ضرور کیا ہے"۔

التباس کا اِزالہ

چنانچہ اس قسم کے التباس کے دور کرنے کی ایک اہم مثال وہ ہے جو کتاب ۔ **کاشف الاستار** " سے پیدا ہوسکتی تھی۔ اِس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ حمزہؒ مارہروی ہیں جنھوں نے اپنی کتاب میں کنبوی خاندان کے اوصافِ ستودہ کو پوری محبت و خلوص سے ظاہر کرتے ہوئے اس خاندان کے متعلق کسی غلط روایت کی بنا پر ارقام فرمایا ہے کہ یہ خاندان حضرت **مخدوم شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ** کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا تھا" صاحب سلسلۂ عالیہ" اور اُن کے اجداد اس خاندان تبرکاً یہ

---

۱ " کاشف الاستار" کے صفحہ ۲۰ پر حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز متخلص بہ "عینی" پیدائش ۱۱۳۱ ہجری المتوفی ۱۱۹۸ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

" دریں جا احوال ساکنان شہر مارہرہ کہ فقیر دریں جا استقامت میدار د ارقام می سازد بر ذوی الابصار پوشیدہ نماند کہ دریں شہر محلہ عمدہ از قوم کنبویان است و ریاست قانون گوئی و چودہری و متولی گری دریں قوم است و دیگر محلہ از قوم شیوخ انصاریست کہ تقضاء و استفتا و متولی گری نیز بآں قوم تعلق می داد۔ ایں فرقہ کنبویان از قدیم در ملتان و آں حدود توطن داشتہ اند و از آں جا منشعب شدہ در مکان ہائے مختلف قرار گرفتہ اند و وطن پیدا کردہ اند۔ چنانچہ در شہر میرٹھ و شاہجہاں آباد و سنبھل و بریلی و کول و مارہرہ و صول پور و گوالیار وغیرہ آباد ہستند گروہے در ابتدا از اں فرقہ بدست حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا سہروردی و پسر ایشاں صدر الدین قدس اللہ سرہما بشرف اسلام مشرف شدہ اند تا حال در ملتان کنبوی ہندو نیز ہستند۔ اطوار و روش ایشاں ہمہ پسندیدہ و شرافت و فراست لازم ذات ایں فرقہ است" و رسم نکاح و نسبت و قرابت ایشاں بغیر از قوم خویش جائے دیگر نمی شود۔ و دریں قوم امرائے عالی شان گذشتہ اند۔ چنانچہ نواب شہباز خاں اکبری و نواب ابو محمدؐ خاں و بہادر خاں و نواب خیر اندیش خاں عالمگیری و غیر ایشاں بسیار فیاض و صاحب حوصلہ و ہمت و سخاوت بودہ اند"

" اِس جگہ احوال شہر مارہرہ کے رہنے والوں کے جہاں میں خود بھی رہتا ہوں لکھتا ہوں" ارباب نظر سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اِس شہر میں عمدہ محلہ" قوم کنبویان کا ہے" اور ریاست و قانون گوئی و نیز چودہراہٹ و متولی گری اِسی قوم کی ہے" دوسرا محلہ قوم شیوخ انصاری کا ہے استفتا اور متولی گری اِسی قوم سے تعلق رکھتی ہے" جماعت کنبویان قدیم سے ملتان اور اس کے آس پاس متوطن رہتی آئی ہے" پھر اس جگہ سے منتشر ہو کر اس نے مختلف مقامات پر پہنچکر انہیں اپنا وطن بنالیا" چنانچہ شہر میرٹھ اور شاہجہاں آباد (دہلی) اور سنبھل۔ بریلی۔ اور مارہرہ اور دھولپور اور گوالیار وغیرہ میں آباد ہیں" اِس فرقہ کا ایک گروہ شروع زمانے میں حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا سہروردی اور اُن کے بیٹے صدر الدین قدس اللہ اسرارہما کے ہاتھ پر اسلام کے شرف سے مشرف ہوا اب تک ملتان میں کنبوی ہندو بھی ہیں" لیکن ان کے طریقے سب پسندیدہ ہیں اور شرافت و فراست اِس فرقہ کے لئے مخصوص ہے" رسم نکاح اور نسبت و قرابت اُن کی اپنی قوم کے سوا دوسروں میں نہیں ہوتی ہے" اِس قوم میں اُمرائے عالی شان گذرے ہیں۔ چنانچہ نواب شہباز خاں اکبری اور نواب ابو محمدؐ خاں اور بہادر خاں اور نواب خیر اندیش خاں عالمگیری اور اُن کی مثل بہت" فیاض اور صاحب حوصلہ و ہمت و سخاوت ہوتے ہیں"

۱ صاحب کاشف الاستار کے اس بیان کو پڑھکر مگر اس میں لفظ کنبویان دیکھکر مؤلف امروہوی نے اپنی ساری بحث میں مصلحت کے خلاف جان کر ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے خاندان زبیری کنبوی کو قوم کنبو کا جزو بنا کر اپنے شوق میں تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۲۳۲ پر اس کتاب سے صرف اسی قدر نقل پر اکتفا کیا ہے کہ "(۶) شاہ شہباز کنبوہ باشندہ سنبھل (کاشف الاستار مؤلفہ حضرت شاہ حمزہ مارہروی قلمی)

سے بیعت کے شرف سے ممتاز تھے لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت موصوف کی کتاب کا مندرجہ بالا فقرہ غلط فہمی میں ڈالنے والا ہے۔ انہوں نے اس معاملہ کو صاف کرنے کے لئے کتاب لکھ کر حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز کے صاحبزادہ قطب وقت حضرت مخدوم سید شاہ آلِ احمد صاحب المشہور بہ حضرت اچھے صاحب مارہروی کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت اچھے صاحب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مصنف کو گلے سے لگا لیا اور کتاب کا نام "سلسلۂ عالیہ" تجویز فرمایا جس کے متعلق سلسلۂ عالیہ میں اس طرح تحریر ہے کہ۔

ص۵۔۔۔۔۔ از حالات اسلاف و اخلاف ہر آنچہ کہ اجمالاً و تفصیلاً بوضوح پیوست بہ عنایت پیر دستگیر سیدی سندی شیخی مرشدی مخدومی جناب سید شاہ آلِ احمد دام بقائہٗ موجزی مفید بہ کار آوردہ۔ بارشاد آں جناب آنرا موسوم بہ "سلسلۂ عالیہ" ساختہ

ص۵۔۔۔۔۔ بزرگوں اور ان کے اخلاف کے حال جب اجمالاً تفصیل سے روشنی میں آ گئے تو پیر دستگیر سیدی سندی شیخی مرشدی مخدومی جناب سید شاہ آلِ احمد دام بقائہٗ کی عنایت سے خدمت والا میں نام رکھنے کے لئے کتاب کو پیش کیا اور آنجناب کے ارشاد کے مطابق اس کا نام "سلسلۂ عالیہ" رکھا۔

بعد ازاں خاتمہ کتاب "سلسلۂ عالیہ" کے ضمن میں اس خاندان کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ۔

بر واقفان تاریخ روزگار و دانش مندان اولوالابصار پوشیدہ نماند کہ ایں فریق عظام و ایں جماعہ کرام نامداران دودمانِ سلطنت دریں کل زمین ہند از فضائل و کمالات و ثروت و امارت مسند نشین اقتدار و اعتبارات بودہ۔ بلند آوازگی داشتہ چوں خاندانِ خلافت برباد شد و اقبال سلطنت متوجہ ادبار گردید۔ و مملکت ہند رو بہ ویرانی نہاد۔ و خانوادہ ہائے امارت و ریاست قدیم و جدید یک قلم ضبط شد و انجمنہائے ارباب کمال و اصحاب شوکت و افضال بیشتر برہم خوردہ کار بر ارباب وظائف تنگ تر گشت و اضطرار معاش مردم از کسب و فضائل باز داشت و رواج ایں معنی یک قلم برخاست پس ترقی دولت ایں گروہ با نام ہم زمانہ حاسد بخیل بہ عادت مستمرہ خود دیدن نتوانست لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ لیکن بر ارباب دانش و بصیرت و اصحاب فہم و فراست ہویدا است کہ ایزد تعالیٰ بندہ نواز خمیر مایہ ہستی ایں قوم از روزِ ازل بہ جوہر چندیں صفات مخصوصہ دست قدرت "ید اللہ فوق ایدیہم" ساختہ آرای ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تاریخ روزگار کے جاننے والوں اور عقلمندوں صاحب بصیرت سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ یہ فرقۂ عظیمہ اور یہ جماعت کرام نامداران دودمانِ سلطنت اس کل زمین ہند میں اپنے فضائل و کمالات اور ثروت و امارت سے مسند نشین اقتدار اور اعتبار رکھنے میں شہرت خاص رکھتی ہے۔ جب خاندان خلافت برباد ہوا اور اقبالِ سلطنت ادبار میں آ گیا اور مملکت ہند میں ابتری پیدا ہو گئی اور امارت ریاست رکھنے والے گھر ضبطی میں آ گئے اور ارباب کمال و اصحاب شوکت و افضال کی انجمنیں برہم ہو گئیں اور ارباب وظائف پر کام تنگ تر ہو گیا اور معاش کی طرف سے پریشانی نے لوگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے سے باز رکھا اور ان باتوں کا رواج یک قلم موقوف ہو گیا تو اس جماعت با نام کی ترقی دولت کو ہم زمانہ حاسد بخیل اپنی فطرتی عادت کے موافق نہیں دیکھ سکے۔ "لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا" لیکن ارباب دانش و بصیرت اور اصحاب فہم و فراست پر ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ بندہ نواز نے اس قوم کی پیدائش کا خمیر روزِ ازل سے چند صفتوں مخصوص کے جوہر سے اپنے دستِ قدرت سے "ید اللہ فوق ایدیہم" کے بنایا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس قدر تحریر کرنے کے بعد صاحب "سلسلۂ عالیہ" نے پورے آداب خلوص اور اپنے اور اپنے بزرگوں کے خاندان برکاتیہ سے تعلقات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بڑی خوبصورتی کے ساتھ "کاشف الاستار" سے پیدا شدہ التباس کو حسب ذیل تحریر سے دور کر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

جناب سلطان المحبوبین حضرت سید السادات سید شاہ حمزہ قدس سرۃ العزیز با خر کتاب کاشف الاستار من تصانیف عالی خود مجملے از احوال این گروہ والاشکوہ بقلم فیض شیم ارقام فرمودہ وپا وصاف تمام ستودہ۔ وراقم این حکایات صدق انچہ بقید تحریر درآوردہ ہم چنیں از صحف روشن بیان۔ ساطع برہان و از اکابر راسخ القول۔ حقایق دان دریافت نمودہ ودر تحقیق احوال آن مقدمات کمال اہتمام مبذول داشتہ۔ بعد از غایت تحقیق راستی و درستی جرأت نگارش یافتہ ودر ہر باب ازاں کہ اندکے شبہ و شک بخاطر فاتر رسید، اظہار آں را از مصلحت دید فطرت ماذون وماموز نگردید۔ تحریر آں را معدوم الوقوع دانست۔ اما مجموع غرض اصلی ازیں تالیف و تصنیف فقط اظہار احوال این مردم بر سبیل اجمال بود۔

جناب سلطان المحبوبین حضرت سید السادات سید شاہ حمزہ قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اپنی تصانیف عالی کتاب کاشف الاستار میں مختصر احوال اِس جماعت والاشکوہ کا اپنے قلم فیض شیم سے ارقام فرمایا ہے" اور اُن کے تمام اوصاف کی مدح وستایش کی ہے" اور راقم نے جو یہ سچے حالات تحریر کئے ہیں وہ اِسی کتاب روشن بیان سے لئے ہیں جن کے بیان یقینی ہیں" یعنی اُن کی تحریروں سے انحراف نہیں کیا جا سکتا) اور بزرگوں راسخ القول حقایق داں سے بھی معلوم کرکے اور تلاش احوال میں اِن مقدمات کے کمال اہتمام مبذول رکھکر بعد نہایت درجہ تحقیق راستی و درستی کے لکھنے کی جرأت کی ہے۔ اور ہر باب میں کہ جس میں اندیشہ شک وشبہ کا دل میں آیا اور جسے طبیعت نے قبول نہیں کیا اُس کو معدوم الوقوع جانکر چھوڑ دیا۔ لیکن ساری غرض اصلی اِس تالیف و تصنیف سے فقط احوال اِن لوگوں کا مختصر طور سے ظاہر کرنا تھا۔

"" اور نسب کے باب میں اِس طرح ارقام فرما کر التباس کو دُور کیا ہے کہ۔

در اثبات نسب این فریق مردم از روئے تجاہل اقوال مختلفہ کہ با دلایل بے اصل فرا داشتہ ورا از ان اصلی و حقیقی ندارد اما انچہ از روئے روایات اصحاب کتب و تصانیف و بمصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق بہ ثبوت و صحت رسیدہ و جمیع اہل دانش و حقیقت بر آں قرار دادہ بریں گونہ است کہ این گروہ از قبیلۂ خاص رؤسائے قریش است۔

سلسلۂ نسب ایشاں بہ صدر الآفاق قریش کہ از ثقات تابعین بود می پیوندد و مناقب و فضایل او زیادہ تر از احصی است۔ و اولاد اعقاب بسیار منتقب بودہ . . . . چنانچہ گروہے ازاں بصوب ہند آوردہ بناحیت ملتان کہ آنجا بلاد متعدد معروف بہ "کہنیاہ" بود۔ رحل اقامت کشادند۔ وکہنیاہ کہ نام دریائے است واقعہ آنروئے ملتان۔ وسکنائے آں حدود از ہر فریق باں لقب مکانی اشتہار داشتند مثل پنجابی و کشمیری وغیرہا" این گروہ نیز بہ تبع آں بہماں لقب مشتہر شدند"

اثبات نسب میں اِس فرقہ کے لوگ جانتے ہوئے بھی اَنجان بنکر بے اصل دلیلوں سے جو مختلف باتیں کہتے ہیں۔ ہرگز اُن میں اصلیت اور حقیقت نہیں ہے" لیکن جو کچھ مطابق روایات اصحاب کتب و تصانیف اور بمصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق ثبوت اور صحت کے ساتھ معلوم ہوا ہے اور جس پر جمیع اہل دانش و حقیقت متفق ہیں اِس طرح ہے کہ یہ جماعت قبیلۂ خاص رؤسائے قریش سے ہے"

اِن کا سلسلۂ نسب صدر الآفاق قریش سے جو ثقات تابعین سے تھے ملتا ہے مناقب و فضایل اُن کے شمار سے زیادہ ہیں انہوں نے اپنے بعد بہت اولاد چھوڑی" . . . چنانچہ اُن میں سے ایک جماعت نے ہندوستان میں آکر علاقہ ملتان میں کہ وہاں کہنیاہ کے نام سے متعدد شہر معروف تھے" اقامت اختیار کر لی" اور کہنیاہ" ملتان کے حدود میں ایک دریا ہے وہاں کے رہنے والے ہر طبقہ کے لوگ" لقب مکانی سے مشہور ہیں" جیسے پنجابی و کشمیری وغیرہ" یہ جماعت بھی اِسی طرح اُس لقب سے مشہور ہوئی۔

کیا اِس سے زیادہ التباس دور کرنے اور ایک غلطی کے ازالہ کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے جبکہ صاحب کتاب کاشف الاستار" صاحب سلسلۂ عالیہ اور اُن کے بزرگوں کے ملجا و ماویٰ اور ہادی و مرشد بھی ہوں" اور یہ سلسلہ اکا دُکا نہیں بلکہ صدیوں سے متوارث چلا آتا ہو۔ اگر صاحب سلسلۂ عالیہ" کو اپنے سلسلۂ نسب کے متعلق ذرا سا بھی شک و شبہ ہوا ہوتا تو وہ کسی طرح ایسی بڑی جسارت کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے"

کیونکہ کتاب کاشف الاستار میں کسی سہو نظری یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے صاحب "سلسلۂ عالیہ" کے خاندان کے متعلق ایک غلط روایت کا اندراج ہو گیا تھا اس لئے انہوں نے پوری جسارتِ ایمانی کے ساتھ تردید کرتے ہوئے اِس التباس کو دور کر دیا صرف یہی نہیں ہوا بلکہ صاحب کاشف الاستار کے صاحبزادے حضرت اچھے صاحبؒ نے اِس کتاب کا نام تجویز فرمایا اور اُن کی نیک تمنائیں اور دعائیں اِس کتاب کی تالیف میں صاحب تصنیف کی ممد و معاون رہیں۔ اِس لئے اِس کتاب کی حقیقی اور راست نگارش کے لئے اور کس چیز کی ضرورت تھی " نہ صرف اس خاندان کے بزرگوں ہی نے اپنے قریشی زبیری نسب ہونے کا اظہار کیا ہے بلکہ دوسرے معتبر مورخین و مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اِس دودمان کے زبیری اور عالی نسب ہونے کو تحریر کیا ہے اور کسی بزرگ کو تو "از سادات صالح یا فایق" بھی لکھا ہے۔

موجودہ زمانہ کے اور حاسد و نقاد

ہمارا خیال تھا کہ علم کی اس قدر فراوانی اور کتابوں کے ملنے میں ہر طرح کی آسانی " نیز اس خاندان کے زبیری نسب ہونے کے اتنے بہت شواہد تواریخی کے ہوتے ہوئے اب کوئی خاندان زبیری کمگو کنبوی کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا لیکن اِس زمانہ میں تین حضرات ایسے اور پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر اور اغراض کے تحت زبیریوں کا رشتہ قوم کمبوہ سے ملا دینے کو ضروری سمجھا ہے " اور اس کام کے لئے اپنی ساری توانائی، ذہانت " اور قابلیت کو صرف کر دیا ہے "

(الف) ان میں سے مسٹر محمود احمد امروہوی ہیں

جنہوں نے "تاریخ امروہہ کی جلد چہارم تحقیق الانساب میں" امروہہ کے ہندو مسلمان۔ ادنیٰ و اعلیٰ رذیل و شریف سب اقوام و خاندانوں کے انساب پر قلم فرسائی کی ہے "کیونکہ وہاں وہ زبیری کمگو کنبوی خاندان بھی عرصہ سے آباد ہے " اس لئے انہوں نے اِس دودمان کے نسب پر بھی دادِ تحقیق دی ہے " سوائے دو ایک کے باقی سب مسلمان خانوادے اُن کی تحقیقات سے چیخ اٹھے ہیں " اور انہوں نے اپنے اپنے خاندانوں کے متعلق مؤلف تحقیق الانساب کی نادانیت اور غلط بیانیوں کی "اسناد تواریخی " فرامین شاہی " اور کاغذات دیرینہ و کہنہ سے تردیدیں کی ہیں " بعض نے اُن کلفتوں اور تلخ لفظوں کا بھی اظہار کیا ہے۔ جن کو پیش نظر رکھ کر مؤلف موصوف نے اُن کے اوپر قلم اٹھایا ہے " زبیری کنبوی خاندان کے متعلق تحقیقات میں مؤلف صاحب نے تاریخی و جغرافیائی اور اثری شہادتوں سے بحث کرنے کا ادعا کیا ہے " لیکن واقعات و حالات کے اخفا کر لینے اور جن غلط بیانیوں سے انہوں نے کام لیا ہے۔ وہ اپنی آپ مثال ہیں " مختصر یہ ہے کہ اِس خاندان کے سکنی لقب "کنبوی" کو جو بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ اُن کی حوالہ دادہ کتابوں میں جا بجا تحریر ہے چھپا لینے کا انہوں نے ایسا اہتمام کیا ہے کہ اُسے اپنی کتاب میں کہیں ایک جگہ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا ہے " بلکہ کہیں کنبو اور کہیں کمبو لکھا ہے۔ اور جہاں دوسروں کے لئے اِن مؤلف صاحب نے "تاریخی و جغرافی و اثری شہادتیں ضروری سمجھی ہیں۔ اپنے خاندان کے نسب کی تحقیقات میں وہ مُصر ہیں کہ صرف اُن کی خاندانی روایتوں یعنی من گھڑت کہانیوں ہی کو صحیح مان لیا جائے۔ کیونکہ خود مؤلف تحقیق الانساب کے نسب کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے۔ اِس لئے انہوں نے کوشش کی ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے دھوکے سے فریب سے اخفائے [illegible] اور ہاشمی خانوادوں کے نسب میں کوئی نقص ضرور نکال دیں تاکہ وہ بھی اِن ہی کے جیسے نظر آنے لگیں " مگر یہ اُن کی بھول ہے جھوٹ کو فروغ کبھی نہیں ہوا ہے "

(ب) چودھری دیابالدین امرتسری

جو پنجاب کی قوم کمبوہ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اِس مبارک جذبہ کے تحت اپنی تاریخ کمبوہاں لکھی ہے کہ اُن کی قوم جس کا کوئی کارنامہ تاریخوں میں تحریر نہیں ہے " اور جو پسماندہ حالت میں رہتی آئی ہے کسی طرح سے بودہ [illegible] اور ترقی کے زینہ پر گامزن ہو جائے " لیکن انہوں نے اپنی اس دلی خواہش کو بر لانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے ہیں وہ ہرگز جائز قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ اِن مؤلف صاحب نے بھی غلط واقعات کو پیش کر کے اور سچی باتوں کو اہتمام کے ساتھ چھپا کر نیز مہمل استدلالات سے کام لیکر " اپنے ناظرین کو دھوکے دے دیکر مقصد برآری کی کوشش کی ہے "

انہوں نے " قوم کمبوج " اور شہنشاہ ایران کام بوجیا (کیقباد) کے نام تاریخوں میں دیکھ کر یہ قصہ گھڑ لیا ہے کہ " جب کامبوجیا

مؤلفین تحقیق الانساب اور تاریخ کمبوہان کی تحقیقات پر ایک نظر

سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کی جو شریف اقوام ہندو سے مسلمان ہوگئی ہیں انہوں نے اپنی قومیت کو کبھی نہیں چھپایا بلکہ اس پر ہمیشہ سے وہ فخر کرتی رہی ہیں۔ ان میں ہزار پانچسو برس پہلے اسلام قبول کرنے کے وقت سے آج تک کچھ نہ کچھ ہندوانہ رسوم باقی ہیں۔ اور ہندوستان میں ہندوؤں کے دوش بدوش رہتے چلے آنے کی وجہ سے اکثر عربی قریشی خانوادوں میں بھی کم و بیش ہندوانہ رسوم کا رواج ہوگیا ہے۔ پنجاب میں مسئلہ تک شرع اسلامی کے خلاف رواج کے پابند ہوگئے ہیں۔

زبیری کمبوہی خاندان میں قوم کمبو اور دوسری ہندو اقوام کی طرح گوت کا نہ تو وجود رہا اور نہ کبھی کوئی ہندو رسم ہی رائج رہی ہے۔ جو دینی و علمی فضیلت اور دنیاوی وجاہت اس خاندان کی عرب۔ ایران۔ اور مصر وغیرہ میں رہی ہے۔ وہی حیثیت اس کی سندھ و ہند میں قیام سلطنت اسلام کے زمانے سے رہتی چلی آئی ہے اور اب بھی ہے۔

لیکن مؤلفین تحقیق الانساب تاریخ امروہہ اور تاریخ کمبوہان دونوں نے اپنی ناجائز مقاصد کے مدنظر ان باتوں کو ظاہر کرنے اور ان پر بحث کرنے سے مطلق کوئی غرض نہیں رکھی۔ اگر وہ دیانت کو کام فرماتے اور فلسفۂ تواریخ کے موجد علامہ ابن خلدون کے روایت و درایت کے اصولوں پر اپنی تحقیقات کا مدار رکھتے اور کم از کم ان کے اس فقرے ہی کو اپنا خضر راہ بنا لیتے کہ۔

"خبروں پر اگر صرف روایت پر اعتبار کرلیا جائے۔ اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے۔ اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔"

تو ان کی وہ عبارت جسے انہوں نے بڑے اہتمام سے "واقعات کو اخفا کرکے" "تاریخوں اور نوشتوں میں تحریفیں کرکے" "نیز دل سے کہانیاں گھڑ کر اور ان پر عجیب و غریب بحثیں کرکے" اپنے ناظرین کو دھوکے دے کر تحریر کیا ہے۔ کسی طرح بھی تحریر نہیں کرسکتے تھے۔

"غالباً یہاں ان دونوں مؤلفوں سے ہمارا یہ سوال کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ۔
قوم کمبوہ جو زمانہ نامعلوم سے پستی کے گڑھے میں پڑی ہوئی۔ گمنامی کی حالت میں رہتی چلی آئی اور جو صوبجات متحدہ میں قدم رکھتے ہی وہ کس جنتر منتر کی وجہ سے بام ترقی پر چڑھکر اس قدر بلندی پر پہنچ گئی کہ اس کے کارناموں کی آوازیں فلک الافلاک تک پہنچ گئیں۔ اور ان کے تذکروں سے تمام تاریخیں قدیم و جدید بھر گئیں اور اب بھی اس کے کارنامے روز بروز تاریخ کو بناتے ہیں؟"

جہاں اس زمانے میں علم کی فراوانی ہوگئی ہے وہاں "حسد" "فریب" اور "جھوٹ" کی بھی بہتات ہوگئی ہے۔ "لفظ پروپیگنڈا" جو آج ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جھوٹی اور غلط باتوں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ دھوکے میں آکر لوگ انہیں سچ سمجھ لیں۔ ایسا کرنے والے اپنے آپ کو بڑا مدبر اور دانا سمجھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں "علامہ ابن خلدون اور دوسرے بزرگوں نے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے ایسے قاعدے مقرر کردئیے ہیں کہ ان کو پیش نظر رکھنے سے ہر کوئی جھوٹی اور سچی بات میں تمیز کرلیتا ہے۔" علامہ ابن خلدون کے اصول روایت و درایت تو ہم نے اسی کتاب میں کسی اور موقع پر لکھے ہیں یہاں ہم اور تین بزرگوں کی تحریریں اس لئے پیش کرتے ہیں کہ کسی کتاب کے پڑھتے وقت ان کو ضرور ذہن میں محفوظ رکھا جائے تاکہ فریبی اور دھوکے باز مؤلفین کے نوشتوں کی حقیقت بخوبی معلوم ہو جائے اور ناظرین کو جھوٹ و سچ میں تمیز کرلینے کی اہلیت پیدا ہو اور کسی شکنجے میں نہ مبتلا ہونا پڑے۔"

(الف) ملا ضیاء الدین المعروف بہ ضیاء برنی المتوفی ۷۵۸ ہجری "مرید خاص سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین چشتی بداؤنی دہلوی قدس سرہ العزیز" اپنی مشہور و معروف کتاب تاریخ فیروز شاہی کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"نفاست علم تاریخ لزوم صداقت است" از بزرگان دین — "نفاست علم تاریخ کے لئے لازمی ہے کہ وہ سچائی پر مبنی ہو۔"

دولت سلطنت و خلافت گفته اند که بنائے علم تاریخ بر صدق نهاده اند۔ چنانچه مهتر ابراهیمؑ این معنی را از خدائے تعالیٰ درخواست میکند و بدعا میخواهد "واجعل لی لسان صدق فی الآخرین" و در توبیخ دروغ نویسان حق تعالیٰ میفرماید "یحرفون الکلم عن مواضعه" و باری تعالیٰ افترا و بهتان را از مهلکات گردانیده است۔ و نیز تالیف که در علم تاریخ باشد به اکابر و بزرگان و بزرگ زادگان که بعدالت و حریت و راستی و درستی منسوب بودند مخصوص است که علم تاریخ نقل خیر و شر۔ و عدل و ظلم و استحقاق و غیر استحقاق۔ و محاسن و مقابح۔ و طاعات و معاصی۔ و فضایل و رذایل سلف است۔ تا خوانندگان خلف از ان اعتبار گیرند۔ و منافع و مضار جهانداری و نیکوکاری و بدکرداری و جهانبانی دریابند۔ و از درجه آن نیکوکاری را اتباع نمایند۔ و از بدکرداری ها بپرهیزند۔ و اگر نعوذ بالله کذابی و مفتری دروغ را درکار آرد۔ و تلقاء نفس خبیث و باطن خداع خود معاملات ناشایست به بزرگان سلف بر باند۔ و نقل های بربافته درست کتابت آرد۔ و افترا و بهتان خود را به عبارتهائے رنگین رواج دهد۔ و دروغ ها را به راستی مانند کند۔ و به نوشته داند بزد معنی دنیا و آخرت نترسد۔ و از جواب قیامت هراسے در دل نگذارد۔ که نیکان را بد گفتن و بد نوشتن از بزه غیبتی که بزبان گویند صعب تر و بیشتر است۔ و بدان را نیک گفتن و نیک نوشتن۔ سرجمله بدکرداری هاست۔

و چون اخبار تواریخ بے سند است و اعلام معاملات سلاطین و اکابر است۔ پس مولف تاریخ هم از اهل اعتبار باید۔ و هم بصدق و عدالت مشهور و معروف باید۔ تا در نوشتن بے سند او۔ اعتقاد مطالعه کنندگان راسخ گردد۔ و در میان معتبران اعتبار گیرد که اطمینان خاطر معتبران باشد۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ و باید دانست که هرچه اهل اعتبار در تاریخ ها نوشته اند معتمد علیه دیگران شده است و آنچه

بزرگان دین و دنیا و متقدمین و متاخرین نے کہا ہے کہ "بنیاد علم تاریخ کی سچائی پر رکھی گئی ہے" چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے خدائے تعالیٰ سے اس کے بارے میں درخواست کی اور دعا مانگی کہ "کر دے میری زبان کو قائم سچائی پر قیامت تک" توبیخ میں جھوٹ لکھنے والوں کی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بدل دیتے ہیں کلام کو اپنی جگہ سے" اور باری تعالیٰ نے جھوٹ باندھنے اور تہمت لگانے کو ہلاک کرنے والی (یعنی خطرناک) بات سے بیان فرمایا ہے" اور تالیف بھی جو علم تاریخ میں ہو مشاہیر اور بزرگوں اور بزرگ زادوں سے جو عدالت اور حریت اور راستی و درستی سے منسوب ہوئے ہیں مخصوص ہے۔ اس لیے کہ علم تاریخ سلف کے خیر و شر اور عدل و ظلم اور استحقاق و غیر استحقاق اور اچھائیوں اور برائیوں اور بندگی و گنہگاری اور فضایل و رذایل کی نقل ہے" تاکہ آیندہ نسلیں ٹھوکر (؟) ان پر اعتبار کریں" اور نفع و نقصانات جہانداری و نیکوکاری اور بدکرداری اور جہانبانی سے واقف ہوں" اور ان میں سے اچھی باتوں کی پیروی کریں اور برائیوں سے پرہیز کریں" اور اگر نعوذ باللہ جھوٹا اور مفتری جھوٹ سے کام لے اور اپنے نفس خبیث اور دھوکا دینے والے باطن سے نالایق معاملات کو بزرگان سلف کے سر منڈھ دے" اور ان گھڑی ہوئی باتوں کو اس طرح چھپا کر کام میں لا دے کہ اپنے افترا اور بہتان کو رنگین عبارتوں سے رواج دے اور جھوٹ کو اس طرح لکھے کہ وہ سچ معلوم ہو" اور خداوندگی دنیا و آخرت سے نہ ڈرے اور قیامت کے دن کی جوابدہی کا خوف اپنے دل میں نہ لائے" کہ اچھوں کو برا کہنا اور برا لکھنا غیبت کے گناہ سے جو زبان سے کی جاتی ہے سخت تر اور زیادہ تر ہے اور بروں کو اچھا کہنا اور نیک لکھنا تمام برائیوں سے بڑھ کر ہے۔

اور جب تواریخ کی خبریں بے سند کے ہیں اور معاملوں میں سلاطین و مشاہیر کو ظاہر کرنا ہے تو مولف تاریخ بھی اہل اعتبار سے چاہیے" اور سچائی و عدالت میں بھی اسے مشہور و معروف ہونا چاہیے تاکہ اس کے بے سند لکھے ہوئے میں مطالعہ کرنے والوں کا یقین مضبوط ہو۔ اور معتبروں میں اس کا ایسا اعتبار ہو جس سے معتبروں کو اطمینان خاطر ہو"۔۔۔۔۔۔

جاننا چاہیے کہ اہل اعتبار نے جو کچھ اپنی تاریخوں میں لکھا ہے دوسروں نے ان پر اعتبار کیا ہے۔ اور جو تالیفیں ششی بازوں

خودرویان" و مجہول النسبان" تالیف کردہ اند۔ آنرا دانایان اعتبار نکردہ اند"

و تاریخ نوشتۂ بے سروپایان" در دکان ہائے کتابیان کہنہ شدہ است وبانہ بر کاغذیان رسیدہ وکاغذ سپید شدہ"

و نیز مورخ چنانکہ از اکابر و معارف مے باید۔ سلامتی دین و مذہب او ہم شرط نوشتن تاریخ است"

و الا بعضے بد مذہبان و بد اعتقادان" عصبیت موروث۔ و عناد متوارث غلات قصہائے دروغ .... بر بافتہ اند۔ و بد بینان و بد مذہبان متقدم در تواریخ خود۔ صدق و کذب را آمیختہ اند اخبار مطرود و مردود" در تالیف خود درج کردہ۔ و ہرگاہ خوانندگان تواریخ را دین و مذہب و بد اعتقادی مؤلفان تواریخ روشن نباشد" و نویسندگان تواریخ را از سلف شمارند" گمان برند مگر راست نوشتہ" و ہر کسے خداع بد دینان نداند۔ کہ طریق بد مذہبان و شیوع بد اعتقادان در تالیف آنست کہ مذہب باطل۔ و اعتقاد خبیث خود را... مستور دارند" و دروغہا بر بافتہ کہ در اعتقادات خبیث ایشان جاگرفتہ باشد" در [illegible] اخبار صحیح و آثار صدق مشہور گشتہ میا میزند و در تالیف مردود خود بنویسند۔ تا کسے را از مطالعہ کنندگان کہ او را خبر از احوال سلف نبود" بر سرے بے اعتقادی۔ و طریقۂ خداع ایشان وقوت آفتد" و دین و مذہب مورخان کذاب دریابد" در اعتقاد او از مطالعہ آن کذب ہائے راست آمیختہ خلل رو نماید و نوشتہ ہائے وضعی کذابان بے دیانت را راست پندارد"

یک منفعت بزرگ در شعور علم تاریخ ہمیں کہ صادقان از کاذبان و معتقدان از خداعان سلف روشن بشوند" و قصص معتمد علیہ" و ماجراہائے نامعتمد مبتر ہن میگردد"

و شرطیکہ لوازم تاریخ نویسی است آنست کہ مورخ

یا مغروروں اور مجہول النسب کے لوگوں نے کی ہیں" اُن پر عقلمندوں نے اعتبار نہیں کیا ہے"

اور بے سروپا لوگوں کی لکھی ہوئی تاریخیں کتب فروشوں کی دکانوں پر ہی پرانی ہوگئیں اور پھر کاغذیوں کے پاس پہنچکر سپید کاغذ میں تبدیل ہوگئیں۔

اور نیز مورخ "مشہور و معروف لوگوں میں سے ہونا چاہیے" کہ اس کی سلامتی دین مذہب بھی شرط لکھنے تاریخ کی ہے"

لیکن بعضے لامذہب اور بداعتقاد لوگوں نے تعصب اور دشمنی موروثی کی وجہ سے غلط اور جھوٹے قصے گھڑ لئے ہیں" اور اگلے بدبینوں اور لامذہبوں نے اپنی تاریخوں میں سچ اور جھوٹ کو ملا دیا ہے اور خبریں مطرود اور مردود اپنی تالیفات میں لکھدی ہیں" اور کیونکہ ان تاریخوں کے پڑھنے والوں کو مؤلفان تواریخ کے دین و مذہب اور بداعتقادی سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ تواریخ کے لکھنے والوں کو اصحاب سلف سے جانکر گمان کر لیتے ہیں کہ سچ ہی لکھا ہے" ہر شخص ان بد دین لوگوں کے فریب کو نہیں جانتا ہے" طریقہ لامذہبوں اور بے اعتقادوں کا تالیفات میں یہ ہے کہ" اپنے جھوٹے مذہب اور خبیث اعتقاد کو پوشیدہ رکھتے ہیں" اور بنائے ہوئے جھوٹ جو اُن کے بیہودہ اعتقادات میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ اُن کو سچی خبروں اور سچے آثار مشہور میں ملا دیتے ہیں اور اپنی مردود تالیف میں لکھتے ہیں" تاکہ مطالعہ کرنے والوں میں سے وہ لوگ جنہیں سلف کے حالات سے واقفیت نہیں ہوتی" اُن کے اس طرح کے فریب سے بے اعتقادی میں پڑ جائیں" اور ان جھوٹے مورخوں کے دین و مذہب کی کتابوں کے مطالعہ سے ان جھوٹ سچ ملے ہوئے کو پاکر اُن کے اعتقاد میں خلل پڑ جائے" اور وہ ان بے ایمان جھوٹوں کی گھڑی ہوئی تحریروں کو سچ سمجھ لیں"

ایک بڑا فائدہ علم تاریخ کے جاننے میں یہ ہے کہ" سچے جھوٹوں سے اور پاک اعتقاد قدیم دھوکے بازوں سے پہچان لئے جاتے ہیں" اور سچے قصے اور جھوٹے واقعات ظاہر ہو جاتے ہیں"

تاریخ لکھنے میں جو شرط ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مورخ پر

از روئے دینداری واجب و لازم است کہ فضائل و خیرات
و عدل و احسان پادشاہے و بزرگے بنویسد۔ باید کہ
مقابح و رذایل او را مستور نہ دارد۔ و طریقۂ مداومت
در نوشتن تاریخ معمول نکند۔ و اگر مصلحت بیند بہ صریح
و الّا بہ رمز و اشارت و کنایت۔ زیرکان و فہیمان بیاگاہند
و اگر از خوف و ہراسے۔ مساوی ہم عہد و ہمعصر نتواند نوشت
در آں معذور بود۔ لیکن از گذشتگان باید کہ راستہا را راست
نویسد۔ و نیز اگر مورخ را در عہد و عصرے از پادشاہے یا
وزیرے و بزرگے۔ کسر تیئے و کوفتگی رسیدہ باشد۔ و
یا نوازش و نواختے زیادت یافتہ۔ باید کہ در اوان تالیف
تاریخ۔ لطف و قہر۔ و نوازش و گذارش کسے از بزرگان
منظور او نبود۔ تا از نتائج آں بر خلاف راستی۔ فضیلتے و
رذیلتے نبودہ۔ و معاملہ۔ و ماجرائے نا گذشتہ در قلم آرد۔
بلکہ منظور مؤرخ دیندار اعتقاد او صدقاً و مذہباً نوشتن و
راستی و درستی بود۔ و خوف او از جواب قیامت باشد۔ و
بر مؤرخ واجب و لازم است کہ از طرق و طریقت کذابان
و مداحان مبالغہ کنندگان و شاعران و دروغ زبان و
سخن آرایان احتراز کلی واجب شناسد۔ کہ ایں جماعت
مذکور خرمہرہ را یاقوت لعل گویند۔ و از طمع خود سنگریزہ
را جوہر گرانمایہ نام نہند۔ و احسن نوشتہ ہا و اختراع
ہائے ایشاں اکذب ایشاں باشد۔

فاما ہرچہ صاحب تاریخ نویسد۔ بر نوشتہ
او دیگراں اعتقاد کنند۔ کہ اگر دروغ باشد۔ مؤلف
بدان زیان زدہ شود۔ و نوشتۂ او میان خدائے
تعالےٰ حجت گردد۔ و فردائے قیامت مؤلف
کذاب بہ سخت ترین عذاب درماند۔

ازروئے دینداری واجب و لازم ہے کہ فضائل اور خیرات اور
انصاف اور احسان بادشاہ اور بزرگ کے لکھے اور اسے چاہئے
کہ اُن کی برائیاں اور ذلیل صفات کو نہ چھپاوے اور مداومت
کے طریقہ کا تاریخ لکھنے میں معمول نہ کرے اور اگر مصلحت دیکھے تو صاف
طور سے ورنہ اشارے اور کنایہ سے سمجھ والوں اور عقلمندوں کو
واقف کرے۔ اگر ڈر اور خوف سے اپنے وقت و زمانہ کے حالات
کو نہ لکھ سکے اور اس میں معذور ہو تو اسے چاہئے کہ گذرے ہوئے
لوگوں کے سچے سچے حالات لکھے۔ اگر مورخ کو اپنے وقت و زمانے
کے بادشاہ یا وزیر اور بزرگ سے تکلیف اور نقصان پہنچا ہو اور یا
اُن کی نوازش اور انعام سے حصہ پایا ہو تو چاہئے کہ اس زمانہ کی
تاریخ کی تالیف میں لطف و قہر اور نوازش و گذارش بزرگوں سے
اسے منظور نہ ہو تاکہ اُن کے نتیجوں سے فضیلت و رذیلت سچائی
کے خلاف نہ ہو اور معاملہ و ماجرا ایسا جس کا وجود نہ ہو تحریر میں
آ جائے۔ بلکہ مورخ کے پیش نظر سچا اعتقاد اور ایمان اور راستی و
درستی ہو اور اس کو قیامت کے دن کی جواب دہی کا خوف ہو۔
اور مورخ پر واجب و لازم ہے کہ جھوٹے طریقوں سے جھوٹوں
اور خوشامدیوں اور بات کو بڑھا کر کہنے والوں اور شاعروں اور
دروغ زبان اور باتیں بنانے والوں سے پورے طور سے پرہیز رکھنے
کو واجب جانے کہ یہ مذکورہ گروہ کوڑی کو یاقوت و لعل کہتا ہے
اور اپنے لالچ سے کنکر کا نام قیمتی جواہر رکھتا ہے اور اُن کے عمدہ
لکھے ہوئے اور من گھڑت باتیں سراسر جھوٹ ہوتا ہے۔

پس جو کوئی تاریخ لکھے اور اس کے لکھنے پر دوسرے
اعتقاد کریں تو اگر جھوٹ ہو تو اس کا لکھنے والا
اس سے نقصان زدہ ہوگا اور اس کا لکھا ہوا خدائے
تعالےٰ کے درمیان حجت ہوگا۔ اور قیامت کے دن
جھوٹا مؤلف سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۲ تا ۱۴)

(ب) مؤرخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے اپنی مشہور تاریخ اسلام کے دیباچہ میں "مؤرخ کے لئے ضروری باتیں" کی سرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ "مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی خوشامد کرے اور نہ کسی سے عداوت کرے۔ مؤرخ کی عبارت سادہ، عام فہم اور بے ساختہ ہونی چاہئے۔ مؤرخ کے لئے بعض ایسی مشکلات ہیں جن کا حل کرنا قریباً محال ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کے قتل میں شریک ہونے کا حال راوی نے بیان کیا ہے۔ اب اس روایت کے متعدد نتائج

مرتب ہو سکتے ہیں "نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی ایک نتیجہ بھی صحیح ہے یا نہیں" (۱) وہ شخص جو تھیٹر میں گیا "گانا سننے کا بہت شوقین ہے" (۲) گانا سننے کا شوقین نہیں ہے حسن پرست ہے" (۳) حسن پرست نہیں ہے کسی ایکٹرس پر اتفاقاً عاشق ہو گیا ہے" (۴) کسی پر عاشق بھی نہیں ہے وہاں کسی دوست سے ملنا ضروری تھا" (۵) تھیٹر کے متعلق ایک مضمون لکھنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس کا دیکھنا ضروری ہوا" (۶) تھیٹر کی مخالفت میں ایک لیکچر دینا تھا اس لئے اس کے معایب کا مشاہدہ کرنا ضروری ہوا" (۷) خفیہ پولیس میں ملازم ہے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے جانا پڑا" (۸) خود تو تھیٹر میں جانے سے متنفر تھا مگر دوستوں نے مجبور کر دیا" (۹) باخدا اور اعلیٰ درجے کا عابد و زاہد تھا۔ لہٰذا لوگوں کی خوش عقیدگی کو زائل کرنے کے لئے تھیٹر میں جا گیا" (۱۰) صرف اس لئے گیا کہ وہاں موقع پا کر کسی کی جیب کترے یا بٹوہ جیب سے نکال لے"

غرض اس طرح سیکڑوں نتائج مرتب ہو سکتے ہیں" پھر ایک نتیجہ کی صحت کے لئے دوسرے اسباب سے تائید حاصل کرنی پڑتی ہے" ان تائیدی اسباب میں بھی اسی طرح مختلف احتمالات ہوتے ہیں" اگر مؤرخ منصف نہیں ہے" اور کسی نتیجہ کی طرف پہلے ہی سے اس کا دل کھنچا جاتا ہے تو وہ اس کے مخالف دلایل کو بڑی آسانی اور بے پروائی سے نظر انداز کرتا جاتا ہے" اور موافق دلایل کو ڈھونڈ کر مہیا کر لیتا ہے" اس طرح خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش بجا لاتا ہے"

(ج) علامہ حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری مؤلف کارنامۂ راجپوتان و کتب متعددہ نے تحریر فرمایا ہے کہ مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذہبی شخص ہو کیونکہ دنیا کے عام مروجہ مذاہب میں کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جس نے اپنے پیروؤں کو جھوٹ بولنے کی ہدایت کی ہو" اسی طرح مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہذب اور معزز طبقہ کا انسان ہو بدمعاش اور اوباش نہ ہو۔ مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس قوم یا جس ملک کی تاریخ لکھ رہا ہے" اس قوم اور اس ملک کے مراسم" عادات و خصائل" زبان" اور مکانی و زمانی خصوصیات سے بخوبی آگاہ ہو" ورنہ وہ خود واقعات کو ان کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے گا نہ دوسروں کو حقیقت آشنا بنا سکے گا" مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس روایتوں کی جانچ پڑتال کا کافی سامان ہو۔ اور وہ خود ایسا صحیح دماغ رکھتا ہو کہ پیچیدہ مسائل کو بآسانی حل کر سکتا ہو" ان شرایط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے مؤرخین نے جو گمراہیاں دنیا میں پھیلائی ہیں وہ تعداد میں اب اس قدر زیادہ ہو گئی ہیں کہ ان موضوعات کو تاریخی سرمایہ سے جدا کرنے کے لئے ایک خاص علم یا فن کے مدون کرنے کی ضرورت ہے" یہ ایک جداگانہ مستقل بحث ہے کہ تاریخ تحقیق و تدوین کے لئے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے اور کام کو کہاں سے شروع کرنا مناسب ہے" اس وقت اپنے دوستوں کی ضیافت طبع کے لئے بعض مؤرخین کے گمراہ کن اعمال کے چند نمونے پیش کرتا ہوں"......

(۱) قریباً چالیس سال کا عرصہ ہوا۔ ایک بابو صاحب نے "راجپوتانہ کی تاریخ" تین ضخیم جلدوں میں" وقائع راجپوتانہ کے نام سے لکھی ہے" بابو جوالا سہائے صاحب "وقائع راجپوتانہ" میں "اجمیر اور اس میں خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کی درگاہ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"شمس الدین التمش کے عہد میں درگاہ کی تعمیر شروع ہوئی" شہاب الدین غوری نے وسعت دی"
مؤرخ کی نادانی اور تحقیق کا اندازہ کرنے کے لئے۔ اسی قدر کافی ہے کہ شہاب الدین
غوری کا انتقال سنہ ۱۲۰۶ء میں ہوا" اور شمس الدین التمش سنہ ۱۲۱۲ء میں تخت نشین ہوا"

(۲) اسی طرح اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھی ہیں" انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح حالات کے ساتھ گڈمڈ کر کے تحریر کی ہیں" اس لئے اب کوئی محقق و واقعات نگار جس کا مذاق تاریخ صحیح ہو ان کو ہاتھ تک نہیں لگاتا" اور وہ اس زمانہ میں بوجہ اپنے متعصبانہ رنگ" اور غلط بیانیوں سے لبریز ہونے کے پایۂ تحقیق سے ساقط ہو گئے ہیں" مگر ان کے سبب سے جو اہل یورپ کے دل و دماغ میں غلط خیالات جم کر نقش کالحجر ہو گئے ہیں وہ کسی طرح شائستہ نہیں مٹ سکتے تھے" اگر کوئی محقق خواہ کیسا ہی اس ملک کی تاریخ کا عالم و فاضل ہو" وہ اس پر ہزار لکھ

لگا ئے" تو اہلِ فرنگ تو در کنار رہے خود اپنے ملک کے نزدیک جاہل بے فرہنگ سمجھا جاتے "

کرنل جمیس ٹاڈ نے جو راجستان کی تاریخ لکھی ہے اُس میں بھی دیسی روایتوں کے بھروسہ پر بہت سی باتیں خلاف واقعہ درج ہو گئی ہیں" ٹاڈ صاحب نے "سلطان خرم" کے نام کی وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ۔

" غالباً وہ اصل میں "کرم" تھا جس کے معنی "بچھوا ہے" کے ہیں۔ جو اُس کی (سلطان خرم شہنشاہ شاہ جہان کی) راجپوتنی ماں کی قوم کا نام تھا" یہ اس سبب سے درست نہیں۔ کہ مسلمانوں میں بیٹے کے نام میں ماں کی قوم کو کچھ دخل نہیں ہوتا" باپ دادا کا نام رکھا کرتے ہیں" اصل یہ ہے کہ "خرم" فارسی کا لفظ ہے " تازہ کے معنی میں" مجازاً شاد و خوش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے "

(۳۲) افغان بنی اسرائیل ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اُن کو اُن قبائل کی نسل ہونے پر اصرار ہے جن کو فلسطین سے " نبو چرنزار (بخت نصر) نامی شخص قید کر کے "میڈیا" (بابل) لے گیا تھا" لیکن اُن کو اپنے اوپر "یہود" کے لفظ کا اطلاق ناگوار گذرتا ہے" کیونکہ یہ فرقہ کفار بنی اسرائیل سمجھا جاتا ہے "

ٹاڈ صاحب نے ظرفگی یہ کی ہے کہ "پٹھانوں کو" جادو راجپوتوں میں سے نکلا ہوا بتایا ہے" اور ساتھ ہی یہ بھی قیاس کیا ہے کہ "جادو اور جہودی" ایک لفظ ہو سکتا ہے جس کو بولنے میں زیادہ زمانہ گذرنے کے سبب فرق آگیا ہو" اور یہ نہایت بعید و لغو خیال ہے "

اختصار کے مدنظر مولوی حکیم نجم الغنی صاحب کی کتاب سے مؤرخین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کے صرف یہ نمونے ہم نے لے لئے ہیں" اب ہم مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے رسالہ عبرت بابتہ ماہ فروری ۱۹۱۶ء سے لے کر اس قسم کا ایک اور نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس کے صفحہ ۲۰ تا ۲۶ پر "بعض مورخین کی گمراہیوں کے چند نمونے کی سرخی کے تحت" تحریر ہے کہ "ڈاکٹر برنیر اپنے مشہور سفر نامہ میں" ترکان عثمان" کی نسبت لکھتا ہے کہ۔

" چونکہ یہ لوگ پیروانِ عثمان رضؓ ہیں۔ اور حضرت عثمان رضؓ کو سچا اور اصلی قائم مقام خلیفہ اپنے پیغمبر صلعم کا سمجھتے ہیں۔ اس واسطے ان کا نام "عثمانی" مشہور ہو گیا ہے "

اِس بات کو غالباً ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ "ترکان عثمان کا نام" عثمانی "صرف اِس وجہ سے مشہور ہے کہ اُن کے مورثِ اعلیٰ کا نام "عثمان" تھا جو حضرت عثمان غنیؓ سے پورے پونے سات سو برس بعد برسر حکومت ہوئے تھے"

اِن مندرجہ بالا نوشتوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہے کہ "مؤرخوں کو کیسا ہونا اور کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے اور بہت مؤرخوں نے صحیح واقعات اور واضح تحریروں کو جو بذات خود کسی وضاحت یا بیرونی و اندرونی شہادتوں کی محتاج نہیں ہوتیں اُن کو اس طرح ملمع چڑھا کر اور ابریشمی غلاف پہنا کر پیش کیا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں" بلکہ اس مسخ شدہ صورت تو پہچان بھی نہیں سکتے" اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد وہی تحریریں شمع ہدایت بن جاتی ہیں۔ اور ہم اس وقت چونکتے ہیں جب وہ تحریریں جو خاص مقصد سے واقعات کا اخفا کر کے اور تحریفیں کر کے یا دل سے گھڑ کر شائع کی گئی ہیں۔ ہمارے سامنے کسی وقت پیش ہو جاتی ہیں" چنانچہ متذکرہ کتابیں "تحقیق الانساب" تاریخ امروہہ" اور "تاریخ کمبوہان" بھی اسی قسم کے مؤرخین کی جودتِ طبع کا نمونہ ہیں۔ جن میں اُن کے مصنفین نے اپنے مقاصد کے بر لانے کے لئے ناظرین کو طرح طرح سے دھوکے دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے "

سب جانتے ہیں کہ عربوں میں "علم الانساب کا بڑا چرچا تھا" اُن کا بچہ بچہ تک اپنے نسب اور دس بارہ پشتوں کے بزرگوں کے

نام لوک زبان پر رکھتا تھا۔ بلکہ وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں تک کے بھی نسب نامے محفوظ رکھتے تھے۔ ہندوستان میں جو عرب خاندان آئے ان کی اولادوں نے بھی اپنے نسب اور اجداد کے ناموں کو نہیں بھلایا اور اپنے شجروں کی حفاظت خوب طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ زبیری کنبوہی خاندان کے پاس چھ سو برس سے ایسا سلسلہ موجود ہے جو اپنی آپ نظیر ہے۔ اور اس سے اوپر شجرے موجود ہیں۔ ہمیشہ شاہان اسلام اور بزرگان ذوی الاحترام اس خاندان کی عزت و حرمت کرتے اور اس سے خاص ارادت رکھتے آئے ہیں۔ ان زبیری بزرگوں کے حالات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں اور اکثر مورخین نے اپنی تاریخوں میں ان کی عالی نسبی کو خاص طور سے کھول کر لکھا ہے۔ اور ان کے ان صفات حسنہ کو بھی وضاحت سے ظاہر کیا ہے۔ جن سے عربی خصوصاً قریش خانوادے ممتاز رہتے آئے ہیں۔

مؤلف تحقیق الانساب کے خاندان کی ایک جھلک

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ ایک ایسے خاندان کے ممبر ہیں۔ جن کے پاس اپنے خاندان اور بزرگوں کے حالات کے متعلق سوائے اختراعی خاندانی روایتوں یعنی من گھڑت باتوں کے کوئی تاریخی ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ اور کیفیت یہ ہے کہ جس موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید عباسی کو انہوں نے اپنا مورث اعلیٰ بتایا ہے اس کے متعلق تاریخیں صاف طور سے ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ ساڑھے تیرہ یا چودہ برس کی عمر میں مر گیا تھا۔ اس کی شادی اور اولاد کا کہیں کسی تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ بلکہ مورخین نے وضاحت سے اس بات کو بتا دیا ہے کہ سوائے معتصم باللہ کے ہارون الرشید کے دوسرے بیٹوں مامون و امین وغیرہ کسی سے اس کی نسل نہیں چلی ہے۔ یعنی ہارون رشید کی نسل صرف اس کے ایک بیٹے معتصم باللہ ہی سے چلی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ان مؤلف صاحب کو اپنے آپ کو موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید کی اولاد بتانا کیا قدر و قیمت رکھتا ہے۔ پھر ان کا معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا ہے بلکہ انہوں نے جو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ تباہی بغداد کے بعد موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید کی اولاد میں سے ہمارے جد امجد مسکی یوسف ہندوستان آ گئے تھے۔ ان یوسف بے کارواں کا بھی تاریخوں میں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ جب ان مؤلف صاحب امروہوی نے دیکھا کہ قریشی و ہاشمی خانوادوں کی طرح وہ کوئی سند موسیٰ بن امین کے اولاد ہونے اور ان یوسف صاحب تک کے ہندوستان میں آنے کی نہیں پیش کر سکتے اور عربی قریشی خاندانوں کی طرح اپنے خاندان کا حال تاریخوں میں کسی جگہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ نیز اپنے خانہ ساز شجرے کی موسیٰ بن امین بن ہارون رشید تک کڑیاں ملانے میں بھی قاصر رہ گئے ہیں تو انہوں نے اپنے دل کی تسکین کے لئے یہ مقصد قرار دیا کہ زبیری کنبوہی خاندان ہی کو نہیں بلکہ جتنے بھی قریشی و ہاشمی خانوادوں کے متعلق بن پڑے اپنا جیسا بنا دیں۔ یعنی ان کے نسب میں جس طرح سے ہو سکے شکوک ڈال دیں۔ مگر جھوٹ کے پاؤں کتنے ہیں۔

مولوی عبید اللہ امروہوی کی گوہر افشانیاں

ان کے علاوہ دوسرے رئیس المحققین اور سند المورخین مولوی عبید اللہ صاحب فرحتی الامروہوی بھی ایک بزرگ ہیں۔ یہ مولوی صاحب مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ اور مصنف تاریخ کمبوہان دونوں میں سابقون الاولین کا درجہ رکھتے ہیں۔ یعنی واقعات کے اخفا کر لینے اور غلط طور سے پیش کر لینے میں ان کے علمبردار رہے۔ اور جوش و خروش میں بھی ان سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ مؤلف تحقیق الانساب ... آپ اہل خاندان کے دلوں میں قریشی، ہاشمی خانوادوں کی توہین کا بیج بونے والے اور ان پر نکتہ چینی کرنے والے پہلے بزرگ ہیں۔ رسالہ التریش اور شمس کو آپ نے اپنی اچھل کود کا میدان قرار دیا تھا۔ یعنی قریشی و ہاشمی خاندانوں کے متعلق ... آپ اپنی لیاقت سے جو ہر دکھایا کرتے تھے۔

ان مولوی صاحب ... قریشی و ہاشمی خاندانوں اور بزرگوں کے متعلق جیسی گل افشانیاں کی ہیں ... ان سے جو جواب پائے ہیں ان سب کو ... کر کے پیش کرنا ایک طول ... اور ... کی تضییع اوقات ... خیال ہے ... اس لئے ہم یہاں ان کی تحقیقات کی حقیقت ... دکھا ... ایک نمونہ پیش کرتے ہیں ...

دل کی حالت" اور اخفائے واقعات کی کیفیت بخوبی عیاں ہو جاتی ہے۔"

مولوی صاحب موصوف نے دیگر قریشی و ہاشمی خانوادوں کی طرح "زبیری کنبوی دُودمان" پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے مگر جو پیرایہ اِس دُودمان سے انتقام لینے اور اپنی کلفت مٹانے کا انہوں نے اختیار کیا ہے وہ انہیں کے لئے خاص ہے۔"

مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں پہلے تو یہ بات بتائی ہے کہ "فاتحانِ عرب نے اپنے عمل مساوات سے عطائے مناصب اور تعلق رشتہ و یگانگت میں کوئی امتیاز نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے سندھ سے افریقہ تک اسلام پھیل گیا تھا" پھر اِس بات پر آنسو بہائے ہیں کہ کیوں شاہانِ اسلام فاتحانِ ہند۔ افاغنہ و مغل نے اور مسلمان سرداروں نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں ہندوستان کے مشرک راجاؤں سے نہیں کیں" انہوں نے اپنے اِس فعل سے اسلام کی ترقی مسدود کر دی۔ ورنہ آج تمام راجگانِ ہند مسلمان نظر آتے"

آگے انکشاف فرمایا ہے کہ "مشرقی افغانستان کے افاغنہ جو بیشتر راجپوت نسل سے ہیں اور مغل جو چینیوں کے ہم قوم ہیں اُن سے قریشی و ہاشمی رشتہ داری روا رکھتے ہیں لیکن برہمن و راجپوت "کنبوہ و کلال وغیرہ سے جن کے بزرگ وسط ایشیا سے آئے تھے۔ بالکل رشتہ ناطہ نہیں کرتے" یہی وجہ ہے جو اِس خیال تحقیر و تنفر سے خواہ مخواہ نو مسلم اقوام ہند۔ اپنی اصلیت [illegible] عرب سے ثابت کرنے کی ساعی ہیں"

جن بعد یوں دُرفشانی کی ہے کہ "قوم یہود بنی اسرائیل کی قلت تعداد و تنزل کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غیر اقوام کی اپنی خانہ انداز عورتوں کی اولاد کو ناجائز قرار دے دیا تھا"

پھر یوں تحقیقات کی داد دی ہے کہ "کیونکہ بنی اسرائیل کے ہم جد حضرت اسمٰعیلؑ نے شام سے آکر اور عرب میں سکونت اختیار کر کے وہاں کے ایک مؤقر خاندان میں شادی کر لی تھی" اِس لئے قریشی و ہاشمی اصل باشندگانِ عرب نہیں ہیں" پس دیگر اقوام ہند لا حاصل قدیم عرب بننے کے دلدادہ ہیں" اور تان اِس طرح توڑی ہے کہ "عجیب تر امر یہ ہے کہ بہ تحقیقات تو ہی پر کامل غور نہ ہونے سے ایسے بزرگانِ دین تک نسب نامے پہنچائے جاتے ہیں جو از روئے تحقیق لاعقب و مقطوع النسل ہیں"

(۱) چنانچہ ہمارے صوبے (صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) میں ایک آسودہ گروہ بذریعہ عیسیٰ بن مصعب ابن الزبیرؓ تک اپنا نسب جو نوجوان بلا اولاد جنگ میں مقتول ہوئے پہنچاتے ہیں"

(۲) ملک پنجاب کی ایک ریاست والے "حضرت حمزہؓ سے اپنی اصلیت کا پتہ بتلاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت حمزہؓ لاولد معارکہ احد میں شہید ہوئے"

(۳) علیٰ ہذا فرقہ آوان بھی "اپنی نسل ایک شخص عون بن عبداللہ سے بتلاتے ہیں جو جنگ میں بلا اولاد قتل ہوئے"

بعد ازاں تنبیہ فرمائی ہے کہ "یہ خیالات لاطائل ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے "تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔ خدا جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بناتا ہے"

اِن مولوی صاحب کا بھی یہ سارا بیان از سر تا پا غلط ہے اور اُن کی دلی کیفیت کا بیّن ثبوت ہے۔ اُن کے اس مضمون [illegible] فرمایا ہے کہ "اُن قریشی خانوادوں سے جو اپنے خاص اور پاک خون [illegible] اور ناپاک خونوں کی آمیزش سے ہمیشہ بچتے ہیں انتقام لیا جائے" اِس طرح کہ واقعات کی تحریف کر کے اور انہیں اخفا کر کے جس طرح بھی ہو سکے اُن کی طرف سے ناظرین کو شبہ میں ڈال دیا جائے"

اِن مولوی صاحب نے دوسرے قریشی و ہاشمی خاندانوں اور بزرگوں کے متعلق [illegible] بھی اِس ایک مضمون پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دوسرے مضمون میں عبد الملک بن مروان اموی [illegible] سپہ سالار "حجاج بن یوسف ثقفی کے مقابلہ میں زبیر کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی کا یہ قول [illegible] ظاہر کرتا ہے کہ اگر ساری دنیا کے ظالم و جفا کار اور ناپاک لوگوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں صرف اپنے حجاج کو رکھ دیں تو یقیناً ہمارا ہی پلڑا بھاری

رہے گا ، امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ جیسے بزرگ صحابیؓ کو مواخذہ دار بتا کر ان سے اپنی مخالفت کا مظاہرہ کیا ہے "

اِن مولوی صاحب نے اپنے مضامین میں جو دھوکے دیئے ہیں۔ اور حالات و واقعات کے اخفا کرنے میں جس دلیری کا اظہار کیا ہے
یعنی تواریخ کے نوشتوں کے علاوہ " صحیح بخاری اور صحیح مسلم تک کی حدیثوں کو چھپا لیا ہے اور دفتران اسلام کو " ہندوستان کے ہندو
راجاؤں کے سپرد نہ کرنے پر جس طرح آنسو بہائے ہیں " یہ ان ہی پُرجوش اور فدائے اسلام مولانا کا کام ہے "

قریشی و ہاشمی خاندانوں اور اصحاب رسول اللہ صلعم کے متعلق مولوی فرحتی الامروہوی صاحب نے جو وطیرہ اختیار کیا ہے۔
اور جیسے دھوکوں اور اخفا سے کام لیا ہے اس کی ذرا سی جھلک دکھا کر یہاں ہمیں یہ بھی بتانا ہے کہ " جن بزرگوں نے تاریخ اسلام کے صحیح
واقعات کے کسی ٹکڑے کو کبھی پیش کیا ہے تو ان پر بھی سب و شتم کرنے میں ان مولوی صاحب نے کوئی کور کسر اٹھا نہیں رکھی ہے "

علامہ شبلی مرحوم و مغفور نے ایک نظم لکھی تھی " جس میں حضرت عباسؓ کے جنگ بدر میں گرفتار ہونے اور بنی فاطمہ پر " ابو جعفر
منصور خلیفہ دوم عباسی کے " عدیم النظیر ظلم و ستم کا مجملاً ذکر کیا ہے " اس نظم کی وجہ سے مولوی صاحب موصوف نے اپنے غیض و غضب کا جن
لفظوں میں اظہار کیا ہے وہ یہ ہیں " انہوں نے علامہ شبلیؒ کو " دہریت پسند " نمائش طلب " زمانہ ساز " ناعاقبت اندیش " کج اندیش "
ہر لدر " اسلام میں تفرقے ڈالنے اور منافقات پیدا کرنے والا " جدید الاسلام " نیچری " ندوہ لکھنؤ سے کنارہ گیری پر مجبور ہونے والا "
اور گستاخ وغیرہ کے خطابات عطا فرمائے ہیں " نیز ان کی نظم کے جواب میں ایک ایسی نظم بھی تصنیف فرمائی ہے جو دنیا میں عدیم النظیر ہے "
اور جس سے ان کے علم و لیاقت اور دل کی سوزش اور جلن پر بخوبی روشنی پڑتی ہے "

وجہ تالیف | ہم نے آئندہ نسلوں کو ان مولوی صاحبان اور دیگر منافقین کی ہرزہ سرائیوں کا شکار نہ ہونے دینے کی غرض سے یہ کتاب " خاندان
زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو کی جداگانہ حیثیتیں " لکھی ہے اور اس کے دو حصے کر دیئے ہیں "

جلد اول میں تو مؤلفین تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحریروں کو من و عن سامنے رکھ کر ان کی غلط بیانیوں " اخفا " تحریفوں "
اور دھوکوں کو اسناد تواریخی و جغرافی کی روشنی میں دکھایا ہے۔

اور دوسری جلد میں " مؤلف تاریخ کمبوہان کے نوشتوں کو دکھا کر ان کی تاریخ دانی اور لفاظی " دھوکوں اور غلط بیانیوں " نیز
اخفا کا پردہ بخوبی چاک کر دیا ہے " اور ایسی پُرفریب تحریروں کے جانچنے کے طریقوں کو بھی ناظرین کے جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کے لئے اور
اصلیت کے معلوم کر لینے میں کوئی دقت نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر کر دیا ہے "

اس کتاب کا ایک ضمیمہ بھی ہے " جس میں ہم نے رئیس المحققین اور مستند المورخین مولوی عبید اللہ صاحب فرحتی الامروہوی
کی ہرزہ سرائیوں کا پول " اسناد تواریخی اور احادیث صحیحہ سے کھول کر ان کی دلی کیفیت کو بخوبی عیاں کر دیا ہے " نیز علامہ شبلی مرحوم و مغفور
کی نظم کے بالمقابل جو انہوں نے نظم تصنیف فرمائی ہے۔ ناظرین کے آگے اس سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے اسے بھی تحریر کیا ہے "

جو حضرات تالیفات اور تصنیفات کی دقتوں سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کام میں کس قدر رنج اٹھانا پڑتا ہے "
[illegible] سابقہ مؤلفین تحقیق الانساب ، تاریخ امروہہ اور تاریخ کمبوہان کے اور مولوی عبید اللہ جیسے لوگوں کی ایسی تحریروں سے پڑھنے والوں
[illegible] کر ان پر سے نقاب اٹھانے میں کہاں تک [illegible]

۱۳۴۳ فصلی ، آئی مطابق [illegible] عیسوی میں [illegible] مملکت آصفیہ دکن کے ضلع کریم نگر میں بسلسلہ ملازمت تعینات تھے تو
ہمارے چھوٹے بھائی میاں امداد احمد زبیری بی۔ اے [illegible] سلمہ اللہ تعالیٰ نے گلبرگہ سے " تحقیق الانساب تاریخ امروہہ " کی ایک
جلد ہمیں بھیجی تو اسی وقت سے ہمارا یہ خیال ہو گیا تھا کہ اگر اس کتاب کی غلط بیانیوں کو عیاں نہ کیا گیا اور اصل حقیقت کو نہ پیش کیا گیا تو
آئندہ نسلوں کے آگے [illegible] پڑ جانے کا قوی احتمال ہے " لیکن کار ہائے مفوضہ کی مصروفیت " اتاقوں کے دورے کرنے اور جنگلوں
پہاڑوں میں رہنے " نیز کتب خانوں سے دور ہونے کی وجہ سے ہم مجبور رہے " مگر جب مدت ملازمت کے ختم ہونے سے پانچ برس پہلے [illegible]

(۹) حالات حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ مع اولاد۔

(۱۰) حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا قدس سرہٗ: اِس کتاب میں آپ کے شجرۂ نسب کے علاوہ آپ کے والد و دادا اور اولاد و جانشینوں کے حالات شہنشاہ اکبر کے زمانے تک تحریر ہیں نیز آپ کی اولاد میں سے چند خاندانوں کا سلسلہ اور حال اس زمانے تک بھی درج ہے۔

(۱۱) خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو کی جداگانہ حیثیتیں: حصۂ اوّل میں مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی غلط بیانیوں کا جواب ہے "جو ناظرین کے سامنے ہے"۔

(۱۲) خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو کی جداگانہ حیثیتیں: حصۂ دوم یعنی مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانیوں کا جواب ہے"۔

(۱۳) ضمیمہ کتاب خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو کی جداگانہ حیثیتیں" یعنی مولوی عبید اللہ فرحتی الامروہوی کی غلط بیانیوں اور نکتہ چینیوں کا جواب ہے"۔

اِن کتابوں میں نمبر ا و ۲ و ۳ و ۶ و ۷ و ۱۱ و ۱۲ "نہایت ضخیم ہیں" اور باقی اَوسط ضخامت کی ہیں" اور ہر طرح مکمل ہیں"۔

(الف) نواب شہباز خاں" شہر اللہ المخاطب بہ عمدۃ الملک رکن السلطنتہ العلیہ مؤتمن الدولہ نواب نظام الدین شہباز خاں امیر و سپہ سالار و گورنر شہنشاہ اکبر" اور

(ب) اَوَدھ کے بادشاہ گر"

اِن زبیری کنبوی بزرگوں کے حالات کا میٹیریل ایک جگہ جمع کر دیا ہے جب کبھی فرصت ہوگی ترتیب دے لیا جائے گا"۔

(ج) بہت شجرے اور دیرینہ کاغذات و فرامین شاہی جو اِس زبیری کنبوی خاندان کے متعلق ہمارے پاس ہیں اُن کی کچھ تو ترتیب ہو چکی اور کچھ ابھی ہونا باقی ہے"۔

چند اہل علم حضرات کی ہماری کتاب کے متعلق رائیں

جن چند صاحب علم حضرات خاندان نے اِن کتابوں کا بہ نظر امعان مطالعہ کر کے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا ہے" ان میں

(۱) فاضل اجل حکیم نواب علی خاں صاحب مؤلف شمس التواریخ و ساکن امروہہ"

(۲) مولوی صبغت اللہ صاحب بی۔ اے۔ داماد (نواب وقار الملک مرحوم) رئیس امروہہ"

(۳) مولوی محمد احمد صاحب سابق ناظم ڈاک خانہ جات (پوسٹ ماسٹر جنرل) ریاست حیدر آباد دکن"

(۴) صاحبزادہ مشتاق احمد صاحب بی۔ اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا فرزند نواب وقار الملک مرحوم و مغفور" اور

(۵) مولوی سعید احمد صاحب مارہروی منیجر شیعہ (؟) کالج مصنف امرائے ہنود، مرقع آگرہ" تاریخ فتحپور سیکری حیات خسرو" وغیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں"۔

آخر الذکر بزرگ نے اِس امر کے متعلق حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے اطمینان کا اظہار فرمایا ہے"۔

مولوی سعید احمد صاحب کا خط

"آپ کے پدر بزرگوار اور جدّ امجد حکیم عنایت حسین صاحب نے برادری کی جو خدمت انجام دی ہے اُس کے احسان سے اہلِ برادری کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن حضرات نے کنبوہ برادری کو زندہ کر دیا۔ اگر "سلسلۂ عالیہ" اور "الشاہیر" کا وجود نہ ہوتا تو آج ہمیں اپنے دادا۔ پڑ دادا۔ کا نام بھی معلوم نہ ہوتا۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ دونوں بھائی "الولد سر لابیہ" کے پورے مصداق ہیں

اور اپنے اجداد کے نقش قدم پر چل کر اس قومی خدمت کی انجام دہی میں سرگرم ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بہترین جزا مرحمت فرمائے اور انجام بخیر کرے" آمین۔

تین چار سال کا زمانہ گذرا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ "المشاہیر" کا تکملہ اپنے عہد تک کرنے کی کوشش کروں ۔ اس کے متعلق مواد فراہم کیا ۔ مگر بہت سی کتابیں نہ مل سکیں ۔ اور تحقیقات غیر مکمل رہی ۔ مشاہیر کا حال حروف تہجی کی ترتیب سے قلم بند کیا گیا ۔ جن بزرگوں کا تذکرہ "المشاہیر" یا "سلسلۂ عالیہ" میں آچکا تھا ۔ اُن کا مختصر حال بحوالہ کتب مذکور نقل کر دیا تھا ۔ جدید مشاہیر کے حالات بھی مختصراً فراہم کئے تھے ۔ مگر ابتداءً عدیم الفرصتی اور زیادہ تر تحقیقات غیر مکمل ہونے کی وجہ سے یہ کام ملتوی ہوتا رہا ۔ اُس کے بعد علالت نے اس قدر طول پکڑا اور انگوٹھے کی تکلیف نے تحریر کا کام زیادہ کرنے سے معذور کر دیا ۔ مجھے آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے کمال خوشی حاصل ہوئی کہ بھائی حسین احمد صاحب نے اس قومی فرض کو ادا کر دیا ۔ بارگاہِ ایزدی میں اُن کی کامیابی کے واسطے دست بدعا ہوں " فقط

ان حضرات خاندان کے علاوہ بابائے اردو مولانا ڈاکٹر عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو ہند ۔ ان کتابوں کی کیفیت سنکر حیدرآباد دکن میں مسعود مولوی شبیر حیاتی صاحب بی۔ اے کے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے "اور کافی دیر تک کتابوں کے ملاحظہ کے بعد انہوں نے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور مولوی شبیر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "میں تو پہلے ہی تم سے کہہ چکا تھا کہ اس خاندان کے لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں اور ایسے کام انہیں سے ممکن ہیں "۔ اس کام کو دیکھو جسے مولوی حسین احمد صاحب نے انجام دیا ہے) اور نہایت مطمئن و خوش ہو کر رخصت ہو گئے "

اسی طرح مولانا عبداللہ العمادی صاحب مرحوم و مغفور کے اُن تاثرات کا اظہار کر دینا بھی بیجا نہ ہو گا جو انہوں نے ان کتابوں کے ملاحظہ فرمانے کے بعد روانہ کیا تھا ۔ علامہ موصوف اس دور میں ہند کے علوم مشرقیہ کے علماء و فضلاء میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے " آپ کتب بینی کے بہت شایق تھے خصوصیت سے اردو ۔ فارسی ۔ اور عربی کی نظم و نثر کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ان تینوں زبانوں میں آپ کو شاعری اور انشاپردازی کی قوت حاصل تھی ۔ اور ان زبانوں کے ہزاروں شعر آپ کے خزانۂ دماغ میں محفوظ تھے " آپ عربی و فارسی لغات پر بھی عبور رکھتے تھے " آپ کو عربی میں مضمون نویسی کی قدرت حاصل تھی جو اس زمانے میں غیر معمولی بات تھی " اخبار وکیل امرتسر اور دوسرے اخباروں کی ادارت "بصائر الیقین" کا فی عرصہ تک ادا کرنے کے بعد جب جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن عالم وجود میں آئی تو اس کے شعبۂ تراجم میں آپ کو شریک کیا گیا "اردو زبان کو علمی زبان بنانے میں آپ کا اہم حصہ رہا ہے "

دارالترجمہ میں آپ اپنی لغات دانی اور جا بجا عربی اصطلاحات علمی کی واقفیت کے سبب سے بہت کارآمد ثابت ہوئے " دارالترجمہ کی دو جماعتوں میں سے آپ اس جماعت میں تھے جو اردو میں عربی اصطلاحات کے رواج کے لئے کوشاں تھی " اعلیٰ حضرت نظام دکن نے آپ کی کثرت لغات کی وجہ سے آپ کو قاموس کہا تھا " جس کی بنا پر خیال تھا کہ آپ کو قاموس جنگ کا خطاب عطا کیا جائے "

دارالترجمہ میں وضع اصطلاحات کے علاوہ آپ مترجم بھی رہے " آپ کے قلم سے متعدد عربی تاریخوں کے ترجمے اردو میں دارالترجمہ سے شائع ہوئے ہیں " اسی سلسلہ میں "تاریخ طبری" "طبقات ابن سعد" اور "تاریخ یعقوبی" کے ترجمے آپ نے کئے ہیں "

مترجم کے علاوہ آپ دارالترجمہ کے "ناظر مذہبی" بھی رہے " یعنی دارالترجمہ کی مترجمہ اور مؤلفہ کتابوں پر اس حیثیت سے نظر ڈالتے تھے کہ ان میں مذہبی معتقدات کے خلاف تو کوئی بات نہیں " اسی خدمت کے بعد آپ کو پنشن ملی مگر اس پنشن کے بعد آپ نے حیدرآباد

یہاں چھوٹا اور وہیں توطن اختیار کرلیا۔"

آپ حیدرآباد کی علمی مجلسوں اور محفلوں کے جز و بن گئے تھے۔ دارالمعارف اور کتب خانۂ آصفیہ جو مملکت دکن کے دو اہم اور عظیم الشان علمی مرکز ہیں۔ آپ ان دونوں کے مشیر اور رکن رکین تھے۔

جب ہم ان کتابوں کی تکمیل کر چکے تو معہ اپنے برادر عزیز القدر میاں امداد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناچیز علمی خدمت کا تذکرہ آپ سے کیا۔ آپ نے کافی دیر تک کتابوں کے متعلق تبادلۂ خیالات فرمایا اور ایک روز معہ اپنے صاحبزادے مولوی عثمان عمادی بی۔ ایس۔ سی بلیگ غریب خانہ پر تشریف لائے اور صبح سے شام تک قیام فرما کر کتابوں کو ہر طرح اپنے علمی معیار پر پرکھا اور پھر تو یہ کیفیت تھی کہ کمرے میں ٹہلتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ میرے دہم و خیال میں بھی اس کا تصور نہیں تھا کہ اس قدر اہم اور ایک بڑا عظیم الشان کام اس خاموشی کے ساتھ انجام پا گیا۔ اگرچہ مولانا نور اعلیٰ صاحب طالب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے اکثر اس کام کا تذکرہ کیا تھا مگر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اس کی عظمت کا گہرا نقش اپنے دل پر محسوس کر رہا ہوں۔ چنانچہ اس طرح تمام دن قیام کرنے کے بعد جب علامہ موصوف واپس تشریف لے گئے تو وہ اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے حسب ذیل تحریر کے ذریعہ اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔"

علامہ عمادی کی رائے	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری (زبیرؓ بن عوامؓ) کے خاندان کو عرب و عراق سے تقریباً دوسری صدی ہجری میں رخصت ہونا پڑا۔ اس مقدس خاندان نے سندھ کا رخ کیا۔ اور یہاں آ کے "کنبایہ" میں آباد ہوئے جو قدیم جغرافی تقسیم کے مطابق "تاہل" کے قریب تھا۔ بشاری نے جس کی کتاب ۱۸۷۷ء میں لیڈن (جرمنی) سے شائع ہوئی تھی ۳۷۵ھ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ بشاری ایک بڑا سیاح تھا۔ ۳۷۵ھ میں اس نے تصریح کی ہے کہ میں نے یہ پورا ملک دیکھا ہے۔ مکمل سیاحت کی ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے مشاہدہ اور روایت پر مبنی ہے۔ اسلام میں سندھ کی صنعت پارچہ بافی بہت معروف تھی۔ اس صنعت کا مرکز مقام (کنبایہ) ہی تھا۔

"کنبایہ" جو آلِ زبیر رضی اللہ عنہ کا مستقر تھا تخفیف ہو کر "کنبہ" رہ گیا۔" یہ تخفیف بھی دور کی یادگار ہے جس سے بعد کو اہلِ کنبہ "کنبو" ہو گئے۔ زبان کا یہ تغیر عام ہو گیا۔ لیکن اس قوم کے دل میں تغیر نہ ہو سکا۔ اب تک اپنے خاص اپنا ذات پر حاوی ہے"

مولوی تمکین احمد صاحب زبیری اس کتاب کے جامع ہیں۔ ممدوح نے اس کی تالیف میں انتہائی محنت کی ہے۔"

ہماری لاعلمی تو اس کی کیا قدر کرے گی۔ مستشرقین اگر اس عظیم الشان محققانہ کارنامہ سے آگاہ ہو سکے تو وہ البتہ منزلت شناس ہوں گے۔"

(۲ رمضان ۱۳۶۵ ہجری)

انتظام طباعت کتاب

حیدرآباد دکن کے اہلِ خاندان نے کتاب کی نوعیت۔ بیجا اخراجات اور محنت شاقہ کو ملاحظہ فرمایا تو انہوں نے کتاب کی طباعت کا بار بھی مجھ ہی پر ڈالنا مناسب نہیں خیال کیا بلکہ جملہ اہلِ خاندان کو اس بار کے اٹھانے کی ترغیب دینے کیلئے معظمی مولوی محمد احمد صاحب کے صلاح و مشورے سے ان کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی جس کے معتمد و خزانچی یہ مولوی مشتاق احمد صاحب اور اراکین مولوی شفقت حسین صاحب، نواب احمد صاحب گتہ دار (ٹھیکہ دار) ڈاکٹر محمد یسین صاحب۔ کرنل امیر احمد صاحب۔ اور عزیزی امداد احمد صاحب قرار دیئے گئے۔ اس کمیٹی کی جانب سے مختلف مقامات پر سکونت پذیر اہلِ برادری کے نام چندہ کی اپیل روانہ کی جنہوں نے وقت کی ضرورت کا احساس

کرکے مولوی علی قدر صاحب اپنا اپنا حصّہ ادا کیا۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ خواتین خاندان نے بھی اس بارے میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا اور اس طرح ایک معتدبہ رقم اس کتاب کی طباعت کیلئے جمع کر دی گئی۔ یوں کہنا چاہیئے کہ ان اخراجات کی جانب سے ہمارے اہل خاندان نے ہمیں بے نیاز کر دیا ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارے اہلِ خاندان نے اپنے بزرگوں کے حالات کے محفوظ کئے جانے کا ایسا ہی جذبہ ظاہر کیا جس کی ان سے بجا طور پر توقع تھی۔"

طباعت کی مشکلات

موجودہ زمانے میں حسب خواہش "کتابت" کاغذ کی فراہمی" اور طباعت کے انتظام میں" جیسی مشکلات ہیں اُن سے ارباب نظر ناواقف نہیں ہیں۔ ہم کو بھی ان کی وجہ سے نہایت درجہ سرگردانی سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلے تو کاتب صاحب ہی حسب منشا نہیں ملتے تھے۔ جب منشی شیخ الدین احمد صاحب کاتب ہاتھ لگے اور انہوں نے تندہی سے کام شروع کیا تو ان کی بیماریوں نے کام میں رکاوٹیں ڈالیں۔ آخر خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہوا تو کاغذ کے حصول کے لئے تگ و دو شروع ہوئی۔ اس کام میں بھی نہایت دقتیں حایل رہیں۔ لیکن چونکہ خدا کو منظور تھا اس کام کی تکمیل ہو۔ عزیزی محمد زبیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی انتھک کوششوں سے اس کے ملنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ اب سوال طباعت کا تھا۔ علیگڈھ کے ایک مطبع سے معاملہ کیا مگر جب چند صفحات چھپکر سامنے آئے تو وہ کسی کو پسند نہ آئے۔ لہٰذا وہاں سے قطع تعلق کر کے مسلم یونیورسٹی پریس سے معاملہ طے کیا گیا۔ اس میں بھی جو کوفت اور تکلیفیں ہمیں اٹھانی پڑی ہیں انہیں ہمارا دل ہی خوب جانتا ہے۔ بہرحال جیسی ہماری خواہش تھی اس میں ہمیں کامیابی نہیں ہو سکی" اب جیسا کاغذ اور جیسی بھی طباعت ہے وہ حاضر ہے۔" التماس ہے کہ طباعت وغیرہ میں جو خامی نظر آئے اس سے صرفِ نظر فرمایا جائے" کیونکہ جو بات ہمارے دسترس سے باہر تھی اس میں ہم مجبور تھے۔ البتہ ہمارے دل کو یہ اطمینان ہے کہ ہماری کسی کوتاہی کا اس میں مطلق دخل نہیں ہے۔" اس ضمن میں ہم سید لطافت علی صاحب کے مشکور ہیں۔ اور مولوی عزیز حسین ابن مولوی حبیب حسین ابن منشی جواہر علی صاحب کے حد درجہ شکر گذار ہیں۔ جب عزیز حسین صاحب کے ہاتھ میں پریس کا انتظام آیا تو آپ نے خاص دلچسپی لے کر اس کتاب کی طباعت کرا دینے میں ایسی کوشش فرمائی کہ جلد اس کی تکمیل ہو گئی۔ ورنہ کون جانتا ہے کہ طباعت میں کتنا وقت اور لگ جاتا۔"

کچھ کتاب کے متعلق

ناظرین کو کتاب کے مطالعہ کرنے سے قبل اس طرف دھیان رکھنا چاہیئے کہ اس کتاب کی تحریر میں ہم نے اس بات کو پیشِ نظر رکھا ہے کہ "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" میں ہمارے خاندان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کو مِن وعَن پیش کر دیا جائے" تاکہ جن طریقوں" تحریفوں" اخفا اور اسناد و استدلالات سے کام لے کر مؤلف نے بڑی معصومیت کے ساتھ نتائج منضبط کئے ہیں۔ وہ مِن وعَن سامنے آجائیں" ہم نے اُن کے بیانات کے جواب اُن ہی کی طرزِ نگارش کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیئے ہیں۔ جہاں انہوں نے کسی بات کو ادھورا چھوڑ دیا اور آگے چل کر پھر تنقید کی ہے تو ہم نے بھی پہلے موقع پر صرف اشارہ کر دیا ہے اور دوسری جگہ جہاں انہوں نے اپنا فیصلہ دیا ہے وہاں پوری بحث کر کے تواریخی اسناد سے اُن کی غلط بیانیوں کا پردہ فاش کر دیا ہے" اس طرز نگارش سے اگرچہ تسلسل بیان میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہوتی ہوئی معلوم ہو گی۔ مگر اس سے فائدہ یہ ہے کہ ناظرین پورے واقعات سے بخوبی واقف ہو جائیں گے اور زیادہ سے زیادہ حالات کو معلوم کر سکیں گے" اور جو پھر اعتراضات جن طریقوں سے اس خاندان زیر بحث کی نسبی شرافت پر کئے گئے ہیں اُن کے مکمل جواب نظروں کے سامنے آجانے سے استنباط نتائج میں آسانی ہو گی۔ یعنی مؤلف تحقیق الانساب کی یاوہ گوئی اور ہماری پیش کردہ "تواریخی۔ اثری" تہذیبی" نسلی" اور تعلیمی شواہد کی روشنی میں حقیقت جو ہے وہ خوب طرح آشکارا ہو جائے گی"

اسی طرح ہم نے اپنی دوسری کتاب کو بھی جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں تحریر کی گئی ہے مدوّن کیا ہے۔ تاکہ بیک نظر اس کتاب کے متعلق بھی معلوم کیا جاسکے کہ اس کتاب کے مؤلف صاحب نے کیا فرمایا ہے اور اس کے متعلق حقیقی کیفیت و حالات کیا ہیں۔ اگر اس طرز کو اختیار نہ کیا جاتا تو ان کتابوں کے نوشتوں کی حقیقت اور ہمارے جوابات کے باصواب ہونے کے متعلق ارباب علم و فضل

کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہمارے پیش نظر جو بات رہی ہے اُس کا فائدہ یہ ہے کہ جس قدر اعتراضات اور تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب سامنے آ جائیں۔ اور اُن کا ایسا مکمل جواب دیدیا جائے کہ آیندہ نسلیں مزید اعتراضات سے قطعی مامون اور محفوظ ہو جائیں۔

بہرحال ہم مؤلفین تحقیق الانساب اور تاریخ کمبوہان کے نہایت درجہ مشکور اور ممنون ہیں " اگرچہ انہوں نے اپنی تصانیف سے تخریب کا کام لیا ہے یعنی خاندان زیر بحث کے متعلق اپنے ناظرین کو غلط فہمیوں میں مبتلا کر دینے کی کوششیں کی ہیں۔ مگر وہ ہمارے لئے باعث خیر اور برکت ثابت ہوئی ہیں " نہ وہ ایسی بحثیں چھیڑتے اور نہ ہم اِن کتابوں کے لکھنے پر آمادہ ہوتے " ہم اُن کی یہ بڑی مہربانی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے یہ بڑا اور نیک کام انجام پا گیا۔

شکریہ

میرے اکثر اعزا اور احباب نے اِس کتاب کے لئے مواد کی فراہمی اور عزیزہ بانوں کے تراجم کرنے میں اور مفید مشوروں سے جو بیش قیمت امداد دی ہے ان کا میں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً

(۱) مولوی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر انٹرنیشنل لا (قانون بین الملکت) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

(۲) مولوی خواجہ محمد احمد صاحب ایم۔ اے۔ ڈپٹی ڈائرکٹر (نائب ناظم) آثار قدیمہ ریاست حیدرآباد دکن۔

(۳) مولوی محمد عقیل صاحب فاروقی علیگ تحصیلدار جاگیر بودھن ضلع نظام آباد دکن۔ برادر خورد مولانا محمد شریف صاحب مرحوم سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۴) مولوی فدا علی صاحب طالب مرحوم و مغفور رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ۔

(۵) مولانا مولوی محمود الحسن صاحب ٹونکی مرحوم مصنف معجم المصنفین۔

(۶) مولوی شیخ محمد حسین صاحب قدوائی مرحوم لکھنوی۔ وکیل ضلع کریم نگر دکن

(۷) مولوی عبدالسلام صاحب مرحوم جاگیردار۔

(۸) مولوی امیر الدین حیدر صاحب مرحوم غازی پوری گتہ دار حیدرآباد دکن۔

(۹) مولوی غیاث الدین احمد صاحب فاروقی بی۔ اے۔ علیگ ڈپٹی ایڈ عثمانیہ اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

(۱۰) ڈاکٹر راحت اللہ خاں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کیوریٹر آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن۔

(۱۱) مولوی امتیاز علی صاحب عرشی۔ ناظم کتب خانہ ریاست رامپور۔

(۱۲) مولوی محمد صبغت اللہ صاحب بی۔ اے۔ رئیس امروہہ۔

(۱۳) مولوی محمد احمد صاحب سابق پوسٹ ماسٹر جنرل حیدرآباد دکن۔

(۱۴) صاحبزادہ مشتاق احمد صاحب بی۔ اے۔ آکسن بیرسٹر ایٹ لا۔

(۱۵) منشی محمد صادق حسین صاحب میرٹھی (ہمارے حقیقی ماموں)۔

(۱۶) عزیزی حسن احمد صاحب۔ سابق پوسٹ ماسٹر حیدرآباد دکن (برادر حقیقی)

(۱۷) مولوی انعام احمد صاحب سب انسپکٹر پولیس ریاست حیدرآباد دکن

(۱۸) عزیزی محمد زبیر صاحب اسسٹنٹ لائبریرین لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔

اور دوسرے اصحاب کا بھی شکر گذار ہوں کہ جن کے نام بوجہ طوالت نہیں لکھے جا سکے ہیں لیکن اِس موقع پر ہم کسی طرح منشی داروغہ مقصود حسین صاحب میرٹھی کے شکریہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے جنہوں نے اپنی بے پایاں خلوص و محبت کی وجہ سے ہمارے میرٹھ آنے کے بعد سے اپنا اس

پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اس کتاب کے کاموں میں اپنا عزیز وقت وقف فرما دیا۔ اور ہر طرح ہماری مدد فرماتے رہے۔" اسی طرح مخلصی و محترمی حکیم نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ (برادر خورد مسٹر حامد علی خاں صاحب مرحوم بیرسٹر لکھنؤ) بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے متعدد مرتبہ اپنی اس پیرانہ سالی میں امروہہ سے میرٹھ اسی مقصد سے تشریف لاکر مفید مشوروں سے مستفید فرمایا۔"

اسی ضمن میں ہم کو اپنے برادر عزیز میاں امداد احمد صاحب زبیری بی۔ اے۔ (علیگ) ڈپٹی ایڈ (عثمانیہ) کے متعلق بھی کچھ لکھنا ضروری ہے کیونکہ اس کتاب کے لکھنے میں ان کی کوشش۔ ان کی محنت۔ ان کی تگ ودو اور ان کا خلوص اور ان کے شوق ہی تھے کہ جنہوں نے ہم کو ایسے عظیم الشان کام کرنے کے لئے آمادہ و تیار کر دیا۔ سچ پوچھئے تو صرف یہی ایسی شخصیت ہے جو اس کام میں ہماری ہر طرح اور ہر وقت شریک و سہیم رہی۔ یوں تو اوائل عمر سے ہم کو مطالعہ کا شوق و ذوق رہا ہے۔ مگر کبھی اس کا خیال بھی ہمارے دل میں نہیں گذرا تھا کہ ایک مصنف کی حیثیت سے ہم کو پبلک میں آنا پڑے گا یہ برادر عزیز ہی ہیں کہ جنہوں نے ہمارے ذوقِ علمی کی رہنمائی اس جانب کی اور کتابوں کے لکھنے پر باوجود بہت سے موانعات کے ہم کو تیار کر دیا اور ہمارے آرام کے ایسے سامان مہیا کر دیئے کہ ہم دوسرے خانگی بکھیڑوں سے یکسو ہو کر صرف اس کام میں منہمک ہو سکے۔ اور خدا نے ان کے خلوصِ نیت کا یہ ثمرہ عطا فرمایا کہ ہماری تصانیف عالمِ وجود میں آسکیں۔ اس لئے ہمارے شکریہ سے تو وہ بالکل بے نیاز ہیں مگر ان کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ان کے خوابوں کی دنیا ایک حقیقت بنکر ان کے سامنے آگئی ہے۔ اور جس کام کو ان کے بزرگوں نے (خدا اپنی رحمت کے پھول ان پر نچھاور کرے) شروع کیا تھا اس کے انجام کو پہونچانے میں خود ان کی امداد شامل ہے۔ وما توفیقی الا باللّٰہ۔

(عزیزی میاں محمود اختر سلّمہ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں صبح دوپہر شام جب اسکول اور کھیل سے فرصت پاتے تو کاتب صاحب سے ضرور کہہ جاتے کہ جلد اپنا کام ختم کر دیں اور اس طرح ہمارا کام ہلکا کر دیتے تھے۔")

خاتمہ

خدا کا شکر و احسان بے پایاں ہے کہ اس نے ہمیں ایسی ہمت و استقلال عطا فرمایا کہ جس کی وجہ سے ہم اس اہم کام سے عہدہ برآ ہو سکے۔ یہ پوری کتاب، سیر زبیری کنبوی خاندان کے عہد بہ عہد کے حالات کی ایک جھلک نظروں کے سامنے آجائے گی۔ عرب ہو یا عجم، ہند ہو یا ہند، وہ جس جگہ رہے یا گئے طلبِ علم اور اشاعتِ علوم ان کی خصوصیات رہیں جہاں گئے قلم و علم ان کے ساتھ رہا جہاں آباد ہوئے اس کو علمی مرکز بنایا۔ چنانچہ موجودہ دور میں بھی اس خاندان کا تعلق اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں ہے۔ اور اس میں ناخواندگی بمنزلہ صفر کے ہے۔ قدیم و جدید تعلیم میں یہ خاندان صفِ اوّل میں نظر آئے گا۔ مسلم یونیورسٹی کی تاسیس میں اس کا جو حصہ رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اٹاوہ و آگرہ کے انٹرمیجیٹ کالج منیبیہ کالج میرٹھ۔ امروہہ میرٹھ امروہہ وغیرہ وغیرہ کے مذہبی وغیر مذہبی مدارس اسی خاندان کے بزرگوں کے رہینِ منت ہیں۔ تحفظِ نسل و نجابت اور دوسرے اوصاف حمیدہ سے یہ خاندان خدا کے فضل و کرم سے ہمیشہ سے تا اینم متصف ہوتا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک بفضلہ تعالیٰ اس خاندان میں یہ بات موجود ہے۔ اور جو اصحاب جس جگہ ہیں وہ اپنے ہم عصروں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل نظر آتے ہیں۔

سیدنا حضرت عروہؓ بن سیدنا حضرت زبیرؓ اپنے اہلِ خاندان سے فرمایا کرتے تھے کہ "علم سیکھو۔ اس لئے کہ اگرچہ تم اس وقت اپنی قوم کے چھوٹوں میں ہو مگر عنقریب دوسری قوموں کے بڑے بن جاؤ گے۔ جہالت بہت بری چیز ہے خصوصاً قوم کے سردار کے لئے۔" اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں سب سے زیادہ زاہد میرے گھر کے لوگ ہیں۔"

یہی وہ نصیحتیں اور ان کے اسلاف کے زہد و اتقا، علم و فضل، نجابت و شرافتِ نفس ہیں کہ جنہیں آلِ زبیرؓ نے اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور صرف اسی مشعل کو وہ اپنے ہاتھ میں لیکر ہر زمانہ کے بگڑتے ہوئے حالات سے گذرتے چلے گئے اور ہر دور اور ہر زمانہ میں اپنی مخصوص خصوصیات کو قایم و دایم رکھا۔

ہماری بحث میں جن دوسرے خاندانوں کا ذکر آگیا ہے وہ برسبیلِ تنقید ہے کیونکہ مؤلف امروہوی نے ان خاندانوں پر جس بے جا طریقہ سے داد تحقیق دی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ کے وقت وہ پیشِ نظر رہیں تاکہ ان کی تصوراتی دھڑے بندی، معاندانہ ذہنیت اور یارٹی بازی اور اپنے آپ کو افضل القریش بیان کرکے سارے زبیریوں، صدیقیوں، فاروقیوں، عثمانیوں، سیدوں کو شکست

دینے کی اُن کی خواہش کا اظہار ہو سکے۔

درحقیقت ہم کو کسی خاندان کی تنقیص یا برائی مدِ نظر نہیں ہے۔ جو بھی وہ اپنے آپ کو لکھتے ہوں ہم کو اُس سے کوئی غرض نہیں۔ یہاں تو مقطع میں سخن گسترانہ بات آ جانے کے مدِ نظر بحث کی گئی ہے "کیونکہ انسان ہونے کی حیثیت سے سب لوگ آدم ہی تو اُکی اولاد ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے انسانو! چاہے تم کہیں کے رہنے والے ہو، کسی برادری کے ہو، کسی رنگ کے ہو۔ تم سب کو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے" کسی کو چھوٹا یا بڑا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور اسلام کا مقصد ہی اونچ نیچ کو مٹانا رہا ہے۔ اگر علیحدہ علیحدہ برادریاں بنائی گئی ہیں تو وہ صرف جان پہچان کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اور اس لئے کہ آپس میں صلہ رحمی کر سکیں۔ رتبہ و درجہ کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ فرق درحقیقت انسان کے شرافتِ نفس اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ "فضیلت اُنہیں کو ہے جن کا تقویٰ بڑھا ہوا ہے"

بقول ایڈیٹر صاحب ماہنامہ تجلّی دیوبند بابتہ ماہ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۸ "ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے امتیازات فضول ہیں۔ بلاشبہ نسبتوں اور سلسلوں کا تنوع تمدن و عمرانیت کا نتیجہ لازمی ہے۔ سرشت و مزاج کے فرق سے اوصاف و اطوار کا فرق ناگزیر ہے عقل و فکر کے اختلافات اٹل ہیں۔ نسبی سلسلے صحت کے ساتھ رکھنے ضروری ہیں لیکن معاندانہ اور متقابل ذہنیتوں کو ختم کرنا بھی واجب ہے۔ خیال و تصور کے مستقل اصول بنا کر رسّہ کشی کرنا سوائے نفاق و تباہی کے اور کوئی نتیجہ نہیں رکھتا۔ اللہ بس باقی ہوس"

میرٹھ

۱۹ مئی ۱۹۷۹ء

حسین احمد زبیری

مولوی محمدؐ احمدؐ صاحب زبیری

پوسٹ ماسٹر جنرل (وظیفہ یاب) مملکت نظامِ حیدرآباد دکن

۷۸۶

فہرست مضامین کتاب ہذا
خاندان زبیدی کنبوی کے متعلق

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کی تحقیقات کا تجزیہ

باب ششم

داہنے سے بائیں کو۔ حسن محمدؒ اکمل - امداد احمدؒ - حسین احمد مؤلف - حسن حمیدہ خاتون - حسن احمدؒ - حسن محمدؒ شفیع

پشت پر - (محمد یعقوب ملازم) الطاف احمدؒ عرف خورشید احمدؒ زبیری (محمد انکس علی ملازم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانِ زبیری کنبوہی کے متعلق

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کی تحقیقات کا تجزیہ

باب اوّل

صوبجات ممالک متحدہ کے مختلف مقامات یعنی۔ امروہہ۔ سنبھل۔ مرادآباد۔ بریلی۔ میرٹھ۔ مارہرہ اور لکھنؤ وغیرہ میں شرفائے کنبوہ کے بعض نامور اور سربرآوردہ خاندان آباد ہیں۔ نویں صدی ہجری یا بالفاظ دیگر لودیوں کی سلطنت کے زمانہ سے کتب تاریخ و سیر میں مشاہیر قوم کنبوہ کے جابجا تذکرے ملتے ہیں۔ جن میں مخدوم شیخ سماؤالدین۔ شیخ جمالی۔ نواب شہباز خاں اکبری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ہندوستان کے بعض نامور علماء و مشائخ، امراء و اطبا و شعراء اس نامور قوم میں پیدا ہوئے زمانۂ حال میں نواب وقارالملک مرحوم اور ڈاکٹر ضیاءالدین احمد جیسی بلند پایہ ہستیوں سے اس خاندان عالی شان کا نام روشن ہے۔ (تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم صفحہ ۲۳۲)

ملک میاں چمن | بیان مندرجہ بالا کا دوسرا ٹکڑا کہ نویں صدی ہجری یا بالفاظ دیگر لودیوں کی سلطنت کے زمانہ سے اس قوم کے جابجا تذکرے ملتے ہیں۔ صحیح نہیں ہے جس کی تکذیب کے لئے پہلے ہم خود مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ ہی کی تحریر کو پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۳۲ پر "لودیوں سے پیشتر" سیدوں کے زمانۂ سلطنت ۸۱۶ ہجری تا ۸۵۵ ہجری میں "اسی خاندان کے ایک بزرگ "ملک میاں چمن" کا مکمل حال ان الفاظ میں درج کیا ہے کہ۔

(۱) "ملک سردارالملک نے اوّلاً "سدپال و سدارن کھتری" اور ان کے عزیزوں کو جو "مبارک شاہ" کے قتل کے سلسلہ میں "بیانہ و امروہہ" و نارنول و کہرام" اور ملک دوآبہ کے چند پرگنے" جاگیر میں دیئے۔ لیکن یہ حالت چند روز رہی"

"محرم ۸۳۸ ہجری مطابق ۱۴ اگست ۱۴۳۴ء کو "سردارالملک" اور اس کے چند ہندو معاونین" ایک معرکۂ جنگ میں قتل ہو گئے۔ اور "امروہہ" "ملک چمن" المخاطب بہ "غازی الملک" کی جاگیر میں دیدیا گیا"

مؤلف صاحب کی اس تحریر کو پیش کرنے کے بعد یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ "تاریخ مبارک شاہی" اور "طبقات اکبری" نیز دوسری کتابیں اگر انہیں نہیں مل سکی تھیں تو وہ "تاریخ فرشتہ" ہی کو بہ نظر غائر دیکھ لیتے۔ تاکہ انہیں بخوبی معلوم ہو جاتا کہ "میاں چمن" یا "ملک چمن" جن کی شخصیت "خاندان سادات" اور "لودیوں" کے زمانۂ سلطنت میں اس قدر نمایاں رہی ہے کس خاندان عالی شان کے گل سرسبد تھے"

۸۲۴ ہجری کے واقعات میں "تاریخ فرشتہ" میں لکھا ہے کہ "مبارک شاہ نے ملک چمن نبیرۂ فیروز خاں کو سردارالملک وزیر" اور "سید السادات سید عالم" کے ہمراہ "شرقیوں" کے مقابلہ پر روانہ کیا" اور ۸۳۶ ہجری کے واقعات میں تحریر ہے کہ "ملک چمن حاکم بداؤں" نے

"سید مبارک شاہ" کے قاتلوں یعنی "سرور الملک" اور اُس کے "ہندو معاونین" کو "کمال الملک" وغیرہ کے ساتھ مل کر قتل کر دیا" اور "محمد شاہ بن فرید خاں بن سید خضر خاں" کو اُن کے پنجہ سے آزاد کیا۔ اور "غازی الملک" کا خطاب پایا۔

پھر ۸۵۵ ہجری کے واقعات میں مرقوم ہے کہ "سلطان بہلول لودھی" کے دربار میں بوقت تخت نشینی چونتیس[۳۴] نامی گرامی امیر موجود تھے۔ جن میں بہت سے اُمراء بادشاہ کے عزیز و اقربا اور ابتدا رکھی تھے۔ اِن اُمراء کی فہرست میں ملک چمن نبیسہ خان جہاں کا نام بھی موجود ہے۔

بن بعد ۸۹۴ ہجری کے واقعات میں "تاریخ فرشتہ" میں "سلطان سکندر لودی" کی تخت نشینی کے وقت جن ترپّن[۵۳] اُمراء کی موجودگی کی فہرست دی ہے۔ اُس میں "میاں چمن کنبوہ مجاب خاص" اور "عماد الملک کنبوہ" کے دو نام بھی لکھے ہیں"۔

جیسا کہ ہم نے ابھی دکھایا ہے "مورخ فرشتہ نے" ملک میاں چمن" کو نبیرۂ فیروز خاں" اور نبیسہ خان جہاں" بتایا ہے۔ اُس زمانہ میں "وزیر" "سپہ سالار اعظم" اور "گورنروں وغیرہ میں سے "بہت با اختیار و عالی جاہ" اُمراء کو بادشاہ "خان جہاں" کے خطاب سے سرفراز کیا کرتا تھا" فیروز خاں" بھی اپنے زمانہ میں "رکن رکین سلطنت اور نمایاں شخصیت کے مالک تھے"۔ اِس لئے مورّخ نے ایک جگہ "میاں چمن" کے نانا کو۔ اور دوسرے موقع پر اُن کے دادا کا نام بتا کر اُن کے حالات میں اُن کی وجاہت و علوئے مرتبت خاندانی کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ اگر ۱۲۳۵ ہجری کی مصنفہ کتاب سلسلۂ عالیہ کے ص[۵] کے اِس فقرے کو کہ "چنانچہ در دہلی قدامت اقامت ایں گروہ مشہور است" مؤلف صاحب نے نظر انداز کر دینا مناسب خیال کیا تھا۔ تب بھی اُن کا فرض تھا کہ وہ "فرشتہ" کی دکھلائی ہوئی اِس روشنی کی طرف قدم بڑھاتے اور "ملک چمن" کے بزرگوں کی تلاش کے لئے چند تاریخوں کی ورق گردانی کر لیتے" اگر وہ ایسا کرتے تو اِس خاندان کے اکثر بزرگوں کو "لودیوں کے زمانۂ سلطنت کی کتب تواریخ و سیر" کے ماسوائے "سیدوں تغلقوں خلجیوں" بلکہ ترکوں کی سلطنت میں بھی بالضرور پا لیتے۔ اور اُن کی حیثیت کو بھی معلوم کر لیتے"۔

غازی الملک "میاں چمن" کے آثار سے ایک محلّہ "موسوم بہ چمن سرائے" اب تک "سنبھل ضلع مراد آباد میں موجود ہے" پہلے یہ سارا علاقہ یا محلّہ "میاں چمن" کے اہلِ خاندان کے قبضہ میں تھا" اور آج بھی اُن کے چند گھرانوں کی جو وہاں سکونت گزیں ہیں اُس کے ایک حصہ پر ملکیت قائم ہے"۔

تاریخ سنبھل موسومہ معرکۂ عظیم مطبوعہ اہلِ سنت برقی پریس مراد آباد کے صفحہ پر تحریر ہے کہ "بعہد سلطنت ابوالفتح مبارک شاہ" "میاں چمن کنبوہ" "حاکم شہر بدایوں" تھے۔ انہوں نے "کمال الملک" سے ملکر "حمید خاں" جیسے غیر وفادار کو شکست دیکر دہلی کو فتح کیا" اور "غازی الملک" کا خطاب پایا۔ "بہلول لودی" اور "سکندر لودی" کے اُمراء میں شریک تھے۔ ۸۹۵ ہجری میں "سکندر لودی" کے حجاب خاص ہوئے" اور "سکندر کے ساتھ" "بہار میں" "سنبھل میں" مقیم رہے۔ تو "شیخ چمن" نے اپنے نام پر "محلہ چمن سرائے" آباد کیا۔ ص[۱۰۵] پر تحریر ہے کہ "حضرت سید سالار غازی مسعود" کا نیزہ کا تہوار "منگل کو "موضع شہباز پور" کی اراضی میں ہوتا ہے۔ اور دوسرے دن "بدھ کو باسی نیزہ حدود شہر میں "محلہ چمن سرائے" اور "بریلی سرائے" کے درمیان ہوتا ہے" بدھ کے دن والا میلہ اچھا ہوتا ہے" ص[۱۱۹] پر تحریر ہے کہ "منگل کے دن کا میلہ تازی لیکن بدھ کے دن کا باسی کہلاتا ہے" جو شہر کے مشرقی آبادی "محلہ چمن سرائے" میں "خوش پوشاک اہلِ شہر کا ہوتا ہے"۔ (تاریخ سنبھل مرتبہ حکیم غلام احمد صاحب فریدی ۱۳۰۵ ہجری)

مولانا جمال الدین (ب) اِس خاندان کے ایک دوسرے بزرگ "جمال الدین دہلوی" ابن حضرت حسام الدین ملتانی "سلطان محمد تغلق" کے زمانے میں اپنے علم و فضل کے لئے مشہور تھے" اور فارسی شاعری میں اُن کو درجۂ امتیاز حاصل تھا" اِن دونوں بزرگوں کے تذکرے "کتب تواریخ و سیر" وغیرہ میں برابر ملتے ہیں" اور اِس زمانہ میں بھی کبھی کبھی علمی تحقیقات کے ضمن میں اُن کے حالات منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ "ہندوستان کے فارسی ادب کے خصائص کے تذکرے میں" "مولوی ضیاء الدین احمد صاحب ایم۔ اے۔ ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی۔ حال ریڈر فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے "جمال الدین دہلوی" کے متعلق "رسالہ معارف اعظم گڈھ" میں لکھا ہے کہ "حضرت امیر خسرو دہلوی" کے بعد "جمال الدین دہلوی کنبو بن حسام الدین ملتانی" مدّاح سلطان محمد تغلق (تخت نشینی ۷۲۵ ہجری۔ وفات ۲۱ محرم ۷۵۲ ہجری مطابق ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء)" "بدر الدین بدر چاچی۔ (مشہور مشکل گو") اور "مظہر گجراتی" اور چند اہلِ فضل جن میں بعض ہندی اور بعض عجمی تھے ہندوستان میں "فارسی شاعری" کے رکن رکین مانے جاتے تھے"۔ (رسالہ معارف اعظم گڈھ ص ۲۹۱،۲۹ مرتبہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

"شاہانِ سلف کی ادب نوازی" کی سُرخی کے تحت عالمگیر کے سالانہ نمبر ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ۔

"سلطان محمدؒ تغلق کے دربار میں ایک دفعہ "مولانا جمال الدین" نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا" ؎

آلہی تا جہاں باشد نگہدار ایں جہانباں را محمدؒ شاہ تغلق ابنِ تغلق ابنِ سلطان را

بادشاہ نے مطلع سُنکر ہی روک دیا اور کہا کہ میں پورے قصیدے کا اِنعام نہ دے سکوں گا۔ اور حکم دیا کہ شاعر کے سر تک اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا جائے۔ جب ڈھیر سر تک آیا تو مولانا جمال الدین کھڑے ہو گئے۔ "بادشاہ نے قدِ آدم ڈھیر لگوایا۔ اور سب اشرفیاں اِنعام میں بخش دیں"

اور حکایاتِ شاہانِ قلمی (موجود در کتب خانۂ مؤلف کتاب ہٰذا) مؤلفہ نواب احمد اللہ خاں زبیری میرٹھی۔ ولادت ۱۸۲۷ء عیسوی وفات ۱۵ رمضان ۱۳۰۹ ہجری کے صفحہ ۷۶ پر تحریر ہے کہ۔

"سلطان محمدؒ تغلق کے حالات میں "ہفت اقلیم میں لکھا ہے کہ "مولانا جلال الدین نے قصیدہ اُس کا کہا۔ مطلع اُس کا یہ ہے ؎

آلہی تا جہاں باشد نگہدار ایں جہانباں را محمدؒ شاہ تغلق ابنِ تغلق ابنِ سلطان را

جب یہ مطلع پڑھا باقی کو منع کیا۔ کہا کہ میں تمام اشعار کا صلہ ادا نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا کہ تھیلیاں روپیہ کی گرد مولانا کے رکھیں۔ جب نزدیک سر کے پہنچیں۔ مولانا کھڑے ہو گئے۔ سلطان بہت خوش ہوا۔ اور فرمایا سر تک تھیلیاں چنو"

مولانا جلال الدین کا یہ واقعہ (تاریخ سیر المتاخرین جلد اوّل کے صفحہ ۱۲۴) پر بھی سلطان محمدؒ تغلق کے حال میں تحریر ہے"

یہاں بھی ایک ہی نام جمال الدین اور جلال الدین [illegible] بیانات [illegible] بالا [illegible]

شیخ حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال قدس سرہٗ

(ج) اِس دودمان عالی شان کے تیسرے بزرگ "حضرت شیخ حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال ملتانیؒ" مرید "مخدوم شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ" کے اور خلیفہ شیخ صدر الدین عارف قدس سرہٗ العزیز" کے تھے۔ ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں "سلطان غیاث الدین بلبن" کے انتقال سے ڈیڑھ برس بعد" آپ کا وصال ۶۸۷ ہجری میں بداؤں" میں ہوا۔ اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے" آپ "سلطان العارفینؒ" اور آپ کے بھائی حضرت بدر الدین ملتانیؒ" شاہ ولایت "بداؤں" کے اُستاد" اور "نواب شہباز خاں اکبری کے "جدِ ششم تھے"

اِس خاندان کی بحث میں صفحہ ۲۳۳ پر خود مؤلف موصوف نے بھی "مآثر الامراء" سے لیکر آپ کا ذکر بدیں الفاظ نقل کیا ہے کہ۔

"شہباز خاں کنبوہ" نسبش بہ شش واسطہ" بہ حاجی جمال" میرسد"

لیکن ہمیں یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ "لودیوں کے زمانۂ سلطنت سے بہت پہلے کی کتابوں میں آپ کے حالات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں "فوائد الفواد" مرتبہ حضرت حسن سجزیؒ (المتوفی ۷۳۵ ہجری) دوست حضرت امیر خسروؒ (المتوفی ۷۲۵ ہجری) اور مرید و خلیفہ "حضرت نظام الدین اولیاءؒ" (المتوفی ۷۲۵ ہجری) میں سے "حاجی جمالؒ" کے متعلق ایک واقعہ لکھتے ہیں "اُس میں تحریر ہے کہ۔

"روز دوشنبہ ۱۸ ر محرم ۷۱۹ ہجری کو سعادت دست بوسی حاصل ہوئی" اُس دن ہمارا لشکر "بداؤں" سے آیا ہوا تھا" بداؤں" اور اُس کے آس پاس کا ذکر ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اِس لشکر کو وہاں تک دیکھا گیا۔ بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہے۔ جیسا کہ والد بزرگوار" مولانا علاؤ الدین اصولیؒ" و مولانا سراج الدین ترمذیؒ" و خواجہ شادیؒ

ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں "اُن کا قاعدہ ہے کہ جن کتابوں کو وہ اپنے مقاصد کے منافی سمجھتے ہیں" اُن کے بیانات دینے تو الگ رہے اُن کے ناموں تک کا ذکر نہیں کرتے۔"

"مصباح العاشقین" میں کیونکہ "مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہٗ العزیز" کا شجرۂ نسب درج ہے" اور مؤلف صاحب کو "مخدوم صاحب" کے شجرے پر بحث کر کے اُسے غلط ثابت کرنا ضروری تھا۔ اس لئے انہیں مجبوراً اس کتاب کا نام ظاہر کرنا پڑا۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اس کے وجود میں مشتبہ کی پھریری لگا دی اپنے مقصد کے پیشِ نظر مناسب قرار دی ہے۔ "ہمیں یہاں بس اتنا بتانا ہے کہ "مؤلف موصوف نے اس جگہ "مصباح العاشقین" کے وجود کو صرف "مشتبہ" ظاہر کرنے پر اکتفا کیا ہے" مگر سات آٹھ صفحات آگے بڑھ کر "اس کتاب کے وجود ہی سے قطعاً انکار کر دیا ہے اور اپنے بیان کے ثبوت میں دلیلیں بھی پیش کی ہیں" تو کیونکہ اُس موقع پر جہاں یہ بحث دوبارہ آئے گی "مؤلف صاحب کی تحقیقات کی حقیقت ہمیں پھر دکھانی ہے۔ اس لئے یہاں اِس بارے میں اِسی قدر لکھنا کافی ہے۔"

(۴) نواب شہباز خاں اکبری کے "شجرۂ نسب" کے بلا حوالہ "درج ہونے کا جو ذکر مؤلف صاحب نے کیا ہے اُس کے متعلق ہم انھیں بتاتے ہیں کہ "نواب شہباز خاں المتولد [illegible] ہجری المتوفی [illegible] ہجری" کا شجرۂ نسب "رسالہ مبارک" "سلسلۂ عالیہ" اور "رسالہ شہباز خاں" اِن قدیم کتابوں میں درج ہے "سلسلۂ عالیہ مطبوعہ ہے۔ نایاب نہیں ہے" اور مؤلف صاحب کے وطن "امروہہ" ہی کے اکثر گھرانوں میں موجود ہے "رسالہ مبارک" بھی طبع ہو چکا ہے "المشاہیر" میں "سلسلۂ عالیہ" کا ذکر دو جگہ ہے۔ ایک تو مصنف صاحب کے حالات میں۔ دوسرے اُن کے بیالیس کتابوں کی فہرست میں جن سے صاحب المشاہیر نے حالات لئے ہیں۔ (رسالہ مبارک بھی اسی فہرست میں) المشاہیر کی تحریر ہے" اگر مؤلف صاحب اِن کتابوں کو دیکھتے تو انہیں نواب شہباز خاں کے شجرۂ نسب کا حوالہ ضرور مل جاتا۔"

"رسالہ شہباز خاں" قلمی ہے۔ اس کے مؤلف "نواب شہباز خاں" کے قریبی عزیز۔ اور اُن کے حقیقی بھائی "کرم اللہ" المتوفی [illegible] (از اُمرائے کبار شاہنشاہ اکبر" کے رشتہ دار ہونے کے علاوہ ملازم بھی تھے۔ یہ رسالہ "نواب مظفر حسین خاں" ابن نواب سبحان علی خاں "داروغہ کے بادشاہ گر) ابن حسین علی خاں ابن غلام حسین خاں" (مدار المہام مہاراجہ بنارس) ابن ہمت خاں "(از عمدہ امیرانِ والا شاہی محمد شاہ بادشاہ دہلی" کے پاس تھا۔ اُن کے پاس سے "ہادی علی صاحب نقوی" (والد مولوی ..." کے پاس پہنچا۔ اور اب ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے) یہاں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ "نواب مظفر حسین خاں" اور "ہادی علی صاحب" دونوں اِسی خاندان زیر بحث کے چشم و چراغ اور شیعہ مذہب کے پیرو تھے" اگر وہ چاہتے تو اس "رسالہ" کو چھپا ڈالتے اور آسانی کے ساتھ "آلِ کمون یعنی فاطمی سید" بن جاتے۔ مگر انہوں نے شیعہ ہونے اور شیعوں کے ترغیب دلانے پر بھی اپنے جدِ اعلیٰ "حضرت شاہ زبیر" تک کے ...... سلسلۂ نسب کو نہیں چھپایا۔"

تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۹۵ پر لکھا ہے کہ۔

"غیر بنی فاطمہ" خواہ بنی ہاشم ہوں۔ یا غیر بنی ہاشم "جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت "سیادت کا دروازہ اُن کے لئے کھل جاتا ہے"

لیکن اِس خاندان کے شیعہ بزرگوں نے کبھی اِس بات کو گوارا نہیں کیا۔ خاں صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی "مؤلف شمس التواریخ" اگرچہ اپنی پشتوں سے شیعہ مذہب کا پیرو ہے" "حکیم صاحب موصوف خود بھی راسخ الاعتقاد شیعہ اور اسی خاندان کے جو حضرت زبیر سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ ایک بزرگ ہیں۔ کئی برس قبل جب وہ عتبات عالیات کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے "[illegible]" میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی دورانِ گفتگو میں فرمایا تھا کہ "شیعہ حضرات نے بارہا زور دیا کہ ہم اپنے آپ کو "سید" کہا کریں۔ لیکن ہم نے کسی طرح اُن کی بات کو نہ مانا۔ انہیں کیا ہے" حالانکہ جعفر زبیر کی اولاد ہو کر سید کہلانا اُن کے لئے انوکھی بات نہ ہوتی۔"

مذکورہ بالا دونوں شجروں کی اہمیت اِس بات سے ظاہر ہے کہ "اِس خاندان کے شیعہ مذہب رکھنے والے بزرگوں میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی انہیں قبول کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا" اور سید بنانے والی ترغیبوں کو ہمیشہ رد کر دیا" اب رہی یہ بات کہ اِن دو خاندانی کتابوں سے پہلے

کی اور کسی کتاب میں "نواب شہباز خاں" کا شجرۂ نسب کیوں درج نہیں ہے۔ تو اس کے جواب میں تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ (۱۵۱) پر مؤلف صاحب نے جو عبارت خود اپنے قلم سے تحریر کی ہے "اسی کے لکھ دینے پر ہم اکتفا کرتے ہیں" وہ لکھتے ہیں کہ ۔

"شرفائے ہند" کے خاندانی حالات کا ماخذ اکثر و بیشتر یہی خاندانی روایات تھیں جنہوں نے مختلف زمانوں میں تحریری شکل اختیار کی۔ اور یہ روایت اگر روایتاً صحیح اور درایتاً معقول تھیں۔ تو انہیں بعد میں تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی "خاندان حنا سید متوطنہ امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کی طرح زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

مؤلف امروہوی کی اس تحریر کے بعد تو "نواب شہباز خاں" کے شجرۂ نسب کی اہمیت کی کوئی حد اور اس کے قابلِ قبول ہونے میں شک کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں ہے "کیونکہ ان کا شجرہ قریباً چار سو برس کی تصنیف میں ہے" جبکہ اس کے مقابلہ میں "مؤلف صاحب کا شجرۂ نسب ابھی حال میں تصنیف ہوا ہے یعنی ان کے شجرے بلکہ کسی بزرگ تک کا کوئی تذکرہ ستر اسی برس پہلے کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اور یہ کتاب بھی انہیں کے ایک بزرگ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۵) مؤلف صاحب کے آخری فقرے کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے "صرف ان کی جانی بوجھی بات کو کاغذ پر لکھ دیا ہے" اس خاندان کا قدیم الایام سے ہندوستان میں یہ دستور رہا ہے کہ اپنی بیٹی کسی دوسرے خاندان میں خواہ وہ شیخ یا سید ہی کیوں نہ ہو کبھی نہیں دی " اگر اس خاندان کے کسی شخص نے اپنی خاندانی بیوی کی زندگی میں بیوی کے بانجھ ہونے پر بھی دوسری شادی کر لی چاہی ہے تو خاندان میں سے کسی نے پہلی بیوی کی موجودگی میں اسے لڑکی نہیں دی " اگر کسی شخص نے دوسرے خاندان۔ برہمن ۔ راجپوت ۔ مغل ۔ پٹھان ۔ وغیرہ اور شیخ و سید کی لڑکی سے شادی کی بھی ہے۔ تو ان بیبیوں کو خاندانی بیبیوں کا درجہ نہیں دیا۔ اور ان سے جو اولاد پیدا ہوئی اسے قبول نہیں کیا۔ ان کی شادیاں ان کے ہی ماثل لوگوں میں ہوئی ہیں " پانچ سو برس سے زیادہ کا شجرہ اس خاندان میں ایسا موجود ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کی شادی کہاں ہوئی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی۔ وہ کہاں بیاہی گئی " کم و بیش پچاس سال قبل ایک بزرگ نے اپنی ان لڑکیوں کی جو خاندانی بی بی کے بجائے ایک بیدانی کے بطن سے تھیں۔ ان لڑکیوں کے ماثل خاندان کے لڑکوں کے بجائے "صدیقی اور سید خاندانوں کے لوگوں سے شادیاں کیں " اس خاندان میں یہ پہلی مثال ہے کہ خواہ "نجیر کتو" کی بی بی سے ہی وہ بیٹیاں کیوں نہ تھیں یا ہر دی گئیں " اور یہ لڑکیاں مع اپنی اولاد کے ہمیشہ کے لئے اس "دودمان عالی شان سے خارج ہو گئیں" اس لئے مؤلف صاحب کا یہ کہنا بھی بر حقیقت ہرگز نہیں ہے کہ جن لوگوں کے شجرے "حضرت زبیر" تک نہیں بیان کئے گئے ۔ اس بنا پر کہ ان کی قرابتیں بھی مذکورہ بزرگوں سے چلی آتی ہیں۔ جیسا انھیں بھی "زبیری" قرار دیدیا گیا ہے ۔

مؤلف موصوف کو بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ اس خاندان کے حالات میں قیاسات کی آڑ میں چھپ کر تیر چلانے سے وہ اپنے مقصد میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے "

ہم انھیں بتلاتے ہیں کہ "کتابیں جو اس خاندان کے بزرگوں نے لکھی ہیں انہوں نے اپنا مقصد تمام افراد خاندان کے جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے اور جو مختلف شہروں میں مسکن گزیں رہ چکے ہیں۔ شجرے لکھنا قرار نہیں دیا تھا " ان میں سے بعض تو ایسی مثنوی ہے کہ اپنا شجرہ تحریر کرنا در رہا " انہوں نے اپنے باپ دادا تک کا نام نہیں لکھا ہے بعض نے اگر اپنا سلسلہ لکھا ہے اور اس میں دو تین پشت کی شاخیں بھی لکھ دی ہیں مگر اوپر کی پشتوں کی شاخوں کو جو چھوڑ دیا ہے۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ "ان ترک شدہ شاخوں کی نسل ان کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی " مثلاً "مولانا صاحب الملشاہ مہرزہی کے سلسلہ کو ہم پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے صفحہ ۔ پر ۔ اپنا سلسلہ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں صرف اپنے دادا کی " اپنے والد کی اور خود اپنی ساری اولاد ذکور بتلائی ہے ۔ اور دوسرے بزرگوں کی ان اولادوں کو چھوڑ دیا ہے جن سے ان کا نسبی سلسلہ نہیں چلا ہے " تو کیا اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کے دوسرے اجداد کی جو اور اولادیں ہوئیں پھر ان سے جو شاخیں چلیں وہ

" صاحب آلمشاہیر " کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اور مؤلف موصوف کے بیان کے مطابق قرابتیں ہوتے رہنے کی وجہ سے ہی وہ قیاساً اُن کے عزیز اور ہم نسب قرار دیئے جا سکتے ہیں " ہم نہیں سمجھ سکے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انہوں نے ایسی تحریرات کیوں لکھدی جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے "

مؤلف صاحب کے بیانات کی غلطیوں کا بطلان کرنے کے بعد اس خیال سے کہ شاید کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ خلش پیدا ہو جائے کہ " زبیریوں کا یہ خاندان " دوسرے خاندانوں " قریشیوں " ہاشمیوں " اور " فاطمیوں " تک سے رشتہ کرنے سے کیوں پرہیز رکھتا اور کن باتوں اور مصالح کی بنا پر اس بارے میں سختی برتنے کو ضروری سمجھتا رہا ہے " اس کے متعلق یہاں صرف اتنا ہی لکھدینا کافی ہے کہ یہ عمل پاکیزگی نسل کے خیال سے تھا کہ قوم میں احساس کمتری نہ پیدا ہو سکنے پائے۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہوگا کہ قدیم سے اس خاندان کو اپنی نجیب الطرفینی قائم رکھنے میں کیسا اہتمام چلا آرہا ہے " بحر الابرار کے صفحہ ۲۹۷ تا ۲۹۹ پر تحریر ہے کہ۔

زبیری کنبوی کے خاندان میں پاکیزگی نسل و اتحاد قومی قائم رکھنے کا بہترین عمل

نقل است کہ شیخ حسین کنبو بہرتی " والٰہ بخش کنبو بخدمت شاہ العالمین التماس نمود " کہ حضرت سلامت " در قرآن مجید حق تعالیٰ در باب اولاد خیر بندگان خود چنین فرمودہ است " المال والبنون " زینت الحیوٰۃ الدنیا " بندہ درگاہ کہ از ثمرۂ اولاد بے نصیب است " در این باب ہیچ تدبیر خود معلوم نمی کند۔ یا توفیق ترک تعلق دنیوی عنایت شود " یا از درگاہ قاضی الحاجات " فرزند نرینہ خواستہ بر این مخلص مرحمت نمایند۔ کہ بعد از فقیر در دنیا فاتحہ خوان آباؤ اجداد خود باشد۔ در این باب الحاح و تضرع بسیار کرد "

حضرت شاہ العالمین " بعد از این عرض مراقبہ شدہ۔ بعد از زمانے سر برآوردہ فرمودند کہ فلان کس " در " قوم کنبوان " دو زن ہم بیضے دولتمندان دیگر در حبالۂ نکاح می آرند "

عرض کردہ " کہ حضرت سلامت " باوجود کہ یک منکوحہ در حبالۂ حیات باشد۔ ہیچ ہم قوم آن شخص را دختر خود بہ نکاح نمی دہد " و زن غیر قوم ما بکار نمی آید۔ و فرزندان آن اہلیہ و خود ہم آن زن کہ از قوم بیگانہ باشد " عزت نمی یابد " و در مجلس شادی وغیرہ " در صف نعال " ماندہ و بجا نشست نمی یابد۔ و لہٰذا تعدادی فرزندان " و دختر " قوم کنبوہ " نمی دہند "

چون " الٰہ بخش " این ہمہ مقدمات عرض کرد حضرت شاہ العالمین " بعد از تامل بسیار فرمودند کہ " میان شیخ الٰہ بخش " شما را از درگاہ الٰہی احتیاجات فرزندان نرینہ درخواستہ کردہ دعا بنمائیم۔ خاطر خود از جانب اولاد جمعیت باشد کہ حق تعالیٰ شما را فرزندان خواہد داد۔

نقل ہے کہ " شیخ حسین کنبو بہرتی " والٰہ بخش کنبو نے حضرت شاہ العالمین (حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی المتوفی ۹۴۹ھ) کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت سلامت، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کو یہ خبر دی ہے کہ " مال و اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہے " یہ بندہ درگاہ ثمرۂ اولاد سے بے نصیب ہے اس بارے میں کوئی تدبیر اپنا معلوم نہیں ہوا۔ یا تو دنیوی ترک تعلق دنیوی کی عنایت ہو۔ یا درگاہ قاضی الحاجات سے اس مخلص کے لئے فرزند مرحمت ہونے کی دعا فرمایئے۔ تاکہ اس فقیر کے انتقال کے بعد وہ اپنے باپ دادا کی فاتحہ دلاسکے " اور اس بارے میں انہوں نے بہت الحاح و زاری کی "

حضرت شاہ العالمین نے یہ باتیں سنکر مراقبہ فرمایا اور دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ قوم کنبوان میں بعض دولتمند دوسری قوموں کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آتے ہیں "

عرض کیا کہ حضرت سلامت جبتک کسی کی ایک بیوی زندہ رہ کر رہی ہو قوم اس شخص سے نکاح میں اپنی لڑکی نہیں دیتا ہے " اور غیر قوم کی عورت خاندان کے کام نہیں آتی۔ اور اس کی اولاد اور خود وہ عورت بھی قوم سے عزت نہیں پاتی۔ اور مجالس شادی و غمی وغیرہ میں تمام عورتوں میں وہ بیٹھنے کی جگہ نہیں پاسکتی۔ اور اس سے پیدا شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں قوم کنبویین میں نہیں ہو سکتیں "

جب الٰہ بخش کی یہ تمام باتیں حضرت شاہ العالمین کی خدمت میں عرض ہوئیں۔ تو بہت تامل کے بعد فرمایا کہ میاں الٰہ بخش " ہم کو اولاد عطا کرنے کے واسطے خداوند تعالیٰ سے درخواست کی ہے " اپنے دل کو اولاد کی طرف سے مطمئن رکھو کہ حق تعالیٰ تمہیں اولاد عطا فرمائے گا "

الہ بخش مذکور این طور مژدہ راحت بخش کہ از زبان الہام بیان
عبدالستار استماع نمود از انجا برخاستہ بیرون شد۔

دریں ضمن شیخ عبدالستار جھنجھانوی کہ ہمیشہ در خدمت وقت بوقت حاضر می بود۔ آں روز بر آستانہ در ایستادہ از صفائے باطن کہ بسبب خدمت لایزال حاصل داشت۔ اکثر اوقات مشرف بہ خطرات حضرت شاہ العالمین می بود۔ الٰہ بخش را پیش خود طلب داشتہ ایں بیت خواند ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز
ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

بعد ازاں الٰہ بخش گفت کہ حضرت پیر دستگیر دیدند کہ ازیں عورت شما را اولاد نخواہد شد۔ خواستہ بودند کہ بہتر و نیج دا ہلیہ دوم امر فرمایند۔ اما شما گفتند در قبیلۂ کنبوان زن غیر کفو را و فرزندان او را عزت نمی باشد۔ بلکہ طعن و طشن فرزندان را یاد میکنند۔ بنا براں حضرت شاہ العالمین صریح بشما نگفتند۔

اما تامل تفکر دراں باب کہ حضرت ایشاں فرمودند معلوم شدہ چنیں شد۔ کہ از حق تعالیٰ افتادہ حیات طبع زن شما خواستن یقین کہ بعد از انتقال او بزن ہم قوم را خواستگاری کرد ازاں پنج پسر و سہ دختر بوجود خواہند آمد۔

بعد ازاں مرور ایام ہمچناں بوقوع آمد۔ کہ منکوحہ الٰہ بخش وفات یافت۔ عنقریب زن دیگر از قبیلۂ کنبویان در نکاح آورد۔ از وے پنج پسر و سہ دختر متولد شدند۔

گویند کہ بعد از استماع ایں سرگذشت کہ از شیخ عبدالستار بنسبت شیخ الٰہ بخش کنبو ظاہر شد حضرت شاہ العالمین از شیخ عبدالقدوس (شیخ عبدالستار) رنجیدہ فرمودند کہ جریان کارخانہ الٰہی بر ارباب حل ضرور است و کشف ہم چنیں اسرار بر خلق باعث خسران است۔ بعد ازاں شیخ عبدالستار را بہ اداء دوازدہ ہزار بار استغفار امر فرمودند۔ (ص ۲۹۷ تا ۲۹۹ بحر الابرار قلمی تصنیف جمال محمد شروع ۱۰۲۴ھ وختم کتاب در ۱۰۳۷ھ)

الٰہ بخش مذکور یہ مژدہ راحت بخش جو زبان الہام سے بیان ہوا عبدالستار سے سنکر وہاں سے اٹھکر باہر آ گئے۔

اس بارے میں شیخ عبدالستار جھنجھانوی نے جو ہمیشہ خدمت میں وقت بیوقت حاضر رہتے تھے۔ اس روز آستانہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے صفائے باطن سے جو بسبب خدمت لایزال کے انھیں حاصل تھا۔ اور اکثر اوقات بہ خطرات حضرت شاہ العالمین مشرف ہوتے تھے الٰہ بخش کو اپنے سامنے بلا کر یہ بیت پڑھی ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز
ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

اس کے بعد الٰہ بخش نے کہا کہ حضرت پیر دستگیر نے دیکھا ہے کہ اس بیوی سے تم کو اولاد نہیں ہوگی۔ وہ چاہتے تھے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے کو تم سے فرمائیں لیکن تم نے کہا کہ قبیلۂ کنبوان میں غیر کفو کی عورت اور اس کی اولاد کی عزت نہیں ہوتی۔ بلکہ طعن و طشن سے ایسی اولاد کو یاد کرتے ہیں۔ اسلئے حضرت شاہ العالمین نے صاف طور سے تم سے نہیں کہا۔

لیکن اس معاملہ میں تامل اور تفکر جو حضرت والا نے فرمایا اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے تمہاری بیوی کی زندگی کے ختم ہونے کو چاہا ہے یقین ہے کہ اس کے انتقال کے ہم قوم عورت سے تمہاری شادی ہوگی۔ اور اس سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوں گی۔

اس کے بعد کچھ عرصہ گذرنے پر ایسا ہی وقوع میں آیا کہ الٰہ بخش کی بیوی نے وفات پائی اور ان کی شادی قبیلۂ کنبویان میں دوسری عورت سے ہوئی اور اس سے ان کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

کہتے ہیں کہ اس سرگذشت کے سننے کے بعد کہ جو شیخ عبدالستار سے شیخ الٰہ بخش کی نسبت ظاہر ہوئی حضرت شاہ العالمین نے شیخ عبدالقدوس (شیخ عبدالستار) سے رنجیدہ ہو کر فرمایا کہ جریان کارخانہ الٰہی ارباب حل و عقد پر ضرور ہے اور اس طرح کے بھیدوں کا خلق پر ظاہر کرنا بہتر ہے لئے نقصان کا باعث ہے۔ اس کے بعد شیخ عبدالستار کو بارہ ہزار بار لائے استغفار کے واسطے حکم فرمایا۔ (ص ۲۹۷ تا ۲۹۹ بحر الابرار قلمی تصنیف جمال محمد شروع ۱۰۲۴ھ وختم کتاب در ۱۰۳۷ھ)

نوٹ: شجرہ مشہور در میاں احمد خاں کنبوی اکبرشاہی کے ص ۵۲ پر شیخ ابراہیم پسر رابع مخدوم شیخ نصیر الدین پسر سوم و خود حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ کی اولاد کا حال اس طرح لکھا ہے کہ شش فرزند ارجمند از ایشاں بوجود آمدند ہر یکے صلاح آثار و فضیلت شعار بودند بزرگش شیخ حبیب اللہ وغیرہ۔ دوم شیخ حسین سوم میاں خواجہ و چہارم شیخ شہر اللہ پنجم شیخ عبداللہ ششم شیخ زاہد کہ از دو برادر فضلی نیست شیخ حسین و شیخ عبداللہ

باب چہارم

"قبل ازیں کہ ہم "کنبوہ" قوم کی "تاریخ اور نسب پر" "تاریخی اور جغرافی اور اثری" شہادتوں سے روشنی ڈالیں یا مستذکرہ بالا بزرگوں کے سلسلۂ نسب پر" جو "المشاہیر" "شمس التواریخ" میں درج کیا گیا ہے "علم الانساب اور تاریخ" کی رو سے تنقید کریں" یہ دیکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ "صوبۂ ممالک متحدہ کے کنبوہ حضرات" جن بزرگوں کی اولاد ہیں "ان میں ایسی کتنی ہستیاں ہیں جنہیں کوئی تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اور ان کے نسب کے متعلق کیا ثبوت بہم پہنچتا ہے" (تاریخ امروہہ - جلد ۴ - صفحہ ۲۲۳)

ہمیں مؤلف صاحب کے اس بیان پر کوئی اور تبصرہ کرنا منظور نہیں ہے "یہاں اس امر کو پیش نظر رکھنے کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے کہ انہوں نے اپنے نسب کی تحقیقات میں جن شہادتوں کو پیش کیا ہے" انہیں خود اپنے قلم سے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۶۹ پر اس طرح تحریر کیا ہے کہ "عہد سلاطین" میں خلفائے عباسی کی اولاد سے بعض بزرگ وارد ہند ہوئے" مگر "فرشتہ" نے ان عباسی شہزادوں کے نام لکھے ہیں" اور کسی دوسرے مورخ نے اس کی تصریح کی ہے" تاہم خاندانی روایات میں علی التواتر مذکور ہے کہ ایک شہزادہ کا نام "محمد یوسف تماجن کی اولاد میں "خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ ہے" اور صفحات صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱ پر لکھا ہے کہ۔

"کیونکہ ہمارے ہندوستانی مورخین کی عادت ہے کہ "وہ صرف ان ہی واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں جو ملک کی سیاسی حالت۔ یا جنگ و جدال" اور بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں" کہیں کہیں "علماء اور مشائخ" کا تذکرہ بھی ملتا ہے" لیکن شرفا کے مشہور اور تاریخی خاندانوں اور ان کے مورثوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں" ان حالات کو عام اور معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیتے ہیں" اس لئے مخدوم زادگان عباسی" اور ان کے خاندانی حالات۔ ان کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے" خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی "سادات و شرفا کے دیگر خاندانوں کی طرح" زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

اس بیان کے علاوہ "کسی جگہ اوپر یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ان کے کسی بزرگ کا شجرہ اور حال کسی بھی کتاب میں کم و بیش ششصد اسی برس پہلے نہیں لکھا گیا۔ اور سارا دار و مدار صرف خاندانی روایات پر ہے)" مگر وہ اس خاندان کی تحقیقات پر برخلاف اپنی تحریر کے "تاریخی" "جغرافی" اور "اثری" شہادتوں سے روشنی ڈالنی "نیز علم الانساب اور تاریخ کی رو سے تنقید کرنا چاہتے ہیں" ہم ان کی مطلوبہ شہادتوں کے بہم پہنچانے سے قاصر نہیں ہیں"

باب پنجم

"مخدوم شیخ سماؤ الدین" ان کے فرزند "شیخ عبد اللہ بیابانی" اور "مخدوم صاحب کے مرید و خلیفہ مولانا جمالی" ایسے بزرگ ہیں۔ جن کا تذکرہ "کتب تواریخ و سیر" میں ملتا ہے۔ نیز "نواب شہباز خاں" "شیخ گدائی" اور بعض دیگر اشخاص کا ذکر "عہد مغلیہ" کی "کتب تواریخ و سیر" میں پایا جاتا ہے" لیکن ان تمام اشخاص میں سے کسی ایک شخص کے متعلق بھی کہیں تحریر نہیں کہ وہ "زبیری النسل" یا "عربی النسل" تھے۔ کتب تواریخ و سیر میں ہر جگہ "کنبوہ" "طائفہ کنبوہ" یا "قوم کنبوہ" وغیرہ الفاظ سے ان کے نسب کا اظہار کیا گیا ہے" ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں"

۱ (الف) "میاں چمن کنبوہ" و "عماد الملک کنبوہ" (تاریخ فرشتہ در ذکر سلطان سکندر لودی)

(ب) "میاں جمال خاں مفتی دہلی" شاگرد پدر بزرگوار "شیخ نصیر الدین" و برادر "میاں لادن" از طائفہ کنبوہ است" (منتخب التواریخ۔ شیخ عبد القادر بدایونی۔ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی۔ صفحہ ۔)

(ج) "شہباز خاں کنبوہ" بہ شش واسطہ بہ "حاجی جمال" میر سد کہ مرید "مخدوم بہاؤ الدین ذکریا" ملتانی بود۔ ہر شب جمعہ صد اشرفی "شیرینی نذر" حضرت غوث الثقلین قدس سرہ" بخش می کرد "بمردم کنبوہ" آں قدر دادکہ ہیچ کس از ایں قوم "در ہند پریشان و بد حال نماند" (مآثر الامراء جلد سوم۔ مطبوعہ صفحہ ۔)

(د) "شیخ جمالی دہلوی" اصلش از قوم کنبوہ" دست ارادت بخال خود" "شیخ سماؤ الدین" آورده بود" ایں گروہ دانش پژوه" کہ ابتدا خود از مولانا" میگیرند" و مولانا خود از ایشاں (یعنی قوم کنبوہ بود)

(تذکرہ ماضیہ از سید حسین تسبمل قلمی)

(س) "شاہ شہباز" از قوم کنبوہ" باشندۂ سنبھل" (کاشف الاستار مؤلفہ حضرت شاہ حمزہ مارہروی قلمی)

پنجاب اور ملتان ہیں "جہاں سے" صوبہ ممالک متحدہ کے تمام "کنبوہ خاندانوں" کا نکاس ہوا ہے "کنبوہ قوم کے افراد" قدیم الایام سے بکثرت آباد ہیں "لفظ کنبوہ" ان کا قومی لقب چلا آتا ہے" اس لئے ان خاندانوں کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "لفظ کنبوہ کا" اور ان کی قومیت و نسب کے اظہار میں "طائفہ کنبوہ" اور قوم کنبوہ" کا عام طور سے استعمال کیا جاتا" کیا اس امر کی دلیل نہیں ہے۔ کہ اس زمانے میں ان خاندانوں کو بھی اسی مشہور و معروف قوم سے سمجھا جاتا ہے۔ جو اب تک "پنجاب" میں بہ تعداد کثیر آباد ہے"

(تاریخ امروہہ۔ جلد ۴۔ صفحہ ۲۳۳ و ۲۳۴)

مؤلف صاحب کے اس بیان میں کئی باتیں توجہ طلب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ "انہوں نے جو صرف چار نام اس خاندان کے بزرگوں کے دیکھ دیا ہے کہ" اور بعض دیگر اشخاص کا ذکر عہد مغلیہ کی کتب۔ تاریخ و سیر میں ملتا ہے" اس فقرے سے مغالطہ ہونے کا اندیشہ ہے" صحیح یہ ہے کہ "مغلیہ زمانے سے بہت پہلے کی کتب۔ تاریخ و تذکرہ سے لگاکر ہمارے زمانے کی کتابوں تک میں" اس خاندان کے بزرگوں کے تذکرے مسلسل درج ہوتے آئے ہیں"

دوسرے یہ کہ کسی قدیم مورخ نے یہ ہرگز نہیں لکھا کہ یہ خاندان "زبیری یا عربی النسل" نہیں ہے۔ بلکہ اُن میں سے کسی نے اس خاندان کو قریشی" کسی نے "زبیری النسل" اور کسی نے اسی خاندان کے کسی بزرگ کو "والا حسب" اور عالی نسب" لکھا ہے "مؤرخین کے بس کی بات بھی نہیں ہے اور نہ اُن کے یہ کام کبھی پیش نظر رہا ہے کہ جس جس شخص کا حال اُن کی کتابوں میں آتا جائے۔ وہ اس کے نسب کو بتانے کا بھی التزام رکھیں" کبھی کبھی کتابوں میں کسی شخص کے نام کے ساتھ یا ذکر میں اُس کے نسب پر بھی روشنی پڑ گئی ہے" اس لئے ایک مؤلف کا فرض ہے کہ جہاں پر وہ روشنی مل سکتی ہے اُسے تلاش کرے" اور اندھیرے میں رہ کر ہی اپنی تسکین کی کوشش نہ کرے"

تیسرے یہ کہ مؤلف صاحب کا یہ فقرہ کہ "پنجاب اور ملتان" سے اس خاندان کا نکاس ہوا ہے" صحیح نہیں ہے۔ اس میں سے پنجاب کو خارج کر دینا چاہیئے" بالراست یہ خاندان "دہلی" اور اس کے اطراف میں "ملتان" کے سوا اور کہیں سے نہیں آیا"

چوتھی یہ کہ "اس خاندان کو پہلے "کنبوہ" یا "کنبوہ" نہیں کہا جاتا تھا مثل دیگر عربی خاندانوں "سبزواری" "بخاری" "ترمذی" وغیرہ کے۔ اس کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ ہی اُن کا سکنی لقب "کنبوہی" بولا اور لکھا گیا" اس زمانے سے آج تک ان متعدد تاریخوں اور تذکروں میں وہ لقب بلا کسی مسخ کے اپنی اصلی صورت میں تحریر ملتا ہے" کسی اگلی کتاب میں کہیں "کنبوہ" یا "کنبوہ" کاتب کی غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ تو پچھلے کچھ ناقلوں نے اس بات سے غرض نہیں رکھی ہے کہ وہ اس کی تصحیح فرما لیتے"

مثلاً "تاریخ فرشتہ" فارسی میں "مشہور و معروف بزرگ "حضرت شیخ احمد کھٹو" کو مؤلف یا کاتب" یا ناقل" کسی نے بھی غلطی

"شیخ احمد کنبو" لکھدیا ہے لیکن آج تک کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ اِس غلطی کو درست کر دیتا" عرصہ ہوا جب ایک ترجمہ "تاریخ فرشتہ" کا "نولکشور صاحب نے اُردو زبان میں کرا کر شائع کیا تھا" حال ہی میں "محکمۂ دار الترجمہ سرکار عالی حیدر آباد دکن نے اِس کا ترجمہ کرا کر اور چھپوا کر شائع کیا ہے" اِن دونوں ترجموں میں بھی "شیخ احمد کھٹو" کے بجائے "شیخ احمد کنبو" ہی لکھا ہوا ہے۔ جو "سلطان احمد شاہ گجراتی" و "سلطان محمود شاہ گجراتی" المشہور بہ "سلطان محمود بیگرہ" کے حالات میں دیکھا جا سکتا ہے"

پانچویں یہ کہ "جب یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خاندان زیر بحث کو "کنبوہ" یا "کنبو" پہلے نہیں کہا جاتا تھا اور یہ بعد کی بات ہے تو اُسے "پنجاب" کی کثیر التعداد قوم کمبوہ" سے سمجھا جانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ جن تاریخوں سے "کنبو" طائفہ کنبو" (خاندان کنبو) "قوم کنبو" کے لفظ لیکر "مؤلف صاحب نے پیش کئے ہیں۔ اُن سب میں۔ (۱) "منتخب التواریخ" قدیم ہے سنہ ۱۰۰۴ ہجری میں "اکبر بادشاہ" کے زمانہ میں اس کے مصنف کی وفات ہوئی ہے۔ اور پیدائش سنہ ۹۴۷ھ کی ہے۔ (۲) "تاریخ فرشتہ" کا زمانہ "شاہنشاہ جہانگیر" کا ہے۔ اُس کی تالیف سنہ ۱۰۱۵ ہجری کی ہے"
(۳) "مآثر الامراء" سنہ ۱۱۵۵ ہجری میں نادر شاہ کے حملہ اور دہلی کے قتل عام سے قریباً بیس برس بعد "نظام الملک آصف جاہ" کے زمانے میں "دکن" میں لکھی گئی۔ (۴) "خزانۂ عامرہ" کے مصنف کی وفات کا زمانہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری ہے" (۵) اور "کاشف الاستار" کے مؤلف صاحب کی وفات سنہ ۱۲۹۵ھ میں ہوئی" ولادت کا زمانہ سنہ ۱۲۳۱ ہجری ہے" (۶) "تذکرہ ماضیہ" "سید حسن سنبھلی" قریبی زمانہ کی کتاب ہے"

گویا "اوّل الذکر دو کتابوں کے سوا باقی ماندہ دوسری کتابیں" دو اور ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصہ کی تحریر شدہ نہیں ہیں" اور شاہیہ سلطنت کی کمزوری کی وجہ سے جو طوائف الملوکی پھیل گئی تھی اُس زمانے کی ہیں"

مختصراً اتنا لکھنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ "مؤلف آمروہوی نے کیونکہ یہاں یہ بحث ختم نہیں کی ہے" پھر آگے چل کر اپنے اسی بیان کے ثبوت میں "مندرجہ بالا کتابوں کے حوالوں کے علاوہ مزید شہادتیں اور بھی پیش کی ہیں" اِس لئے اُن کی تلاش کی پوری داد دینے کا یہ موقع نہیں ہے" جہاں وہ اپنا یہ بیان مکمل کریں گے" وہاں اِنشاء اللہ ہم اُن کے اخفا اور دھوکوں کی حقیقت تفصیل سے دکھائیں گے" اور انہیں کی پیش کردہ کتابوں سے بھی اُن کے اِخفاء کا پردہ چاک کر کے اصلیت کو ظاہر کریں گے"

باب ششم

سب سے اہم دلیل اِس امر کی کہ مخدوم شیخ سماؤ الدین" "شیخ جمالی" "نواب شہباز خاں" وغیرہ کے خاندان بھی اِن ہی خاندانوں کی ایک شاخ ہیں۔ جو "پنجاب میں" بتعداد کثیر آباد ہیں۔ اور جو اپنا سلسلۂ نسب" اِسی قوم کے قدیم چھتری خاندان سے ملاتے ہیں" یہ ہے کہ "اگر یہ خاندان" جیسا کہ وہ اب بیان کرتے ہیں حقیقتاً عربی النسل" یا "زبیری" ہوتے تو اُس زمانہ میں جبکہ "کنبوہ" نام سے "ہندوستان میں ایک بڑی قوم آباد تھی۔ اور یہ لوگ محض کسی "نسبت مکانی کی وجہ سے "کنبوہ" یا "کنبو" مشہور ہو گئے تھے" یقیناً اِس التباس کو رفع کرنے کے لئے جو بوجہ وحدت لقب ان میں" اور "قدیم کنبوہ قوم میں" پیدا ہو گیا تھا "کتب تاریخ میں" جہاں اِن بزرگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہاں ان کے نسب کو بصراحت ظاہر کیا گیا ہوتا" دوسرے "مورخ اور تذکرہ نویس" اگر اُن کے نسب کی وضاحت سے قاصر رہے تھے تو خود "قوم کنبوہ کے مورخین" اِس فرق و امتیاز کو" بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے" لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود "شیخ جمالی" نے

ف ۱ :۔ علیٰ حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد کھٹو مرید خاص حضرت بابا اسحٰق مغربی کے اور اپنے زمانے کے قطب وقت تھے حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ زبیری کنبوی المتوفی سنہ ۹۰۱ ہجری ساٹھ سال کی عمر میں جب گجرات تشریف لائے تھے تو آپ بھی یہیں تھے۔ اس وقت حضرت شیخ احمد قدس سرہ کی عمر ایک سو تین سال کی تھی" آپ نے کمالات و استعداد حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ نور باطن سے دریافت کر کے اُن کو اپنا معتقد خاص بطور تبرک دیا تھا جسے حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے قبول فرمایا تھا" حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد کا مقبرہ گجرات میں احمد آباد کے پاس قصبہ سرکھیج میں ہے "کھٹو کہلانے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے پیر حضرت بابا اسحٰق مغربی گجرات کے موضع کھٹو میں رہتے تھے جہاں حضرت شیخ احمد کھٹو لڑکپن سے اُن کے پاس آ گئے
[illegible]

جو اس قوم کے متبحر عالم۔ اور صاحبِ تصنیف بزرگ ہیں۔ اپنی تصنیفات میں کہیں بھی "اپنے مرشدِ طریقت" "مخدوم شیخ سماؤالدین" کے حالات اور تذکرہ میں اپنے یا اُن کے "زبیری نسب ہونے پر" کوئی روشنی نہیں ڈالی" حالانکہ انہوں نے "مخدوم صاحب کے حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کئے ہیں" "پس ایسی حالت میں اُن کا" اپنے مرشد برادرِ نسبی" کے اِس شرفِ نسبی کی طرف جو انہیں "نبیرہ زادہ نبوی" ہونے کے لحاظ سے حاصل تھا۔ اور جس میں خود "شیخ جمالی" بھی شریک تھے "اشارہ تک نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے"

درآں حالیکہ وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ "ایک ہندی نژاد قوم" اُن کے خاندان کے ہم لقب "قرب و جوار میں اور بھی آباد ہے" اور اندیشہ ہے کہ آیندہ چل کر جو مماثلت آگے "اِن دونوں کے درمیان "اشتباہ اور التباس" نہ پیدا ہو جائے" لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ اپنے نسب سے واقف تھے اور کسی طرح اپنے خاندان کو "عربی" "قریشی" یا زبیری" نہیں سمجھتے تھے" (تاریخ امروہہ۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۳۳۴ و ۳۳۵)

مؤلف صاحب کی یہ دلیل بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی "ہم انہیں بتاتے ہیں کہ خاندانِ زیر بحث کے بزرگوں کی تصنیفات کی تعداد معقول ہے" اُن میں سے چند کے صرف نام معلوم ہیں جو دوسری کتابوں میں ہیں۔ اور وہ ضائع ہو گئی ہیں کیونکہ تلاش بسیار کے بعد بھی ہمیں اُن کا کوئی سراغ نہیں مل سکا" مگر مختلف زمانوں کی جو کتابیں آج خاصی تعداد میں موجود ہیں "اُن میں بعض نے اپنے نسب پر بھی روشنی ڈالی ہے" اگر مؤلف صاحب کو یہ روشنی نہیں آسکی ہے تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ ہم انہیں دکھلا دیں گے" "علاوہ اِن بزرگوں کی تصنیفات کے یہ روشنی بعض دوسرے مورخوں اور تذکرہ نویسیوں کے بیانات میں جہاں موجود ہے" "ہم انہیں وہاں بھی پہنچا دیں گے"

جن اصحابِ نظر نے "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ العزیز" کے حالات کو مطالعہ کیا ہے "وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ "کس حال میں تھے۔ دنیا اور اس کے معاملات سے کتنے نفور تھے۔ جاہ و مکنت اور شرفِ نسبی کی اعمال کے سامنے اُن کے نزدیک کیا حقیقت تھی" مؤلف صاحب نے جب خود "المشاہیر" کے صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵ پر اُن کے حال میں یہ پڑھا ہے کہ "شیخ" (جمالی رح) دولتِ معنوی سے معمور" اور مکنت و جاہِ دنیوی سے نفور ہو چکے تھے" عنقائے بلند پرواز۔ جیفۂ مردار) دنیا کی طرف ملتفت نہ ہوئے" بعد ملاحظہ رقعہ (سلطان سکندر لودی) فرمایا کہ "فقرا کو مجالستِ اغنیا کی پروا نہیں"

اور سیر العارفین میں دیکھا ہے کہ "شیخ جمالی رح" نے اپنے آپ کو سوائے "احقر الانام" "حقیر" "فقیر" اور "درویش" کے اور کسی بھی لفظ کے ساتھ نہیں لکھا" تو ایک ایسے بزرگ طریقت سے جس نے اپنے آپ کو بالکل خاکسار بنا لیا ہو۔ اور ماسوائے اللہ کے کسی سے واسطہ نہ رکھا ہو یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی کتاب میں اپنے شرفِ نسبی کو جس میں فخر و ناز کا پہلو نکلتا ہے "ظاہر کرے گا۔ اِن مؤلف صاحب ہی کا کام ہے" آج دنیا کو "مخدوم شیخ جمالی" کے اپنا سفرنامہ نہ لکھنے پر کتنا رنج ہے۔ اور وہ کیسے پر درد الفاظ میں کہہ رہی ہے کہ "اے کاش وہ اپنا سفرنامہ لکھ دیتے" اگر وہ لکھ جاتے تو بالیقین اُس کی قدر و قیمت "ابن بطوطہ" اور "مارکو پولو" کے سفرناموں سے بہت زیادہ ہوتی۔ اِس لئے کہ اُن کی قوتِ ایمانی۔ تبحرِ علمی۔ جرأت۔ اور ذکاوت کے سامنے اُن دونوں سیاحوں کی حقیقت کچھ بھی نہ تھی" اُس سے ایسے واقعات معلوم ہوتے جو پردۂ خفا میں رہ گئے ہیں اور جن کے معلوم کرنے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے" مگر کیونکہ "مخدوم شیخ جمالی رح" دوسرے ہی عالم میں تھے۔ انہوں نے ان تمام اور اغراض کے خطرہ سے بھی۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اپنا سفرنامہ "ہندوستان" "خراسان و ایران" "عراقین و آرمینیہ" "شام و عرب و روم" "اور مصر و اقصائے مغرب" وغیرہ لکھ جانے پر اُن کے نام کے ڈنکے تمام عالم میں بجتے دنیا تک بجتے رہیں گے "اِس طرف مطلق توجہ نہیں کی" اور صرف "سیر العارفین" میں کچھ ارکانِ طریقت کے حالات لکھ کر ان کے حوالے کر دی" آپ کا یہ شعر مقبول جنابِ رسالت مآب صلعم ہے

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات ÷ تو عین ذات می نگری در تبسمی

مندرجۂ بالا حالات میں اگر "مخدوم شیخ جمالی رح" نے اپنے مرشدِ طریقت کے شرفِ نسبی کا اظہار اپنی کتاب میں پسند نہیں کیا تو اس کے یہ معنی کس طرح نہیں نکالے جا سکتے کہ وہ "عربی" "قریشی" "یا زبیری" نہیں تھے" یا اپنے آپ کو "زبیری" نہیں سمجھتے تھے" یہ حقیقت ہے کہ اپنے زمانے میں بلا کسی شک اور شبہ کے بالاتفاق سب کے نزدیک

پیری تسلیم تھے۔ بلکہ خود اُن کا مرتبہ اس قدر اعلیٰ وارفع تھا کہ اُن کو اپنے تفاخر نسبی کیلئے ڈھنڈورہ پیٹنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ "سلطان بہلول لودھی" خود اور اس کے باپ، دادا "ملتان" کے باشندے تھے وہ "شیخ جمالی" کے خاندان کے علاوہ مرتبت اور نسبی شرف سے اچھی طرح واقف تھے "مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز" سے "سلطان بہلول" و "سکندر" کی ارادت اور "مخدوم شیخ جمالی" سے "سلطان سکندر" کی والہانہ محبت کو "تاریخوں" میں دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس نہج پر تھی "سلطان سکندر" کے حالات میں یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ سے لوگوں کے نسب کا کتنا خیال تھا "تاریخ فرشتہ" میں ہے کہ۔

"جو شخص بادشاہ کے پاس آتا "بادشاہ" اُس کا نسب پوچھکر اُس کے حسب حیثیت اُس پر نوازش کرتا تھا"

مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ۔

"شیخ جمالی" جب "سنبھل" کے نزدیک پہنچے تو فرط شوق سے "دو تین کوس خود بادشاہ نے استقبال کیا" اور بڑی آؤ بھگت سے لیا "پھر تا دم حیات اُنھیں اپنے آپ سے جدا نہیں ہونے دیا۔ عمر بھر وہ اُن کے ساتھ ہمساز و ہمراز و ہم صحبت و ہم زبان رہا"

حضرت مخدوم شیخ جمالی کے حالات مؤلف صاحب نے "المشاہیر" میں خود پڑھے ہیں اُن میں وہ منظوم خط بھی دیکھا ہے جو سلطان سکندر نے حضرت مخدوم صاحب کو لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

چشم بجمال و تو نیسان است ٭ دل مرغ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضر مائی ٭ آں بہ کہ بسوئے ما بیائی

اور اسی کتاب "المشاہیر" میں حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز کے حالات" میں یہ بھی پڑھا ہے کہ بہلول لودی اُن کی حضوری میں با اجازت حاضر ہو کر حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے قدموں پر اپنا سر رکھدیا کرتا تھا" اور سلطان سکندر لودی کو آپ سے والہانہ ارادت تھی" اپنی تخت نشینی کی طرف سے وہ اس وقت تک مطمئن نہیں ہوا جب تک کہ اُس نے حضرت مخدوم صاحب سے اپنے حق میں دعا نہ کرا لی اور سب بھائیوں میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے جب وہ بادشاہ ہو گیا تو حضرت مخدوم صاحب کے اس فقرہ کو پیش نظر رکھکر اپنا لقب "سکندر" رکھا تھا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ تو سکندر ثانی ہوگا" اگر یہ دونوں بزرگ عربی الاصل اور "پیری النسل" نہ ہوتے تو سلطان سکندر لودی جیسا شخص جسے نسب کا بڑا خیال تھا کسی طرح بھی ان کی طرف رجوع نہیں ہو سکتا تھا" شیخ عبدالغفور المعروف میاں لاڈن نبیرہ حضرت شیخ سماؤالدین جو مخدوم شیخ جمالی کے برادر نسبتی کے صاحبزادے اور مرشد تھے "جب سلطان سکندر لودھی کے پاس آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو جب تک اُن کا قیام آگرہ میں رہتا تھا "سلطان سکندر" انہیں کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے" بادشاہوں کی امامت نماز جو سادات سے مخصوص تھی۔ تو اب سلطان سکندر جیسے نسب کا خیال رکھنے والے بادشاہ کے میاں لاڈن کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق مؤلف صاحب اعتراض کیا فرماتے ہیں" مزید یہ ہے کہ میاں لاڈن سلطان سکندر کے مشیر مذہبی بھی تھے"

مخدوم شیخ جمالی۔ المتوفی سنہ ۹۴۲ ہجری اور اُن کے مرشد طریقت کے "قریشی و پیری" ہونے کی یہی اسناد نہیں ہیں۔ آگے اور بہت سی دالی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "مولانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن المتوفی سنہ ۹۴۳ ہجری۔ جد مادری شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے دادا "مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز کے مرید و خلیفہ اور بڑے عابد و زاہد و ذاکر و شاغل" متقی و پرہیزگار۔ دانشمند و کامل عارف اور بزرگ تھے جنہوں نے جمال صوری اور کمال معنوی پایا تھا اور بڑے خاندانی تھے" دائم روزہ رکھتے اور رشتہ داروں کا ہی لقمہ کھایا کرتے تھے" جنہیں "سلطان ابراہیم لودی" نے اپنی جماعت کا عہدہ دینا چاہا مگر انہوں نے احتیاط و تقویٰ کے سبب ہرگز قبول نہیں کیا" اپنے پیر و مرشد مخدوم سماؤالدین کا شجرہ نسب اپنی کتاب "مصباح العارفین" میں درج کیا ہے جو "حضرت زبیر بن العوام" تک منتہی ہوتا ہے" اب یہ دوسری بات ہے کہ مؤلف صاحب کو مشکل ہی اور کتابوں کے یہ کتاب بھی دستیاب نہیں ہوئی یا انہوں نے اپنے طریقے کے مطابق اُس کے مندرجہ شجرہ کو نہیں بلکہ اس کتاب کو ایک جگہ مشتبہ قرار دیا" اور دوسری جگہ اپنے مقصد کے تحت اُس کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے" "مصباح العارفین" کے عدم وجود کی جو دلیلیں انہوں نے پیش کی ہیں ان

کی حقیقت تو آگے ظاہر ہو گی ہمیں یہاں صرف اسی قدر بتانا ہے کہ "جب مخدوم شیخ جمالیؒ" اور آن کے مرشد طریقت کے نسب میں آن کے زمانے میں کسی اشتباہ کا شائبہ تک نہ تھا اور کوئی التباس کسی قسم کا موجود نہ تھا تو خواہ مخواہ بھی ایک نامعدوم بات کی صفائی اپنی کتابوں میں وہ یا ان کے کوئی عزیز کس طرح کر سکتے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ "دنیا ان مولف صاحب کے من گھڑت شجرے کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرے" اور یہ کتابوں کی اسناد پیش کر لیے پر بھی دوسروں کے شجروں کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں" اس کا نام ہٹ دھرمی نہیں ہے تو اور کیا ہے" اس قدر ظاہر کر چکنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ قصہ کب اور کیوں شروع ہوا۔

"نواب شہباز خاں" کی دینداری سے جب "اکبر بادشاہ" کی اُمّت پریشان ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ "مذہب الٰہی" کی تلقین کرنے پر "نواب شہباز خاں" نے "شاہنشاہ اکبر" سے تیز و تند کلام کئے۔ اور اکبر کے ایک مقرب فرشتے "بیربل" کو بادشاہ کے مزاج میں بُری طرح دخل پایا تو بادشاہ کے سب سے زیادہ مقرب فرشتے "ابوالفضل" نے کوئی اور چارہ نہ دیکھکر کیونکہ "نواب شہباز خاں" جو اپنے خاندان کے سکنی لقب کنبوہ سے مشہور تھے قوم کمبوہ کے کمبو نام اور نواب صاحب موصوف کے سکنی لقب میں التباس ڈالنے کی غرض سے ان کے نسب کی تحقیقات کا شاخسانہ کھڑا کیا" لیکن اس میں اسے منہ کی کھانی پڑی" یہ قصہ تو خیر بعد میں آئے گا۔ اس جگہ ہمیں صرف "مؤلف صاحب" کے اس بیان کا جواب دینا ہے کہ "دوسرے مورخ اور تذکرہ نویس اگر آن کے نسب کی وضاحت سے قاصر رہے تو خود "قوم کنبوہ" کے مورخین" اس فرق و امتیاز کو بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے" لیکن انہوں نے اس پر روشنی نہیں ڈالی"

اس بیان کے متعلق ہمیں یہاں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے جس قدر ہم اوپر بتا آئے ہیں وہ بھی کافی ہے۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے اور لکھتے ہیں کہ جب پہلے پہل اس التباس کا قصہ نکالا گیا تو فوراً اس خاندان کے ایک بزرگ نے "رسالہ شہباز خاں" لکھا۔ اور اس کے بعد دوسرے بزرگ "مخدوم شیخ جمالی" کے پوتے "میاں احمد خاں" "اکبر شاہی مصنف اخبار الجدیدین احمدی" نے اس کو اپنی دوسری کتاب "شجرۂ سہروردیہ" میں (جو کتب خانۂ ریاست رامپور میں قلمی موجود ہے" اور جس کی نقل ہم نے جناب صدر المہام صاحب ریاست رامپور کو درخواست دے کر اور اس کی نقل وغیرہ کا خرچ ادا کر کے باضابطہ حاصل کی ہے") اس طرح رفع کیا ہے کہ۔

"چوں بے شائبہ ریا و رسم سوائے اعتقاد و لوازم اتحاد خدمت جمیع کم گویان کہ بغلط عام "کنبوہ" شہرت یافتہ" بدیں خاندان عالیشان استحکام پذیرا ست" و از عنایت کوم "در بعہد ادوار" و آں بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند علی الخصوص آباؤ اجداد بندہ"

(صـ۱۳)

اس میں کسی ریا کاری اور رسم کا شائبہ نہیں ہے کہ تمام کم گویان جو عوام میں غلطی سے کنبوہ کے نام سے شہرت پکڑ گئے ہیں" عقیدتمندی اور اتحاد رکھنے کی ضرورت اور لزوم خدمت کا جذبہ اس خاندان عالیشان سے استحکام پذیر ہے اور خدا کا انتہائی کرم ہے کہ یہ ہر زمانے میں اور آج بھی انواع رعایت اور ہر قسم کی تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہے ہیں۔ خاصکر میرے آباؤ اجداد"

"مولوی امتیاز علی صاحب عرشی" ناظم کتب خانہ شاہی "ریاست رامپور" نے "اورینٹل کالج میگزین حصہ اوّل بابت ماہ نومبر ۱۹۳۳ء میں "محمد یٰسین خاں صاحب نیازی" ایم۔اے کے مضمون "شیخ گدائی پسر کلاں مخدوم شیخ جمالیؒ" کے جواب میں "استدراک" کی سرخی کے تحت جو تبصرہ تحریر فرمایا ہے اس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ۔

"اس خاندان کے حالات لکھنے والے کو "احمد خاں اکبر شاہی کی کتاب "شجرۂ سہروردیہ" کا مطالعہ لازم ہے"

علاوہ بریں اور کتابیں ہیں جن میں اس التباس کو رفع کیا گیا ہے جن میں "سلسلۂ عالیہ" بھی ہے جس سے ہم اوپر روشناس کرا چکے ہیں۔ اور جس کو مؤلف صاحب نے ضرور ملاحظہ فرمایا ہے۔ مگر اپنی بحث میں کہیں بھی اس کا نام تک ظاہر نہیں کیا گیا" "اس کے صـ۹۵ پر تحریر ہے کہ۔

"آنانکہ از بزرگاں روایات و صحابہ کتب ... و ... مقالات ... تحقیق و تدقیق ... شیخ الہداد ... و

جو کچھ اصحاب کتب (تصانیف) کی روایات سے اور ارباب تحقیق و تدقیق کے اقوال سے ثابت ہوا ہے اور دلائل و حقیقت حضرات

حقیقت ہاں قرار دادہ برایں گونہ است۔ کہ ایں گروہ "از قبیلۂ خاص" رؤسائے قریش است"۔ | جس بات کو درست قرار دیا ہے وہ اس طرح ہے کہ یہ خاندان قبیلۂ خاص و رؤسائے قریش سے ہے"۔

ہمارے مندرجہ بالا بیانات سے کیونکہ "مؤلف صاحب" کی اِس تحقیقات کی حقیقت بھی اچھی طرح ظاہر ہوگئی اور اُن کے بیان کا بطلان بخوبی ہوگیا ہے۔ اِس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا فرماتے ہیں"۔

بابِ ہفتم

"اب رہی وہ روایت جو مؤلف "رسالۂ مبارک" نے "نواب شہباز خاں" کے نسب کی تحقیقات کے لئے "شہنشاہ اکبر" کے حکم سے کمیشن مقرر کئے جانے کی تحریر کی ہے "قطعاً پایۂ اعتبار سے ساقط ہے" اِس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے "اُن کا یہ فرمانا کہ کمیشن کے سامنے "ہند و اُمراء" نے انہیں "ہندی الاصل" اور "ایرانی اُمراء نے "زبیری النسل" قرار دیا" اور اکبر نے اُن کے "زبیری" ہونے کو ترجیح دی۔ اور اِس واقعہ کو "اکبرنامہ" میں درج کئے جانے کا حکم دیا۔ ہرگز ثابت نہیں" (ص۳۳۵)

مؤلف صاحب نے جو "رسالۂ مبارک" کے مندرجہ حالات کو اِس بناء پر پایۂ اعتبار سے ساقط قرار دیا ہے کہ "اُس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے" قطعاً غلط ہے "اگر مؤلف صاحب کی سستی یا تحقیق و تلاش میں جیسی چاہئے کوشش نہ کرنے کی وجہ سے اُن کو کوئی کتاب یا شہادت دستیاب نہیں ہوسکی" تو وہ اُس کے موجود نہ ہونے کی دلیل کسی طرح قرار نہیں دی جاسکتی" اور نہ اُس کا مطالعہ کئے بغیر" ایسا ناطق فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ اِن مؤلف صاحب نے یہاں بلا سوچے سمجھے اپنے جوش سے مغلوب ہوکر دیدیا ہے"۔ ہم انہیں آگاہ کرتے ہیں کہ "صاحب رسالہ مبارک" کی تحریر کی شہادت موجود ہے۔ انہوں نے "رسالہ مبارک" میں "کمیشن" اور اس کے فیصلہ کا جو حال لکھا ہے۔ وہ "رسالہ شہباز خاں" سے لیا ہے" بلا کسی سند یا شہادت کے نہیں تحریر کیا ہے" کیونکہ ہم "باب سوم" کی بحث میں "رسالہ شہباز خاں" کی قدامت اور موجودگی کو دکھا چکے ہیں۔ اِس لئے دوبارہ یہاں اُنہیں باتوں کے لکھنے کو "ضرورتاً نظر انداز کرتے ہیں"۔

ابوالفضل کے خاندان اور اُس کے برادر و پدر کے حالات و معتقدات نیز اُن کے پیدا کردہ فتنے

آپ کا یہ اعتراض کہ اِس کمیشن کے مقرر ہونے اور اُس کے فیصلہ کا حال "ابوالفضل کے "اکبرنامہ" میں کیوں درج نہیں ہے"؟ تو اس کی وجہ معلوم کرنی کچھ مشکل نہیں ہے لیکن اِس کے لئے ذرا تفصیل سے "ابوالفضل" اُس کے باپ اور بھائی کے حالات پر نظر ڈالنی ضروری ہے۔ تاریخوں کے مطالعہ کرنے والے سب حضرات بخوبی واقف ہیں۔ اور "منتخب التواریخ" میں "مؤلف صاحب" نے بھی ضرور دیکھا ہوگا کہ "ابوالفضل و فیضی" اور اُن کے باپ "مبارک" ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے "شہنشاہ اکبر" کو "دینِ الٰہی" "اکبر شاہی" قائم کرنے کی تحریک کی تھی "شیخ مبارک" تو جلد مر گیا مگر اُس کے دو بیٹے باقی رہے۔ جو "شاہنشاہ کی عدم واقفیت سے فائدہ اُٹھا کر "دینِ الٰہی" کی بانوں کے سبق پڑھایا کرتے" یا بقول مورخین "بددو فرشتے تھے" جو شاہنشاہ کو "اِس نئے دین کی "وحی" پہنچایا کرتے تھے" "ابوالفضل اور فیضی" "مجہول النسب تھے" انہوں نے اور اُن کے آباؤ اجداد نے نہایت افلاس و فلاکت میں زندگی بسر کی تھی" "اُن میں وہ جوہر تھے جو "عالی نسب لوگوں میں فطرتاً موجود ہوتے ہیں"۔ اِس لئے انہوں نے حقانیت اور راست روی کے بجائے "جاہ بیجا خوشامد" اور "دین فروشی" کو اپنی ترقی کا زینہ قرار دیا تھا"۔

نوٹ: علامہ ابوالفضل ۱۰۱۱ھ ہجری میں قتل کیا گیا۔ اور شہنشاہ اکبر کا انتقال ۱۰۱۴ھ ہجری میں ہوا۔ اس لئے شہنشاہ اکبر کے پورے زمانے کے حالات [illegible] اور کتاب "تکملۂ اکبرنامہ" بھی ہے جس سے مؤلف صاحب واقف نہیں ہیں"۔)

(۱) ترجمہ آئین اکبری جلد دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن کے صفہ ۳۹ میں خود "ابوالفضل" اپنے نسب کا حال اس طرح لکھتا ہے کہ۔

"لیکن میں اپنی سرنوشت آسمانی کے اعتبار سے "رسم و ظاہر پرست لوگوں میں پیدا ہوا۔ اور اپنے گروہ سے ارتباط پیدا ہوگیا۔ جو "نسب کو "حسب سے بہتر جانتے ہیں۔ اور اسی کتاب کے صفہ ۳۹ و ۳۹۱ میں اپنے خاندان کا حال اس طرح لکھا ہے کہ "میرے جد پنجم "شیخ موسیٰ نے "یمن" سے آکر "سیوستان کے "قصبہ ایل میں" سکونت" گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور وہیں شادی بھی کی "شیخ موسیٰ کے بیٹے اور پوتے بھی وہیں پر اسی روش سے زندگی بسر کرتے تھے "شیخ خضر (ابوالفضل کے دادا) نے "ستنبلہ کے آغاز میں "ناگور" کی سکونت اختیار کی۔ ۹۱۱ھ ہجری میں "شیخ مبارک" (پدر ابوالفضل) ناگور میں پیدا ہوا" اور صفہ ۳۹۵ میں تحریر کیا ہے کہ "محرم ۹۵۰ھ ہجری میں "شیخ مبارک" دارالخلافہ آگرہ" میں وارد ہوا۔ اور وہاں پہنچکر "ایک قریشی خاندان میں" جو علم و عمل سے آراستہ تھا" "شیخ مبارک" کا عقد ہوگیا۔ اور اس نے وہیں سکونت اختیار کی" بحر زخار کے صفہ ۱۳۳ پر ہے کہ۔

"صاحب جود و سخا "شیخ چندن" ایشاں را "شیخ چندن قریشی" گویند مرید شیخ سماؤالدین دہلوی است" جد مادری "شیخ ابوالفضل بن مبارک" است"

صاحب جود و سخا "شیخ چندن" ان کو "شیخ چندن قریشی" کہتے ہیں۔ شیخ سماؤالدین دہلوی کے مرید ہیں۔ اور نانا شیخ ابوالفضل بن مبارک کے ہیں"

اور صفہ ۳۹۹ پر لکھا ہے کہ "لوگوں نے "شیخ مبارک" کی دشمنی پر کمر باندھی اور ان پر "مذہب مہدویہ" کی پیروی کا الزام لگایا" اور اسی صفحہ پر آگے لکھا ہے کہ "بعض بدگہر افراد نے "شیخ مبارک کو "مذہب شیعہ" کا پیرو اپنے دل میں خیال کر کے "ملامت آمیز راہ اختیار کی" اور مآثر الامراء جلد دوم کے صفہ ۵۸۵ و ۵۸۶ میں تحریر ہے کہ

"در عہد سلیم شاہ "بربط شیخ علائی مہدوی" بمہدویت شہرت گرفت واز علمائے وقت چہ سرزنش ہا کشیدہ "در عہد آغاز اکبری رکہ امرائے چغتا بیشتر در عرصہ بودند" بطریقہ نقشبندیہ "خود را وا مود" چوں آخر ہا "عراقیہ" در بار را فرو گرفتہ "برنگ ایشاں سخن راند۔ چنانچہ بہ تشیع اشتہار یافت۔ تذکرہ اجتہاد "عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) راکہ بجو (ہی) علمائے عصر ترتیب گشتہ بخط شیخ مبارک تحریر یافتہ۔ و در ذیل آں مرقوم بود۔ کہ ایں امریست کہ از سالہا منتظر آں بودم" آخر کار ضعف بصر بہم رسانیدہ۔ در ۱۰۰۱ھ ہجری در یکسر "در بلدہ لاہور" زندگی سپرد"

"در عہد سلیم شاہ میں "شیخ علائی مہدوی سے ربط رکھنے کی وجہ سے مہدویت سے شہرت پکڑی۔ اور علمائے وقت سے بہت برا بھلا سنا" عہد اکبری کے شروع میں کیونکہ چغتائیہ امراء زیادہ تر سلسلۂ نقشبندیہ سے تھے" اس نے اپنے آپ کو نقشبندیہ طریقہ کا شخص ظاہر کیا آخر میں جب عراقیہ کا دربار میں اثر قائم ہوا تو اُسکے رنگ کی سی باتیں کہنے لگا۔ چنانچہ شیعیت مشہور ہوا۔ اسالہ اجتہاد عرش آشیانی اکبر بادشاہ جو علمائے وقت کی گواہی سے مرتب ہوا تھا شیخ مبارک نے اسے لکھا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اس بات کا (؟) برسوں سے انتظار کر رہا تھا" آخر عمر میں اسکی بینائی پر ضعف پیدا ہوا تھا ۱۰۰۱ھ میں لاہور میں مر گیا"

نوٹ ملہ شیخ سماؤالدین دہلوی سے مراد [illegible] شیخ سماؤالدین [illegible] کنگوہی [illegible] کا ذکر مولف صاحب [illegible] نوٹ ۳ [illegible] کے صفہ ۲۰۵ پر تحریر ہے [illegible] ملا صاحب (صاحب منتخب التواریخ) لکھتے ہیں کہ اس کے حالات عجیب و غریب ہیں چنانچہ [illegible] مجاہدہ بہت کیا امر معروف و نہی منکر [illegible] اس قدر کوشش کی [illegible] کی مجلس میں کوئی [illegible] کی انگوٹھی یا اطلس [illegible] آسی وقت اتروا دیتا تھا [illegible] نیچے [illegible] راہ چلتے کہیں گانے کی آواز آتی تو بے دھڑک گھس جاتا۔ [illegible] میں گانے کا ایسا [illegible] "گیت" یا "راگ" یا ساز کے نام [illegible] اقسام [illegible] تھا" افغانوں کے عہد میں "شیخ علائی" کی صحبت [illegible] سید محمد جونپوری کے خلیفہ تھے [illegible] مہدی [illegible] کا دعویٰ کیا تھا [illegible] اکبری میں نقشبندیہ [illegible] سلسلے [illegible] ان کے رنگ [illegible] باتیں [illegible] جماعت [illegible] اکبری کے صفہ ۳۳۵ پر [illegible] شیخ مبارک [illegible] شیعیت [illegible] شیخ [illegible] (ایک [illegible])

کرۃ بعد اخریٰ و مرۃ بعد اولیٰ بہ شیخ عبد النبی صدر یعنی شیخ الاسلام۔) و مخدوم الملک کہ با علم و دانش رکن عمدہ سلطنت بودند، مناظرہ را بجادلہ و مکابرہ رسانیدہ بہ پشت گرمی عرش آشیانی بہ الزام ہا مسکت خفیف تر ساختہ در عرصۂ اعتبار بقرب و مصاحبت روز افزوں بادشاہ وقت اختصاص گرفت)

اور صفحہ ۱۱۹ و ۲۰۹ پر ہے کہ تکفیر شیخ (ابوالفضل) زبان زد خواص و عوام است (۱) برہمنے بہ کیش برہمن پیغارہ زنند (۲) و بعضے آفتاب پرست گویند (۳) جمعے دہریہ خوانند (۴) آنکہ غایت تفریط بکار بردہ بہ الحاد و زندقہ نسبت دہند (۵) و دیگرے کہ انصاف می دہند چوں مقلدان متصوفہ کہ بدنام کنندہ نکونامے چند اند، بہ صلح کل و وسعت مشرب و ادعائے ہمہ اوست و خلع ربقۂ شریعت و التزام طریقۂ اباحت منسوب میکنند۔

(۶) صاحب عالم آرائے عباسی گوید کہ شیخ ابوالفضل نقطوی بود چنانچہ منشورے کہ بہ میر سید احمد کاشی کہ اکابر ایں طائفہ و صاحب رسالہ در علم نقطہ است در سال ہزار و دو ہجری کہ در ایران قتل نقطویہ واقع شد، شاہ عباس در کاشان میر را خود بقتل آورد، انشا نمودہ فرستادہ بود دلالت بریں معنی دارد۔

و علم نقطہ الحاد و زندقہ و اباحت و توسیع مشرب است۔ و مثل حکمائے بقدم عالم گرویدہ و انکار حشر و قیامت نمایند، و مکافات حسن و قبح اعمال و جنت و نار در عاقبت و ذلت دنیا قرار دہند العیاذ باللہ۔

عرش آشیانی تالیف ایں جماعت راجپوت را از اعاظم امور ملکی دانستہ بأقصی الغایت می کوشید۔ حتی مراسم معمولۂ ایشاں را مثل ذبح گاو و حلق لحیہ و انداختن گوشوارہا مردوارید و جشن دسہرہ و دیوالی وغیر ذلک مراعات می نمود۔

شیخ ہر چند بمزاج پادشاہ تصرف داشت اما شاید بہ حب جاہ سمت راستی عنان گرفت، ایں ہمہ نسبت ہا بدو عاید گردید۔)

منتخب التواریخ جلد دوم مطبوعہ کلکتہ کے صفحہ ۲۰۹ پر ہے کہ۔
قاضی یعقوب را معزول کردہ قاضی حسین را وکیل ساختند و او موافق مذہب خویش بجواز متعہ ہم حکم کرد۔

رہے۔ شیخ عبد النبی (شیخ الاسلام یا صدر) اور مخدوم الملک سے جو باعلم و دانش اور سلطنت کے لائق لوگوں میں تھے۔ انہوں نے مناظرہ کو مجادلہ اور مکابرہ تک پہنچا دیا۔ اور شہنشاہ اکبر کی پشت گرمی سے الزام ہائے مسکت سے انہیں خفیف بنایا۔ اور قرب و مصاحبت روز افزوں سے بادشاہ وقت کے خاص لوگوں میں ہو گئے۔

کفر شیخ (ابوالفضل) کا زبان زد خواص و عوام ہے (۱) کوئی تو انہیں برہمنی مذہب کا جانتا ہے (۲) اور بعضے آفتاب پرست کہتے ہیں (۳) ایک گروہ ان کو دہریہ کہتا ہے (۴) وہ جو بہت تفریط سے کام لیتے ہیں انہیں الحاد و زندقہ سے نسبت دیتے ہیں (۵) اور دوسرے جو انصاف کے دعویدار ہیں جیسے مقلدان تصوف (جو بدنام کنندہ نکونامے چند ہیں) وہ انہیں صلح کل اور وسعت مشرب اور ادعائے ہمہ اوست اور خلع ربقۂ شریعت اور التزام طریقۂ اباحت سے منسوب کرتے ہیں۔

(۶) صاحب عالم آرائے عباسی کہتا ہے کہ شیخ ابوالفضل نقطوی تھا۔ چنانچہ اُس نے خط جو میر سید احمد کاشی کو (جو اس گروہ کے اکابر سے اور مصنف رسالہ در علم نقطہ ہے اور ۱۰۰۲ ہجری میں (جب ایران میں ملحدوں کے قتل کا واقعہ ہوا تھا) شاہ عباس نے کاشان میں میر کو خود قتل کیا تھا) لکھ کر بھیجا تھا اُس کے نقطوی ہونے پر دلالت رکھتا ہے۔

اور علم نقطہ الحاد۔ زندقہ و اباحت اور توسیع مشرب ہے۔ اور مثل حکمائے دنیا کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ اور انکار حشر اور قیامت کا کرتے ہیں اور مکافات حسن اور قبح اعمال اور جنت و دوزخ کو عاقبت میں ذلت دنیا کی قرار دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

شہنشاہ اکبر تالیف اِس جماعت راجپوت کی عظیم ترین امور ملکی سے جانکر اس میں بہت زیادہ کوشش کرتے یہاں تک کہ ان کے اِن سب مراسم مثل ذبح گاؤ اور ڈاڑھی منڈانے اور گوشوارہ ہائے مروارید ڈالنے اور جشن دسہرہ و دیوالی وغیرہ وغیرہ کی مراعات رکھتے تھے۔

شیخ (ابوالفضل) ہر چند کہ بادشاہ کے مزاج میں دخل رکھتے تھے لیکن شاید حب جاہ کی وجہ سے وہ درست راستہ نہیں اختیار کر سکے۔ جس کی وجہ سے یہ تمام نسبتیں اُن پر عاید ہوئیں۔

منتخب التواریخ جلد دوم مطبوعہ کلکتہ کے صفحہ ۲۰۹ پر ہے کہ بادشاہ نے قاضی یعقوب کو معزول کر کے قاضی حسین کو وکیل بنایا۔ اُس نے اپنے مذہب کے موافق متعہ کے جائز ہونے کا حکم دیا۔

اور صفحہ ۲۱۱ پر ہے کہ "بیر بیر حرامزادہ" و "شیخ ابوالفضل" و "حکیم ابوالفتح"
قدم بالاتر نہادہ "از دین منحرف ساختند" و "انکار مطلق" "وحی" و "نبوت"
و "اعجاز" و "کرامت" و "شرائع" نمودہ "کار را از پیش بردند" و "دیپ چند
مسخرہ را" "مجعولہ" میگفت "کہ اگر گاؤ نزد حق تعالیٰ معظم نبودے"
در اول "سورۂ قرآنی" "چرا مذکور شدے"

"چوں تاریخ خواندہ میشد" "روز بروز اعتقاد" "از اصحابؓ" "فاسد شدن"
گرفت "و گام فراخ تر نہاد" "و نماز" "روزہ" "و جمیع نبوات را "تقلیدات"
نام نہادند" یعنی غیر معقول"

اور صفحہ ۲۵۵ پر ہے کہ "پادشاہ را کہ جوہر نفیس" "و طالب حق بود"
"اما" "عامی محض" "مستانست" "و مستانس بکفرہ" "و اراذل" "در شک
انداختہ حیرت بر حیرت افزود" "مقصود از میان رفت" "و سد سدیدۂ
شرع متین و دین متین شکست" "و بعد از پنج شش سال" "خود اثرے
از اسلام نماند" "و قضیہ منعکس شد"

اور صفحہ ۲۵۹ پر ہے کہ "سجدہ" "برائے او تجویز کردہ" "آنرا زمین بوس"
نام نہادند" "و رعایت ادب پادشاہ" "فرض عین شمردہ" "روے او را
"کعبۂ مرادات" "و قبلۂ حاجات" دانا بندہ"

اور صفحہ ۲۶۰ پر ہے کہ "تعریف دجال ملعون را" "در برابر ملاعین" "و اوصاف
آنرا" "در برابر" "حضرت خیر النبیین صلعم" "علی رغم العالمین" "و در آورد"
"و آن بیر بر ملعون بخاطر نشان ساخت کہ چوں "آفتاب" مظہر تام ا
و بخشندہ غلہ" "و زراعت" "و میوہ" "و سبزہ" "از تاثیر اوست" "و روشنی عالم" "و
حیات عالمیان وابستہ بآں" "پس لایق عبادت" "و تعظیم او باشد" "و رو بسوے
جانب طلوع آوردہ باید کرد" "نہ جانب غروب کہ" "رو بسوے مغرب" "وادیدہ" "و ہم چنیں"
آتش" "و آب" "و سنگ" "و درخت" "و سایر مظاہر تا گاؤ" "و سرگین آں" "پرستش"
"و قشقہ" "و زنار" "را جلوہ دادند" "و دعائے تسخیر آفتاب" "کہ ہندوان تعلیم دادند"
اندر طریق" "در نیم شب" "و وقت طلوع خواندن گرفتند"

اور صفحہ ۲۶۱ پر ہے کہ "و آتش پرستان" "کہ از شہر نوساری" "از ولایت
گجرات آمدہ بودند" "دین زردشت را حق نمودند" "و تعظیم آتش را" "عبادت
عظیم گفتند" "و بجانب خود کشیدہ" "از اصطلاح و راہ و روش کیانیان واقف
ساختند" "تا فرمودند کہ آتش را" "باہتمام" "شیخ ابوالفضل" "بہ روش

اور صفحہ ۲۱۱ پر ہے کہ "بیر بیر حرامزادہ اور ابوالفضل و حکیم فتح اللہ نے بالاتر قدم
بڑھا کر بادشاہ کو دین سے منحرف کر دیا" اور وحی و نبوت اور اعجاز و کرامت
و شریعت سے انکار مطلق کر کے اس سے بھی زیادہ باتیں کرنے لگے" و
دیپ چند مسخرہ مجعولہ نے کہا کہ اگر گائے خدا کے نزدیک قابل تعظیم نہ ہوتی تو
قرآن کی پہلی سورۃ میں اس کا ذکر کیوں ہوتا"

تاریخوں میں پڑھ کر دن بدن اصحابؓ سے عقیدہ کو اپنے خراب کر کے
اور بھی قدم اپنا آگے بڑھایا" اور نماز روزہ اور تمام نبوت کی باتوں کا
نام تقلیدات رکھا" یعنی غیر معقول"

اور صفحہ ۲۵۵ پر ہے کہ "بادشاہ جو جوہر نفیس اور حق کا طالب تھا" لیکن
سیدھا اور کافروں سے نسبت اور الفت رکھتا تھا۔ ذلیلوں نے اُسے
شک میں ڈال دیا۔ حیرت پر حیرت بڑھی اور مقصود ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور
سد محکم "شرع مبین و دین متین کی ٹوٹ گئی" پانچ سال کے بعد کوئی
اثر اسلام نہ رہا اور قضیہ منعکس ہو گیا"

اور صفحہ ۲۵۹ پر ہے کہ "بادشاہ کے لئے سجدہ تجویز کیا اور اس کا نام زمین
بوس رکھا" اور بادشاہ کے ادب کی رعایت فرض عین قرار دی" اس کے
چہرے کو کعبۂ مراد اور قبلۂ حاجات جانتے ہیں"

اور صفحہ ۲۶۰ پر ہے کہ "ملاعین" "دجال ملعون کی تعریف اور وصف آنحضرت مقبولؐ
کے مقابلہ میں بیان کرتے ہیں" اور جب ان جاہلوں کو کتنا ہی ناپسند ہوا ہو وہ ذلیل ہوئے
اور بیر بر ملعون نے بادشاہ کے دل میں یہ بات جمائی ہے کہ کیونکہ آفتاب
روشنی بخشتا ہے اور غلہ کا پکنا۔ زراعت میوہ و سبزہ اس کی تاثیر سے ہے۔ اور
دنیا کی روشنی اور دنیا والوں کی زندگی اس سے وابستہ ہے" اس لئے عبادت
و تعظیم کے لائق وہی ہے" سورج جدھر سے نکلتا ہے اس طرف منہ کرنا چاہیے
اور اس طرف منہ نہیں کرنا چاہیے جس طرف وہ غروب ہوتا ہے اور اسی طرح آگ و پانی
و پتھر و درخت اور تمام مظاہر گائے اور اس کے گوبر تک اور قشقہ اور زنار کی تعظیم و
پرستش کا رواج ہو گیا ہے۔ اور تسخیر آفتاب کی دعا جس کی ہندوؤں نے تعلیم دی ہے
بالطریق وہ آدھی رات کو اور وقت طلوع آفتاب اس کا پڑھنا بادشاہ نے اپنے
اوپر لازم کر لیا ہے۔

اور صفحہ ۲۶۱ پر ہے کہ "اور آتش پرست جو ولایت گجرات کے شہر نوساری
سے آئے ہیں انہوں نے زردشت کے مذہب کو سچا بتایا ہے اور آگ کی تعظیم
کو دن عبادت عظیم کہتے ہیں" اور اپنی طرف بادشاہ کو کھینچ کر اصطلاح اور راہ
روش کیانیوں سے واقف کر دیا ہے" چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ "آگ

پر یہ ہے کہ۔

"جہاں پناہ" اپنی روشن ضمیری سے "روشنی" کو بیحد عزیز رکھتے ہیں "اس کی تعظیم و تکریم کو "خداپرستی" اور "ستائش الٰہی" خیال فرماتے ہیں "نادان کور باطن" اس کو "خدا فراموشی" اور "آتش پرستی" کہتے ہیں لیکن حقیقت شناس حضرات "اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ "جب" قدسی ذوات اشیاء کی "ظاہری صورت" کی تعظیم و تعریف کرنا "خود قابل ستائش و تعریف ہے" اور "ایسا نہ کرنا" بُرا اور قابل سرزنش ہے" تو ایک ایسے عالی قیمت جوہر کی تعظیم کرنا "جو انسانی ہستی کا سرمایہ" اور اُس کی بقا کا سبب ہے "کیونکر ناپسندیدہ خیال کیا جا سکتا ہے"۔ اس کلیئے کی بابت کوئی کم مایہ تصور" کسی شخص کے ذہن میں بھی نہیں گذر سکتا "۔

جب آفتاب "برج شرف" میں داخل ہوتا ہے۔ اور تمام عالم اُس کے نور سے منور ہوتا ہے تو دوپہر کے وقت۔ ایک سفید اور روشن پتھر کا "جسے ہندی میں "سورج کرانت" کہتے ہیں") ایک ٹکڑا آفتاب کے سامنے رکھتے ہیں" اور تھوڑی روئی اُس کے قریب لے جاتے ہیں" آفتاب کی حرارت "پتھر میں سرایت کرتی ہے۔ اور پتھر سے روئی میں آگ لگ جاتی ہے "

" یہ آسمانی روشنی" خاص ملازمین کے سپرد کر دی جاتی ہے "چراغچی" اور "مشعلچی" "باورچی" ہر ایک اس آتش سے "اپنے اپنے کام انجام دیتے ہیں۔ جس ظرف میں یہ آگ رکھی جاتی ہے۔ اس کو "اگن گر" "آتش دان" کہتے ہیں" جب سال ختم ہو جاتا ہے تو اسی طرح تازہ آگ بنائی جاتی ہے۔ اسی طرح کا ایک دوسری قسم کا "سفید روشن پتھر ہوتا ہے" جس کو "چندر کرانت" کہتے ہیں" یہ پتھر جب ماہتاب کے مقابلے میں لے جاتے ہیں۔ تو اُس سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں "

ہر روز جب ایک گھڑی دن رہ جاتا ہے تو "جہاں پناہ" اگر سوار ہوتے ہیں تو نیچے اتر آتے ہیں۔ اور اگر آرام فرماتے ہیں تو بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور شاہانہ شان و شوکت سے یکتا ہو کر "ظاہر کو بھی باطن کے رنگ میں رنگ لیتے ہیں" (یعنی آفتاب کی پوجا کر لیتے ہیں ")

آفتاب کے غروب ہونے کے بعد "خدمت گذار۔ بارہ کافوری شمعیں "حضوری میں لاتے ہیں" اور ان میں سے ایک شیریں زبان خوش گلو خادم "شمع کو ہاتھوں میں لئے ہوئے "مختلف دلکش نغموں میں خدا کی حمد کے اشعار گاتا ہے" اور آخر میں خود جہاں پناہ کے ازدیاد عمر و دولت کی دعا کرتا ہے۔ زمانہ دولت کی انتہا اس جملہ پر ہوتی ہے کہ "بادشاہ دین پناہ کے نیاز کا پایہ اور بلند" اور آپ سے "تازہ نور معرفت نصیب ہے"۔

اور صفحہ ۲۹ پر ہے کہ۔

"عوام تو ایک قسم کے بار احسان سے گراں بار ہیں۔ لیکن سلاطین کو "اس برگزیدہ اجرام سماوی" کی ذات سے خاص تعلق ہے" اور فرمانروایان گیتی "اس حکمران سماوی" کے تربیت یافتہ" اور زیر اثر ہیں "یہی وجہ ہے کہ "قبلہ عالم" آتش کی تعظیم" اور "چراغ کی نگہداشت" میں خاص اہتمام فرماتے ہیں" اور "آتش ہو یا چراغ" تمام روشن چیزوں کو "آفتاب عالمتاب" کے حسن کا پرتو خیال فرماتے ہیں" کم عقل ظاہر بین "جو تقلید کا دلدادہ ہے "حضرت کے اس فعل کو "آتش پرستی" اور "آفتاب معبودی" سمجھ کر طعنہ زنی کرتا ہے" لیکن ہم ایسے اشخاص کی نادانی پر "خندہ زنی کرتے" اور خاموش رہتے ہیں "

اور صفحہ ۹۵ پر ہے کہ۔

"بادشاہ "سفر و حضر" میں ہر وقت "گنگا کا پانی" نوش فرماتے ہیں "معتمد ملازمین کا ایک گروہ "دریا کے کنارے مقرر ہے۔ جو" سربمہر کوزوں میں "پانی بھر کر لاتا ہے" جب "جہاں پناہ" آگرہ" اور "فتحپور" میں قیام فرماتے ہیں۔ تو "قصبہ سوروں" سے پانی لایا جاتا ہے اس زمانے میں جبکہ "شاہی خیمہ" لاہور میں نصیب ہے" ہر دو دریا کے عمدہ پانی سے "آبدار خانہ سیراب ہے" باورچی خانہ میں "جمنا اور چناب کا پانی" یا "آب باراں" صرف ہوتا ہے" لیکن اُس میں تھوڑا پانی "گنگا" کا ملایا جاتا ہے "

اور صفحہ ۲۲ پر ہے کہ۔

"خاص مریدان عقیدت منداں" آداب کے علاوہ "سجدہ تعظیمی" کرتے ہیں" اور اُس کو حقیقتاً "سجدہ ایزدی" خیال کرتے ہیں "

"حضرت کی ذاتِ اقدس" "قدرتِ پروردگار کا ایک نمونہ" اور آفتابِ وجود کا "ایک خاص پرتو ہے" جہاں پناہ کے حضور میں "سجدۂ تعظیمی بجا لانا" ایک ایسی مقبول "عبادت ہے" کہ اُس کی خوبی" اور اُس کے صلے کی حقیقت کو سمجھ کر" رعایا و مخلوق کے گروہ کے گروہ "سعادت حاصل کرتے" اور "دینی و دنیاوی" برکات سے مالا مال ہوتے ہیں"

"چونکہ کج رائے" اور "تیرہ دل افراد" اِس رسم کو "انسان پرستی" خیال کرتے ہیں" قبلۂ عالم" اپنی مرتبہ شناسی سے" اِن اشخاص سے باز پرس نہیں فرماتے" اور دربارِ عام میں خدمت گذارانِ خاص کو بھی اِس تعظیم کے بجا لانے سے منع فرماتے ہیں"

"مگر انجمنِ خاص میں چونکہ صرف خوش نصیب و روشن ستارہ بندگانِ درگاہ" سعادتِ قدم بوسی سے فیضیاب ہوتے ہیں" یہ عقیدتمند گروہ" اپنی پیشانیٔ نیاز کو "سجدۂ تعظیم کے انوار سے" روشن" و "درخشان" کر کے سعادت اندوز ہوتا ہے"

نواب شہباز خاں - اور دینِ الٰہی اکبر شاہی

ابوالفضل "مصنفِ اکبر نامہ" کے معتقدات" اور دینِ الٰہی اکبر شاہی کے رواج" نیز اُس کے مزخرفات" کا شمہ حال معلوم ہو چکا" اب اُس کے بالمقابل "نواب شہباز خاں" زبیری کمبوی" کی" مذہب اسلام سے وابستگی وغیرہ کا تھوڑا سا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ یہ بات بخوبی جان لی جائے کہ" اِن دونوں کے درمیان کونسی چیز مابہ النزاع تھی جس کی وجہ سے "ابوالفضل" کے دل میں "نواب شہباز خاں" کی طرف سے آگ کی بھٹی سلگ رہی تھی" المشاہیر کے صفحہ ۹ پر ہے کہ۔

"نواب شہباز خاں" کھلے ہوئے "ولی" تھے" اکبر کے دربار میں" نت نئے خانہ بر انداز شریعت احکام جاری ہوتے" اُمراء کو چار و ناچار پابندی کرنی پڑتی" "ڈاڑھی منڈانا" کان چھدانا" شراب پینا" مہر میں لفظ مرید کندہ کرانا" اور بہت سی مزخرفات" گویا آئینِ دربار میں داخل ہو گئے تھے" اِس بہادر خدا پرست نے باایں ہمہ قربتِ شاہنشاہی" اِن میں سے ایک کا بھی اتباع نہ کیا" اور مراسمِ نامشروعہ کے اجراء کی تعمیل میں "کبھی بادشاہی احکام اور ناخوشی کی پرواہ نہیں کی" جسم و جوارح کو "خدماتِ شاہی کے لئے وقف کر دیا تھا" پر دل کی لَو حاکمِ حقیقی کے ساتھ لگی ہوئی تھی" تہجد" اشراق" یہاں تک کہ "سنتِ عصر بھی" کبھی قضا نہیں کی" ہر وقت باوضو" ہمیشہ تسبیح بدست و وردِ بر زبان" اور مابین عصر و مغرب "حرفِ دنیوی سے ساکت رہتے تھے" اور مآثر الامراء جلد اوّل صفحہ ۵۹۹ پر تحریر ہے کہ۔

"صلاح و تقویٰ اُو مشہور است" و پاسِ شریعتِ غرّا را بسیار ملحوظ میداشت" رسم و رواجِ وقت" قصر کردہ" و خمر نہ پیمودہ" و در نگین لفظ مرید نکندہ" تہجد و اشراق تا سنتِ عصر" قضا نشدہ" و بے وضو نبودہ" و ہمیشہ تسبیح در دست و ورد میخواندہ" چوں مابین عصر و مغرب" حرفِ دنیوی نمی گفت"

اور صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر ہے کہ "روزے آخر وقت" عرش آشیانی" بکنار تالابِ فتحپور" بسیر ہوا میکردند" و دستِ شہباز خاں" گرفتہ مشغولِ حرف زدن بودند" او ہر ساعتے نگاہ بہ آفتاب میکرد"

"حکیم ابوالفتح" با حکیم علی" ذکر تتفاوت استادہ بودند گفت" اگر امروز" نماز عصر ایں مرد قضا نہ شود" میدانیم کہ واقعی دین دار است" چوں وقت نماز تنگ شدہ" ناچار عرض کرد" پادشاہ فرمود" قضا خواہی کرد" مارا تنہا میگذاری" شہباز خاں" بے اختیار دستِ خود را

"صلاح و تقویٰ اُن کا مشہور ہے اور پاسِ شریعتِ غرّا کا ملحوظ رکھتے تھے۔ رسم و رواجِ وقت کی پرواہ نہ کر کے انہوں نے ڈاڑھی نہیں منڈائی" شراب نہیں پی" اور انگوٹھی میں لفظ مرید نہیں کندہ کرایا" تہجد" اشراق اور سنتیں عصر تک قضا نہیں کیں" بے وضو کبھی نہیں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ تسبیح بدست و ورد پڑھتے رہتے تھے" عصر اور مغرب کے درمیان دنیاوی باتیں نہیں کرتے تھے"

اور صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر ہے کہ" ایک دن شام کے وقت شہنشاہ اکبر" فتحپور کے تالاب کے کنارے بادشاہ شہباز خاں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ اور اُن سے باتیں کرتے جاتے ہیں" شہباز خاں ہر لحظہ آفتاب کو دیکھتے جاتے تھے"

حکیم ابوالفتح نے حکیم علی سے کہا کہ جو دونوں دور کھڑے ہوئے تھے کہ اگر آج شہباز خاں کی نماز عصر قضا نہ ہوئی تو ہم جانیں گے کہ یہ شخص واقعی دیندار ہے" جب نماز کا وقت آیا تو شہباز خاں نے بادشاہ سے نماز کی اجازت چاہی" فرمایا قضا پڑھ لینا۔ کیا مجھے اکیلا چھوڑ دو گے" شہباز خاں نے بادشاہ سے ہاتھ

کیشہ و دوپٹہ انداختہ شروع بہ نماز نمودند و پس از آں مشغول بہ ورد گشت
پادشاہ ہر لمحہ دستے بر سرش میزد کہ برخیز
حکیم ابو الفتح گفت کہ انصاف نیست کہ در شغل ایں عزیز خلل شود پیش
رفتہ عرض کرد کہ ایں ہمہ لطف تنہا بہ ایں مرد شایاں ندارد دیگراں
ہم امیدوار چنیں مراحم اند پادشاہ اُو را گذاشتہ بر آنہا متوجہ شد

اخراجاتش دیدہ مردم متحیر بودند۔ بر سخنے بر یافتن سنگ پارس
شہرت میدادند بالجملہ گویند شہباز خاں مردم بیش قرار نوکر داشت
چنانچہ دہ کس بودند کہ کدام سالیانہ یک لک روپیہ مے یافت

و در جنگ برہم پتر از خود نہ ہزار سوار موجود داشت
و ہر شب جمعہ صد اشرفی را شیرینی نذر حضرت غوث الثقلین قدس سرہ بخش میکرد
و مردم کنبوہ[1] آں قدر بدہا داد کہ ہیچ کس ازیں قوم در ہند
پریشان و بدحال نماند معہذا بعد مردنش تا پنجاہ سال از اشرفی
و روپیہ دفائن و خزائن برمے آید
و در ۵۹۵ھ پر ہے کہ شہنشاہ اکبر عرش آشیانی تیولش را کہ در صوبہ مالوہ
داشت تغیر کردہ بمیرزا شاہرخ دادند و او را در سال چہل و سیوم
بہ اجمیر فرستادند بہ مہم رانا بطریق منقلائے شاہزادہ سلیم کہ از
الہ آباد عازم آں مہم بود تعیین شد
چوں بہ سیماب خوری شیفتہ بود سال کہ از ہفتاد برگذشت
دست و کمر درد آمد بہی یافت در شہر اجمیر بہماں بیماری باز
گردید و تپ افزود از چارہ گری پزشکان تندرستی رو داد

در سال چہل و چہارم اکبری کہ ۱۰۰۸ھ ہجری ہزار و ہشت ہجری بود
ناگہاں درگذشت

شاہزادہ سلیم بعد شاہنشاہ جہانگیر[2] اموالش متصرف گشتہ
بے تمشیت آں مہم بہ الہ آباد معاودت کردہ بود سر خودسری افراشت

سنکر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور فوراً دوپٹہ بچھا کر نماز شروع کر دی! ور نماز پڑھنے کے بعد وظیفہ پڑھنے
میں مشغول ہو گئے بادشاہ ہر لمحہ اُن کے سر پر ہاتھ رکھکر کہتا تھا کہ اب کھڑے ہو جاؤ
حکیم ابو الفتح نے یہ کہکر یہ اخلاق سے بعید ہے کہ اس عزیز کے شغل میں خلل پڑے
آگے بڑھکر بادشاہ سے عرض کیا کہ ان تمام مہربانیوں کے اکیلے شہبانہ خاں ہی مستحق
نہیں ہیں ہم دوسرے بھی ان مراحم خسروانہ کے اُمیدوار ہیں۔ بادشاہ یہ سنکر
شہباز خاں کو چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہو گیا

شہباز خاں کے اخراجات دیکھکر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ یہ مشہور ہو گیا تھا کہ ان کو
سنگ پارس مل گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ شہباز خاں بیش قرار تنخواہوں کے نوکر رکھتے
تھے چنانچہ دس آدمی اُن کے پاس ایسے ملازم تھے جو ایک ایک لاکھ روپیہ
ماہانہ تنخواہیں پاتے تھے۔

اور برہم پتر کی لڑائی میں نو ہزار سوار اُن کے ذاتی ملازم تھے اور ہر شب
جمعہ کو وہ سو اشرفیوں کی حضرت غوث الثقلینؒ کی نیاز دلاتے تھے۔
اور کنبوہ لوگوں کو انہوں نے اس قدر دیا کہ ہندوستان میں کوئی شخص
اس قوم کا پریشان اور بدحال نہ رہا اسکے سوائے اُن کے انتقال کے بعد
پچاس برس تک اشرفی اور روپیوں کے دفینہ اور خزانے نکلتے رہے
اور ۵۹۵ھ پر ہے کہ شہنشاہ اکبر نے اُنکی جاگیر جو صوبہ مالوہ میں تھی، تغیر
کرکے میرزا شاہرخ کو دیدی اور اُن کو تینتالیسویں سال جلوس میں بادشاہ
نے رانا کی مہم پر بطریق اتالیق شاہزادہ سلیم کے جو الہ آباد سے اس مہم کا عازم تھا اور
جس پر اس کا تعین ہوا تھا۔ شہباز خاں اجمیر روانہ کئے گئے
کیونکہ سیماب خوری کی اُن کو عادت تھی اور عمر بھی ستر برس سے زیادہ ہو گئی
تھی۔ ہاتھ و کمر میں اُن کے درد ہوا اور چند دنوں میں اچھا ہو گیا تھا شہر اجمیر
میں پھر وہ ہی بیماری عود کر آئی اور ساتھ ہی تپ بھی عارض ہوئی۔ لیکن
علاج سے تندرست ہو گئے

اور چوالیسویں سال جلوس اکبری میں کہ ۱۰۰۸ھ ہجری تھا ناگہاں
اُن کی وفات ہو گئی

شاہزادے نے اُن کے مال[2] پر قبضہ کر لیا اور وہ بلا انصرام مہم رانا الہ آباد
چلا گیا اور بادشاہ سے بغاوت کر دی

نوٹ عل[1]: اس موقع پر ہم مؤلف امروہوی سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ مردم کنبوہ کیا پنجاب والی قوم کمبوہ سے ہیں یا کسی طرح بھی ہو سکتے ہیں۔ ذرا وہ اسی ایک بات کا
جواب دیدیں تو اُن کی ساری بحث کی قلعی اسی جواب سے کھل جائے گی

نوٹ عل[2]: اس سفر میں نواب شہباز خاں کا ذاتی دو کروڑ روپیہ اُن کے ساتھ تھا۔

اِن میں سے "شیخ ابوالفضل" خلیفۂ اوّل تھے "جو شخص "دینِ الٰہی" میں آتا تھا وہ اِقرار نامہ لکھکر دیتا تھا"۔

اور ص۳۱ پر "بیربر" کے حال میں لکھا ہے کہ "بیربر" دینِ الٰہی اکبر شاہی" میں داخل تھے "اور مرید با اخلاص تھے۔ اور "مراتب چہارگانہ" کی منزلوں میں سب سے آگے دوڑے جاتے تھے "۔ اسلام اور اسلام والوں کو بھی جو چاہتے تھے کہہ جاتے تھے "مسلمان امیروں کو یہ بات ناگوار گزرتی ہوگی" چنانچہ "شہباز خاں کنبوہ" چار ہزاری منصبدار" جو اکثر مہموں میں سپہ سالار بھی ہوا "اُس نے ایک موقع پر "دربار خاص میں" انہیں ایسا بُرا بھلا کہا کہ بادشاہ کی طبیعت بے لطف ہو گئی" اور ص۳۰۹ پر ہے کہ "اُس نے (بیربر نے) اس معاملہ میں وہ رتبہ پیدا کیا تھا کہ وہ اور "ابوالفضل" وغیرہ "دینِ الٰہی اکبر شاہی کے خلیفہ تھے"۔

اپنے پیغمبر شہنشاہ اکبر کے منصب پیشوائی اور رہنمائی وغیرہ پر "ابوالفضل کی ہرزہ سرائی"

آئینِ اکبری جلد اوّل میں "اس دینِ الٰہی اکبر شاہی کے "خلیفہ اوّل" میاں ابوالفضل مصنّف اکبرنامہ" نے خود اپنے قلم سے "شاہنشاہ اکبر" اپنے پیغمبر کے "دیدار" رہنمائی" کرامتوں" مرید کرنے کے طریقہ" شجرہ پیری" مریدوں کے سلام" اور "احکام برائے مریدان" کے جو حالات لکھے ہیں اور اُن پر اپنی طرف سے جو راسے زنی کی ہے۔ اس موقع پر ہم انہیں بھی اس خیال سے نقل کئے دیتے ہیں "تاکہ دوسروں کے بیانات کے مقابلہ میں "اُن کا بھی بیان آجانے سے ابوالفضل کے" دینِ الٰہی کے بانی اور فروغ دہندہ" ہونے میں" کچھ بھی شک و شبہ باقی نہ رہے"۔

بیانِ مرحوم | چنانچہ ص۲۳۱ پر لکھا ہے کہ "(۱) اکثر اشخاص "ارادتمندوں میں داخل ہونے کے لئے حاضر ہوتے ہیں"

(۲) اور ایک گروہ "امراض سے شفایاب ہونے کے واسطے" سعادتِ دارین حاصل کرتا ہے"

(۳) کچھ لوگ "مذہب کی مشکلات حل کرنے کے لئے" قدمبوسی حاصل کرتے ہیں"

(۴) ایک اور گروہ "بعض دُنیاوی مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے" زمین بوس ہوتا ہے"

رہنموئی | اور ص۲۳۳ پر تحریر ہے کہ "جب بنی نوع اِنسان کی بلند طالعی کا وقت آتا ہے۔ اور مشیتِ الٰہی یہ ہوتی ہے کہ "زمانہ" حق پرستی کے مبارک آثار" اور برکات سے مستفید ہو" تو فرمانروائے وقت کو "اسرار دیگرنگی سے آشنا کیا جاتا ہے" اور بادشاہِ وقت کی ذات "ظاہری حکمرانی کے علاوہ "باطنی رہنمائی بھی کرتی ہے۔

بادشاہ حقیقت شناس نے "ایک عرصہ تک اپنی ذات کو "مذہب بیگانہ کے پردے میں مخفی رکھا۔ اور اپنے کو اس اہم ترین خدمت کا مستحق نہ ظاہر ہونے دیا" لیکن جو فعل خدا کی مرضی سے ظہور میں آنے والا ہو "اسے کون روک سکتا ہے" (ابوالفضل کے اس بیان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جب تک خود اُس کا اور اُس کے بھائی دیا پیا کا اثر نہیں ہوا تھا" اکبر" کو اس دینِ الٰہی کی خرافات کا خیال بھی نہ تھا "نہ اُس میں اِس ڈھونگ کے رچانے کی قابلیت تھی" مگر جب یہ "بیٹیوں تشریف لائے" اُس وقت سے یہ ہنگامہ آرائی شروع ہوئی ہے" پھر اسی سلسلہ میں ص۲۳۳ پر لکھا ہے کہ۔

"ابتداء میں حضرت سے "خود بخود ایسے حقایق و معارف کا ظہور ہونے لگا کہ زمانہ" اور اہلِ زمانہ "حیرت و تعجب میں مبتلا ہو گئے"۔

یہاں تک کہ "صفتِ رہنمائی نے "پورا جلوہ دکھایا۔ اور "اسرارِ الٰہی" قلب مبارک سے نکلکر زبان پر آئے" اور حقیقت انگیز کلمات و ہدایات نے "دنیا کو تازہ ہدایت و رونق بخشی" حضرت کے قلب مبارک "میں ہدایت و رہنمائی کی" لہریں اُٹھیں" اور بادشاہ حقیقت شناس نے "اسے مجبور ہو کر "منصب پیشوائی" اختیار کرنا" مرضیٔ الٰہی سمجھا" اور ہدایت کا دروازہ" ہر خاص و عام پر کھول کر "حقیقت طلب تشنہ لبوں کو "سیراب فرمانے لگے"۔

بادشاہ کا راز آگاہ سینہ "بعض "حقیقت طلب افراد کو "عرفان بخشی" سے" اور بعض کو "سعادتِ دارین کے اعلیٰ مقصد تک پہنچایا" اکثر مخلص و صادق جو بانی حقیقت یعنی ابوالفضل کی طرح کے دین فروش "دنیا دار" حضرت کے فیض نور بصیرت سے "قلیل مدت میں "عرفان کی "اُس منزل تک پہنچ گئے۔ جہاں دیگر روحانی مجاہدین "برسوں کی چلّہ نشینی سے بھی قدم نہیں رکھ سکے"۔

شاہنشاہ اکبر کی کرامتیں اور احکام وغیرہ "ابوالفضل" کے قلم سے | جہاں پناہ "اپنے انوار باطن سے "ہر شخص کے مدعائے دل سے واقف

ہو جاتے ہیں۔ (۲) اور نیازمند گروہ کے ہاتھ سے "کوزۂ آب لیکر" آفتاب کی روشنی میں رکھتے۔ اور اُس کی درخواست کو قبول فرماتے ہیں" اکثر بیمار جو "حاذق اطبا کے معالجہ سے" اچھے نہیں ہوتے" اس طلسم الٰہی " سے شفایاب ہو جاتے ہیں"

(۳) واضح ہو کہ ایک آزاد منش اہل حاجت نے "اپنی زبان کاٹ کر" آستانہ والا پر رکھدی" اور کہا کہ "اگر خدائے برتر نے مجھ کو سعید و مخلص پیدا کیا ہے۔ اور میرا عقیدہ صحیح ہے۔ تو میری حضرت بہجت سے میری زبان درست ہو جانی چاہیئے گی" خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ "قلیل ہی مدت میں مریض کی تمنا بر آئی" (یعنی کٹی ہوئی زبان درست ہو گئی")

ان کرامتوں پر ابوالفضل کا تبصرہ

جو شخص بادشاہ دین پناہ کی "خدا شناسی و حق پرستی سے" واقف ہو جاتا ہے۔ وہ ان عجائبات کو اہمیت نہیں دیتا" جو افراد حضرت کی زندہ باشت و دستی اور عہرانہ وزی کا مشاہدہ کرتے ہیں اُن کو حضرت کے افعال میں کوئی امر باعث تعجب نظر ہی نہیں آتا۔ (کیوں نظر آئے گا جبکہ سارا کرشمہ اُن ہی کا پیدا کردہ تھا۔)

حوصلہ مند بادشاہ۔ اپنی خوبیوں پر بہت کم نگاہ رکھتے ہیں" اور جو شخص ارادتمندوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ جہاں پناہ اُس کے معروضہ کو قبول فرمانے میں قدرے تاخیر کرتے ہیں۔

قبلۂ عالم نے بارہا فرمایا ہے کہ "میں خود کامل نہیں بغیر" دیگر ہی نوع انسان کی کیونکر رہنمائی کرسکتا ہوں" اگر کسی طالب صادق کی پیشانی پر نشان راستی بخوبی نمودار ہوتے ہیں اور اُس کے قلب میں آتش طلب۔ ور بہر ور مشتعل ہوتی جاتی ہے تو "وحشت" یہ درد مند" اپنی مراد کو پہنچایا جاتا ہے" اور "یک شنبہ کے روز" آفتاب عالم تاب "کی روشنی میں" منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے"

حضرت کے اِس قدر اغماض اور نیز اس درجہ دشوار پسندی کے باوجود بھی (لاکھوں) انسان "طیلسان عقیدت کو دوش پر رکھکر سلسلۂ ارادت میں داخل ہوتے اور سعادت دارین حاصل کرتے ہیں"

مرید کرنے کا طریقہ

سلسلۂ ارادت میں داخل ہوتے وقت طالب صادق۔ اپنی دستار کو ہاتھ پر رکھکر سر نیاز حضرت کے قدموں پر رکھتا۔ اور زبان حال سے عرض کرتا ہے کہ "میں نے اپنے طالع کی یاوری اور ستارۂ اقبال کے عروج سے خود غرضی و ریاکاری سے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے کنارہ کشی کی" اور حضرت کے عقیدتمندوں میں داخل ہوا۔ اور دوامی زندگی کی تلاش میں حیات جاوید حاصل کیا"

بادشاہ توفیق پناہ۔ اپنے دست مبارک سے ارادتمندوں کا سر اُٹھا کر "دستار" اُس کے سر پر رکھتے ہیں جس کا مدعا یہ ہے کہ "عالی ہمت فرمانروا نے طالب صادق کی دستگیری فرمائی۔ اور ہمت نامی " نے اپنے حقیقی ہستی کو قبول کیا"

اِس ارشاد کے بعد ارادتمند کو "زنار" یا انگشتری خاص " جس پر اسم اعظم "یعنی نقش "اللہ اکبر" کندہ ہوتا ہے عطا فرماتے ہیں۔

اثر پذیری

بندگان درگاہ "جہاں پناہ کے عجائب و غرائب حالات کو دیکھکر رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اور انواع و اقسام کے رہبرانہ نصائح کو زبان خاموشی سے قبول کرکے سرچشمۂ فیض الٰہی سے سیراب ہوتے ہیں"

ارادتمندوں کی آنکھوں میں دوسرے ہی "انوار" سما جاتے ہیں۔ اور افعال و کردار میں شمع سعادت کی جھلک نمودار ہوتی ہے۔ جہاں پناہ بعض حوصلہ مند ارادتمندوں سے تخاطب بھی فرماتے ہیں اور اُن کے مرتبہ کے مطابق "گرانمایہ اقوال و حکم" سے اُن کو مستفید فرماتے ہیں[۳۰۹]

مریدوں کا سلام

دیدار کے وقت ارادتمندوں کا عام دستور ہے کہ ایک شخص "اللہ اکبر" کہتا ہے۔ دوسرا اُس کے جواب میں "جلّ جلالہ" زبان پر لاتا ہے"

ابوالفضل کی توجیہ

قبلۂ عالم کا اِس قاعدے کی پابندی سے یہ مقصد ہے کہ "بنی نوع انسان سرچشمۂ ہستی کو فراموش نہ کریں اور ہر وقت ذکر الٰہی سے سیراب دل و تر زبان و شیریں کام رہیں"

احکام بطابق مریدان

نیز یہ کہ "بادشاہ حق آگاہ و سر دفتر عارفان" کا حکم ہے کہ "جو خیر و خیرات عام طور پر مرنے کے بعد کی جاتی ہے۔ وہ یہ ارادتمند اپنی زندگی میں بجا لائیں۔ اور اس طرح سفر آخرت کا سامان پہلے سے مہیا کرلیں"

نیز یہ کہ "مرید" ہر سال اپنی ولادت کے روز دعوت کریں۔ اور دستر خوان پر مختلف اقسام کی نعمتیں چنیں۔ تاکہ اِس طرح جود و سخا کی گرم بازاری ہو اور دُور و دراز سفر کے لئے زاد راہ مہیا ہو جائے "۔

اِرادتمند اشخاص "آئینِ مقدس کے مطابق" گوشت خوری "سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر "مریدان با اخلاص" دعوت میں بھی دوسروں کو تو گوشت کھلاتے ہیں۔ لیکن خود نہیں کھاتے "۔

یہ مخلص و پختہ اِرادت "مرید" دعوت میں تو گوشت کو ہاتھ سے چھوتے اور آنکھ سے دیکھ بھی لیتے ہیں لیکن اپنی ولادت کے مہینہ میں گوشت کے گرد بھی نہیں پھٹکتے "یہ اشخاص نہ اپنے ذبیح کے قریب جاتے ہیں۔ اور نہ اس کے کھانے کی رغبت کرتے ہیں "۔

اِرادتمند افراد "قصاب" ماہی گیر "اور" شکاری "(چڑی مار) وغیرہ کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ نہیں ہوتے "اور حاملہ عورت و ضعیف العمر اشخاص" و عقیمہ "و نابالغ" لڑکیوں سے میل جول نہیں رکھتے "(صفحہ ۱۳۰) (ترجمہ آئینِ اکبری جلد اوّل)

نواب شہباز خاں کے متعلق ابوالفضل و فیضی کی سازش میں ناکامی

مندرجہ بالا اقتباسات سے "دینِ الٰہی اکبر شاہی" اور اُس کے بانی و علمبردار "ابوالفضل" وغیرہ کی کیفیت بخوبی روشنی میں آگئی ہے "نیز یہ امر بھی اچھی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ "جب بڑے بڑے علماء و مشائخ اور سادات جو اپنے آپ کو دینِ اسلام کا محافظ اور اپنے آپ کو رسولِ مقبول صلعم کا نائب کہا کرتے تھے" دینِ الٰہی اکبر شاہی "میں داخل ہو کر" لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ "کا کلمہ پڑھنے لگے تھے "اُس وقت ایک اکیلی ذات "نواب شہباز خاں" فرزند حواری رسول اللہ صلعم اور اسلام میں سب سے پہلے اپنی تلوار کو بے نیام کرنے والے صحابی کی تھی "جنہوں نے "دولت و عہدہ تو درکنار رہا "اپنی جان تک کی پرواہ نہ کر کے" دین الٰہی کے تبلیغ کرنے پر خود شاہنشاہ کو ایسے تیز و تند جواب دیئے "اور "اُس کے خلیفۂ دوم" بیربر "کو اِس سختی سے ڈانٹا تھا کہ "اُن کے دین کی جڑ تک ہلا دی تھی "۔

نواب شہباز خاں کی وفاداری میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی "یہ انہیں کی تلوار تھی کہ جہاں جہاں سے "ٹوڈر مل و مان سنگھ" اور عبدالرحیم خانخاناں و منعم خاں "وغیرہ جیسے سردار ناکام لوٹتے تھے" وہ وہاں پہنچ کر فتح و فیروزی حاصل کرتے "اور "شاہنشاہ اکبر کے ملک میں اضافہ پر اضافہ کرتے رہتے تھے "اِس لئے شاہنشاہ کے دل میں "اُن کی عظمت و وقعت بے پایاں تھی "جس کا مختصر حال اُوپر اسی بیان میں آ چکا ہے "اور جس کی تفصیل سے تاریخیں بھری پڑی ہیں "۔

مگر اُن کا "دینِ الٰہی" کو ذلیل کرنے کا یہ حربہ ایسا نہ تھا "جو اُس کے بانی اور اُس کے ذریعہ سے ترقی کرنے والے "ابوالفضل" کے دل کے گھاؤ کو اُن کی طرف سے "کچھ بھی بھر سکتا "چنانچہ کسی طرح کا جب اُس کا کوئی بس نہ چلا "شیخ عبدالنبی" صدر وغیرہ کے جنہیں اُس نے پہلے تو مذہبی مسائل میں "بحث میں نیچا دکھا کر ذلیل کیا اور بعد "جلا وطن کرا دیا" اور جب وہ "مکہ معظمہ سے واپس تشریف لائے تو انہیں قید کرا کر اور نہایت مظلومیت دلوا کر قید خانے میں مروا دیا) نواب شہباز خاں پر نہ چل سکا "تو اُس نے اپنے تسکین دل کے لئے "بالکل اُسی طرح جیسے کہ کوئی شخص اپنے حریف سے مار کھا کر اور بدلہ لینے پر قادر نہ ہونے سے "عاجز و لاچار ہو کر اُس میں برائیاں نکالنا پھرتا "یا اُس کے خلاف سازشیں کرنے لگتا ہے "، اُن کے نسب کا شاخسانہ کھڑا کیا "لیکن اُس میں بھی اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا "۔ "ابوالفضل" کے اِس شاخسانے کے کھڑا کرنے کا حال "رسالہ شہباز خاں" میں تفصیل سے درج ہے "یہ رسالہ "شاہنشاہ اکبر" ہی کے زمانہ میں لکھا گیا" اور ہمارے پاس موجود ہے "اُس میں ہے کہ "

رسالہ شہباز خاں کا بیان

"چنانچہ در عصر اکبر بادشاہ عظیم القدر از روئے تعصبیت و دینداری شہباز خاں کنبوہ "شیخ علامی و فہامی ابوالفضل برآشفت و نسبت

"چنانچہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں "شہباز خاں کنبوہ" کی عصبیت دینداری کی وجہ سے "شیخ ابوالفضل" بہت پریشان ہو گئے "اور بادشاہ

خداپرست و دیندار حق پرست با عارفان و محققان مطلق اختلاط دارند۔ و
مجالست با فقرائے عالی مقام و زاہدان نیکو سرانجام و عابدان و صفہائے
صوفی صافی میکنند و صحبت ایشان را غنیمت میدانند۔ چراکہ براۓ
حق رفتہ و از خمخانۂ وحدت بادہ نوشیدہ و بندگان حق را نصائح ہوش
فرمودہ۔ و مسائل مشکلکشائے تلقین نمودہ۔ و بشاہراہ شریعت و متابعت
خاتم رسالت است رہنمون میکنند۔ اما بے سعادتمندان کوتہ اندیش
و گمراہان بدکیش از بخت واژگون و از طالع زبون بگوش نصیحت ناصحان
صاحب دین نمی‌نہادند۔ بل مسائل دینی و سخنان یقینی افسانہ می انگارند
و عمر عزیز را ببطالت و ضلالت صرف مینمایند و بدولت فانی محظوظ و
مسرور اند۔ و بعض مقربان درگاہ کہ درین مذکور حاضر بودند بسمع عالی
رسانیدہ اند۔ بادشاہ بہ انصاف وداد بہ آواز بلند این ندا در داد۔
کہ شہباز خان تاکہ شیر بیشۂ حقیقت است کہ قدم ہمت بر بساط شریعت
استوار نہادہ و دینداری در دنیاداری یافتہ۔ از ان بر کاملان خیر
پیشہ و عاقلان ثواب اندیشہ۔ آوازۂ طاعت و گلبانگ عبادت
شہباز خان سامع جامہ ملکوت والا قدر آستان بالا رسید۔ بجہت
آمرزش او بدرگاہ واہب العطایا است۔ عابتاید۔ و شرط دینداری
وجوہ اکثری شہباز خان بسیط زمین را فروگرفتہ و ذکر اخلاق او
بزبان اہل زمان بیشتر جاری گشتہ۔ و طنطنہ جود و کرم او در اطراف و اکناف
ہند اشتہار یافتہ و دعویٰ دینداری بر وے مسلم است۔ اما اکثر دولتمندان
دارالملک ہند بعداوت شہباز خان باکمر کین بستہ در امتحان سخاوت و
آزمائش دینداری او ہستند۔ ہرچند نقد سخاوت و شجاعت او بمحک اعتبار
آزمودہ اند بصورت دعوائے محکم و صافی امتحان نمودہ اند۔ او از ہمہ قابل
اعتبار برآمدہ۔ اما مدعیان منفعل نیستند۔ درین میان شیخ ابوالفضل علامی
بحضور بادشاہ جہان پناہ التماس نمود کہ سادات و شیخ و مغل و افغان
سایر قوم ہند و سندھ و عراق و عجم بدین بادشاہ اقرار کردہ اند کہ الناس علیٰ دین ملوکہم
اما این مرد کمبو کہ نصف قوم او از اہل ہنود و قلم زن و عیال او مسلم اند۔ و
امر بادشاہی را بہ وارد و بحث جاہلی درمیان آوردہ و بر جادۂ شرع محمدی مستقل
است۔ اگر حکم عالی بر این معنی صادر شود۔ باتفاق جمیع امرایان خیرخواہ
بحضور بادشاہ جہانپناہ شہباز خان را منفعل سازیم و نو مسلمی او را اشتہار دہیم
جمیع سادات عظام و شیخان عالی نام و افغانان نیکو سرانجام و مغلان
ذوی الاحترام و اہل سایر قوم بنی آدم علیہ السلام حاضر آوردہ۔

ہیں کہ اُن کی ظاہری حالت مثلِ اولیاء کے ہے لیکن باطن میں بوئے مسلمانی
نہیں ہے۔ اس وجہ سے خدا ترس دولتمند اور حق پرست دیندار عارفوں
سے ملتے ہیں .... اور فقرائے
عالی مقام اور عابدوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور اُن کی صحبت کو غنیمت
شمار کرتے ہیں کیونکہ حق راستہ پہ چلکر اور وحدت کا جام پیکر خدا کے بندوں
کو نصیحتیں کرتے ہیں۔ اور شریعت کے راستہ پہ پہنچاتے ہیں۔ لیکن بدبخت
کوتاہ اندیش اپنی بدبختی کی وجہ سے دینی ناصحوں کی نصیحتوں کی ضرورت
نہیں سمجھتے۔ بلکہ دینی اور یقینی باتوں کو افسانہ تصور کرتے ہیں۔ اور
دولت فانی سے محظوظ و مسرور ہوتے ہیں۔ بعض مقربان درگاہ اس
موقع پر حاضر تھے۔ بادشاہ نے داد انصاف دیکر ندا کی کہ شہباز
خاں حقیقت کے جنگل کا شیر ہے۔ کہ جس نے شریعت کے فرش پہ
ہمت کا قدم مضبوط جما رکھا ہے۔ دنیاداروں میں دینداری کو پالیا ہے
کاملوں اور عاقلوں پر ترجیح رکھتا ہے۔ اُس کے اخلاق کا ذکر لوگوں
کی زبانوں پر جاری ہے۔ اور اُس کی سخاوت ہند و سندھ اور
تمام اطراف میں مشہور ہے۔ اُس کا دعویٰ دینداری کا مسلم ہے۔
لیکن ہندوستان کے اکثر دولتمندوں نے شہباز خاں کی
عداوت پر کمر باندھی ہے۔ اور اُس کی سخاوت و دینداری کا امتحان
لینا چاہتے ہیں۔ ہرچند کہ اُس کی سخاوت و شجاعت کو آزما چکے ہیں
لیکن مدعی شرمندہ نہیں ہیں۔ اس اثناء میں شیخ ابوالفضل علامی
نے حضور میں التماس کیا کہ تمام سادات و شیخ و مغل و افغان
اور ہر قوم ہند و سندھ و عجم کی جانتی ہیں کہ الناس علیٰ دین ملوکہم

لیکن یہ کمبو کہ نصف قوم اس کی اہلِ ہنود ہیں اور باقی
اُن کے نو مسلم ہیں۔ بادشاہ کے حکم کی مخالفت کرتا اور شرع محمدی پر
قائم ہے۔ اگر حکم عالی صادر ہو تو تمام امراء و سادات و شیخ و
مغلان بلکہ تمام قوم بنی آدم علیہ السلام حاضر کرکے

ایسے موقع پر اِس شاخسانے کو کھڑا کرنے سے جو مطلب "ابوالفضل وفیضی" کا تھا وہ "رسالہ شہباز خاں" کے اقتباس سے بخوبی ظاہر ہو چکا ہے "یہ کہ سب سادات و مشائخ نے جو دین الٰہی کو قبول کر لیا۔ مگر "نواب شہباز خاں" نے جو حکم اولوالامر کی پیروی نہیں کی" یعنی دین الٰہی کی مخالفت میں بادشاہ کی ناراضی اور اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔ اِس کا اُن سے بدلہ لیا جائے" اور بن پڑے تو اُن کی ترقی کو رُکوا کر اپنے دل کے اُس ناسور کا جو "نواب شہباز خاں" نے ڈال دیا تھا" تھوڑا بہت اندمال کریں" لیکن جب اِس مکّارانہ چال میں "اِن فرستادگانِ دین الٰہی کو بے طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا" اور بڑی بھاری خفّت حاصل ہوئی" تو کوئی جائے گریز نہ پا کر ابوالفضل کو "نقیب خاں" اور دوسرے مورخوں کی اِس رائے کی کہ "نواب شہباز خاں" کا نسب نامہ "اکبر نامہ" میں درج کیا جائے۔ تاکہ زمانہ میں یادگار رہے۔ اور لوگوں میں اختلاف نہ رہے" مجبوراً اُس وقت تائید کرنی پڑی" اور پھر اُس سے کوئی غرض نہ رکھی" رسالہ نواب شہباز خاں میں یہ بھی تحریر ہے کہ "نقیب خاں" مع دوسرے مورخوں کے اِس کام پر مامور ہوئے۔ اور "نواب صاحب کا "نسب نامہ" بادشاہ کے سامنے گذرا تھا" یہ نسب نامہ وہی ہے جو "سلسلۂ عالیہ" اور "المشاہیر" میں درج ہے" اور جس سے مؤلف امروہوی واقف ہیں" اِس لئے اُسے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں"

"نواب شہباز خاں" اور "شاہنشاہ اکبر" کی اُس گفتگو کو سامنے رکھنے سے جو "دین الٰہی اکبر شاہی" کے متعلق اِن دونوں میں ہو چکی تھی" یقینی طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ "اِس شاخسانے کا حال" جو "نواب صاحب" کے نسب میں التباس پیدا کر کے اُن کے نسب کے متعلق کھڑا کیا گیا تھا" نواب صاحب" کے اُس کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دینے کے بعد "شاہنشاہ اپنے واقعات کے ضمن میں "کسی کتاب میں بھی لکھے جانے کو پسند نہیں کر سکتے تھے" اور "ابوالفضل" تو اپنی ناکامیابی یا شکست فاش کی ذلت کو "کسی بیخ بھی" اپنے قلم سے منظرِ عام پر نہیں لا سکتا تھا" اِس لئے یہ معاملہ جہاں کا تہاں ختم کر کے اُس کے متعلق خاموشی اختیار کر لی گئی" اور بجائے اِس واقعہ کے لکھنے کے "ابوالفضل" نے اپنے دل کی بھڑاس "اکبر نامہ" میں نواب "شہباز خاں" کے متعلق فقرات ذیل لکھ کر نکالی ہے"

نواب شہباز خاں کے متعلق ابوالفضل کی بھڑاس

مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر تحریر ہے کہ:۔

"شیخ ابوالفضل" در حق اُو "نویسد" کہ "در ہر گونہ پرستاری و سرداری سپاہ" "کم ہمتا بود" "اگر تقلید پرستی واہشتے و تعصب را "بیشتے" و در "یعنی تخم نداشتے"، و زبان را بہ بیجا "بکشودے" طراز فرو میدگی برگرفتے" (اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۵۳۸)

شیخ ابوالفضل نے "اکبر نامہ میں" اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر طرح سے وفاداری سے خدمت کرنے اور سربراہی سپاہ میں وہ بے نظیر تھے" اگر اسلام سے ترک تعلق کر لیتے اور دین الٰہی قبول کر لیتے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتے (یعنی دین الٰہی اور اُس کے پرستاروں کی زجر و توبیخ نہ کرتے) تو بہت ترقی کرتے"

ابوالفضل کے اِن فقرات کو بار بار پڑھیئے اور پھر دیکھئے کہ اُس نے "نواب شہباز خاں" زبیری کنبوہ" کے متعلق کیا لکھا ہے وہ اُن میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں نکال سکا" اور اُن کے نسب کے بارے میں ایک حرف تک نہیں لکھ سکتا ہے" وہ اُن کی "وفاداری" "مردانگی اور شجاعت" "نیز فوجی قابلیت کو بے نظیر بتانے کے ساتھ "دین اسلام" سے وابستگی اور جاں نثاری کو "بیجا" بتاتا۔ اور انہوں نے "دین الٰہی اکبر شاہی" کی جس طرح مخالفت کی تھی۔ اُس پر اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑتا ہے" جاننا چاہیئے کہ "اکبر اور اُس کے فرشتوں" نے اپنی ایجاد یعنی "دین الٰہی اکبر شاہی" کے مقابلہ میں "دین اسلام کا نام "تقلید" رکھا تھا۔ اور مسلمانوں کو وہ تقلید پرستوں کے نام سے موسوم کرتے تھے" علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ" ؎

تخم الحادی کہ اکبر پرورید ۔۔۔ باز اندر فطرت دارا دمید

یعنی وہ بے دینی اور الحاد کا جو بیج اکبر نے بویا تھا دارا شکوہ ابن شاہ جہاں کی شکل میں وہ پھر اُگ آیا"

"ابو الفضل" جو "نواب شہباز خاں" میں عدیم النظیر قابلیتیں ہونے کے باوجود "دین اسلام کو نہ چھوڑنے" اور "دین الٰہی اکبر شاہی کی مخالفت میں دشنام دہی کا عیب نکالنے سے باز نہ رہ سکا" اگر ایسے شخص کو ان کے نسب میں کوئی خامی یا محاسن میں کچھ کمی نظر آتی تو وہ اُس کے ظاہر کرنے میں کسی طرح بھی درگذر نہیں کر سکتا تھا" کیونکہ "اکبر" کی فتوحات کا بیشتر حصہ انہیں کی تلوار اور فوجوں کو باقاعدہ و قواعد داں بنانے کا رہین منت ہے" اِس لیے "ابو الفضل" اِن کے لیے "در ہر گونہ پرستاری و سربراہی سپاہ" کم ہمتا بود" کا فقرہ لکھنے پر مجبور تھا" مگر جو خلش نواب صاحب کی طرف سے اُس کے دل میں موجود تھی" اُس نے اُن کے دوسرے محاسن "یعنی" "سخاوت" "فیاضی" "بہادری" "قبیلہ پروری" "انصاف پروری" "انتظاماتِ ملکی" "اعلیٰ نسبی" اور دینداری وغیرہ کے بیان سے اُس کو روک دیا" وہ فقط اُن کے "دین الٰہی اکبر شاہی" کی مخالفت کرنے اور اُس کو بیہودگی اور الحاد و زندقہ سمجھنے۔ اور اس دین کے پرستاروں کی ڈانٹا ڈپٹی کرنے کا رونا رو کر خاموش ہو گیا ہے" کیونکہ دین الٰہی کے مقابلے میں سوائے حمایت اسلام کے اُن میں وہ کوئی بھی عیب نہیں پا سکا ہے"

مندرجہ بالا اقتباسات اور انکشافات سے ہم "مؤلف صاحب" کے اِس بیان کا جس میں انہوں نے "رسالہ مبارک" کی روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے" بطلان ثابت کر کے اُن کی تحقیقات کی حقیقت کو بخوبی دکھا چکے ہیں" اب ہمیں اِتنا اور بتا دینا ہے کہ "اِن مؤلف صاحب کو" اکثر وہ کتابیں تو ملتی ہی نہیں ہیں جو اُن کے مقصد کو ملیا میٹ کر دینے والی ہیں" لیکن طرّہ یہ ہے کہ "جن کتابوں سے انہیں کام لینے ناگزیر ہو جاتے ہیں، اُن میں بھی وہ باتیں جن سے خاندان زیر بحث کے بزرگوں کے اصلی حالات پر روشنی پڑتی ہے" انہیں مطلق نظر نہیں آتیں" جس طرح کہ "منتخب التواریخ" اور "مآثر الامراء" وغیرہ سے جن سے انہوں نے اِسی بحث میں اقتباسات دیئے ہیں" وہ اُن باتوں کو نہیں دیکھ سکے جنہیں انہیں کتابوں سے لیکر ہم نے اوپر لکھا ہے" اور جن سے "رسالہ نواب شہباز خاں" کے دیکھے بغیر بھی "کمبوہ" اور اُس کے "فیصلہ" کے "اکبر نامہ" میں درج نہ کئے جانے کی وجہ بلا کسی دقت کے صاف طور سے معلوم ہو جاتی ہے" بد دیانتی سے واقعات کا اخفا کر کے "غلط باتوں کو باور کرانے کی کوشش کرنا" اور اُس پر اپنے آپ کو محقق کہنا انہیں حضرت کی جرأت ہے" اِس معاملہ میں شاذ ہی کوئی ان کا مقابلہ کر سکتا ہے"

ابو الفضل کا حشر

اِس بحث کو ختم کرنے سے پہلے "ابو الفضل" کے آخری حشر کا حال بتا دینا بھی ہم اِس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں۔ مآثر الامراء کے اقتباس میں اُوپر یہ فقرہ آ چکا ہے کہ۔

"شاہزادہ سلیم" اموالش" منصرف گشتہ بے تمشیت آں مہم "بہ الہ آباد" معاودت کردہ" لوائے خود سری افراخت"	"شہزادہ سلیم" اُن کے (نواب شہباز خاں کے) مال کو اپنے قبضہ میں کر کے اُس مہم کو چھوڑ کر الہ آباد کو لوٹ گیا اور اُس نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ "اِس سفر میں" "نواب شہباز خاں" کے ہمراہ اُن کا ذاتی دو کروڑ روپیہ تھا۔ جس پر اُن کی وفات پر "شاہزادہ سلیم (بعد شاہنشاہ جہانگیر)" نے قبضہ کر کے "باپ سے بغاوت کر دی" اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ "ابو الفضل" کو جسے وہ "ملحدوں کا سردار" اور اپنے باپ کو ملحد بنانے والا سمجھتا تھا۔ اُس کے دکن سے لوٹتے وقت سر راہ ایک راجہ کے ذریعہ سے قتل کرا دیا" اور اِس طرح "نواب شہباز خاں" کے تصرف سے اُس کا خاتمہ ہو کر اُس کے پھیلائے ہوئے الحاد و زندقہ کی جڑ ہی کٹ گئی" غرضیکہ قوم کمبوہ اور نواب شہباز خاں "زبیری" کے خاندان کے سکنی لقب کمبوہی کو کمبوہ ظاہر کر کے دونوں میں التباس ڈالنے والے پہلے شخص کا اِس طرح خاتمہ ہو گیا"

باب ششم

"اکبر نامہ" میں "شہنشاہ مذکور کے عہد کا ایک فرمان" کی نقل درج ہے جو خانخاناں بیرام خاں کے نام صادر ہوا ہے۔ اُس میں "اکبر بادشاہ نے بھی بعض فرد گذاشتوں" اور کوتاہیوں کے متعلق جو خانخاناں "سے صورت پذیر ہوئی تھیں۔ چند الزامات عائد کئے ہیں"

ان میں ایک الزام کو شد و مد بیان کیا گیا ہے کہ "مرحوم فاضل۔ قابل۔ باحسب و نسب" کے موجود ہوتے
"خانخاناں نے "شیخ گدائی کنبوہ" کو "صدر الصدور" کے منصب جلیلہ پر کیوں مقرر کیا" "شیخ گدائی مذکور
"قوم کنبوہ کے نامور شخص "شیخ جمالی" کے لایق فرزند تھے" ان کا "ہندی الاصل" ہونے کے باوجود
"سادات اور دیگر عربی النسل" افراد کے مقابلہ میں "منصب صدارت" پر" جو "عربی النسل اشخاص
کے لئے مخصوص تھا" فائز ہونا۔ اس زمانہ کے خیالات کے اعتبار سے قابل مواخذہ سمجھا گیا" فرمان مذکور کے
چند فقرات ملاحظہ ہوں"

"خانخاناں بداند کہ چوں آں پروردۂ نعمت و تربیت کردہ عنایت و عاطفت ایں دودمان عالیشان
است" و حقوق خدمات شایستہ او۔ دریں درگاہ ثابت است" و حضرت جنت آرامگاہ طیب اللہ ثراہ"
(یعنی بادشاہ ہمایوں)
او را امر عظیم القدر اتالیقی اعلیٰ تہ بلیغ فرمودند تا آنکہ دریں پنج سال بہ ہندیں آمور نا شایستہ از و بظہور
آمد۔ کہ سبب تغیر خاطر جمہور شدہ۔ مثل تربیت "شیخ گدائی" کہ باوجود آں ہمہ زیرکی و دانائی۔ از میان
ایں ہمہ مردم فاضل و قابل با حسب و نسب بجہت آشنائی خود انتخاب نمودہ" و با آنکہ متعہد "منصب
صدارت" شدہ بود" و منظر دنائیر تہری کردہ" و او را از تسلیم سعادت داشتہ بود" بکمال جہل و
نادانی۔ در محافل جنت منازل۔ او را بر جمیع سادات "صحیح النسب" و علمائے جلیل الحسب" کہ بنا بر ملاحظہ
عظمت و شان و جلالت مراسم احترام و تعظیم بجا می آوردیم" تقدیم دادہ" باوجود لاف محبت و
دوستداری" کہ بخاندان الطیبین و طاہرین" می زد" تماشت و خواری" ایں طبقہ شریفہ را۔۔۔ می
نمود الی آخرہ"

کسی "زبیری" کے نسب کے متعلق ایسے طعن آمیز الفاظ میں ذکر نہیں کیا جا سکتا تھا "اکبر نامہ" کے
ایک "انگریز مترجم" مسٹر ایچ بیورج" فرمان مذکور کی نقل درج کرنے کے بعد حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ
"شیخ گدائی کے باپ" شاعر اور" دہلی" کے اکابر سے تھے" لیکن تمام کنبوہ" چونکہ اصلاً ہندو تھے۔ (ملاحظہ
ہو ضمیمہ البیت جلد اول ص ۳۔) اور اس وجہ سے "سادات" ان کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے"
(ترجمہ اکبر نامہ بزبان انگریزی۔ جلد دوم۔ حاشیہ ۱۹۱) "ص ۳۲۴۔۳۲۵)

مؤلف صاحب کے اس بیان پر کہیں یہ بتانا ضروری ہے کہ "انہوں نے "بیرام خاں" نائب السلطنت اور اتالیق شاہنشاہ
اکبر کے موسومہ فرمان کا جو بہت طویل ہے" یہاں صرف وہ ٹکڑا پیش کیا ہے جس میں "شیخ گدائی" کا ذکر ہے" اور "بیرام خاں کے دیگر
ساتھیوں کے متعلق اس فرمان میں جیسی کچھ گل افشانیاں کی گئی ہیں" انہیں بالکل چھپا لیا ہے" ظاہر ہے کہ کسی مضمون یا واقعہ کے صرف ایک
مقدمہ کو سامنے لانے اور دوسروں کے اخفا کر دینے سے "نہ تو صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے ٹھیک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے" اسلئے
واقعات پر پورا عبور حاصل کرنے کے لئے اس فرمان کی جس میں "بیرام خاں" کی مشہور نامور خیر خواہوں اور جاں نثاروں پر حسد بیجا اور
کینہ پرور شخصیتوں کی وجہ سے پانی پھیر دیا گیا ہے" پوری نقل کرنے کے ساتھ" ان سازشوں" مکاریوں اور ان واقعات کا حال بتانا بھی" مؤلف
صاحب کے [illegible] الفضل میں داخل [illegible] کی بنا پر یہ فرمان "نافذ ہوا اقتباس میں "بیرام خاں" کے تمام ساتھیوں پر بھی نہایت غضب [illegible]
[illegible] گئے ہیں"

مگر [illegible] انہوں نے اپنے مقصد کے پیش نظر ان سب باتوں کو معرض اخفا میں رکھنا ضروری خیال کر کے "فرمان کا صرف ذرا سا ٹکڑا ظاہر کیا" ہے

اور اپنی طبیعت سے اُس کے وہ معنی نکالے ہیں جو کسی طرح بھی اُس سے پیدا نہیں ہوتے " یعنی " بیرام خاں " کو جو [illegible] دینی فرائض سے محبت نہ رکھنے کا جو طعنہ دیا گیا ہے۔ اُسے " شیخ گدائی رح " پر طعنہ قرار دیکر " اور اپنے حسب منشا نتیجہ نکال کر اس رائے کا اظہار کیا ہے " جس میں صداقت کا شائبہ تک نہیں ہے " بلکہ سراسر دھوکے میں ڈالنے والی ہے "

اِس لئے اصلیت اور حقیقت کے اظہار کے لئے " بیرام خاں خانخاناں " کے حالات اور اُن کے حاسدوں کی کینہ توزیوں بھری سازشوں کے واقعات کو پیش کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ اِن حالات و واقعات کو سامنے رکھکر حقیقی فیصلہ کیا جا سکے "

بیرام خاں کے حالات اور اُن کے خلاف حاسدوں کی سازشیں

" بیرام خاں " بدخشاں میں پیدا ہوئے " اور اپنے والد کے اِنتقال کے بعد " بلخ " میں " تحصیل علم " کی " بیرام خاں " نے جس کا ننھیالی رشتہ تیموری خاندان سے بھی تھا " سولہ سال کی عمر میں " کابل " آکر " شاہزادہ ہمایوں " کی ملازمت کی " ہمایوں " نے اُس کی قابلیت دیکھکر اپنی مہرداری کی عظیم خدمت اُس کے سپرد کر دی " ۹۴۲ھ ہجری میں " شیر شاہ " سے دوسرے مقابلہ میں " جب ہمایوں کو ایسی شکست ہوئی کہ پریشانی میں ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی " تو آپ نے " میاں عبدالوہاب " کے پاس جن سے خاص اِتحاد تھا " سنبھل " جا کر پناہ لی " نصیر خاں حاکم سنبھل " نے آپ کو قتل کرنا چاہا " مگر " عیسیٰ خاں مسند عالی " جو اُس وقت " سنبھل " آئے ہوئے تھے۔ اور " میاں عبدالوہاب " کے دوست تھے " انہوں نے " میاں صاحب " کے کہنے سے آپ کی جان بچالی " اِسی دوران میں " عیسیٰ خاں " جب " مالوہ " جا کر " شیر شاہ " سے ملے۔ تو اُن کی سفارش سے " شیر شاہ " نے بھی اُن کی جان بخشی کر کے " ابوالقاسم " حاکم گوالیار " کے پاس انہیں بھیجنے کی اجازت دیدی۔ شیر شاہ گو آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔ لیکن " ہمایوں " کی محبت کی وجہ سے " ابوالقاسم " کے ہمراہ " برہان پور " کے قریب سے آپ " گجرات " کی طرف بھاگے۔ مگر " شیر شاہ " کے ایلچی کے ہاتھ میں جو " گجرات " سے آرہا تھا دونوں گرفتار ہو گئے " جس نے " آپ کے دھوکے میں ابوالقاسم " کو قتل کر دیا " اس کے بعد آپ " گجرات " پہنچے "

" شیخ گدائی " جو اُس وقت گجرات میں مقیم تھے " انہوں نے بیرام خاں کے ساتھ بہت سلوک کیا۔ اور اُنہیں " بآرام " ہمایوں کے پاس پہنچا دیا " (مؤلف)

محرم ۹۵۰ھ ہجری کو " دریائے سندھ کے کنارے قصبہ جون میں " ہمایوں " ارغونیوں " سے لڑ رہا تھا اور بہت شکستہ دل تھا " قندھار جانے کا اِرادہ کر رہا تھا کہ " بیرم خاں " پہنچ گئے " ہمایوں " اور اُس کے لشکریوں کو آپ کے آجانے سے بیحد تقویت اور خوشی ہوئی۔ اب ہمایوں بجائے قندھار کے بیرام خاں کی رائے سے ایران کو روانہ ہوا " جب کوئی شہر قریب آتا تو " بیرم خاں " بڑھکر وہاں کے حاکم سے ملتے اور اِس طرح کی باتیں کرتے کہ ہر جگہ ہمایوں کا شاہانہ استقبال کیا جاتا۔ قزوین سے آپ ہی شاہ طہماسپ کی خدمت میں ہمایوں کا خط لے گئے " اور ایسی وکالت کی جس سے شاہ بہت متاثر ہوئے۔

اِیران میں قیام کے زمانے میں ہر کام بیرام خاں کی رائے سے کیا جاتا تھا۔ شاہ ایران اُن پر ایسا مہربان تھا کہ اُس نے اُنہیں " خاں " کا خطاب " اور شہزادوں کا مرتبہ عنایت کیا تھا۔

۹۵۲ھ ہجری میں جب ہمایوں قندھار کو میرزا عسکری کے مقابلہ پر ایرانی فوج کے ہمراہ روانہ ہونے لگے تو شاہ طہماسپ نے بیرام خاں کو روکنا چاہا مگر ہمایوں سے جدا ہونا آپ نے پسند نہیں کیا۔ اور ہمایوں کے لئے اپنے وطن و قوم کو چھوڑ دیا "

ہمایوں نے آپ کو ایلچی بناکر کابل بھیجا۔ راستہ میں قوم ہزارہ نے آپ کو روکا۔ مگر آپ اُن کو شکست دیکر کابل پہنچ گئے۔ اور وہاں میرزا کامران کو تحفہ پیش کئے اور اُس سے خلوص و محبت کی باتیں کیں۔ پھر میرزا ہندال و میرزا سلیمان و یادگار ناصر میرزا و الغ بیگ میرزا۔ اور [illegible] اکبر سے ملے "

ڈیڑھ ماہ کے بعد "بابر" کی بڑی بہن "خانزادہ بیگم" کو ہمراہ لیکر "قندھار" جس کا "ہمایوں" نے محاصرہ کر رکھا تھا آ گئے۔ ان کے آنے کے بعد "مرزا عسکری" مجبور ہو گیا۔ اور "خانزادہ بیگم" کی امان میں قلعہ سے باہر آگیا۔ "بیرام خاں" نے اس کی گردن میں تلوار ڈال کر "ہمایوں" کے دربار میں پیش کیا۔

ہمایوں نے وعدے کے مطابق قلعہ "شاہ طہماسپ" کے بیٹے کو دیدیا۔ اور چند دنوں کے بعد اسے بقوت لیکر "بیرام خاں" کے سپرد کر دیا۔ جسے انہوں نے نہایت مستحکم کر لیا۔ سنہ ۹۶۱ ہجری میں "ہمایوں" لوگوں کے بہکانے سے "قندھار" آیا تو "بیرام خاں" نے تمام سے باہر آکر اس کا استقبال کیا اور تحائف پیش کیے۔ "ہمایوں" پر مفسدہ پردازوں کی شرارت ظاہر ہو گئی۔ مگر جب وہ "بیرام خاں" کا "قندھار" سے ہٹایا جانا خلاف دانشمندی سمجھکر تنہا واپس جانے لگا۔ تو "بیرام خاں" کے اصرار پر اس نے "بہادر خاں" کو حاکم "داور" بنا کر امداد پر مقرر کر دیا۔

سلیم شاہ کی وفات کے بعد پٹھانوں میں نفاق ہو جانے کی وجہ سے سنہ ۹۶۲ ہجری میں "ہمایوں" نے "ہندوستان" کا قصد کیا۔ اس وقت "بیرام خاں" اجازت لیکر اپنی فوج کے ساتھ اس کے لشکر سے آن ملے "دریائے سندھ" سے پار اتر کر "ہمایوں" نے انہیں "سپہ سالاری" کا منصب عطا کیا۔ اور "صوبہ قندھار" کو ان کی جاگیر قرار دیا۔ "ماچھی واڑے" سے تین ہزار افغانوں کو "بیرام خاں" نے مار کر بھگا دیا۔ تو انہیں "سرکار سنبھل" جاگیر میں دی گئی۔ "دہلی" پر قبضہ کے بعد تمام امراء کو "بیرام خاں" کی تجویز سے انعام عطا ہوئے۔ اور خود ان کو "صوبہ سرہند" جاگیر میں ملا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے زبردست فتح حاصل کی تھی۔

سنہ ۹۶۳ ہجری میں "ہمایوں" نے "اکبر" کا اتالیق بنا کر "بیرام خاں" کو "سکندر سور" کے مقابلہ میں "سرہند" کو روانہ کیا۔ "بیرام خاں" نے "سکندر" کے اسی ہزار افغانوں کو شکست فاش دیکر بہت مال و ہاتھی گھوڑوں پر ان کے قبضہ کر لیا۔ اس فتح کی مسرت میں "ہمایوں" نے "بیرام خاں" کے خطابات پر "خان خاناں" "یار وفادار" اور "ہمدم و غمگسار" کے الفاظ اضافہ کیے۔ اور ان کے تمام ملازمین کے نام شاہی دفتر میں داخل کر کے "سنبھل" جاگیر عطا کی۔ دلی پر قابض ہونے کے بعد جو فوج پٹھانوں کے استیصال کی غرض سے "ہمایوں" نے اکبر کے ساتھ "بیرام خاں کی اتالیقی" اور سپہ سالاری میں روانہ کی تھی۔ ہریانہ کے حدود میں اسے "ہمایوں" کے انتقال کی خبر ملی۔ "بیرام خاں" نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا۔ اور پیش قدمی روک کر "کلانور" چلے گئے۔ جہاں انہوں نے سب کی تشفی کر کے اور شاہانہ دربار کر کے ۲ر جمادی الثانی سنہ ۹۶۳ ہجری کو تیرہ سال کی عمر میں "اکبر" کے سر پر تاج شاہی رکھا۔ اور جن سرداروں کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ تھا اور وہ دربار میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ انہیں مشورے کے بہانے سے بلا کر قید کر لیا۔

اکبر کی تخت نشینی کے بعد "ہیموں بقال" وزیر "سکندر شاہ سوری" "آگرہ" پر قبضہ کر کے "دہلی" پر بڑھا۔ تو وہاں کے گورنر "تردی بیگ" نے شکست کھائی۔ "علی قلی خاں" "میرٹھ" میں تھا۔ وہ مقابلہ کو بے سود سمجھکر "نوشہرہ" چلا گیا۔ "اکبر" اور "بیرام خاں" اس وقت "جالندھر" میں تھے۔ اور پنجاب کے سوا تمام صوبوں پر "افغانی" اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ اس لیے بڑی پریشانی پھیلی۔ لیکن "بیرام خاں" نے "اکبر" کو مطمئن کر کے اور امرائے دولت کو جمع کر کے ان کی رائے لی۔ کیونکہ دشمن کا لشکر ایک لاکھ سے زائد تھا اور یہاں کل فوج بیس ہزار تھی۔ اس لیے سب کی رائے ہوئی کہ اس سال "کابل" چلیں۔ اگلے سال پھر آ جائیں گے۔ "بیرام خاں" نے ان سے کہا کہ "دوستو! خدا کے لیے ہمت مت ہارو۔ مرد بنو۔ تم بھاگ گئے تو کس کو منہ دکھاؤ گے۔" سب کہیں گے "ایک لڑکے کو (اکبر کو) میدان میں چھوڑ کر بھاگ آئے۔" "اکبر" نے کہا "خان بابا! آپ مختار کل ہیں۔ جو مناسب مصلحت ہو وہ کریں۔" اس وقت "اکبر" نے بیرام خاں کے خطابوں پر "خان بابا" کے القاب کا اضافہ کر کے اور اتالیقی و سپہ سالاری پر "وکیل مطلق" کا عہدہ زیادہ کر کے اپنے تمام مہمات ملکی و مالی کو ان کے سپرد کر دیا تھا کہ جس کام کو تم مناسب سمجھو اور حکومت کا فائدہ اس میں دیکھو "میری اجازت کے منتظر مت رہو۔" اور اسے "بیرام خاں" کو لوگوں کی خوشامد کے خطرات سے مطمئن کر دینے کے لیے خود پیمان بھی کئے۔

اب "بیرام خاں" نے سب کی حوصلہ افزائی کی اور سب کو تسلی آمیز فرمان بھیج کر بلایا۔ جب تردی بیگ آیا تو اُسے دوسروں کی عبرت کے لئے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد "ہیمو" کی فوج کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دیدی۔ "ہیمو" کو گرفتار کر لیا۔ اور تمام باغیوں کو تہ تیغ کر کے "بابر و ہمایوں" کی سلطنت کو پھر سے ہندوستان میں قایم کر دیا۔ (کتاب محمد بیرم خاں ترکمان۔ مطبوعہ آگرہ اخبار پریس آگرہ۔ (تالیف حکیم علی کوثر چاند پوری۔ بیگم گنج بھوپال)

"ہمایوں کے ساتھ خاص تعلق اور وابستگی رکھنے کے باعث "شیر شاہ" کے سلطنت پر قابض ہونے کے زمانے میں "شیخ گدائی" گجرات میں جا کر مقیم ہو گئے تھے۔ اور اکبری تخت نشینی کے سال میں آپ "ہیموں" سے لڑائی اور اس کی گرفتاری سے پہلے ہی ۹۶۳ھ میں "گجرات" سے "دہلی" تشریف لے آئے تھے۔ اور آپ کا تقرر صدارت کے عالی شان عہدے پر کر دیا گیا تھا۔"
(اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۱)

دربار اکبری کے صفحہ ۱۶۵ پر ہے کہ "ہیمو" جب "اکبر" کے سامنے لایا گیا تو "شیخ گدائی" نے "اکبر" سے کہا کہ جہاد اکبر کیجئے" اور "اکبر" کی مرضی پا کر پہلے "بیرام خاں" نے بیٹھے بیٹھے "ہیموں" پر تلوار کا وار کیا۔ دوسرا وار "شیخ گدائی" نے کیا۔

اور صفحہ ۱۷۱ پر ہے کہ "غرضکہ فتح و فیروزی کے ساتھ" دلی پہنچ کر "بیرام خاں" نے ادھر اُدھر فوجیں بھیج کر انتظامات شروع کر دیئے "اکبر" کی بادشاہی اور "بیرم خاں" کی سربراہی تھی۔ دوسرے کا دخل نہ تھا۔ شکار کو جانا۔ شکار گاہوں میں رہنا۔ محل میں کم جانا۔ اور جو کچھ ہو بہ اجازت "خان خاناں"۔ امرائے اکبری و بابری "بیرام خاں" کے ان بالیاقت اختیاروں کو نہ دیکھ سکے۔ سب کو اُن کے پیچھے چلنا پڑتا تھا۔ اس لئے انہوں نے "جزوی جزوی باتوں پر" بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا۔ اور اُن کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کر کے "جان و آبرو" کی فکر میں رہنے لگے۔"

(۱) اکبری لشکر جس وقت "قلعہ مانکوٹ" کو گھیرے ہوئے تھا۔ خان خاناں کے "دنبل" نکلا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ سوار بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ اکبر نے دو ہاتھی منگائے اور اُن کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگا۔ وہ دونوں لڑتے ہوئے "بیرام خاں" کے خیمہ پر آن پڑے۔ اور اُن کی جان مشکل بچی۔ خان خاناں نے "شہاب الدین محمد اتکہ خاں" کی طرف خیال ہوا کہ اس نے بادشاہ کے کچھ کان بھرے ہوں گے۔ "بیرام خاں" نے بادشاہ کو "ماہم انگہ" کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ "اپنی دانست میں میں نے کوئی خطا نہیں کی" اگر اس بد اندیش کی کوئی بات خلاف واقعہ حضور تک پہنچی ہے تو ارشاد ہو۔ فدوی اس کا عذر کرے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ "فدوی کے خیمہ پر ہاتھی ہُول دیئے۔ (صفحہ ۱۷۱)

(۲) ہمایوں نے اپنے مرنے سے پہلے "اپنی پھوپھی زاد بہن" "سلیمہ سلطان بیگم" کی نسبت "بیرام خاں" سے ٹھہرا دی تھی۔ اکبر نے "سنہ ۹۶۱ ہجری میں" دلی یا جالندھر" کے مقام پر عقد کر دیا۔ اس شادی کے لئے بیگمات نے بڑی تاکید کے ساتھ صلاح دی۔ لیکن "چغتائی" اور ماوراء النہری ترک امراء اس قرابت سے ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ "ہماری شہزادی" "ایرانی ترکمان" اور نوکر کے گھر میں جائے یہ ہمیں گوارا نہیں۔ ملا پیر محمد نے بھی اس آگ پر خوب تیل ٹپکایا۔"

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی فرماتے ہیں کہ "ایرانی" "تورانی" کا بہانہ تھا۔ اور شیعہ سنی کا افسانہ انہیں رشک "صرف بیرام خاں کے منصب اور اختیار کا تھا" "آل بابر" اور "آل تیمور" کی انہیں پروا نہ تھی "بابر" کا چچا پشتوں کا ملک برباد کیا۔ "ہندوستان میں آ کر یہ تے کے ایسے خیر خواہ بن گئے۔ اور "بیرام خاں" بھی کچھ نیا امیر نہ تھا۔ پشتوں کا امیرزادہ تھا۔ اور اُس کی ننھیال کا "خاندان تیموری سے رشتہ تھا" (صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷)

(۳) مصاحب بیگ پسر خواجہ کلاں بیگ کو "ایک مفسدانہ جرم پر" خان خاناں" نے مروا دیا۔ گو اس قتل کے بانی "ملا پیر محمد" تھے۔ مگر امراء نے بدنامی کا شبہ "بیرام خاں" کے سینہ پر توڑا۔ (صفحہ ۱۷۲، دربار اکبری)

(۴) مصاحب بیگ کی رگ "ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی کہ ایک شعلہ اور اٹھا۔" ملا پیر محمد" اب بڑھتے بڑھتے "امیر الامراء کے

"ملا پیر محمد" نے "بیانہ" سے چلکر "رادھن پور" میں مقام کیا" وہاں "فتح خاں بلوچ" نے ان کی بہت خاطرداری کی۔ ادھر سے "ادہم خاں" وغیرہ امراء کے خط پہنچے۔ کہ جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ اور انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے "بیرام خاں" کو "ملا" کے وہیں ٹھہر جانے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کئی سرداروں کے ساتھ فوج روانہ کر دی "ملا" نے ایک پہاڑی کی گھاٹی میں تھوڑی جنگ کی مگر رات کو وہاں سے فرار ہو گئے۔ سب مال و اسباب اُن کا "بیرام خانی" سپاہ کے ہاتھ آیا" (صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸)

(۵) اب وہ وقت آیا کہ یا تو "خان خاناں" کی ہر تجویز "عین تدبیر تھی۔ یا ہر بات نظروں میں کھٹکنے لگی اور اُن کے حکموں پر شور و غل ہونے لگے" "مالوہ" کی مہم کا چرچا ہو رہا تھا۔ غرض کیا کہ فدوی بذات خود جا کر اپنی فوج خاص سے اس مہم کو سر کرے گا" جب وہ فوج لشکر لے کر گئے تو امرائے دربار مدد کی جگہ بدخواہی پر کمربستہ ہو گئے۔ انہوں نے اطراف کے زمینداروں میں مشہور کر دیا کہ "خان خاناں" پر بادشاہ کا غضب ہے" اس پر مزید یہ کارروائی کی کہ "بادشاہ" کی طرف سے "خفیہ حکم لکھکر بھیجے کہ جہاں موقع پاؤ "بیرام خاں" کا کام تمام کردو" امراء کی ان کارروائیوں سے "یہ مہم ناکام ہو گئی" (صفحہ ۱۵۵)

(۶) اسی طرح "بنگالہ" کی مہم میں بھی۔ دو غلے دغابازوں نے "دونوں طرف ملکر کام خراب کر دیا" اور مشہور یہ کیا کہ "خان خاناں" جہاں جاتا ہے جان بوجھکر" کام خراب کر دیتا ہے" (صفحہ ۱۵۵)

(۷) مزید یہ صورتیں پیدا ہوئیں کہ "بادشاہی ہاتھیوں میں ایک مست ہاتھی" فیلبان کے قابو سے نکل گیا" اور "بیرام خاں" کے ہاتھی پر جا پڑا" اُس نے اس کے ایسی جگہ ٹکر ماری کہ "بیرام خاں" کے ہاتھی کی انتڑیاں نکل پڑیں" "خان خاناں" نے خفا ہو کر "شاہی فیلبان کو قتل کر دیا" (صفحہ ۱۵۶)

(۸) انہیں دنوں میں ایک خاصہ کا ہاتھی مستی میں آکر "جمنا" میں اُتر گیا اور بدمستیاں کرنے لگا" "بیرام خاں" اُس وقت کشتی میں سوار دریا کی سیر کر رہے تھے" ہاتھی اُن کی کشتی کو دیکھکر ٹکر مارنے کے واسطے ادھر آیا" یہ حال دیکھکر کناروں سے غل اور دریا میں شور اُٹھا" ملاح بھی گھبرا گئے" ہاتھ پاؤں مارتے تھے مگر دل ڈوبے جاتے تھے "خان خاناں" پر عجب حالت گذری۔ بارے مہاوت نے ہاتھی کو دبا لیا اور "خان خاناں" کی جان اس آفت سے بچ گئی" اکبر نے اس خبر کو سنکر "مہاوت کو باندھکر اُن کے پاس بھیجدیا" اور "بیرام خاں" نے اُسے قتل کر دیا۔ (صفحہ ۱۵۶ و اکبرنامہ جلد دوم صفحہ ۸۰)

(۹) "خان خاناں" کے دشمن تو بہت تھے مگر "ماہم انگہ" اُس کا بیٹا "ادہم خاں" "شہاب الدین احمد خاں" اُس کا رشتہ دار اور داماد" اور اکثر رشتہ دار ایسے تھے کہ "اندر و باہر" ہر طرح کی عرض کا موقع ملتا تھا" اکبر۔ اُس کا اور اُس کے لواحقوں کا حق بھی بہت مانتا تھا" یہ علامہ بڑھیا "ہر وقت لگاتی بجھاتی رہتی تھی۔ اور کبھی جو اُن میں سے موقع پاتا تھا" بات بات پر اکساتا تھا" کبھی) کہتے تھے کہ "وہ حضور کو بچہ سمجھتا ہے۔ اور خاطر میں نہیں لاتا ہے" بلکہ کہتا ہے کہ "میں نے تخت پر بٹھایا ہے۔ جب چاہوں گا اٹھا دوں گا۔ اور جسے چاہوں گا بٹھا دوں گا" کبھی کہتے کہ "شاہ ایران" کے مراسلے اُس کے پاس آتے ہیں۔ اور اُس کی عرضیاں جاتی ہیں" فلاں سوداگر کے ہاتھ تحائف بھیجے تھے"

درباری رقیب جانتے تھے کہ "بابر و ہمایوں" کے وقت کے پرانے پرانے خدمتگذار کہاں کہاں ہیں۔ اور وہ کون اشخاص ہیں جن کے دلوں میں "خان خاناں" کی رقابت کی آگ سلگ سکتی ہے"

تمہیں یاد ہے "شیخ محمد غوث گوالیاری" کا دربار سے کیونکر سلسلہ ٹوٹا۔ اور وہ اُن سب باتوں کو "خان خاناں" کے اختیار کا خلل سمجھے تھے۔ اُن کے پاس خطوط بھیجے۔ اور مقدمات کے اونچ نیچ سے آگاہ کر کے "برکت انفاس کے طلبگار ہوئے" وہ مرشد کامل تھے" نیت خالص سے شریک ہوئے۔ (صفحہ ۱۶۶)

نوٹ ۱؎ شیخ محمد غوث گوالیاری کے متعلق دربار اکبری کی یہ تحریر لکھی جا چکی ہے کہ "تمہیں یاد ہے "شیخ محمد غوث گوالیاری کا دربار سے کیونکر سلسلہ ٹوٹا۔ اور وہ اُن سب باتوں کو خان خاناں (بیرام خاں) کے اختیار کا خلل سمجھتے تھے۔ ان کے پاس خطوط بھیجے اور مقدمات کے اونچ نیچ سے آگاہ کر کے برکات انفاس کے طلبگار ہوئے۔ وہ مرشد کامل

اب شفقت شاہانہ یہی ہے کہ اجازت ہو جائے " یہ قدیمی خانہ زاد " خانۂ خدا کو چلے جائیں۔ وہاں غائبانہ دعاؤں سے خدمت بجالائیں گے " (صفحہ ۱۶۸)

(۱۱) غرضکہ " بیرام خاں " کی بداندیشی اور بغاوت کے ارادے بادشاہ کے دل پر ایسے نقش کر دیئے کہ اُس کا دل پھر گیا۔ اور اُس نے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ اپنی حالت کو اُن کی صلاح و تدبیر کے حوالے کر دے " " شہاب الدین احمد خاں " با ہر وکیل مطلق ہوگئے " ماہم " اندر ہی بیٹھی بیٹھی حکم احکام جاری کرنے لگی " اور مشہور کر دیا کہ " خان خاناں " حضور کی غضبی میں آیا " بات منہ سے نکلتے ہی دور پہنچ گئی۔ امراء اور ملازم دربار " جو آگرہ میں تھے۔ دہلی آنے لگے " یہاں جو آتا " شہاب الدین احمد خاں " اُس کا منصب بڑھاتے جاگیریں " اور خزانے " ولواتے " صوبجات " اور اطراف و جوانب میں جو امراء تھے۔ اُن کے نام احکام جاری ہوئے " شمس الدین خاں " اتکہ کو " بھیرہ " علاقہ پنجاب میں حکم پہنچا کہ اپنے علاقہ کا بندوبست کر کے " لاہور " کو دیکھتے ہوئے جلد " دہلی " میں حاضر حضور ہو " منعم خاں " کے بھی احکام و ہدایات کے ساتھ " کابل " سے طلب ہو گئے " یہ بڑے سردار " کہنہ عمل سپاہی تھے " کہ ہمیشہ " بیرام خاں " کی آنکھیں دیکھتے رہتے ساتھ ہی شہر پناہ۔ اور قلعہ دہلی " کی مرمت اور مورچہ بندی شروع کر دی " وا درے " بیرام خاں " تیری ہیبت " (صفحہ ۱۶۹)

(منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۵ تا صفحہ ۳۷)

(۱۲) یہاں " خان خاناں " نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا " شیخ گدائی " اور چند اور شخصوں نے یہ رائے دی کہ حریفوں کا پلہ ابھی بھاری نہیں ہوا ہے " آپ یہاں سے جریدہ سوار ہوں " اور نشیب و فراز سمجھا کر " بادشاہ کو پھر قابو میں لائیں کہ فتنہ انگیزوں کو فساد کا موقع نہ رہے۔ (صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰) منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۷ پر ہے کہ۔

" درخان خاناں " در آگرہ " با جمع از مخصوصان خویش کنکاش طلبید "

خان خاناں نے آگرہ میں اپنے سارے مخصوصوں کو صلاح و مشورے کیلئے طلب کیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴) ازیں سبب علما از آزار شیخ درگذشتند۔ وفات وے ۹۷۰ ہجری است۔ (خزینۃ الاصفیا مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

بیہوشی میں ہوتی ہے نہ کہ ظاہر میں مجھے کچھ خبر نہیں ہے " اس سبب سے علماء شیخ محمد غوث کو ستانے سے باز رہے اور اُسے چھوڑ دیا۔ اُسکی وفات ۹۷۰ ہجری میں ہو گئی۔

ترجمہ اُردو منتخب التواریخ صفحہ ۱۵۸ پر ہے کہ جب سلطان محمود گجراتی کے زمانہ میں " شیخ محمد غوث " ہندوستان سے گجرات کو گئے تھے تو " شیخ علی متقی " نے جو مشائخ کبار اور اپنے وقت کے علمائے روزگار میں سے تھے۔ اُن کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلطان نے اُس کا جاری کرنا " میاں وجیہ الدین " کی رائے پر موقوف رکھا۔ چنانچہ " میاں وجیہ الدین " شیخ کی ملاقات کو گئے اور پہلی ہی ملاقات میں ایسے اُن کے معتقد ہوئے کہ بے اختیار ہو گئے۔ اور اُس فتوے کو چاک کر ڈالا " یہ سنکر " شیخ علی " ان کے مکان پر گئے۔ اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ کر کہا " کہ تم کیوں بدعت کے رواج پر راضی ہوتے ہو اور شرع میں رخنہ ڈالتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ارباب قال ہیں اور شیخ اہل حال ہیں ہمارا ذہن اُن کے کمالات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض اُن پر نہیں آتا غرضکہ اُن کے ہی سبب سے اور حکام بھی گجرات کے " شیخ محمد غوث " کے معتقد ہو گئے۔ اور شیخ نے آسمان تک آفت سے نجات پائی " بعد اس کے " میاں وجیہ الدین " اکثر اپنی مجلس میں یہ کہا کرتے تھے کہ ظاہر شریعت میں آدمی کی نظر ایسی چاہیئے جیسی " شیخ علی متقی " کی کیفیت ہے۔ اور حقیقت میں یہ حال چاہیئے جو ہمارے پیر کی کیفیت ہے۔

اور منتخب التواریخ جلد دوم فارسی کے صفحہ ۳۳ و ۳۴ پر ہے کہ " بعد از انکہ " بہر علی " بہ آگرہ " آمد " قلعہ چنار " را بہ " غلام عدلی " دستبرد آورد۔ و درسنہ نہ صد و شصت و ہفت ۹۶۷ " شیخ " مشار الیہ با مریدان و معتقدان و کروفر تمام " از گجرات " بہ آگرہ " رسیدہ و شاہنشاہ با اعتقاد در آورد و " شیخ گدائی " باوجود نفاق و حسد کہ لازمہ ہندوستان را با ہم لازمہ ذاتی است۔ آن را بردم ۔ از دو طرفے بالایت و کا نشی صاف خوش نہاد "

اس کے بعد جب " بہر علی " آگرہ آیا " قلعہ چنار " کو " عدلی " کا غلام فتح کر کے اپنے تصرف میں لے آیا " اور ۹۶۷ ہجری میں " شیخ " موصوف اپنے معتقدوں اور مریدوں کے ساتھ بہت کروفر کے ساتھ گجرات سے آگرہ پہنچا۔ اور شاہنشاہ اس کا معتقد ہو گیا " اور " شیخ گدائی " کو اس سے حسد و نفاق پیدا ہوا۔ کیونکہ اہل ہندوستان کی یہ فطرت ہے کہ اپنے آپ سے دوسرے کو بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے "

رائے "شیخ گدائی" با چندے دیگر" ایں بود کہ پیش ازاں کہ پلہ گراں شود خود بایلغار رفتہ" شاہنشاہے رابدست آورد۔ تا مجال دخل حساد فساد نباشد"

شیخ گدائی اور چند دوسروں کی رائے یہ تھی کہ قبل اسکے کہ مخالفوں کا پلہ بھاری ہو جائے فوراً تیزی سے شاہنشاہ کے پاس پہنچ جانا چاہئے تاکہ حاسدوں کو مجال فساد پیدا کرنے کی نہ رہے"

اس تحریر کے مقابلہ میں اب ہم دکھاتے ہیں کہ "ابوالفضل" نے اسی بات کو کن الفاظ میں لکھا ہے "جن سے اس کی خوشامد و چاپلوسی" اور طبیعت کے رنگ کا حال بھی بخوبی عیاں ہو جاتا ہے "اکبر نامہ" جلد دوم کے صفحہ ۲۶ پر وہ لکھتا ہے کہ"

"باتفاق شورہ بختان "خوشامد گرے معاملہ نافہم" مثل "ولی بیگ ذوالقدر" و "شیخ گدائی کنبوہ" "اندیشہ ہائے تباہ بخاطر آوردہ۔ خیالات خام پختن گرفتند"

شورہ بختوں "خوشامدیوں اور ناسمجھ لوگوں کے اتفاق سے مثل "ولی بیگ ذوالقدر" اور "شیخ گدائی کنبوہ" "اندیشہ ہائے تباہ دل میں لاکر خیالات خام کو پکانے لگے"

"چوں باطن نورانی "حضرت شاہنشاہی بر خدایع "مکر و فریب" ایں گروہ کافر نعمت و نمک حرام" آگاہی یافت "پیش ازانکہ آں گروہ گمراہ۔ بدکردار خیال فاسد خود ظاہر سازند" "از سرِ بستہ خود را درمیان اخلاص پیشیہ ہائے یک جہت "مثل "ماہم انگہ" (اکبر کی دایہ) و "ادہم خاں" (پسر ماہم انگہ)، و "مرزا شرف الدین حسین" (اکبر کا بہنوئی)، و جمعی دیگر از آستان نشینان بارگاہِ قرب۔ درمیان آوردہ (باہم مشورہ کردہ)، بخاطر خوردہ داں رسانیدند" (در خاطر باریک بیں حضرت اطلاع دادند) کہ نقاب ــ (بیدار شود از غفلت)، چند از جمال جہاں آرا بر داشتہ "فکر اورنگ آرائی فرمایم"

"جب بادشاہ سلامت کے نورانی باطن کو اس نمک حرام جماعت کے مکر و فریب سے واقفیت ہوئی۔ تو قبل اس کے کہ وہ بدکردار و گمراہ جماعت اپنے خیالات فاسد کو ظاہر کریں۔ اپنے آپ سے وابستہ اخلاص پیشہ وہم رائے "مثل ماہم انگہ (اکبر کی دایہ بانی فساد) اور "ادہم خاں" (ماہم کا بیٹا) اور مرزا "شرف الدین" (اکبر کا بہنوئی) اور سارے دوسرے آستاں نشین بارگاہ قرب سے کہا کہ وہ باہم مشورہ کریں انہوں نے بعد مشورہ عرض کیا کہ "نقاب جمال جہاں آرا سے اٹھا کر یعنی خواب غفلت کو چھوڑ کر فکر اورنگ آرائی فرمائی جائے"

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵) "خان خاناں" نیز بتقریب تصرفے کہ "شیخ گدائی" درمزاجش نمودہ بود۔ با "شیخ محمد غوث گوالیاری" آشنائی چنانکہ بایستی نکرد۔ بلکہ مجالس متعدد منعقد ساختہ۔ و رسالہ "شیخ محمد غوث" "کہ دراں کیفیت معراج خود بیان کردہ گفتہ کہ در بیداری مرا مجالسہ و مکالمہ با حضرت رب العزت تعالیٰ شانہ واقع شد۔ و بر حضرت رسالت پناہی صلعم "تقدیم کردم"

اور خان خاناں نے بھی جس کے مزاج پر شیخ گدائی تصرف رکھتے تھے۔ "شیخ محمد" کی کچھ قدر نہ کی بلکہ متعدد مجلسیں منعقد کر کے "رسالہ شیخ محمد غوث" کا کہ جس میں اس نے اپنی معراج کی کیفیت بیان کی ہے۔ اور کہا ہے کہ میری گفتگو حضرت رب العزت شانہ سے واقع ہوئی۔ اور میں حضرت رسالت پناہی صلعم سے بڑھ گیا ہوں"

و امثال ایں خرافات کہ عقلاً و نقلاً مذموم و ملوم باشد۔ درمیان آوردہ "شیخ (محمد غوث) را پیش کشیدہ ہدف تیر ملامت ساختند۔ تا بخاطر آزردہ بگوالیار۔ رفت و بلوازم مشیخت و ارشاد و پرداختہ "بجاگیر یک کرور کہ دادہ اند قناعت نمود"

اور اسی قسم کی اس کی اور خرافات جو عقلاً و نقلاً مذموم و ملوم ہیں درمیان لاکر اور "شیخ (محمد غوث گوالیاری) کے سامنے رکھ کر اس کو لعنت ملامت کا نشانہ بنایا" جس سے وہ رنجیدہ ہو کر گوالیار چلا گیا۔ اور لوازم مشیخت و ارشاد کو لیکر ایک کروڑ کی جاگیر پر جو اسے دی گئی ہے اس نے قناعت کر لی"

آگے اسی جلد کے صفحہ ۳۳ پر ہے کہ "و زمانے کہ جامع ایں منتخب "در آگرہ بتحصیل علم رسمی" اشتغال داشت۔ و "شیخ" باکر و فر تمام۔ وجاہے نالا کلام۔ در لباس فقر آمد و غلغلہ از زمین و زماں درگرفت۔ خواست کہ رفتہ ملازمت نماید۔ اما چوں شنید کہ تعظیم ہندواں قیام میکند۔ دل ازاں ہوس برخاست و محروم ماند"

اور جس زمانے میں کہ اس منتخب کا جمع کرنے والا آگرہ میں طالب علمی میں مشغول تھا۔ اور "شیخ (محمد غوث محمد گوالیاری) بہت کر و فر کے ساتھ کہ جس کا بیان مشکل ہے۔ فقیری کے لباس میں آیا" اور غلغلہ اس کا زمین و زماں میں پہنچ گیا" میں نے چاہا کہ جا کر اس سے ملوں۔ مگر جب سنا کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ ہوس دل سے نکال دی اور اس کے ملنے سے محروم رہا"

پھر منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۴ تا ۶ پر ہے کہ
"بعد از فترات ہند۔ چوں "شیر شاہ" در مقام آزار "شیخ محمد" شد

اس زمانے سے جبکہ شیر شاہ کی سزا کے خوف سے شیخ محمد نے گجرات

و "بیرام خاں" و خوشامد گویان "مجلس آرا سزائے لائق" درکنار نہیم۔ تا از خواب غفلت بیدار شدہ زمانے دراز از در حسرت کار خود باشند"

اور بیرام خاں" اور اس کی مجلس کے خوشامدیوں کو سزا ئے لائق دینی چاہئے۔ تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر زمانے دراز تک کفِ افسوس ملتے رہیں"

آگے "صاحب دربار اکبری" لکھتے ہیں کہ "بعض کی رائے تھی کہ "بہادر خاں" کو فوج دیکر "مالوہ" پر بھیجا جائے" خود وہاں چلو اور ملک تسخیر کرکے بیٹھ جاؤ" پھر جب موقع ہوگا۔ دیکھا جائے گا" بعض نے صلاح دی کہ "خان زماں" کے پاس چلو" پورب کا علاقہ "افغانوں" سے بھرا ہوا ہے۔ اُسے صاف کرو۔ اور چند روز وہاں بسر کرو۔ (صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰)

(۳۱) "شیخ گدائی" وغیرہ رفقا نے صلاحیں دیں۔ اور "خان خاناں" نے بھی چاہا تھا کہ آپ حضور میں حاضر ہوں۔ اور جو باتیں جرم و گناہ قرار دی گئی ہیں۔ اُن کی عذر و معذرت کرکے صفائی کرے" بعد اُس کے رخصت ہو" لیکن حریفوں نے وہ بھی نہ چلنے دی" انہیں ڈر ہوا کہ جب "بیرم خاں" "اکبر" کے سامنے آیا اپنے مقصد کو پُر اثر تقریر کے ساتھ اس طرح ذہن نشین کرے گا کہ جو نقش ہم نے اتنے دنوں میں بٹھائے ہیں" سب مٹ جائیں گے۔ اور وہ بنی بنائی عمارت کو چند باتوں میں ڈھا دے گا"

انہوں نے اکبر کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ وہ خود صاحب فوج و لشکر ہے" اُمراء "سب اُس سے ملے ہوئے ہیں۔ نمک حلالوں کی تعداد بھی ابھی بہت کم ہے" اگر وہ یہاں آیا۔ تو خدا جانے کیا صورت ہو"

بادشاہ بھی لڑکا تھا۔ ڈر گیا" اور صاف لکھ بھیجا کہ اِدھر آنے کا ارادہ نہ کرنا" اب تم حج کو جاؤ" پھر آؤ گے تو پہلے سے بھی زیادہ خدمت پاؤ گے" اس وفادار نے سر و چشم کہہ کر قبول کیا" اور بہت خوشی سے تعمیل کی" "ناگور" سے "طوغ و علم" "نقارہ و فیل خانہ" تمام اسباب امیرانہ" اور شوکت شاہانہ" کا سامان "حسین قلی بیگ" اپنے بھانجے کے ساتھ روانہ کر دیا" "جھجر" کے مقام میں پہنچا۔ اُس کی عرضی جو مضامین بنا نہ" اور صدق

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶) سفر گجرات اختیار نمودہ۔ در سنہ مذکور (سنہ ۹۶۶ھ) از گجرات بہ آگرہ۔ آمد و پادشاہ را در صغر سن بہ تحریص و ترغیب، تمام بوسایل و سایط در سلک ارادت خود آورد۔ و لیکن بادشاہ زود دل را نمود" و چون صحبت اُو بخان خاناں۔ بیرام خاں" و شیخ گدائی" درست نیامد رنجیدہ بگوالیار رفت۔ و یک کرور تنگہ را مدد معاش داشت" ہر کرا میدید حتیٰ کفار را نیز تعظیم و قیام مے نمود۔ ازیں جہت اہلِ فقر اندکے بہ ملامت و انکار او برخاستند و در سنہ ۹۷۰ ہجری نہصد و ہفتاد بود از ہشتاد سالگی در آگرہ رحلت بدار الملک آخرت نمود و در گوالیار مدفون شد"

کا سفر اختیار کیا تھا" سنہ ۹۶۶ ہجری میں وہ گجرات سے آگرہ آیا۔ اور بادشاہ کی صغر سنی سے فائدہ اٹھا کر اس نے تحریص و ترغیب اور تمام وسیلوں اور واسطوں سے کام لیکر اُسے اپنا ارادتمند بنا لیا" لیکن بادشاہ جلد اس کے پنجہ سے نکل گیا" اور کیونکہ اُس کا رویہ خان خاناں اور شیخ گدائی کو پسند نہیں آیا اسی لئے وہ رنجیدہ ہو کر گوالیار کو چلا گیا" ایک کروڑ تنگہ کی مدد معاش رکھتا تھا۔ جس کو دیکھتا حتیٰ کہ کفار کی تعظیم کے لیے بھی کھڑا ہو جاتا تھا" اسی لئے بعض اہلِ فقر نے بھی اُس کی بزرگی سے انکار کیا ہے اور اس پر ملامت کی ہے" سنہ ۹۷۰ ہجری میں اسی سال کی عمر میں آگرہ میں اُس کی وفات ہو گئی۔ اور گوالیار میں مدفون ہوا۔

منتخب التواریخ جلد سوم کے اس بیان میں کیونکہ بادشاہ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کے اپنے سلک ارادت میں لے آنے اور پھر بادشاہ کا جلد ہی شیخ موصوف کی ارادت سے پرہیز کرنے کا حال آ چکا ہے اس لئے اب ہم اس کی تفصیل اکبر نامہ جلد دوم کے صفحہ ۶۸ و ۶۹ سے لیکر یہاں لکھتے ہیں جس سے بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ پیری مریدی کس قسم کی تھی۔ یعنی جس طرح بادشاہ مرید بنایا گیا اس کا بادشاہ کے دل پر کیا اثر ہوا۔ اس کے متعلق ابو الفضل کا بیان یہ ہے کہ "

دریں ایام عنان عزیمت جنوب رویہ بقصد شکار منعطف داشتہ۔ عرصۂ گوالیار را از قدوم موکب خاص سعادت اجلال دادند"

انہیں دنوں میں شکار کی غرض سے جنوب کی طرف روانہ ہو کر کچھ عرصہ میں گوالیار میں رونق افروز ہوا"

در اثنائے شکار بعض آہو بانان۔ و مقربان بساط شکار (شکار کنندہ) بعرض اقدس رسانیدند کہ ہمراہ "شیخ محمد" کہ از شیخان ہند مشہور شدہ بود

اثنائے شکار میں بعض ہرنوں کے نگہبان اور مصاحب شکار کرنے والوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ "شیخ محمد" جو مشائخ ہندوستان میں مشہور ہیں۔

کرخانِ جہان شد۔ و اسمٰعیل خاں برادرش۔ و شاہ قلی خاں محرم۔ و حسین خاں خویش۔ مہدی قاسم خاں کسے دیگر نماند۔ و از بنا گور اسباب حشمت را از نقارہ و علم آنچہ کہ داشت بدست حسن قلی خاں روانہ درگاہ گردانید۔

جو خان جہان ہوا۔ اور اسمٰعیل خاں اس کا بھائی اور شاہ قلی محرم اور حسین خاں داماد مہدی قاسم خاں کوئی دوسرا نہ رہا اور ناگور سے تمام اسباب حشمت نقارہ و علم جو کچھ کہ رکھتا تھا حسین قلی خاں کے ہاتھ بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸) تماشائے رنگ آمیزی عالم بودند۔ بہ رسم ظاہر جواب فرمودند کہ نے شیخ دست مقدس آں جہاں پناہ را آئی گرفت و گفت بادست شما گرفتیم۔ حضرت شاہنشاہی از فرط مروت و حیا چیزے بجائے آں ندادہ تبسم کناں برخاستند بندگانِ حضرت شاہنشاہی۔ مکرراً در محافل عالیہ میفرمودند کہ بجاں شب مخیم اقبال آمدہ۔ بزم جام و بادہ ترتیب دادہ سرگرم نشاء نشاط بودیم۔ و بہ طریق گرفتن گاواں۔ و طرز دراز دستی شیخ خندہ یاد داشتیم۔

سبحان اللہ ایں مرد سادہ۔ خود آرائی۔ دراں پایہ و قدر دانی و مروت و مردمی حضرت شاہنشاہی در بیں مرتبہ کہ باوجود آنکہ مکرراً از عوام الناس مسامع علیہ رسیدہ کہ آں شیخ در ہنگامہ عوام۔ از عمل ناشایستہ خود پشیمان نشدہ۔ بہ ایں بے روشی مباہات و فخر میکند۔ گوش نفرمودہ۔ و در تدارک آں توجہ نہ نمودند۔

و ایں شیخ برادر خورد شیخ بہلول است کہ سابقاً مذکور شد کہ میرزا ہندال او را بقتل رسانید۔ و ایں دو برادر اگرچہ از فضایل و کمالات علمی عاری بودند۔ اما بعض اوقات کنز دامنہ جبال نشستہ بدعوات اسماء اشتغال می نمودند۔ و آنرا دستاویز جاہ و اعتبار خود ساختند۔ و بصحبت سلاطین و امراء بوسیلہ سادہ لوحان۔ زود فریب رسیدہ متاع ولایت مے فروختند۔

و برادر کلانش کہ ملازم رکاب نصرت قباب حضرت جہانبانی جنت آشیانی مے بود۔ چوں آنحضرت را توجہ تمام بدعوات بود۔ شیخ را بہ اتقا ہائے ادعیہ عزت میداشتند۔ و شیخ در خلوت خود۔ با سادہ لوح چند بنسبت حضرت جہانبانی گاہ واسطہ عقیدت درگاہ رابطہ ارادت انتساب دادہ۔ تفاخر نمودے۔ و در ہنگام فتنہ شیرخانی چوں برادر کلان او در دولت خواہی حضرت جہانبانی عمر خود را سپری کردہ بود۔ اہل روزگار ایں خاندان را از منسوبان ایں دولت ابد قریں میدانستند۔

شیخ محمد غوث از توہم اسیب افغاناں بہ گجرات رفتہ بود۔ و چوں سواد اعظم ہندوستان از شعشعہ نیر اقبال شاہنشاہی۔ روشنائی گرفتہ دائرہ امن امان شد۔ شیخ با اولاد و احفاد خود۔ در دار الخلافت آگرہ بمجلس اقدس مشرف شدہ باعزاز و رعایت یافت۔

بازیگ کہتے ہیں تماشائے رنگ آمیزئی عالم ہیں۔ اخلاقاً جواب دیا کہ میں کسی کا مرید نہیں ہوں۔ شیخ نے بادشاہ جہاں پناہ الٰہی کا مقدس ہاتھ پکڑا اور کہا میں تمہارا ہاتھ پکڑتا ہوں (یعنی تمہیں مرید کرتا ہوں) بادشاہ سلامت نے مروت و حیا کی وجہ سے کوئی جواب اس کو نہیں دیا۔ مسکراتے ہوئے چلے آئے۔ بادشاہ سلامت نے کئی دفعہ اپنی محفل عالیہ میں فرمایا کہ اس شب کو اپنی جائے قیام پر آ کر بزم جام و شراب ترتیب دیکر کیسی خوشیاں منائیں تھیں اور گائیں جس طرح حاصل کیں اور شیخ کی دراز دستی کے طریقہ پر ہنستے تھے۔

سبحان اللہ اس مرد سادہ کی خود آرائی اس پایہ کی ہے اور قدر دانی و مروت و مردمی بادشاہ سلامت کی اس مرتبہ پر ہے کہ باوجودیکہ بادشاہ سلامت کو عوام الناس سے کئی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ وہ شیخ عوام میں اپنے ناشائستہ عمل پر شرمندہ نہیں ہے بلکہ اپنی اس بے روشی پر فخر کرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کی ان باتوں کی طرف کچھ خیال نہ فرمایا اور اس کے تدارک کی طرف توجہ نہیں دی۔

یہ شیخ در شیخ بہلول کا چھوٹا بھائی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ اسے میرزا ہندال نے قتل کرا دیا تھا۔ یہ دونوں بھائی اگرچہ فضائل و کمالات علمی سے عاری تھے لیکن بعض اوقات پہاڑوں میں بیٹھکر چند دعوات اسماء میں مشغول رہتے تھے۔ اس کو جاہ و اعتبار کی دستاویز بنا کر سادہ لوحوں جلد فریب میں آ جانیوالوں کے وسیلہ سے سلاطین امراء کی صحبت سے متاع ولایت کو بیچتے پھرتے تھے۔

اس کا بڑا بھائی جو ملازم رکاب حضرت جہاں پناہی جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) کا تھا کیونکہ آنحضرت کی توجہ دعوات کی طرف تھی۔ شیخ کی اس کے جاننے کے دعوے کی وجہ سے عزت کرتے تھے۔ اور شیخ اپنی خلوت میں چند سادہ لوحوں کو جتاتا تھا کہ بادشاہ سلامت مجھ سے عقیدت رکھتے ہیں اور میرے مرید ہیں۔ اور اس پر فخر کرتا تھا۔ شیر شاہ کی لڑائیوں کے زمانے میں کیونکہ اس کے بڑے بھائی نے حضرت جہاں پناہی کی دولت خواہی کی تھی اسلئے اہل روزگار اس خاندان کو اس دولت ابد قرین کے منسوبین جانتے تھے۔

شیخ محمد غوث افغانوں کے ڈر سے گجرات چلا گیا تھا۔ اور جب سواد اعظم ہندوستان میں آفتاب اقبال شاہنشاہی سے پُر روشنی ہوئی اور امن امان ہوا تو شیخ اپنی اولاد اور عزیزوں کے دار الخلافت آگرہ میں آ کر مجلس اقدس سے مشرف ہوا اور اس نے عزت و رعایت حاصل کی۔

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۹ پر ہے کہ "پیر محمد خاں" "بتعجیل تمام روانہ شد و در "ناگور" توقف نمود" "از یک دو منزل در رقعہ نوشتہ" "بخان خاناں" "فرستاد کہ"

آمدم در دلِ اساس عشق محکم ہم چناں
با غمت جانِ بلا فرسودہ ہمدم ہم چناں

"خان خاناں" "در جواب نوشتہ۔ کہ آمدن مردانہ" "اما نزدیک رسیدہ توقف کردن نامردانہ"

"وبعد از انکہ" "شاہنشاہ" "بہ دہلی" "مراجعت فرمودند" "منعم خاں" "را از کابل" "برائے وکالت طلبیدند" "و خان خاناں" "از جہتہ ملاحظہ" "مالدیو" "راجہ جودھپور" "کہ با جمعیت تمام" "سرِ راہ گجرات" "گرفتہ بود" "از ناگور" "بہ بیکانیر" "آمد" "و از خبر تعاقب" "پیر محمد خاں" "آزار بسیار یافتہ مایوس شد" "و عازم پنجاب" "گشت"

پیر محمد خاں جلد روانہ ہوا اور ناگور کی سرحد میں ٹھہر گیا" "ایک دو منزل سے رقعہ میں لکھکر خان خاناں کو بھیجا کہ

آمدم در دلِ اساس عشق محکم ہم چناں
با غمت جانِ بلا فرسودہ ہمدم ہم چناں

خان خاناں نے جواب میں لکھا کہ آپ تو مردوں کی مثال لیکن نزدیک پہنچکر ٹھہر گئے نامردوں کی طرح"

شاہنشاہ نے "دہلی" کو لوٹ آنے کے بعد منعم خاں کو کابل سے وکالت کے واسطے بلایا" اور خان خاناں یہ دیکھکر کہ مالدیو راجہ جودھپور نے اپنی تمام جمعیت کو ہمراہ لیکر "گجرات" کا راستہ روک لیا ہے" "ناگور" سے بیکانیر آیا۔ اور پیر محمد خاں کے تعاقب کی خبر سے آسے بہت رنج ہوا" "مایوس ہو کر" "پنجاب" "کی طرف گیا"

صاحب دربار اکبری لکھتے ہیں کہ "عجب دل پر صدمہ گذرا" چنانچہ اسی دل شکستگی کے عالم میں ایک عریضہ حضور میں لکھا۔ وہ خون کے قطرے ہیں جو دل افگار سے ٹپکتے ہیں" "وہ بینک نیت نیک رائے" "دنیا سے بے آس" "اہل دنیا سے بیزار" "بیکانیر سے" "پنجاب کی حد میں داخل ہوا" "اُمرائے احباب کو لکھا کہ میں "حج بیت اللہ" کو جاتا تھا" "مگر سنتا ہوں کہ چند اشخاص نے کیا کیا کہکر" "مزاج شریف بادشاہی کو میری طرف سے متغیر کر دیا ہے"" "خصوصاً" "ماہم انگہ" "کہ استقلال کے گھمنڈ کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ میں نے "بیرام خاں" "کو نکالا" "اب ہمت یہ چاہتی ہے کہ" ایک دفعہ آکر پھر اردو

(بقیہ نوٹ ملا صفحہ) داشت واز دست چہ قدر خون مشترک زدہ "و بنیان الرز کہ عبارت از انسان باشد بچشم خود دراں روز دیدہ شد کہ در نظرش حکم ترب و غبار گند نا داشت" "چوں فقیر" "ملا عبدالقادر صاحب منتخب) بے غرضانہ دراں لشکر رفتہ بودم۔ آں ہول قیامت نشان را دیدہ۔ بہ مہر علی خاں بیگ سلدوز آشنائی خود گفتم کہ چوں باغیان سزائے خود یافتند" "زن و بچہ ایشاں را خود" "بحسب شرع شریف" "قتل و اسیر نباید داست"

"او از علم دین و دیانتے کہ داشت" "رفتہ بہمیں عنوان" "بہ پیر محمد خاں گفت" "در جواب میگوید کہ یک شب خود ایں ہمہ باتند چہ میشود"

"وہماں شب" "غارتگراں قزاق" "اسیرانِ اہل اسلام را از" "زنانِ مشائخ و سادات" "و علما" "و اعیان" "در صندوقہا" "و خرجینہا" "پنہاں کردہ" "بجانب اُجین و دیگر اطراف بر دند"

"و" "سادات و مشائخ" "آنجا" "مصحف بر دست گرفتہ پیشواز بر آمدند"

"پیر محمد خاں ہمہ را کشت و آتش زد" "

جلد مصحف کندہ و چرم نقارہ ساختہ
میشود معلوم ازیں کو دشمن پیغمبر است

نکلتا ہے" اور بنیان الرّب کہ عبارت الشان سے ہے۔ اپنی آنکھوں سے اس روز دیکھا۔ اور ایسا نظر آیا کہ اُن کا حکم سبزۂ خودرو۔ نڈی اور کھیرے ککڑی کے لئے ہے" "کیونکہ فقیر ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب) بے غرضانہ اس لشکر میں گیا تھا" "وہ ہول قیامت دیکھکر" "مہر علی خاں سلدوز اپنے دوست سے کہا کہ جب باغیوں نے اپنی سزا پالی ہے اُن کی بیوی اور بچوں کو" "شرع شریف کے مطابق قتل اور گرفتار نہیں کرنا چاہیے"

کیونکہ وہ دین کا علم اور دیانت داری رکھتا تھا اُس نے میری یہ بات پیر محمد سے جاکر کہدی" "اُس نے جواب دیا کہ ایک رات یہ قید میں رہیں تو کیسا ہو"

اور اسی رات کو یہ غارتگر قزاق" "اسیران اہل اسلام کو جو مشائخ کی بیویوں میں سے اور سادات" "و علما" "و اعیان" "تھے۔ صندوقوں اور خرجیوں میں بند کر کے اُجین کی جانب اور دوسرے اطراف میں لے گئے"

اور وہاں کے سادات و مشائخ "قرآن شریف ہاتھوں میں لیکر پیشوائی کو آئے" "پیر محمد خاں نے سب کو مار ڈالا اور جلا دیا"

قرآن شریف کی جلد کو کندہ اور کھال کو نقارہ بنایا ہے" "اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ پیغمبر کا دشمن ہے"

کو سزا دینی چاہیے۔ اور پھر نئے سرے سے رخصت لیکر "سفر مقدس" پر متوجہ ہونا چاہیے"۔ (صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴)

پرگنہ دگدور" نواح گنا چور" میں کہ جنوب مشرق" جالندھر" پر تھا" دونوں چھاؤنیوں کے دھویں" طرفین کو دکھائی دینے لگے" بڈھے سپہ سالار نے "پہاڑ" اور "لکھی جنگل" کو پشت پر رکھکر ڈیرے ڈال دیئے۔ (صفحہ ۱۸۶)

خافی خان" کہتے ہیں کہ ان مصنفوں نے رعایت سے بات کو چھپایا ہے" ورنہ شکست" اتکہ خان" (شمس الدین اتکہ خان سپہ سالار اکبر") پر پڑی" اور بادشاہی لشکر پریشان ہو گیا" (صفحہ ۱۸۷)

وکیل دونوں طرف سے آتے جاتے تھے" خدا جانے "تکرار کس بات پر تھی" منعم خاں" سے نہ رہا گیا۔ چند اُمرا اور مقربان بارگاہ کے ساتھ" بے تحاشا" خان خاناں" کے پاس چلا گیا" کمسن سال سردار تھے "کہنہ عمل سپاہی تھے" قدیمی رفاقتیں تھیں" مدتوں ایک جگہ رنج و راحت میں شریک رہے تھے۔ دیر تک دل کے درد کہتے رہے" ایک نے دوسرے کی بات کی داد دی" منعم خاں کی باتوں سے بیرام خاں کو یقین آیا کہ جو کچھ پیام آئے ہیں۔ واقعی ہیں" ان میں فقط سخن سازی نہیں ہے غرضکہ خان خاناں" چلنے کو تیار ہو گئے" (صفحہ ۱۸۹)

جب بادشاہی خیمہ کا کلس نظر آیا تو گھوڑے سے اتر پڑے" ترکوں کے رواج کے مطابق جس طرح گنہگار کو بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں" بیرام خاں" نے آپ کمر سے تلوار کھول کر گلے میں ڈالی" پٹکے سے اپنے ہاتھ باندھے" عمامہ سر سے اتار کر گلے سے لپیٹا اور آگے بڑھے" خیمہ کے پاس پہنچے تو خبر سنکر" اکبر" بھی اٹھ کھڑا ہوا" لب فرش تک آیا" خان خاناں" نے دوڑ کر سر پاؤں پر رکھدیا اور ڈاڑھیں مار کر رونے لگے" بادشاہ اُن کی گود میں کھیل کر پلا تھا۔ اس کے بھی آنسو نکل پڑے" اٹھا کر گلے سے لگایا اور اُن کی قدیمی جگہ دست راست پر پہلو میں بٹھایا" آپ اُن کے ہاتھ کھولے" دستار سر پر رکھی" خانخاناں نے کہا" آرزو تھی کہ حضور کی نمک حلالی میں جان کو قربان کروں" اور شمشیر بکف بھائی میرے جنازہ کا ساتھ دیں" حیف کہ تمام عمر کی جانفشانی۔ اور جاں نثاری خاک میں مل گئی" خدا جانے ابھی قسمت میں کیا لکھا ہے" یہی شکر ہے کہ" آخر وقت میں حضور کے قدم دیکھنے نصیب ہو گئے" یہ سنکر دشمنوں کے دل بھی پانی پانی ہو گئے" اکبر نے کہا" خان بابا" تین صورتوں میں سے جس میں آپ کی خوشی ہو" کہہ دیجئے"

(۱) حکومت کو جی چاہتا ہے تو "چندیری" و کالپی" کے ضلع لیلو وہاں جاؤ اور بادشاہی کرو"

(۲) مصاحبت پسند ہے تو میرے پاس رہو۔ جو عزت و توقیر آپ کی تھی اُس میں فرق نہیں آئے گا"

(۳) حج کا ارادہ ہو تو بسم اللہ" روانگی کا سامان خاطر خواہ ہو جائے گا" چندیری" آپ کی ہو چکی" محاصل آپ کے گماشتے جہاں آپ کہیں گے وہاں پہنچا دیا کریں گے" (صفحہ ۱۹۰)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱) سخن در ظلم و شقاوت و قساوت" پیر محمد خاں" نبود" معائنہ کردہ شد" اور منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۱ پر ہے کہ"

ملا پیر محمد خاں شیروانی" ملا ئے خوش فہم" عالی ادراک بود" مجلس شگفتہ داشتے"

باوجود آں" قاسی القلب" و نا سقیدہ بد آدمی و درو تواضع بود" از شیر خان در قندھار" بخدمت خان خاناں بیرام خاں" آمدہ نشو و نما یافتہ" و بعد از فتح ہندوستان" خطاب خانی" بعد از آں" ناصر الملکی" یافتہ"

و سہ چہار سال در غایت ابہت و شوکت بود" چو ظالم ماند چنداں بقا ندارد" باشندہ در اندک مدت" در ولایت مالوہ" بہ آب نربدہ" فرو رفتہ" بہ پنج رسید" و در منزل دو زخ بہ پیوستہ"

یہ ماجرا پیر محمد خاں کے ظلم و شقاوت و قساوت کا تھا جو دیکھنے میں آیا"

ملا پیر محمد خاں شیروانی" ملائے خوش فہم" اور اچھی سمجھ والا تھا" مجلس شگفتہ رکھتا تھا"

لیکن باوجود اس کے سخت دل" اور اس و نواہی سے لاپرواہ تھا" شیر خاں" سے قندھار میں" خان خاناں بیرام خاں" کی خدمت میں آ کر اس نے نشو و نما پائی" ہندوستان" کی فتح کے بعد" خطاب خانی اور اس کے بعد" ناصر الملکی کا خطاب پایا"

تین چار سال بہت ہی با شوکت" اقتدار رہا مگر کیونکہ ظالم کو بقا نہیں ہوتی تھوڑے ہی دنوں میں ولایت مالوہ میں نربدا دریا میں ڈوب گیا اور جس طرح کہ فرعون دریائے نیل میں ڈوب کر دوزخ میں چلا گیا"

خان خاناں نے عرض کی کہ "اب عمر آخر ہوئی۔ کوئی ہوس باقی نہیں" "تمنا ہے تو یہی ہے کہ "آستانہ الٰہی پر جا پڑوں اور حضور کی عمر و دولت کی دعا کیا کروں" (صفحہ ۱۹۱)

پٹن گجرات میں پہنچے یہیں سے گجرات کی سرحد شروع ہوتی ہے "عہد قدیم میں اسے "نہر والہ" کہتے تھے" ایک دن شام کے وقت "سہس لنگ" دہاں کے تلاؤ میں نواڑے پر بیٹھکر" پانی پر ہوا کھاتے پھرتے تھے مغرب کے وقت کشتی سے نماز کے لئے اترے۔ "مبارک خاں لوحانی" ایک افغان "تیس چالیس افغانوں کو لیکر سامنے آیا۔ ظاہر یہ کیا کہ ہم ملاقات کو آئے ہیں" "بیرام خاں" نے مروّت و اخلاص سے پاس بلالیا۔ اُس نابکار نے مصافحہ کے بہانے سے پاس آکر "پشت پر ایک خنجر مارا کہ سینہ کے پار نکل آیا۔ ایک اور ظالم نے سر پر تلوار ماری کہ کام تمام ہوگیا" (صفحہ ۱۹۱ و ۱۹۲)

"عبرت" "خدا کی شان دیکھو کہ جن جن لوگوں نے اُن کی بُرائی میں اپنی بھلائی سمجھی تھی" ایک برس کے پس و پیش میں دنیا سے گئے اور ناکام و بدنام گئے" سب سے پہلے "شمس الدین محمد خاں اتکہ" اور گھنٹہ بھر نہ گزرا تھا کہ ادہم خاں"۔ اور چالیس دن نہ ہوئے تھے کہ "ماہم" دوسرے ہی برس "پیر محمد خاں" بھی چل دیئے" (صفحہ ۱۹۳) اور سنہ ۹۷۰ھ میں ایک برس کے بعد شیخ محمد غوث گوالیاری بھی دنیا سے رخصت ہوگئے"

بیرام خاں کے حالات میں "صاحب دربار اکبری صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۴ پر لکھتے ہیں کہ "ملا صاحب فرماتے ہیں" (اس کا دل بہ گداز تھا۔ اکابر اور مشائخ کے کلام پر بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ دل سے معرفت کے نکتہ پر آنسو بہاتا تھا" صحبت میں ہمیشہ "قال اللہ و قال الرسول" کا ذکر تھا۔ اور خود باخبر انسان تھا" کل مورخ نئے اور پرانے "بیرام خاں" کے حق میں "سوائے تعریف کے کچھ نہیں لکھتے" "بداؤنی" (صاحب منتخب) تو کسی سے نہیں چوکتے مگر وہ بھی جہاں اُن کا ذکر کرتے ہیں "خوبی اور شگفتگی کے ساتھ لکھتے ہیں" (صاحب منتخب التواریخ نے جلد سوم کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ)

از اولاد میرزا جہان شاہ" است۔ بوفورِ دانش و سخا۔ و صدق و حسن خلق۔ و نیاز۔ و انکسار گوئے سبقت از ہمگنان ربودہ" در ابتدائے حال در خدمت۔ بابر پادشاہ" و در اواسط ملازمت "ہمایوں پادشاہ" نشو و نما یافت" و بخطاب خان خانی" سرفرازی یافت۔ و بندگان بادشاہی در القابش "بابا" افزودند بسیار درویش دوست۔ و صاحب حال" و نیک اندیش"

میرزا جہان شاہ کی نسل سے ہے" دفور دانش و سخاوت و سچائی و حسن خلق و نیاز و انکسار میں اپنے ساتھیوں سے بڑھ گیا تھا" شروع میں بابر بادشاہ کی خدمت میں اور اواسط ملازمت میں ہمایوں بادشاہ اس نے نشو و نما پائی" اور خطاب خان خانی سے سرفراز ہوا۔ اور شہنشاہ اکبر نے اُس کے القاب میں لفظ "بابا" بڑھایا" درویشوں سے بہت محبت رکھتا تھا۔ اور صاحب حال و نیک اندیش تھا"

بہ یمن سعی و جلادت" و حسن تدبیر او "ہندوستان" در مرتبہ ثانی ہم فتح شد۔ وہم تعمیر یافت"

اُس کی کوشش و جلادت اور حسن تدبیر سے ہندوستان دوبارہ فتح ہوا اور سلطنت کی ترقی ہوئی"

فضلائے جہاں از اطراف و اکناف بدرگاہ آوردہ۔ از کف بحر مثالش شاداب میرفتند" و بارگاہ آسمان جاہش" قبلۂ ارباب فضل و کمال بود" و زمانہ را بوجود شریفش تفاخر"

فضلائے جہاں ہر جگہ سے اُس کی درگاہ میں آکر اس کے ہاتھ بحر مثال سے شاداب ہوکر جاتے۔ اُس کی بارگاہ آسمان جاہ قبلۂ ارباب فضل و کمال تھی" اور زمانہ کو اُس کے وجود شریف پر فخر تھا"

آخر حال "ارباب نفاق" مزاج بندگان پادشاہی" را با او متغیر ساختند" کار او بجا رسید کہ شمّہ از ذکر آں در سلورات تقدیم یافت"

آخر میں نفاق پسندوں نے شہنشاہ کے مزاج کو اُس کے برخلاف کردیا" اور وہ نوبت پہنچی جس کا کچھ ذکر پہلے کر آئے ہیں"

دیوان بزبان فارسی و ہندی" ترتیب دادہ کہ در ایدی متداول و در افواہ متعارف است"

ایک دیوان فارسی و ہندی کی اُس نے ترتیب دیا تھا جس سے سب واقف ہیں اور اُس کو پڑھا جاتا ہے"

اور صفحہ ۱۹۲ پر لکھا ہے کہ "در نہصد و شصت و ہشت (۹۶۸ھ) در پٹن گجرات بسعادت شہادت فائز شدند۔ و مظلوم اُو را بموجب وصیت بہ "مشہد" بردند۔

سنہ ۹۶۸ھ میں پٹن گجرات میں سعادت شہادت سے فائز ہوئے اور لاش ان کی وصیت کے مطابق "مشہد" میں لیجا کر دفن کی گئی"

اسی جلد کے صفحہ ۳۲ پر "شیخ داؤد جہنی وال" کے حالات کے ضمن میں "ملا صاحب نے لکھا ہے کہ"

چوں جامع ایں اوراق در عہد بیرام خاں کہ بہترین عہدہا بود و ہند حکم عروسی داشت در آگرہ طالب علمی میکرد۔

مآثر الامراء جلد اوّل صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۸ میں ہے کہ چوں در ۹۶۱ھ ہجری۔ بعضے فتنہ سازاں از جانب بیرام خاں سخنان غیر موقع بہ پادشاہ (ہمایوں) رسانیدند۔ غدیہ قندھار آمدند۔ ظاہر شد کہ آنچہ گفتہ اند از صدق بر تو نتما مورد نوازش شد۔ در جنگ ماچھی واڑہ با افاغنہ بسیار جنگ کردہ غالب آمد۔ و سرہند وغیرہ پرگنات جاگیر یافتہ بہ خطاب ہائے عالیہ یار وفادار برادر نیکو سیر و فرزند سعادتمند۔)

در ۹۶۳ھ ہجری۔ دو ربیع الآخر روز جمعہ کہ عرش آشیانی (اکبر) در قصبہ کلانور مضافات پنجاب بہ تخت جلوس نمودند بیرام خاں وکیل السلطنت شد۔ و حل و عقد امور خلافت و رتق و فتق جنود نصرت برائے صواب نمائی او تفویض یافت۔ و بہ خطاب والائے خان خاناں کوس ناموری بلند آوازہ ساختہ۔ در مخاطبات بہ خان بابا مخاطب گشت۔ و در ۹۶۵ھ ہجری با سلیمہ سلطان بیگم دکہ جنت آشیانی (ہمایوں) در حیات خود با بیرام خاں نامزد کردہ بودند) عقد ازدواج اتفاق افتاد۔ بیگم طبع موزوں داشتہ مخفی تخلص میکرد۔ بعد فوت بیرام خاں عرش آشیانی (اکبر) بیگم را بہ نکاح خود آوردند۔ در سال ہفتم جہانگیری بود۔

سبحان اللہ بہ ایں قرب و منزلت و آں استقلال و اقتدار و آں ہمہ دانائی و معاملہ دانی و وفور اخلاص و عقیدت امورے چند از نیرنگی تقدیر بہ وجہ ظہور نقش بست۔ کہ مزاج عرش آشیانی از آں بزرگ نقش منحرف گشت۔ و فی الحقیقت فتنہ سازاں حسد آگیں از ناتوان بینی و خود غرضی یکے را بصد رسانیدہ مزاج پادشاہ نوجوان را برگردانیدند۔ و خوشامد سازاں خانہ برانداز طبع آں امیر کہن سال را از جا بردند۔

چوں بہ سکندر آباد رسید بہ ترغیب ماہم انگہ بہ شوق ملازمت مریم مکانی عنان بہ دہلی نمود۔ ہیچ از جانب بیرام خاں غبارے بہ حاشیہ خاطر نبود۔ اگرچہ حساد و اشرار از ابتداء در فکر آں بودند کہ طرح دیگر بر روئے کار خود آورد و مدعا یاب شوند۔ و بہ قابو سخنے کہ موجب بے اتفاقی شود۔ بہ حضور می گفتند۔ خصوص ادہم خاں و مادرش ماہم انگہ اما چوں صفائی عقیدت بیرام خاں در مرآت ضمیر پادشاہی منطبع بود آں حرف ہائے بے فراغ پذیرائی نمی یافت لیکن جو گفتہ اند

یہ جامع اوراق بیرام خاں کے عہد میں جو بہترین عہد تھا اور ہندوستان دولہن بنا ہوا تھا۔ آگرہ میں طالب علمی کرتا تھا۔

(بیرام خاں کے متعلق) جب ۹۶۱ھ ہجری میں بعضے فتنہ پردازوں نے باتیں غیر موقع ہمایوں بادشاہ کو پہنچائیں۔ اس لئے وہ قندھار تشریف لائے وہاں پہنچکر انہیں معلوم ہوا کہ جو کچھ ان سے کہا گیا تھا جھوٹ تھا۔ بادشاہ نے اُن پر نوازش فرمائی۔ ماچھی واڑہ کی لڑائی میں افغانوں سے خوب لڑکر غالب آئے اور سرہند وغیرہ پرگنہ جات جاگیر میں پاکر خطاب ہائے عالیہ۔ یار وفادار برادر نیکو سیر اور فرزند سعادتمند سے سرفراز ہوئے۔

جمعہ ۲ ربیع الآخر ۹۶۳ھ ہجری کو جب شہنشاہ اکبر پنجاب کے مضافات قصبہ کلانور میں تخت نشین ہوئے تو بیرام خاں وکیل سلطنت ہوئے اور امور سلطنت کا حل و عقد اور سرکاری افواج کا انتظام و اہتمام اُن کے تفویض ہوا اور اُن کی رائے پر چھوڑ دیا گیا۔ اور خطاب خان خاناں سے اُن کی ناموری کو بلند کیا گیا۔ نیز بادشاہ اُن کو خان بابا سے مخاطب کرتا تھا۔ اور ۹۶۵ھ ہجری میں سلیمہ سلطان بیگم سے جن کی منگنی ہمایوں بادشاہ نے اپنی زندگی میں بیرام خاں سے کر دی تھی ان کی شادی ہوئی۔ بیگم طبع موزوں رکھتی تھی اور مخفی تخلص کرتی تھی۔ بیرام خاں کے انتقال کے بعد اکبر نے اس بیگم سے اپنا نکاح کر لیا تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے ساتویں برس میں اس بیگم نے وفات پائی۔

سبحان اللہ اس قربت و منزلت اور اس استقلال و اقتدار اور اس قدر دانائی و معاملہ دانی اور وفور اخلاص و عقیدت پر بھی نیرنگئی تقدیر سے کچھ ایسی باتیں ظہور میں آئیں کہ بادشاہ کا مزاج بیرام خاں نہر رگ منش کے خلاف ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فتنہ سازوں اور حاسدوں نے اپنے کمینہ پن اور خود غرضی سے ایک کی سو بنا کر نوجوان بادشاہ کو اُن کے خلاف کر دیا۔ اور خوشامدیوں خانہ برانداز طبع نے اُس بڈھے امیر کو جگہ سے ہٹا دیا۔

جب بادشاہ سکندر آباد پہنچے تو ماہم انگہ کی ترغیب سے اپنی والدہ کے دیکھنے کے شوق میں دہلی روانہ ہوئے ہیں۔ اُس وقت تک بیرام خاں کی طرف سے اُن کے دل میں کوئی بات نہ تھی۔ اگرچہ حاسد اور شریر اشخاص شروع سے اس فکر میں تھے کہ کسی طرح سے بادشاہ کو لاکر اپنے مدعا میں کامیاب ہوں۔ اور گفتگو کا موقع پاکر ایسی باتیں حضور میں کہیں جو بیرام خاں سے بے اتفاقی کا باعث ہوتی ان لوگوں میں ادہم خاں اور اس کی ماں ماہم انگہ خصوصیت سے پیش پیش ہیں۔ مگر کیونکہ صفائی عقیدت بیرام خاں بادشاہ کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی

ہرچند باعتبار عنایت نظرے ہست
گوئیم بہ نشان کہ سخن را اثرے ہست

اہلِ عناد کہ فرصت جو بودند) دایں وقت کدورت با ذہن نشین ساختند۔ بالجملہ" او ہم از راہِ درست اعتقادئ خود۔ اثاثہ سلطنت رابہ اُمرائے عمدہ روانہ حضور کردہ" درخواست سفر حجاز نمود" وبار یہ وساوس بد نفسان چند۔ خود رابہ میوات" انداخت۔ وچوں آوازہ فوج بادشاہی بہ تعاقب او شہرت گرفت" ہمہ مردم بادشاہی از و جدا شدند" او ہم "تمن و توغ"۔ وعلم و نقارہ۔ وسامرادوات اِمارت مصحوب حسین قلی بیگ" ہمشیرزادہ خود بحضور فرستاد" چوں رائے مالدیو راجہ جودھپور" سرراہ گجرات بود بہ خانخاناں "نزاع داشت" از ناگور" بہ "بیکانیر" وے رائے کلیان مل" زمیندار آں جا۔ بہ قدم اخلاص پیش آمدہ۔ لوازم مہمانداری بہ تقدیم رسانید" دریں اثنا شہرت یافت کہ "ملا پیر محمد" از گجرات رسیدہ۔ بہ تعاقب مامور شدہ۔ فتنہ انگیزان مزاج بیرام خاں برشور را بیند ند۔ و قرار مخالفت دادہ۔ بپنجاب" عنان تاب ساختند"

اور صفحہ ۳۸۲ و ۳۸۳ پر ہے کہ"

حق این ست کہ بیرام خاں بفضل وکمال و صلاح و تقوی "و ہمت و کرم" آراستگی داشت" و مدبر۔ شجاع۔ وکاردان قوی دل" بود" نظر براسباب ظاہر حقّے عظیم بریں خانوادۂ عالیہ تیموریہ" ثابت کردہ" درچنیں تخلل ایّام کہ ہنوز سلطنت ہمایوں بادشاہ انتظامے نگرفتہ بود۔ کہ از میان رفت" و بادشاہزادہ" خورد سال" ناتجربہ کار" سوائے پنجاب تمام ملک از تصرف بدور رفتہ۔ افغاناں" باہمہ کثرت وہجوم۔ بدعوائے سلطنت لوائے انا ولا غیری" مے افراشتند۔ و در ہر گوشہ" و کنار" واقعہ طلبان" طبل مخالفت مے زدند"

اُمرائے چغتائیہ" کہ و صرۂ اقامت ہندوستان نمودند مشورت رفتن" بکابل" میدادند" میرزا سلیمان" قابو یافتہ" در کابل" خطبہ خود خواند۔

محض نیروے جگر داری" اثبات پائی" و حسن تدبیر صائبہ" و فکر رضیہ" بیرام خاں آب رفتہ بجو آمد" سلطنت را استقرارے بہم رسید" عرش آشیانی را کبیر، ہم انواع دلجوئی و نوازش جمیع مہام مفوض بدو داشتہ" قسم ہا از و گرفت۔ کہ آنچہ مناسب وصلاح کار باشد

اس لئے ان کی ان جھوٹی باتوں پر بادشاہ نے کوئی توجہ نہ دی" لیکن جیساکہ کہا ہے" ؎ ہرچند باعتبار عنایت نظرے ہست
گوئیم بہ نشان کہ سخن را اثرے ہست

مخالفین جو فرصت کے منتظر تھے انہوں نے آخرکار بادشاہ کے دل میں کدورت ڈال ہی دی۔ القصہ بیرام خاں نے اپنی درست اعتقادی کی وجہ سے اثاثۂ سلطنت کو اُمرایان نامدار کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کرکے سفر حجاز کی درخواست کی" اور بدنفسوں کے ورغلانے سے اندیشہ مند ہوکر میوات کو چلا گیا" جب یہ شہرت ہوئی کہ بادشاہی لشکر اسکے تعاقب میں ہے تو تمام بادشاہی لوگ اُس سے جدا ہو گئے" اُس نے بھی تمن و توغ" اور علم و نقارہ اور سامان امارت اپنے بھانجے حسین قلی خاں کے ساتھ بادشاہ کے پاس بھیجدیا" جب اُس نے دیکھا کہ رائے مالدیو راجہ جودھپور نے گجرات کا راستہ روک لیا ہے اور وہ اُس کے خلاف ہے تو ناگور سے وہ بیکانیر چلا گیا" اس جگہ کے زمیندار رائے کلیان مل نے اُس کی مہمانداری کی اور بہت اخلاص سے پیش آیا"۔ اسی دوران میں یہ خبر آئی کہ وہ ملا پیر محمد" گجرات سے آکر اُس کے تعاقب پر مامور ہوا ہے" تو فتنہ انگیزوں نے بیرام خاں کے مزاج میں بھی شورش پیدا کر دی اور مخالفت کو قرار دیکر پنجاب کی طرف باگ موڑ دی"

اور صفحہ ۳۸۲ و ۳۸۳ پر ہے کہ "سچ یہ ہے کہ بیرام خاں فضل وکمال" اور صلاح تقوی اور ہمت وکرم کے اوصاف رکھتا تھا" اور مدبر و شجاع اور کاردان اور قوی دل تھا" تمام باتوں پر نظر کی جائے تو اس خانوادۂ عالیہ تیموریہ پر حق عظیم اُس کا ثابت ہے" ایسے دنوں میں کہ سلطنت میں خلل پڑا ہوا تھا اور ہمایوں بادشاہ نے ہنوز انتظام قایم نہ کیا تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا" اور بادشاہزادہ خورد سال ناتجربہ کار تھا سوائے پنجاب کے تمام ملک قبضہ سے نکل گیا تھا"۔ اور افغان بہت کثرت سے ہجوم کر کے سلطنت کا دعوی کر رہے تھے اور لوائے انا ولا غیری بلند کر رہے تھے" اور ہر گوشہ وکنار سے واقعہ طلب طبل مخالفت بجا رہے تھے"

اُمرائے چغتائیہ جو ہندوستان کی اقامت نہیں چاہتے تھے" کابل کو جانے کا مشورہ دے رہے تھے" اور میرزا سلیمان نے قابو پاکر کابل میں اپنے نام کا خطبہ پڑھا تھا"

یہ محض بیرام خاں کی بہادری و ثابت قدمی اور حسن تدبیر اور اچھی سمجھ بوجھ کی وجہ تھی کہ پانی گیا ہوا نہر میں آ گیا اور سلطنت قایم ہو سکی"۔

شہنشاہ اکبر نے بھی اس طرح دلجوئی اور نوازش کی کہ تمام سلطنت کے کام اُس کے سپرد کر دیئے اور قسم کھائی کہ جو مناسب سمجھیں کریں" خوشامد و مراعات

عمل آرد " مداہنہ و مراعات کسے منظور نہ باشد " و از دوست لائم " نہ ترسد "

و ایں مصرع خواند ۔ ع

دوست گر دوست شود ، ہر دو جہاں دشمن باش

چوں روز بروز " اقتدار و تسلط " خان خاناں " زیادہ تر شد " خار خار حسد " در دل پا شکست " ناتواں بنیاد حسد پیشہ ، بہ شقیقہ سازی " و تمامی " دروغ و راست را " باہم مے بافتند و یکے را بصد رسا نیدہ " مزاج پادشاہی منحرف ساختند " خان خاناں " ہم در اقتدار و استقلال خود " دیگرے را بہ چشم اعتبار نیاوردہ ۔ اعتنا بشان آں ہنا نمی کرد " اما بہ سفلگی و توہم " بہ خود راہ دادہ بود ۔ کہ زود از جا در می آمد " پس از برہم زدگی ہم " خان خاناں " اصلا ارادہ بغی نہ داشت "

کسی کی منظور نہ ہوگی " انہیں لوگوں کی لگائی بجھائی یا شکایتوں سے نہیں ڈرنا چاہئے " اور یہ مصرع پڑھا " ع

دوست گر دوست شود ہر دو جہان دشمن باش

کیونکہ دن بہ دن اقتدار اور تسلط خان خاناں کا زیادہ تر ہوا " حسد کا کانٹا حاسدوں کے دلوں میں ٹوٹ کر کھٹکنے لگا " کم نظر حسد پیشہ لوگوں نے اپنی شقیقہ سازی و چغل خوری سے جھوٹ و سچ کو باہم ملاکر اور ایک کے سو لگا کر بادشاہ کے مزاج کو خلاف کر دیا " خان خاناں اپنے اقتدار و استقلال کے زمانے میں دوسروں کو چشم اعتبار میں نہ لاکر اُن کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا " لیکن اُس نے بدگمانی اور توہم کو جو اختیار کیا تھا " وہ جلد اس کا اظہار کر دیتا تھا " بگاڑ کے بعد سے بھی خان خاناں نے باغی ہونے کا ارادہ ہرگز نہیں کیا "

مختلف مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے اُن سازشوں اور کینہ توزیوں کا حال بخوبی عیاں ہو گیا ہے " جو حسد پیشوں نے " بیرام خاں خان خاناں " اور اُن کے ہوا خواہوں کے خلاف برپا کی تھیں " اب ہم اُس فرمان کی پوری نقل پیش کرتے ہیں جو انہیں حاسدوں کا نوشتہ ہے " اور جس میں بیرام خاں کے ساتھ اُن کے دوستوں اور اعزا پر بھی خوب خوب سب و شتم کر کے اپنے دلوں کے جلے پھپھولے پھوڑے گئے ہیں ۔ اور مؤلف امروہوی نے بھی اس فرمان کے جاری ہونے کے اسباب کو معرض خفا میں رکھکر اور صرف اُس کے ایک ٹکڑے کو سامنے لاکر " شیخ گدائی اور اُن کے خاندان کے متعلق اپنے ناظرین کو قصداً دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے "

" فرمان جلال الدین اکبر بنام " خان خاناں بیرام خاں "

خان خاناں بداند ۔ کہ چوں او پروردہ نعمت و تربیت کردہ عنایت و عاطفت ایں دودمان (خاندان) عالی شان است ۔ و حقوق خدمت شائستہ او ۔ دریں درگاہ ثابت ۔ و حضرت پادشاہ جنت آشیانی طاب اللہ ثراہ ۔ بو اسطہ صدق نیت و اخلاصے کہ از و مشاہدہ نمودہ بودند ۔ او را بغایت رعایت و تربیت رسانیدہ ۔ امر عظیم القدر اتالیقی (معلم و ادیب آموزندہ نشست و برخاست تعلیم کنندہ) مارا بہ او تفویض فرمودہ ۔ بعد از اں کہ آنحضرت از تنگنائے جہان فانی بہ فضائے عالم جاودانی رحلت فرمودند و او از روئے اخلاص و دولت خواہی ، کمر صدق و جاں سپاری ۔ در میان بستہ متعہد ۔ ذمہ دار و ضامن) مہمات سبقت آں خدمات و نیک اندیشی ہائے کہ بظہور رسانید ۔ زمام حل و عقد و رتق و فتق امور را چناں بقبضہ اختیار او گذاشتہ بودیم ۔ کہ مزید برآں متصور نتواند بود ۔ چنانچہ از نیک و بد ہر چہ خواست و ارادہ کرد بعمل آورد ۔ تا آنکہ دریں پنج سال چندیں امور ناشائستہ از و بظہور آمد کہ سبب نفور خاطر جمہور بود مثل تربیت شیخ گدائی "

خان خاناں جانتا ہے کہ " کیونکہ وہ پروردہ نعمت اور تربیت کیا ہوا عنایت و عاطفت کا اس خاندان عالی شان کا ہے " اور اُس کی شائستہ خدمت کے حقوق اس درگاہ پر ثابت ہیں " اور حضرت بادشاہ (ہمایوں) جنت آشیانی طاب اللہ ثراہ نے صدق نیت اور اخلاص کی وجہ سے جو اُس سے اُن کے مشاہدہ میں آیا ہے ، اُس کی انتہائی رعایت اور تربیت کی " اور عظیم القدر کام ہماری اتالیقی کا اس کے سپرد فرمایا ۔ اس کے بعد جبکہ آنحضرت (ہمایوں بادشاہ) نے جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی " اور وہ از روئے اخلاص اور دولت خواہی " کمر صدق و جان سپاری باندھکر اور ذمہ دار و ضامن ہو کر اُن خدمات و مہمات سابقہ کو اور نیک اندیشیوں کو ظہور میں لایا " تو ہم نے زمام حل و عقد اور اندرونی و بیرونی کاموں کو اس طرح اُس کے قبضہ اختیار میں چھوڑ دیا کہ اس سے زیادہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا " چنانچہ نیک و بد سے جو چاہا اور ارادہ کیا عمل میں لایا " مگر ان پانچ سالوں میں چند کام ناشائستہ اُس سے ظہور میں آئے جو جمہور کی نفرت کا سبب ہوئے "

کہ باوجود دعوئے آں ہمہ بزرگی و دانائی از میان این ہمہ مردم فاضل و قابل باحسب و نسب۔ آورا بمصاحبت و آشنائی خود انتخاب نمود و با آنکہ متعہد منصب صدارت شدہ بود۔ و در ظہر (پشت) مناشیر (جمع منشور یا فرمان) مُہر میکرد۔ و اُو را از تسلیم۔ (خمیدگی پشت برائے سلام) معاف داشتہ بود۔ و بکمال جہل و نادانی۔ در محافل جنّت مآثل اُو را بر جمیع سادات صحیح النسب و علمائے جلیل الحسب کہ بنا بر ملاحظہ عظمت و شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجا مے آوردیم تقدیم دادہ۔ باوجود لاف محبت و دوستداری کہ با خاندان طیبین (ائمہ معصومین) و طاہرین میزد ذلّت و خواری این فرقہ شریفہ را عمداً تجویز مے نمود۔ و تربیت کردہ خود را کہ مردود اماد مطرود نظر ماست بریں طائفہ کہ تربیت الٰہی دارند۔ ترجیح دادہ۔ از ارواح مقدسہ ایں ہمہ بزرگان ہیچ گونہ شرم وآزرم نداشت و اُو را بمرتبہ رسانیدہ بود کہ سوارہ پیش آمدہ بما مصافحہ مے نمود۔ ملک

و نوکران خرود۔ (کمترین چاکران) خود را کہ حالت و لیاقت ایشان معلوم بود۔ بخطاب سلطانی و خانی۔ و علم و نقّارہ و جاگیرہائے معمور (آباد) و ولایت ہائے پُر حاصل امتیاز دادہ۔

خواتین و سلاطین و اُمراء معتمدان حضرت جہانبانی جنّت آشیانی را کہ احالت و حالت و استحقاق ایشان بہمہ کس روشن است از کمال بے اعتباری بہ نان۔ (پارۂ نان) محتاج ساختہ بود۔ بہ قصد خون و ناموس ہمہ آنہا داشتہ۔ و از ملازمان و خدمتگاران بابری کہ سالہا بہ اُمیدواری خدمت کردہ مستحق رعایت و عنایت شدہ بودند تجویز نمی کرد کہ اقل مرتبہ وجہ معیشت داشتہ باشند۔ و جمع کہ در شکار و سواری با ما ملازمت میکشند و خود را بہ ہزار محنت و مشقت قرار بخدمت دادہ بودند۔ در ہر چہ در سفیہا د فریب بسخن دروغ دادہ ساختہ۔ بخون آنہا تشنہ بود۔ و انواع بے اعتدالی و بے انداختی مے نمود۔ و اگر از نوکران اُو صد گونہ گناہ مثل خون دُزدی و راہ زنی و تاراج و انواع فسق و فجور بظہور مے آمد بواسطۂ میل و مداہنہ (چرب زبانی کردن نفع کردن) ہمہ را در میگذرانید۔ و اگر از ملازمان درگاہ والا اندک چیزے واقع مے شد یا کسے بہتان میکرد۔ در قتل و حبس و تاراج ایشان تاخیر نمی نمود۔ و تا ظاہر شدن انواع جفا و بلے آبروئی بہر سانید و بعضے بہ کمال دنائت و حماقت

مثلاً تربیت شیخ گدائی کی "کہ باوجود اس قدر بزرگی اور عقلمندی کے دعوے کے" اِن سب فاضل و قابل اور باحسب عالی نسب لوگوں کے درمیان سے اُس کو اپنی مصاحبت اور دوستی کے لئے منتخب کیا" اور منصب صدارت دیکر اس قدر اقتدار دیدیا کہ تمام فرمان شاہی کی پشت پر وہ مہر کرتا ہے" اور اُسے مجھے سلام کرنے کی بھی معافی دے دی ہے" اور کمال جہل و نادانی سے محفلوں جنّت مثال میں اُس کو سارے سادات صحیح النسب اور علمائے جلیل الحسب پر جو دیکھکر بھی کہ میں ان کی عظمت و شان اور حالت مراسم احترام اور تعظیم بجا لاتا ہوں" افسر بنا دیا ہے" باوجود لاف محبت اور دوستداری کے جو آئمہ معصومین سے جتایا کرتے ہیں" ذلّت اور خواری اس فرقہ شریفہ کی عمداً تجویز کی" اور اپنے تربیت کردہ کو جو دل سے گمراہ اور نظر میں راندہ شدہ ہے" اس گروہ پر جس نے اللہ میاں سے تربیت پائی ہے ترجیح دیکر ان تمام بزرگوں کی ارواح مقدسہ سے کس طرح کی شرم نہیں رکھی اور اُس کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ سواری پر سامنے آکر مجھ سے مصافحہ کرتا ہے"

اور اپنے کمترین نوکروں کو جن کی حالت اور لیاقت معلوم تھی" سلطانی اور خانی کے خطابوں سے اور علم و نقارہ اور جاگیروں آباد اور ولایتوں پُر حاصل سے امتیاز دیا"

خواتین و سلاطین اور امراؤ معتمدین حضرت ہمایوں بادشاہ کو جن کی اصالت و حالت اور جن کا استحقاق تمام لوگوں پر روشن ہے" کمال بے اعتباری سے روٹی کے ٹکڑے کا محتاج بنا دیا" کیا ارادہ اُن سبھی ناموس کے برباد کرنے اور خون کا تھا" اور ملازمان و خدمتگاران بابری جنہوں نے برسوں سے اُمیدوار رہ کر خدمت کی۔ اور مستحق رعایت و عنایت کے ہو گئے ہیں اُن کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا" حالانکہ بہت ہی کم مدد معاش رکھتے ہیں۔ اور شکار و سواری میں سب نہیں کھینچتے ہیں" اور وہ خود کو بہزار محنت و مشقت اپنی خدمت پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اور جس دن کوئی جھوٹی بات اُن کے متعلق کہہ دیتا ہے تو اُن کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں" اور طرح طرح کی بے اعتدالی، اور نامناسب باتیں ہوتی ہیں" اور اگر اُس کے نوکروں میں سے سو گنا گناہ مثل خون و چوری اور رہزنی اور تاراج اور مختلف قسم کے فسق و فجور ظہور میں آئیں تو بواسطۂ میل و چرب زبانی کے سب کو چھوڑ دیتے ہیں" اور اگر میرے نوکروں سے ذرا سی بات واقع ہو یا کوئی بہتان رکھے تو اُن کے قتل و قید و تاراج میں دیر نہیں کی جاتی" اور تا ظہور نے ہیں طرح طرح کی جفائیں پہنچا

وچناں بوقتِ عرض رسید کہ از کمالِ میل و توجہ کہ بریں امور داشتہ و دارو مشقوق نعمت و تربیت خاندان والائے ما کہ چہل سال است کہ در ذمۂ اوست۔ من المہد الی اللحد۔ (از رضاعت تا ایں دور) پرورش یافتہ بالکلیہ فراموش کردہ۔ گوش بہ سخن ایں جماعت مفسدہ و مفتن دارد کہ بواسطۂ اغراض نفسانی میخواہند کہ اُو را در جریدۂ (دفتر) اہل بغی در آرند۔ و دریں آخر عمر از سعادت اُخروی محروم گردانند۔ و بشقاوت ابدی مبتلا سازند چنانچہ از کمال شیطنت (بے حیائی) و خساست و خود پسندی کہ دارند معقول اُو ساختہ۔ اُو را از راہ بُردہ اند۔ و بولد اسکندر پیغام کردہ کہ بمخالفت و منازعت پیش آید۔ و تتار خاں پنج بھیّہ را نیز کسے فرستادہ کہ اُو در دامن کوہ آمدہ آہنگ خرابی و دست اندازی کردہ آں حدود درآید۔ و خود خیال بہ لاہور کردہ کہ در آں حدود بنیاد فتنہ و فساد نمودہ طریق مخالفت سپرد۔ و در اطراف ممالک محروسہ خلل انداختہ چراغ دولت ایں خاندان را کہ برافروختۂ فروغ ازلی و برافروختۂ دستِ قدرت است۔ بدم سرد منطفی سازد۔ و ہمانا کہ پردۂ غرور و پندار دیدۂ اعتبار اُو را کور ساختہ پنداشتہ کہ ؎

چراغ را کہ ایزد برفروزد
ہر آنکس پف کند ریشش بسوزد

چوں نظر بآں ہمہ اخلاص و اعتقاد ست کہ از چہرۂ احوال و جبین و پیشانی احوال اُو واضح و لائح بود ایں امور مبنی بر شرور دارند۔ و در دل نمودہ بنا بریں و با دیشی آید کہ پروردۂ نعمت و تربیت یافتۂ ایں دودمان عظیم الشان است۔ و طاعت حکم ما بر وے واجب و لازم بسبیل محبت فرمودیم کہ خود را ازیں افعال و اعمال قبیحہ کنارہ کشیدہ ایں جماعت مخذول العاقبت را کہ باعث نقص دولت و عزت اُو شدہ بجہت اغراض خود۔ در پے بغی و عدوان (دشمنی) اُو شدند مقید ساختہ بدرگاہ معلی فرستد۔ و چوں ما دریں پنج سال ملاحظۂ خاطر اُو کردہ ہیچ چیز منافی (ملال و رنج) نہ نمودہ ایم۔ و ہر چہ عرض کردہ خواہ معقول خواہ نامعقول از صواب دید اُو بیرون نہ رفتہ ایم اُو ہم ایں حکم ما را سمعاً و طاعتاً انقیاد نمودہ تخلف نورزد کہ ہرگاہ بایں حکم عمل نماید خاطر اشرف بر وے صاف ساختہ جرائم و تقصیرات اُو را بالکلیہ عفو فرمائیم و ہر وقت کہ میل ملازمت داشتہ باشد و وقت اقتضاء (موقع و محل) نماید بملازمت اشرف تعلیم کرد تجاب اُو شود۔ و چوں ہنوز زندگانی اُو ملحوظ و منظور است۔ با آنکہ [illegible] یافتہ

اور میرے اس طرح اختیار حاصل کر لینے سے مجھے خبر ملی ہے کہ بکمال میل و توجہ سے جو ان امور سے تھی اور ہے "چالیس سال حقوق نعمت و تربیت جو اُس کے ذمہ ہیں۔ پیدائش سے اس زمانہ تک کی پرورش کو بالکل بُھلا کر مفسد و فتنہ انگیز جماعت کی باتیں سنتا ہے جو اپنی اغراض نفسانی کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ اس کا نام اہل بغاوت کے دفتر میں لکھوا دیں" اور اس آخر عمر میں اُخروی نیکنامی سے محروم کر دیں "اور شقاوت ابدی میں مبتلا کر دیں" چنانچہ اپنی کمال شیطنت و خساست و خود پسندی سے وہ اُسے معقول کر کے اپنی راہ پر لے آئے ہیں۔ اور اسکندر کے بیٹے کو پیغام بھیجا ہے کہ وہ مخالفت و منازعت سے پیش آئے اور تتار خاں پنج بھیّہ کے پاس بھی آدمی بھیجا ہے کہ وہ پہاڑ کے دامن میں آکر خرابی و دست اندازی کر کے اُن حدود میں داخل ہو جائے" اور خود نے لاہور جانے کا ارادہ کیا ہے کہ "اُن حدود میں بنیاد فتنہ و فساد کی ڈال کر مخالفت کا طریقہ اختیار کرے اور اطراف ممالک محروسہ میں خلل ڈال کر اس خاندان کے چراغ دولت کو جو ازل سے روشن رہتا چلا آیا ہے اور دستِ قدرت کا روشن کیا ہوا ہے" دمِ سرد سے بجھا دے" اور اس طرح پردۂ غرور و پندار اُس دیدۂ اعتبار کو اپنے اندھا بنا کر سمجھتا ہے کہ ؎ جس چراغ کو خدا روشن کرتا ہے اگر کوئی اس پر پھونک مارے تو اُس کی ڈاڑھی جل جاتی ہے"

"آپ کے تمام اخلاص و اعتقاد پر نظر کر کے جو اُس کے چہرۂ احوال اور پیشانی احوال سے واضح اور ہویدا ہے یہ باتیں جو مبنی بر شرارت ہیں اور نا ہموار تھی ہیں مجھے اُن پر یقین نہیں آتا وہ پروردۂ نعمت اور تربیت یافتہ اس خاندان عالیشان کا ہے" اور اس پر میرے حکم کی اطاعت واجب لازم ہے لہٰذا بطریق محبت کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو ان اعمال و افعال قبیحہ سے علیحدہ کر کے اس خراب رسوا ال العاقبت کو جو باعث نقص دولت ہے اور جس نے اُسے اپنے اغراض کی وجہ گمراہ کیا ہے اُن کو دشمن جان کر گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے" اور کیونکہ میں نے ان پانچ سال میں اُس کا ملاحظۂ خاطر کر کے کوئی ملال و رنج نہیں ظاہر کیا ہے اور جو کچھ اُس نے عرض کیا خواہ وہ ٹھیک تھا یا نہ تھا اُس کی رائے کے خلاف نہیں کیا" اُس کو بھی چاہیئے کہ میرے اس حکم کی تعمیل کرے" اور اطاعت اختیار کرے" میں نے اپنا دل اُس سے صاف کر لیا ہے۔ اور اُس کے جرم و قصور معاف کر دیئے ہیں" اور جس وقت جب اُسے ملازمت کی خواہش ہو اور جب موقع محل ہو گا میرے لئے [illegible] کروں گا تاکہ اُس کی شرمندگی رفع ہو" کیونکہ اب بھی اُس کی زندگی ملحوظ و منظور ہے اُسکی خدمتوں [illegible]

بیخواہم کہ نام اُو سالہا با خلاص و ارادت و اعتقاد در جمیع امصار و
بلاد منتشر شدہ بہ بغی و عناد و افساد و سرکشی مشہور نشود۔ و در آخر
عمر در زمرۂ قراچہ قراء بخت محشور نگردد۔ و بنا بر حقوق عبودیت اُو را
آگاہ ساختیم۔ زنہار کہ خیال دیگرے نکند۔ و بیقین خود داند کہ اگر از
روئے جہل و کوتہ اندیشی از راہ (بے راہی) رود۔ و نخوت و پندار
دماغ اُو را پریشان ساختہ در سلک اہل ادبار در آرد۔ و بہ دولت و
اقبال با عساکر نصرت اعتصام بعزیمت رفع و دفع اُو متوجہ شدہ
بعنایت الٰہی (دمار۔ ہلاکی) از روزگار اُو بیرون خواہیم آورد۔ امید
است کہ دریں حالت کہ عنفوان (شروع) اقبال خلافت ما و آغاز ادبار
اُوست فتح عظمٰی روئے دیدہ (ظہور گرفتن۔ مقابل آمد) اُو مغلوب
عساکر اقبال گشتہ شرمسار و گرفتار گردد۔ و بیدولتی را از ایں معنی
استدلال نمی نماید کہ اُو دریں پنجسال مردم خود را چگونہ رعایت نا کردہ
کہ بروز واقعہ (بروز جنگ) بکار آیند۔ و از کوتہ اندیشی و نادانی نمیداند نسبت
کہ دولت وابستہ بعنایت الٰہی است ہر گاہ آں عنایت نباشد۔
نوکرے و دولت بکار نمی آید۔ چنانچہ برای العین دیدہ میشود کہ آنہا را کہ
فرزند و برادر میگفت ہرگز با ایشاں گمان جدائی نداشت بر ہمنوئی
سعادت اکثرے از وے جدا شدند۔ آنانکہ ماندہ اند یک یک جدا شدہ
بدرگاہ معلّٰی مے آیند۔ و رفتہ رفتہ اُو را تنہا خواہند گذاشت۔ دریں
مقام غیر تسلیم و رضا جوئی ہیچ چیزے فائدہ ندارد۔"

(اکبر نامہ جلد دوم۔ صفحہ ۸۲ تا ۸۵)

پڑا اور ہر اور عایت ہوگی" میں چاہتا ہوں کہ اُس کا نام سالہا سال اخلاص و
ارادت اور اعتقاد سے تمام ممالک و بلاد میں پھیلے "بغاوت و دشمنی اور سرکشی
سے مشہور نہ ہو" اور آخر عمر میں زمرۂ قراچہ سیاہ بخت کے ساتھ محشور نہ ہو" اور
حقوق عبودیت کی بنا پر اُس کو جتلاتا ہوں کہ ہرگز کوئی دوسرا خیال دل میں
نہ لاوے "اور یقین جانے کہ اگر جہالت و ناسمجھی کی وجہ سے وہ بے راہی اختیار
کرے اور اپنے دماغ میں نخوت و غرور کو راہ دیکر اہل ادبار کی سلک میں اپنے
آپ کو لاوے" اور میں فاتح لشکر کے ساتھ اُس کے رفع و دفع کے ارادہ سے
متوجہ ہوا۔ تو خدا کی عنایت سے ہلاکی روزگار سے اُس کو باہر لے آؤں گا"
امید ہے کہ اس حالت میں جبکہ میرے اقبال خلافت کا طلوع ہے اور اس کے
ادبار کا آغاز ہے "فتح عظیم مجھے حاصل ہوگی اور وہ مغلوب ہو کر عساکر اقبال
سے شرمسار و گرفتار آئے گا" اور بیدولتی کو اس میں سے استدلال نہیں ہوتا
ہے کہ ان پانچ برس میں اپنے آدمیوں کی کس طرح رعایت کی کہ روز جنگ کام
آئیں" اور کوتہ اندیشی و نادانی سے نہیں جانتا ہے کہ دولت عنایت الٰہی
سے وابستہ ہے" جب عنایت نہ رہے نوکر سے دولت کام نہیں آتا" چنانچہ
آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ جن کو بیٹا اور بھائی کہتے ہو اور ہرگز اُن سے جدائی
کا گمان نہیں تھا" بر ہمنوئی سعادت سے اکثر اُس سے جدا ہو گئے" اور
وہ جو کہ رہ گئے ہیں" ایک ایک جدا ہو کر درگاہ معلّٰی پر آ رہے ہیں" اور
رفتہ رفتہ اُس کو اکیلا چھوڑ دیں گے" اس مقام میں بغیر تسلیم و
رضا کوئی چیز فائدہ نہیں رکھتی"

خان خاناں بیرام خاں کے موسومہ فرمان پر صاحب دربار اکبری کا تبصرہ

اب یہ پورا فرمان ہمارے سامنے ہے۔ اُس میں بیرام خاں اور اُن کے ہواخواہوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اور جن وجوہ سے جن حالات کے تحت لکھا ہے" اس سے واقفیت ہو جانے کے بعد یہاں ہم اس فرمان کے صرف اُسی قدر ٹکڑے کے اُردو ترجمہ کو جس میں "شیخ گدائی" کے متعلق حاسدوں نے "اکبر" کی طرف سے "بیرام خاں" پر سب و شتم کیا ہے" اس جگہ پھر لکھتے ہیں۔ تاکہ واقعات کی روشنی میں اس کو سامنے رکھ کر مؤلف امر وہوی" کی غلط بیانی یعنی اُس معنی آفرینی حقیقت کو بخوبی جانچا جا سکے جو انہوں نے اس بحث پر اپنی طرف سے پیدا کی ہے"

"ان پانچ برس میں تم سے چند کام ناشائستہ ظہور میں آئے جن سے جمہور کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی" جیسے
"شیخ گدائی" کی تربیت۔ اس قدر بزرگی اور عقلمندی کے دعوے کے باوجود ان تمام فاضل و قابل اور با حسب
نسب لوگوں میں سے اپنی مصاحبت اور دوستی کے لئے "شیخ گدائی" کو منتخب کیا۔ اور سوائے اس کے صدارت
کے عہدے پر مقرر کر کے انہیں اس قدر اعتبار دیدیا کہ۔ (۱) تمام شاہی فرمان اُن کی مہر سے جاری ہوتے"
(۲) اور اُن کو تسلیم بھی معاف کر دی تھی" (۳) نیز اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے جنت مثال محفلوں میں اُن

کو تمام صحیح النسب سادات اور جلیل الحسب علماء پر جن کی میں تعظیم و تکریم کرتا ہوں فوقیت دے دی "
(یعنی تم نے "شیخ گدائی" کی دوستی کا تو خیال کیا اور میری کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ اور اپنی اِن حرکات سے میری اور شاہی فرمانوں کی توہین کے مرتکب ہوئے "

"کیونکہ "بیرام خاں" شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ آگے انھیں اِن الفاظ میں طعنہ دیا ہے کہ "

(۴) تم بنی فاطمہ کی محبت کی اور دوستی کی بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے۔ مگر برخلاف اِس کے تم نے جان بوجھکر اِس فرقۂ شریفہ کو ذلت و خواری میں ڈال دیا "

"کیونکہ "شیخ گدائی" کے اقتدارات سے حاسدوں کے دلوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اِسی سلسلہ میں اُن کے بارے میں اپنے جلے پھپھولے اِس طرح پھوڑے ہیں کہ "اور اپنے تربیت کردہ کو (یعنی شیخ گدائی کو) جو دلوں اور نظروں سے مردود و مطرود ہے۔ اِس خاندان پر (یعنی بنی فاطمہ پر) جو تربیت یافتہ الٰہی ہے۔ ترجیح دے کر۔ ان کے تمام بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ سے کچھ بھی شرم نہیں کی "

(۵) اور اُس کو (شیخ گدائی کو) اس قدر مرتبہ پر پہنچا دیا کہ وہ میرے سامنے آکر بحالت سواری مجھ سے مصافحہ کرتا " یعنی میری تعظیم کچھ نہ کرتا اور میرے روبرو آکر گھوڑے سے نہیں اُترتا تھا "

فرمان کے اِس ٹکڑے سے مؤلف امروہوی نے "شیخ گدائی" کے نسب پر طعن کیے جانے کے جو معنی اپنی طبیعت سے نکالے ہیں ایسے معنی پیدا کرنا اُن ہی جیسے لائق مؤلف کا کام ہے۔ یہ معنی جو اُنوں نے اخذ کئے ہیں۔ الہامی اور غیبی ہوں تو ہوں لیکن فرمان میں تو اِن معنوں کا مفہوم تک موجود نہیں ہے " اِس میں تو صرف " شیخ گدائی " کے اقتدار کا رونا ہے۔ اور اُن کے ایسے اعلیٰ اقتدارات کے لئے جو شاید ہی کسی کو کبھی حاصل ہوئے ہوں " بیرام خاں خان خاناں " پر جس جس طریقہ سے ممکن ہو سکا دل کھول کر طعن کیا گیا ہے " جب حاسدوں کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور نوجوان بادشاہ ان کے اثر میں آگیا۔ تو اب انہیں بیرام خاں پر کھلا وار کرنے کا موقع مل گیا " خوشے بد را بہانہ بسیار کہ اپنا شعار بنا کر پہلے تو انہوں نے اِس فرمان کے ذریعہ سے " بیرام خاں " اور اُن کے " احباب و اعزا " کی تمام عمدہ خدمتوں پر پانی پھیر دیا " اور پھر اُن کی عزت و آبرو کی بربادی کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اِس فرمان میں نہ کسی کے نسب سے بحث ہے نہ حسب سے " جو کچھ ہے وہ حاسدوں اور سازشیوں کے حسد کی محض نمائش ہے "

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے " دربارِ اکبری " کے صفحہ ۱۵۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ " ابوالفضل " اکبرنامہ " میں کئی ورق کا ایک فرمان لکھتے ہیں " جو دربار سے اُس محروم القسمت (بیرام خاں) کے نام جاری ہوا تھا۔ اُسے پڑھکر بیہودہ لوگ تو نمک حرامی کا جرم لگائیں گے " لیکن قابلِ اعتبار دو شخصوں کا حال ہوگا "

(الف) ایک وہ جس نے اُس کے تجدد تجزدی حالات کو نظرِ انصاف سے دیکھا ہوگا۔ وہ آیندہ ہمدردی اور رفاقت سے توبہ کرے گا "

(ب) دوسرے جس نے کسی ہونہار آیندہ دار کے ساتھ جانفشانی اور جانفشانی کا حق ادا کیا ہوگا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آئے گا۔ بلکہ آتشِ غضب سے جگر جلے گا اور دھواں منہ سے نکلے گا "

فرمان مذکور میں اُس کی تمام خدمتوں کو مٹایا ہے۔ اُس کے اقربا کی جانفشانیوں کو خاک میں ملایا ہے " اُسے خود پروری " اور ملازم پروری " کے الزام لگائے ہیں " اُس پر جرم لگائے ہیں کہ " پٹھان سرداروں کو بغاوت کی ترغیب دی " خود فلاں فلاں طریقوں سے بغاوت کے منصوبے باندھے " اُس میں " علی قلی خاں " اور " بہادر خاں " کو بھی لپیٹ لیا ہے "
بڑھاپے کی نمک حرامی۔ اور بیوفائی سے " خبیث خیالات اور کثیف الفاظ " اُس کے حق میں صرف کرکے کاغذ کو سیاہ کیا ہے "

ان دو دوں کو کون جانے " بدنصیب بیرام خاں جانے " یا جس ناکام کی " بیرام خاں " جیسی خدمتیں برباد ہوئی ہوں " اُس کا دل جانے " خصوصاً جب یہ یقین ہو " کہ ساری باتیں دشمن کر رہے ہیں " اور گود دوں کا پالا ہوا آقا۔ اُن کے ہاتھوں میں کٹ پتلی ہے "

مؤلف امروہوی کی دروغ بیانی کا انکشاف

اِس فرمان کے متعلق " شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی " کی رائے " دربار اکبری " سے لیکر جو ہم نے ابھی لکھی ہے وہ نظروں کے سامنے ہے۔ اب مؤلف امروہوی کے اُس بیان کو جو " بیرام خاں " کے متعلق انہوں نے لکھا ہے پیش کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ " اکبرنامہ " میں " شہنشاہ " نے اکبر کے ایک فرمان کی نقل ضرور درج ہے " جو " خان خاناں بیرام خاں " کی موسومہ ہے۔ اُس میں " اکبر بادشاہ " نے " بعض فروگذاشتوں اور کوتاہیوں کے متعلق جو خان خاناں موصوف سے بزمانہ اتالیقی سرزد ہوئی تھیں۔ چند الزامات عاید کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک الزام کو بشدومد بیان کیا گیا ہے کہ " مردم فاضل قابل باحسب ونسب کے موجود ہوتے " خان خاناں " نے " شیخ گدائی کنبوہ " کو " صدر الصدور " کے منصب جلیلہ پر کیوں مقرر کیا "

واقعات " کا اخفا کرکے " مؤلف امروہوی " نے " بیرام خاں " کے متعلق " جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ " اُن کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے کسی بےگناہ کو گنہگار بنا دینے اور جھوٹ کو سچ باور کرانے میں قطعاً کوئی باک نہیں ہے " جیسا کہ فرمان سے ظاہر ہے " بیرام خاں " پر الزامات کی تعداد کچھ کم نہیں ہے " اور سارے الزام اُن پر بشدومد ہی لگائے گئے ہیں۔ صرف ایک کیلئے " شیخ گدائی " کے متعلق الزام کے بارے میں بشدومد کا لفظ استعمال کرنا ان کی کھلی ہوئی بددیانتی نہیں تو کیا ہے "

" اندمیان ایں ہمہ مردم فاضل وقابل باحسب ونسب " کا مردم فاضل قابل باحسب ونسب کے موجود ہوتے

ترجمہ کرکے پیش کرنا بھی ان ہی جیسے فاضل مؤلف کا کام ہے " اندمیان ایں ہمہ مردم " کے الفاظ صاف کہہ رہے ہیں کہ " صاحب فرمان کو " شیخ گدائی " کے فاضل قابل اور باحسب ونسب ہونے کا اقرار ہے " مگر " بیرام خاں " سے شکایت ہے کہ " ان صفات کے لوگوں میں سے ان کے درمیان میں سے " شیخ گدائی " کو اپنی دوستی کی وجہ سے منتخب کرکے اور صدارت کا عہدہ دیکر جو انہیں فرمانوں کی پشت پر اپنی مہر ثبت کرنے کا اختیار دیا۔ یا اور تسلیم بھی معاف کردی یہ تم نے بہت ہی بڑا ستم کیا ہے " یعنی اپنی دوستی کی وجہ سے " شیخ گدائی " کو مجھ پر مسلط کر دیا اور میری عزت و حرمت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا " غرضکہ فرمان میں بیرام خاں پر یہ اعتراض نہیں ہے کہ " شیخ گدائی " کو صدارت کا عہدہ کیوں دیا " رونا جو کچھ ہے وہ صرف ان کے اقتدار کا ہے " جیسا کہ آگے چل کر " بڑے جوش سے آگے لکھا ہے کہ " واز داشتن شیخ گدائی را بمرتبہ رسانیدہ بود کہ سوار و پیشیں آمدہ بامصاحبت سے شود " مگر اس فقرے کو مؤلف موصوف نے اپنے بیان میں اخفا کر لیا ہے " یعنی اپنے مقصد کے منافی جان کر اُسے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی "

مؤلف امروہوی کے ترجموں میں تحریفیں کرنے کی ایک مثال

مؤلف امروہوی ترجموں میں جس قسم کی تحریفیں کرتے ہیں اس موقع پر اُس کی ایک مثال دیدینی ہم مناسب سمجھتے ہیں " مؤلف موصوف نے " تحقیق الانساب تاریخ امروہہ " کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھا ہے کہ :-

" کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ۔ جب خلافت عباسیہ کا " چنگیزیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوگیا " خاندان عباسیہ کے ہزاروں افراد کو کفار نے تہ تیغ کیا " امیرالمومنین کی بیٹی " تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئی " قافلہ تاتار " جب سمرقند پہنچا " عفیفہ نے " مزار شاہ زندہ حضرت قثم بن حضرت عباس " کو دیکھکر فاتحہ خوانی کی اجازت مانگی۔ اور مزار

بدرگاہِ ربّ العزّت میں یوں ملتجی ہوئی۔ کہ اے قادرِ توانا۔ اگر صاحبِ مزار تیرے پیارے رسول کے بھائی اور تیرے مقرب ہیں تو اس مزار کو شق فرما دے کہ میں اس میں سما جاؤں۔ خدایا خاندانِ نبوت کی ایک ناچار لڑکی کی عفت اور خاندانِ رسالت کی لاج رکھ۔ قدرتِ خدا سے قبر شق ہو جاتی ہے۔ اور اُسی میں وہ عفیفہ سما جاتی ہے۔"

عباسی شہزادی کی یہ روایت جو مؤلف صاحب نے لکھی ہے۔ اُس کے مقابلہ میں ابہم طبقاتِ ناصری سے بیکراسی روایت کو پیش کرتے ہیں جس سے مؤلف امروہوی کے ترجمہ کی تحریف پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

"ہلاؤ ہلاکو نبیرہ چنگیز خاں، قصدِ کشتنِ امیر المومنین المستعصم باللہ عباسی خاتم خلافت بغداد، بنوعِ دیگر پیش گرفت و بگفت۔ تا او را در محافظت جامہا پیچیدند۔ و لگد بر تن اُو سپردند۔ تا ہلاک شد۔ و او رضاہ۔ و امیر ابوبکر پسرش را۔ و امیر اعظم سلیمان شاہ را شہید کردند۔ با جملہ ملوک حضرت خلافت۔ و پسر خورد امیر المومنین را۔ و جملہ خزاین بغداد کہ حصر و عدّ آں در حوصلہ تحریر قلم و در دائرہ تقریر بنی آدم نگنجد۔ بر گرفت۔ از نقود و جواہر و ظرائف و مرصع۔ جملہ را بلشکرگاہ خود برد۔ و آنچہ از لائق و لائق منکو خاں بود۔ با بعضے از جواہر و حرم خلیفہ و یک دختر خلیفہ بطرف ترکستان۔ روان کرد و بعضے بوجہ تحفہ و قسمت بنزدیک برکا مسلمان فرستاد۔ و بعضے نگہداشت۔

ثقات چنیں روایت کردہ اند کہ آنچہ برکا رسید۔ قبول نکرد۔ و فرستادگان ہلاؤ را بکشت۔ و خصومت میان برکا و ہلاؤ بدیں سبب قائم شد۔

و آنچہ بنزدیک منکو خاں فرستاد چوں آں اموال و حرم را بشہر سمرقند رسید۔ دختر خلیفہ از فرمانے کہ بر سر ایشاں موکل بود اجازت طلبید کہ یکے از اجداد مرا روضہ در سمرقند است۔ یعنی قثم بن عباس علیہ السلام تا او را زیارت کردہ آید۔

بدیں موکل فرمان داد۔ او را اجازت داد تا آں معصومہ بسر روضہ قثم بن عباس آمد۔ و شرائط زیارت بجا آورد۔ و دو رکعت نماز بگزارد۔ و روے بر زمین نہاد و دعا کرد کہ۔"

"ہلاؤ ہلاکو خاں پوتا چنگیز خاں نے امیر المومنین المستعصم باللہ عباسی خلافت بغداد کے مار ڈالنے کے ارادے سے دوسرے طریقے پکڑ لیا اور کہا کہ قالین میں لپیٹ کر اُس کے جسم پر لاتیں ماریں کہ وہ مر جائے اور مروا ڈالا اور اس کے لڑکے ابو بکر کو مع امیر اعظم سلیمان شاہ اور خلیفہ کے تمام امراء کے شہید کر دیا۔ مگر امیر المومنین کے چھوٹے بیٹے کو اور بغداد کے تمام خزانوں کو جن کا احاطہ اور شمار کرنا حوصلہ تحریر قلم اور دائرہ تقریر بنی آدم میں نہیں آ سکتا۔ تمام نقود و جواہرات ظروف اور جڑاؤ ولی میں جو اُس کے پاس تھا۔ اُس میں سے جو چیزیں منکو خاں کے لائق تھیں اُن کو چند لوگوں اور حرم خلیفہ اور خلیفہ کی ایک دختر کے ساتھ ترکستان کی طرف روانہ کیا۔ اور چند چیزیں بطور تحفہ برکا دایکہ بادشاہ عزیز قریبی ہلاکو مسلمان کو بھیجیں۔ اور بعض کو اپنے پاس رکھا۔

ثقہ اشخاص روایت کرتے ہیں کہ برکا نے اُن کی بھیجی ہوئی چیزوں کو قبول نہیں کیا۔ اور ہلاکو کے ایلچیوں کو قتل کر دیا۔ دشمنی ہلاکو اور برکا کے درمیان اسی سبب سے قائم ہوئی۔

اور جو کچھ منکو خاں کو بھیجا جب وہ اموال و حرم شہر سمرقند میں پہنچے تو خلیفہ کی لڑکی نے اُس افسر سے جس کی وہ نگرانی میں تھی اجازت مانگی کہ میرے دادا اؤں میں سے ایک کی قبر سمرقند میں ہے۔ یعنی قثم بن عباسؓ کی۔ میں اُس کی زیارت کرنی چاہتی ہوں۔

اُس افسر نے اُس کو اجازت دیدی۔ جب خلیفہ کی دختر قثم بن عباسؓ کی قبر پر آئی تو اُس نے شرائط زیارت بجا لا کر اور دو رکعت نماز پڑھ کر اور اپنا سر زمین پر رکھ کر دعا کی کہ۔"

(نوٹ ملحقہ) سنہ ۵۳ھ میں زیاد بن سفیان بصرہ پر والی مقرر ہوا۔ سنہ ۱۳۹ھ زیاد نے الحکم کے بعد سنہ ۵۱ھ میں الربیع بن زیاد الحارثی کو خراسان کا والی کیا۔ زیاد کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے عبداللہ بن زیاد کو خراسان پر مقرر کیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ نے سعید بن حضرت عثمان رضؓ کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ سعید نے نہر جیحون عبور کی۔ سغد کے ترک اور اہل کش و نسف یا نخشب ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت سے مقابلہ پر آئے۔ سنہ ۱۳ھ سعید کے ساتھ قثم بن العباس بن عبدالمطلب بھی تھے جو سمرقند میں وفات پائی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں شہید ہوئے۔ صفحہ ۱۴۳۔ ترجمہ فتوح البلدان بلاذری جلد دوم۔

"خداوندا اگر ایں "قثم بن عباس رضؓ" کہ جدِّ من است در حضرتِ تو آبروئے دارد" جانِ ایں بندہ را بحضرت خود ببری۔ واز دستِ ایں نامحرمان مرا خلاص بخشی" دَرِ اجابت کشادہ شد۔ وہمدراں سجدہ" جانِ پاک را بحضرت باری تعالےٰ فرستاد"

"اے اللہ اگر یہ قثم بن عباس رضؓ جو میرا دادا ہے" تیرے حضور میں قدر و منزلت رکھتا ہے تو میری جان کو اپنے حضور میں لے اور ان نامحرموں کے ہاتھ سے مجھے رہائی بخش دے" اس کی دعا قبول ہوگئی۔ اور اسی سجدہ میں اس کی جان خدائے تعالےٰ کے پاس پہنچ گئی"

(طبقات ناصری صفحہ ۲۴۳ تالیف ۶۵۸ھ از طرف ایشیاٹک سوسائٹی مطبوعہ کالج پریس کلکتہ در ۱۸۶۴ء)

مؤلف امروہوی نے "شیخ گدائی" کے متعلق فرمان سے جو معنی اپنے مقصد کے بر لانے کے لئے اپنی طبیعت سے پیدا کرکے ان پر ایک عمارت کھڑی کی تھی "وہ تو مسمار ہو چکی ہے اور اس پر ہمیں یہاں کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"۔ اس جگہ ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ انہوں نے جو "در اجابت کشادہ شد وہمدراں سجدہ جان پاک را بحضرت باری تعالےٰ فرستاد" (قبولیت کا دروازہ کھل گیا۔ اور اسی سجدے میں جان پاک کو اللہ تعالےٰ کے حضور میں بھیج دیا") کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "(قدرت خدا سے فرش شق ہو جاتی ہے اور اس میں وہ عفیفہ سما جاتی ہے)" یہ ترجمہ اپنی آپ مثال ہے اور کسی طرح "شیخ گدائی" کے متعلق فرمان کے ان کے پیدا کردہ معانی سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا ہے"

"مسٹر بیوریج" اور "مسٹر ایلیٹ" کے بیانات کی حقیقت"

"شیخ گدائی" کے متعلق اسی بیان میں مؤلف امروہوی نے نہایت فندہ دہنی سے یہ فقرات بھی بے تکلف قرطاس کئے ہیں کہ"

(الف) شیخ گدائی" کے باپ شاعر اور "دہلی" کے اکابر میں سے تھے لیکن تمام "کمبوہ" چونکہ اصلاً ہندو تھے۔ اور اس وجہ سے سادات ان کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے"

(ب) ان کا (شیخ گدائی کا) ہندی الاصل ہونے کے باوجود "سادات اور دیگر "عربی النسل" افراد کے مقابلہ میں "منصب صدارت" پر جو "عربی النسل" اشخاص کے لئے مخصوص تھا۔ فائز ہونا۔ اس زمانہ کے خیالات کے اعتبار سے قابل مواخذہ سمجھا گیا"

فقرہ الف کی تصدیق کے لئے ان مؤلف صاحب کو "طبقات اکبری" "منتخب التواریخ" اور "اکبر نامہ" میں کوئی مواد نہیں مل سکا" نہ جہانگیر و شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر غازی وغیرہ ہی کے زمانہ کی کسی کتاب میں دستیاب ہو سکا" اس لئے انہوں نے اس بیان کے لئے "بیوریج اور ایلیٹ" دو فرنگی زمانے کے غیر ملکی اور اپنی غرض کے تحت لکھنے اور راجپوتی زنی کرنے والے انگریزوں کے دامن میں پناہ لی ہے" اب وہ زمانہ نہیں رہا ہے کہ ان جیسے مترجم اور مؤرخوں کے نام لیکر لوگوں کو دھوکا دیا جا سکے" بیوریج ہوں یا ایلیٹ یا ان کے دوسرے بھائی بند ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں" مؤلف صاحب کے ان مورخ اعظم ایلیٹ کا تو یہ حال ہے کہ اس نے کوئی خاص تحقیقات نہیں کی ہے" صرف قدیم تاریخوں کے انگریزی ترجموں پر اکتفا کیا ہے" مگر یہ کھلا ہوا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی حد تک ان تراجم کے اکثر حصوں کو غلط پیش کیا ہے" اور ان میں جہاں جہاں اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ان تمام کو مورخین نے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان فرنگیوں نے بجائے تاریخی تحقیقات کے ان تاریخوں کے لکھنے میں اپنی مصلحتوں اور سیاست ملکی کو پیش نظر رکھا ہے" اس لئے ان میں تحریفیں کرکے کئی عبارتوں کو لکھا ہے" اور رائیں بھی وہی پیش کی ہیں جو انہوں نے اپنے مقاصد کے مدنظر مناسب سمجھی ہیں" جیسا کہ "کارنامہ راجپوتان" کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳ پر لکھا ہے کہ"

"اسی طرح (یعنی ٹاڈ کی طرح) اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھیں۔ انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح حالات کے ساتھ گڈمڈ کرکے تحریر کیں"
اس لئے اب کوئی محقق ان واقعات کا۔ جن کا مذاق تاریخ صحیح ہو۔ ان کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ وہ اس

زمانہ میں بوجہ اپنے متعصبانہ رنگ۔ اور غلط بیانیوں " سے بھرپور ہونے کے پایۂ وقعت سے ساقط ہو گئی ہیں "

یہی حال "ایلیٹ" کی تاریخ کا ہے۔ ایلیٹ " ہنگامۂ ۱۸۵۷ء سے کچھ ہی پہلے " وائسرائے ہند کا اوّل سیکرٹری تھا۔ اس کو اس کی نوبت کہاں آئی تھی کہ وہ اِس قدر دردسری اٹھاتا کہ واقعات کی تہہ تک پہنچ جاتا "

اگر "ایلیٹ" کو "پنجاب" کے "کمبوؤں" اور اس کمبوی یا کنبوہ " خاندان کے نام میں التباس پیدا ہو گیا۔ اس نے "کمبوہ" اور "کنبوہ" کو ایک سمجھکر دھوکا کھایا۔ اور اپنی نافہمی اور تحقیق و تلاش کی کوتاہی کی وجہ سے ایک سمجھ لیا۔ تو مؤلف صاحب کا فرض تھا کہ وہ اِس التباس کو رفع کر کے صحیح بات کو پیش کرتے " مدحیت ہے اُن پر کہ "شیخ گدائی" کے خاندان سے واقف ہونے اور اِن تاریخوں کو دیکھکر بھی جن میں "شیخ گدائی" کے خاندان کے علوئے حسب ونسب کا ذکر ہے " انہوں نے حقیقت کے اظہار سے گریز کیا۔ اور اِن تاریخوں کے نوشتوں کو معرضِ خفا میں رکھکر اپنے ناظرین کو دھوکا دیا ہے " اِسی بحث کے سلسلہ میں آگے ہم بتائیں گے کہ مؤرخوں نے "شیخ گدائی" اور اُن کے خاندان کے بارے میں کیا لکھا ہے " اور اُن کے حسب ونسب کو کس طرح سراہا ہے " نیز کیسے جلیل القدر سید اُن کے علوئے مرتبت و شان اور عالی نسبی کی وجہ سے اُن کی پالکیوں تک کو سر بازار اپنے کندھوں پر اُٹھانا اپنے لئے باعثِ برکت اور قابلِ فخر سمجھتے تھے "

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ " مشہور مصنّف نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ " وہی کتابیں قابلِ اعتبار ہیں جو اپنے اپنے زمانوں میں اہلِ ملک نے حالات کو سامنے رکھکر تحریر کی ہیں۔ اور وہ سب فارسی میں ہیں۔ اِن کتابوں میں سے کسی ایک سے بھی کوئی حوالہ نہ دیکر "شیخ گدائی" کے متعلق اس حالیہ زمانے کے ایک انگریز کی کتاب سے جو حوالہ مؤلف امروہوی نے پیش کیا ہے " اُس کے ساقط الاعتبار ہونے کا حال کچھ تو اوپر ظاہر ہو چکا ہے " آگے چل کر جہاں اپنی تحقیقات کی سند میں مؤلف صاحب نے ایلیٹ کی کچھ اور قیاس آرائیوں کو پیش کیا ہے "شیخ گدائی" کے بارے میں اپنی اِس بحث کو پورا کر کے ہم اُن کو پھر جانچیں گے " اور سر ایلیٹ کی کتاب و آراء کی حقیقت کو وضاحت سے دکھائیں گے " نیز دوسرے یورپین سیّاحوں اور مؤرخوں کے نوشتوں کو بھی پیش کر کے اُن کی تاریخدانی اور اخذ واقعات کی لیاقت اور عجیب وغریب باتوں سے ناظرین کو محظوظ ہونے کا موقع دیں گے "

" فقرہ ب " میں "شیخ گدائی" کے نام کے ساتھ ہندی الاصل لکھکر عربی النسل سے اُنھیں الگ ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس لئے اِتنا اور بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندی الاصل یا مؤلف امروہوی کے پیش کردہ "ہندی النسل" کے معنی یہ ہیں کہ " جس شخص کی بھی پیدائش " ہندوستان " میں ہوئی ہے " وہ " ہندی النسل " ہے۔ اِس میں ہندوستان کے " سید " " قریشی " " افغانی " " مغل " اور " شیخ " خاندانوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے "

مشہور شاعر و اہلِ قلم جناب ہوش بلگرامی " معتمد (سیکرٹری) وزیر افواج سلطنت آصفیہ دکن نے " رسالہ نگار " لکھنؤ بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۲۷ء کے صـ ۳۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ " واسطی النسل مسلمان " ہندوستان میں دو مقامات پر پھیلے " ایک نے " بارہہ " (ضلع مظفر نگر) کو بسایا " اور دوسرے نے " بلگرام " (ضلع ہردوئی) کو " دونوں ایک ہی خاندان کے چشم وچراغ ہیں " اور " سید ابو الفرح واسطی " کی اولاد " ایک بادشاہ گر " (بارہہ) کہلائے " اور قلمدانِ وزارت سے قسمتوں کا فیصلہ کیا " دوسرا مسندِ علم پر بیٹھا۔ اور باپ علم کا ورثہ دار ہوا اور " واسط " کو الوداع کہہ کر " بلگرام " کو اپنا نشیمن بنایا "

شہر " واسط " کو " حجاج بن یوسف " نے آباد کیا تھا " یہ " فارس یا ایران " کا ایک شہر ہے " عرب " کا شہر نہیں ہے " مگر کیونکہ اِس خاندان کے جدِّ اعلیٰ " جو " سید قریشی عربی تھے " " واسط " میں پیدا ہوئے تھے اور وہاں رہتے تھے " اِس لئے اُن کو انہیں کی اولاد میں سے ایک لائق و قابل ترین شخص نے " واسطی النسل " لکھا ہے " تو اس کے یہ معنی کسی طرح بھی پیدا نہیں کئے جا سکتے " کہ " سید ابو الفرح واسطی " کہ وہ " ایرانی عجمی " کے سوا " عربی قریشی " نہیں تھے "

منصب صدارت کے عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص ہونے کی مؤلف امروہوی کی دھوکا دہی کا انکشاف

اب ہم مؤلف امروہوی کے فقرہ ۲ پر نظر ڈالتے ہیں "جس میں انہوں نے کسی سند کے پیش کئے بغیر محض اپنے جریدہ بیان سے اپنے ناظرین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ۔

(" منصب صدارت عربی النسل " اشخاص کے لئے مخصوص تھا ")

مگر یہ بیان بھی اُن کا قطعاً غلط اور پایہ تحقیق سے بالکل خارج ہے بلکہ مذہب اسلام پر بھی ایک بڑا اتہام ہے " اس دین میں امامت نماز کی جو منزلت اور درجہ ہے - وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے " حضور اکرم صلعم خود امامت فرمایا کرتے تھے " اپنے اپنے زمانوں میں خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا ہے " شیوع اسلام کے بعد جوں جوں مقبوضات اسلامیہ وسیع ہوتے گئے تو ان دوسرے مقامات پر جو دوسرے اصحاب عامل یا حاکم مقرر کئے گئے اُن کے فرائض میں نمازوں کی امامت کرنا بھی داخل تھا۔ لیکن ایسے اہمیت رکھنے والے کام یعنی امامت کے لئے عربی اور عجمی "غلام اور آقا کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ایسی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ کہ اکابر صحابہ ؓ نے غلاموں تک کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں "

صحیح بخاری میں ہے کہ " حضرت ابن عمر رض " فرماتے ہیں کہ " سالم " ابو حذیفہ رض " کے غلام " مسجد قبا " میں مہاجرین " اور حضور صلعم کے اصحاب ؓ کی امامت کیا کرتے تھے " حضرت عمر رض " زید رض " اور " عامر بن ربیعہ رض " بھی ہوتے تھے "

{ ترجمہ صحیح بخاری جلد ثالث کتاب الاحکام صـ۲۲۲)
مترجمہ سید عبدالدائم جلالی مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

اس مشہور شعر سے کون واقف نہیں ہے کہ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش " صہیب از روم ۔۔۔ ز خاک مکہ " ابو جہل ایں چہ بو العجبی ست

اس بات سے بھی سب واقف ہیں کہ " حضرت عمر رض نے " انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ " میرے جنازہ کی نماز " صہیب رومی رض " پڑھائیں " جب جنازہ نماز کے لئے تیار ہو گیا اور حضرت عثمان غنی رض " اور حضرت علی رض " دونوں بیک وقت نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو انہیں " حضرت عبدالرحمن بن عوف رض " نے روک دیا تھا چنانچہ حضرت فاروق رض کے جنازے کی نماز وصیت کے مطابق حضرت صہیب رومی رض نے پڑھائی۔ پھر جب تک خلافت کے لئے " حضرت عثمان غنی رض کا انتخاب نہیں ہو گیا حضرت صہیب رض ہی اصحاب رسول اللہ صلعم کو نمازیں پڑھاتے رہے "

ہم سمجھتے ہیں) اس بات سے مؤلف امروہوی بھی واقف ہیں کہ " حضرت سلمان فارسی رض کو تو حضور اکرم صلعم نے اپنی اہل بیت میں داخل فرمالیا تھا "

اُموی گورنر - اور خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کا منصب قضا قبول نہ کرنے پر " امام ابو حنیفہ رح " پر ظلم و ستم "

صحابہ کرام رض کی خلافتوں کے بعد جب مسلمانوں میں بادشاہت ہو گئی اور مذہبی عہدہ الگ قائم ہوا۔ تب بھی اِن اُموی اور عباسی " بادشاہوں کو اس مذہبی عہدہ کے " عربی النسل " اشخاص کے لئے مخصوص کر دینے کا خیال تک نہیں آیا۔ بلکہ انہوں نے تو " عجمیوں یعنی غیر عرب " اور " غلاموں کو " اس عہدہ پر مقرر کرنے کی انتہائی کوششیں کیں اور جبر سے بھی کام لیا "

اکمال فی اسماء الرجال " میں " حضرت " امام ابو حنیفہ رض " کے متعلق تحریر ہے کہ " ابن ہبیرہ " یزید بن ہبیرہ " مروان بن محمد اموی " کے گورنر نے آپ کو کوفہ کی قضا پر مجبور کیا تھا " مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ اس نے دس روز کے عرصہ میں سو دُرّے آپ کے

مارے مگر تب بھی آپ نے قبول نہیں کیا۔ آخر لاچار ہو کر چھوڑ دیا۔" (ترجمہ اردو اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۶۹)

تاریخ طبری میں ہے کہ "سلیمان بن مجاہد" سے روایت ہے کہ "منصور" نے (ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی) "ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو "قاضی" بنانا چاہا۔ انہوں نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ "منصور" نے قسم کھائی کہ میں ضرور ان کو سرکاری عہدہ دوں گا۔ اس کے مقابلہ میں "ابو حنیفہ" نے بھی قسم کھائی کہ میں کبھی قبول نہ کروں گا۔" چنانچہ جب قضا کے عہدے سے انہوں نے انکار کر دیا تو اب "منصور" نے اپنی قسم پورا کرنے کے لئے "ابو حنیفہ" کو "شہر بغداد" کی خشت سازی "ان کے شمار" اور مزدوروں سے کام لینے کی نگرانی پر متعین کر دیا۔" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ ۱۹۲)

پھر "منصور" نے حضرت امام صاحب کو قید خانے میں بھجوا دیا تھا۔ اور آپ کا انتقال اسی قید خانہ میں ۱۵۰ھ ہجری میں ہوا۔" اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ "منصور" نے آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح "جنہیں "مروان بن محمد اموی" کے زمانے میں کوفہ کا قاضی "بنانے کی انتہائی کوشش کی گئی تھی۔ اور "منصور عباسی" نے جن پر "قاضی القضاۃ" یعنی "صدارت" کا عہدہ قبول نہ کرنے پر جبر و ظلم کیا۔ اور قید خانہ میں بند کر دیا تھا۔ "عربی النسل" ہرگز نہیں تھے" بلکہ "قوم کے جاٹ" اور غلام خاندان سے تھے۔"

حضرت امام ابو حنیفہ رض کے غلام خاندان اور قوم جاٹ سے ہونے کے شواہد

امام بخاری نے تحریر فرمایا ہے کہ "نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی" مولی لبنی تیم اللہ بن ثعلبہ" روی عنہ عباد بن العوام" و ابن المبارک وھشیم" و وکیع" و مسلم بن خالد" و ابو معاویہ" و المقری" کان مرجئا سکتوا (عنہ و ا) عن رایہ و عن حدیثہ" قال ابو نعیم مات ابو حنیفہ سنہ خمسین و مائۃ" (التاریخ الکبیر القسم ثانی من جز الرابع تالیف محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری المتوفی ۲۵۶ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۲ھ)

نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی" بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے۔ "عباد بن العوام اور ابن المبارک اور ہشیم اور وکیع اور مسلم بن خالد اور ابو معاویہ اور المقری نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔" ابو نعیم کہتے ہیں" کہ ابو حنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ ہجری میں ہوئی۔"

ترجمہ اکمال فی اسماء الرجال کے صفحہ ۱۶۵ پر ہے کہ "حضرت امام ابو حنیفہ رض کے دادا "کابل" کے رہنے والے اور بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے۔" جب انہوں نے انہیں آزاد کر دیا تو "ثابت" "حضرت امام ابو حنیفہ کے والد حالت اسلام میں پیدا ہوئے۔" بعض کہتے ہیں کہ یہ آزاد ہی تھے کبھی ان کے خاندان میں کوئی غلام نہیں ہوا۔" آپ گروہ "زط" میں سے ہیں۔"

علامہ شبلی رح نے تحریر فرمایا ہے کہ "امام ابو حنیفہ" قوم "زط" یعنی "جاٹ" سے تھے۔" (سیرت امام اعظم مؤلفہ علامہ شبلی)

عباسیوں کے عربی۔ قریشی نسل کو نیست و نابود کر دینے کے احکام اور ان کے خلفاء کی عربوں پر عجمیوں کو ترجیح

عربی النسل" یا عربی قوم کی جو قدر اس عباسی خاندان نے کی اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل واقعات کافی ہیں:"
ابو جعفر منصور کے بڑے بھائی "ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن حضرت عباس رض" نے "ابو مسلم خراسانی" کو اپنے خط میں ہدایتیں کی تھیں۔ اور خاص طور سے یہ لکھا تھا کہ "خراسان" میں کسی "عربی النسل یا عربی اللسان" کو زندہ مت چھوڑنا۔ خراسان کے اصلی باشندے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ ہمارے بہت کام آئیں گے" اور انہیں پر زیادہ اعتماد رکھنا چاہیئے۔" (تاریخ اسلام حصہ دوم مؤلفہ مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

"شرح نہج البلاغۃ" ا: صفحہ ۳۰ پر ہے کہ "ابراہیم" نے اپنے خط میں یہ لکھا تھا کہ "مضر" کا تمہیں خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔ یہ ایسے دشمن ہیں کہ تمہارے گھر سے قریب ہیں۔ ان کی ہری بھری کھیتیاں تباہ کر دو۔ ان میں سے کسی کو زندہ مت چھوڑو۔"

جاننا چاہیئے کہ "حضرت نزار بن معد بن عدنان" کی نسل "مضری" کہلاتی ہے۔ آپ ہی کی نسل میں تمام "قریشی" "ہاشمی" اور سادات" ہیں۔ "ابو مسلم" نے "ابراہیم عباسی" کے حکم کی تعمیل میں ان چھ لاکھ عربوں کو قتل کرا دیا جو اس وقت "ایران" میں "لسانی" معاشرتی

دو رستہ فی انقلاب پیدا کر رہے تھے۔ اگر یہ عربی النسل افراد قتل نہ ہو جاتے تو آج ایران کا بھی مثل مصر و طرابلس و تیونس و مراکش وغیرہ کے عربی ممالک میں شمار ہوتا۔ ان ایران کے متوطن عربوں کے قتل عام میں جو تھوڑے سے بچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکے۔ انہوں نے بھیس بدل بدل کر اور قوم دوسری بتا بتا کر سرحدوں کی طرف رخ کیا۔ خراسان کے صوبوں اور دراشتوں میں شہید قتل عام کی وجہ سے یہ لوگ سندھ، کوہ سلیمان اور کشمیر میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ ان کی نسلیں آج تک ہندوستان میں موجود ہیں اور اپنے بدلے ہوئے ناموں اور پیشوں کی وجہ سے اپنے عربی نژاد ہونے کو بھول گئے ہیں۔

اس کے بعد داؤد بن علی بن عبداللہ بن حضرت عباس رضؓ نے حجاز و یمن میں چن چن کر سادات بنو امیہ کو قتل کرا دیا۔ اور عبداللہ بن محمد بن علی عباسی نے تمام ممالک محروسہ میں اعلان کرا دیا کہ جہاں کوئی اموی ملے قتل کر ڈالا جائے۔ غرضکہ اس قریشی خاندان کا تخم سوخت کر دیا گیا۔ اور ان پر ایسا ظلم روا رکھا جو چنگیز خاں کے بھی حاشیہ خیال میں نہیں آیا۔ ان کے قریب المرگ لوگوں اور مردہ لاشوں پر دسترخوان بچھوا کر کھانے کھائے۔ بلکہ ان کے بزرگوں کی قبروں کو کھدوا کر اور مردوں کو سڑکوں پر ڈلوا کر کتوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ صحابی رسول اللہ صلعم کی قبر بھی کھودی گئی۔ لیکن اس میں سے انہیں ہڈی کا کوئی چھوٹا ریزہ بھی دستیاب نہیں ہو سکا۔ اور وہ ان کی بے حرمتی کرنے سے محروم رہ گئے۔ (تاریخ اسلام جلد دوم تالیف مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی نے بھی اپنے بھائیوں کی طرح عربوں کو ضعیف اور عجمیوں کو قوی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ بلکہ ان پر غلاموں تک کو مسلط کر دینے میں مطلق باک نہیں کیا۔

طبری نے سادات زبیری کے متعلق منصور عباسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابو جعفر کہا کرتے تھے کہ آل زبیر کے ہزار آدمی مجھے ایسے ملیں جو سب کے سب نیک و متقی ہوں اور ان میں ایک بد ہو تو میں سب کو قتل کر دوں۔

(ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن و طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۶[illegible])

مزید براں اس نے سادات بنی فاطمہ کے تخم سوخت کرنے کی کوشش میں جو مظالم ان پر کئے ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔

طبری میں ہے کہ ابو جعفر منصور کے حکم سے ابو الازہر نے بنی حسن کو ہاشمیہ میں قید کر دیا۔ جب یہ سب ابو جعفر کے سامنے پیش کئے گئے تو ان کی نظر محمد بن ابراہیم بن حسن پر پڑی۔ دیکھ کر کہنے لگے۔ تو ہی دیباج اصفر ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ ابو جعفر نے کہا۔ بخدا میں تجھے اس طرح قتل کروں گا کہ اس طرح میں نے کسی اور تیرے خاندان والے کو قتل نہ کیا ہو گا۔ پھر ابو جعفر نے ایک بڑے سے ستون کو بیچ میں سے شق کرنے کا حکم دیا اور محمد بن ابراہیم کو اس میں زندہ چنوا دیا۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ [illegible])

طبری کے صفحہ [illegible] پر ہے کہ عیسیٰ بن عبداللہ کہتا ہے کہ ان کے [illegible] کو زہر سے ختم کر دیا گیا۔

علامہ شبلی نے بنی فاطمہ یعنی سادات پر منصور کے ظلم و ستم کی جو جھلک اپنے چند اشعار میں دکھلائی ہے وہ اس طرح ہے کہ

تھے دونوں حضرت عباس [illegible] شامل [illegible] — کم سے کم یہ کہ رسالت پناہ [illegible] کو [illegible]

بار ہا ایسا ہوا آ کے لڑے اور گرفتار ہوئے — بس کہ [illegible] سادات زمین

تھا انہیں حضرت عباس رضؓ کا پوتا منصور — پایہ تخت سے تھے سادات کے بیمار و حزین

پھر دیا حکم کہ ان سب کو [illegible] — [illegible]

ساتھ ساتھ آتے تھے پیدا [illegible] — [illegible]

ایک [illegible] سادات [illegible] — [illegible]

[illegible]

"شیخ گدائی" کا "ہندی الاصل" ہونے کے باوجود "سادات اور دیگر عربی النسل افراد" کے مقابلے میں "منصب صدارت پر جو "عربی النسل" اشخاص کے لئے مخصوص تھا" فائز ہونا "اُس زمانے کے اعتبار سے قابلِ مواخذہ سمجھا گیا"

اُن کے اِس بیان کی تکذیب کے لئے ہمیں اِدھر اُدھر تلاش کرنے اور دُور جانے کی ضرورت نہیں پڑی "وہ ہی تاریخیں جن سے اِن مؤلف صاحب نے اکثر مقامات پر حوالے پیش کئے ہیں اُن کے اِس صریح جھوٹے بیان پر خندہ دنداں نما کر رہی ہیں" اگر مؤلف موصوف کا بیان سچ ہوتا تو (۱) شیخ گدائی کے ہٹ جانے کے بعد اُن کی جگہ صدارت کے عہدے پر بالضرور کسی "سید بنی فاطمہ" کا تقرر کیا جاتا" یا کوئی اور عربی النسل شخص اِس عہدے پر فائز کیا جاتا" مگر تاریخیں بتا رہی ہیں کہ "شیخ گدائی رح" کے بعد "سادات بنی فاطمہ" یا کسی دوسرے عربی النسل شخص کے بجائے "صدارت کا منصب جلیلہ اُس شخص کو عطا کیا گیا جو قوم سے جاٹ تھا اور جس کے جدّ اعلیٰ غلام رہ چکے تھے" مزید برآں اِسی اکبر کے زمانے میں جو گت "سیادت مآب حضرات" و "عربی النسل" افراد کی بنائی گئی۔ یہ حالات بھی اُن ہی تاریخوں میں جو مؤلف امروہوی کے زیرِ مطالعہ رہ چکی ہیں "شرح و بسط سے مذکور ہیں"

شیخ عبدالنبی

(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار کے صفحہ ۲۱۶ پر "شیخ عبدالنبی صدر الصدور" کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ "در سنہ احدے وسبعین و سمائۃ بر مسند صدارت نشست" یعنی ۹۷۱ھ ہجری میں "شیخ عبدالنبی" کو صدارت کا منصب جلیلہ حاصل ہوا" آپ کا جو مرتبہ بادشاہ کے دل میں تھا اُس کو "ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۸۰ پر اِن الفاظ میں بیان کیا ہے کہ"

"پادشاہ را چندگاہ نسبت بہ او آں چناں اعتقاد پیدا شدہ بود کہ کفش پائے اُو پیش نہادند"

اور بادشاہ کو کچھ عرصہ اُن سے ایسا اعتقاد ہو گیا تھا کہ وہ آن کے جوتے اُٹھا لیتے تھے"

مآثر الامراء جلد دوم کے صفحہ ۵۶۱ پر "بادشاہ اکبر" پر آپ کے لاٹھی چلانے کا حال اِن الفاظ میں تحریر ہے کہ"

"روزے بہ تقریب سال گرہ "بر جلوس بادشاہی" رنگ زعفران" پوشیدہ بودند "شیخ عبدالنبی" بہ غضب آمدہ سر دیوان چناں عصا برتافت کہ بدامن عرش آشیانی رسیدہ پارہ شد"

ایک دن سالگرہ کی تقریب میں شاہی محفل میں بادشاہ نے زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے تھے "شیخ عبدالنبی نے غصہ میں آکر دربار میں ایسی لاٹھی ماری کہ شہنشاہ اکبر کے دامن میں لگی جس سے وہ پھٹ گیا"

آپ کے تسلط و تصرف استقلال کا حال صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۲۰۵ و ۲۰۶ پر اس طرح تحریر کیا ہے کہ۔

"ہرگز در آں زمان "ہیچ پادشاہے ایں قدر تسلط و تصرف استقلال بہ صدرے" بر دست نداده بود"

اُس زمانے میں ہرگز کسی بادشاہ نے اس قدر تسلط و تصرف اور استقلال "کسی صدر کو اپنے اُوپر نہیں دیا تھا"

ترجمہ آئین اکبری جلد دوم کے صفحہ ۲۰۴ پر آپ کے دادا کا حال تحریر ہے کہ "شیخ عبدالنبی کے دادا "شیخ عبدالقدوس" "امام ابوحنیفہ" کی اولاد میں ہیں "آپ کو "شیخ عارف بن احمد عبدالحق" سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ آپ نے علوم ظاہر و باطن کی تکمیل حاصل کی" اور خدا شناسی میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ بے شمار حقائق آپ سے منقول ہیں "جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) آپ کے خلوت کدہ میں تشریف لے جاتے اور مجلس واعظ و مناظرہ گرم ہوتی تھی۔ ۹۴۵ھ ہجری میں آپ نے رحلت فرمائی "دہلی" کے قریب میں گنگوہ" میں آپ کا مزار ہے"

ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی "منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۸۰ پر "شیخ عبدالنبی" کے "امام اعظم ابوحنیفہ رح کی اولاد سے ہونے کا ذکر اِن الفاظ میں لکھا ہے کہ"

"شیخ عبدالنبی "آنکہ او خود را از اولاد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میگرفت"

شیخ عبدالنبی جو اپنے آپ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہونا بیان کرتے ہیں

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے "اخبار الاخیار" کے صفحہ ۲۱۶ پر آپ کے علم و فضل اور آپ سے بادشاہ کے اعتقاد کا حال ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ۔

یکے از ابنائے او یعنی شیخ عبدالقدوس "شیخ عبدالنبی" بود کہ تحصیل بعضے علوم رسمیہ نمودہ بود۔ در جوانی متوجہ زیارت حرمین شریفین شد۔ و پیش از بعضے فقہائے مکہ معظمہ برخے از حدیث نبوی صلعم بر خواند۔ بعد از اں بوطن اصلی عود کرد۔ و بہ تجرید و تعشق منسوب با پدر و اعمام بحث مسئلہ توحید و سماع در افتاد۔ بادشاہِ وقت را با وے اعتقاد عظیم پیدا شد۔"

اُس کے (شیخ عبدالقدوس کے) بیٹوں میں سے ایک "شیخ عبدالنبی" تھا جس نے تحصیل بعضے علوم رسمیہ کی کی تھی۔ جوانی میں وہ حرمین شریفین کی زیارت کو گیا۔ اور بعضے فقہائے مکہ معظمہ سے اُس نے احادیث نبوی صلعم پڑھیں۔ اس کے بعد وطن کو لوٹ آیا۔ اور زہد و تعشق سے منسوب ہو کر اپنے باپ چچاؤں سے مسئلہ توحید اور سماع پر اُس نے مباحثہ کیا۔ بادشاہ وقت کو اُس سے اعتقاد عظیم پیدا ہوا۔"

"مآثر الامراء جلد دوم کے صفحہ ۵۶۱ پر تحریر ہے کہ" و در قرب و منزلت بادشاہی بمرتبہ رسید کہ بہ استماع حدیث شریف "عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) بہ خانہ اش می رفت۔ و چوں دراں وقت "اکبر بادشاہ" بہ ترغیب "شیخ (عبدالنبی صدر) در اجرائے احکام شرعی و امر معروف و نہی عن المنکر فراواں جد و جہد مے فرمود۔ و خود اذان می گفت و امامت میکرد۔ حتیٰ کہ بقصد ثواب مسجد جاروب میزد۔"

بادشاہ کے نزدیک اُس کا تقرب اتنا ہوا اور اُس کی منزلت اس حد کو پہنچی کہ اکبر بادشاہ حدیث شریف سننے کو اُس کے گھر جاتا تھا۔ اور ان دنوں اکبر بادشاہ شیخ عبدالنبی کی ترغیب سے اجرائے احکام شرعی اور امر معروف و نہی عن المنکر میں بہت کوشش کرتا تھا۔ اور خود اذان کہتا اور امامت کرتا۔ یہاں تک کہ ثواب کی غرض سے مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔"

شیخ عبدالنبی صدر کے علم و فضل جاہ و جلال اور اُن سے بادشاہ کو جس قدر اعتقاد تھا اُس کا حال معلوم ہو چکا۔ اب ہم اُن کے زوال کے اسباب اور بادشاہ کی اُن سختیوں کو بھی جو اُن پر روا رکھی گئیں، نیز جس طرح اُن کی موت واقع ہوئی۔ اِس موقع پر دکھاتے ہیں۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم اُن خرافات کی بھی تھوڑی سی جھلک دکھا دینا مناسب سمجھتے ہیں جن کی "بیرام خاں اور شیخ گدائی" کی تربیت اور نگرانی سے "اکبر" کو اپنے قابو میں لا کر اُن حاسدوں اور سازشیوں نے جنہوں نے فرمان میں "بیرام خاں" پر "شیخ گدائی" کے مقابلے میں "سادات بنی فاطمہ" کو قعر مذلت میں ڈال دینے کا طعنہ بڑی شد و مد سے دیا ہے۔ اِس نوجوان بادشاہ کو چاٹ لگا دی تھی۔ "آگے چل کر ان ہی خرافات کے اثرات مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوئے۔ اور "شیخ عبدالنبی" نیز دوسرے علماء و فضلا" اور بڑے بڑے شریف و نجیب نیز سادات وغیرہ کو مذلت و خواری میں ڈال دینے کے علاوہ "مذہب اسلام سے بغاوت کرنے اور اُس کے بجائے "دین الٰہی اکبر شاہی" کی تخلیق کرنے کا سبب بنے"

سنہ ۹۶۸ ہجری میں "بیرام خاں" شہید ہوئے" اور "شیخ گدائی" نے "جیسلمیر" کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی تھی" اور اکبر بادشاہ اُن کے حاسدوں کے قابو میں اچھی طرح آ چکا تھا۔ جنہوں نے یہ فرمان جاری کرایا تھا جس پر کولعف امروہوی نے یہ بے بنیاد عمارت کھڑی کی ہے۔ سنہ ۹۶۹ ہجری کے واقعات میں "منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۶۱ و ۶۲ پر تحریر ہے کہ"

"در سنہ ۹۶۹ ہجری شاہنشاہ از نواحی "متھرا بجانب دہلی" نہضت واقع شد۔ "دآنجا داعیہ نسبت مصاہرت با اعیان دہلی" پیدا آمدہ" قوالاں و خواجہ سرایان "از برائے انتخاب بنات ابکار و بنات الکبرا (؟) و تحقیق احوال ایشاں در محلات نامزد گشتند" و ہولے عظیم در شہر افتاد۔ و باعث بر تحریک ایں سلسلہ اغوائے "شیخ بدھ" و "سہرہ" مخادیم آگرہ بود"۔ مجملاً آنکہ یک بیوہ "شیخ بدھ" "فاطمہ نام" اسے بی مسماۃ از ہوا و ہوس [illegible]

سنہ ۹۶۹ ہجری میں شہنشاہ کی نواح متھرا سے دہلی کی طرف واپسی ہوئی۔ اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دہلی کے اعیان سے رشتہ دامادی قائم کرے۔ قوال اور خواجہ سرا کنواری لڑکیوں کے انتخاب کے واسطے اور اُن کے حال کی تحقیق کے لئے محلات میں نامزد ہوئے۔ اِس سے شہر میں دہشت پھیل گئی۔ اس تحریک کا باعث شیخ بدھ اور سہرہ آگرہ کے خادموں کا اغوا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ ایک بیوہ "شیخ بدھ" کی "فاطمہ نام" ہوا و ہوس اور [illegible]

فرمودند- روزے "شیخ النبی" شنیدم کہ میگفت یکے از مجتہدان تا نہ زن تجویز کردہ است"

معروض داشتند بلے "ابن ابی لیلیٰ مجتہد" بریں رفتہ است و بعضے نظر بظاہر عبارت قولہ تعالیٰ "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورُباع" تا ہژدہ زن ہم روا داشتہ اند" اما ایں روایت با مہ رجوع است "عمل را نمی شاید- و "شیخ عبد النبی" را پرسیدہ فرستادند- او ہمیں طور جواب دادہ باشم"

و ایں معنی بہ طبع بادشاہ گراں آمدہ فرمودند کہ "بریں تقدیر "شیخ" با ما نفاق ورزیدہ بود- کہ آں زمان چیزے دیگر میگفت و حالا دیگر میگوید" و ایں تخم در دل جا گرفت"

و بعد از ردو بدل بسیار و جمع روایات [illegible] متعہ فتویٰ دادند کہ بطریق "متعہ" آنقدر زن کہ میسر باشد [illegible] مباح است"

و ایں در مذہب "امام مالک" جائز است- و شیعہ خود فرزندے را کہ از "متعہ" پیدا میشود- بیشتر از غیر آں دوست میدارند"

برغم "اہل سنت و جماعت" دریں جا ہم سخنان ہیچ گذشت و جمع از اں در "نجات الرشید" مذکور شدہ" و موطائے امام مالک را "نقیب خاں" نمود کہ در آنجا بتصریح "حدیثے بر منع متعہ" اسناد کردہ"

و شبے "قاضی یعقوب" و "شیخ ابو الفضل" و "حاجی ابراہیم" و یک دو دیگر از علماء- در حجرہ "انوپ تلاؤ" در ملازمت نشستہ بودند" "شیخ ابو الفضل" معارض مشائخ شدہ" روایاتے کہ والد با جد خود جمع کردہ بود- در نظر آورد"

و قاضی یعقوب را بعجز گفت "پس [illegible] چہ گویم مبارک شد" مباح است"

بادشاہ فرمود کہ "قاضی حسین عرب" [illegible] قاضی [illegible] و قاضی یعقوب [illegible]
قاضی حسین را [illegible] ساختند"

[illegible] موافق مذہب [illegible] حکم کردہ"

و بیران [illegible] صدر [illegible] شیخ عبد النبی [illegible] الملک

و قاضی [illegible]

ہو سکتا ہے" پھر فرمایا کہ ایک دن "شیخ النبی" سے میں نے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں" مجتہدوں میں سے ایک نے نو عورتوں تک کی اجازت دی ہے"

عرض کیا گیا کہ بیشک "ابن ابی لیلیٰ مجتہد" اس طرف گیا ہے اور بعضے اللہ تعالیٰ کی اس آیت "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورُباع" پر ظاہر نظر ڈالکر اٹھارہ عورتیں تک روا رکھتے ہیں" لیکن یہ سب روایتیں مرجوع ہیں" ان پر عمل نہ کرنا چاہئے" اور "شیخ عبد النبی" سے دریافت کرایا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا"

اور یہ بات بادشاہ کی طبیعت کو ناگوار ہوئی- فرمایا اس طرح "شیخ" نے ہمارے ساتھ نفاق برتا ہے" کہ اس وقت تو دوسری بات کہی اور اب دوسری کہتے ہیں" اور یہ بات ان کے دل میں جڑ پکڑ گئی"

اور بہت ردو بدل کے بعد" تمام روایات متنوعہ پر فتویٰ دے دیا کہ بطریق متعہ جس قدر بھی عورتیں چاہیں جائز ہیں"

اور یہ "امام مالک" کے مذہب میں جائز ہے" اور شیعہ اپنے اس لڑکے کو جو متعہ سے پیدا ہوتا ہے اپنی اس اولاد سے جو نکاحی بی بی سے ہو زیادہ عزیز رکھتے ہیں"

اہل سنت و جماعت کے مقابلہ میں اس جگہ بہت سی باتیں چھوڑ دیں" اور مجمع نے ان کو اپنی نجات کا باعث قرار دیا" حالانکہ اس جگہ صاف طور سے موطائے امام مالک کی حدیث سے جو متعہ کی ممانعت میں ہے نقیب خاں نے سند پیش کی"

ایک رات کو "قاضی یعقوب" اور "شیخ ابو الفضل" اور "حاجی ابراہیم" اور ایک دو دوسرے علماء میں سے "انوپ تلاؤ" کے حجرے میں بادشاہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے" "شیخ ابو الفضل" مشائخ پر معترض ہو کر وہ روایتیں جو اس کے باپ نے جمع کی تھیں بادشاہ کے ملاحظہ میں لایا"

اور قاضی یعقوب نے عاجزی سے کہا کہ اب میں کیا کہوں" مبارک ہو" جائز ہے"

بادشاہ نے فرمایا کہ "قاضی حسین عرب مالکی" کو اس مسئلہ میں قاضی [illegible] اور قاضی یعقوب [illegible] سے معزول ہوا اور [illegible]
قاضی [illegible] کیا گیا"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سلطان خواجہ | منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۹۷ پر تحریر ہے کہ "دریں سال (۹۸۶ ہجری) "سلطان خواجہ" از مکہ معظمہ" معاودت نمودہ۔ اسپانِ عربی نژاد" و غلامے حبشی" و ہدایائے دیگر نفیس آوردہ" بمنصب ارادت" و صدارت" رسید۔

و میر حاجی" سال نہصد و ہشتاد و ششش (۹۸۶ ہجری) بنام" خواجہ محمد یحییٰ" از ابنایِ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ قرار یافتہ" چہار لک روپیہ حوالہ ایشاں نمودہ بتاریخ ماہ شوال ایں سال" از اجمیر" روانہ "مکہ معظمہ" ساختند" و شیخ عبدالنبی" و مخدوم الملک" را" بجانب مکہ" ہمراہ ایں قافلہ اخراج کردند"

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۹۷ پر تحریر ہے کہ "اسی سال ۹۸۶ ہجری میں "سلطان خواجہ" مکہ معظمہ سے واپس آیا" گھوڑے عربی نژاد" اور حبشی غلام اور دوسرے اچھے تحفے لایا" اور منصب ارادت و صدارت کو پہنچا"

(۹۸۶ ہجری) اور میر حاجی" بنام" خواجہ محمد یحییٰ از اولاد حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کو مقرر کرکے اور چار لاکھ روپیہ اُن کے حوالہ کرکے بتاریخ ماہ شوال ۹۸۶ ہجری اجمیر سے اُن کو مکہ معظمہ روانہ کیا۔ اور شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کا اس قافلہ سے ہمراہ مکہ کی طرف اخراج کر دیا"

اور صفحہ ۳۱۱ پر ہے کہ" و نوزدہم ماہ شعبان ۹۹۰ ہجری) وزن شہزادہ بزرگ شد" و دریں سال یا سال آیندہ" شیخ عبدالنبی و مخدوم الملک" کہ اخراج سو بہ یا فتہ بودند۔ اخبار میرزا محمد حکیم" و یاغی گری ہا امرا شنیدہ۔ از مکہ معظمہ" بہ گجرات آمدند" و مخدوم الملک در احمد آباد" درگذشت۔ در ۹۹۰ ہجری نہصد و نود ہجری" و پسران او چندگاہ در شکنجہ زنجیر بودہ" بہ نان گریہ محتاج شوند"

اور صفحہ ۳۱۱ پر ہے کہ ۹۹۰ ہجری میں بڑے شہزادے کا وزن ہوا اور اسی سال یا سال آیندہ شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک جو ملک سے نکال دیئے گئے تھے میرزا محمد حکیم (برادر اکبر) اور دوسرے اُمراء کی بغاوتوں کی خبریں سُن کر مکہ معظمہ سے گجرات آگئے" ۹۹۰ ہجری میں احمد آباد میں مخدوم الملک کا انتقال ہوگیا۔ اور اُن کے لڑکے کچھ عرصہ شکنجہ عذاب" ۔ رہ روٹی کے ٹکڑے کو محتاج ہو گئے"

(نوٹ ملہ صفحہ) حتیٰ کہ چوں" اکبر بادشاہ" ابداع مذہب الٰہیہ کردہ" خلق را بداں دعوت نمودہ" و شمس پرستی وغیرہ۔ احکام را جاری کردہ حکم داد کہ بجائے کلمہ محمدی" لا الہ الا اللہ۔ اکبر خلیفۃ اللہ" بخوانند"

مولانا عبداللہ" باو در جہاد بودے۔ آخر الامر" اکبر" اورا از ملک تو دا اخراج کرد۔

و بے مسجد متمکن گشتہ" اکبر گفتہ۔ کہ مسجد ہم از زمین ملک ماست۔ از ینجا ہم بدر رود۔ و راہ ملک دیگر پیش گیر۔ و بے راہ حجاز پیش گرفت۔ و بزیارت حرمین شریفین مشرف گشتہ"

و باز در ہندوستان آمد۔ آخر بحکم بادشاہ زہر و رطہ ہلاک کردند۔ و بے شربتِ شہادت چشید" او را تصانیف بسیار است۔ چنانچہ" کشف الغمہ" و منہاج الدین" و "عصمۃ الانبیا" وغیرہ از تالیف اوست"

شیخ حاجی عبدالکریم چشتی لاہوری قدس سرہٗ پسر اوست خلق کثیر در حلقۂ ارادت وے درآمدہ"

حتیٰ کہ جب اکبر بادشاہ" نے مذہب الٰہی جاری کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی اور سورج پرستی وغیرہ کے احکام جاری کرکے حکم دیا کہ بجائے کلمہ محمدی کے لا الہ الا اللہ۔ اکبر خلیفۃ اللہ" پڑھیں"

مولانا عبداللہ" اس کے خلاف ہو گئے" آخرکار۔ اکبر بادشاہ" نے ان کو ملک سے خارج کر دیا"

وہ مسجد میں متمکن ہو گئے" اکبر نے کہا کہ مسجد بھی میرے ملک کی زمین میں ہے اس جگہ سے بھی چلے جاؤ" اور دوسرے ملک کا راستہ پکڑو" وہ حجاز کو چلے گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے"

اور پھر ہندوستان میں آئے" آخر" اکبر بادشاہ" کے حکم سے کھانے میں انہیں زہر دے دیا۔ اور انہوں نے شربت شہادت چکھا" ان کی تصانیف بہت ہیں" چنانچہ "کشف الغمہ" و منہاج الدین" اور "عصمۃ الانبیاء" وغیرہ اُن کی تالیف سے ہیں"

شیخ حاجی عبدالکریم چشتی لاہوری قدس سرہٗ اُن کے بیٹے ہیں" خلق کثیر اُن کے حلقۂ ارادت میں آئی"

تحریر ہے کہ:

"در ربیع الثانی سال نہصد و نود (۹۹۰) ہجری، سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی" کہ در وادیٔ الہیات و ریاضیات و طبیعات و سایر اقسام علوم عقلی و نقلی و طلسمات و نیرنجات و جر اثقال نظیر خود در عصر نداشت۔ بہ حسب فرمان طلب۔ از پیش عادل خان دکھنی (بادشاہ بیجاپور) بہ فتحپور رسید و حسب الحکم خانخاناں و حکیم ابوالفتح" بہ استقبال رفتہ۔ بملازمت آوردند و بمنصب صدارت"

"کہ سیاہ نویسی بیش نبود"

امتیاز یافت و پرگنہ بسا ور بیدا غ وتحلی بجائے گیر او مقرر شد او در وادیٔ مذہب خود۔ استقامت تمام ورزیدہ۔ با کمال حب جاہ و دنیا داری و امراء پرستی دقیقہ از دقایق تعصب در دین فرو نگذاشت۔"

ربیع الثانی ۹۹۰ھ ہجری میں سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی" جو الہیات اور ریاضیات اور طبیعات اور تمام اقسام کے علوم عقلی و نقلی اور طلسمات و نیرنجات اور جر اثقال میں اس زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، طلبی کے فرمان کی وجہ سے عادل خاں دکھنی (بادشاہ بیجاپور) کے پاس سے آکر فتحپور پہنچا اور بادشاہ کے حکم سے خانخاناں" اور حکیم ابوالفتح استقبال اس کا کر کے بادشاہ کی خدمت میں لائے" اور اس نے صدارت کے منصب پر جو

"سیاہ نویسی سے زیادہ نہ تھا"

امتیاز پایا اور پرگنہ بسا ور بیدا غ و تحلی اس کو جاگیر میں دیا گیا" اس نے اپنے مذہب میں خوب مضبوطی سے قدم جما کر کمال حب جاہ اور دنیا داری اور امراء پرستی سے دین میں تعصب کے درجوں میں سے کوئی درجہ نہیں چھوڑا۔"

و در عین دیوان خانۂ خاص کہ ہیچ کس یارائے آں نداشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند۔ نماز بفراغ بال و جمعیت خاطر بمذہب امامیہ میگذارد و بریں معنی مطلع شدہ او را از زمرۂ ارباب تقلید شمردہ از اں وادی اغماض فرمودہ و بجہت رعایت علم و حکمت و تدبیر و مصلحت در تربیت او دقیقہ فرو گذاشت نرفت"

اور عین دیوان خانۂ خاص میں جہاں کوئی شخص اس کی مجال نہیں رکھتا تھا۔ ظاہر بظہور نماز ادا کرتا اور فراغ بالی و دل جمعی سے مذہب امامیہ کی طرح نماز پڑھتا۔ اس بات پر مطلع ہو کر بادشاہ نے اس کو زمرۂ ارباب تقلید میں سمجھ کر اس کی اس بات سے اغماض فرمایا اور اس کے علم و حکمت اور تدبیر مصلحت کی وجہ سے رعایت کر کے اس کی تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا"

۹۹۴ھ ہجری کے حالات میں اسی منتخب التواریخ کے صفحہ ۳۴۳ پر میر فتح اللہ شیرازی صدر الصدور کے بارے میں تحریر ہے کہ:

آخر رفتہ رفتہ کار بجائے کشید کہ شاہ فتح اللہ باں عزت و جاہ قدرت دادن پنج بیگہ زمین نداشت، اما اراضی کلی بازیافت نمودہ کفایت خیال میکرد و آں زمین ہمیں طور مسکن وحوش و ہوام و سوام شد"

نامۂ اعمال صدور نامے از ایشاں باقی نماندہ باقی ماند"

آخر رفتہ رفتہ نوبت یہ پہنچی کہ شاہ فتح اللہ اس قدر عزت و جاہ پر بھی" پانچ بیگہ زمین دینے کی قدرت نہیں رکھتا" لیکن ساری کی ساری زمین کو واپس لینے میں کفایت خیال کرتا ہے۔ اور وہ زمین اس طرح سے وحشی اور درندے جانوروں اور حشرات الارض کا مسکن ہو گئی ہے۔ نامۂ اعمال میں صدور کے سوا ان کے نام کے کچھ باقی نہیں رہا ہے"

(۵) صدر جہان صدر" کے متعلق منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۴۰۲ پر تحریر ہے کہ:

و دریں ماہ محرم ۱۰۰۲ھ ہجری صدر جہان مفتی ممالک محروسہ کہ بمنصب ہزاری رسیدہ با دو پسر فضول مقاصد خود بحلقۂ ارادت در آمدہ شصت ارادت قبول یافت چوں ماہی بقلاب در آمد و منصب ہزاری یافت و بعرض رسانید کہ ریش مرا چہ حکم میشود فرمودند کہ باشد"

اور اسی سال محرم ۱۰۰۲ھ ہجری میں صدر جہان مفتی ممالک محروسہ جو ہزاری منصب پر پہنچا اپنے فضول مقاصد والے دو لڑکوں کے ساتھ حلقۂ ارادت میں آ گیا۔ اس کی ارادت قبول ہوئی مثل مچھلی کے جو جال میں پھنس جاتی ہے اور منصب ہزاری پایا۔ اس نے عرض کیا کہ میری داڑھی کے متعلق کیا حکم ہوتا ہے فرمایا کہ رہنے دو"

ہم نے ابھی اوپر بتایا ہے کہ وہ سلطان خواجہ صدر" اور صدر جہاں مع اپنی دو بیٹوں کے دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہو گئے تھے۔ صاحب دربار اکبری نے صفحہ ۳۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ اس دین کے خلیفۂ اول شیخ ابوالفضل تھے۔ جو شخص دین الٰہی میں آتا

تھا۔ وہ اقرارنامہ لکھکر دیتا تھا۔" اُمرا میں سے جو اشخاص "دین الٰہی اکبر شاہی" میں داخل ہوئے۔ اُن کی تفصیل کتابوں کے اِنتخاب سے حسبِ ذیل معلوم ہوتی ہے:"

(۱) ابوالفضل خلیفہ
(۲) فیضی۔ ملک الشعرائے دربار
(۳) شیخ مبارک ناگوری (پدر ابوالفضل و فیضی)
(۴) جعفر بیگ آصف خاں۔ مؤرخ وشاعر۔
(۵) قاسم کابلی شاعر
(۶) عبدالصمد مصوّر دربار اور شاعر
(۷) اعظم خاں کوکہ۔ مکّہ سے آکر۔
(۸) صوفی احمدؒ
(۹) ملّا شاہ محمدؒ شاہ آبادی مؤرخ۔
(۱۰) صدر جہان "مفتی کُل ہندوستان" اور ان کے دو صاحبزادے"
(۱۱) میر شریف آملی۔
(۱۲) سُلطان خواجہ صدر۔
(۱۳) میرزا جان حاکم ٹھٹھہ۔
(۱۴) تقی شوستری شاعر (دو صدی منصبدار)
(۱۵) شیخ زادہ گوسالہ بنارسی
(۱۶) بیربر

دربار اکبری کے صـ ۲۶ پر ہے کہ "میر عبدالحیٔ صدر جہان" کا حال دیکھو تتمہ میں "یہ بھی بزرگوار "حکیم ہمام" کے ساتھ "عبداللہ خاں ازبک" کے دربار میں برسم سفارت بھیجے گئے تھے۔ اور مراسلت میں جو فقرے اُن کی شان میں نازل ہوئے تھے یہ ہیں "سیادت مآب ثقابت نصاب" "میر صدر جہان" "ازجلہ اعاظم سادات کبار" و اجلہ اتقیائے ایں دیار" زمانے کی تاثیر دیکھو کہ اہلِ عالم کا کیا حال کر دیا تھا" بازاروں کے برآمدوں میں رنڈیاں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے" خصوصاً دارالخلافہ میں"۔

(۶) خواجگی محمدؐ صالح صدر" (۷) مولانا عبدالباقی صدر" کے حالات کا اندازہ "شیخ عبدالنبی" کے بعد کے اِن تین متذکرۂ بالا صدور کے حالات سے لگا لینا چاہیئے" کہ یہ بھی نت نئے اختراعات مذہبی یا دین الٰہی اکبر شاہی میں رواج دینے یا بادشاہ اور اُس کے فرشتوں کے آلۂ کار ہونے سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے"۔

جس دن "صدر جہان" دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوئے ہیں۔ اُسی روز "ملّا تقی شوستری" اور "ملّا شاہ محمدؒ" نے بھی "دین الٰہی اکبر شاہی" کی بیعت کی تھی" اِن دونوں کے اس نئے دین میں داخل ہونے کے واقعہ کو "صاحب منتخب التواریخ" نے جلد دوم کے صـ ۲۰۴ پر ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ"

"درہمیں روز" (محرم ۱۰۰۲ھ ہجری) ملّا تقی شوستری" کہ خود را اعلم العلماء گوید" و شیخ زادہ گوسالہ خام نام بنارسی" و ملّا شاہ محمدؒ" کہ منسوب بفرزندی" حضرت غوث الثقلینؒ" ہے ساختہ" مُرید شدند" و مراتب اخلاص چہار گانہ را متقلد گشتہ۔ و منصب صدی تا پانصدی یافتہ" بطریق تلاش ترک ریش گفتند" وجود مردگشتند" مُوتراش چند" تاریخ یافتہ"

اِنہیں دنوں (محرم ۱۰۰۲ھ ہجری) میں "ملّا تقی شوستری" جو اپنے آپ کو اعلم العلماء کہتا ہے۔ اور "شیخ زادہ گوسالہ خام نام بنارسی" اور "ملّا شاہ محمدؒ" جو حضرت "غوث الثقلینؒ" کی فرزندی سے منسوب ہے۔ یہ تینوں مُرید ہوئے۔ اور مراتب اخلاص چہار گانہ کے متقلد ہو کر اور منصب صدی تا پانصدی پاکر ڈاڑھیاں منڈوا دیں" "مرد گشتند مُوتراش چند" تاریخ نکلی"

اکبر کی دین میں اختراعیں اور علماء و مشائخ و سادات کی دُرگت بنائے جانے کی چند دیگر مثالیں

صاحب دربار اکبری نے صـ ۸۵ پر تحریر فرمایا ہے کہ "(۱) ڈاڑھی جو مسلمانوں میں نُورِ الٰہی کہلاتی ہے۔ بڑی خواری ہوئی" سبزۂ رخسار کی جڑ پتال سے ڈھونڈھ کر نکالی۔ جہاں سے اُسے پانی پہنچتا ہے"

علماء میں ایک مشائخ تھے اور خاص "حضرت شیخ امان پانی پتی" کے بھتیجے تھے۔ اپنے عمِ بزرگوار کے کتب خانے "قدس سرہ" کو نذر کرکے

کتاب لے کر تشریف لائے۔ اس میں حدیث دکھائی کہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں ایک صحابی رضؓ تشریف لائے" بیٹا ساتھ تھا۔ اس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلعم نے دیکھکر فرمایا۔ کہ اہلِ بہشت کی ایسی ہی صورت ہوگی" غرض تمام دربار صفاچٹ ہوگیا"

(۲) ہندوؤں کے مذہب کا مشہور مسئلہ ہے کہ دس جانور ہیں جن کی صورت میں خدا نے ظہور کیا ہے۔ ایک اُن میں سے سور ہے۔ بادشاہ نے بھی اس کا خیال کیا۔ اور زیر جھروکہ اور بعض مقامات میں جدھر لوگ اشنان کراتے تھے۔ سور پلوائے"

(۳) کتے کے فضایل میں یہ دلیل پیش ہوئی کہ اس میں دس صفتیں ایسی ہیں کہ ایک بھی اُن میں سے اگر انسان میں ہو تو ولی ہوجائے" بعض مقربانِ درگاہ نے کہ خوش طبعی اور ہمہ دانی اور ملک الشعرائی سے ضرب المثل ہیں۔ چند کتے پالے" گودوں میں بٹھاتے تھے۔ دسترخوان پر کھلاتے تھے" ملا صاحب یعنی صاحب منتخب التواریخ" فرماتے ہیں کہ" دربار میں تقریریں ہوتی تھیں کہ" غسلِ جنابت کی کیا ضرورت ہے" کوئی کہتا تھا کہ" شیر اور سور" کا گوشت کھانا چاہیئے۔ کہ بہادر جانور ہیں۔ طبیعت میں ضرور بہادری پیدا کرے گا"

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۳ پر "قاضی نظام بخشی" کے حالات میں تحریر ہے کہ"

ملقب بہ قاضی خان" از ولایت بدخشان است نزدیک کوہے کہ کان لعل دارد" در علوم مکتبی شاگرد" مولانا عصام الدین ابراہیم است" و پیش" ملا سعید" استفادہ نمودہ" و از علوم تصوف بہرہ تمام داشتہ" در طریقت مرید" مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی" است" چوں بہ ہند آمد در ملازمت پادشاہی رعایت بیشتر از اندازہ یافت۔ فصیح زبان و خوش تقریر بود" بہ سن ہفتاد سال در" اودھ" در سنہ ۹۹۲ ہجری نہضت نمود و در رحمت حق پیوست"

قاضی نظام بخشی ملقب بہ قاضی خان" ولایت بدخشاں کا رہنے والا ہے" اُس پہاڑ کے نزدیک کا جس میں لعل ہیں" علوم مکتبی میں مُلا عصام الدین ابراہیم کا شاگرد ہے" اور ملا سعید سے بھی اس نے استفادہ کیا ہے" اور علوم تصوف میں مُرید مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی کا ہے" جب ہندوستان آیا تو ملازمت بادشاہی میں اس نے اندازہ سے زیادہ رعایت پائی" فصیح زبان اور خوش تقریر تھا" ستر سال کی عمر میں اودھ میں سنہ ۹۹۲ ہجری میں مرگیا۔

(۴) اوّل کسیکہ" اختراع سجدہ پیش پادشاہ کرد۔ در فتحپور" او بود" و ملا عالم کابلی" بحسرت میگفت" دریغ کہ" مخترع ایں امر من نہ شدم"

پہلے پہل جس نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے کی فتحپور میں ایجاد کی" وہ یہی تھا" اور ملا عالم کابلی حسرت سے کہا کرتا تھا کہ افسوس ہے اِس بات کی ایجاد کا موجد میں نہ ہوا"

(۵) دربار اکبری کے صفحہ ۹۱ پر تحریر ہے کہ" نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہم قوم اور غیر قوم کا فرق اصلا نہ رہا۔ راجپوتوں کی محبت بلکہ اُن کی ہر بات کو بلکہ ریت و رسوم اور لباس کو بھی اُس کی آنکھوں میں خوشنما دکھانے لگی" چغے اور عمامہ کو اُتار کر جامہ اور کھڑکی دار پگڑی اختیار کرلی" ڈاڑھی کو رخصت کر دیا۔ تخت و دیہیم کو چھوڑ کر سنگھاسن پہ بیٹھنے اور ہاتھی پر چڑھنے لگا" فرش فروش۔ سواریاں اور دربار کے تمام سامان آرائش سب ہندوانہ ہونے لگے" ہندو اور ہندوستانی لوگ ہر وقت خدمت گذاری میں حاضر" جب بادشاہ کا یہ رنگ ہوا تو اراکین و اُمراء۔ ایران۔ توران۔ سب کا وہی لباس" دربار اور یہاں کی گلوری کی اس کالانہی سنگھار ہوگیا۔ ترکوں کا دربار" اندر سبھا کا تماشا تھا"

(۶) اِسی کتاب کے صفحہ ۸۵ پر تحریر ہے کہ" قاضی عبدالسمیع میانکالی" قاضی القضاۃ" تھے" ان کا خاندان" ماوراء النہر" میں عظمت اور برکت سے نامور تھا۔ مگر یہاں کا یہ عالم تھا کہ" بازی لگا کر شطرنج کھیلنا وظیفہ تھا" جلسہ مہتواری ایک عالم تھا۔ جس کے وہ آشنا گار تھے" رشوت۔ نذرانہ تھا" جس کا لینا شغل اداے نماز فرض عین تھا۔ مسکوں پہ" شودپرت حسب الحکم" لکھتے تھے اور وصول کرلیتے تھے" قاسم خاں موجی نے کچھ اشعار لکھکر اُن کی تصویر کھینچی تھی۔ ایک شعر اُن کا یاد ہے ؎

پیرے نہ تسبیح سمور   ریشے چو گل سفید یک گز

(۷) اور صفحہ ۹۲ پر ہے کہ" ملا صاحب فرماتے ہیں سنہ ۳۰ جلوس کے بعد زمانہ کا رنگ بالکل بدل گیا کیونکہ بعض دین فروش مُلا بھی شامل ہوکر اُن کے ساتھ ہم داستان ہوگئے" نبوت میں کلام" وحی میں سکوت ہونے لگے" معجزے" کرامت" جن" پری" ملایک"

جو آنکھ سے غائب اُس کا انکار" "قرآن کا تواتر" "اُس کا کلام الٰہی ہونا۔ سب باتوں کے لئے ثبوت طلب"

تناسخ پر رسالے لکھے گئے اور قرار یہ پایا کہ اگر مرنے کے بعد ثواب عذاب ہے تو "تناسخ ہی میں ہو سکتا ہے" اس کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں"

(٨) مُلّا صاحب فرماتے ہیں کہ "شیخ تاج الدین ولد ذکریا اجودہنی دہلوی" تھے۔ اکثر اشخاص "شیخ ذکریا" موصوف" کو "تاج العارفین" کہتے ہیں "حضرت شیخ مان پانی پتی" کے شاگرد تھے "شیخ مان پانی پتی" وہ شخص تھے کہ "سوانح" پر شرح لکھی ہے" اور "نزہت الارواح" پر بھی موٹی شرح تحریر فرمائی ہے۔ اور تصوّف میں ایسی ایسی یادگاریں چھوڑ دی ہیں کہ علم توحید کے دوسرے "محی الدین عربی" تھے)"

دیوی برہمن" کو خواب گاہ پر جاتے ہوئے دیکھ کر انہیں بھی شوق پیدا ہوا" اور مکر وحیلہ کی کمند پھینک کر خواب گاہ پر پہنچنے لگے" بہت مقاصد قرآن کے" اور مطالب پر آن کے ملا کر ایک کر دیئے "وحدت وجود کی بنیاد رکھ کر" ہمہ اوست" کا منارہ بلند کیا" اور "فرعون" کو بھی مومن ثابت کر کے کسی کو ایمان سے محروم نہ رکھا" بلکہ منقوش خاطر کر دیا کہ انسان کامل جو پہلے پیغمبر تھے" وہ اب "خلیفۃ الزماں (بادشاہ اکبر)" ہے۔ اور وہ بھی عین واجب ہے۔ کم از کم اُس کا پر تو ضرور ہے" پس قبلہ مراد" اور "قاضیٔ حاجات" وہ ہی ہے "سجدہ" اُس کے لئے جائز ہے" کہ فلاں فلاں پیروں کو اُن کے مرید کیا کرتے تھے"

(٩) صلا بیربر نے یہ روشنی ڈالی" کہ آفتاب ذات الٰہی" کا مظہر کامل ہے" سبزہ اُگانا" غلّوں کا لانا" پھلوں کا کھلانا" پھولوں کو پھلانا" عالم کا اُجالا" اہلِ عالم کی زندگی اُس سے وابستہ ہے" اِس لئے تعظیم اور عبادت کے لائق ہے۔ اُس کے طلوع کی طرف رُخ کرنا چاہیئے نہ کہ غروب کی طرف"

اِسی طرح "آگ" "پانی" "پتھر" اور "پیپل" کے ساتھ" سب درخت مظاہر الٰہی ہو گئے" یہاں تک کہ "گائے" اور "گوبر" بھی مظاہر الٰہی ہوئے" ساتھ اس کے "تلک" "جینیو" کو بھی جلوہ دیا" مزہ یہ ہے کہ "علماء" "فضلاء" اور "مصاحبان خاص" نے" اُس کی تقویت کی۔ اور کہا کہ فی الحقیقت "آفتاب نیّر اعظم" اور عطیہ بخش تمام عالم" اور مُربّی بادشاہوں کا ہے" اور جو با اقبال بادشاہ ہوئے ہیں۔ اُس کی عظمت کو رواج دیتے رہتے ہیں" برہمنوں سے تسخیر آفتاب کا منتر سیکھا کہ نکلتے وقت اور آدھی رات کو اُسے جپا کرتا تھا"

(١٠) صلا و ٢٣ راجہ بھجولہ نے ایک جلسہ میں کہا" کہ حضور اگر گائے خدا کے نزدیک واجب التعظیم نہ ہوتی تو قرآن میں سب سے پہلے اُس کا سورہ کیوں ہوتا۔ اُس کے گوشت کو حرام کر دیا۔ اور تاکید سے کہہ دیا کہ جو مارے گا وہ مارا جائے گا" حکماء طب کی کتابیں لیکر حاضر ہوئے کہ اس کے گوشت سے رنگا رنگ کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ردی اور دیر ہضم ہے"

(١١) صلا مُلّا صاحب کہتے ہیں کہ ٩٨٦ھ ہجری میں جب سب طرف سے خاطر جمع ہو گئی۔ تو تجویز ہوئی کہ "لا الٰہ الّا اللہ" کے ساتھ "اکبر خلیفۃ اللہ" کہا کریں۔ پھر بھی لوگوں کے شور وشر کا خیال تھا اس لئے کہتے تھے کہ باہر نہیں" محل میں کہا کہ "عوام کالعوام کی زبانوں پر" اللہ اکبر" کے سوا وظیفہ نہ تھا۔ اکثر اشخاص "سلام علیک" کی جگہ "اللہ اکبر" جواب میں "جلّ جلالہ" کہتے ہیں" ہزاروں سکّے موجود ہیں جن کے دونوں طرف یہ ہی سکّہ منقوش ہے"

(١٢) گو کہ باوفا اور جاں نثار سمجھے جاتے تھے" مگر صلاح ہوئی کہ پہلے ان ہی سے کوئی ابتدا کرے" چنانچہ "قطب الدین خاں" کو "مذہب تقلیدی" (یعنی مذہب اسلام) چھوڑنے کی طرف بادشاہ کا اشارہ ہوا" وہ سیدھا سادھا سپاہی تھا" اس نے خیر اندیشی و دلسوزی کے رنگ میں ظاہر کیا کہ "ولایتوں کے بادشاہ" یعنی سلطان روم" وغیرہ سنکر کیا کہیں گے" سب کا یہ ہی دین ہے۔ خواہ تقلیدی ہے۔ خواہ نہیں ہے" بادشاہ نے بگڑ کر کہا "ہاں تو "سلطان روم کی طرف سے غائبانہ لڑتا ہے" اپنے لئے جگہ پیدا کرتا ہے۔ کہ یہاں سے جائے تو وہاں کی عزت پائے" جا وہیں چلا جا"

شہباز خاں کنبوہ" نے بھی تیز و تند سوال وجواب کئے" بیربر" موقع پا کر کچھ بولے تو آہیں "شہباز خاں" نے ...

سختی سے دھمکایا کہ صحبت بدمزہ ہوگئی۔ اور اُمراء آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ شہباز خاں کو خصوصاً اور اوروں کو عموماً کہا کیا بکتے ہو۔ تمہارے منہ پر گوہ میں جوتیاں بھر کر لگواؤں گا۔

شہباز خاں کے اس واقعہ کے متعلق منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۷۴ پر یہ تحریر ہے کہ:

وے شہباز خاں نیز تیز و تند، درین داوری درآمده بہ بیربر، سگ جہنمی را که طعن صریح در دین میکرد، دشنام صریح داده گفت که اے کافر ملعون، حالا تو ہم این چنین سخنان میگوئی، ما از عہدہ تو بیتوانیم برآمد۔ وکار بے مزگی کشید، و شہباز خاں بخصوص وبدیگران بطریق اجمال فرمودند کہ میخواہیم کہ کفش پر نجاست بر دہن ہائے شما بزنند۔

اور شہباز خاں بہت غضبناک ہو گئے۔ دوزخ کے کتے بیربر کو جس نے دین اسلام پر کھلم کھلا طعن کیا، صاف گالی دیکر کہا کہ اے کافر ملعون اب تو بھی ایسی باتیں کہتا ہے۔ ہم تجھے ختم کر سکتے ہیں۔ اور صحبت بدمزہ ہوگئی۔ شہباز خاں کو خصوصیت سے اور دوسروں کو عموماً بادشاہ نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں کہ نجاست سے بھرے ہوئے جوتے تمہارے مونہوں پر لگائے جائیں۔

غرضکہ یہ ہنگامہ آرائیاں تھیں لیکن شہباز خاں کا تو بادشاہ کچھ نہیں کر سکا مگر اور دوسروں کے ساتھ جو کچھ اُس نے کیا، اُن کا کچھ حال تو شیخ عبدالنبی صدر، مخدوم الملک اور سید محمد میر عادل کے حالات لکھکر ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں۔ یہاں چند مثالیں اور دیتے ہیں۔

ملا یزدی اور میر معز الملک کی غرقابی منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۷۶ تا ۲۸۵ پر تحریر ہے کہ:

محمد معصوم خاں پسر معین الدین خاں فرنخودی کہ حکومت جونپور داشت، بدرگاہ آمده باز رخصت جونپور یافت۔ و ملا محمد یزدی بقاضی القضاۃ آنجا مقرر ساختند۔ و حکومت دہلی بہ محب علی خاں پسر میر خلیفہ تفویض یافت۔

و ملا محمد یزدی در صوبہ جونپور رفتہ فتویٰ بوجوب خروج دیگر بر بادشاه داد۔ میر معز الملک و محمد معصوم خاں کابلی و محمد معصوم خاں فرنخودی و نیابت خاں و عرب بہادر و دیگران تیغ ہا کشیده، ہرجا چنانکہ مذکور شود جنگ ہائے عظیم کردند۔ مہتر سعادت کہ بشیر و خاں خطاب دارد، دغتے کہ نزد معصوم خاں جونپوری رفتہ باز گشت، حقیقت فتویٰ ملا یزدی بعرض رسانید۔ تا میر معز الملک و ملا یزدی را بہ تقریبے از جونپور طلبیدند۔ چوں بفیروز آباد کہ ہژده کروہے آگره است رسیدند، حکمے فرستادند کہ سواران را از ایشاں جدا ساختہ ہر دو را بکشتی نشانده از راه آب جون گذرانیده بجانب گوالیار برند۔ و متعاقب حکمے دیگر میرسد کہ ایں ہا را ضائع سازند۔ و سگو کلاں در کشتی دیگر نشستہ، و ایشاں را و کشتی عمر ایں ہر دو را در گرداب فنا غرق میسازند۔

محمد معصوم خاں، معین الدین خاں فرنخودی کا بیٹا جو جونپور کا حاکم تھا وہ بادشاہ کے پاس آیا پھر اس نے جونپور جانے کی اجازت پائی۔ اور ملا یزدی کو وہاں کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ اور دہلی کی حکومت میر خلیفہ کے بیٹے محب علی کو تفویض ہوئی۔

ملا محمد یزدی نے صوبہ جونپور میں جاکر بادشاہ پر خروج کرنے اور اس سے بغاوت کرنے کا فتویٰ دیا۔ جس کی وجہ سے امیر معز الملک اور محمد معصوم خاں کابلی اور محمد معصوم خاں فرنخودی اور نیابت خاں اور عرب بہادر اور دوسروں نے تلواریں کھینچکر ہر جگہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بہت سخت لڑائیاں کیں۔ مہتر سعادت خاں جس کا خطاب بشیر و خاں تھا، جب معصوم خاں جونپوری کے پاس جاکر واپس آیا تو اس نے بادشاہ سے ملا یزدی کے فتوے کی حقیقت بیان کی۔ بہانے سے بادشاہ نے میر معز الملک اور ملا یزدی کو جونپور سے بلایا۔ جب وہ آگرہ سے اٹھارہ کوس پر فیروز آباد پہنچے تو حکم بھیجا کہ سواروں کو ان سے علیحدہ کر دے اور دونوں کو کشتی میں بٹھا کر دریائے جمنا کے راستے سے گوالیار لے جائیں اور پیچھے دوسرا حکم بھیجا کہ ان کو ضائع کر دیں۔ اور ان کے نگران دوسری کشتی میں بیٹھیں اور ان کی عمر کی کشتی کو گرداب فنا میں غرق کر دیں۔

قاضی یعقوب کا قتل و بعد از چند روز قاضی یعقوب از بنگالہ بہر سد، و او را ہم بہ ما قبت ایشاں بفرستادند۔

اور تھوڑے دنوں بعد قاضی یعقوب جو بنگالہ سے آیا تھا اس کو بھی ان کے پیچھے بھیجا یعنی مروا دیا۔

دیگر علماء کا قتل | ودیگاں بگاں رائے از ملّایان" کہ از و توہم بے اخلاصی داشتند" در پنہاں خانۂ عدم میفرستادند"

اور ایک ایک کر کے ملّاؤں میں سے جن کی طرف سے بے اخلاصی کا وہم رکھتے تھے" انہیں بھی ملک عدم کو بھیجدیا"

علماء کی جلاوطنی | وعلمائے لاہور" را جلائے وطن ساختہ ہرکدام را چوں سلک منثور را از ہم گسستند از انجملہ" قاضی صدرالدین لاہوری" راکہ تحقیق او زیادہ از" مخدوم الملک" بود بتقضائے بھروچ" از گجرات" و" ملّا عبدالشکور گول دار را" بتقضائے جونپور" و" ملّا محمد معصوم" را بہ بہار" نامزد گردانیدہ" و شیخ منور را" بہ مالوہ" جلاوطن کردند" و صدارت آں صوبہ بدو تفویض یافت" بریں قیاس ہرکدام در غربت" مقضی المرام شدند"

اور علمائے لاہور کو جلاوطن کر کے ہر ایک کو مثل سلک منثور کے منتشر کر دیا" اُن میں سے" قاضی صدرالدین لاہوری کو جس کی تحقیق مخدوم الملک سے بھی زیادہ تھی" گجرات سے بھروچ کی قضا پر اور ملّا عبدالشکور گول دار کو جونپور کی قضا پر" اور ملّا محمد معصوم" کو" بہار" پر نامزد کیا" اور شیخ منور کو مالوہ پر جلاوطن کر کے صدارت اُس صوبہ کی اُس کے سپرد کی" اس طرح ہر کوئی غربت ہی میں مر گئے"

حاجی ابراہیم پر مہربانی کی وجہ | و حاجی ابراہیم سرہندی" را صدر گجرات" ساختہ فرستادند۔ و او از ذخیرۂ زر بسیار" بہ رشوت از ائمہ گرفت۔ و از فراوان جمع کرد" و اگر نمی دادند" مدد معاش را باز یافت مے نمود" و ایں معنی بعرض رسید" کہ داعیۂ رفتن بدکن ہم داشت" تا بہ تہمت بغی" از انجا" بہ حکیم الملک" سپردند" و در مجلس شب را طلبیدند" او رسالۂ مشتمل بہ نقل دروغ از بزرگان دین" بخوش آمد خیال کردہ گذرانید۔ و آں جعل و لباس ظاہر شد" حاصل آنکہ عبارتے جعلی" از شیخ ابن عربی قدس سرہ" در کتابے کہنہ" کرم خوردہ" بخط مجہول نوشتہ" کہ صاحب زماں" زنان بسیار خواہد داشت" و ریش تراش خواہد بود۔ و صفتے چند کہ در خلیفۃ الزماں" بود۔ درج کردہ" دباو سے لب بہ عنایت آمدہ" در سلک بازیافتگان پایۂ قرب در آوردند"

اور حاجی ابراہیم سرہندی کو گجرات کا صدر بنا کر بھیجا" اُس نے وہاں کے ائمہ سے رشوت لیکر بہت سا ذخیرہ جمع کر لیا" اور اگر کسی نے نہیں دیا تو اس کی مدد معاش واپس لیلی" یہ بات بادشاہ کو معلوم ہوئی کہ وہ بھی بادشاہ کے خلاف ہو گیا ہے" لہٰذا اُس کو بغاوت کی تہمت پر وہاں سے بلا کر حکیم الملک کے سپرد کر دیا۔ اور رات کی مجلس میں طلب کیا" اُس نے ایک رسالہ میں بزرگان دین کے متعلق جھوٹی باتیں لکھکر خوشامد کے خیال سے پیش کیا" اور اُس کا یہ جعل ظاہر ہو گیا" یعنی یہ کہ پُرانی کتاب کیڑے کھائی ہوئی میں" شیخ ابن عربی قدس سرہ کی طرف سے یہ جعلی عبارت مجہول خط سے لکھی کہ" صاحب زماں" بہت سی عورتیں رکھیگا اور ڈاڑھی منڈوائے گا" اور چند صفات جو خلیفۃ الزماں" میں ہوں گے درج کئے" بادشاہ اُس سے عنایت سے پیش آئے اور اُس کو مصاحبوں میں داخل کر لیا"

ملّا ابوسعید" میاں مان پانی پتی کے بھتیجے کی قید و موت | د موافق نقل" حاجی ابراہیم" در رسالۂ کہنہ۔ از کتب ملّا ابوسعید" برادر زادہ میاں مان پانی پتی" حدیثے موضوع گذرانیدہ بودند" کہ پسر صحابی متریش در نظر آنحضرت صلعم آمد" فرمودند کہ اہل بہشت بایں ہیأت خواہند بودند" چوں بہ شاہ فتح اللہ" و شیخ ابوالفضل" و حکیم ابوالفتح" بحث ہائے دلیرانہ میکرد" و مذلت ہائے نمود" بقلعہ رنتھنبور" فرستادند تا مرد" و جثہ او را بعد از انداختن پایان قلعہ یافتند کہ با پارچہ ہائے طولانی بستہ بود" و شہرت چناں یافت کہ خود از بالائے قلعہ مے انداخت۔ و ایں واقعہ در سنہ نہصد و نود و چہار ۹۹۴ھ ہجری رو سئے نمود"

اور موافق نقل" حاجی ابراہیم نے میاں مان پانی پتی کے بھتیجے ملّا ابوسعید کی کتابوں سے ایک پُرانے رسالہ میں موضوع حدیث گذرانی تھی کہ" آنحضرت صلعم کے سامنے ایک صحابی کا ڈاڑھی منڈا لڑکا آیا" آپ نے فرمایا کہ اہل بہشت اسی صورت کے ہوں گے" جب" شاہ فتح اللہ" اور شیخ ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح نے دلیرانہ بحثیں کیں تو اُس نے ذلت اٹھائی" بادشاہ نے اُسے قلعہ رنتھنبور بھیجدیا۔ وہ وہاں مر گیا" اور لاش اُس کی گرانے کے بعد قلعہ کے نیچے اس حالت میں پائی گئی کہ ایک لمبے کپڑے سے بندھی ہوئی تھی" اور یہ شہرت ہوئی کہ اُس نے خود اپنے آپ کو قلعہ کے اوپر سے گرا دیا" یہ واقعہ ۹۹۴ھ ہجری میں واقع ہوا"

پیران طریقت کی قید و جلاوطنیاں | و ہر کسے راکہ میدانستند" کہ مرید میگیرید"

اور جس کسی کو جانتے کہ مرید کرتا ہے یا مجلس سماع یا حلقہ کرتا ہے اُس کو

یا مجلس سماع - با نوع قلابے دارد" آنرا دکان نامیدہ" یا در قلاع مے کشیدند" یا اخراج بجانب بنگالہ" و بکھر" مے نمودند"

حکیم الملک کی جلاوطنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۵ پر تحریر ہے کہ "در شش بسیار (در ۹۸۶ ہجری) بحکیم الملک از جہت مخالفت او" "با شیخ ابوالفضل" کہ او را" فضلہ میگفت - عاقبت الامر حکم اخراج بجانب "مکہ" فرمودند"

شیخ حسین نبیرہ حضرت معین الدین قدس سرہ کی جلاوطنی اور صفحہ ۳۰۳ پر ہے کہ "و ہم چنیں شیخ حسین" از اولاد حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ" را کہ تسلیم خاطر خواہ نمی کرد" و بعد از اخراج" بمکہ معظمہ" و آمدن او از آنجا" فتحپور" و ہماں دستور سابق "کورنش با استغنا نمودہ - و ادائے بے اخلاصی از فہمیدن" "در بکھر" فرستاد

دکانداری نام دیکر یا تو قلعوں میں قید کر دیتے ہیں یا اُس کا اخراج بنگال اور بکھر (سندھ) کو کر دیتے ہیں"

اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۵ پر ہے کہ "(۹۸۶ ہجری میں)" "حکیم الملک" کے ساتھ "شیخ ابوالفضل" کی مخالفت کی وجہ سے کہ وہ اُس کو فضلہ کہتا تھا" بہت سختی برتی" آخرکار اُس کا مکہ کی طرف اخراج کر دیا"

اور صفحہ ۳۰۳ پر ہے کہ" اور اسی طرح" حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کے پوتے "شیخ حسین" کو جس نے تسلیم خاطر خواہ نہیں کی تھی" اور بعد از اخراج مکہ معظمہ" وہاں سے" فتحپور" واپس آنے کے بعد بھی پہلی طرح انہوں نے کورنش سے استغنا برتا تو بے اخلاصی جاکر انہیں" بکھر" بھیج دیا"

ہم نے یہ اقتباسات جو پیش کئے ہیں" دریا میں قطرہ سے زیادہ نہیں ہیں" ان کی تفصیل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے" ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ" منصب عظمےٰ صدارت کے لئے کسی عربی یا عجمی کی کوئی قید نہ تھی" اگر ایسا ہوتا تو" شیخ گدائی" کے بعد "شیخ عبدالنبی" جو غلام خاندان سے اور قوم کے جاٹ تھے" ہرگز" عہدہ صدارت پر فائز نہ کئے جاتے"

اُن کے بعد جو اور پانچ صدر" اکبر ہی کے دور میں مقرر کئے گئے - اُن میں بھی کسی "عربی یا عجمی" بلکہ شیعہ و سنی کی کوئی قید روا نہیں رکھی گئی" جس طبقہ سے جس کو مناسب خیال کیا اُس کا تقرر کر دیا - پھر یہ بھی ہے کہ "شیخ عبدالنبی" کا زمانہ صدارت "سولہ برس ہے" ان پانچوں صدور میں سے کسی ایک کو شیخ عبدالنبی کے زمانہ کی نصف مدت تک بھی اِس خدمت پر باقی نہیں رہنے دیا گیا"

کیونکہ ہمیں یہ بھی بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ اُس زمانے میں" حسد اور سازشیں کس طرح کے کام کر رہی تھیں - اور ان حسد پیشہ نیز سازشی و لامذہب لوگوں نے جاہل و کودن بادشاہ کو اپنی ترکیبوں اور ہتھکنڈوں سے قابو میں لاکر اُسے کن خرافات میں ڈال دیا تھا" اور ہندوستان کو جو صاحب منتخب التواریخ کی تحریر کے مطابق "بیرام خاں" یعنی "شیخ گدائی" کے زمانے میں کیونکہ مؤرخوں کا بیان ہے کہ "بیرام خاں" بڑی حد تک "شیخ گدائی" کے زیر اثر تھے) حکم عروسی رکھتا تھا" مردم فاضل و قابل" باحسب و نسب" اور عربی النسل حضرات بشمول سادات بنی فاطمہ" کے لئے جہنم زار بنا دیا تھا" اور شدائد و عقوبات سے ان میں سے تھوڑے وہ بچ سکے تھے" جنہوں نے دین فروشی اختیار کر لی تھی" یا معدودے چند مثل "مفتی جمال خاں کنبوی" "شیخ گدائی کنبوی" اور "نواب شہباز خاں کنبوی" کے ایسے تھے جن پر ان کی عالی نسبی" وجاہت خاندانی اور اثر و اقتدار نیز کارگذاریوں کی وجہ سے اکبر اور اُس کے حواریوں کو ہاتھ ڈالنے یا جبر و سختی کرنے کی ہمت نہیں پڑ سکتی تھی" ورنہ باقی سب قید و بند - اور قتل و جلاوطنی نیز ذلت و خواری کے بھینٹ چڑھا دیئے گئے تھے"

اِن واقعات کو پردۂ خفا میں رکھکر" مؤلف امروہوی" کا نہایت جسارت سے کام لے کر یہ لکھدینا کہ

"عربی النسل افراد کے مقابلے میں" منصب صدارت پر جو" عربی النسل" اشخاص کے لئے مخصوص تھا"

"شیخ گدائی" کا فائز ہونا" اُس زمانے کے اعتبار سے" قابل مواخذہ سمجھا گیا"

قطعاً فریب اور دھوکا دینا نہیں ہے تو اور کیا ہے"

مؤلف امروہوی کا منتخب التواریخ کے ایک خاص بیان کا اخفا

مؤلف امروہوی کی اِس غلط بیانی کا بھی بہ احسن وجوہ انکشاف کر کے - اب ہم اُن کے اُس اغماض کی طرف توجہ مبذول

کراتے ہیں جوانہوں نے "صاحب منتخب التواریخ" کی تحریر سے وابستہ برتا ہے" اور قصداً و ضرورتاً اسے معرضِ خفا میں رکھنا ضروری خیال کیا ہے" جس میں صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۳۰،۲۹ پر شیخ گدائی کے حالات لکھتے ہوئے اُن کے لذّت پر چوٹ کی ہے" اور اس طرح لکھا ہے کہ:

"شیخ گدائی کنبوہ" پسر "جمالی کنبوہی" شاعر دہلوی" بتقریب آشنائی "خان خاناں" کہ بعد از شکست ثانی ہند در ایام غربت در "گجرات" با او ہم رسیدہ بود" بر جمیع اکابر ہندوستان و خراسان "تقدیم دادہ" منصب رفیع القدر صدارت" بر و مسلم داشتند"

و "خان خاناں" بلکہ "شاہنشاہ" نیز اکثر اوقات در منزلِ او" بہ مجلس سماع" کہ ازاں سراسر تکلّف مے بارید" و دکان تزویر ساختہ بود" حاضر میشدند"

اکابر ائمہ ازیں معراج "شیخ گدائی" کہ در علوِ نسب او ہم سخن داشتند" و خانہ بخانہ در ماتمِ عظیم افتادند" و سر کبریٰ موت الکبریٰ آشکار شد ؎

در تنگنائے حیرتم از نخوت رقیب　　یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود

دادر (شیخ گدائی) قلم نسخ بر اراضی مدد معاش" و اوقات خانزادہائے قدیم "کشید"

ہر کس راکہ بذالت در بار او میکشد" بیوہ رفال میداد" و الّا فلاں" و با وجود نظر بہ ایں زماں کہ سخن در پنج جریب زمین ـ انعام مدد معاش میرود" بلکہ کمتر" او را عالم بخش تواں گفت" و اعیان و اشرافِ ولایت ہم کہ مے آمدند از تمرّد و تحکم و تعذّر بے موقع او نیز بودند"

و بعضے خود را بہ ایں تسلّی میدادند کہ" ؎

گر فروتر نشست خاقانی　　نے او را عیب و نے ترا ادب است

مے نہ بینی کہ سورۂ اخلاص　　زیر تبّت یدا ابی لہب است

و میر سیّد نعمت رسُول" قطعہ گفتہ" در جوامع و صوامع شہرت داد" و خبث با آنرا در مسجد و دیوان خانہ" شیخ گدائی" نوشتہ تا خواند و محو ساخت" امّا فائدہ نداشت" و ایں بیت از انجملہ است" ؎

نام گدائی مبر" نان گدائی مخور　　زانکہ گدائی بدست گدائی سیاہ

و از و بعضے آثار بے اخلاصی و بے ریائی و بدراہی" نسبت بہ بندگان

"شیخ گدائی کنبوہ" پسر "جمالی کنبوہی" شاعر دہلوی" کو خان خاناں" کی دوستی کی وجہ سے جو شکست ثانی ہند کے بعد خان خاناں" کے ایام غربت میں گجرات میں اُن سے ہو گئی تھی" تمام اکابر ہندوستان و خراسان پر ترجیح دے کر منصب رفیع القدر صدارت پر فائز کر دیا"

اور خان خاناں بلکہ شاہنشاہ بھی اکثر اوقات اُن کے مکان پر مجلس سماع میں کہ اس سے سراسر تکلّف معلوم ہوتا تھا اور دکان مکر و فریب کی بنائی تھی حاضر ہوتے تھے"

بڑے ذی وجاہت لوگوں نے شیخ گدائی کے اس عروج سے جس کی عالی نسبی میں بھی وہ شک کرتے تھے" ہر گھر میں بہت رونا پیٹنا پڑ گیا" اور سر کبریٰ موت الکبریٰ ظاہر ہوا" ؎

در تنگنائے حیرتم از نخوت رقیب　　یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود

شیخ گدائی نے اراضی مدد معاش اور اوقات خانزادوں قدیم کو واپس لے لیا"

جو کوئی اُن کی دربارداری کی ذلّت گوارا کرتا تھا اُس کو مدد معاش دیتے تھے" ورنہ نہیں" لیکن جب ہم اس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں کہ چند جریب زمین انعام مدد معاش دینے میں بھی چون و چرا کی جاتی ہے بلکہ کمتر دی جاتی ہے تو اُن کو عالم بخش کہا جا سکتا ہے" اعیان و اشراف جو ولایت سے آتے ہیں وہ اپنی حاجتوں کیلئے اُن کے غرور و تکبر و تحکم و مداخلت بیجا اٹھاتے ہیں"

اور بعضے اپنے آپ کو یہ تسلّی دیتے ہیں کہ" ؎

گر فروتر نشست خاقانی　　نے او را عیب و نے ترا ادب است

مے نہ بینی کہ سورۂ اخلاص　　زیر تبّت یدا ابی لہب است

اور میر سیّد نعمت رسُول نے قطعہ لکھ کر سب لوگوں اور صومعوں میں شہرت دی" اور اُس کے خبث کو شیخ گدائی کی مسجد اور دیوان خانہ میں لکھ دیا" انہوں نے پڑھا اور مٹا دیا" اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوا" اُس قطعہ کی ایک بیت یہ ہے" ؎

نام گدائی مبر ـ نان گدائی مخور　　زانکہ گدائی بدست گدائی سیاہ

اور اُس سے بعضے آثار بے اخلاصی و بے ریائی اور بدراہی کے بادشاہ کی

شاہی" ظاہر شد" کہ بجائے خود مذکور شود"

سندت ظاہر ہوئے۔ جن کا اپنی جگہ پر ذکر ہو چکا ہے"

پھر انہیں صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۱۱۹ پر ۹۷۶ھ ہجری کے واقعات میں اس طرح لکھا ہے کہ"

دریں سال " شیخ گدائی کنبوہی دہلوی" کہ حکم شمشیر معزول داشت۔ و از طنابل مقابل ایام وریں پندار و غرور" از جملہ اقسام بود" در گذشت" مردہ خوک کلاں" تاریخ یافتند۔

اس سال میں" شیخ گدائی کنبوہی دہلوی" جو حکم کو توال معزول کا رکھتا اور اپنی نخوت و غرور کی وجہ سے جملہ بتوں سے تھا" از طنابل مقام ایام مر گیا۔ اور "بڑا سور مر گیا" میں نے تاریخ نکالی"

صاحب منتخب نے" شیخ گدائی" سے متعلق" جو گل افشانیاں" جن الفاظ میں کی ہیں۔ انہیں ہم نے من وعن پیش کر دیا ہے"
کیا یہ حیرت و سوچ میں ڈال دینے والی بات نہیں ہے کہ" مؤلف امروہوی" جنہوں نے" شیخ گدائی" کے نسب کو کمتر" اور ہندی الاصل ثابت کرنے کا تہیہ کر لیا ہے" بلکہ اس بارے میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگا دیا ہے۔ اور اپنی اس کوشش میں" غلط قیاسات" و تعبیروں سے جھوٹ کو سچ باور کرانے" واقعات کو اخفا کر لینے" اور بعض میں تحریفیں کرنے اور غلط تراجم تک پیش کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ہے" تو انہوں نے اس زہریلے ہتھیار کو جو" صاحب منتخب نے ان کے ہاتھوں میں دیدیا تھا" اپنی اس ساری بحث میں کہیں بھی استعمال نہ کرنا اور اپنے ناظرین کو اس کی زیارت سے محروم رکھنا کیوں مناسب و ضروری خیال کیا"

صاحب منتخب التواریخ کی قدر و منزلت مؤلف امروہوی کی نظر میں اور ان کی آڑ میں شیخ کو سید بنا دینے کی جسارت

صاحب منتخب التواریخ" ملا عبد القادر بدایونی" کو مؤلف امروہوی نے" شیخ ابّن امروہوی" کے نسب پر بحث کرتے ہوئے جس طرح سراہا ہے۔ اور ان سے اپنا اعتقاد ظاہر کر کے جن الفاظ میں ان کی مدح و ثنا کی ہے" وہ مؤلف موصوف کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۳۲ تا ۳۶ پر اس طرح تحریر ہے کہ۔

سب سے پہلے شاید یہ مناسب ہوگا کہ ان عبارتوں کو ذیل میں نقل کر دیا جائے جو" مختلف عہد کی کتب تواریخ و تذکرہ مشائخ" میں" حضرت ممدوح (یعنی شیخ ابّن) کے حالات میں دستیاب ہوتی ہیں"

کتاب	عبارت
(۱) اخبار الاخیار" مؤلفہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی تالیف ۹۹۶ھ	و از جملہ مریدان و خلفائے شیخ علاؤ الدین" شیخ ابّن" امروہہ بود" مردے عزیز و حسین و صاحب حال و مجذوب شکل بود"
(۲) طبقات اکبری مطبوعہ مؤلفہ نظام الدین احمد بخشی عہد اکبری تالیف ۱۰۰۲ھ ہجری"	بزمرۂ مشائخ عہد اکبری صرف نام لکھا ہے یعنی شیخ ابّن امروہہ"
(۳) منتخب التواریخ مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی تالیف ۱۰۰۴ھ	شیخ ابّن امروہہ" بعض قلمی نسخوں میں" سید ابّن" بھی لکھا ہے۔ سالک و مجذوب بود۔۔۔
(۴) گلزار ابرار قلمی۔ مؤلفہ محمد غوث بن حسن بن موسیٰ شطاری" تالیف شروع ۹۹۸ھ ختم در عہد جہانگیری"	شیخ ابّن" خلیفہ علاؤ الدین صحیح دریائے" دہلی است"
(۵) اسراریہ" مؤلفہ سید کمال بن سید لال سنبھلی تالیف ۱۰۶۸ھ	گویند" شیخ عبد اللہ معروف شیخ ابّن" در اوایل از امروہہ بعزیمت سفر حج از برآمد"
(۶) مآثر الکرام مؤلفہ سید علامہ غلام علی آزاد بلگرامی تالیف ۱۱۶۶ھ	شیخ عبد اللطیف مولد و منشاء آدا امروہہ از مضافات دہلی نسبش به شیخ عبد اللہ المعروف بہ شیخ ابّن قدس سرہ مے رسد"
(۷) جام جہاں نما قلمی مؤلفہ قدرت اللہ صدیقی ساکن موضع موئی تالیف ۱۱۹۹ھ	شیخ عبد اللہ معروف بہ شیخ ابّن" گویند از امروہہ بعزیمت کعبۃ اللہ برآمدہ"

یہ ہی وہ کتب تاریخ و تذکرہ ہیں جن میں "حضرت شاہ ابنّ قدس سرہٗ کے" حالات مندرج ہیں "ان میں صرف دو کتابیں تاریخ کی ہیں۔ یعنی "طبقات اکبری" اور "منتخب التواریخ" باقی کتب مشائخ اور علماء کے تذکروں پر مشتمل ہیں "لیکن ان میں سے کسی کتاب میں "حضرت ممدوح کے نسب کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا" بعض میں آپ کا صرف عرف لکھا ہے۔ اور بعض میں نام نامی بھی درج کیا گیا ہے "جس کے ساتھ" بالعموم "لفظ شیخ" تحریر ہے "لیکن آپ جیسے" شیخ وقت "اور ولی کامل کے اسم گرامی کے ساتھ "محض لفظ شیخ کا استعمال" تاوقتیکہ نسب کا اظہار صراحتاً نہ کیا جائے "قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا"

کتب متذکرۂ بالا میں چار کتابیں "حضرت کے معاصر مصنفین" کی ہیں"

تاریخ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "معاصرین کا بیان متاخرین کے مقابلہ میں "ہر طرح لایق استناد و قابل ترجیح ہوتا ہے"

(الف) حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی " نے " اخبار الاخیار" میں آپ کا تذکرہ ضمناً کیا ہے۔ اور آپ کا صرف عرف لکھا ہے"

(ب) اسی طرح صاحب طبقات اکبری نے بزمرۂ مشائخ صرف "شیخ ابنّ امروہہ" تحریر کیا ہے"

(ج) گلزار ابرار کے مؤلف نے بھی اسی کی تقلید کی ہے "ان مصنفین کے بیانات سے آپ کے نسبی حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی"

(د) البتہ آپ کے معاصر مصنفین میں سے "ملا عبدالقادر بدایونی" کی تصنیف "منتخب التواریخ" ضرور ایک ایسی کتاب ہے۔ جس میں آپ کے نسب کے متعلق صاف اور صریح اشارہ ملتا ہے"

"جہاں تک اس کتاب اور اس کے مصنف کا تعلق ہے" یہ بتانا ضروری نہیں کہ عہد اکبری کے تاریخی حالات کے لحاظ سے یہ کتاب کس پایہ کی ہے" اور اس کے مصنف کو واقعات کی تنقید کرنے اور صاف گوئی و صداقت بیانی کے اعتبار سے تاریخی دنیا میں کیا درجہ حاصل ہے" علامہ بدایونی" کی شخصیت سے ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے کہ" وہ کس درجہ محتاط" ناقد" اور صاف گو مورخ ہے"

امروہہ سے ان کو ایک خاص تعلق یہ بھی ہے کہ" ایام شباب میں یہاں کچھ عرصہ تک " طالب علم کی حیثیت سے مقیم رہے" اس کے بعد بھی بہت ممکن ہے کہ وہ یہاں آئے ہوں "لیکن ۹۸۱ ہجری میں پنجاب کے سفر سے اپنے وطن بدایوں کو واپس جاتے ہوئے ان کا امروہہ سے ہوتا ہے"

ان کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ" ملا صاحب" مشائخ و اولیا کے نہایت درجہ عقیدتمند ہیں۔ حضرت شیخ ابنّ رح کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ سے ملاقات کرتے ہیں۔ آپ کے حالات اپنی کتاب میں لکھتے ہیں آپ کے خوارق و عادات کے سلسلہ میں ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں۔ جو خود ان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے" اپنے بیان میں وہ آپ کو بصراحت "سید ابنّ" اور "سید مشار الیہ" تحریر کرتے ہیں۔ کیا یہ الفاظ "حضرت شاہ ابنّ کی سیادت" اور " فاطمیت" کی ناقابل تردید شہادت نہیں ہیں"

اس شہادت کی صحت اور قطعیت کا مرتبہ اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علامہ موصوف "حضرت ممدوح کے حالات کے سلسلہ میں ایسے واقعات بھی تحریر کرتے ہیں" جو بغیر خاص تحقیق و جستجو کے معلوم نہیں ہو سکتے" مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ "سالک و مجذوب بود" ان لطیف ترین روحانی کیفیات کا اندازہ اجنبی شخص پہلی ملاقات میں نہیں کر سکتا" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "باوجود ایں حالت دقیقہ از دقایق سنت مطہرہ از وفوت نشدے"

یہ وہ حالات و واقعات ہیں کہ جب تک کسی کے حالات کا کافی استقصا نہ کیا گیا ہو۔ اور اس کی زندگی کے واقعات پر ہر پہلو سے نظر نہ ڈالی گئی ہو" ایک محتاط تذکرہ نویس اور مورخ" ہرگز نہیں لکھ سکتا" پھر ان حالات کا لکھنے والا" عبدالقادر بدایونی" جیسا ناقد و محقق" اور صاف گو شخص ہو" ایسے الفاظ بغیر کافی تحقیق اور پوری جستجو کے حوالۂ قلم نہیں کر سکتا" چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ بے خوارق از و بسیار نقل می کنند" مگر دوسروں کی روایت نہیں بیان کرتے۔ خود اپنا واقعہ۔۔۔ میں پیش کرتے ہیں"

ان حالات کے اعتبار سے یہ امر درجۂ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ "علامہ موصوف" کو "حضرت شاہ ابن" کے حالات سے کافی واقفیت حاصل تھی" اور غالب قیاس یہ ہے کہ "آپ کے نسب کے متعلق خود آپ ہی سے استفسار کرنے کے بعد" آپ کو سید تحریر کیا ہے"

یہاں یہ سوال البتہ ہو سکتا ہے کہ "علامہ بدایونی" کو آپ سے آپ کے نسب کے بارے میں استفسار کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی" اس کے دو جواب ہیں"

(الف) اوّلاً یہ کہ جب ایک مؤرخ و تذکرہ نویس" ایک ایسی بزرگ ہستی سے شرف ملاقات حاصل کرتا ہے جس کی شہرت اور عظمت کا آوازہ "ہندوستان کے دور دراز مقامات تک پہنچ چکا ہو۔ اور جس کے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو" اور جس کے فضل و کمال کا اثر خود اس مؤرخ پر بھی پڑ چکا ہو۔ اور اسی بناء پر وہ اس کے حالات قلمبند کرنے کا خواہشمند ہو" تو استفسار حال کے سلسلہ میں "پہلی بات دریافت طلب" اور پہلا خیال جو قدرتاً اس مورخ اور تذکرہ نویس کے دل میں پیدا ہونا چاہئے" وہ یہی ہوگا کہ یہ وجود با جود "کس خاندان کا چشم و چراغ ہے" اسلئے آپ کے نسب کے متعلق "علامہ بدایونی" نے آپ ہی سے استفسار کیا۔ اور صحیح حال معلوم ہو جانے پر "سید" اور "سید مشار الیہ" تحریر کیا"

(ب) دوسرے یہ کہ "حضرت شاہ ابن" کے زمانے میں نیز اس سے پیشتر اور اس کے ایک عرصہ بعد تک اُن حضرات کے ناموں کے ساتھ "جو مسند ارشاد و ہدایت" اور سجادہ مشیخت و طریقت" پر متمکن ہوتے" خواہ وہ نسباً عربی النسل" تھے "یا عجمی الاصل" ہاشمی تھے، یا غیر ہاشمی" فاطمی" تھے یا غیر فاطمی" اکثر شیخ کا لقب مستعمل تھا" چونکہ شاہ ابن" اپنے زمانہ میں "شیخ ابن" کے لقب سے "دور و نزدیک مشہور تھے" اور علامہ موصوف نے بھی آپ کا نام و لقب یہی سنا تھا۔ اور چونکہ ایک ولی کامل کے نام کے ساتھ "شیخ" کے لفظ کا استعمال نہ تو اُن کی مشیخت نسبی کا قطعی ثبوت ہے" اور نہ عدم سیادت نسبی کو ظاہر کرتا ہے" اس لئے آپ کے حالات کے سلسلہ میں "علامہ موصوف" کو استفسار کی ضرورت پیش آئی" جب اُن کو آپ کی سیادت نسبی کا علم ہوا تو آپ کا مشہور و متعارف لقب ترک کر کے آپ کے نام کے ساتھ الفاظ "سید" و "سید مشار الیہ" تحریر کئے تاکہ لفظ شیخ سے جس اشتباہ کا آپ کے نسب کے متعلق پیدا ہونے کا امکان تھا وہ رفع ہو جائے۔ اور شیخ سے "نسبی" و "مشیخت ذاتی" میں جو التباس واقع ہو سکتا ہے وہ باقی نہ رہے"

پھر اسی سلسلہ میں صفحہ ۳۶ و ۳۷ پر تحریر ہے کہ "علامہ بدایونی کی اس تحریر پر دو شبہات ظاہر کئے جا سکتے ہیں" اوّلاً یہ کہ امروہہ چونکہ بیرونِ جات میں "مسکن سادات" مشہور تھا۔ اس لئے علامہ بدایونی نے "حضرت شاہ ابن" کے حالات اور آپ کی شہرت و عظمت پر نظر کرتے ہوئے شبہتاً آپ کو سید تحریر کر دیا۔ اور یہ خیال کر آپ جیسی باعظمت ہستی کا نسبی تعلق "امروہہ کے" اسی مشہور خاندان سادات" ہوگا جو یہاں پہلے سے متوطن تھا لیکن یہ شبہ وہم بے بنیاد اور خیال باطل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا"

"جو شخص علامہ بدایونی کے حالات سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے۔ اُس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ "بدایونی" واقعات و حقائق کو ترک کر کے" اوہام و قیاسات سے کبھی کام نہیں لیتا"

اگر ایسا ہو تو آج اُس کی تاریخ کو اعتماد کا وہ درجہ ہرگز حاصل نہ ہوتا" جو اُسے بجا طور پر حاصل ہے"

اور صفحہ ۳۸ و ۳۹ پر تحریر ہے کہ "دوسرا شبہ" جو اس سلسلہ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "منتخب التواریخ بدایونی" کے مطبوعہ نسخوں میں "عنوان پر شیخ ابن امروہہ" تحریر ہے" لیکن وسط عبارت میں جو "سید مشار الیہ" لکھا ہے شاید وہ کاتب کی غلطی سے ہے" "ابتداءً شیخ مشار الیہ" تھا" اس کے متعلق سب سے اول دیکھنا یہ ہے کہ "تاریخ بدایوں کے" جس قدر نسخے قلمی یا مطبوعہ "ہندوستان میں یا بیرونِ ہند" پائے جاتے ہیں" یا اُن کا کیا حال ہے" آیا کتابت کی غلطی یا تصحیف تمام نسخوں میں پائی جاتی ہے" یا بعض میں" اور آیا یہ تصحیف عنوان میں ہوئی ہے یا وسط عبارت میں" اس بارے میں جو تلاش و جستجو کی گئی اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ "تاریخ مذکور کے جتنے نسخے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں" یا مختلف کتب خانوں میں جو قلمی نسخے موجود ہیں اور جو مختلف زمانوں" مختلف مقامات اور مختلف کاتبوں کے ہاتھ کے تحریر شدہ ہیں" ان سب میں وسط عبارت میں "سید مشار الیہ" ہی تحریر ہے" کسی ایک نسخہ میں بھی "شیخ مشار الیہ" درج نہیں ہے" جس سے یہ قیاس ہو سکے" کہ سید کا لفظ کاتب کی

غلطی یا تصحیف ہے" برخلاف اس کے متعدد قلمی نسخے ایسے موجود ہیں جن میں عنوان پر بھی "سید ابنؒ امروہہ" تحریر ہے۔ اس بنا پر قیاس قایم کرنا غلط نہ ہوگا کہ "عنوان" اصل نسخہ میں "سید ابنؒ" تھا نہ کہ "شیخ ابنؒ" اور تصحیف یا غلطی جو ہوئی ہے وہ عنوان میں ہوئی ہے" ذکر وسط عبارت میں" کیونکہ وسط عبارت میں "لفظ سید" کا ہونا باتفاق جمیع نسخے ثابت و محقق ہے "اختلاف جو کچھ ہے وہ عنوان میں ہے" اور عنوان میں بھی اکثریت "لفظ سید" ہی کو حاصل ہے" اس لئے ہر شخص جو ذرا بھی "طرز تحریر و طریق انشاء" سے واقف ہے یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ علامہ بدایونی" نے جو عنوان حقیقتاً اپنے قلم سے قایم کیا تھا وہ "سید ابنؒ" تھا نہ کہ "شیخ ابنؒ" ورنہ وسط عبارت میں "سید مشار الیہ کا تحریر کرنا" جو بغیر کسی ادنیٰ اختلاف کے علی وجہ التواتر ثابت ہے۔ قطعاً بے معنی اور لغو ہو جاتا ہے" اور یہ امر "ملا عبد القادر جیسے فاضل انشا پرداز سے بعید ہے" کیونکہ کسی لفظ کے بعد "مشار الیہ" "معزی الیہ" اور "موصی الیہ" وغیرہ الفاظ اس وقت تک نہیں استعمال کئے جا سکتے" جب تک وہی لفظ بجنسہٖ پیشتر مذکور نہ ہو چکا ہو" پس عنوان پر "لفظ شیخ" کا طبع ہونا غلطی و تصحیف ہے" اصل میں لفظ سید تھا۔ جو متعدد قلمی نسخوں میں موجود ہے اور یہی صحیح ہے"

"شیخ ابنؒ" کے نسب کی اس بحث میں "مؤلف امروہوی نے اپنی جو آراء پیش کی ہیں۔ اور جن استدلال و قیاسات سے کام لیا ہے" ان پر اگر کسی کو اعتراض ہو۔ اور وہ اسی قبیل کے کچھ اور اعتراضات کر دے جن کا اظہار خود مؤلف موصوف نے اپنی بحث میں کر کے ان کے جواب دینے کی کوشش کی ہے" اور پھر اس قیاس کو بھی کہ "صاحب منتخب نے" "شیخ ابنؒ سے" خود ان کے نسب کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس قوی دلیل سے رد کر دے کہ "جب معمولی آدمیوں تک میں ملاقاتوں کے مواقع پر ایک دوسرے کے نسب کے دریافت کرنے کو معیوب خیال کیا جاتا ہے" تو "شیخ ابنؒ" جیسے بزرگ طریقت سے" جن کے نزدیک حسب و نسب کی اس لئے کوئی وقعت باقی نہ رہ گئی تھی کہ انہوں نے "دنیا داروں" میں تفاخر پیدا کرنے والی باتوں سے کوئی علاقہ باقی نہیں رکھا تھا" اور ماسوائے اللہ کے اس قسم کے تمام جھنجھٹوں سے وہ بالکل بے نیاز ہو چکے تھے" اور کیونکہ شیخ صاحب قدس سرہ سے" ان کے نسب کے بارے میں استفسار کرنا بے ادبی تھی" اس لئے صاحب منتخب التواریخ" جو بقول مؤلف صاحب "مشائخ و اولیاء سے نہایت درجہ عقیدت رکھتے تھے" ہرگز ایسی بے ادبی کا کام کرنا گوارا نہیں کر سکتے تھے"

اس دلیل کو قوت اس بات سے بھی پہنچتی ہے کہ "شیخ ابنؒ" جیسے اور بزرگ بھی اس زمانہ میں خاصی تعداد میں موجود تھے" صاحب منتخب نے" اکثر بزرگوں سے ملاقاتیں کی ہیں" اور ان کے حالات اپنی کتاب میں لکھے ہیں" لیکن ان کے نسب کو تحقیق کرنے اور لکھنے کا کوئی خاص خیال نہیں کیا ہے"

مگر ہمیں یہاں "شیخ ابنؒ قدس سرہ" کے نسب کی بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے" اور اس بارے میں" کچھ لکھنا ہمارے مقصد سے بالکل خارج ہے"

ہم کو اس بحث سے صرف یہ دکھانا تھا کہ "مؤلف امروہوی" کو صاحب منتخب" سے کیسی عقیدت ہے" اور وہ ان کو "محتاط" ناقد" محقق" اور صاف گو مورخ" نیز مشائخ و اولیاء سے نہایت درجہ عقیدت رکھنے والا" یقین کرتے ہیں" لیکن انہوں نے "صاحب منتخب التواریخ" کے اس بیان کو جو "شیخ گدائی" کے نسب کے بارے میں ہے اور جسے ہم اوپر درج کر آئے ہیں" پھر بھی معرض خفا میں رکھنا پسند کیا ہے" اور بتانا یہ ہے کہ جب وہ "صاحب منتخب کو" ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے "شیخ ابنؒ قدس سرہ" کی بحث میں یاد کرایا ہے۔ تو ایسے عدیم النظیر مورخ کی سند کو پیش کرنے کی اور "شیخ ابنؒ" کی طرح تاویلات کرنے اور "شیخ گدائی" کی کم نسبی کو اچھالنے کی انہیں ہمت کیوں نہیں ہو سکی"

"ملا عبد القادر بدایونی کی" "کام چوری" "زمانہ سازی" "جاہ پرستی" اور "متعصب حاسد طبیعت کی" چند مثالیں خود ملا صاحب ہی کے قلم سے

قبل اس کے کہ ہم مؤلف موصوف کے اس اخفا کی وجوہ ظاہر کریں" "صاحب منتخب التواریخ" ملا عبد القادر بدایونی" کے اصلی حالات کو جو ان ہی کے نوشتہ تاریخ میں موجود ہیں پیش کرنا اس لئے مناسب و ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ ان پر بھروسہ حاصل ہو جانے کے بعد" (۱) امر پر کوئی شاہد

شبہ باقی نہ رہنے پائے کہ اُن کی اُفتادِ طبع اور کردار کا کیا رنگ تھا۔ اور انہوں نے اپنی افتادِ طبیعت کی وجہ سے نہ صرف "شیخ گدائی" کے متعلق بلکہ اور دوسرے نیز اپنے سرپرستوں اور محسنوں تک کی اسی قسم کی ہرزہ سرائیوں سے کیسی تواضع کی ہے اور اُن کے متعلق کس کس طرح اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔"

ملازمت شاہی

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۱۷۲ پر تحریر ہے کہ

در اواخر ذی الحجہ سنہ ۹۸۱ ہجری (ہمان سال فقیر بحسب تقدیر کہ نہ بخیسہ پائے تدبیر لیست۔ از صحبت "حسین خاں" گسستہ" واز بداؤں بہ آگرہ" آمدہ" بوسیلہ جمال خاں قورچی "و مرحوم جالینوس عین الملک شاہنشاہے را ملازمت نمود"

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۱۷۲ پر تحریر ہے کہ "آخر ماہ ذی الحجہ سنہ ۹۸۱ ہجری میں فقیر اپنی تقدیر سے جو زنجیر پائے تدبیر ہے "حسین خاں" کو چھوڑ کر اور بداؤں سے آگرہ آکر "جمال خاں قورچی اور مرحوم جالینوس عین الملک کے وسیلہ سے شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔"

اپنی نادانی اور ابوالفضل کی ترقی پر افسوس

صفحہ ۱۰۶-۱۰۷ پر ہے کہ "درین ایام سنہ ۹۸۲ نہصد و ہشتاد و سہ" فقیر را امام ساختہ حکم کردند کہ خدمت داغ بکند۔ و ہیچ غیر معتد بہ دادہ " اول وہلہ فرمودند کہ "موافق منصب بیستی" اسپان داغ رساند۔

صفحہ ۱۰۶-۱۰۷ پر ہے کہ "انہیں دنوں سنہ ۹۸۲ ہجری میں فقیر کو امام بنا کر حکم دیا کہ خدمت داغ کرے اور بہت سا ہیچ دیکر پہلے وہلہ میں فرمایا کہ موافق منصب بیستی گھوڑوں کو داغ دلوا دے۔"

و شیخ ابوالفضل "کہ ہمدراں نزدیکی رسیدہ۔ از نہایت زیرکی و زمانہ سازی" فی الحال اقبال نمودہ شروع در داغ و محلی کرد" و در خدمت بجد شدہ تا آخر "بمنصب دو ہزاری" و درجہ وزارت رسید۔"

اور شیخ ابوالفضل جو بادشاہ کا اس قدر مقرب ہو گیا۔ اُس نے نہایت عقلمندی اور زمانہ سازی سے اُسی وقت قبول کر کے داغ و محلی پہلے کیا اور خدمت میں آگر آخر کار دو ہزاری منصب اور وزارت پر پہنچا۔"

و فقیر از بے تجربگی و سادہ لوحی" بنوکری نتوانستم قرار داد" و گمان این بود "قناعت کہ نفس ابضاعت است بہ چیزے مدد معاش کہ خواہند داد نمودہ" در گوشہ سلامت و عافیت بمشغولی علم و آزادی" شیوۂ نامرادی خواہم داشت۔ و آں خود میسر نہ شد۔"

اور فقیر نے ناتجربہ کاری اور بے سمجھی سے جانا کہ نہیں یہ نوکری نہیں کر سکتا خیال میرا یہ تھا کہ قناعت نفس کا مال ہے" مدد معاش سے جس چیز کی خواہش ہو دیتے ہیں۔ گوشۂ سلامت و عافیت میں علم و آزادی کی مشغولی سے شیوۂ نامرادی سے جو سوال رکھتا تھا وہ مجھے میسر نہ آیا۔"

ہزار بیگہ زمین ملنے پر رنج و غم

و در ماہ شوال سنہ ۹۸۳ ہجری نہصد و ہشتاد و سہ۔ بعد از طلب رخصت۔ و عدم اقبال بر آں بخشیدن اسپان ای مقدار ہزار بیگہ زمین" کہ در آں زمان کمی نمود۔ موافق علاوہ نیستی۔ بہ جہتہ ناسازگاری" صدر "و مدد و سے ایام مقرر ساختند" و در فرمان" بعینہ مدد معاش" درمیان آوردند" و ہر چند بعرض رسانیدم۔ کہ باین قدر زمین پیوستہ در خدمت نمی توانم بود۔ فرمودند کہ نیز لشکر با مدد و انعام خواہم کرد" و شیخ عبدالنبی (صدر) گفت کہ از امثال و اقران شما ہیچ کس را ایں قدر مدد معاش ندادیم" و آں اداہا۔ کہ بیست و دو سال باشد" در پردہ مشیت ماندہ۔ و ورق گشتہ۔ بجز از یک دو بار صورت نیافت۔"

اور ماہ شوال سنہ ۹۸۳ ہجری میں بعد از طلب رخصت اور اُن گھوڑوں کی خدمت سے انکار کرنے پر "ہزار بیگہ زمین جو اُس زمانہ میں ناکافی تھی اور موافق خوراک کے نہیں تھی "صدر" سے بگاڑ کی وجہ سے مدد دے۔ ایام مقرر کی اور فرمان میں "بعینہ مدد معاش تحریر کیا گیا۔" میں نے ہر چند عرض کر دیا کہ اس قدر زمین سے میں خدمت نہیں کر سکتا" فرمایا کہ لشکر سے بھی مدد و انعام دیا جائے گا۔" اور "شیخ عبدالنبی صدر" نے لکھا کہ تمہارے درجہ کے لوگوں میں سے کسی کو اس قدر زمین نہیں دی ہے" اور وہ ادائیں بائیس سال ہو گئے مشیت کے پردہ میں رہ کر اور ورق ہو کر سوائے ایک دو بار کے نہیں ملیں۔"

کم خدمتی یا کام چوری سے بادشاہ کی ناراضی

صفحہ ۲۵۲ پر ہے کہ "ازاں منزل در اخیر ماہ رمضان ایں سال (سنہ ۹۸۵ ہجری)، در نواح قصبہ بیواری" رخصت پنج ماہہ گرفتہ" بہ بسا ور" آمدم۔ بعضے ضروریات بلکہ فضولہا۔ تخلف در وعدہ نمودہ" یکسال ماندم۔"

صفحہ ۲۵۲ پر ہے کہ "اُس منزل میں (اخیر ماہ رمضان سنہ ۹۸۵ ہجری) نواح قصبہ بیواری میں، پانچ مہینوں کی رخصت لیکر "بسا ور" آیا۔" بعض ضرورتوں بلکہ فضولیوں کی وجہ سے وعدہ خلافی کر کے ایک سال رہ گیا۔"

کم خدمتی رہا۔ و آں مخالفت با عاقبت رفتہ رفتہ باعث افتادن از نظر و بے توجہی تمام شد۔ و تا حال کہ مدت ہژدہ ہزار عالم رفتہ ہماں واحد بخدمت نا مجرا ابتلا است۔ کہ نہ روئے قرار و نہ راہ فرار دارد۔

شوقِ غزا اور محمد بادشاہ کے قدم چومنے کو ہاتھ بڑھانا

صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ پر ہے کہ در اوائل محرم ۹۸۴ھ چوں فقیر تا سہ کروہے اجمیر بجائیکہ سراپردہ اعلیٰ افراختہ بودند بجہت متابعت قاضی خان و آصف خان رفتم شوقِ غزا در میواڑہ در دل ہیجان نمود۔ توسل بہ نقیب خان کہ عقد اخوت بہ او درمیان بود جستم۔ نقیب خان در زمانے کہ شاہنشاہ بر صفہ بلندی پائے ہا آویختہ متوجہ مزار فائض الانوار بودند۔ التماس رخصت فقیر نمود۔ اوّل فرمودند کہ بعہدۂ امامت متعین است چوں میرود۔ نقیب خان عرضداشت کرد کہ میل غزا دارد۔ طلبیدہ مرا پرسیدند کہ بجہادی رغبت کردم بلے فرمودند بچہ سبب۔ بعرض رسانیدم کہ داعیہ دارم کہ ایں محاسن سیاہ را در دولت خواہی سرخ میکنم۔ فرمودند انشاء اللہ تعالیٰ خبر فتح خواہی آورد۔ و در مراقبہ رفتہ بتوجہ تمام فاتحہ خواندند۔ و چوں زمانے بین صفا دست بجانبے پابوس بالاکردم پائے مبارک را برکشیدند۔

بادشاہ سے اشرفیاں انعام پانا

و ہمیں کہ از دیوان خانہ برآمدم بازخواندہ و ہر دو دست پُر کردہ بنجاہ و شش اشرفی بخشیدہ وداع فرمودند۔

شیخ عبدالنبی صدر سے التماسِ دعا

و چوں بودہ "شیخ عبدالنبی" کہ دراں ایام بہ سر التفات آمدہ رفع کلفت سابق نمودہ بودہ رسیدم فاتحہ التماس نمودم۔

شیخ گدائی کے قریبی عزیز نواب شہباز کی سفارش بادشاہ سے ملا صاحب کے لئے

صفحہ ۲۶۳ و ۲۶۴ پر ہے کہ درین سال ۹۸۶ھ ہجری قاضی علی بغدادی کہ برائے تحقیق و ضبط اراضی مدد معاش و تداخل براسم شیخ عبدالنبی منسوب گردانیدہ بودند۔ ہزاریان و پانصدیان ائمہ را تا صدی از نظر میگذرانیدند۔ و اکثر زمین آنہا را سے می بردند۔ و از نگاہ غدودی گذشتہ اند کہ میگذاشتند۔ و باین تقریب اعتبار خاندان اکابر و اعیان و معارف و مشاہیر از شہرہا افتاد۔ و فرزندان ہیچ طائفہ چوں آدمی زادگان ہند ناقابل نماند در مساجد و مدارس۔ و اکثرے جلائے وطن شدہ و اولاد ناقابل ایشاں کہ ماندہ بود بہ پاجی گری نام برآوردند۔

و در ماہ مبارک رمضان ایں سال قاضی علی مذکور فقیر را کہ از خدمت باز ماندہ خود را بزعم خود از جملہ منشیان ساختہ بودم در بلدۂ

اور یہ کم خدمتی اور اُس مخالفت کی وجہ سے آخر کار رفتہ رفتہ میں نظر سے گر گیا اور بادشاہ کی بے توجہی کا باعث ہوا اور اس وقت تک کہ مدت اٹھارہ ہزار عالم گذر گئی اسی ایک خدمت نا مجرا میں مبتلا ہے نہ ٹھیرنے کا منہ ہے نہ بھاگنے کی رائے رکھتا ہوں۔

صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ پر ہے کہ شروع محرم ۹۸۴ھ ہجری میں جب اجمیر سے تین کوس پر اس جگہ جہاں میروں کے ڈیرے تھے "قاضی خان" اور "آصف خان" کے ساتھ گیا تو میرے دل میں (میواڑ میں) جہاد کرنے کا بہت شوق پیدا ہوا۔ میں نے نقیب خان کا وسیلہ ڈھونڈا جن سے میری دوستی تھی۔ "نقیب خان" نے اس وقت جبکہ بادشاہ اونچے چبوترے پر پاؤں لٹکائے ہوئے مزار فائض الانوار کی طرف متوجہ تھے "فقیر کی رخصت کے لئے عرض کیا" پہلے فرمایا کہ امامت کے عہدہ پر متعین ہے "کیوں جاتا ہے" نقیب خان نے عرض کیا کہ جہاد کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ مجھے بلا کر پوچھا کہ سچ ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کس وجہ سے۔ عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ اس سیاہ داڑھی کو دولت خواہی میں سرخ کروں۔ فرمایا اللہ نے چاہا تو فتح کی خبر لائے گا۔ اور مراقبہ میں جا کر بتوجہ تمام فاتحہ پڑھی۔ اور جب اس درمیان میں میں نے اپنا ہاتھ پاؤں چومنے کو اٹھایا تو اپنے پاؤں کو اوپر کھینچ لیا۔

اور اسی وقت کہ دیوان خانہ سے باہر آنے لگا تو پھر بلایا اور دونوں ہاتھ بھر کر چھپن اشرفیاں مجھے عنایت کیں۔

"شیخ عبدالنبی" جو ان دنوں مجھ پر مہربان ہو گئے تھے اور میری طرف سے سابقہ کلفت کو رفع کر چکے تھے رخصت کے وقت میں نے جا کر ان سے التماس فاتحہ پڑھنے کی کی۔

اور صفحہ ۲۶۳ و ۲۶۴ پر ہے کہ اس سال ۹۸۶ھ ہجری میں "قاضی علی" بغدادی جو برائے تحقیق و ضبط اراضی مدد معاش تداخل براسم شیخ عبدالنبی منصوب کئے گئے۔ انہوں نے ہزاریان و پانصدیان ائمہ کو صدی تک ملاحظہ میں پیش کیا اور اکثر زمین اُن کی لے لی۔ اور برائے نام کہنے کو تھوڑی سی چھوڑ دی۔ اور اسی وجہ سے اعتبار اکابر و اعیان و معروف و مشہور خاندان کا شہر میں جاتا رہا۔ اور علم و دانش کسی گروہ مثل آدمی زادگان ہندوستان میں ناقابل نہ رہے اور مدارس و مساجد میں بھی اور اکثر جلا وطن ہوئے اور اُن کی اولاد ایسی ناقابل ہو گئی کہ تھوڑے عرصہ میں پاجی گری میں ان کا نام نکل گیا۔

اور اس سال ماہ مبارک رمضان میں قاضی علی مذکور نے فقیر کو خدمت سے علیحدہ کر دیا۔ اپنے آپ کو بزعم خود تمام منشیان سے بنا یا ہوا

اجمیر" از نذر گذرانیده" و هزار بیگه مدد معاش را که ضائع کننده روزگار است شنوانیده"

فرمودند که پنداریم" در فرمان او قیدے هم شده بود- عرض کرد که "بلے بشرط خدمت" فرمودند که بپرسید که مگر ضعفے داشت که از خدمت ماند"

غازی خاں بدخشی" در بدیهه گفت- که ضعیف طالع داشت- و هر کدام- از مقربان- جهت امامت سابق که دراں ایام با نماز بر طرف شده بود سفارش یا نمودند"

و شهباز خاں کنبو" گفت- که او همیشه در خدمت می باشد" جواب دادند- که ما کسے را خدمت بزوری فرمائیم- اگر داعیه خدمت ندارد- زمین او معاف باشد- فی الحال تسلیم کردم- و این معنی بسیار گراں آمده رو متغیر شد"

شیخ عبدالنبی کی سفارش ملّا صاحب کے لیے

و چوں قاضی علی بغدادی" مکرر بعرض رسانید که در حق او چه حکم میشود- بعد از مبالغه فرمودند که" شیخ عبدالنبی را که هنوز در آں بود- بپرسند- که او بے شرط خدمت چه قدر زمین داشت"

شیخ بدست مولانا الہداد امروہه مرحوم" پیغام فرستاد که چوں عالمنا دشرح شنیده میشود که دارد- ما هم این قدر که فرموده اند" هشت صد" یا هفت صد بیگه- تجویز میکردیم" و مقربان این عرض را مناسب ندیدند- و مرا مبالغه برالتزام خدمت کردند-

ملّا صاحب کی کام چوری اور ابوالفضل صاحب تاریخ نظامی کی ہمدردیوں سے ان کی رستگاری

صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۷ — بیرون کہ در پنجم ذوالقعده سنه ۹۸۹ھ بمستقر خلافت رسیدند" ومن درین سفر" چوں از من به تقریب تعلق خاطرے که بسم بمظهری نام از مظاهر الٰهی و آزادی و وارستگی که تا بیک سال" در بساور" ماند و احوال غریب و عجیب دراں وادی گذرانیده و تخلفت واقع شده بود" و بفتح پور" رفته- در تاریخ هشتم این ماه ملازمت کردم" از" شیخ ابوالفضل" پرسیده بود که از این سفر چرا ماند- و بعرض رسانید که از جمله" مدد معاشیان است که گذشته" دلچسپی ازاں قریب" کابل" بتیر روزے" بصدر جهاں" فرموده بود" که اہل سعادت هر که درین لشکر همرکاب است- و آنانکه حاضر نیستند همه را نوشته بیارید"

و چوں نوبت فقیر رسید خواجه نظام الدین احمد مرحوم و مغفور" صاحب تاریخ نظامی" که پیش ازاں بیک سال با او آشنا شده- رابطه دوستی که گویا صد ساله است پیدا کرده بود- از نهایت دلسوزی و مهربانی

ہوں" بلدۂ اجمیر میں نذر گذرا کر اور ہزار بیگہ مدد معاش کے متعلق کہ ضائع کنندۂ روزگار ہے" کہلایا"

فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں فرمان میں اس کے لئے کوئی قید بھی تھی" عرض کیا کہ جی ہاں خدمت کی شرط تھی" فرمایا کہ پوچھو کیا بیمار ہو گیا تھا جو خدمت نہ کر سکا"

غازی خاں بدخشی" نے فوراً کہا کہ ضعیف طالع کا ہے اور مقربوں میں سے ہر کسی نے امامت سابق کے واسطے کہ ان دنوں میں نماز با جماعت موقوف ہو گئی تھی" سفارش کی"

اور شہباز خاں کنبو" نے کہا کہ وہ ہمیشہ خدمت میں رہتا ہے" جواب دیا کہ ہم خدمت کے لئے کسی پر زبردستی نہیں کرتے ہیں" اگر خدمت کرنے کا ارادہ نہیں ہے" تو زمین اس کی واپس ہو" میں نے اس وقت تسلیم کی اور یہ بات بہت ناگوار ہوئی- چہرہ سرخ ہو گیا"

اور جب قاضی علی بغدادی" نے دوبارہ عرض کی کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے تو بعد از مبالغہ فرمایا کہ شیخ عبدالنبی" سے جواب تک لشکر میں تھے پوچھیں کہ وہ بے شرط خدمت کس قدر زمین رکھتا ہے"

شیخ نے مولانا الہداد امروہوی مرحوم کے ہاتھ جواب بھیجا کہ جو لکہ دینا کو معلوم ہے اور شاید سنا ہے کہ رکھتا ہے" جیسا کہ فرمایا ہے میں نے بھی اسی قدر سات سو یا آٹھ سو بیگہ تجویز کیا ہے" مقربوں نے اس عرض کو مناسب نہ دیکھ کر مجھ کو خدمت کرنے پر مجبور کر دیا"

صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۷ پر ہے کہ ہم پانچ ذیقعدہ ۹۸۹ھ کو مستقر خلافت پہنچے" اور اس سفر میں کیونکہ مجھے مظاہر الٰہی سے (ایک عورت) مظہری نام سے بہت دلی لگاؤ ہو جانے کی وجہ سے آزادی و وارستگی ہو گئی تھی" اس لیے ایک سال تک بساور میں رہا" اور اس عشق میں عجیب و مشکل حالات میں پڑ جانے سے وعدہ خلافی ہو گئی تھی" اس مہینہ کی آٹھویں تاریخ کو فتح پور جا کر ملازمت کی" شیخ ابوالفضل" سے بادشاہ نے پوچھا کہ اس سفر سے یہ کیوں باز رہ گیا تھا" اس نے عرض کیا کہ ہمارے مدد معاشوں میں سے ہے اور بات آئی گئی ہو گئی"

اور اس کے بعد ایک روز قریب کابل" کے" صدر جہاں" سے فرمایا تھا کہ اہل سعادت میں سے جو لوگ لشکر کے ساتھ ہیں اور وہ جو حاضر نہیں ہیں سب کو لکھ کر لائے"

جب نوبت فقیر کی پہنچی تو خواجہ نظام الدین احمد مرحوم و مغفور" صاحب تاریخ نظامی" نے جو ایک برس پہلے میری دوستی ہوئی تھی- اور ایسی محبت پیدا ہو گئی تھی جیسی سو سال میں ہوتی ہے" انہوں نے نہایت

جبلی کہ بہمہ احباب عموماً۔ وبرفقیر خصوصاً داشت۔ مریضی نویسایندہ گذرانیدہ" واحق ملازمت مخلوق" وطمع از وے "وخوف از مرض شدید تر است" ودریں مدت مفارقت بیوستہ خط بالائے خط میفرستاد کہ چوں آمدن مساہلہ واقع شدہ۔ در استقبال خود لااقل تا لاہور ودہلی ومتھرا بدانچہ مقدر باشد سعی باید نمود۔ کہ کار عالم است وا حیتا طاً شرط"

"تخلف وعدہ یا کام چوری کی وجہ سے مدد معاش کی ضبطی اور ختم حصن حصین وزد قصیدہ بردہ بمیر نظام الدین احمد وغیرہ کی ہمدردی سے بادشاہ کی ناراضی سے رستگاری"	ص ۳۷۵ تا ۳۷۷ اور ص ۳۸۳ و ۳۸۴ پر ہے کہ در ماہ ربیع الثانی

۹۹۹ ہجری التماس رخصت "بجانب بداؤں" ساختم وبہ رجہ قبول پیوست رخصت پنج ماہ دادند۔ وچوں میرزائے مشارٌ الیہ (میرزا نظام الدین احمد) بعرض رسانید کہ والدۂ فلانے از جہان درگذشتہ برائے تسکین خواطر برادران وخویشان التماس رخصت میکنند" رخصت بکرہ دادند" چوں صدر جہان "مکرر گفت کہ سجدہ بکن۔ ووقع نشد۔ فرو بگذاردورنجیدہ چیزے ندادند" بہر تقدیر ہمراہ "میرزا نظام الدین احمد، در شمس آباد رفتہ۔ آنجا بیمار شدہ" وبداؤں آمدہ۔ ومتعلقان آوردہ ہم بعبارت مرہم ومعالجہ اشتغال نمودہ" میرزا بلاہور" شتافت" وبتقریب نامہ خرد افزا" کہ از کتب خانہ گم شدہ بود۔ مخصلے سلیمہ سلطان بیگم" مرا چند مرتبہ یاد فرمودند" وہر چند قاصدان از یاران بہ بداؤں" رفتند۔ بتقریب موانع آمدن نتقدر" آخر حکم کردند کہ مدد معاش اورا موقوف دارند۔ وخواہی نخواہی طلبند۔

ومیرزائے مذکور کہ غریق رحمت باد "غائبانہ یار فروشی بالبسیار کردہ" ودر "شیخ ابوالفضل" مکرر عرض داشت کہ تا مانع کلی پیش نیامدہ باشد آنجا نماندہ"

در ماہ ذی الحجہ ایں سال "سنہ ۱۰۰۰ ہجری" جامع این منتخب۔ از "بداؤں" حسب الحکم آمدہ "بہ اردو ملحق شد۔ درشہر لاہور بوسیلہ "حکیم ہمام" بعرض رسانید کہ فلانے مے خواہد کہ کورنش بکند" پرسیدند کہ "بچہ جہت نگاہ از وعدہ تخلف نمودہ" جواب داد کہ پنج ماہ "پرسیدند بچہ تقریب ماند" گفتند "بتقریب بیماری" و محضر اکابر بداؤں" وعریضہ "حکیم عین الملک" بہمیں مضمون از دہلی "آوردہ" چوں ہمہ را خواندند فرمودند۔ بیماری تا پنج ماہ نمی باشد" ومرا کورنش نداوند"

دلسوزی اور عادتی مہربانی سے جو وہ تمام دوستوں پر عموماً اور فقیر پر خصوصاً رکھتے تھے" مجھے بیمار لکھوا دیا اور یہ معاملہ یوں گذر گیا" سچ یہ ہے کہ ملازمت مخلوق اور اس کا لالچ اور خوف شدید تر مرض ہے" اور اس عرصہ مفارقت میں خطوں پر خط انہوں نے بھیجے کہ کیونکہ تمہارے آنے میں سستی واقع ہوئی ہے۔ تم کم از کم لاہور و دہلی و متھرا تک استقبال کے لئے ضرور پہنچ جاؤ" کوشش کرنی چاہئے کہ یہی دنیا کا کام ہے"

ص ۳۷۵ تا ۳۷۷ اور ص ۳۸۳ و ۳۸۴ پر ہے کہ " ماہ ربیع الثانی ۹۹۹ ھ میں میں نے بداؤں جانے کی رخصت کے لئے التماس کی جو منظور ہوئی" پانچ مہینوں کی رخصت دی" اور جب میرزا نے مشارٌ الیہ (میرزا نظام الدین احمد) نے عرض کی کہ فلاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے" بھائیوں اور عزیزوں کی تسکین خاطر کے لئے التماس رخصت کی کرتا ہے" تو ناراضی سے رخصت دی" کیونکہ صدر جہاں نے دوبارہ کہا کہ سجدہ کر اور یہ مجھ سے نہ ہو سکا اسلئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا اور رنجیدہ ہو کر کچھ نہ دیا" بہر تقدیر میرزا نظام الدین" کے ساتھ شمس آباد جا کر وہاں بیمار ہو گیا" اور بداؤں آ گیا" اور متعلقان کو لا کر مرہم و معالجہ میں مشغول ہوا" میرزا لاہور گیا" اور بتقریب نامہ خرد افزا" جو کتب خانہ سے گم ہو گیا تھا" "سلیمہ سلطان بیگم" کے محصل نے مجھے چند مرتبہ یاد فرمایا اور ہر چند یاروں نے بداؤں کو قاصد بھیجے لیکن چند رکاوٹوں کی وجہ سے میرا آنا نہ ہو سکا" آخر حکم دیا کہ مدد معاش اس کی موقوف رکھیں اور زبردستی اسے بلائیں۔

اور میرزا" نے مذکور نے خدا اسے غریق رحمت کرے میری بہت طرفداری کی اور شیخ ابوالفضل" نے بھی مکرر عرض کیا کہ اگر کوئی ایسی ہی موانع پیش نہ آتے تو وہ ہرگز وہاں نہ رہتا"

ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۰۰۰ ہجری میں اس منتخب کا جمع کرنے والا حسب الحکم بداؤں سے آ کر لشکر سے شامل ہوا" لاہور کی منزل میں "حکیم ہمام" نے عرض کیا کہ فلاں شخص۔ سلام کرنا چاہتا ہے" دریافت فرمایا کہ کس قدر اس نے وعدہ خلافی کی ہے" جواب دیا کہ پانچ مہینے" پوچھا کس وجہ سے" کہا بیماری کی وجہ سے اور اکابر بداؤں کا محضر اور عریضہ حکیم عین الملک" اسی مضمون کا دہلی سے لایا ہے" جب سب کو پڑھ لیا تو فرمایا کہ بیماری پانچ مہینوں تک نہیں رہتی ہے اور سلام کی اجازت نہیں دی"

و ہماں طور "مجوب و مغموم و محروم و محزون" در آں دو "کہ ہمراہ شاہزادہ دانیال" در "رہتاس" گذاشتہ بودند "بودم - وورد قصیدہ بردہ" و "ختم حصن حصین از کلام حضرت خیر النبیین صلعم را حصار خود ساخت - و مجیب الدعوات مضطرب آں دعائے درد آلود "بناز آمیز" بشرف اجابت قرین گردانید" تا آنکہ - بعد از پنج ماہ "ہنگام اصول موکب از "کشمیر" بلاہور "بادشاہ را مہربان ساخت" و بتقریب ترجمہ ساختن "کتاب جامع رشیدی" کہ مجلدے عظیم است "یاران صادق مشفق - چوں میر نظام الدین احمد" وغیرہ - نام فقیر را غائبانہ در مجلس خلوت مذکور ساختند - و حکم ملازمت صادر شد" و بعد از مراجعت "کشمیر" روز بہمن خور ماہ عید بہمن ماہ الٰہی موافق ہفتدہم ربیع الآخر ایں سال کورنش دادند - و یک اشرفی گذرانیدہ و بہ التفات تمام پیش آمدہ - رفع آں حجاب و تواری بعد از دشواری بہ آسانی میسر گردید - و حکم انتخاب "کتاب جامع رشیدی" بہ استصواب "علامی شیخ ابوالفضل" صادر شد"

صاحب منتخب التواریخ کے تعصب پر شاہنشاہ اکبر کا قول

ص ۳۹۸ و ۳۹۹ پر ہے کہ "در ثم ماہ رجب ایں سال (۱۰۰۳ھ) تحویل نوروزی واقع شد" و در سال چہل از جلوس رسید "و مجلس آئین بندی - بدستور سنوات سابق گذشت" و پیش از تحویل بدو روز در دیوان خانہ عام و خاص - از بالائے جھروکہ فقیر را پیش طلبیدند - و خطاب شیخ (ابوالفضل) فرمودند کہ ما فلانے را کہ عبارت از فقیر باشد "جوانے فانی صوفی مشربے - خیال میکردیم" اما او خود چناں فقیہ متعصب ظاہر شد - کہ ہیچ شمشیرے رگ گردن تعصب او را نتواند برید"

شیخ ابوالفضل پرسید - کہ صاحب در کدام کتاب نوشتہ کہ حضرت ایں چنیں فرمایند"

فرمودند کہ در ہمیں "رزم نامہ" کہ عبارت از "مہابھارت" باشد - و دوش بریں معنی "نقیب خاں" را گواہ گرفتہ ام "شیخ" بعرض رسانید کہ تقصیر کردہ است"

بضرورت پیش رفتہ معروض داشتم کہ بندہ مترجمے بیش نیستم ہر چہ دانایان ہندی تعبیر کردہ اند بے تفاوت ترجمہ نمودہ ام - و اگر از خود نوشتہ باشم تقصیر من خواہد بود" و بد کردہ باشم "شیخ" ہمیں معنا عرض کرد "ناخوش ماندند"

اور اسی طور "شرمندہ اور غمزدہ اور محروم و محزون" اس لشکر میں جسے "شاہزادہ دانیال کے ساتھ "رہتاس" میں چھوڑ دیا تھا رہا - اور ورد قصیدہ بردہ کا اور ختم حصن حصین از کلام حضرت خیر النبیین صلعم کو حصار اپنا بنایا" اور مجیب الدعوات نے اس دعائے درد آلود و مضطرب بناز آمیز کو شرف قبولیت بخشا" اس وقت جبکہ پانچ مہینوں کے بعد بادشاہ کی سواری کشمیر سے لاہور آئی بادشاہ کو مہربان بنا دیا" اور بتقریب ترجمہ کرنے "کتاب جامع رشیدی" کے جو بہت ضخیم ہے" میرے سچے اور شفیق یاروں مثل میر نظام الدین احمد" وغیرہ نے مجلس خلوت میں فقیر کا نام غائبانہ مذکور کیا اور حکم ملازمت کا صادر ہوا" اور کشمیر سے لوٹنے کے بعد روز بہمن خور ماہ عید بہمن ماہ الٰہی مطابق ۱۷ ربیع الآخر اس سال سلام دیا" (اور ایک اشرفی نذر دی) اور مہربانی سے پیش آئے" وہ حجاب رفع ہو کر خوشی بعد از دشواری بہ آسانی میسر ہوئی" اور حکم انتخاب "کتاب جامع رشیدی" علامہ ابوالفضل" کی رائے سے صادر ہوا"

ص ۳۹۸ و ۳۹۹ پر ہے کہ "اس سال (۱۰۰۳ ہجری) کی نو ماہ رجب کو تحویل نوروزی واقع ہوئی" اور سنہ چالیس جلوس سے پہنچا" اور مجلس آئین بندی بدستور سالہائے سابق گذری" اور تحویل سے دو روز پہلے دیوان خانہ خاص و عام میں جھروکہ کے اوپر سے "فقیر کو سامنے بلایا اور شیخ ابوالفضل سے خطاب فرمایا کہ ہم فلاں کو جس سے اشارہ فقیر کی طرف تھا" جوان فانی اور صوفی مشرب خیال کرتے تھے" لیکن وہ ایسا فقیہ متعصب ظاہر ہوا" کہ کوئی تلوار اس کے تعصب کی گردن کی رگ کو نہیں کاٹ سکتی"

شیخ ابوالفضل سے پوچھا کہ کونسی کتاب میں میں نے ایسی بات لکھی ہے جو حضرت ایسا فرما رہے ہیں"

فرمایا کہ وہی کتاب "رزم نامہ" میں جس سے اُن کا منشاء مہابھارت سے تھا" اور اس بات پر میں نے نقیب خاں کو گواہ کیا ہے" شیخ" نے عرض کیا کہ قصور مند ہے"

ضرورت جان کر آگے بڑھ کر عرض کی کہ میں پہلا مترجم نہیں ہوں" جو کچھ ہندوستان کے عقلمندوں نے کہا ہے بلاکسی رد و بدل کے ترجمہ کر دیا ہے" اگر میں نے اپنی طبیعت سے کچھ لکھا ہو تو میری خطا اور برا کیا ہے" شیخ" نے یہ ہی بات عرض کر دی - مگر ناخوش رہے"

اکبر بادشاہ کو صاحب منتخب کا سجدۂ زمین بوس

صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۲ پر ہے کہ "شبے درخواب گاہ خاصہ نزدیک بہ پایۂ تخت طلبیدہ۔ تا بہ امداد حکایات از ہر باب پرسیدہ" "حکم فرمودند کہ چوں در جلد اوّل" "بحر الاسمار" "کہ سلطان زین العابدین" "ترجمہ فرمودہ" "فارسی قدیم غیر متعارف است" "آں را ہم تو از سرِ نو بہ عبارتے مانوس بنویس" "و مسودہ ایں کتب را کہ خود ترجمہ کردہ نگاہدار" "زمین بوس نمودہ بہ دل و جان قبول نمودم۔ و شروع دراں کردم"

سجدۂ زمین بوس پر صاحب منتخب کو انعام

"و بعد از التفات بسیار دہ ہزار تنگہ مرادی انعام" "و اسپ" "بخشیدند۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایں کتاب بزودی و بخوبی واہی در دو سہ ماہ مرتب و پرداختہ آید و در رخصت وطن کہ ہلاک آنست حاصل کنند"

صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۲ پر ہے کہ "ایک رات کو خواب گاہ خاصہ میں نزدیک پایۂ تخت کے بلا کر" "ہر باب کی حکایتوں سے پڑھوا کر پوچھا" "اور حکم دیا کہ کیونکہ بحر الاسمار کی جلد اوّل جس کا ترجمہ سلطان زین العابدین نے کیا ہے" "اس کی فارسی قدیم اور غیر متعارف ہے" "اس کو نئی عبارت مانوس میں لکھو اور اس کتاب کے مسودہ کو جسے تو نے خود ترجمہ کیا ہے سامنے رکھو" "پس میں نے زمین بوس ہو کر بدل و جان قبول کیا اور اسی طرح شروع کیا"

"اور بعد بہت التفات کے دس ہزار تنگہ مرادی انعام اور گھوڑا عطا کیا" "اللہ نے چاہا تو یہ کتاب جلد ترخوبی سے انہیں دو تین مہینوں میں مرتب اور مکمل ہو جائے گی" "اور وطن کی رخصت جس کے لئے میں ہلاک ہو رہا ہوں حاصل کروں گا"

مُلّائے بدایونی۔ صاحب منتخب التواریخ کا کچھ اور حال۔ صاحب دربار اکبری کے قلم سے

صاحب منتخب التواریخ مُلا عبد القادر بدایونی" کے یہ تھوڑے سے حالات تو ہم نے" اُن کی کتاب سے لیکر اُن ہی کے الفاظ میں لکھے ہیں" اب ہم شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی کی کتاب " دربار اکبری" سے لیکر اُن کی افتاد طبیعت اور مزاج کی کیفیت کے کچھ اور حالات پیش کرتے ہیں" دربار اکبری کے صفحہ ۴۱۹ پر تحریر ہے کہ " اہلِ ذوق دیکھیں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا میں دکھاتا جاؤں گا کہ وہ اُمرائے دربار میں جس کے برابر نکلتے ہیں۔ ایک چٹکی ضرور لے لیتے ہیں"

اُمرائے دربار سے اُن کا اس قدر بگاڑ نہ ہوتا۔ مگر اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے " مُلّائی کے دائرے سے قدم نکالنا نہ چاہا۔ اور اسی کو دین کی دولت اور دُنیا کا فخر سمجھا" انہیں کبھی تو بے علم یا کم لیاقت لوگ مراتب عالی پر نظر آئے اور یہ ناگوار گذرا" اکثر چھوٹے تھے کہ آنکھوں کے سامنے بڑے ہوئے" یا برابر سے آگے بڑھ گئے" کبھی باہر سے آئے اور مختلف خدمات کی سُنہری مسندوں پر بیٹھ کر صاحب جاہ و جلال ہو گئے" اور یہ مُلّا کے مُلّا ہی رہے" ایسے لوگوں کو ان کی فضیلت علمی ضرور خاطر میں نہ لاتی ہوگی۔ بلکہ چاہتی ہوگی کہ میرا ادب پیش نگاہ رکھیں۔ اُدھر دولت و حکومت کو اتنا دماغ کہاں۔ یہ بھی جہاں موقع پاتے ہیں" اپنے گھستے ہوئے قلم سے وہ زخم دیتے ہیں کہ قیامت تک نہیں بھرتے"

اور صفحہ ۴۲۰ و ۴۲۱ پر ہے کہ " وہ اکبر و ابو الفضل و فیضی" اور " مخدوم و صدر" سے بھی خفا تھے" جو کم نصیبی اُن کی ترقی میں سنگِ راہ ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ زمانے کے مزاج سے اپنا مزاج نہ ملا سکتے تھے" جس بات کو خود بُرا سمجھتے تھے اُسے چاہتے تھے کہ سب بُرا سمجھیں اور اُسے عمل میں نہ لائیں" جس بات کو اچھا سمجھتے تھے اُسے چاہتے تھے کہ اسی طرح ہو جائے" قباحت یہ تھی کہ جس طرح طبیعت میں جوشش تھا" اسی طرح زبان میں زور تھا" اس واسطے ایسے موقع پر کسی دربار اور کسی جلسے میں بغیر بولے نہ رہا جاتا۔ اس عادت نے ان کے لئے بھی بہت سے دشمن بہم پہنچا رکھے تھے"

پُرانے عالم پُرانی باتوں کے خوگر تھے" اکبر نے انہیں اپنے راستے پر کھینچنا چاہا۔ انہیں یہ باتیں ناگوار ہوئیں اور انہوں نے اپنی گردنیں سخت کیں" ناچار یا توڑنا یا بیچ سے اُٹھانا واجب ہوا" ان خیالات کی ابتدا تھی جو فاضل مذکور (یعنی مُلّائے بدایونی صاحب منتخب) دربار میں پہنچا" اس نے اوّل اوّل ترقی کے خوب قدم بڑھائے" یہ نوجوان عالم (صاحب منتخب) اپنے علم کے جوشش اور ترقی کی اُمنگ میں تھا" بڈھے مُلّاؤں اور اُن کی بڈھی تعلیم کو توڑ توڑ کر" اکبر" کو خوش کیا" مگر یہ نہ سمجھا کہ اُصول میرے اور بڈھوں کے ایک ہیں۔ اور اب زمانے نے نیا مزاج پکڑا ہے" انہیں توڑ دوں گا تو ساتھ ہی آپ بھی ٹوٹ جاؤں گا" غرض کچھ تو اس سبب سے کہ اُس نے یُونانی تہذیب کے دامن میں پرورش پائی تھی" اور کچھ اس کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی تھی اس لئے وہ نئے زمانے میں پُرانے مسائل کو واجب العمل سمجھتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ مخالفت شروع ہوئی" اور چونکہ ابو الفضل و فیضی (اکبر کے خلیفہ)

صاحب منتخب کے استاد شیخ مبارک کے لڑکے") ہی نئے خیالات نہ رکھتے تھے۔ بلکہ زمانے کا مزاج بدلا ہوا تھا۔ اس لئے اُس کے مزاج نے کسی سے موافقت نہ کھائی۔"

اُس کی تصنیفات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "وہ ایک زمانے سے لڑائی باندھے بیٹھا ہے۔" "مخدوم الملک" اور "شیخ صدر (عبدالنبی) شریعت کا ٹھیکہ لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ مگر وہ انہیں بھی قابلِ موافقت نہ سمجھتا تھا۔"

اور صفحہ ۲۲۱ پر تحریر ہے کہ "یہی سبب ہے کہ یہ دونوں" بلکہ کوئی مشہور عالم "یا نامی عارف" نہیں۔ جو اُس کے شمشیر قلم سے زخمی نہ ہوا ہو۔" جس کسی بات پر خفا ہوتا ہے تو وہیں صلواتیں سنانے لگتا ہے۔"

"اب جو لکھتے ہیں۔ یہ مجمل لکھے ہیں۔ اُن کی تفصیل اور اپنے خیالوں کی تصدیق "ملا صاحب" کے حالات سے کرتا ہوں۔"

فاضل مذکور "اگرچہ بدایونی مشہور ہیں مگر "ٹونڈہ" میں پیدا ہوئے" جو بساور" کے پاس ہے۔"

ص ۲۲۳ تا ۲۲۵ پر ہے کہ "ملا صاحب نے بساور" میں پرورش پائی" بزرگوں کا حال کہیں مفصل نظر سے نہیں گذرا۔ "خاندان امیر نہ تھا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ "فاروقی شیخ" تھا۔" ان کے نانا مخدوم اشرف" تھے جو "سلیم شاہ" کے عہد میں "فرید تارن" ایک پنج ہزاری سردار متعینہ بجواڑہ متصل بیانہ صوبہ آگرہ" کی فوج میں ایک جنگی عہدہ دار تھے۔"

غرض فاضل مذکور ۹۵۲ ہجری سے ۹۶۰ ہجری تک اپنے والد "ملوک شاہ" کے دامن میں رہے۔" پانچ برس کی عمر تھی جب "سنبھل" میں قرآن وغیرہ پڑھتے رہے۔" (پیدائش ۹۴۷ ہجری کی ہے) پھر نانا نے انہیں اپنے پاس رکھا۔ "بسنتپور" (؟) ان کے پیر بھی وہیں رہتے تھے۔" وہ علم قرأت میں کامل تھے۔" ان ہی سے قرأت" اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھا۔" اس وقت ۹۶۰ ہجری میں "سلیم شاہی" دور تھا۔ مگر یہ شاگردی بہت مبارک ہوئی کہ ایک دن اسی کی سفارش سے "دربار اکبری" میں پہنچے اور "سات وا ماموں میں داخل ہو کر "امام اکبر شاہ" کہلائے۔

خود لکھتے ہیں کہ "بارہ برس کی عمر تھی" والد نے "سنبھل" میں آکر "میاں حاتم سنبھلی" کی خدمت میں حاضر کیا۔ کہتے ہیں کہ چند سبق "شرح وقایہ کے" میں نے بھی "قاضی ابو المعالی" سے پڑھے" پھر فاضل بدایونی "شیخ مبارک (پدر ابو الفضل)" کے حلقۂ درس میں داخل ہو کر "فیضی و ابو الفضل" اور "نقیب خاں" کے ہمدرس ہوئے۔ "شیخ مبارک" کے ذکر میں خود فرماتے ہیں کہ "جامع اوراق نے عنفوانِ شباب میں "آگرہ" میں چند سال اُن کی ملازمت میں سبق پڑھا تھا۔ الحق ان کا حق عظیم مجھ پر ہے۔"

اپنے سرپرست حسین خاں سے ناراضی ص ۲۲۸ پر ہے کہ "پٹیالی" (ضلع ایٹہ) جہاں "امیر خسرو" پیدا ہوئے" یہ علاقہ "حسین خاں" کی جاگیر میں تھا۔" ۹۶۶ ہجری میں یہاں پہنچ کر "حسین خاں" سے ملے" جوانی کے ذوق اور ہمت کے شوق نے دربار شاہی کی طرف کھینچا۔ مگر اُس افغان دیندار کی محبت ایمانی اور خوبیوں کی کشش نے رستے میں روک لیا۔" خود لکھتے ہیں "یہ شخص صاحب اخلاق" متواضع" درویش سیرت" سخی" پاکیزہ روزگار" پابند سنت وجماعت" علم پرور" فضل دوست تھا" نیکی سے پیش آتا تھا۔ اُس کی صحبت سے جدائی" اور نوکری کرنے کو جی نہ چاہا۔ "دس برس تک انہی گمنام گوشوں میں رہا۔" وہ نیک لوگوں کی خبرگیری کرتا تھا۔" ملا صاحب نے اِس پرہیزگار اور بہادر افغان کی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ اور اس قدر لکھی ہیں کہ پیغمبروں تک نہیں تو اصحاب و اولیاء کے درجات تک ضرور پہنچا دیا ہے۔" (اس دلاور افغان نے "ہمایوں" کی مراجعت سے لیکر "اکبر" کے سال بائیس جلوس تک بڑی جاں نثاری اور وفاداری دکھائی اور "تین ہزاری" منصب حاصل کیا۔")

غرض وہ دیندار ومتقی افغان مسلمان ساتھ رہتے تھے اور عزت سے گذران کرتے تھے" "حسین خاں" کے پاس "ملا صاحب" ۹۶۶ھ سے ۹۷۵ھ تک آٹھ برس رہے۔"

ص ۲۳۳ و ۲۳۴ پر ہے کہ "اسے فقط تقدیر کا اتفاق کہتے ہیں کہ ۹۷۵ ہجری میں دس برس کے دوست بلکہ دینی بھائی "حسین خاں" سے ان کا ملاپ ہو گیا۔ اور اس [illegible] کو دکھا کر بات کیا تھی۔ وہ [illegible] اور خود "آگرہ" کے مقام [illegible] میں آ ملے۔ بدایونی [illegible]

کی ماں کے پاس گیا اور سفارش چاہی "مگر ملّا صاحب "ضد کے پورے تھے ایک نہ مانی "کیونکہ انہوں نے دربار شاہی میں جانے کی مصمم تجویز کرلی تھی"

ہوس ملازمت شاہی ملّا صاحب کی جوان عمر "علم کا جوش "طبیعت کی امنگ " انکے دل میں بھی ہوس نے موج ماری " فیضی و ابو الفضل " وغیرہ ہمدرس "جو ان کے ساتھ گوشۂ مسجد اور صحن مدرسہ میں بیٹھکر ذہن لڑاتے تھے۔ اُن کی باتوں کے گھوڑے دربار شاہی میں دوڑنے لگے تھے " یہ بھی "بداؤں" سے "آگرہ" میں آئے "آخر ذی الحجہ ۹۸۱ھ ہجری تھا کہ "جمال خاں قورچی " سے ملاقات ہوئی۔ وہ اکبر کے مصاحبین میں تھا " جمال خاں " اُن کے پیچھے نماز پڑھکر اور علمی تقریریں سنکر بہت خوش ہوا۔ اکبر کے سامنے لایا۔ اور کہا "حضور کے لئے پیش نماز لایا ہوں "

خود فرماتے ہیں کہ "۹۸۱ھ ہجری میں "حسین خاں" سے ٹوٹ کر "بداؤں" سے "آگرہ" میں آیا "جمال خاں قورچی " اور "مرحوم جالینوس حکیم عین الملک" کے وسیلہ سے ملازمت شاہنشاہی میں داخل ہو گیا "

اکبر کی خوشی کیلئے علما سے مقابلے یہاں تک کہ جو علماء تبحر کے نقارے بجاتے تھے اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے " بادشاہ نے اُن سے لڑا دیا " خود بات کو پرکھتے تھے۔ خدا کی عنایت اور قوت طبع اور تیزیٔ فہم اور دل کی دلیری سے (کہ عالم جوانی کا لازمہ ہے) بہتوں کو زیر کیا "پہلی ہی ملازمت میں فرمایا " کہ یہ "بداؤنی" "حاجی ابراہیم سرہندی کا سرکوب ہے " چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح زک پائے " میں نے بھی اُسے خوب خوب الزام دیئے " اور بادشاہ بہت خوش ہوئے "

بادشاہ کا ملاجی سے اپنا کام نکالکر پھر انہیں نظروں سے گرادینا "شیخ عبد النبی صدر عالی قدر" پہلے ہی خفا ہوئے تھے کہ ہم سے بالا بالا آن پہنچا۔ اب جو مناظروں میں مقابل دیکھا تو وہ مثل ہوئی کہ "ایک تو سانپ نے کاٹا اُس پر کھائی افیم" خیر آخر رفتہ رفتہ اُن کی کلفت بھی الفت سے بدل گئی۔

ملّا صاحب اِس فتحیابی پر ناحق خوش ہوئے " انہیں خبر نہ تھی کہ یہ فتح اپنی فوج کی شکست ہوئی " کیونکہ آہستہ آہستہ بادشاہ " تمام علماء سے بے اعتقاد ہو گیا " اور ساتھ ہی یہ بھی نظروں سے گر گئے "

ساتھ ہی لکھتے ہیں۔ انہیں دنوں میں "شیخ ابو الفضل خلف شیخ مبارک " جس کی عقل و دانش کا ستارہ چمک رہا تھا " ملازمت میں آیا۔ اور انواع و اقسام کی عنایتوں سے امتیاز پایا۔ تھوڑی دور آگے چلکر لکھتے ہیں " بادشاہ نے ملّا یانِ فرعون صفت کے کان ملنے کے لئے " (جس کی بے شعیدہ نہ رہی تھی) انہیں خاطر خواہ پایا " وغیرہ وغیرہ "

بادشاہ کی نظروں سے گر جانے اور ملّا صاحب کے حسد کی وجہ ان کے اور ابو الفضل " دونوں کے حالات پڑھکر معلوم ہو جائے گا کہ اکبر کی نظر توجہ جو ان کی طرف تھی وہ اُدھر پھر گئی " اسے اُس کی قسمت کا زور کہو۔ خواہ اُس کی مزاج شناسی کہو " اور یہی رشک تھا جو ہمیشہ تیزاب بنکر بہرپیٹے الفاظ بن کر ان کے قلم سے ٹپکتا تھا "

خواجہ دولت ناظر سے خفگی کی وجہ اور اُس کی ہجو ملّا صاحب کی طرف سے ص ۲۳۸ و ۲۴۳ سے پہ ہے کہ "حضور میں سات امام تھے " ہفتہ کے سات دن ایک ایک دن باری باری سے نماز پڑھایا کرتے تھے " دوسرے سال ملّا صاحب لکھتے ہیں کہ خوش آوازی کے سبب سے جیسے طوطی کو پنجرے میں ڈالتے ہیں۔ اِسی طرح مجھے اُن میں داخل کر کے بدھ کی امامت عنایت ہوئی " اہتمام حاضری کا "خواجہ دولت ناظر" کے سپرد تھا۔ عجیب سخت مزاج خوجہ تھا۔ لوگوں کو بڑا دق کرتا تھا " القصی لا ذکر ولا انثی شد خوجہ بیچارہ از زن نہ زنان نہ زن مردان "

ترقی سے محروم رہ جانے پر ملّا صاحب کا رنج و غم اسی سال بیستی کا منصب دیا کچھ خرچ بھی عنایت کیا۔ اور پہلی ہی دفعہ میں فرمایا کہ بیستی کے منصب کے بموجب گھوڑے داغنے کے لئے حاضر کرو " لکھتے ہیں کہ "شیخ ابو الفضل بھی اس عرصہ میں پہنچے تھے " اور ہم دونوں کی وہ ہی مثال ہے " جو شیخ شبلی نے اپنے اور جنید کے لئے کہی تھی " میں اور یہ دونوں جلیبیاں ہیں ایک تنور میں سے نکلی ہیں " ابو الفضل نے بڑے شوق سے قبول کر کے کام شروع کر دیا۔ اور اِس عرق ریزی سے خدمت بجا لایا کہ آخر دو ہزاری منصب اور وزارت کے درجہ کو پہنچ گیا " (جس کی چودہ ہزار کی آمدنی ہے ") میں نا تجربہ کاری اور سادہ لوحی سے اپنے کل کو بھی نہ سنبھال سکا " مجھے اُن دنوں یہی خیال تھا کہ قناعت بڑی دولت ہے " گو جاگیر نہ تھی بادشاہ " انعام اکرام سے مدد کریں گے۔ اِسی پر صبر کروں گا " سلامت و عافیت کے گوشہ میں بیٹھوں گا " علم کے شغل اور دل کی آزادی کا شیوہ نامرادی ہے۔ اِسے سمجھا ہوں گا " افسوس کہ وہ بھی میسر نہ ہوا "

ملا صاحب بہت اچھی اٹھان سے اٹھے تھے۔ مگر افسوس کہ رہ گئے اور بری طرح رہ گئے۔" وہ ترقی پاتے اور خاطر خواہ سے بھی زیادہ پاتے۔"
مگر ضدی شخص تھے اور بات کی پرورش ایسی کرتے تھے کہ ہر طرح نقصان اٹھاتے تھے۔ اور اُسے فخر سمجھتے تھے۔" ابوالفضل کو زمانے کے گھِسّوں نے خوب سبق پڑھائے
تھے۔ وہ سمجھ گیا۔" ملا صاحب کو بیستی کا عہدہ ملا انکار کیا۔" اُس نے فوراً منظور کر لیا اور اطاعت و تسلیم کی۔ اُسی کا نیک ثمرہ پایا۔"

اُن کی ناپیدائی کی تقریر دل سے ہوتی ہے۔" لکھتے ہیں کہ ۹۸۳ھ ہجری میں میں نے رخصت مانگی نہ ملی۔" بادشاہ نے ایک گھوڑا اور کچھ روپیہ
دیا۔" ہزار بیگہ زمین دی اور کہا کہ فوجی دفتر سے تمہارا نام نکال دیتے ہیں۔" ان دنوں میں بیستی کے عہدے پر نظر کر کے یہ انعام مجھے بہت معلوم ہوا کہ
ہزاری کا ہم پلہ ہے۔" بادشاہی ہم پایہ ہے۔" علم کا سلسلہ ہے۔" خدمت کا بجا لانا ہے۔" سپاہی کی تلوار اور بندوق نہیں اٹھانی پڑتی۔" یہ سب کچھ درست
مگر صدر کی ناموافقت اور زمانہ کی بد مددی سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ اور آئندہ ترقی کا راستہ نہ تھا۔ اتنا ہوا کہ مدد معاش کا لفظ لکھا گیا۔" نہ کہ جاگیر۔"
رجاگیر میں خدمت بھی بجا لانی پڑتی تھی۔"

ہر چند عرض کی کہ اتنی زمین پر ہمیشہ حاضری کیونکر ہو سکے گی۔" فرمایا کہ فوج کے زمرہ میں ترقی مل جائے گی۔ انعام سے بھی مدد ہوا کرے گی۔"
"شیخ عبدالنبی صدر صاحب بولے کہ تمہارے ساتھیوں میں کسی کو اتنی مدد معاش نہیں دی۔" اب تک بائیس برس ہوئے۔ آگے
راستہ بند ہے۔ اور وہ مدد میں قدرت الٰہی کے پردے میں ہیں۔" ایک دو دفعہ سے زیادہ انعام کی بھی صورت نہ دیکھی۔" وعدے ہی وعدے رہتے۔" اور
اتنے زمانے کا ورق ہی الٹ گیا۔ جن کا کچھ نتیجہ نہیں۔ اور عمل پابندیاں ہیں کہ سخت گلے پڑی ہیں۔" کوئی لطیفہ غیبی ہو تو اُن سے چھٹکارا ہو۔"

جنگ اور دربار شہادت سے ملا صاحب کی پریشانی

"شوقِ غزا اور علیہ بادشاہ کے قدم چوم کے کو ہاتھ بڑھانا" کی شرح کے تحت "منتخب التواریخ" سے لیکر ملا صاحب کی درخواست پر رانا کے میواڑ کی جنگ میں اُن کو شرکت کی اجازت ملنے کا حال ہم اُدھر لکھ آئے ہیں۔" اور دربار
اکبری کے ۹۸۴ھ سے لے کر باقی ماندہ حال یہاں لکھتے ہیں۔" فرمایا انشاء اللہ فتح کی خبر لاؤ گے۔" میں نے چبوترے کے نیچے سے پابوس کے لئے ہاتھ بڑھائے۔"
آپ نے اوپر کھینچ لئے۔" جب میں دیوان خانے سے باہر نکلا تو پھر بلایا۔ ایک لپ بھر کر اشرفیاں دیں اور کہا خدا حافظ۔" گنیں تو چھپن تھیں۔" جب فتح ہوئی اور
رانا بھاگ گیا تو امرا مشورے کے لئے بیٹھے اور علاقہ کا بندوبست شروع کیا۔" رام پرشاد۔" ایک بڑا اونچا اور جنگی ہاتھی۔" رانا کے پاس تھا۔ بادشاہ
نے کئی دفعہ مانگا تھا اُس نے نہ دیا تھا۔ وہ بھی لوٹ میں آیا۔" امرا کی صلاح ہوئی کہ اُسے فتح نامہ کے ساتھ حضور میں بھیجنا مناسب ہے۔" آصف خاں نے
میرا نام لیا کہ یہ فقط ثواب کے لئے آئے تھے۔ ان کے ساتھ بھیجو۔" مان سنگھ" (سپہ سالار) نے کہا ابھی تو بڑے بڑے کام پڑے ہیں۔" یہ میدانِ معرکہ
میں ہمیشہ آگے ہو کر امامت کریں گے۔" میں نے کہا یہاں کی امامت کے لئے قضا ہے۔" میرا اب یہ کام ہے کہ میں جاؤں اور بندگانِ حضرت کی صف
کے آگے امامت ادا کروں۔" مان سنگھ اس لطیفہ پر بہت خوش ہوا۔" اعتماد کے تین سو سوار ہاتھی کے ساتھ کئے۔ اور سفارش نامہ لکھ کر رخصت کیا۔"
۹۸۴ھ و ۹۸۵ھ آخر تک لاتے ہی تھے اندازِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت گھبرا گئے۔ اور یہیں سے کچھ لوگ مہمات سلطنت اور اُس کے خطرناک
بوجھ ایسے لوگوں کی گردن پر پڑتے ہیں تو سچائی بھی پاپیٹھے۔" غرض جوں توں کر کے۔" فتح پور پہنچے۔" راجہ بھگوان داس۔" راجہ مان سنگھ کے باپ تھے۔"
اُن کے کوکہ کی معرفت فتح نامہ اور ہاتھی حضور میں گذرانا۔ فرمایا اس کا کیا نام ہے۔ عرض کی رام پرشاد۔ فرمایا سب پیر کی پرورش سے ہوا۔ اِس کا نام
پیر پرشاد ہے۔" پھر فرمایا تمہاری تعریف بھی بہت لکھی ہے۔ سچ کہو کون سی فوج میں تھے اور کیا کیا کام کیا۔ عرض کی کہ بادشاہوں کے حضور میں سچ بھی
ڈرتے ڈرتے کہا جاتا ہے۔ فدوی جھوٹ کیونکر عرض کر سکتا ہے۔" چنانچہ سب واقعی حالات عرض کئے۔ پوچھا جنگی لباس میں تھے یا ننگے ہی رہے۔ عرض کی
زرہ بکتر تھا۔" فرمایا کہاں سے مل گیا۔ عرض کی سید عبداللہ خاں سے۔" جواب پسند آیا۔ سید تو دہ گنج میں سے ایک لپ بھر کر انعام فرمائی۔" پوچھا تو
اشرفیاں تھیں۔"

شیخ عبدالنبی صدر کی تدبیر منظور ہوئی بادشاہ کی نظر میں

پھر پوچھا کہ شیخ عبدالنبی سے مل لئے۔ عرض کی گرد راہ سے دربار میں پہنچا ہوں۔"
اور ملا صاحب کے قدر... شیخ کو اپنی... بادشاہ کا ... کیونکر مل سکتا تھا۔ ایک دو شالہ خود ... دیا کہ یہ لیتے جاؤ۔ شیخ سے ملو اور کہو کہ
راستہ اور ... ہم ... سے تمہاری ... سے فرمائش کی تھی ... پیغام پہنچایا۔ شیخ خوش ہوئے۔ پوچھا کہ رخصت

کے وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ بعضوں کا آمنا سامنا ہو تو دعا سے یاد کرتا ہوں۔ اسنے کہا۔ کُل مسلمانوں کے حق میں جو دعا ہے وہ پڑھی تھی۔ کہا کہ یہ کافی ہے" اللہ اللہ یہ وہی شیخ عبدالنبی ہیں" آخر حال میں اِس بدحالی کے ساتھ دُنیا سے گئے کہ خدا دُشمن کو بھی نہ دکھائے" چاہیے کہ سب کو عبرت ہو جائے"

مُلّا صاحب کی دینداری فقط بہانہ تھا

ص۲۴۵ پر ہے کہ "دربار اور اہلِ دربار کے حالات تم نے دیکھ لیے" عالم بدل گیا۔ اور حریف نئی دُنیا کے لوگ تھے" اور مُلّا صاحب کی طبیعت ایسی واقع ہوئی تھی کہ کسی سے میل دکھاتی تھی" دینداری فقط بہانہ تھا" اور اس میں بھی شک نہیں کہ "ابوالفضل و فیضی ان کے ہمدرس و ہم سبق جس طرح اعلیٰ مراتب فضل و کمال میں تھے۔ اُسی طرح مراتب جاہ و جلال میں اڑے جاتے تھے" اور اکثر اہلِ علم جو کتابی استعداد میں مُلّا صاحب کے ہم پلّہ بلکہ اُن سے کم تھے۔ وہ زمانے کے موافق رفتار کر کے بہت آگے بڑھ گئے تھے" اس لئے بھی ان کا جی چھوٹ گیا تھا۔ اور ہمت قاصر ہو گئی تھی" حق پوچھو تو یہ اسی کام کے تھے" جس میں جوہر شناس بادشاہ نے رکھا۔ اور یہ اسے کرتے رہے" اور اُسی میں مر گئے"

مُلّا صاحب کا عشق ایک لونڈی سے

ص۲۴۴ تا ۲۴۹ پر ہے کہ "لکھتے ہیں" مُظہری نام ایک لونڈی تھی کہ جس میں ظہور قدرت کا نمونہ تھا۔ میں اس پر عاشق ہو گیا" اِس کے عشق نے ایسی آزادی اور وارستگی طبیعت میں پیدا کی کہ سال بھر "ایسا دور" میں پڑا رہا اور عجیب عجیب عالم دل پر گذرے" ۹۸۹ھ میں برس دن کی غیر حاضری کے بعد "فتحپور" میں جا کر ملازمت حاصل کی۔ اِن دنوں سفر کابل سے پھر کر آئے تھے" شیخ ابوالفضل سے پوچھا۔ اِس سفر میں یہ کیونکر رہ گیا تھا۔ عرض کی کہ یہ تو مدد معاشیوں میں ہے۔ بات ٹل گئی۔

کابل کے پاس ہی "صدرِ جہاں" سے کہا تھا۔ کہ جو لوگ اہلِ سعادت سے ساتھ ہیں یا رہ گئے ہیں۔ دونوں کی فہرست پیش کرو" خواجہ نظام الدین احمد مرحوم "مصنف تاریخ نظامی" سے نئی نئی شناسائی ہوئی تھی۔ مگر ایسی ہوئی تھی کہ گویا سیکڑوں برس کی محبت تھی" دل سوزی اور اُلفت طبعی سے کہ سب پر عام اور مجھ پر خاص تھی" بیمار لکھوا دیا تھا کیونکہ خدا کے ساتھ معاملہ آسان ہے۔ بندوں کا ڈر اور اُس سے بڑا سخت مرض ہے" بعد مفارقت میں" خواجہ مذکور نے مجھ پر خط لکھے کہ دیر بہت ہوئی ہے" کم سے کم "لاہور" "دلّی" "متھرا" جہاں تک ہو سکے استقبال میں کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ دُنیا کی رسم ہے اور احتیاط شرط ہے"

مُلّا صاحب کا روزہ توڑ ڈالنا

"منتخب التواریخ مترجمہ مولوی احتشام الدین مراد آبادی مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۸۸۹ء" کے ص۲۷ میں خود مُلّا صاحب نے لکھا ہے کہ "اُس روز لڑتے لڑتے سپاہی ایسے تھک گئے کہ ہاتھ ہلانے کی طاقت نہیں رہی تھی" بعضے لوگوں نے اُس حال میں روزہ نہیں توڑا" جب میں بے طاقت ہو گیا تو میں نے ایک گھونٹ پانی سے اپنا حلق تر کیا" مُلّا صاحب کے خود کے تحریر کردہ اس بیان کے بعد ہمیں یہ اُمر بتا دینا ہے کہ مُلّا صاحب لڑائی میں شریک نہ تھے اور جہاد کے ثواب سے دُور ہی رہنا پسند کرتے تھے" سپاہیوں نے تو لڑائی لڑتے ہوئے بھی روزہ نہ توڑا" بے طاقت ہو جانے پر بھی نہ توڑا" مگر مُلّا صاحب بیٹھے ہی بیٹھے بے طاقت ہو گئے اور انہیں اپنا روزہ توڑ ڈالنا پڑا"

مُلّا احمد ٹھٹوی کے متعلق مُلّا صاحب کی فضیحت اور تخشن گوئی

ص۲۴۹ پر ہے کہ "روضۃ الاحباب اور تاریخ کی کتابیں خزانے سے منگا کر نقیب خاں کو دیں کہ تحقیق کرو۔ اُس نے جو کچھ تھا وہ کہہ دیا۔ خدا کی عنایت کہ ان بیجا گرفتوں سے مخلصی ہوئی" چھتیسویں سال سے "مُلّا احمد ٹھٹھوی" کو حکم ہوا کہ تم تمام کرو۔ یہ حکم "حکیم ابوالفتح کی سفارش سے ہوا" مُلّا احمد "متعصب شیعہ تھا۔ جو چاہا سو لکھا۔ اُس نے چنگیز خاں کے زمانے تک دو جلدیں تمام کیں"

"میرزا فولاد برلاس" اُس کے گھر آیا اور کہا" حضور نے یاد کیا ہے" وہ گھر سے نکل ساتھ ہوا۔ راستے میں مار ڈالا اور خود بھی سزا کو پہنچا"

آزاد "افسوس انہوں نے "مُلّا احمد" مظلوم کے باب میں جو "فحش اور فضیحت کی نجاست اُچھالی ہے" لاحول ولا قوۃ" "قلم تحریر اپنے شرم کے سر نہیں اُٹھاتا" اور مجھے "قانون تہذیب" "اجازت نہیں دیتا کہ دامن ورق کو اُس کی نقل سے نجس کروں" "میں شیعہ بھائیوں کی بدزبانی پر خون جگر کھاتا تھا" اس سُنّی بھائی نے "دل جلا کر خاک کر دیا"

بادشاہ کی صاف تیں، مُلّا صاحب کو

ص۲۵۰ پر ہے کہ "تیسری رات فقیر کو بلا کر فرمایا "نقیب خاں" کے ساتھ شامل ہو کر لکھا کرو" تین چار مہینے تک اٹھارہ میں سے دو پرب (فن) میں نے لکھے" اِس پر سناتے وقت کہا کیا اعتراض نہ سمجھے "حرام خور" اور "شلغم خورہ" کیا تھا۔ وہ یہ ہی اِشارے تھے۔ گویا میرا حصہ اِن کتابوں میں یہ تھا" سچ ہے قسمت کا لکھا ضرور پورا ہوتا ہے"

ملا صاحب کی وفات و مدفن | صہ ۱۱۶ پر ہے کہ "اسی ۱۰۰۴ ہجری میں ماہ صفر کو "شیخ فیضی" نے بھی انتقال کیا۔ ان کے مرنے کا حال بہت خرابی کے ساتھ لکھ کر کہتے ہیں کہ چند ہی روز میں "حکیم ہمام" بھی دنیا سے گئے۔ دوسرے ہی دن "کمال الدین صدر" بھی۔ دونوں کے گھروں پر اسی وقت شاہی پہرے بیٹھ گئے۔ ان کے مُردے کفن کے چیتھڑے کو محتاج تھے" یہاں تاریخ کو ختم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ حال تھے ان بعض اجزا کے جن جزوں سے زمانہ مرکب تھا۔ کہ صفر ۱۰۰۴ ہجری مطابق سال چہلم جلوس بسبیل اجمال مجھ شکستہ دل کے قلم سے مرقوم ہوا" افسوس یہ ہے کہ اسی سال میں کتاب تمام کی اور اسی سال کے اخیر میں خود بھی تمام ہو گئے" ستاون سال کی عمر تھی۔ "خوشگو" نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "باغ انبہ واقع عطاپور" نواح بداؤن "میں دفن ہوئے"

سید فرید بخشی کی خدمت نسبی | صہ ۱۰۱ پر ہے کہ "ملا صاحب" نے لکھا ہے "جہانگیر" بہت ہراساں تھا" چنانچہ جب اکبر کی حالت غیر ہوئی تو اس کے اشارے سے قلعہ سے نکلکر ایک مکان محفوظ میں جا بیٹھا" وہاں "شیخ فرید بخشی" وغیرہ پہنچے اور شیخ اپنے مکان میں لے گیا" اس نے اکثر معرکوں میں مردانگی دکھا کر "جہانگیر" سے "مرتضیٰ خان" کا خطاب حاصل کیا" اکبر کے عہد میں بڑی جانفشانی اور نمک حلالی سے خدمتیں بجا لاتا رہا۔ یہاں تک کہ بخشی گری کے منصب تک پہنچا تھا" "سید صحیح النسب" تھا کہتا تھا کہ میں "رضوی سید" ہوں۔ مگر حقیقت میں "نقوی سید" تھا۔ "حضرت جعفر تواب" کی اولاد تھا جنہیں اکثر مصنف "جعفر کذاب" کہتے ہیں"

محمد شریف و محمد نفیس چوکی نویس | صہ ۱۲۳ پر ہے کہ "اسی عہد میں چوکی نویسی کا آئین مقرر ہوا تھا" چند معتبر منصبدار تھے کہ باری باری سے حاضر ہوتے تھے روز مرہ ساعت بساعت کے احکام لکھتے رہتے تھے۔ وہ چوکی نویس کہلاتے تھے" امیر" منصبدار" احدی" جو خدمت پر حاضر ہوتے تھے۔ ان کی یہ حاضری لکھتے تھے۔ جو سندیں اور چٹھیاں" ان کی تنخواہوں کی خزانہ پر ہوتی تھیں۔ انہیں کی تصدیق سے ہوتی تھیں۔ "محمد شریف" اور "محمد نفیس" بھی انہیں میں تھے" ان کی لیاقت بھی بہت خوب تھی" اور اکبر کی بھی نظر عنایت تھی۔ اس واسطے حاضر بھی زیادہ رہتے تھے"

"محمد شریف" "شیخ ابوالفضل" کے جلسے کے بھی یار تھے۔ انشائے ابوالفضل کے دفتر دوم میں کئی خط ان کے نام ہیں" اور میاں "سنگھ وغیرہ امراء کے خطوط میں ان کی سفارش بھی ہے" پھر تو ملا صاحب کو ان پر خفا ہونا واجب ہوا" چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ان کے باب میں کسی نے شعر بھی کہا ہوا ہے ~

دو چوکی نویس اند ہر دو کثیف
یکے نانفیس و دگر ناشریف

شیخ عبدالنبی صدر کی ہجو | شیخ موصوف کا اجمالی حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور اس میں آپ کی وفات کے واقعہ کو دکھا چکے ہیں۔ دربار اکبری کے صہ ۳۲۲ پر ہے کہ "ملا صاحب کس قدر خفا تھے۔ اس مرحوم کا دم نکل گیا اور ان کا غصہ نکل سکا ترحم و مغفرت تو در کنار" فرماتے ہیں "رشتہ اورا خفہ کردند، و بحق واصل شد" در روز دیگر درمیان منارہ ہائی نزدیکہ افتادہ بود"

و "شیخ کبنی" "رکنیت" "بھنی بھنگ" (تاریخ یافتند) "یہ شعر اکثر اشخاص ان کی شان میں پڑھا کرتے تھے" ~

گرچہ الشیخ کا لنبی گفتند
کا لنبی نیست شیخ ما کبنی ست

اور "بحق واصل شد" کے لفظ کو دیکھو۔ اس میں کیا کام کر گئے ہیں۔ چاہو سمجھ لو "کہ ذات حق کے ساتھ واصل ہو گئے" چاہو یہ کہو کہ "امر حق کو پہنچ گئے" (معتمد خاں نے اقبال نامہ میں صاف لکھا ہے کہ "ابوالفضل نے بادشاہ کے اشارے سے مروا ڈالا")

"ملائے بداؤنی کے" "ارباب اقتدار سے حسد اور کینہ توزی کے" "چند مزید ثبوت" "ان کے حالات اور تاریخ ہائے وفات میں"

تاریخ برترقی خواجہ مظفر علی تربتی | "در سنہ احدی و سبعین و تسعمائۃ۔ (۹۷۱ ہجری) خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی" یافتہ وکیل کل شد"

و "ظالم" تاریخ یافتند" صہ ۶۵

۹۷۱ ہجری میں خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی" پاکر وکیل کل ہوا" اور ظالم تاریخ نکلی ہے"

(و ظالم تاریخ یافتند)

والپسیں ایں رباعی گفت کہ ؎

عرفی دم نزع است و ہماں مستیٔ تو — آخر بچہ مایہ بار بربستیٔ تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف — جویائے متاع است و تہی دستیٔ تو

و چوں بہ استادان متقدمین و متاخرین۔ خیلے سخنان بے ادبانہ گفتہ
ایں تاریخ یافتہ شد۔ ع "گفت عرفیؔ جوانا مرگ شدی" و دیگرے "دشمن خدا"

تاریخ وفات "قاضی علی بغدادی" "دیوان کشمیر"

"قاضی علی بغدادی" کہ دشمن ائمہ را کہ منصب دیوانی "کشمیر" داشت و حساب ہائے دور از کار و دقت ہائے نامعقول درمیان آوردہ۔ ہم سپاہی و ہم رعیت را بجان آزردہ بود۔ گوش و بینی بریدہ و قلم بربنا گوش نہادہ گردانیدند۔ و ایں تاریخ یافتہ شد ؎

چونکہ قاضی علی بغدادی — حسرت یادگار با خود برد
خامہ منشیٔ قضا بنوشت — سال تاریخ او کہ "موذی مرد"

راجہ رائے سنگھ کو ملا صاحب کا خطاب

چوں "برہان الملک" (بادشاہ احمد نگر دکن) پیش کش خاطر خواہ نفرستادہ بود۔ بتاریخ یکم ولست محرم سنہ ۱۰۰۸ ہجری "شاہزادہ دانیال" را بوکالت "خان خاناں" و "رائے سنگھ" کہ او را "رائے سگ" تواں گفت و دیگر امرا را با ہفتاد ہزار رقمی بہ ایں خدمت نامزد ساختند۔ صفحہ ۳۸۹

تاریخ وفات شیخ فیضی

"شیخ فیضی" در سنہ ۱۰۰۴ ہجری فوت شدہ۔ وہر آئینہ در مذہب بدبختی و مذمت دین و طعن حضرت ختم المرسلین صلعم ایں پا ہنوز کم بود۔ و تواریخ گوناگوں مذلت آمیز بسیار یافتند۔ بیت

فیضیٔ بیدین چو مرد سال فاتش فصیح — گفت سگے از جہاں رفتہ بحال قبیح

"عرفی دم نزع است و ہماں مستیٔ تو — آخر بچہ مایہ بار بربستیٔ تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف — جویائے متاع است و تہی دستیٔ تو

اور کیونکہ استادوں متقدمین و متاخرین کے متعلق بے ادبی کی باتیں بہت کہتا تھا" اس لئے یہ تاریخ نکالی "ع

"گفت عرفیؔ جوانا مرگ شدی" اور دوسری "دشمن خدا"

قاضی علی بغدادی جو ائمہ کا دشمن تھا اور منصب دیوانی کشمیر کا رکھتا تھا۔ اور حساب ہائے دور از کار اور دقتیں نامعقول درمیان میں لاکر" سپاہیوں اور رعیت کو اس نے جان سے بیزار کر دیا" جس کی وجہ سے انہوں نے اس کے ناک کان کاٹ کر اور قلم کان کے کنارے پر رکھ کر اسے پھرایا" اس کی یہ تاریخ نکالی" ؎

چونکہ قاضی علی بغدادی — حسرت یادگار با خود برد
خامہ منشی قضا بنوشت — سال تاریخ او کہ "موذی مرد"

(قاضی علی" ملا حسین کے پوتے اور صدر کے عہدے پر مقرر تھے)

کیونکہ "برہان الملک" (بادشاہ احمد نگر دکن) نے خاطر خواہ پیش کش نہیں بھیجی تھی" ۱ محرم سنہ ۱۰۰۸ ہجری کو شاہزادہ دانیال کو دکالت سے خان خاناں اور رائے سنگھ کو جسے رائے سگ (کتا) کہہ سکتے ہیں اور دوسرے امیر ستر ہزار سپاہ با قاعدہ کے ساتھ اس خدمت پر مقرر کئے گئے"

شیخ فیضی کا سنہ ۱۰۰۴ ہجری میں انتقال ہوا۔ ملا صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ ہر آئینہ مذہب بدبختی میں اور مذمت دین اسلام اور طعن کرنے میں حضرت ختم المرسلین صلعم پر کم نہیں تھا۔ اس لئے تاریخیں طرح طرح کی مذلت آمیز بہت سی نکالیں" ؎

نوٹ ۱؎ میرزا یوسف خاں رضوی" اپنے بھتیجے یادگار گل" کو کشمیر میں اپنا نائب چھوڑ کر جو ملیبہ میں شوال سنہ ۱۰۰۰ھ کو ملازمت میں حاضر ہوا" اکبر" نے "قلیچ خاں" کو لاہور کے انتظام کے لئے چھوڑا۔ اور عین بارش میں وہاں سے کوچ کر کے "راوی ندی" سے اترا۔ پھر لشکر کو بڑے شاہزادے کے ساتھ کر کے خود شکار کھیلتا ہوا "چناب ندی" کے کنارے پہنچا۔ وہاں یہ خبر آئی کہ "یادگار گل" "حسین بیگ" "شیخ عمری بدخشی" سے جو کشمیر" کا خراج گذار تحصیلدار تھا۔ مقابلہ کر کے غالب آیا" اور اس نے "قاضی علی بغدادی" کو جو وہاں کی دیوانی کا منصب رکھتا تھا لیکن سارے سنانی داروں کا دشمن تھا۔ اور بڑے بڑے سخت محاسبے پیش کر کے تمام رعایا اور فوج کو اس نے جان سے تنگ کیا تھا۔ ناک کان کاٹ کر بڑی رسوائی سے قتل کیا" (اردو ترجمہ منتخب التواریخ صفحہ ۳۸۳ مترجمہ مولوی احتشام الدین مراد آبادی بار دوم (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ در سنہ ۱۸۸۹ء)

(نوٹ) یہ یادگار گل" شیخ گدائی" کے ایک قریبی عزیز" نواب شہباز خاں کنبوہ بخشی و گورنر سپہ سالار" کے ہاتھوں قتل کیا گیا"

و دیگر گفتہ ؎
سالِ تاریخ فیضیٔ مُردار   شُد مقرر بہ چار مذہب نار
و دیگرے یافتہ ؎
فیضیٔ نحس دشمن نبوی   رفت با خویش داغ لعنت برد
سگ کے بُود و دوزخی زاں شد   سالِ فوتش چہ سگ پرستی مُرد
و علیٰ ہذا القیاس "قاعدۂ الحاد شکست"
و از دیگرے ست "بُود فیضی ملحدے" ایضاً ؎
چوں بہ ناچار رفت شُد ناچار   سالِ تاریخ خالد فی النار
وے فلسفی و شیعی و طبیعی و دہری   (رطب)
(منتخب التواریخ جلد سوم مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء منتخب التواریخ جلد دوم ...)

فیضیٔ بیدین چو مُرد سالِ فاتش قبیح   گفت سگے از جہان رفتہ بحالِ قبیح
اور دوسری کہی ؎
سالِ تاریخ فیضیٔ مُردار   شُد مقرر بہ چار مذہب نار
اور دوسری نکالی ؎
فیضیٔ نحس دشمن نبوی   رفت با خویش داغ لعنت برد
سگ کے بود و دوزخی زاں شد   سالِ فوتش چہ سگ پرستی مُرد
اور علیٰ ہذا القیاس "قاعدۂ الحاد شکست"
اور دوسری ہے "بُود فیضی ملحدے" ایضاً
چوں بہ ناچار رفت شُد ناچار   سالِ تاریخ خالد فی النار
وے فلسفی و شیعی و طبیعی و دہری

فیضی کی لاش پر مُلا صاحب کی بمباری اور اس پر صاحب دربارِ اکبری کا محاکمہ

صفحہ ۳۶۲:۔ ۹۹۰ھ ہجری میں "آگرہ" "کالپی" "کالنجر" کی تحقیقات معافی کے لئے صدالصدور کی مسند پر بیٹھے۔

صفحہ ۳۶۶:۔ دس صفر ۱۰۰۴ھ ہجری تھی جو فضل و کمال کے گھر سے نالہ و ماتم کا شور اٹھا۔

صفحہ ۳۶۶ تا ۳۶۷ و ۳۶۸ مرنے کا وقت ایسا نازک ہوتا ہے کہ ہر شخص کا دل پگھل جاتا ہے۔ مگر حق تو یہ ہے کہ مُلا صاحب بڑے بہادر ہیں۔ دیکھو اس کے مرنے کی حالت کو کس طرح بیان کرتے ہیں۔ میں با احتیاط ترجمہ کرتا ہوں۔ محاورہ میں فرق رہ جائے تو اہلِ ذوق معاف فرمائیں۔ دس صفر کو ملک الشعراء فیضی اس عالم سے گذر گیا۔ چھ مہینہ تک ایسے مرضوں کی شدت اٹھائی کہ ضد ایک دوسرے کے تھے۔ ضیق النفس۔ استسقا۔ اور ہاتھ پاؤں کا ورم۔ خونی قے نے طول کھینچا۔ مسلمانوں کے جلانے کو کتوں سے کھلا رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جانکندنی کی سختی میں بھی کتے کی آواز نکلتی تھی۔ ایجاد شرائع اور دین اسلام کے انکار میں بڑا تعصب رکھتا تھا۔ اس لئے اس وقت بھی دین کے مقدمے میں ایک متقی پرہیزگار صاحب علم سے لایعنی بیہودہ کفر کی باتیں کہتا تھا کہ اس کے عادت میں داخل تھیں (شاید اس سے اپنی ذات بابرکات مراد ہے) پہلے بھی ان باتوں پر اصرار کرتا تھا۔ اس وقت بھی کہتا رہا یہاں تک کہ اپنے ٹھکانے کو پہنچا۔

تاریخ "وے فلسفی و شیعی و طبیعی و دہری" ایک اور ہوئی "قاعدۂ الحاد شکست" اوائل میں تخلص مشہور سے شعر کہے۔ آخر میں چھوٹے بھائی کے خطاب کی مناسبت سے اس کو علامی لکھتے ہیں۔ شان بڑھانے کو فیاضی اختیار کیا مگر مبارک نہ ہوا۔ ایک دو مہینے میں رخت ہستی باندھ کر گٹھڑی کے گٹھڑ حسرت ہمراہ لے گیا۔ سفاہت اور سفلہ پن کا مجموعہ۔ غرور اور کینہ کا مخزن۔ نفاق۔ خباثت۔ ریا۔ حبِّ جاہ و نمود اور شیخی کا مجموعہ تھا۔ اہلِ اسلام کے عناد و عداوت کی وادی میں اور اصل اصول دین کے طعن میں صحابہ کرام اور تابعین کی مذمت میں اور اگلے پچھلے متقدمین متاخرین کے باب میں کہ مرگئے اور زندہ ہیں سب بے اعتبار اور بیہودہ طرح کی بے ادبی کرتا تھا۔ سارے علماء و صلحاء و فضلاء کے باب میں خفیہ اور ظاہر ؟؟ اور رات دن یہی حال تھا۔ کل یہود و نصاریٰ۔ ہنود اور مجوسی اس سے ہزار درجہ بہتر۔ چہ جائے فلاسفہ اور صابیہ۔ تمام حرام چیزوں کو دین محمدی کی ضد سے مباح جانتا تھا اور فرائض کو حرام۔ جو بدنامی سو دریاؤں سے نہ دھوئی جائے گی۔ اس کے دھونے کو تفسیر بے نقط عین حالت مستی اور جنابت میں لکھا کرتا تھا۔ کتے ادھر اُدھر پامال کرتے پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی انکار اور گھمنڈ کے ساتھ اصلی قرارگاہ کو بھاگ گیا اور ایسی حالت سے گیا کہ خدا دکھائے نہ سنائے۔ جس وقت بادشاہ عیادت کو گئے تو کتے کی آواز سنی۔ ان کے سامنے بھونکا اور یہ بات حضور پرنور بار بار بیان فرمائی۔ منہ سوج گیا تھا ہونٹ سیاہ ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ شیخ ابوالفضل سے پوچھا کہ اتنی سیاہی ہونٹوں پر کیسی ہے۔ شیخ نے مسی ملی ہے۔ اس نے کہا خون کا اثر ہے قے کرتے کرتے سیاہ ہوگئے ہیں۔ بلکہ جو ذلت اور طعن حضرت ختم المرسلین کی شان میں کرتا تھا اس کے مقابلے میں یہ باتیں پھر بھی بہت کم تھیں۔ رنگ رنگ کی تاریخیں مذمت آمیز لوگوں نے نکالیں مُلا صاحب یہاں بھی تاریخیں موذی الفاظ میں لکھ کر پھر اس کی روح کو ایذا دیتے ہیں۔

گل افشانی بروفات حکیم ہمام وغیرہ

برادر خورد "حکیم ابوالفتح" در اخلاق بہتر از برادر بود" اگرچہ خیر بالذات نبود۔ شر ہم نبود" "حکیم حسن" و "شیخ فیضی" و "کمالائے صدر" و "حکیم ہمام" بہ ترتیب یک ماہ از عالم درگذشتند" و آں ہمہ اموال جمع کردۂ ایشان۔ درساعت بجائے خویش "در دریائے قلزم و عمان" رفت و بدست ایں ہا جز یاد حسرت نماند۔ اگرچہ ایں نسبت بہ جمیع مقربان "اموات و حیات از امور عامہ بود و رست" کہ باعزاز "قارونی" و "شدادی" از کفن ہم محروم روند" و "رنج مظلمہ" و بار خسران ابدی" و بدنامی جاویدان۔ بر عنق منکسرۂ خود۔ مے برند"

حکیم" در لاہور" رحلت نمود۔ بعد از اں بمقام "حسن ابدال" نقل نمودہ" بپہلوئے برادرش دفن کردند" (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۱۹۸)

حکیم ابوالفتح کا چھوٹا بھائی اپنے بھائی سے اخلاق میں بہتر تھا" اگرچہ خیر بالذات نہ تھا" شر بھی نہ تھا" "حکیم حسن" اور "شیخ فیضی" اور "کمالائے صدر" اور "حکیم ہمام" اسی ترتیب سے ایک مہینہ کے اندر دنیا سے گذر گئے" اور اُن کا جمع کیا ہوا تمام مال ایک گھڑی میں بجائے خویش دریائے قلزم اور عمان میں چلا گیا" اور اس میں سے اُن کے ہاتھوں میں سوائے یاد حسرت کے کچھ نہ رہا۔ اگرچہ یہ تمام مقربوں کی نسبت سے اموات و حیات از امور عامہ تھے مگر قارونی و شدادی خزانوں کے ساتھ بھی کفن سے محروم گئے" اور رنج مظلمہ اور بوجھ خسران ابدی اور دونوں جہان کی بدنامی اپنی شکستہ حالی پر لیکر چلے گئے"

حکیم نے لاہور میں رحلت کی" اس کے بعد آپ کی نعش کو حسن ابدال لے گئے اور اس کے بھائی کے برابر دفن کر دیا"

خواجہ امینا پر چوٹ

دربار اکبری کے ص ۷۲۲ و ۷۲۳ پر تحریر ہے کہ "خواجہ امین الدین ترتی" "خواجہ امینا" مشہور تھے" تربت علمائے خراسان کے رہنے والے تھے۔ چند روز اکبر کی بخشی گری سے اعزاز پایا" "بیرام خاں" کے معتمدان خاص میں تھے" یہ وہی ہیں کہ جب اُس کا (بیرام خاں کا) زوال ہوا تو دو امیروں کے ساتھ اُنھیں دربار میں عرض معروض کرنے کے لئے بھیجا تھا" دربار کے فتنہ انگیزوں نے انھیں بھی قید کر دیا" پھر قید سے نکلے اور بڑھتے بڑھتے "وکیل مطلق" کے رتبہ کو پہنچے"

"ملا صاحب" لکھتے ہیں کہ "بجلی میں شہرۂ عالم تھا" رات کا کھانا کھا چکا تو ڈکار رکھتا تھا صبح کو باسی کھانا تھا" [illegible] ہجری میں "ملا صاحب" کیا مزے سے کہتے ہیں "خواجہ امینا" وزیر مستقل" جس کا خطاب "خواجہ جہاں" تھا۔ [illegible] لکھنؤ میں مر گیا" اور بےشمار دولت چھوڑ گیا" سب خزانہ میں داخل"

خواجہ شاہ منصور" کے مظلوم مارے جانے پر ملا صاحب کی خوشی

دربار اکبری کے ص ۷۲۳ و ۷۲۴ پر "خواجہ شاہ منصور" کے حالات میں تحریر ہے کہ "۹۸۳ و ۹۸۴ ہجری میں یہ دیوان کل ہو گئے تھے اور امور ملکی میں راجہ ٹوڈرمل کے شریک حال ہو کر کام کرنے لگے" اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے مزاج میں "دقت" "جزرسی" "کفایت اندوزی" اور سخت گیری بشدت تھی" امراء سے [illegible] حساب میں ایسے پیچ مارتے تھے کہ کتاب کے شکنجہ میں کس دیتے تھے"

ٹوڈرمل کو ان سے چشمک تھی" وہ بنگالہ کی مہم میں شریک تھے" ٹوڈرمل کی رپورٹ پر بادشاہ نے خواجہ کی [illegible] دیوانی [illegible] کر دیا" لیکن خواجہ کی محنت و دلسوزی نقش دل ہو چکی تھی چند روز بعد پھر وزارت کا خلعت مل گیا۔ پھر "مرزا حکیم" اکبر کا بھائی [illegible] تک آ گیا" اکبر نے فوج بھیجی اور خود پانی پت پہنچا تھا کہ مرزا حکیم بھاگ گیا" خواجہ [illegible] مدت سے خواجہ سے جلے ہوئے تھے" انہوں نے "مرزا حکیم" کا فرمان اور اس کے امراء کی طرف سے [illegible] نام پر پیش کئے" موقع ایسا تھا کہ اکبر کو بھی یقین آ گیا [illegible] نے ثواب اور ہندوؤں نے پن کیا" نواح بنگالہ [illegible] کوٹ پر بے جرم و بے خطا [illegible] "شیخ ابوالفضل" [illegible] جانچ کر بات کہنے والا" نکتہ فہم" خوردہ گیر" کاروبار کا بوجھ سنبھالنے والا" فصیح بیان" خوش کلام" خوش وضع" خوش انداز" [illegible]

اکبر نے جعل کا حال معلوم ہوتے پر اُن کے لئے بہت افسوس کیا" کہا کرتا تھا کہ جس دن سے خواجہ مرا تمام حساب [illegible] برہم ہو رہے ہیں اور [illegible] کا سر رشتہ ٹوٹ گیا" خواجہ نے ہزاری منصب تک پہنچ کر استقلال و استحقاق سے چار برس وزارت کی"

ملا صاحب خطوں کی گرفتاری کا حال کس خوبصورتی سے لکھتے ہیں ۔ صبح کو بخدمت رائے سے فرمایا۔ اُس نے منزل کچھ کوٹ میں پھانسی سے لٹکایا۔ اور ”خدائی کا مظلمہ گلے کا پٹہ رہا کہ قیامت تک لٹکا کرے گا“

برترقی ہجو خواجہ مظفر علی تربتی وکیل کل

و در سنہ احدی و سبعین و تسعمایۃ (۹۷۱ھ ہجری) خواجہ مظفر علی تربتی ”خطاب خانی یافتہ“ وکیل کل شد ”ظالم“ تاریخ یافتند ”و درمیان راجہ“ و ”آو“ ہر روز مناقشہ ”ہر کلی و جزوی بود۔ و ظریفے آں بیت راکہ ؎

سگ کاشی بہ از خراسانی گرچہ صد بار سگ ز کاشی بہ

چنانچہ تضمین کردکہ ؎ سگ راجہ بہ از مظفر خاں

گرچہ صد بار سگ ز راجہ بہ

ہجو مہر راجہ ٹوڈرمل

و ہجو مہر راجہ“ راچنیں یافتہ کہ ؎

آنکہ شد کار ہند از و مختل راجہ راجہاست ٹوڈرمل (۹۷۲ھ)

میر معز الملک اور ان کے تمام اہل وطن پر تبصرہ

میر معز الملک“ از آنجا کہ ہمیشہ دم از انا و لا غیری“ میزد و فرعونیت و شدادیت کہ ”ملک موروثی“ سادات مشہدی“ آمدہ و ازیں جا گفتہ اند ؎

اہل مشہد“ بجز امام شما“ لعنۃ اللہ بر تمام شما

و دیگرے میگوید کہ ؎

رو سگے زمین گرچہ ز مردم خوش است مشہدی از روئے زمین گم خوش است

گل افشانی بہ برائے شریف آملی

و از جملہ سوانح ایں ایام ذی الحجہ ۹۸۲ھ ہجری آمدن شریف آملی“ است۔ و دیدن او شاہنشاہ را در منزل ”دیپالپور“ مجمل آنکہ“ ایں مردود“ مطرود“ مانند سگ سوختہ پا“ از دیارے بہ دیارے گشتہ“ و از مذہبی بہ مذہبی انتقال نمودہ“ بعد جدل زدہ تا کارش بر الحاد“ قرار یافت۔ و چندگاہ بہ روش متصوفہ مبطل بیجا“ در ”خانقاہ“ ”مولانا محمد زاہد“ نبیرہ مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی رحمۃ اللہ آمدہ“ با درویشان بسر مے برد۔ و چوں مناسبت ذاتی بہ درویشی نداشت و ہرزہ گوئی فراخ“ و شطحیات بے مزہ“ بنیاد کردہ پریشان میگفت“ از آنجا اخراج کردند۔ و مولوی بیتے چند“ درشان او فرمودہ۔ و از انجملہ است ایں کہ ؎

رست یک ملحدے شریف بنام

نا تمامی بطور خویش تمام (۲۲۶-۲۲۳ھ)

ملا صاحب نے ”شریف آملی“ کے لئے اس کے آگے خود اپنے یہ شعر لکھے ہیں ؎

تو مے نز ظاہر نہ باطن آگاہ انگہ ز جہالت بہ بطالت گمراہ

مستغرق کفر ند وحقیقت گویند لا حول و لا قوۃ الا باللہ

۹۷۱ھ ہجری میں خواجہ مظفر علی تربتی ”خطاب خانی“ پاکر وکیل کل ہوا۔ ”ظالم“ تاریخ نکالی۔ راجہ (ٹوڈرمل) اور اُس کے درمیان ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں جھگڑا رہتا تھا۔ اور ایک ظریف نے اس بیت کو کہ ؎

سگ کاشی بہ از خراسانی

گرچہ صد بار سگ ز کاشی بہ

اِس طرح تضمین کیا کہ ؎ سگ راجہ بہ از مظفر خاں

گرچہ صد بار سگ ز راجہ بہ

اور راجہ کی تہر کا سجع اِس طرح نکالا کہ ؎

آنکہ شد کار ہند از و مختل راجہ راجہاست ٹوڈرمل

میر معز الملک جو ”دم از انا و لا غیری“ مارتا تھا۔ اور کیونکہ فرعونیت و شدادیت“ ملک موروثی سادات مشہدی کی ہے۔ اِس موقع پر کہا ہے۔ کہ ؎

اہل مشہد بجز امام شما

لعنۃ اللہ بر تمام شما

اور دوسرا کہتا ہے کہ ؎

روئے زمیں گرچہ ز مردم خوش است مشہدی از روئے زمین گم خوش است

اور منجملہ سوانح ان ایام ذی الحجہ ۹۸۲ھ ہجری سے شریف آملی کا آنا ہے“ شہنشاہ کی منزل دیپالپور میں اُس کو دیکھا“ مختصر یہ ہے کہ“ یہ مردود“ مطرود“ پاؤں جلے کتے کی طرح ملکوں ملکوں پھرا“ اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہوتا رہا“ بہت سی ردو بدل کے بعد آخر کار اُس نے الحاد کو پسند کیا“ اور تھوڑے دن صوفیوں کی روش سے باطل کنندہ روشنی پر بیں“ مخدوم اعظم شیخ حسین خوارزمی رحمۃ اللہ کے پوتے کی خانقاہ میں آکر درویشوں کے ساتھ اُس نے بسر کی“ اور کیونکہ ذاتی مناسبت درویشی سے نہیں رکھتا تھا۔ اور بہت بیہودہ گوئی اور مخالف شریعت پریشان باتیں کرتا تھا۔ اِس لئے اُسے وہاں سے نکال دیا۔ اور مولوی نے چند بیتیں اُس کی شان میں کہیں ہیں۔ جن کے منجملہ یہ ہے کہ ؎ رست یک ملحدے شریف بنام

نا تمامی بطور خویش تمام

اس کے آگے ملا صاحب نے شریف آملی کے لئے اپنے یہ شعر لکھے ہیں ؎

تو مے نز ظاہر نہ باطن آگاہ انگہ ز جہالت بہ بطالت گمراہ

مستغرق کفر ند وحقیقت گویند لا حول و لا قوۃ الا باللہ

ہجو شریف سرمدی چوکی نویس

ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "وبہ شریف سرمدی" کہ کسے در حق آں گفتہ ؎

دو چوکی نویسند ہر دو کیشت یکے نا نفیس و دگر نا شریف (صفحہ ۳۲۳)

شیخ محمد غوث گوالیاری سے ملا صاحب کے نہ ملنے کی وجہ

در زمانے کہ "جامع ایں منتخب (ملا صاحب) در آگرہ" بہ تحصیل علم رسمی اشتغال داشت "وشیخ" (محمد غوث گوالیاری) با کروفر تمام "وجاہے مالا کلام" در لباس فقر آمد۔ و غلغلہ او در زمین و زماں در گرفت "خواست کہ رفتہ ملازمت نماید" اما چوں شنید کہ "بہ تعظیم ہندوان" قیام میکند۔ دل ازاں ہوس برخاست و محروم ماند" (صفحہ ۳۹۳ و ۳۹۴)

شیخ محمد غوث کی صحت و تندرستی سے ملا صاحب کی پریشانی

اما روزے در بازار آگرہ "دید کہ سوارہ مے آید۔ و خلقے انبوہ۔ پیش و پس او را گرفتہ۔ و از برائے رد سلام خلایق و تواضع ایشاں۔ ہر طرف زمان زمان خم میشد۔ و فرصت راست نشستن در خانہ زین نداشت "و باوجود "ہشتاد سالگی "طراوتے عجیب" و سیمائے غریب "در بشرہ او ظاہر بود" (صفحہ ۴۲)

ملا صاحب کے تعصب پر شاہنشاہ اکبر کی تنقید خود ملا صاحب کے قلم سے

ونہم ماہ رجب ایں سال (۱۰۰۲ھ) "بہ تحویل نوروزی واقع شد۔ و مجلس آئین بندی بدستور سنوات سابق گذشت" و پیش از تحویل بہ دو روز در دیوان خانہ عام و خاص۔ از بالائے جھروکہ "بہ فقیر" (ملا صاحب) را پیش طلبیدند۔ و خطاب بہ شیخ (ابوالفضل) فرمودند کہ "ما فلانے را کہ عبارت از فقیر (ملا صاحب) باشد۔ جوانے فانی صوفی مشرب "خیال میکردیم" اما او خود "چناں فقیہ متعصب ظاہر شد" کہ ہیچ شمشیرے رگ گردن تعصب او را نتواند برید" شیخ ابوالفضل "پرسید کہ صاحب در کدام کتاب نوشتہ کہ حضرت "ایں چنیں فرمایند" فرمودند کہ دریں رزم نامہ کہ عبارت از "مہابھارت" باشد۔ و دوش بریں معنی "نقیب خاں بطور گواہ گرفتہ ام" "شیخ بعرض رسانید" کہ تقصیر کردہ است"

بضرورت پیشتر رفتہ معروض داشتم کہ بندہ مترجم بیش نیستم۔ ہرچہ دانایان ہندی "تعبیر کردہ اند۔ بے تفاوت ترجمہ نمودہ ام واگر از خود نوشتہ باشم تقصیرمن خواہد بود" و بدکردہ باشم "شیخ" ہمیں مدعا عرض کردہ "ناخوشش ماندند" (صفحہ ۳۹۹ منتخب التواریخ جلد دوم مطبوعہ کالج پریس کلکتہ)

ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "شریف سرمدی کہ کسی نے اس کے بارے میں کہا ہے ؎

دو چوکی نویسند ہر دو کیشت یکے نا نفیس و دگر نا شریف

اس زمانہ میں جبکہ اس منتخب کا جمع کرنے والا (ملا صاحب) آگرہ میں تحصیل علم میں مشغول تھا "شیخ (محمد غوث گوالیاری) با کروفر تمام اور جاہ بے مالا کلام" فقیری کے لباس میں آیا" اور شہرت اس کی زمین و زمان میں ہوئی "میں نے چاہا کہ جا کر اس سے ملوں"

لیکن جب سنا کہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے وہ کھڑا ہو جاتا ہے "اس کے ملنے کی خواہش دل سے نکال دی اور نہیں ملا"

لیکن ایک دن آگرہ کے بازار میں دیکھا کہ سوار آ رہا ہے" اور بہت ہجوم خلایق اس کے آگے پیچھے ہے" اور لوگوں کے سلام و تواضع کے لئے بار بار ہر طرف جھکتا تھا اور فرصت خانہ زین پر اسے بیٹھنے کی نہیں تھی"

اور باوجود اسی سال کی عمر ہونے کے "عجیب طراوت اور رونق اس کے چہرے سے ظاہر تھی" (منتخب التواریخ جلد دوم)

اس سال (۱۰۰۲ھ) کی نویں ماہ رجب کو تحویل نوروزی واقع ہوئی۔ اور مجلس آئین بندی کی پہلے سالوں کے مطابق ہوئی" اور تحویل سے دو دن پہلے۔ دیوان خانہ عام و خاص کے جھروکہ کے اوپر سے "فقیر (ملا صاحب) کو سامنے بلایا" اور شیخ (ابوالفضل) کی طرف خطاب فرمایا کہ ہم نے فلاں کو جس سے فقیر مراد تھا" جوان فانی صوفی مشرب خیال کیا تھا" لیکن وہ تو ایسا متعصب فقیہ ظاہر ہوا کہ کوئی تلوار اس کے تعصب کی گردن کی رگ کو نہیں کاٹ سکتی"

شیخ ابوالفضل نے پوچھا کہ حضور کس کتاب میں لکھا ہے۔ جو حضرت والا نے ایسا فرمایا ہے"

فرمایا کہ "اسی رزم نامہ میں جس سے مہابھارت مراد تھی" اور اس بات پر نقیب خاں کو میں نے گواہ کیا ہے" شیخ نے عرض کیا کہ قصور کیا ہے"

ضرورت تھی اس لئے آگے بڑھ کر میں نے عرض کیا کہ میں پہلا مترجم نہیں ہوں" جو کچھ ہندی کے عاقلوں نے تعبیر کی ہے بلا کسی رد و بدل کے ترجمہ کر دیا ہے" اگر میں نے اپنی طبیعت سے کچھ لکھا ہوتا تو بیشک میری خطا تھی۔ اور برا کیا ہے" شیخ نے یہی بات عرض کر دی مگر ناخوش ہی رہے"

شیخ ابوالفضل وغیرہ کے نسب کے متعلق ملا صاحب کا بیان

کیونکہ "شیخ ابوالفضل" کی موت" ملا صاحب کے سامنے واقع نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ ان کی تاریخ وفات لکھنے سے تو محروم رہ گئے" مگر جو سرٹیفکیٹ "ملا صاحب نے" ابوالفضل" کو دیا ہے۔ وہ (منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۰۶ پر) انہوں نے

سے زیادہ اُن کی کوئی وقعت نہیں ہے۔"

جب ۹۶۸ھ ہجری میں "شیخ گدائی" منصب صدارت سے سبکدوش ہوئے۔ تو ملّا صاحب کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔ اُس وقت وہ طالب علم تھے "اِس سے ظاہر ہے کہ "ملّا صاحب" کو "شیخ گدائی" سے خود کوئی واسطہ نہیں پڑا۔"

دربار اکبری کے صفحہ ۳۳۵ پر درج ہے کہ "شیخ مبارک" نے اپنے بیٹے "فیضی" کے ملازمت شاہی میں داخل ہونے سے پہلے اُسے اپنے ہمراہ لے جاکر "شیخ عبد النبی" صدر کی خدمت میں سو بیگہ زمین مدد معاش کے لئے درخواست پیش کی تھی۔ اور "جناب صدر" نے ان کا کوئی استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے اِس درخواست کو نامنظور فرمایا تھا" اگر "شیخ مبارک" کی طرح "ملّا صاحب" کے والد بزرگوار نے بھی اپنے صاحبزادے کے ساتھ حاضر ہو کر "شیخ گدائی" کی خدمت میں مدد معاش کے لئے کوئی درخواست گذرانی ہو۔ اور اُس کی نامنظوری کی وجہ سے "ملّا صاحب" کے دل میں "شیخ گدائی" کی طرف سے جلن پیدا ہو گئی ہو۔ تو اس سے ہم واقف نہیں ہیں "یا ملّا صاحب" "شیخ گدائی" کی خانہ نشینی کے زمانے میں" اُن کی مجلس میں حاضر ہوئے ہوں۔ اور آداب محفل کے خلاف کسی حرکت پر وہاں سے نکلوا دیئے گئے ہوں۔ اور اس سبب سے اُن کے دل میں "شیخ گدائی" کی طرف سے ناشور پڑ گیا ہو" تو اس کا بھی ہمیں علم نہیں ہے۔"

اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی واقع نہیں ہوئی۔ اور "شیخ گدائی" سے "ملّا صاحب" کو کسی طرح کا کوئی واسطہ نہیں پڑا" تو یہ بدیہی امر ہے کہ "انہوں نے یہ خامہ فرسائی کی ہے۔ اُس سے اُن کی غرض بادشاہ کی خوشامد میں وہ ٹیکا مٹانے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے" جو "بیرام خاں" اور اُس کے اعزا نیز دوستوں کی جن میں "شیخ گدائی" کا نمبر اوّل ہے" خدمات کی قدر نہ کرنے اور اُن کے حاسدوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہو جانے کا۔ ابد الآباد تک کے لئے بادشاہ کی پیشانی پر لگ گیا ہے" "ملّا صاحب" نے "حب جاہ کی وجہ سے" بادشاہ کے دل میں جگہ پیدا کرنے کے لئے خوشامد کو اپنا شعار بنا کر" بادشاہ کی شہ سے جس طرح "علمائے دین کی توہین کی اور اُن کی پگڑیاں اُچھالی ہیں" اور پھر بادشاہ کی نظروں سے گر کر یا راندۂ درگاہ ہو کر "بزرگوں اور صاحب عزت وجاہ و مرتبت لوگوں سے جس جس انداز میں اپنے حسد کے مظاہرے کئے ہیں۔ اور یہ کہ دینداری اُن کی فقط بہانہ تھا" اس کی مثالیں اُن ہی کی کتاب سے لیکر ہم اوپر دکھا چکے ہیں" مکرر انہیں بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔"

(۳) مؤلف صاحب امروہوی کے اِن الفاظ کی "ملّا صاحب" کے اِس بیان کی کہ "شیخ گدائی" نے خانزادہائے قدیم سے ان کی مدد معاش اور وظیفہ کو واپس لے لیا تھا جو کوئی اُن کے دربار کی ذلت اُٹھاتا تھا۔ اُس کو وہ "سیورغال یا مدد معاش دیتے تھے" "ولایت کے اعیان و اشراف جو آتے تھے وہ بھی اُن کی حکومت اور عزو سے متردّد رہتے تھے" تردید خود ملّا صاحب کے اِس فقرے سے ہے جو انہوں نے اِسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ "آج تو پانچ بیگہ بلکہ اُس سے بھی کم جاگیر نہیں ملتی" اِس حساب سے تو "شیخ گدائی" کو "حاتم الخیص" کہہ سکتے ہیں" بخوبی ہو رہی ہے"

"قبح املاک واقفیات اور مدد معاش کی حالت" اور متولیوں کی دیانت سے آج کون ہے جو واقف نہیں ہے" صدارت کا عہدہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا" تمام قلمرو ہندوستان کے اوقاف کا اُس سے تعلق" اور کل علما و مشائخ "کے حق کا اُس سے ہی تھا" سب "فوری طرح تھے" اکبر کے وقت میں بھی بیرونی زیادہ آسان اور یہ ہی حضرت الانسان تھے" ہر طرح کی بدمعاشیاں اور بدعنوانیاں ظہور میں آتی تھیں" ہر قسم کے مقدمات پیش ہو کر لوگ سزا پاتے تھے" بے قصوروں "جابروں" ستمگروں" اور غاصبوں کی جاگیریں آج کی طرح ضبط بھی ہوتی تھیں"

جس طرح "شیخ مبارک" کو سو بیگہ زمین مدد معاش کے لئے درخواست لے کر "شیخ عبد النبی صدر" کے دربار میں حاضر ہونا پڑا تھا" اِسی طرح "شیخ گدائی" کے دربار میں بھی لوگوں کو حاضر ہونا پڑتا تھا" آج بھی تمام مملکتوں میں یہ ہی قاعدہ ہے کہ "حاجتمند کچہری و دربار میں جاکر اپنی عرضیاں پیش کرتے ہیں۔ اگر دور دراز کے ہیں تو ڈاک کے ذریعہ سے بھیجی جاتی ہیں۔ تب بھی درخواست کنندہ کو تاریخ مقررہ پر بلا یا جاتا اور بعد استفسار حالات کے اُن کی درخواستوں پر جیسے حالات ہوں اُن کے مطابق "موافق یا مخالف فیصلہ کر دیا جاتا ہے" ملّا صاحب اپنے فقرہ میں ولایت کے اعیان و اشراف کے بارے میں "شیخ گدائی" سے کیا اِس لئے خفا ہیں کہ "انہوں نے اِن حضرات کے نازل ہوتے ہی" اُن کے گھروں پر از خود پہنچ کر کیوں انہیں وسیع اور زرخیز جاگیریں نہیں پیش کیں" اگر وہ مستحق تھے اور انہوں نے "شیخ گدائی" کے دربار میں عرضیاں گذران کر اپنے

استحقاق ثابت کر دیئے تھے تو انہیں مسترد ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی ۔ ملّا صاحب کی تحریر خود یہ بات ظاہر کر رہی ہے کہ "شیخ گدائی" کی بیدار مغزی اور بے لوثی کی وجہ سے ایسے ہی لوگ مسترد رہتے تھے جو بلا کسی حق کے جاگیریں حاصل کرنا چاہتے تھے "کیونکہ اگر "شیخ گدائی" حقداروں کو جاگیریں دینے میں فیاض نہ ہوتے تو اپنے زمانہ پر اُن کے زمانہ کو ترجیح دیکر انہیں "عالم بخش" کبھی نہ لکھتے "ملّا صاحب نے جیسا کہ ہم بیرام خاں کے حالات میں دکھا آئے ہیں کہ یہ کہ بیرام خاں کے عہد میں جو بہترین عہد تھا ہندوستان "دُلہن بنا ہوا تھا" اور بلا مشورے "شیخ گدائی" کے بیرام خاں کوئی کام نہیں کیا کرتے تھے، اس سے بھی "شیخ گدائی" کی ایسی انتظامی قابلیت ظاہر ہو گئی ہے جس پر اب کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

(۴) ملّا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہمایوں" کی شکست دوم کے بعد "شیخ گدائی پسر شیخ جمالی کنبوی" "شاعر دہلوی" نے خانِ خاناں کے ساتھ "دارئی گجرات میں رفاقت کی تھی، اس لئے بیرام خاں خانِ خاناں" نے تمام اکابر ہندوستان و خراسان سے بڑھا کر اُن کو "منصب رفیع القدر صدارت" دیدیا تھا"

خانِ خاناں" بلکہ "شاہنشاہ اکبر" بھی بعض اوقات اُن کے گھر حال و قال کی مجلسوں میں "جن میں "سراسر تکلف" اور ظاہر داری برتی تھی" جاتے تھے"

"شیخ گدائی" کے اس اقتدار و اثر اور عزت و مرتبہ سے "جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے سب اکابر گھبرا گئے" اور گھر گھر کہرام مچ گیا اور زور شور سے ماتم کیا جانے لگا "بڑوں کی موت نے مجھے بڑھاپا کا بھید اب سمجھ میں آگیا۔ بہت سے تو یہ کہکر اپنے دل کو سمجھا لیتے تھے کہ "اگر خاقانی ذو ترکہ بیٹھ جائے تو نہ اس کی بے عزتی ہے نہ تیری عزت ہے "تم دیکھتے نہیں" کہ "سورۂ اخلاص" "تبّت یدا" کے نیچے ہے"

اور میر سید نعمت رسول نے ایک قطعہ اُن کی ہجو میں لکھا تھا۔ اس ہجو کا ایک شعر یہ ہے کہ ~~ "گدائی کا نام مت لو اور گدائی کی دی ہوئی روٹی مت کھاؤ "کیونکہ گدائی اس گدائی کے ہاتھ سے سیاہ یا خراب ہو گئی ہے " (شیخ گدائی کا نام "شیخ عبدالصمد اور تخلص گدائی تھا") اور جسے ان کی مسجد و دیوان خانہ پر بھی لکھوا دیا تھا" اسے دیکھکر بھی "شیخ گدائی" نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ اسے انہوں نے پڑھا اور مٹا دیا" غرضکہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا"

بلا کسی استحقاق کے جاگیر چاہنے والا لوگ "شیخ گدائی" کے دربار سے اپنی درخواستوں کے مسترد ہو جانے پر اور اُن کے اقتدار کے حاسدوں نے اپنے حسد کی آگ میں جل کر "ملّا صاحب" نے اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر جو ہائے اور واویلا مچائی "ماتم کیا۔ اور "شیخ گدائی" کو پانی پی پی کر کوسا ہے" اور اپنی دلی کاوش اور سوزش کو اُن کی عالی نسبی اور والا حسبی پر خاک اڑا نے "بیہودہ لکھنے سے مٹانا اور بجھانا چاہا ہے" اس کے جواب میں ہم صرف اسی قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ "ملّا صاحب" نے علماء مشائخ اور دیگر ارباب ہم پر جس جس طرح کے انگارے اُگلے ہیں" اور اُن کی وفات کی جیسی تاریخیں نکالی ہیں" اور اس طرح اپنی دنائت و خباثت طبع کا ثبوت خود پیش کر دیا ہے" انہیں ایک بار اور دیکھ لیا جائے" ایسے دلی لطیف لوگوں اور حاسدوں سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا" آج بھی اسی قبیل کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں" جنہیں روزمرہ ہم سنتے اور اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں" جس سے لوگ خفا ہوتے "یا جس کسی کو عوام کی نظروں سے گرانا چاہتے ہیں۔ تو اُس کے لئے کیا کچھ نہیں کہتے اور لکھتے رہتے ہیں" یہ ہو بنپل بورڈ کے دو مقابل امیدواروں ممبری کے ایک دوسرے پر سبّ و شتم سے کون شہری ہے جو واقف نہیں ہے"

"شیخ گدائی" کے نسب کا طعن بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ "شیخ مبارک پدر ابو الفضل" کو حاسدوں نے بے اصل مطعون کر دیا تھا" اور جس طرح منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۰۰ پر ملّا صاحب نے "ابو الفضل" کو "ادلاء الفرنا" تحریر فرمایا ہے "اگر "شیخ گدائی" کے نسب میں واقعی کوئی کھوٹ ہوتا تو یہ متقدس ملّا" جیسی "محتاط" "ناقد" "محقق" اور "صاف گو مؤرخ" اتنا ہی کہہ کر چپ نہ ہو جاتا کہ "شیخ کی معراج ہے جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے سب اکابر گھبرا گئے) بلکہ اسے کھول کر بیان کرتا اور خوب کھول کر دکھاتا" مگر کیونکہ وہ "شیخ گدائی" کے نسب میں کوئی خامی ثابت نہیں کر سکتا تھا" اس لئے "اُسے اپنے دل کو مسوس کر رہ جانا پڑا"

شیخ گدائی کے متعلق "ملّا صاحب کے "وشتہ" پر صاحب "دربار اکبری" کی رائے

شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی" نے دربار اکبری کے صفحہ ۷۴۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ "مجھے اب تک یہ بھید نہیں کھلا کہ "شیخ گدائی"

کی ذات با صفات میں کیا داغ تھا۔ حیران تھا کہ شیخ گدائی اور ان کے بزرگوں کی اب تک کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ کیا سبب ہے کہ اکثر اہل تاریخ انہیں سب ک الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اور ملا صاحب کا تو کہنا ہی کیا۔ نظم و نثر لطیفہ و تاریخ کے تیروں سے خاک کا تودہ بنا دیا ہے۔ مآثر سے یہ عقدہ کھلا کہ اُن کے خاندان کا مذہب بھی شیعہ تھا۔ الٰہی تیری امان۔ الٰہی تیری امان۔

صاحب دربار اکبری کی رائے شیخ گدائی اور ان کے بزرگوں کے مسلک پر چند مرید و شاگرد

(۱) شیخ گدائی کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ العزیز (پیدائش ۸۰۵ ہجری وفات ۹۰۱ھ) اپنے زمانے کے اولیاء اللہ اور بڑے پایہ کے مشائخ طریقت سلسلۂ سہروردیہ کے تھے۔ جن کے چند مرید و خلیفہ یہ ہیں۔ ان کے صاحبزادگان

(الف) حضرت شیخ عبد اللہ بیابانی قدس سرہ۔ آپ مشہور اولیاء اللہ تھے۔ جس طرح شیخ یوسف سجادہ نشین درگاہ و از اولاد حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا سہروردی ملتانی قدس سرہ کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ سے سلطان بہلول لودی نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی تھی اسی طرح سلطان سکندر لودی نے جنہیں سنیت کے معاملہ میں بڑا غلو تھا انہوں نے آپ کی نوجوانی میں اپنی بھتیجی کی آپ سے شادی کر دی تھی۔ عبادت میں حارج ہونے کی وجہ سے آپ نے چھ ماہ بعد اسے طلاق دیدی۔ اور بعدہٗ مالوہ کے جنگل میں رہ کر تمام عمر عبادت و ریاضت میں بسر کر دی۔ سلطان غیاث الدین خلجی بادشاہ مالوہ کو بھی آپ سے بے انتہا ارادت و عقیدت تھی۔ اور

(ب) صاحبزادے خورد شیخ نصیر الدین قدس سرہ آپ سلطان سکندر لودی کی سلطنت کے شیخ الاسلام تھے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ سے فیض حاصل فرمایا تھا۔ (شجرۂ سہروردیہ) اور

(ج) حضرت مخدوم صاحب کے ابن عم و داماد کلاں مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ پدر بزرگوار شیخ گدائی رح۔ اور

(د) شیخ چندن قریشی رح ابو الفضل کے نانا۔ (بحر زخار)۔ اور

(س) شیخ زین العابدین عرف شیخ اودھن رح شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے نانا۔ (اخبار الاخیار) اور

(ط) مولانا شیخ عجائب سنبھلی متخلص بہ بلائی جو ملا عبد القادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ کے استاد شیخ حاتم مفتی سنبھل کے چچا تھے۔ (بحر زخار و معرکۂ عظیم تاریخ سنبھل)

(۲) شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے شاگرد حضرت شیخ عبد الستار پسر عبد الکریم بن خواجہ سالار سہارنپوری بھی تھے۔ جن کے متعلق بحر زخار میں ہے کہ معارف کالات آں زبدہ ارباب ولایت و عرفان برتر از اندازہ شرح و بیان است۔

(۳) میاں شیخ فتح اللہ پسر کلاں شیخ نصیر الدین قدس سرہ بڑے ماموں شیخ گدائی کے مفتی شہر دہلی تھے۔

(۴) شیخ عبد الغفور المعروف بہ میاں لادن رح پسر دوم شیخ نصیر الدین قدس سرہ آپ سلطان سکندر لودی کے مشیر مذہبی تھے۔ الخ

(فوٹ نوٹ) شمس العلماء مولانا آزاد کے بیان میں یہ بات صحیح نہیں ہے کہ شیخ گدائی کے خاندان کا مذہب شیعہ تھا۔ مآثر الامراء سے جس سے یہ بیان مولانا آزاد نے لیا ہے محض اس وجہ سے اگر شیخ گدائی کو شیعہ لکھ دیا ہے کہ بیرام خاں شیعی مذہب کے پیرو تھے شیخ گدائی اور ان میں بے حد اتحاد تھا۔ بیرام خاں ان کے اثر میں اس قدر تھے کہ بلا استصواب شیخ گدائی کے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اکبرنامہ جلد دوم کے صفحہ ۶۶ پر ہے کہ

الا شیخ گدائی کہ بصدارت امتیاز داشت وکیل معنوی بود جمیع مہمات ملکی و مالی بے استصواب او نمی کرد۔

لیکن شیخ گدائی جو صدارت کے عہدہ پر امتیاز رکھتے تھے اصلی وکیل وہی تھے۔ سارے ملکی و مالی کام اُن سے پوچھے بغیر نہیں کیے جاتے تھے۔

اسی اتحاد اور اثر کی وجہ سے صاحب مآثر الامراء نے قیاس کر لیا کہ شیخ گدائی شیعہ تھے۔ اور یہ قطعاً غلط ہے۔ بلکہ اُن کا سارا خاندان حنفی مذہب اور صوفی مشرب تھا۔

(الف) سید علاؤ الدین مجذوب المشہور بہ علاول بلاول المتوفی ۹۵۳ھ ہجری در آگرہ کے استاد تھے" ان سید علاول بلاول صاحب نے دہلی میں شیخ لادن کنبوہی شیخ عمر کے مدرسہ میں تفسیر کا سبق لیا تھا" یہی سید علاول بلاول مجذوب ہیں جن کے ارادتمندوں میں داخل ہو کر شیخ ابن م نے استفادہ حاصل کیا تھا۔ اور جن کی ہدایت کے مطابق شیخ ابن م آگرہ سے امروہہ آئے۔ (تذکرۃ مقصود مطبوعہ امروہہ)

(ب) ملا عبد القادر بدایونی کے استاد میاں شیخ عبد اللہ بدایونی نے بھی نعمت علم میاں لادن دہلوی سے حاصل کی تھی۔
(منتخب التواریخ جلد سوم) صفحہ ۵۴ تا ۵۵) حالات شیخ عبد اللہ)

(۵) شیخ گدائی رح کے تیسرے ماموں میاں ظفر خاں اور چوتھے ماموں شیخ ابراہیم نے اپنے بزرگوار حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت پایا تھا" سیادت مآب معز الدین" و شیخ محمود" و رسولدار" و تقوی شعار صلاح آثار شیخ احمد پسر شیخ دہر شیخ عبد النبی" و شیخ حاتم سنبھلی" استاد ملا عبد القادر بدایونی" میاں ظفر خاں کے شاگرد تھے" اور پانچویں ماموں شیخ عبد العزیز المشتہر بہ میاں دولت خاں اور چھٹے ماموں شیخ بدھ جمال الدین المشتہر بہ میاں جمال خاں جو سلیم شاہ سوری کے زمانہ سے اکبر کے زمانہ تک مفتی دہلی تھے۔ ان دونوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ نظیر الدین قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ (شجرۂ سہروردی قلمی درکتب خانہ ریاست رامپور)

سید محمد میر عدل امروہوی جو اپنے خاندان میں منصب امارت پر پہنچنے والے پہلے شخص ہیں اور جن کا درجہ نوی صدی تھا شیخ حاتم سنبھلی کے شاگرد تھے۔

(۶) شیخ گدائی رح نے اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ اور اپنے منجھلے ماموں میاں لادن سے بھی کچھ فیض پایا تھا اور کچھ شیخ سلیمان شروانی قدس سرہٗ کے والد بزرگوار شیخ بایزید قدس سرہٗ ابن شیخ راجو قدس سرہٗ والد شیخ محمد زماں کو تربیت و تلقین کر کے درجۂ کمال کو پہنچایا تھا" شیخ راجو مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے" (تاریخ خاندانی مخزن افغانی)

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ پر تحریر ہے کہ۔

شیخ گدائی در مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم در ایام عرس حاضر میشد و مجالس عالی با حشمت و کر و فر ترتیب میداد"

شیخ گدائی مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم پر عرس کے دنوں میں حاضر ہوتے اور مجالس عالی کو حشمت اور کر و فر سے ترتیب دیتے تھے"

(۷) شیخ گدائی کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز کے برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز بھی بہت بڑے اولیاء اللہ تھے سلطان بہلول لودی کو آپ سے بے انتہا ارادت و عقیدت تھی۔ اور ان کے صاحبزادے شیخ یحییٰ عبد السلام المعروف شیخ اچھن رحمۃ اللہ علیہ، دلی ماورزادہ اور اہالیان دہلی کے ملجا و ماوی تھے۔ ارشاد و ہدایت اور یاد الٰہی آپ کا مشغلہ تھا"

غرضکہ شروع سے شیخ گدائی کے خاندان میں اور بھائی بھتیجوں بیٹوں پوتوں میں سے بھی کوئی شیعہ مسلک کا پیرو نہ تھا" اس خاندان میں سب سے پہلے محمد اعظم الدین خاں المخاطب بہ عماد الملک شاہ عالم بادشاہ کی ترغیب سے شیعہ ہو گئے" یہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے اخیر زمانہ میں شاہزادہ محمد معظم (بعد شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ) کے پاس سے لاہور کے قاضی (جج) مقرر ہوئے" جب شاہ عالم بہادر شاہ شہنشاہ ہوئے۔ تو صوبہ ملتان اور بعد میں صوبہ لاہور آپ کی جاگیر ہوئی" پنجہزاری ذات و پنجہزاری سوار کا منصب پایا۔ اور عماد الملک کا خطاب ہوا"
(المشاہیر و شمس التواریخ)

پھر اس خاندان کے چند اشخاص نے شاہان اودھ کے وسطی زمانے میں شیعہ ہو گئے تھے جن کی اولاد میں سے بعض نے پھر حنفی مذہب اختیار کر لیا" معدودے چند گھرانوں کے سوا شروع سے آج تک یہ خاندان سنی مسلک کا ہی پیرو چلا آ رہا ہے"

٭ ٭

چوں مولانا ترخان بعد از عزل منصب در آگرہ آمدہ روزے در بازار میگذشتم کہ از پیش پیدا شد از یاران فقیر میاں کمال الدین حسین شیرازی نامی خوش طبع ظریفے از اکابر آگرہ بمولوی گفت کہ نواب خان اکابر دہلی را خوب یاد فرمودید چہ شود اگر اکابر آگرہ را ہم نوازش فرمایید کہ امیدوار اند

فقیر گفتم ظاہراً دریں ہا آں قابلیت ندیدہ اند کہ یاد کنند خندہ کرد و گفت آں تہمتے بود کہ بر پاے ما بستند

خان مذکور زمانے کہ شاہنشاہ برسر حکیم میرزا لشکر کشیدند در نصد و ہشتاد و نہ تخلف نمودہ از پنجاب باز گشتہ بجاگیر رفت و ایں معنی موجب بدگمانی شد تا بعد از مراجعت ازاں سفر در فتحپور بپای حساب و کتاب و عتاب و خطاب کشیدہ چند سال آزار کش داشتند

و ایں شکست را ارباب ہوش از شومی آں سوئے ادب میدانستند کہ آں اکابر حضرت دہلی را بتقریب ناخوشی کہ با تاتار خاں داشت ہجو کردہ

جب مولانا ترخان منصب سے معزول ہو کر آگرہ میں آیا میں ایک دن بازار میں گذر رہا تھا کہ اس کا سامنا ہو گیا۔ میرے دوستوں میں سے میاں کمال الدین حسین شیرازی نے جو خوش طبع اور ظریف۔ اکابر آگرہ سے تھے مولوی سے کہا کہ نواب خانی آپ نے اکابر دہلی کو خوب یاد فرمایا۔ کیا ہو اگر اکابر آگرہ کے واسطے بھی ایسی ہی نوازش فرما دیں کہ وہ بھی امیدوار ہیں

میں نے کہا کہ ظاہراً ان میں وہ قابلیت نہیں پائی ہے کہ انہیں یاد کریں ہنسے اور جواب دیا کہ وہ تہمت تھی جو میرے پاؤں میں باندھ دی تھی۔

اسی زمانہ ۹۸۹ ہجری میں جبکہ شاہنشاہ اکبر نے حکیم میرزا پر لشکر کشی کی تھی خان مذکور یعنی شاعر ہجو گو براہ خیرہ سری و خلاف ورزی پنجاب سے اپنی جاگیر کو لوٹ گیا۔ بادشاہ کو بدگمانی پیدا ہوئی۔ اس سفر سے مراجعت کرنے کے بعد فتحپور پہنچ کر چند سال عرض عتاب اور کشاکش حساب و کتاب میں رکھا۔

شاعر ہجو باز نے سرا سے بہت ذلت و تکلیف اٹھائی کہتے ہیں کہ اسی گستاخی و بے ادبی کے سبب جو اس نے بزرگان دہلی کے ساتھ کی تھی یعنی تاتار خاں سے ناخوشی کی وجہ سے ان کی ہجو کی تھی اس کو یہ خواری و ذلت نصیب ہوئی۔

صاحب منتخب کے اس بیان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ تاتار خاں حاکم دہلی سے ناخوشی اور کدورت کی وجہ سے ملا نور الدین محمد ترخان نے کس طرح اپنی ہجو میں بلا کسی عناد کے خواہ مخواہ ایسے بزرگان دہلی کو بھی شامل کر لیا تھا جن کے تقدس اور بے گناہی کی وجہ سے ملا صاحب جیسے شخص بھی تلملا گئے تھے۔

دوسرے اس سے شیخ محمد کے نسب وغیرہ پر ایسی صاف روشنی پڑ گئی ہے کہ اس کے بارے میں کسی بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

یہ شیخ محمد کنبوہ جنہیں ملا صاحب نے علوئے حسب و نسب اور فضایل کسبی و موروثی میں یگانۂ زمانہ بتایا ہے شیخ گدائی کے حقیقی نانا مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز کے پوتے ان کے ماموں مخدوم شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے پوتے اور ان کے ماموں زاد بھائی شیخ عبد الغفور المشتہر بہ میاں لاڈن قدس سرہ کے پانچ صاحبزادوں میں سے دوسرے تھے (دیکھو شجرۂ سہروردیہ مؤلفہ احمد خان اکبرشاہی قلمی) ابوالفضل نے بھی اپنی کتاب آئین اکبری میں ان مولانا شیخ محمد کا نام علمائے معقول کے ذکر میں لکھا ہے اور مولانا محمد کے صاحبزادے شیخ احمد المتوفی ۱۰۱۱ ہجری کا نام علمائے منقول کی ذیل میں تحریر کیا ہے۔

مولانا شیخ محمد کی عالی نسبی کا حال صاحب منتخب ہی کے بیان سے ثابت ہو جانے کے بعد اب یہ بات صاف ظاہر ہو گئی ہے کہ ملا صاحب نے شیخ گدائی کے نسب پر خاک ڈالنے کی جو کوشش کی وہ محض حسد اور بادشاہ کی اس خوشامد میں کی تھی جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اگر شیخ گدائی کے نسب میں کچھ بھی خامی ہوتی تو اس حاسد اور خوشامدی ملا کو اسی قدر کہہ کر خاموش نہ ہو جانا پڑتا کہ شیخ کی معراج سے جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے سب اکابر و ائمہ گھبرا گئے بلکہ وہ اسے کھول کر بیان کرتا اور خوب کھرا کر کے دکھاتا۔

بعد از وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے آخر کار ملا صاحب ہی کے قلم سے شیخ گدائی کے علوئے نسب اور والا حسبی نیز ان کی اور ان

کے اعتراف نہ کرنے والوں کے علم و فضل کی موروثیت کا حال بھی بخوبی معلوم ہوگیا ہے۔ کیونکہ جو فضائل نسبی و حسبی وغیرہ مولانا شیخ محمدؒ کے ہیں وہ ہی شیخ گدائیؒ کے ہیں۔ یہ دونوں ماں اور باپ کی طرف سے ایک ہی شخص کی اولاد ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ مورخین نے کسی "غیر عربی النسل" شخص یا خاندان کو "عالی النسب" لکھنے سے احتراز برتا ہے۔ دوسری اقوام کو وہ "خراسانی" "مصری" "ایرانی" "رومی" "ترکی" "ہندی" "برہمن" "راجپوت" وغیرہ لکھتے رہے ہیں۔ اور ملا صاحب کے متعلق تو دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ وہ "غیر عربی النسل" میں سے کسی کو بھی "عالی نسب" لکھ سکتے تھے۔ جس شخص کے تعصب کا یہ حال ہو کہ "شیخ محمد غوث گوالیاری" سے اس نے ملنے کا ارادہ کیا ہو۔ مگر پھر یہ سنکر اپنے اس ارادہ کو ترک کر دیا ہو کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے شخص کا کسی "غیر عربی النسل" کو "عالی نسب اور والا حسب" اور فضائل نسبی و موروثی رکھنے والا لکھدینا قطعی ناممکن ہے۔ مؤلف امروہوی بھی اگر اپنا پورا زور لگا دیں تب بھی اس ناممکن کا ممکن ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔

شیخ گدائی کے نانا کی پالکی کو حضرت سید حاجی عبدالوہاب قدس سرہٗ کا سر بازار اپنے کاندھے پر اٹھالینا

شیخ گدائیؒ کے علوئے حسب و نسب اور "سید زبیری" ہونے کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ:

روزے مخدوم "شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ" (جد مادری شیخ گدائی) از ضعف کبر سن بر پالکی سوار میرفتند و از فرزندان و خادمان و متعلقان جمع کثیر در ملازمت ہمراہ بودند۔ دریں اثنا مہر سپہر سیادت و خورشید فلک نقابت "سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ" رسیدہ و اسپ فرود آمدہ بجائے کہار کتف خود بنہاد۔ مخدوم از صفائے نور باطن دریافتند و فرمودند زود تر پالکی بر زمین بنہند۔ حاجی گفتند نظر کردم فرمودند۔ ادب سیادت باقی ست بلے قدر بزرگاں دانند۔ (شجرہ سہروردیہ صفحہ ۳۶)

ایک دن مخدوم "شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ" شیخ گدائیؒ کے نانا (جد مادری) بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے پالکی پر سوار جا رہے تھے۔ لڑکے اور خادموں اور متعلقین میں سے جماعت کثیر آپ کی خدمت میں ساتھ تھی۔ اسی اثنا میں "مہر سپہر سیادت" "خورشید فلک نقابت" "سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ" برادر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ۔ پہنچے اور گھوڑے سے اتر کر انہوں نے کہار کی جگہ لیکر پالکی کو اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ مخدوم صاحب نے صفائے نور باطن سے معلوم کر لیا۔ اور فرمایا پالکی کو جلدی زمین پر رکھو اور حاجی صاحب کی طرف دیکھکر فرمایا۔ ادب سیادت کا باقی ہے مگر تو بھی بزرگوں کی قدر کرنا جانتا ہے۔

نوٹ ملاحظہ اخبار الاخیار کے صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۱ پر "شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے "سید حاجی عبدالوہاب بخاری" کا حال جنہوں نے مخدوم صاحب کی پالکی کو کاندھا دیا تھا۔ اس طرح تحریر کیا ہے کہ:

از اولاد سید جلال بخاری بزرگ است۔ کہ جد سید جلال الدینؒ مخدوم جہانیان ست۔

سید جلال را دو پسر بود۔ سید احمدؒ بزرگ و دیگر سید محمود مخدوم جہانیان پسر سید محمود است۔ و شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری از اولاد سید احمدؒ ست۔ بزرگ بود۔ موصوف بہ علم و عمل و حال و محبت۔ در اوایل حال کہ ہنوز در ملتان توطن داشت۔ روزے در ملازمت پیر و استاد و خسر (خود) سید صدر الدین بخاری نشستہ بود۔ از وے شنید کہ گفت۔ دولت۔ ... الفقا ... [illegible]

سید جلال بخاری بزرگ کی اولاد سے ہیں۔ جو دادا سید جلال الدین مخدوم جہانیان کے ہیں۔

سید جلال کے دو لڑکے تھے۔ بڑے سید احمدؒ بزرگ اور دوسرے سید محمود۔ مخدوم جہانیان سید محمود کے لڑکے ہیں۔ اور شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری۔ سید احمدؒ کی اولاد ہیں۔ موصوف کا علم و عمل اور حال و محبت میں بڑا درجہ تھا۔ شروع حال میں جبکہ ابھی ملتان میں سکونت رکھتے تھے۔ ایک دن اپنے پیر اور استاد اور خسر سید صدر الدین بخاری کی خدمت میں بیٹھے ہوئے [illegible]

سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہ کے جن کی بزرگی اور سیادت میں کسی کو بھی مجال دم زدن نہیں ہے " حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ العزیز کی پالکی کو والہانہ جوشش ارادت و عقیدت سے اپنے کاندھے پر اٹھا لینے پر مخدوم صاحب قدس سرہ نے جو الفاظ اُن کو مخاطب کرکے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے۔ اُن سے " حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ کی شان و مرتبت عظیم کے ساتھ ہی اُن کی عالی نسبی یعنی عربی " قریشی " زبیری " ہونے کا ایک اور قطعی ثبوت بہم پہنچنے کے ماسوائے "

مؤلف امروہوی کے پیش کردہ بیوپرج اور ایلیٹ کے اِس بیان کی بھی کہ " سادات " شیخ گدائی " کے خاندان " کنبوہی یا کنبوہ " کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے " بخوبی تردید ہو گئی ہے " اور اُن کی اس دروغ گوئی کا پول بھی اچھی طرح کھل گیا ہے "

شیخ گدائی کے خاندان کے ایک اور بزرگ " کے سید زبیری ہونے کی شہادت

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کی " سیادت نسبی " کے یہ تذکرۂ بالا واقعے ہی کتابوں میں مذکور نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے اِس شرف کو مختلف زمانوں کی متعدد کتابوں میں جا بجا ظاہر کیا گیا ہے " اختصار کے مدِنظر یہاں ہم " شیخ گدائی " کے خاندان کے صرف ایک اور بزرگ شیخ محمد یٰسین " کا حال لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں " جس میں اُن کے نسب پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔ گلزارِ ابرار کے صفحہ ۱۳۵ پر تحریر ہے کہ۔

حضرت شیخ محمد یٰسین " از نبیرۂ او شیخ سماؤ الدین " دہلویست " تقوٰی شعار " سعادت آثار " حاجت روائے خلق " بدو دست ملحق بود " در تذکرۃ العارفین " شاہ محمدی نویسد " از سادات صالح با ذوق بغایت با ادب بود " ہفتم صفر یک ہزار و یکصد ہجری وفات یافت "

حضرت شیخ محمد یٰسین " شیخ سماؤ الدین دہلوی " کی نسل سے ہیں " تقوٰی شعار " سعادت آثار " حاجت روائے خلق اور بدو دست ملحق تھے " تذکرۃ العارفین میں " شاہ محمدی نے لکھا ہے کہ سیدوں نیکو کار حقیقت شناس میں سے بہت ہی با ادب تھے " ۷ صفر ۱۱۰۰ ہجری میں وفات پائی "

(نوٹ علیٰ بقیہ صفحہ ۱۱۱) کہ فوق جہاں نعمت ہاست " ولیکن مردم قدر آں دو نعمت را نمی شناسد " وبداں پے نمی برند۔ و از تحصیل آنہا غافل اند " یکے آنکہ وجود مبارک مصطفیٰ صلعم بصفت حیات " در مدینہ " موجود ست۔ و مردم ایں سعادت را درنمی یابند "

دوم قرآن مجید کہ کلام پروردگار ست۔ ووے سبحانہٗ تعالیٰ بواسطہ بداں متکلم خلق از اں غافل اند۔ بمجرد شنیدن ایں کلام۔ از پیش پیر برخاست و رخصت زیارت مدینہ درخواست۔ و براہ خشکی زیارت پیغمبر صلعم شتافت و ایں سعادت را دریافت باز بوطن اصلی عود نمودند "

و بعد ازاں بتقریب بعضے سوانح روز از آنجا " در عہد سلطان سکندر لودی بدہلی " آمد۔ سلطان سکندر را بایشاں اعتقاد پیدا شد و آنچہ از شرائط تعظیم بود۔ رعایت نمود۔

آورا با شاہ عبد اللہ " نسبت محبت و دیدار و طلب و استرشاد چنداں بود کہ آنچہ میگویند کہ فنا فی الشیخ " بہ آں صفت بود۔ چنیں خواہد بود۔ بسبب محبت او با وے بطریق تشبیہ مناسب " حکایت مولانا روم ہست " با شمس تبریزی قدس اللہ ۔ ۔ ۔

پر فوقیت حاصل ہے " لیکن آدمی اُن دو نعمتوں کی قدر نہیں جانتے ہیں اور اُن کے لئے کوشش نہیں کرتے " اور اُن کے حصول سے غافل ہیں " ایک آدمی یا یہ ہے کہ وجودِ مبارک مصطفیٰ صلعم کا بصفت حیات مدینہ میں موجود ہے " اور لوگ اِس سعادت کو نہیں حاصل کرتے "

اور دوسری قرآن شریف جو پروردگار کا کلام ہے " اور اُس سے بواسطہ خداوند تعالیٰ اُن سے بات کرتا ہے " اور خلقت اُس سے غافل ہے " اس بات کے سنتے ہی پیر کے سامنے سے اٹھے اور رخصت زیارت مدینہ کی چاہی " اور خشکی کے راستہ پیغمبر صلعم کی زیارت کو چلے گئے اور اِس سعادت کو حاصل کرکے پھر اپنے وطن کو لوٹ آئے "

اور اُس کے بعد کسی واقعہ کے سبب سے ایک دن وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سلطان سکندر لودی کے زمانے میں دہلی میں چلے آئے " سلطان سکندر کو اُن سے اعتقاد پیدا ہوا " جو کچھ شرائط تعظیم کی تھیں وہ بجا لاتا تھا "

اُن کو شاہ عبد اللہ سے نسبت محبت و دیدار و طلب و استرشاد اس قدر تھی کہ جیسا کہتے ہیں فنا فی الشیخ ہو گیا " اس قدر چاہتے تھے کہ ان کی محبت کے سبب سے تشبیہ مناسب طریق سے حکایت مولانا روم کی ہے " شمس تبریز قدس اللہ اسرارہم سے ہے "

اس بیان سے بھی اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ " شیخ محمد الیسین " " سید زبیری " تھے ۔ اگر وہ " سید زبیری " نہ ہوتے تو " شاہ محمدی "
اُن کو " سید " ہرگز نہ لکھتے ۔ " صاحب بحر ذخار " اُن کی تحریر کو قبول کرتے "

مؤلف امروہوی کے برادر بزرگ " حکیم فرید احمد صاحب امروہوی " طبیب خاص طبیہ کالج دہلی " نے بھی اپنی کتاب
" حقیقۃ السیادۃ " مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۔ چھاپہ ۱۳۴۲ھ کے صلا پر تحریر فرمایا ہے کہ ۔

" ممالک اسلامی میں " قریشی " " سید " لکھے اور کہے جاتے ہیں " اور صـ۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ " حضرت ابن عباس رضؓ
فرماتے ہیں کہ " قریش " کا کوئی بطن نہ تھا جو " ذوی القربیٰ " میں نہ آتا ہو " یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ " حضور
سرور عالم صلعم کے تمام قریش قرابتدار تھے " اور آنحضرت صلعم کے ساتھ " سیادت " میں سب شریک
تھے " حضورؐ نے فرمایا تھا " کہ جو شخص قریش کو ذلیل کرنا چاہے گا ۔ خدا اس کو ذلیل کرے گا "

حکیم صاحب موصوف نے اپنی اس کتاب میں " سید صدیقی " " سید فاروقی " " سید عثمانی " " سید زبیری " تحریر کئے جانے پر زور دیا ہے ۔

جیسا کہ ہم اُوپر دکھا آئے ہیں ۔ مؤلف امروہوی نے اُن تمام کتابوں میں جن میں " شیخ ابن امروہوی " کا حال تحریر ہے ۔ اُن کے نام کے ساتھ پیشانی پر اور اندر ہر جگہ لفظ " شیخ " لکھا ہوا پایا اور صرف " منتخب التواریخ " میں سُرخی میں تو " شیخ " ہی مگر اندر عبارت میں ایک جگہ " سید مشار الیہ " دیکھ کر جو اپنی عجیب و غریب تاویلوں اور لفاظیوں سے انہیں " سید " بنا دیا ہے وہ تو بحث طلب ہے " کیونکہ " سید مشار الیہ " ایک عزت کا کلمہ ہے ۔ جسے ہر عرب ہر کہیں تعظیماً اپنے مخاطب سے گفتگو کرتے وقت اس کے لیے " سیدی و مولائی " بولتا ہے ۔ صاحب منتخب نے بھی " شیخ ابن " رح کے تقدس و بزرگی کی وجہ سے اگر انہیں ان کے تذکرے میں ایک جگہ " سید مشار الیہ " لکھ دیا ہے تو اُن کے اس لکھنے کو " شیخ ابن " کے " سید " ہونے کی سند کسی طرح بھی قرار نہیں دی جا سکتا "

لیکن " شیخ محمد الیسین " کے لقب کے بارے میں یہاں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے " کیونکہ اُن کو تعظیمی لفظ
" سید مشار الیہ " کے بجائے صاف طور سے " سید " لکھا گیا ہے " جو اٹل ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ " سید زبیری " تھے " رسول مقبول صلعم سے جس قدر
رشتۂ قرابت کے حضرت زبیر رضؓ کو حاصل تھے وہ کسی صحابی رضؓ کو نہیں تھے " (دیکھو تحفہ اثنا عشریہ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رح)

(بقیہ نوٹ نمبر صـ۱۱۸) وبار دیگر ہم از دہلی " بقصد زیارت حرمین کردہ د
مکرر بہ ایں سعادت عظمیٰ رسید و بہ بشارت با از جناب حضرت خاتم الرسل صلعم "
اشارت یافتہ " باز بدین حدود عود فرمود "

وفات شیخ " در سـ۹۳۲ھ ہجری اثنین و ثلثین و تسعمائۃ " کہ عدد عبارت ۔
" شیخ حاجی " موافق آنست " و مقبرۂ ایشان جوار مقبرہ شاہ عبد اللہ است "
و شیخ حاجی عبد الوہاب را تفسیر ہست " کہ اکثر قرآن ۔ بلکہ تمام
اجزاء ارجاع بہ نعت پیغمبر و ذکر او کردہ صلعم " و بسیارے از دقایق عشق و اسرار
محبت در آنجا درج کردہ است "

غالباً وقوع آں ۔ در غلبہ حال و استغراق وقت بودہ است ۔
و بدان جہت در بعضے مواضع بجانب ظاہر لفظ و عبارت نامرعی ماندہ است "

خزینۃ الاصفیاء جلد دوم کے صـ۴۳۳ پر ہے کہ
سید شاہ ابو الغیث بخاری مجذوب " پسر سید حاجی
عبد الوہاب بخاری ۔ وفات در ۹۶۰ھ ہجری واقع شد)

اور دوبارہ دہلی سے بھی قصد زیارت حرمین کا کیا اور مکرر یہ سعادت عظمیٰ
حاصل کی اور بشارتیں حضرت خاتم الرسل صلعم کی جناب سے پا کر پھر وہیں
واپس تشریف لائے "

شیخ صاحب کی وفات سـ۹۳۲ھ ہجری میں ہوئی " شیخ حاجی " سے سنہ وفات
کے عدد نکلتے ہیں " اُن کا مقبرہ شاہ عبد اللہ کے مقبرہ کے جوار میں ہے "
اور شیخ حاجی عبد الوہاب کی تفسیر ہے کہ اکثر قرآن بلکہ تمام قرآن
شریف کو نعت پیغمبر اور آن کے ذکر سے ارجاع کیا ہے " اور بہت عشق و اسرار
محبت کے دقائق اس میں درج کئے ہیں "

غالباً اُن کا وقوع حال و استغراق کے غلبہ کے وقت ہوا ہے " اس لئے
بعض موقعوں پر جانب ظاہر لفظ و عبارت نامرعی رہ گئے ہیں "

خزینۃ الاصفیاء جلد دوم کے صـ۴۳۳ پر ہے کہ ۔
سید شاہ ابو الغیث بخاری مجذوب " پسر سید حاجی
عبد الوہاب بخاری " کی وفات ۹۶۰ھ ہجری میں واقع ہوئی ")

شیخ گدائی کے گھرانے کی شان و عظمت۔ اور بادشاہانِ عظیم الشان کی نیازمندی اُن کے بزرگوں سے

اب ہم مُلّا صاحب کے اس بیان کو جانچتے ہیں کہ (۱) ہمایوں کی شکست دوم کے بعد شیخ گدائی پسرِ شیخ جمالی کنبوہی شاعر دہلوی نے خان خاناں کے ساتھ آوارگی گجرات میں رفاقت کی تھی اس لئے بیرام خاں خان خاناں نے تمام اکابر ہندوستان و خراسان سے بڑھا کر اُن کو منصب رفیع القدر صدارت دیدیا تھا۔

(۲) خان خاناں بلکہ شاہنشاہ اکبر بھی بعض اوقات اُن کے گھر حال و قال کی مجلسوں میں جن میں سراسر تکلف اور ظاہر پرستی بہ ستی تھی جایا کرتے تھے۔

(۳) شیخ گدائی کے اس اقتدار و اثر اور عزت و مرتبہ سے تمام اکابر گھبرا گئے۔ اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ اور زور شور سے ماتم ہونے لگا بڈھوں کی موت نے مجھے بڑھاپا کا بھید اب سمجھ میں آگیا بہت سے تو یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیتے تھے۔ کہ اگر خاقانی فرد تر جگہ بیٹھ جائے تو نہ اس کی بے عزتی ہے نہ تیری عزت ہے تم دیکھتے نہیں کہ سورۂ اخلاص تبّت یدا کے نیچے ہے۔

مُلّائے بدایونی کے اس بیان کے تینوں ٹکڑے سراسر دھوکے میں ڈالنے والے ہیں اور اُن کی اور اُن کے خاندان کی عظمت و شان جلالت و مرتبہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کے سوا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

خان خاناں اور اکبر اگر شیخ گدائی کے گھر جاتے تھے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی خود اکبر کا باپ شاہنشاہ ہمایوں اور دادا بابر اور لودھی شاہنشاہ وغیرہ بھی اُن کے مکان پر جایا کرتے اور وہاں جانے کو اپنے لئے باعث افتخار و برکت سمجھتے تھے۔

سلطان بہلول لودھی کا سر شیخ گدائی کے نانا کے قدموں پر

سیر العارفین کے صفحات ۱۶۹ پر شیخ گدائی کے نانا مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ کے حالات میں تحریر ہے کہ۔

روزے سلطان بہلول پدر حضرت سلطان سکندر انار اللہ برہانہما بزیارت ایشاں آمد خبر کردند کہ سلطان تشریف قدمبوسی ملتمس دستر صداست اشارت چیست فرمودند کہ در آید۔

سلطان مذکور در آمد و سر در قدم حضرت ایشاں نہاد و متقابل نشست بعد زمانے سلطان مذکور عرضداشت نمود کہ یعنی ایں معتقد را دیدۂ ظاہر و باطن ناظر چہرۂ کرم و شفقت حضرت مخدومی است زیرا کہ بادشاہان یعنی درویشانند۔ وما ریزہ چین صورتِ ایشاں۔

حضرت مخدومی فرمودند ریزہ چیدن از صورتِ ایشاں ایں معنی دارد اگر کسے توفیق رفیق طریق احوال ایشاں نیابد بارے براہ افعال و اقوال و اعمال ایں قوم بشتابد تا اثر صورت ظاہر درویشاں زنگ کدورت بر باطن ایشاں بزداید۔

بعد از اں بزبانِ مبارک راندند۔

ایک دن سلطان بہلول پدر حضرت سلطان سکندر انار اللہ برہانہما اُن کی (حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہ) کی زیارت کے لئے آیا خبر کی کہ سلطان قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے کی التماس کرتا ہے اور آستانہ پر ایستادہ ہے کیا ارشاد ہے فرمایا کہ آجائے سلطان مذکور آیا اور اپنا سر حضرت مخدوم صاحب کے قدموں میں رکھا اور سامنے بیٹھ گیا کچھ عرصہ کے بعد سلطان مذکور نے عرض کیا کہ اس معتقد کی ظاہری و باطنی آنکھیں حضرت مخدومی کے چہرۂ کرم و شفقت پر لگی رہتی ہیں اس لئے کہ بادشاہ تو درویش ہی ہیں اور میں ریزہ چیں اُن کی صورت کا ہوں۔

حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا کہ ریزہ چینا اُن کی صورت سے یہ معنی رکھتا ہے کہ اگر کسی کو توفیق رفیق طریق احوال اُن کی نہ ہو تو اس فرقہ کے افعال و اقوال و اعمال کے راستہ کو اختیار کرے تاکہ درویشوں کی صورت ظاہری کا اثر اُن کے باطن کی کدورت کے زنگ پر پڑے۔

اس کے بعد زبانِ مبارک سے فرمایا کہ۔

نزد شیخ سماؤالدین کنبوہ پیر شیخ جمالی کہ از علمائے کبار و مشائخ روزگار بود رفت۔ بدایں تقریب کہ مبادا او رضا بہ سلطنت برادران دیگر داشتہ باشد و سبق ہوائے دنیوی را بہانہ ساختہ۔ بیان معنی عبارت "اسعدک اللہ" از خدمت شیخ پرسید۔ چوں گفت کہ نیک بخت گرداناد ترا خدائے تعالے۔ التماس کرد کہ ایں لفظ را ۳ مرتبہ بر زبان مبارک خود بیرانند۔ شیخ ۳ بار گفت۔ او برخاستہ عرض داشت کہ من مدعائے خود را حاصل کردم و از شیخ استمداد طلبیدہ متوجہ لشکر شد۔ (منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۱۳ و ۳۱۴)

شیخ سماؤالدین کنبوہ کی خدمت میں جو شیخ جمالی کے پیر اور علمائے کبار اور مشائخ روزگار سے تھے گیا اس وجہ سے کہ شاید سلطنت کی انکی خواہش میرے بھائیوں میں سے کسی کے لئے ہو۔ اور سبق پڑھنے کا بہانہ بنا کر "معنی عبارت" اسعدک اللہ کے خدمت میں حاضر ہو کر شیخ سے پوچھے "جب انہوں نے فرمایا کہ نیک بخت کرے تجھ کو خدائے تعالے"۔ تو التماس کیا کہ اس لفظ کو تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے فرمادیں"۔ شیخ نے تین مرتبہ کہا تو اس نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی غرض حاصل کر لی اور شیخ سے مدد چاہ کر لشکر کو چلا گیا"۔

سلطان سکندر کی۔ شیخ گدائی کے نانا سے حصول سلطنت کیلئے طلب برکت اور لقب سکندر رکھنے کی وجہ

اسی واقعہ کو "صاحب مخزن افغانی" نے اپنی کتاب کے ورق ۹۵ پر ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ:

گویند چوں سلطان بہلول در گذشت و سلطان سکندر بجہت سلطنت طلب داشتند در ملازمت حضرت قطب الاقطاب شیخ سماؤالدین کم گوئی المشتہر بکنبوی دہلوی رفت و گفت میخواہم کہ من کتاب میزان صرف پیش شما بخوانم۔ و سخن را فی الحال از بغل برآوردہ پیش شیخ نہاد۔ حضرت شیخ فرمودند کہ بدان اسعدک اللہ تعالے فی الدارین۔ سلطان گفت باز بگوئید۔ و تا سہ مرتبہ از حضرت شیخ استدعاء طلب تکرار نمود۔ بعد از کتاب را بر داشتہ دست حضرت ایشان ببوسید و گفت مقصود من ایں بود کہ ایں کلمہ در حق من از زبان شما بر آید۔ حضرت شیخ را ادب شاہزادہ بنہایت پسندیدہ و مستحسن نمود۔ از روئے توجہ باطن کار ساز مود کہ نظام خاں از خدا خواستہ ام کہ انشاء اللہ تعالے سکندر روقت باشی و بندہ ہائے خدا از توفیق بسیار بہرہ مند و محفوظ و مسرور گردند۔ پس ایں کلمہ را تفاؤل گرفتہ رواں شد۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان بہلول کا انتقال ہوگیا تو سلطان سکندر سلطنت کے حصول کی غرض سے "حضرت قطب الاقطاب شیخ سماؤالدین کم گوئی المشتہر بہ کنبوی دہلوی کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں کتاب میزان الصرف آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں"۔ اور اسی وقت کتاب کو بغل سے نکال کر شیخ کے آگے رکھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ "تجھے نیک بخت کرے اللہ تعالے دونوں جہان میں"۔ سلطان نے عرض کیا۔ پھر فرمایئے اور حضرت شیخ سے تین مرتبہ اس جملہ کو فرمانے کی درخواست کی۔ اس کے بعد کتاب اٹھا کر حضرت مخدوم صاحب کے ہاتھ چومے اور عرض کیا کہ میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ یہ کلمہ میرے حق میں آپ کی زبان سے نکلے۔ حضرت شیخ کو شہزادہ کا یہ حسن ادب نہایت پسندیدہ اور مستحسن معلوم ہوا۔ اور توجہ باطنی کر کے فرمایا کہ "نظام خاں" میں نے خدا سے چاہا ہے کہ انشاء اللہ تعالے تو سکندر روقت ہوگا اور خدا کے بندوں کو تجھ سے بہت نفع پہنچیگا۔ اور محفوظ و مسرور کرے گا۔ پس ان کلموں کو شگون بنا کر وہ روانہ ہوا۔

(بقیہ حاشیہ) لکھو جس طرح کوتالی مخفف یا محرف ہو کر کوتہ کہا جاتا ہے جس کے معنی مجلس جمہوریہ کے ہیں اسی طرح لکھو نہر کی لفظ کیا کم کا مخفف ہے جس کے معنی وزیر یا مشیر وزیر و حاکم صوبہ کے ہیں (کتاب تفصیلی کا میدان جنگ مصنفہ سر الیٹنڈ بارکلیٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان مترجمہ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار ۱۹۱۲ء) کیونکہ مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کے خاندان میں "علاوہ گورنری" اور صدر و قاضی و مفتی "مسلسل ہوتے آئے ہیں۔ اس لئے ان کا خاندان لکھو یعنی وزراء کا خاندان اسی طرح ملانے لگا تھا۔ جس طرح شاہی خطاب کی وجہ سے "امروہہ" میں "ایک خاندان" و "الشمیران" کہلاتا ہے "یا لاہور" کے ایک خاندان میں پشتوں تک "قضا" رہنے کی وجہ سے وہ خاندان "قاضی" کہلاتا ہے۔ اور جن کا محلہ "قاضیاں" کے نام سے وہاں آباد ہوا۔ اور یہ محلہ "قاضیاں" اب تک موجود ہے۔ یہاں "لکھو" اور "کنبوی" "مخدوم صاحب" کے نام کے سامنے لکھ کر مورخ نے "مخدوم صاحب کے خاندان کے لقب" اور "حقیقی لقب" دونوں کو ظاہر کر دیا ہے۔)

شیخ گدائی کے ماموں۔ شیخ عبداللہ بیابانی کی سلطان غیاث الدین خلجی کی درخواست سے بے اعتنائی اور ایک موقع پر اس کو ڈانٹ سخت

شجرۂ سہروردی قلمی کتب خانہ ریاست رامپور صفحہ ۲۲۹ کے صفحہ ۳ تا ۴ پر "شیخ گدائی" کے بڑے ماموں "حضرت شیخ عبداللہ بیابانی" علیہ الرحمۃ کا حال تحریر ہے۔ اس میں "سلطان غیاث الدین خلجی" اور آپ کے متعلق لکھا ہے کہ

چوں فراغ عبادت نیافت و مانع حضور بدید از خود جدا کرد" و مہر وے ذر جہ را) ادا نمودہ" طرف ولایت مالوہ" عزیمت فرمود"

جب عبادت میں خلل پایا اور مانع حضوری دیکھا تو اپنی زوجہ کو علیحدہ کر دیا۔ اور اُس کا مہر دیکر ولایت مالوہ کی طرف تشریف لے گئے"

"سلطان غیاث الدین" بعد از ملاقات [illegible] شیخ عبداللہ" مذکور" فریفتہ وضع ایشان گشت" و تکلیف صحبت و وظیفہ مدد معاش" بالحاح تمام کرد" شیخ راضی نشد" و درصحرائے "موضع چھتری" اعمال قصبۂ تاراپور" کہ ہفت کروہے از "ضلع مندو" است سکونت اختیار کرد" سلطان غیاث الدین" بارہا تکلیف ملاقات نمود۔ وشیخ راضی نمی شدند" سلطان غیاث الدین" بارہا تکلیف ملاقات نمود" وشیخ راضی نمی شدند"

سلطان غیاث الدین" شیخ عبداللہ" سے ملاقات ہونے پر اُن کی وضع کا فریفتہ ہو گیا" اور اُس نے اُن سے اپنی صحبت میں رہنے اور وظیفہ مدد معاش قبول کر لینے کے لئے بہت منّت و عاجزی سے درخواست کی "شیخ راضی نہ ہوئے اور موضع چھتری اعمال قصبۂ تاراپور" کے جنگل میں جو ضلع مندو" سے سات کوس ہے" رہائش اختیار کی" سلطان غیاث الدین نے بہت دفعہ اُن سے ملاقات کرنی چاہی مگر شیخ راضی نہ ہوئے"

وقتے ایام رحلت حضرت رسالت صلعم" سلطان استدعا طعام کرد" ومجلس ترتیب دادہ بود" آمدند۔ وقت رخصت سلطان" طلب تبرک نمودہ" تسبیح در دست ایشان بود۔ دادند و بیرون آمدند"

حضرت رسالت مآب صلعم کی وفات کی فاتحہ کے دن سلطان نے کھانے کی درخواست کی اور مجلس جو ترتیب دی تھی اس میں وہ تشریف لائے" رخصت کے وقت سلطان نے تبرک کی درخواست کی" اُن کے ہاتھ میں تسبیح تھی دیدی اور باہر تشریف لے آئے"

دو کس طبق پُر از اشرفی و روپیہ" پیش آوردند و گفتند" نذر برائے فقرا است" شیخ از آنجا برگشتند۔ و از دست سلطان" تسبیح کشیدہ گرفتہ و گفتند" برائے ایں درمیان نشدہ بود۔ ایں چنیں است۔ و راہی شد۔ و در ویرانہ در آمدند۔ بعد از اں ہرگز بہ اغنیا و ملاقات نکردند" مگر درویشے"

دو آدمی اشرفیوں اور روپوں سے بھرے ہوئے دو طباق اُن کے سامنے لائے اور عرض کیا کہ" نذر فقراء کے واسطے ہے" شیخ نے اُس جگہ سے واپس لوٹ کر سلطان کے ہاتھ سے تسبیح کھینچکر لیلی اور فرمایا"

یہ شرط ہمارے درمیان نہیں ہوئی تھی" یہ کیوں ہے" اور وہاں سے روانہ ہو کر جنگل میں چلے آئے" اس کے بعد ہرگز اُمراء سے ملاقات نہیں کی" سوائے درویشوں کے"

شیخ گدائی کے ماموں "حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں شہنشاہ ہمایوں کی حاضری و نیاز مندی"

شجرۂ سہروردیہ میں "شیخ گدائی" کے چھوٹے ماموں "مخدوم شیخ نصیر الدین" کے حال میں تحریر ہے کہ"

روزے خلافت پناہ" ہمایوں بادشاہ" بدیدن ایشان آمد" و مولانا محمد فرغلی" و مولانا جلال تھیمی" برکات سعادت انتساب ہمراہ بودند" وشیخ" بوضع درویشان" خلوت در انجمن داشت" خلافت پناہ" بایشاں اشارت کرد" کہ خدمت شیخ را سخن آمدند" مولانا گفت" چنانچہ از لقائے شریف بہرہ مندم" آں امید دارم کہ از کلام لطیف مستفیض کرم" گفتند" قال النبی صلعم خصلتان فی الاسلام لیس

ایک دن خلافت پناہ ہمایوں بادشاہ اُن کے دیکھنے کے واسطے آئے" مولانا محمد فرغلی اور مولانا جلال تھیمی" بادشاہ کے ہمراہ تھے" اور شیخ درویشوں کی وضع سے خلوت در انجمن رکھتے تھے"

خلافت پناہ نے اپنے ساتھیوں سے اشارے میں کہا کہ حضرت شیخ سے کوئی بات پوچھو" مولانا نے عرض کیا کہ دیدار شریف سے ہم بہرہ مند ہوئے" [illegible] کلام لطیف سے مستفیض کرم فرمایئے" فرمایا" قال النبی صلعم

(در مکہ و در مدینہ گشتی ۔۔۔ گوہر بودی خزینہ گشتی)
اے شیخ بما بر س بزودی ۔۔۔ بسیار شما فرت نمودی
بکشائے لبش بسے درگہم گام ۔۔۔ تا در یابی ز گلہ کنجی کام
چشم بجمال تو طپان است ۔۔۔ دل مرغ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضر مائی ۔۔۔ آں بہ کہ بسوئے ما بیائی
(در شیخ ز دوستاں نشد سیر ۔۔۔ تشریف نمودنش کشد دیر)
باید کہ کتاب مہر و ماہم ۔۔۔ ارسال دہد چنانکہ خواہم
از مہر کشد دو دیدہ را نور ۔۔۔ آں مہ نشود ز دیدہ ام دور

یہ خط خود اس بات کی صاف وصریح دلیل ہے کہ سکندر لودھی کے دل میں شیخ گدائی کے والد مخدوم شیخ جمالی کی کیا قدر وقیمت، کیسی عزت وحرمت اور دلی لگاؤ، محبت، خلوص اور کیا توقیر ووقار تھا۔ کیسا والہانہ جوش اور بیقراری کا جذبہ موجزن تھا۔

المشاہیر کے صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵ پر تحریر ہے کہ "شیخ جمالی) دولت معنوی سے معمور اور مکنت وجاہ دنیوی سے نفور ہو چکے تھے"۔ "مقام بلند پیدا" "حبیبہ (مرواد) دنیا کی طرف ملتفت نہ ہوئے"۔ بعد ملاحظہ رقعہ (سلطان سکندر) فرمایا کہ "فقرا کو مجالست اغنیا کی پروا نہیں"۔ رقعہ منظومہ جواب میں لکھکر "کتاب مہر وماہ" خدمت شاہ میں روانہ کردی۔ "کتاب اور خط کو دیکھکر سلطان نے "فلک ہدایت" حضرت سماؤ الدین رح" کی خدمت میں (جو شیخ جمالی کے پیر ومرشد اور خسر تھے) عرضداشت بھیجکر بعجز ونیاز درخواست کی کہ جس طرح ممکن ہو "شیخ کو بھیج دیجئے"۔ حضرت نے بکمال توجہ "شیخ جمالی" کو روانہ کیا۔ جب "سنبھل" کے نزدیک پہنچے تو "فرط شوق سے دو تین کوس خود بادشاہ نے استقبال کیا"۔ بڑی آؤ بھگت سے لیا۔ اکثر بندگان خدا شیخ کے ذریعہ سے فیضیاب حضور سلطانی ہوئے۔ اور خلق اللہ کو بہت فائدہ پہنچا۔ تا دم حیات "سلطان" "شیخ" کے ساتھ دمساز وہمراز، ہمدم صحبت اور ہم زبان رہا۔"

تاریخ خانجہانی مخزن افغانی قلمی کے ورق ص۷۹ تا ۸۱ میں "سلطان سکندر لودی" کے حال میں "مخدوم شیخ جمالی" اور "سلطان" کے تعلقات کا حال اس طرح تحریر ہے کہ:

چوں شہر کتاب "مہر وماہ" کہ از نتائج طبع "والا نژاد" معارف دستگاہ "حقایق آگاہ" "شیخ جمالی کنبو دہلوی" را استماع یافت "شوق صحبت کثیر البہجت ایشاں" دامنگیر سلطان شد۔"

سلطان رقعہ دیگر "بانیاز تمام" بہ قطب فلک ہدایت شیخ سماؤ الدین کنبو" کہ پیر شیخ جمالی" صبیہ ایشاں نیز در حبالہ عقد "شیخ جمالی" بود نوشت۔"

شیخ بنا بر فرمودہ پیر بے نظیر خود" از دہلی" عزیمت سنبھل" نمودند" چوں بہ نواحی شہر رسیدند۔ مخبران ایں خبر را" بہ سلطان رسانیدند" از بس کہ سلطان را شوق ملاقات حضرت شیخ" غالب بود" سہ کروہ پیش آمدہ ملاقات نمودند" وہمراہ گرفتہ بہ منزل تشریف آوردند" وبدست راست محل اجلاس مقرر فرمودند" واز صحبت کثیر البہجت ایشاں بغایت محظوظ وبہرہ مند وبہیج و سرور گشتند" وگرمی صحبت بنوعے درگرفت کہ زیادہ ازاں تصور

جب تصنیف مثنوی مہر وماہ کی جو "والا نژاد" معارف دستگاہ "حقایق آگاہ" "شیخ جمالی کنبو دہلوی" کے نتائج طبع سے تھی" خبر ملی" تو ان کا بہت ہی شادمانی بڑھانے والا شوق صحبت سلطان کو دامنگیر ہوا۔"

سلطان نے دوسرا رقعہ "بانیاز تمام" قطب فلک ہدایت شیخ سماؤ الدین کنبو کی خدمت میں جو شیخ جمالی کے پیر تھے اور ان کی لڑکی بھی شیخ جمالی کے حبالہ عقد میں تھی لکھا۔"

شیخ (جمالی) نے اپنے پیر بے نظیر کے فرمانے کی بنا پر دہلی سے سنبھل کا ارادہ فرمایا" جب شہر کے نواح میں پہنچے تو مخبروں نے یہ خبر سلطان کو پہنچائی" کیونکہ سلطان کے دل پر حضرت شیخ کی ملاقات کا شوق بہت ہی غالب تھا" اس نے تین کوس استقبال کے لئے آگے آ کر ان سے ملاقات کی اور اپنے ہمراہ لیکر واپس ہوا اور منزل پر لایا" اور اپنے سیدھے ہاتھ پر دربار میں ان کی جگہ مقرر کی" اور ان کی بہت ہی خوشی بڑھانے والی صحبت سے نہایت محظوظ اور بہرہ مند

شتواں کردہ تا آخر ایام حیات ’’سلطان‘‘ بایکدیگر ’’دمساز‘‘ و ’’ہمراز‘‘ و ’’مصاحب‘‘ و ’’ہم زبان‘‘ بودند‘‘

اور بہیج اور مسرور ہوا۔ اور گرمیٔ صحبت نے وہ رفعت پکڑی کہ جس سے زیادہ تصور نہیں کی جا سکتی۔ ’’سلطان‘‘ کی وفات کے وقت تک ’’دونوں ایک دوسرے کے دمساز اور ہمراز‘‘ اور ’’مصاحب‘‘ اور ’’ہم زبان‘‘ رہے۔

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کی عزت و منزلت ’’سلطان ابراہیم لودی کے پاس‘‘

رسالہ عبرت نجیب آباد ضلع بجنور میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ’’۷ ذیقعدہ ۹۲۳ھ ہجری بروز یک شنبہ سلطان سکندر‘‘ فوت ہوا۔ اس کے بعد ’’سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں بھی ’’شیخ کا‘‘ (شیخ جمالی کا) وہی اکرام و احترام رہا۔ ابراہیم لودھی ’’شیخ جمالی‘‘ کا ادب اس قدر ملحوظ رکھتا تھا کہ اپنے کسی چچا کا ادب اس نے اس قدر نہیں کیا۔

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کے اثر و کوشش سے ’’راناسانگا کی شکست‘‘

راناسانگا کی کثیر فوج سے خوفزدہ ہو کر جبکہ شاہنشاہ بابر کی فوج نے دل ہار دیا۔ اور اس کے افسروں نے ’’ملک ہندوستان کو ’’کافروں‘‘ کے ہاتھ میں چھوڑ کر ’’کابل لوٹ چلنے کا تہیہ کر لیا تھا‘‘ شیخ جمالی کے اثر سے جو ان کا دہلی اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں پر تھا۔ بابر کو بہت مدد ملی۔ اور بابر نے لشکر میں جو پریشانی پھیلی ہوئی تھی اس کا کچھ خیال نہ کر کے ’’جنگ کی تیاری شروع کر دی‘‘ ’’شیخ جمالی‘‘ بابر کے ساتھ تھے۔

کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۸۶ پر تحریر ہے کہ ’’بابر‘‘ نے ’’شیخ جمالی‘‘ کو بھیجا کہ ’’دوآبہ دہلی‘‘ کے ترکش بندوں میں سے جس قدر آدمی جمع ہو سکیں ان کو جمع کر کے ’’مواضعات میوات کو ’’تاخت و تاراج کریں‘‘ اور جب تک اس طرف کوئی خدشہ ہو۔ اپنا عمل جاری رکھیں۔ اور ملا ترک علی کو جو ’’کابل‘‘ سے آیا تھا۔ فرمان دیا کہ ’’شیخ جمالی‘‘ کے ہمراہ ہو کر ’’میوات کو ’’ویران و تاراج کرنے میں تقصیر نہ کرے‘‘۔

شیخ گدائی کے والد بزرگوار ’’شیخ جمالی‘‘ کی عزت و تکریم شہنشاہ بابر کے دربار میں

تزک بابری کے صفحہ ۳۳۸ و ۳۳۹ پر شاہنشاہ بابر نے ۹۳۵ھ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ ’’پیر کے دن چھٹی تاریخ‘‘ باغ میں جشن ہوا۔ (بمقام آگرہ) میں اس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا جو بنایا ہے۔ ’’میرے سیدھے ہاتھ کی طرف‘‘ پانچ چھ گز کے فاصلہ پر ’’توختہ بوغا سلطان‘‘ ’’عسکری‘‘ (فرزند شاہنشاہ بابر) خواجہ عبد الشہید اولیٰ ’’خواجہ کلاں تولا‘‘ خواجہ حسین خلیفہ ’’علماء اور حفاظ‘‘ جو ’’خواجہ‘‘ کے تابعین میں سے تھے اور سمرقند سے آئے تھے بیٹھے۔

الٹے ہاتھ کی طرف ’’پانچ چھ گز ہٹ کر ’’محمد زماں میرزا‘‘ یافک اتش سلطان ’’سید رفیع‘‘ ’’سید ودی‘‘ ’’شیخ ابو الفتح‘‘ ’’شیخ جمالی‘‘ ’’شیخ شہاب الدین عرب‘‘ اور ’’سید دکنی‘‘ بیٹھے‘‘ قزلباش ’’ازبک‘‘ اور ’’راجاؤں کے ایلچی بھی اس جشن میں شریک تھے‘‘ دائیں ہاتھ کی طرف ’’ستر اسّی گز کے فاصلہ پر ’’شامیانہ تان کر ’’قزلباش‘‘ کے سفیر کو بٹھایا‘‘ اور اس کے ساتھ بیٹھنے کو ’’یونس علی کو حکم دیا‘‘ اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب ’’ازبک کے سفیر کو بٹھایا۔ اور امراء میں سے ’’عبد اللہ‘‘ کو ان کے ساتھ بیٹھنے کے لئے متعین کیا‘‘

شیخ جمالی کے اثر سے شہنشاہ بابر کا فائدہ اٹھانا

جب شاہنشاہ اکبر ’’آرہ‘‘ اور ’’بستی منیر‘‘ کے قریب و جوار میں تھے ’’شاہنشاہ بابر نے ’’شیخ جمالی‘‘ کو ان کے اثر کی وجہ سے ’’داؤد‘‘ اور اس کے بیٹے کو لانے کے لئے روانہ کیا تھا‘‘ جس کو صفحہ ۳۵۲ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ ’’جمعرات کے دن ’’شیخ جمالی‘‘ کو ’’داؤد‘‘ اور اس کے بیٹے ’’جلال الدین خاں‘‘ کے پاس معہ فرمان استمالت روانہ کیا‘‘۔

بصفحہ ۳۵ پر "شاہنشاہ بابر" نے "شیخ جمالی" کے ان دونوں باپ بیٹوں کے اپنے ہمراہ لے آنے کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "پیر کے دن آٹھویں تاریخ "دریا خاں کا پوتا جلال خاں" جس کے لانے کے لئے "شیخ جمالی" گئے تھے" آ کر ملا" بڑے بڑے اُمراء بیعت آ کر ملا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جبکہ بابر بادشاہ "بنگالیوں" کو شکست دیکر" اور "بہار" میں اپنی حکومت جما کر "اودھ" میں آ گئے تھے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ جمالی کا بے پایاں اثر تمام افغان قوم پر تھا اور وہ ان کو کس عظمت اور حرمت نیز بزرگی کی نظر سے دیکھتی تھی"

شہنشاہ بابر کی "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار کے مکان پر بار بار حاضری

علامۂ زماں مؤرخ اعظم اکبر شاہ خاں "نجیب آبادی" نے اپنے رسالہ عبرت نجیب آباد ضلع بجنور میں تحریر فرمایا ہے کہ "جب پانی پت کے میدان میں بابر کے ہاتھ سے دولت افغانیہ" ابراہیم لودھی کے ساتھ تباہ ہوئی۔ تو بابر کی مردم شناس نگاہ نے ہندوستان کے اس گوہر بے بہا کو "دولت افغانیہ" کے تمام خزاین ودفاین سے زیادہ قیمتی سمجھکر اپنی ذات کے لئے منتخب کر لیا" اور اپنے دربار کی زیب و زینت سمجھکر کبھی جدا نہ ہونے دیا" بابر کے دربار میں دولت افغانیہ کے اُمراء کی کچھ قدر نہ تھی" اور یہ ہی سبب تھا کہ بابر کے بعد بہت جلد افغانوں نے "شیر شاہ" کے زیر سایہ جمع ہو کر "ہمایوں" کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیابی حاصل کی" لیکن بابر باوجود اس کے کہ اس کے ہمراہ بہت ایرانی اور تورانی باکمال موجود تھے "شیخ جمالی" کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ بسا اوقات خود اٹھکر "شیخ جمالی" کے گھر چلا جاتا تھا"

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کی خدمت میں شہنشاہ ہمایوں کی بارہا حاضری اور نیازمندی

مآثر الامراء سے لیکر "ہمایوں بادشاہ" سے آپ کے تعلقات کا حال اور یہ کہ ہمایوں بادشاہ" کر ان کے مکان پر تشریف لائے تھے" اوپر لکھا جا چکا ہے اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے"

علامہ اکبر شاہ خاں نے رسالہ عبرت میں لکھا ہے کہ بابر کے بعد ہمایوں نے بھی "شیخ جمالی" کی تعظیم و تکریم بدرجۂ اتم ملحوظ رکھی" اپنے باپ کی سنت کے موافق "شیخ جمالی کے مسکن پر حاضری دی" اور کبھی شیخ کی جدائی کو گوارا نہ کیا" بنگالے کے سفر" کا تیجہ کی فتح" اور گجرات کی فوج کشی میں "شیخ جمالی" ہمایوں کے ساتھ تھے" جب ہمایوں نے "بہادر شاہ" فرمان گجرات و فاتح چتوڑ پر چڑھائی کی۔ تو شیخ جمالی ہمایوں کے ساتھ تھے" اسی سفر میں "شیخ جمالی فوت ہوئے" میت دہلی بھجوائی گئی۔ اور قطب صاحب کے پاس سپرد خاک ہوئی" ذیقعدہ ۹۴۲ھ ہجری کو سلطان سکندر کے پورے انیس ۱۹ سال بعد فوت ہوئے"

صاحب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۳۴۲ پر لکھا ہے کہ"

زمانہ کہ بادشاہ (ہمایوں) از مندو (دار السلطنت مالوہ) بجانب آگرہ متوجہ شدہ بودند میرزا عسکری" در راہ بملازمت رسید" و بہادر" چانپانیر را بصلح از "تردی بیگ" گرفت" و درین سال "جمالی کنبوی دہلوی" از عالم فنا بملک بقا رسید" و "خسرو ہند بوده" تاریخ یافتند"

جس زمانے میں کہ بادشاہ (ہمایوں) مندو (دار السلطنت مالوہ) سے آگرہ کی طرف متوجہ ہوا" اور میرزا عسکری نے راستہ میں ملازمت کی۔ اور بہادر نے چانپانیر کو صلح سے تردی بیگ سے لیلیا" اسی سال "جمالی کنبوی دہلوی" کا انتقال ہو گیا" اور "خسرو ہند بوده" ان کی وفات کی تاریخ ہوئی"

خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۵۵ پر ہے کہ"

وفات آں جامع الکمالات درسالیکہ "ہمایوں بادشاہ" بہ گجرات رفتہ بود" ہمراہ لشکر بادشاہ بوقوع آمد"

وفات اس جامع الکمالات کی اس سال جب ہمایوں گجرات گیا تھا" ہمراہ لشکر بادشاہ وقوع میں آئی"

عرب و عجم سے آنے والوں کے سرپرست شیخ گدائی کے برادرِ خورد شیخ عبدالحئی المتخلص بہ حیاتی

"شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے "اخبار الاخیار" کے صفحہ ۲۲۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"در زمان "افغانان" ہر کہ از جنس طالب علم" یا شاعر" یا "قلندر" از ولایت "بایں جانب" افتادے در منزل او مے بودے و ہر یک بہ بایں ہا خدمت ہا مے کردے" و مبلغ کثیرے از ترکہ پدر" بہ او رسیدہ بود" آں ہمہ را در مدتے از عمرِ خود" صرف اوقات" یاران کردے"

افغانوں کے زمانے میں جو "طالب علم" یا "شاعر" یا "قلندر" ولایت سے اِس طرف آیا" اِس کے لئے اُن کا گھر ٹھکانا تھا" وہ ہر ایک کی اپنی دولت سے خدمت کرتے تھے" اور کثیر دولت جو انہیں ترکۂ پدری سے پہنچی تھی اُس سب کو اپنی مدت العمر میں اور دوستوں پر صرف کر دیا"

شیخ گدائی کے بھائی کی قدر و منزلت شیر شاہ کی نظر میں

تاریخ خان جہانی مخزن افغانی میں ہے کہ "شیخ عبدالحئی برادر خورد شیخ گدائی" مصاحب و ندیم و ہم زبان "شیر شاہ سوری" کے تھے" چنانچہ اِس کتاب کے ورق صفحہ پر تحریر ہے کہ:

"ملو خاں" (حاکم مالوہ) نصف شب از اردو بر آمدہ "راہِ فرار پیش گرفت" علی الصباح چوں "شیر شاہ" دربارِ عام بر آمد" ایں خبر شنید" بجانب فضائل مآب" شیخ عبدالحئی" ولد "شیخ جمالی کنبو" برادر خورد "شیخ گدائی" کہ مصاحب و ندیم و ہم زبان شیر شاہ بود" توجہ نمودہ" ایں مصرع بر زبان راند" ع باما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی"
"شیخ عبدالحئی" فی البدیہہ مصرع دیگر گفت ع
قولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی
"شیر شاہ" بغایت شگفتہ گشت"

ملو خاں (حاکم مالوہ) آدھی رات کو اپنے لشکر سے نکل کر بھاگ گیا" صبح سویرے "شیر شاہ" نے دربار عام میں برآمد ہو کر یہ خبر سنی" تو فضائل مآب "شیخ عبدالحئی" ولد شیخ جمالی کنبو برادر خورد شیخ گدائی کی طرف جو مصاحب و ندیم اور ہم زبان شیر شاہ کے تھے" مخاطب ہو کر یہ مصرع زبان پر لایا" ع باما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی"
"شیخ عبدالحئی" نے فوراً ہی یہ دوسرا مصرع کہا ع
قولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی
"شیر شاہ" بہت ہی خوش ہوا"

حیات لودی معروف شوکت افغانی کے صفحہ ۲۶۹ پر اور "تاریخ فرشتہ جلد دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ کے صفحہ ۲۶ پر پہلا مصرع شیر شاہ کا اور دوسرا فی البدیہہ مصرع "شیخ عبدالحئی" کا تحریر ہے" مگر صاحب "منتخب التواریخ" "ملا عبدالقادر بدایونی" نے یہ پورا شعر "شیر شاہ" سے منسوب کر دیا ہے" چنانچہ اپنی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۳۰۵ پر اس نے لکھا ہے کہ:

"دریں اثنا وہم بخاطر "ملو خاں" راہ یافت شبے خیمہ را پارہ کردہ تنہا بروش معہود غلاماں راہِ فرار پیش گرفت و "شیر خاں" (شیر شاہ سوری) ایں بیت گفت ؎

اِسی اثنا میں ملو خاں کے دل میں وہم پیدا ہوا" رات کو خیمہ میں سوراخ کر کے وہ غلاموں کی طرح اکیلا بھاگ گیا" اور "شیر خاں" (شیر شاہ سوری) نے یہ بیت کہی ؎

باما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی ۔ قولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی

باما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی ۔ قولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی

مؤلف "امراء ہنود" کا یہ قابل" محتاط" ناقد" اور محقق ملا" اِن دونوں مصرعوں کو "شیر شاہ" سے چسپاں کرتے وقت" اتنا بھی نہ بھانپ سکا کہ اِس دوسرے مصرع کو "شیر شاہ" اپنی زبان سے کہہ بھی سکتا تھا یا نہیں"

سلیم شاہ سوری کے پاس شیخ گدائی کے بھائی کی قدر و منزلت اور اُن کی تصنیفات

"تاریخ خان جہانی مخزن افغانی" کے ورق صفحہ ۱۱۴ و ۱۱۵ پر ہے کہ:

"فضایل مآب" معالی انساب "شیخ عبدالحیٔ" کہ در فضیلت سخن وری "وظرافت طبع" ثانی نداشت "مصاحب و ندیم وہمدم وہم زبان" "سلیم شاہ" بود"

فضایل مآب "معالی انساب" شیخ عبدالحیٔ "جو فضیلت، سخن وری اور ظرافت طبع میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے "مصاحب اور ندیم اور ہمدم اور ہم زبان "سلیم شاہ" کے تھے"

منتخب التواریخ میں جلد اوّل کے صفحہ ۴۱۶ پر ہے کہ "

ہمیں سال (۹۵۹ ہجری) شیخ عبدالحیٔ ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی "کہ بفضائل علمی وشعری آراستہ و صاحب سجادہ۔ و ندیم" و مصاحب خاص الخاص" "اسلیم شاہ بود وفات یافت"

اسی سال (۹۵۹ ہجری) میں شیخ عبدالحیٔ ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی نے جو فضائل علمی اور شعری سے آراستہ اور صاحب سجادہ اور ندیم ومصاحب خاص الخاص "اسلیم شاہ کے تھے۔ وفات پائی"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی "تذکرہ مصنفین دہلی کے صفحہ ۱۸ و ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ"

میگویند کہ تاریخ نوشتہ بود "بنام سلیم شاہ" مصنوع مطبوع کہ باقی نماند"

کہتے ہیں کہ مصنوع مرغوب طبع سلیم شاہ کے نام سے تاریخ لکھی تھی "جو باقی نہیں رہی"

شیخ گدائی کے عزیز نواب شہباز خاں شہنشاہ اکبر کے سپہ سالار و گورنر و نائب السلطنت

المشاہیر کے صفحہ ۹۰ پر "شیخ گدائی" کے قریبی عزیز "نواب شہباز خاں" کے حالات میں تحریر ہے کہ "جب اکبر" مرزا محمد حکیم اپنے چھوٹے بھائی کے فتنہ و آشوب کے دفع کرنے کے لئے کابل گیا" شہباز خاں" جو "بنگالہ وبہار" میں "معصوم خاں" کو شکست فاش دیکر اس ملک کو "باغیوں سے صاف کرچکے تھے" حسب الحکم شاہی "آگرہ" پہنچکر بادشاہ کی غیبت میں" وہ دارالسلطنت کی حفاظت پر مامور و مصروف رہے" چھبیسویں سال جلوس (۹۸۹ ہجری) میں بادشاہ نے مراجعت کی" شہباز خاں" مشرف یاب ملازمت ہوکر مورد مراحم خسروانہ ہوئے"

اور صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے کہ "محرم ۹۵۹ ہجری میں خبر آئی کہ "میرزا محمد حکیم" حسب طلب "معصوم خاں فرنخودی" قصد ہندوستان کو آتا ہے" اور شادمان نامی" اس کا ایک نوکر" اٹک آتر آیا ہے" اکبر "فتحپور" سے "پنجاب" کی طرف متوجہ ہوا" جب "سعد آباد" میں جو فتحپور سے پندرہ کوس ہے پہنچا "شہباز خاں" کی فتح عظیم پانے اور "معصوم خاں فرنخودی کو" دشت ادبار کرنے" ڈیڑھ سو ہاتھی" اور بہت سا مال واسباب ہاتھ آنے اور معصوم خاں کے اہل وعیال کے گرفتار ہوجانے کی خبر پہنچی۔ اس فتح نمایاں کی بڑی خوشی ہوئی۔ اور فال نیک سمجھی گئی" شہباز خاں کے نام "فرمان عنایت اقتران بھیجا گیا" اور معصوم خاں کے اہل وعیال کی حفاظت کی ہدایت کی گئی" بادشاہ کی غیبت میں "کرہی" (نام مقام در گجرات) سے "پنجاب تک" تمام ملک" شہباز خاں" کے زیر حکومت تھا" وہ جس شخص کو جو منصب چاہتے تھے دیدیتے تھے" جب اکبر" پانی پت میں داخل ہوا تو "شہباز خاں" نے بڑے کروفر سے ملاقات حاصل کی" اکبر نے" ان سے پوچھا کہ تم کو بیدریغ مناصب دینے کی کیوں ایسی جرأت ہوئی" انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں سپاہیوں کو دلاسا نہ دیتا تو سب یک قلم باغی ہوجاتے۔ اب آپ کا ملک ہے اور آپ کی فوج ہے۔ جس کسی کو جو منصب چاہے دیجئے۔ اور جس سے چاہیے نکال لیجئے"

صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۲۹۶ پر اس طرح لکھا ہے کہ"

وچوں (اکبر) بہ پانی پت "رسیدند" ودریں منزل "شہباز خاں" کہ در مدت غیبت "از کرہی" تا "پنجاب" ممالک محروسہ را بطور جاگیر مردم ساختہ" وہر کرا" ہر منصبے کہ خواستہ دادہ بود" باطمطراق وکروفر آمدہ۔ ملازمت کرد۔ وچوں از وے سبب ایں جرأت پرسیدہ اند۔ جواب دادہ" کہ اگر ایں چنیں دلاسائے سپاہی نمی کردم"

جب اکبر پانی پت پہنچا اس منزل میں شہباز خاں نے جس نے بادشاہ کی غیر حاضری میں "کرہی (نام مقام در گجرات) سے پنجاب تک کا تمام ملک بطور جاگیر کے زیر حکومت تھا اور وہ جس شخص کو چاہتا تھا اپنے اختیار سے ہر منصب دیدیتا تھا" بڑے طمطراق اور کروفر سے آکر بادشاہ کی ملازمت کی" جب بادشاہ نے [illegible]

نواب شہباز خاں کی دینداری اور بزرگانِ دین سے ارادت، قومی ہمدردی اور عدیم النظیر دولتمندی

مآثر الامراء جلد اول کے ص ۵۹۷ تا ۶۰۰ پر تحریر ہے کہ:

(۱) گویند شہباز خاں وصیت کردہ بود، کہ در محوطۂ مرقد منور معینیہ (حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ) نعش کنند۔ مجاوران بقعۂ شریفہ سرزدہ نگذاشت۔ ناچار بیرون مدفون گردید۔ (ص ۵۹۹)

شب خواجہ بزرگ ؒ در رؤیا بمجاوران تاکید فرمود کہ از محب ماست۔ اندرون شمال رویہ گنبد گذارند۔ صبح وا بمبالغۂ تمام برآوردہ بہ جائے معین سپردند۔

(۲) صلاح و تقویٰ او مشہور است۔ و پاس شریعت غرّا را بسیار ملحوظ میداشت۔ (ص ۵۹۷ و ۵۹۸)

(۳) رسم و رواج وقت لحیہ نکرد۔ و خمر نپیمود۔ و در نگین لفظ مرید نکند۔

(۴) تہجد و اشراق تا سنت عصر قضا نشد۔ و بے وضو نے بود۔ و ہمیشہ تسبیح در دست بود و میخواند۔ ص ۵۹۹

(۵) اخراجاتش دیدہ مردم متحیر میبودند۔ برشہے بہ یافتن سنگ پارس شہرت پیدا کردند۔

(۶) بالجملہ گویند شہباز خاں مردم بیش قرار نوکر داشت۔ چنانچہ دہ کس بودند کہ ہر کدام سالیانہ یک لک روپیہ مے یافت۔

(۷) در جنگ برہم پتر از خود نہ ہزار سوار موجود مے داشت۔

(۸) و ہر شب جمعہ صد اشرفی را شیرینی نذر حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ تخش میکرد۔

(۹) و بمردم کنبو آنقدر باداد کہ ہیچ کس از یں قوم درہند پریشان

(۱) کہتے ہیں کہ شہباز خاں نے وصیت کی تھی کہ مجھے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مزار مبارک کے احاطہ میں دفن کریں۔ مجاوروں نے اجازت نہ دی ناچار باہر مدفون ہوئے۔

رات کو خواب میں خواجہ بزرگ نے مجاوروں کو تاکید فرمائی کہ شہباز خاں ہمارا دوست ہے اس کو اندرون شمال رویہ گنبد کے جگہ دو۔ صبح کو اُن کی منت سماجت سے اُن کی نعش نکال کر خواجہ صاحب کی بتلائی ہوئی جگہ دفن کیا۔

(۲) صلاح و تقویٰ اُن کا مشہور ہے شریعت غرا کا پاس بہت ملحوظ رکھتے تھے۔

(۳) رسم و رواج وقت کے مطابق انہوں نے داڑھی نہیں منڈائی۔ شراب نہیں پی۔ اور انگوٹھی میں لفظ مرید کندہ نہیں کرایا۔

(۴) تہجد اور اشراق کی نمازیں حتیٰ کہ سنت عصر تک قضا نہیں کیں اور کبھی بے وضو نہیں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ تسبیح ہاتھ میں رکھتے اور ورد کرتے رہتے تھے۔

(۵) اُن کے اخراجات دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ اور شہرت ہو گئی تھی کہ ان کو پارس پتھر مل گیا ہے۔

(۶) یہ بھی کہتے ہیں کہ شہباز خاں بڑی بڑی تنخواہوں کے نوکر رکھتے تھے۔ چنانچہ دس آدمی ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ دیتے تھے۔

(۷) جنگ برہم پتر میں ان کی اپنی ذاتی فوج نو ہزار تھی۔

(۸) اور ہر جمعہ کی رات کو سو اشرفیوں کی مٹھائی حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کی نیاز دلا کر تقسیم کراتے تھے۔

(۹) اور کنبو لوگوں کو انہوں نے اس قدر دیا کہ کوئی آدمی اس قوم کا

(بقیہ نوٹ علہ ص ۱۳۱) اور حلم مجلسی۔ اور آدابِ محفل کی۔ اس غریب کو کیا خبر۔ وہ آپ ہی نہیں جانتا۔ شاگرد کو کیا کھا دے اور بتائے۔ بشن ستا کر معلوم بھی کر لیا تو کیا ہوتا ہے یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اُن کا دل کھلا ہوا تھا۔ اُن کو وقت پر قواعد و آداب کے سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے موقع پر خود بخود اعضا میں وہی حرکت پیدا ہو جاتی تھی۔ کیونکہ وہ اسی دریا کی مچھلی تھے۔

اب بھی نئے روشن ضمیر نوتعلیم یافتہ کہیں جا پہنچتے ہیں۔ تو سلام کرنا بھی نہیں آتا۔ میرے ان دوستوں کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ چلتے ہیں تو قدم ٹھکانے سے نہیں پڑتا۔ اور نظر باز بھی وہیں ٹھکانے کھڑے ہیں۔ بات بات پر کہہ رہے ہیں کہ یہاں نہ ہو گا۔ وہاں بھول آئے یہ ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ پھر صاف کہہ دیتے ہیں کہ مولوی صاحب۔ یا بابو صاحب۔ ٹکسال باہر ہیں۔ خیر اب نہ وہ دربار۔ نہ وہ سرکار۔ جہاں ٹوٹا پھوٹا کارخانہ ہے۔ اس کا رنگ بدلتا

بدحالی خاندان (۱) معتدا بعد حمزونش تا پنجاہ سال از اشرفی و روپیہ دفاین خزاین برمے آمد ۔ ہندوستان میں پریشان وبدحال رہا (۱۰) بہرحال اُن کے مرنے کے بعد پچاس برس تک اشرفیوں روپیوں کے دفینے اور خزانے نکلتے رہے ۔

شیخ گدائی کے ایک اور عزیز وزیر اعظم سلطان ابراہیم لودھی

المشاہیر کے صفحہ ۱۱۵ پر شیخ گدائی کے ایک اور عزیز شیخ عبدالعزیز کنبوہی کا حال اس طرح تحریر ہے کہ شیخ عبدالعزیز سلطان ابراہیم لودی کے مدارالمہام سلطنت تھے ۔ بادشاہ کے بھائی کو اُن کے بھادر فرزند نے گرفتار کیا تھا ۔ سلطان سکندر نے اتوار کے دن بارہ ذیقعد ۹۳۳ ہجری میں سلطنت دنیا سے کنارہ کیا تھا ۔ اسی دن ابراہیم اس کا چھوٹا بیٹا آگرہ میں تخت نشین ہوا ۔ سکندر و ابراہیم کے وقت سے شیخ عبدالعزیز کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے ۔

شیخ نورالحق المتوفی ۱۰۷۳ ہجری فرزند شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب زبدۃ التواریخ قلمی کے ورق ۲۴۶ و ۲۵۴ پر بھی آپ کا ذکر تحریر ہے ۔ اور کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۵ پر اور تزک بابری سے معلوم ہوا کہ آپ سلطان بابر کی طرف سے جمادی الاول ۹۳۳ ہجری میں راجہ سانگا کی فوج سے لڑکر شہید ہو گئے ۔

شیخ گدائی کے عزیز وزیر اعظم شیرشاہ سوری

المشاہیر کے صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷ پر نواب اعتماد الملک سنبھلی کا حال تحریر ہے کہ آپ شیرشاہ سوری کے وزیر اعظم تھے ۔ اور آپ کا گنبد دار مقبرہ سنبھل میں موجود ہے ۔ اور آپ کی نسل کا بھی سنبھل میں پتہ ملتا ہے ۔ یہ اعتماد الملک شیخ گدائی کے خاندان سے تھے ۔

شیخ گدائی کے خاندان کے چند دیگر اُمراء، اولیاء اور علماء

شیخ گدائی کے خاندان کے تین بزرگوں ۔ (۱) ملک میاں چھجو ہمیرہ فیروز خاں اور نبیرہ خان جہاں ۔ اور (۲) مولانا جمال الدین کنبوہ ولد حسام الدین ملتانی ۔ اور (۳) حاجی جمالی قدس سرہٗ کے کچھ حالات ہم باب سوم میں لکھ چکے ہیں ۔ جو ملک میاں چھجو کے علاوہ تغلقیوں خلجیوں اور ترکوں کے زمانوں کے بزرگ ہیں ۔ ملک میاں چھجو سیدوں اور لودھیوں کے امرائے کبار میں سے تھے ۔ ان کے علاوہ (۴) ملک تاج الدین اور (۵) خانجہاں عماد الملک سلطان بہلول اور سکندر لودھی کے امرائے کبار میں تھے ۔ موخرالذکر میرعدل تھے ۔

شیخ گدائی کے نانا نانا کے حقیقی بھائی اور والد بزرگوار نیز خالو اور ماموں زاد بھائیوں کے حالات سے جو اپنے اپنے درجات میں اپنے ممتاز تھے ۔ اپنی آپ نظیر تھے ہم آگے کسی موقع پر روشناس کرائیں گے ۔ یہاں اُن کے زمانے کے صرف چند بزرگوں سے آپ کو واقف کراتے ہیں ۔

اکبر ہی کے زمانے میں امراء میں (۱) کرم اللہ نواب شہباز خاں کے بھائی اور (۲) بہاؤالدین کنبوہ بخشی تھے جنہیں شہنشاہ اکبر نے یوسف خاں بادشاہ کشمیر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا ۔ (۳) مصطفےٰ قلی کنبوہ امراء میں نامور جرنیل تھے شہنشاہ اکبر کے زمانے میں دکن کی لڑائیوں میں آپ کا ذکر موجود ہے ۔ غرضکہ جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر و فرخ سیر و محمد شاہ شاہ عالم ۔ وغیرہ وغیرہ کے زمانوں میں بھی مسلسل اسی تفصیل سے بزرگ ہوتے چلے آئے ہیں ۔ اگر سب کا حال لکھا جائے تو کئی ضخیم جلدیں بنیں گی ۔ شعراء، حکماء اور مصنفین کا ذخیرہ ، امراء، علماء اور مشائخ طریقت کا ایک لا متناہی سلسلہ ہے جو شیخ گدائی کے خاندان میں شروع سے آج تک بنتا چلا آیا ہے ۔ ہر تاریخ میں اس خاندان کے بزرگوں کے حالات موجود ہیں ۔ حضرت برہان الدین ، الہدیہ شہید دکن ، گجرات اور مجاہد خاں شہید دکو تلنگانہ نامور سپہ سالار شہنشاہ اکبر کے تھے ۔

شیخ گدائی کے خاندان کی حیثیت جو ہر زمانے میں رہتی آئی

ہم نے اس موقع پر شیخ گدائی کے صرف چند اُن بزرگوں اور اولیاء [illegible]

یہاں شیخ گدائی کے بزرگوں کا فرداً فرداً شروع سے حال بتانا طول امل ہے اس لئے اُن کے خاندان کی جو حیثیت شروع سے مسلسل چلی آ رہی تھی اُس پر صرف ذرا سی روشنی ڈال دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ شجرۂ مہر و وہیں لکھا ہے "

اِس خاندان عالی شان در ہمہ ادوار و انواع رعایت داد و صاحب تربیت مخصوص و ممتاز بودہ است

یہ خاندان عالی شان ہر زمانے میں طرح طرح کی رعایتوں اور تربیت کے اوصاف سے ممتاز رہتا چلا آیا ہے "

شیخ گدائی کے خاندان میں "دار الخلافہ دہلی کے عہدۂ قضا و افتا کے موروثی ہونے کے متعلق" علامہ آزاد بلگرامی کا بیان

اور مولانا غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری نے اپنی کتاب تذکرہ خزانۂ عامرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ " از ابتدائے علمداری مسلمانان خدمات شرعیہ دار الخلافہ دہلی مثل قضا و افتا " اکثر بہ مردم کنبوہ تعلق داشت و دارد " (خزانۂ عامرہ صفحہ ۱۵ مطبوعہ نولکشور پریس کانپور)

شروع علمداری مسلمانان سے خدمات شرعیہ دار الخلافہ دہلی مثل قضاء و افتا کا اکثر کنبوہ اشخاص سے تعلق رہا اور اب بھی ہے "

شہنشاہ عالمگیر کے زمانے کے شیخ گدائی کے خاندان کے ایک موروثی مفتی و قاضی کا حال صاحب مآثر عالمگیری کے قلم سے

مآثر عالمگیری تصنیف محمد ساقی مستعد خاں مترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب رکن دار الترجمہ مملکت حضور نظام دکن " مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے صفحہ ۶۹ پر " شیخ گدائی " کے خاندان کے ایک بزرگ " قاضی محمد اکرم خاں " کا حال " جلوس عالمگیری سال بست و ہفتم کا آغاز مطابق سنہ ۱۰۹۴ ہجری ۱۵ ذی الحجہ میں اس طرح تحریر ہے کہ " محمد اکرم مفتی " " لشکر اورنگ آباد " کے قاضی مقرر ہوئے "

اور صفحہ ۲۸۱ پر سنہ ۴۳ جلوس عالمگیری مطابق سنہ ۱۱۰۹ ہجری ماہ رمضان المبارک کے حالات میں لکھا ہے کہ " محمد اکرم " جو دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے " اردوئے معلی " کی " خدمت قضا پر " حضور پر نور میں طلب فرمائے گئے "

اور صفحہ ۳۸۴ پر ہے کہ " محمد اکرم " " اکبر آباد " سے حضور کی بارگاہ اقدس و اعلیٰ حاضر ہوئے " اور اردوئے معلی کی خدمت قضا پر مامور ہوئے " ماہ ذیقعدہ میں اور صفحہ ۳۸۵ پر ہے کہ سنہ ۴۸ جلوس عالمگیری مطابق سنہ ۱۱۱۵ ہجری میں " قاضی اکرم خاں " کو ہاتھی عنایت ہوا " اور صفحہ ۳۰۶ پر تحریر ہے کہ " جلوس عالمگیری کے انچاسویں سال کے آغاز مطابق سنہ ۱۱۱۶ ہجری میں سولہویں رجب کو قبلۂ عالم نے پایہ ورگڑھ سے روانہ ہوئے " رجب کا نصف مہینہ اور ماہ شعبان مسافت طے کرنے میں گزرا " اثنائے راہ میں " قاضی محمد اکرم خاں " کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور انہوں نے وفات پائی " خان مذکور علم فقہ کے متبحر عالم تھے " حضرت اپنی پایہ شناسی سے " قاضی صاحب " مذکور کو ہمیشہ لفظ " ملا " سے یاد فرمایا کرتے تھے "

شیخ گدائی کے خاندان کنبوہ کے عالمگیری زمانے کے شیخ الاسلام یا صدر الصدور اور نائب صدر

(۱) مآثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد کے صفحہ ۱۳۱ پر ہے کہ " خواجہ شاہ محمد بہ شریف خاں سرافراز گردید پاسے خاندان مکان بود و چندے منصب صدارت کل اتیاز داشت "

خواجہ شاہ خاں صاحب بہ شریف خاں کو شہنشاہ عالمگیر نے عہدہ دیا تھا " چندے یہ شیخ الاسلام رہے ہیں۔

(۲) محمد شریف خاں کنبوہ " صدر الصدور کے صاحبزادے محمد عادل کو شہنشاہ عالمگیر نے صدر الصدور کا نائب بنایا تھا (المشاہیر)

شیخ گدائی کے عالی نسب اور زبیری النسل ہونے کے شواہد

اب یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ " شیخ گدائی " کا خاندان " شریعت و طریقت دونوں کا حامل تھا " (۱) اکبری سلطنت کے نفس ناطقہ ابو الفضل و فیضی کے نانا " شیخ بہیدن قریشی رح " (۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے نانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن رح " (۳) ملا عبد القادر بدایونی " صاحب منتخب التواریخ کے استاد " شیخ حاتم سنبھلی کے چچا " شیخ عجائب " متخلص بہ ہلالی رح جن کے نام پر " سنبھل میں "

ایک محلہ "بلالی سرائے" اب بھی موجود ہے" (۴) "شیخ اِبن بدر چشتی امروہوی" کے پیر طریقت "سید علاؤ الدین المشہور علاول بلاول مجذوب" (۵) "شاہ عبداللہ قریشی"۔ (۵) "سیادت مآب معز الدین" (۶) "شیخ محمود" (۷) "رسولدار" (۸) "شیخ عبدالنبی صدر الصدور یا شیخ الاسلام سلطنت شاہنشاہ اکبر کے والد ماجد" "شیخ احمد" (۹) "ملا عبدالقادر بدایونی اور ان کے والد" اور "سید محمد میر عدل امروہوی کے استاد" "شیخ حاتم سنبھلی" (۱۰) "شیخ راجو قدس سرہ ابن شیخ محمد زماں" (۱۱) اور "شیخ بایزید ابن شیخ راجو قدس سرہ" کے علاوہ "شیخ عبدالستار سہارنپوری قدس سرہ اور ہزاروں "پیران طریقت" اور علمائے شریعت "شیخ گدائی کے نانا" "ماموں" "ماموں زاد بھائیوں۔ اُن کے والد" اور خود اُن کے مرید و خلیفہ نیز شاگرد تھے"

اور ان کے مکان پر "سلطان بہلول لودی" "سکندر لودی" "بابر" اور "ہمایوں و اکبر وغیرہ" آکر سر نیاز جھکایا کرتے تھے" نیز "شیرشاہ سوری" اور "اسلیم شاہ" "شیخ گدائی کے چھوٹے بھائی" "شیخ عبدالحئی المتخلص بہ حیاتی کی مصاحبت و ہمزبانی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے" اور جس قدر بھی طالب علم "شاعر" یا درویش" "ولایت" سے اِس جانب آتے تھے" اُن سب کی سرپرستی "شیخ گدائی" کا گھرانا ہی کرتا تھا" خصوصاً اُن کے چھوٹے بھائی "حیاتی" اُن پر مبلغ خطیر صرف کرتے تھے"

پھر جبکہ ہمارے پیش کردہ اقتباسات سے اس امر پر بھی بخوبی روشنی پڑ گئی ہے کہ "ہندوستان میں" ابتدائے عملداری مسلمانان سے "شیخ گدائی" کے خاندان کو مسلسل قابلِ رشک اقتدار حاصل رہا ہے) اور ہم نے ملا عبدالقادر بدایونی کی کتاب "منتخب التواریخ" میں تو "شیخ گدائی" کے بھتیجے "شیخ محمد" کے متعلق یہ لکھا ہوا دیکھا دیا ہے"

(۱) "شیخ محمد" "علوئے حسب و نسب" اور فضائل مکتسبی و موروثی میں "یگانۂ زمانہ تھے" اور

(۲) "شجرۂ سہروردیہ" اُن کے نانا "مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ" کی پالکی کو "سید عبدالوہاب بخاری کے اپنے کاندھوں پر اٹھا لینے کا حال بھی بتایا جا چکا ہے۔

(۳) نیز "مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ کی نسل کے ایک بزرگ" "شیخ محمد الیاس" کو "تحفۂ خان" میں "سید" تحریر کیا گیا ہے" اور

(۴) "تاریخ خان جہانی مخزن افغانی" میں "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "شیخ جمالی کنبوہی دہلوی" کو "والا نژاد"

(۵) اور "شیخ گدائی" کے برادر خورد "شیخ عبدالحئی" کے نام کے ساتھ "معالی انساب" لکھا ہونا بھی ظاہر ہو چکا ہے"

(۶) شاہنشاہ بہلول لودی "مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ کے ہم وطن" یعنی ملتان ہی کے باشندے تھے" اور "مخدوم صاحب" کے نسب سے اچھی طرح واقف تھے" اُن کے حضرت مخدوم صاحب کے آستانۂ مبارک پر آکر قدمبوسی کی اجازت چاہنے" اور بعد حصولِ اجازت "حضوری میں حاضر ہو کر" "مخدوم صاحب" کے قدموں پر اپنا سر رکھ دینے کا حال بھی مذکور ہو چکا ہے"

(۷) سلطان سکندر لودی کے متعلق سارے تاریخداں حضرات جانتے ہیں کہ اُن کو نسب کا بڑا خیال تھا" تاریخ فرشتہ جلد دوم مترجمہ مولوی فدا علی صاحب طالب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۹ پر تحریر ہے کہ "جو شخص بادشاہ کے پاس نوکری کے لئے آتا" بادشاہ اُس کا نسب پوچھ کر اُس کے حسب حیثیت اُس پر نوازش کرتا تھا" یہ بادشاہ بھی مخدوم صاحب" کے علوئے نسب سے خوب طرح واقف تھا" اُس نے جس اعتقاد سے "مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے "میزان الصرف" کا سبق لیا تھا۔ اور حضرت مخدوم صاحب کی زبان مبارک سے اپنے لئے یہ فقرہ سُن کر کہ "نظام خاں" از خدا خواستہ ام کہ انشاء اللہ تعالے سکندر وقت خود باشی" "اپنے برادران بزرگ کی موجودگی میں بادشاہ ہو جانے پر" اپنے نام کی مناسبت سے "نظام شاہ" کے بجائے حصول برکت کے لئے اپنا نام "سکندر" رکھ لیا تھا" یہ بیان بھی اوپر آچکا ہے" اور اس بات پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ "حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ کے فرزند اکبر "شیخ عبداللہ بیابانی" سے سلطان سکندر نے اپنی بھتیجی کی شادی کی تھی" نیز "شیخ گدائی کے ماموں زاد بھائی میاں لادن" "سکندر لودی کے شیر ندیم بھی تھے۔ اور جب آپ بادشاہ کے پاس دہلی سے آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو جتنے دن آپ

کا قیام ... [illegible]

اسی "سکندر لودی" نے جو "اشتیاق نامہ" "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ" کی خدمت میں بھیجا تھا" اور "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ" کے اس کو دیکھ کر دینے پر" آپ کے بھیج دینے کے لئے "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ" کی خدمت میں تجزیہ نامہ درخواست کی تھی" اور "مخدوم شیخ جمالی رح" کی تشریف آوری کی خبر سنکر۔ تین کوس جاکر ان کا استقبال کیا تھا" اور پھر عمر بھر اُن کو اپنے آپ سے جدا نہیں ہونے دیا" اور تادم حیات "مخدوم شیخ جمالی رح" کے ساتھ "ہمسایہ و ہمراز و ہم صحبت اور ہم زبان رہا" ان واقعات کی تفصیل بھی ہم اوپر دے چکے ہیں" اور اُن سے "مخدوم شیخ جمالی رح" کی "عالی نسبی" و "الا نژادی" اور "عربی" "قریشی" "بہیری" ہونے کا حال بخوبی منکشف ہو گیا ہے"

(۸) مزید برآں "شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا" "شیخ زین العابدین عرف شیخ اوہن رح" "المتوفی ۹۳۳ھ ہجری" نے اپنی کتاب مصباح العارفین میں "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کا" "جو شجرۂ نسب" "حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ" تک دیا ہے" یہ ہی شجرہ "شیخ گدائی" کا بھی ہے" کیونکہ "شیخ گدائی" کے پردادا" اور "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کے دادا" ایک ہی بزرگ ہیں"

(۹) اور "شیخ گدائی" کے قریبی عزیز "نواب شہباز خاں" کا "شجرۂ نسب" "رسالہ شہباز خاں" میں ہے جو "شاہنشاہ اکبر کے زمانہ کی تصنیف ہے" "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" تک لکھا ہے"

گو مؤلف امروہوی نے اپنے مقصد میں حائل سمجھکر "مصباح العارفین" اور "رسالہ شہباز خاں" کے وجود سے انکار کیا ہے" لیکن ہم نے اس موقع پر جہاں "مؤلف موصوف" نے "مصباح العارفین" پر بحث کی ہے۔ اس کتاب کے موجود ہونے کو ثابت کر دیا ہے" اور "رسالہ شہباز خاں" تو خود ہمارے کتب خانے ہی میں موجود ہے" اور دیکھا جا سکتا ہے"

(۱۰) پھر یہ بھی ہے کہ "کتاب سلسلۂ عالیہ مطبوعہ مطبع فیض منبع ہاشمی شہر میرٹھ" "جو آج سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے کی تصنیف ہے" اور عام طور پر ملتی ہے" اور جس کے متعدد نسخے "مؤلف امروہوی کے وطن امروہہ" میں اکثر اشخاص کے پاس موجود ہیں" اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ خود مؤلف امروہوی نے بھی بنظر امعان اُس کا مطالعہ کیا ہے" اُس کے صفحہ پر "شیخ گدائی" کے خاندان کے نسب کے متعلق یہ فقرہ تحریر ہے کہ

مجمعہ اہل دانش و حقیقت باں قرار دادہ۔ بریں گونہ است کہ	"عقلمند اور حقیقت پر عبور رکھنے والوں نے جو بات تسلیم کی ہے وہ یہ ہے
ایں گروہ "از قبیلہ خاص رؤسائے قریش است"	کہ یہ جماعت رؤسائے قریش کے خاص قبیلہ سے ہے"

ان کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جن میں "شیخ گدائی" اور آپ کے خاندان کا سلسلۂ نسب "حضرت زبیرؓ بن العوام" تک مذکور ہے" مگر ہم طوالت کے مدنظر اسی پر اکتفا کر کے مختصراً یہ اور دکھا دینا چاہتے ہیں کہ "حضرت زبیرؓ کی اولاد کی جو حیثیت شروع زمانے سے "عرب و ایران" وغیرہ میں تھی" "ہندوستان" میں "شیخ گدائی" کے خاندان کی حیثیت بھی بجنسہٖ وہ ہی تھی۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت تک ہے" آگے بھی اللہ کی ذات سے نیک ہی اُمید ہے"

شیخ گدائی کے خاندان کی حیثیت و خصوصیات کی عرب و عجم اور ہندوستان میں یکسانی

۱۴۵ھ ہجری میں "خاندان حضرت زبیرؓ" نے "محمد النفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن رضؓ بن حضرت علیؓ" کی حمایت میں "ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی" کی کثیر فوج سے ایسی جنگ کی جو اپنی آپ نظیر ہے" اس لڑائی میں عیسیٰ بن مصعب بن مصعب بن حضرت زبیرؓ کے وہ کارنامے ہیں۔ جن کی مثال نہیں ہے"

بالآخر "محمد نفس ذکیہ" اور "عیسیٰ بن مصعب الملقب بہ خضیر بن مصعب" وغیرہ کی شہادت کے بعد "اس فریق میں سے جو اصحاب شہید ہونے سے بچ رہے۔ اُن میں سے کچھ تو سرحدی ممالک میں چلے گئے اور "سندھ" میں بھی پہنچ گئے" کچھ وہیں روپوش ہو گئے" "لڑائی" "مدینہ منورہ" کے باہر ہوئی تھی

۱۔ [illegible] ۱۴۳ تا ۳۴۶

اس لڑائی کی وجہ سے" اس خاندان کی طرف سے "منصور عباسی" کے دل میں "ایسا خار بیٹھ گیا تھا کہ وہ کہا کرتا تھا۔ "کہ اگر زبیریوں کے ایک ہزار آدمیوں میں سب متقی و پرہیزگار" اور مطیع و فرمانبردار ہوں" اور اُن میں صرف ایک بد ہو۔ تو میں ہزار کے ہزار زبیریوں کو قتل کر دوں" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل صفحہ ۲۲۴ و طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۶)

آخر کار "منصور المتوفی ۱۵۸ ہجری کے بیٹے "المہدی المتوفی ۱۶۹ ہجری کو اپنی حکومت کے زمانے میں اس خاندان کی استمالت کرنی پڑی۔ اور اُسے اپنی حکومت میں شریک کرنا پڑا چنانچہ "عباسی" حکومت کے چند زبیری عہدہ داروں کی تفصیل یہ ہے"

(۱) گورنر یمامہ | عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رض" المتوفی ۱۸۴ ہجری بزمانہ المہدی بن ابوجعفر منصور" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم صفحہ ۳۲۶ و آغانی جلد ۲۰ صفحہ ۱۸۱ و ابن الاثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۳ و ابن الاثیر جلد ۶ صفحہ ۱۱۶ و ۱۵۱ و ابوالمحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۱۹") اور

وگورنر مدینہ منورہ | بزمانہ ہادی بن المہدی" و ہارون الرشید بن المہدی" (ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۱۴۲)

(۲) گورنر مدینہ منورہ | ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رض" المتوفی ۱۹۵ ہجری" بزمانہ ہارون الرشید بن المہدی" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۱۴۲) اور

وقاضی مدینہ منورہ | بزمانہ ہارون الرشید" (وفیات ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و ۲۷۹ و تاریخ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ ابوالمحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۵)

(۳) گورنر مدینہ منورہ" اور یمن | الزبیر بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رض" بزمانہ ہارون الرشید" (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۱۶)

(۴) قاضی بغداد" اور مدینہ منورہ | قاضی ابوالبختری وہب بن وہب بن وہب بن قسیر بن عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی" المتوفی ۲۰۰ ہجری" جو حضرت زبیر رض کے چچا زاد بھائی کی اولاد تھے" بزمانہ حکومت ہارون" امین و مامون" (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۵۸ و ذالی فضلی الزبیر رض صفحہ ۱۷ و وفیات ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و ۲۷۹ و تاریخ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ و ابوالمحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۵)

(۵) از اعیان سلطنت | ابوعبداللہ مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رض المتوفی ۲۳۶ ہجری" بزمانہ ہارون و امین و مامون و معتصم و واثق و متوکل" (تاریخ ابن اثیر جلد صفحہ ۳۶۴)

(۶) قاضی مکہ معظمہ | زبیر بن ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رض المتوفی ۲۵۶ ہجری" بزمانہ متوکل و منتصر و مستعین و المعتز باللہ و مہتدی باللہ" و المعتمد"
(وفیات ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و تاریخ ابن الاثیر جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ و ابوالمحاسن جلد ۲ صفحہ ۲۵)

(۷) سپہ سالار فوج مغاربہ | نصر بن احمد الزبیری" المتوفی ۲۵۶ ہجری۔ بزمانہ المہتدی باللہ" تھے اور المہتدی کی جان بچانے کے لئے آپ کی مخالفوں کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ سوم و چہارم صفحہ ۳۶۲ و ۳۷۳)

(۸) صاحب تاریخ گزیدہ نے اپنے وطن "قزوین" کے مشہور و معروف علماء اور فضلاء کے خاندانوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ "زبیریان" از نسل مصعب بن زبیر رض بن العوام" اند در ایشان علماء و فضلاء بودہ اند" (زبیریان نسل سے مصعب بن زبیر رض بن العوام کے ہیں" اُن میں سے علماء و فضلاء ہوتے آئے ہیں)
(تاریخ گزیدہ صفحہ ۸۲۹ مؤلفہ حمداللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی" تالیف در ۷۳۰ ہجری جلد اوّل)
(مطبوعہ لندن ۱۳۲۸ ہجری۔ مطابق ۱۹۱۰ عیسوی)

شیخ گدائی کے خاندان کے اُن کے زمانے سے پہلے کے چند اور بزرگ

(۱) ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری | آپ "سلطان شمس الدین التمش" والد کے بیٹے "سلطان رکن الدین فیروز شاہ" کے

دبیر و مشرف ممالک تھے" جب سلطان رکن الدین" کا ظلم حد سے بڑھ گیا" تو آپ نے چند اُمراء کے ساتھ ملکر" سلطان رضیہ بنت سلطان التمش" کو تخت پر بٹھا دیا تھا" (طبقات ناصری صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۶ و تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۵۰ و ۲۵۵ و ۲۵۶)

(۲) ملک معین الملک زبیری | آپ سلطان علاؤ الدین خلجی کے اُمراء میں سے تھے" تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی" کے صفحہ ۳۶۶ پر آپ کے متعلق تحریر ہے کہ"

"وہم در عہد علائی" سہ شخص" در علم رمل معروف" و چندیں خوانندگان مشہور بودند" و از رمالان" یکے" مولانا صدر الدین لونی" و دوم" عزبی" رمال کول" بود" سوم" معین الملک زبیری" در اظہار علم ضمیر" و کشف احکام مغیبات" دبیروں آورد دن گم شدہ" ساحری ہا میکرد"

اور عہد علائی میں تین شخص علم رمل میں معروف اور جو کہ مشہور ہوئے۔ رمالوں میں سے ایک مولانا صدر الدین لونی" دوم (۲) عزبی" رمال کول کا تھا" سوم (۳) معین الملک زبیری" جو دلوں کی باتیں بتانے اور پوشیدہ باتوں کے ظاہر کرنے اور کھوئی ہوئی چیزوں کے نکالنے میں جادوگری کرتے تھے"

(۳) امام عزالدین زبیری | علم و فضل میں آپ کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ" ابن بطوطہ" نے جو عالم و فاضل اور دنیا کا سیاح تھا۔ آپ کو امام و فقیہ لکھا ہے" مترجم سفرنامہ ابن بطوطہ کے صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۹ پر تحریر ہے کہ" صفر ۷۴۳ھ ہجری کی سترھویں تاریخ کو دربار سلطنت محمد شاہ تغلق ہم روانہ ہوئے" اوّل دن ہم نے" تلپت" میں قیام کیا" جو دہلی سے سات آٹھ میل ہے" اس کے بعد" آؤ" میں اور اس کے بعد" بیانہ" پہنچے" اس شہر کے عالموں میں سے" امام عزالدین زبیری" تھے۔ جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام" کی اولاد میں سے تھے" میری ملاقات اُن سے" گوالیار" میں" ملک عزالدین ملتانی" المشہور بہ" اعظم ملک" کے مکان پر ہوئی تھی"

شیخ گدائی کے بزرگوں کے ملتان سے آکر" بیانہ" میں رہنے کی وجہ

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ جب" شیخ گدائی" کے نانا" مخدوم سماؤ الدین قدس سرہٗ اور مخدوم صاحب کے برادر بزرگ" مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ" نے" ملتان" سے نقل وطن کیا تھا اور اُن کے ہمراہ" شیخ گدائی" کے والد بزرگوار" مخدوم شیخ جمالی" بھی ہمراہ تھے" تو وہ ملتان سے سیدھے" دہلی" نہیں چلے گئے تھے" بلکہ پہلے" بیانہ" تشریف لائے تھے اور وہاں کچھ مدت قیام فرمانے کے بعد دہلی تشریف لے گئے تھے" دہلی کے قیام کے بعد بھی" بیانہ سے" آپ کے تعلقات قائم رہے" چنانچہ مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ نے" پلانہ نمو بیانہ" میں وفات پائی" اور وہیں آپ مدفون ہیں"

اِس تحریر کی تصدیق کے لئے" سیر العارفین" اور" کتاب شجرۂ سہروردیہ" کو دیکھنا چاہئے" ظاہر ہے کہ" وطن کو چھوڑ کر کوئی شخص بھی اکثر و بیشتر وہیں جایا کرتا ہے" جہاں اُس کی قرابت قریبہ ہوتی ہے"

شیخ گدائی زبیری کنبوی کے خاندان علوئے مرتبت شان کے مقابلہ میں" عباسی خاندان کی حیثیت" ملا عبدالقادر بدایونی کی لکھائی ہوئی روشنی میں

شیخ گدائی کے" قریشی زبیری النسب" ہونے کے اِن چند شواہد کے پیش کر چکنے کے بعد اب ہم" مؤلف امراہوی" کے اُس بیان کو

(نوٹ علیٰ صفحہ ۱۳۷) کاتب یا ناقل کی غلطی سے ترجمہ تاریخ فرشتہ میں" تاج الدین تاج الملک محمود" کے نام کے سامنے" بجائے زبیری کے" ریزہ" لکھا ہے۔ جیسے زبیری کی بگڑی ہوئی شکل سمجھنی چاہئے" آپ کے زبیری ہونے کے ثبوت کے لئے" مشر کے باسو کے" تاریخ مبارک شاہی کے انگریزی ترجمہ کے صفحہ ۲۲ کا وہ نوٹ دیکھنا چاہیے جو اس نے" تاج الملک" پر دیا ہے" وہ لکھتا ہے" Frishta writes Tajuddin Zuhady اور یہ کہ" مبارک شاہی" کی تاریخ میں صاف طور سے" زبیری" ہی لکھا ہے"

سے بچ رہے۔ اُن میں سے کچھ تو سرحدی ممالک میں چپے سے ...

دکھاتے ہیں۔ جو انہوں نے "خلفائے عبّاسیہ" کی اولاد اور قرابتداروں کی عزت اور احترام کے بارے میں "اپنی کتاب "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۳ پر بدیں الفاظ تحریر کیا ہے کہ:-

"آپ اُوپر پڑھ آئے ہیں کہ سلاطین ہند" بالخصوص شاہانِ مغلیہ " کے نزدیک "آلِ عبّاس" کی کیسی قدر و منزلت تھی۔ "بنی ہاشم و عمزادگانِ رسول ربّ العالمین" اور خلفائے عبّاسی" کی اولاد" اور قرابتدار ہونے کی وجہ سے "اُن کا خاص ادب و احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا" اِس خاندان کے اربابِ علم و فضل کو "اِدارات شرعیہ" تفویض کئے جاتے" اور اکثر یہی حضرات "قاضی و مفتی" اور بادشاہوں کے "معلم و اِمام و خطیب" ہوتے" یہ کیفیت صرف ہندوستان ہی میں نہ تھی" ممالکِ اسلامیہ میں بھی اِس خاندان کے ادب و احترام کا یہی حال تھا"

صاحب مراۃ عبّاسیہ" (قلمی در کتب خانۂ ریاست بھاولپور) ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ۔

بعضے بنو عباس بعد خروج از مصر وارد ولایت رُوم در شہر استنبول کہ پائے تخت روم است "سکونت میدارند۔ وسلاطین وقیاصرہ رُوم۔ وجود مسعود ایشان بنہایت حُرمت و بہ تعظیم غنیمت مے پندارند" و ادب جناب اوشان قسمے کہ در عہد دولت خلفائے عبّاسیہ" در دارالخلافہ "بغداد" مے داشتند۔ زیادہ ازآں بجاے آرند۔ وہرگاہ سلطانے ازیں سریر فانی بسرائے جاودانی انتقال نماید" ولی عہد او تا دستار حضرت ایشان حاصل کردہ۔ افسرِ افتخار نہ سازد و بتاج قیصوری سرنی افراز د"

تھوڑے بنو عباس" نے "مصر" سے نکلنے کے بعد روم کی سلطنت میں جس کا دارالسلطنت شہر استنبول ہے آکر سکونت اختیار کرلی" اور بادشاہوں اور قیصروں نے روم کے اُن کے وجود مسعود کو نہایت حرمت و تعظیم کرکے غنیمت جانا" اور اُن کا ادب جس قدر کہ خلفائے عبّاسیہ" کی سلطنت کے زمانے میں دارالخلافہ بغداد میں تھا اُس سے زیادہ بجا لائے" اور جب کوئی سلطان سرائے فانی سے سرائے جاودانی کو انتقال کرتا" اُس کا ولیعہد جب تک پگڑی اُن سے حاصل کرکے اپنے سر کا افتخار نہ بناتا" تاج شاہی کو سر پر نہیں رکھتا تھا"

چنانچہ بزرگان خاندان عبّاسیہ امروہہ" ابتدائے عہد مغلیہ میں "شہزادگان کے معلم" اور بادشاہ کے امام و خطیب" سیّدنا و مولانا سے مخاطب رہے" حتّٰی کہ لفظ مولانا" اس خاندان اور قبیلہ کا لقب پڑ گیا" اپنی اِس تحریر پر مؤلف صاحب نے جو نوٹ دیا ہے" وہ یہ ہے کہ۔

"بعض ناواقف عہد اکبری و جہانگیری" اور اس کے مابعد کی دستاویزات و تحریرات میں "قبیلہ مولانا" محلہ مولانا" یا دستخطوں میں "مولانا لال محمد" وغیرہ دیکھکر چونکتے ہیں" حالانکہ وہ اس پر غور نہیں کرتے" کہ اس خاندان کو بوجہ "خلفائے عبّاسی" کی اولاد ہونے کے عام مسلمان۔ اور سلاطین ہند" کس عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے" اِدارات شرعیہ" پر فائز ہونے کی وجہ سے "سیّدنا و مولانا" سے مخاطب تھے" جس طرح قاضی و مفتی خاندان کے لوگ" بالعموم "قاضی اور مفتی" کہلاتے تھے" یہ خاندان لفظ مولانا سے ملقب تھا"

اِس بیان کی بھی کوئی تاریخی سند نہیں دی گئی ہے" اور یہ صرف مؤلف امروہوی کی لفاظی ہی لفاظی ہے"

ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ امروہہ کے تمام نہاد عبّاسی خاندان و قبیلہ کا مولانا لقب پڑ گیا ہے لیکن دوسری طرف جب زبیدہ کی خاندان اپنا سکنی لقب کنبوہی کی وجہ سے خاندان کنبوہ "قوم کنبوہ" طائفہ کنبوہ یا قبیلہ کنبوہان بن گیا یا امتداد زمانہ سے کہا جانے لگا۔ تو اس پر بجرو دغوا اعتراضات کئے جانے لگے۔ اور عبارتوں کا نکالا جانے لگا" مؤلف محمود احمد صاحب کو اپنے خاندان کا حال قطعاً معلوم نہیں ہے" اگر کتابوں میں ان جناب کے بزرگوں کے کچھ حالات ملے ہوتے یا انہیں اپنے اسلاف میں سے کسی ایک بزرگ کا عرب سے آنے کا حال کسی ایک تاریخ میں ہی ملا ہوتا تب تو پھر نہ معلوم آسمان کو سر پر اٹھا لیتے۔ چونکہ خود کچھ نہیں ہیں اس لئے دوسروں کی عیب جوئی کو ان مؤلف صاحب نے اپنی بڑائی کا ذریعہ قرار دے لیا ہے"

مؤلف صاحب نے اپنا شجرۂ نسب "ایک ایسے غیر معقب شخص "موسیٰ بن امین الرشید" سے ملاکر جس کا تیرہ چودہ برس کی عمر میں" ناکتخدا

لیکن انہوں نے "عبّاسیوں" کے اپنے خاندانی شرف کی وجہ سے "ادارات شرعیہ" یعنی قاضی و مفتی و خطیب "مقرر کئے جاتے رہنے" اور بادشاہوں کے معلم ہوتے رہنے کا جو دعویٰ اپنے بیان میں کیا ہے "اُس کے ثبوت کے لئے وہ کوئی سند کسی تاریخ سے اپنے بزرگوں کے ان عہدوں پر مقرر کئے جانے کی پیش نہیں کر سکے" کسی تاریخ میں اُن کا حال ہوتا تو ضرور پیش کرتے" اور جہاں انہوں نے ایک آدھ نام لکھا بھی ہے تو اس کی کیفیت خواجہ حسن نظامی اور مصنّف "کتاب البیرونی" کے مندرجۂ ذیل بیانات سے بخوبی معلوم ہوتی ہے"

مؤلف صاحب کا دھوکہ یعنی "عثمانی" کو "عباسی" ظاہر کرنا

کتاب تاریخ امروہہ" مؤلفہ محمود احمد صاحب امروہوی کے متعلق مشاہیر قوم وملک، و مشہور اہلِ قلم اور بعض اہلِ امروہہ کی رائیں" جسے مؤلف موصوف کے ایک عزیز قریبی سعید احمد صاحب نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں جامعہ ملّیہ پریس صدر بازار دہلی میں چھپوایا ہے"

(۱) اس میں خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اپنے اظہار خیال میں صلا پر ایک فقرہ یہ لکھا ہے کہ "نسب کے متعلق بعض حالات سے مجھے اطمینان نہیں ہوا جن کے متعلق آپ نے وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے"

(۲) مسٹر سید حسن برنی بی-اے-ایل-ایل-بی علیگ ایڈووکیٹ بلند شہر مصنّف کتاب البیرونی نے جو اردو زبان کے مشہور انشاپرداز" بلند پایہ مصنّف ہونے کے علاوہ تاریخی معلومات میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں صٹ پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے"

(الف) میں ابھی تک پوری کتاب نہیں دیکھ سکا ہوں لیکن دو ایک حواشی تصحیح طلب ہیں۔ از ان جملہ صٹ ح پر آپ نے لکھا ہے "علم ریاضی کی نادر اور مشہور کتاب "قانون مسعودی" ایران ہی مؤرخ "ابوالحسن مسعودی کی تصنیف ہے" یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ کتاب البیرونی کی تصنیف ہے۔ اور سلطان مسعود غزنوی کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے "قانون مسعودی" کہلاتی ہے"

(ب) صلا کے ح میں آپ نے "قاضی نورالدین کو "عبّاسی" لکھا ہے" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ "عثمانی" ہیں۔ اور اُن کا نسب نامہ میرے پاس محفوظ ہے"

اس تبصرہ سے مؤلف صاحب کے پیش کردہ قاضی صاحب کے عبّاسی ہونے کی حقیقت خوب معلوم ہو گئی ہے" تلاش بسیار کے بعد بھی انہیں جب کسی تاریخ میں کوئی حال عبّاسیوں کا نہ مل سکا تو مجبوراً اُن کو اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۱ پر لکھنا پڑا کہ"

"کیونکہ ہندوستانی مؤرخین کی یہ عادت ہے کہ وہ صرف اُن ہی واقعات کو معرضِ تحریر میں لاتے ہیں۔ جو ملک کی سیاسی حالت یا جنگ و جدال" بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں" کہیں کہیں علماء و مشائخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے" لیکن شرفاء کے مشہور" اور تاریخی خاندانوں" اور اُن کے مورثوں کا تذکرہ" شاذ و نادر کرتے ہیں" ان حالات کو عام اور معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں" اس لئے مخدوم زادگان عباسی کے اسمائے گرامی" اور اُن کے خاندانی حالات" ان کتب و تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے" لیکن یہ کمی" بعض کتب تذکرہ "علماء و مشائخ" سے "جن میں بعض عبّاسی لوگوں کے حالات درج ہیں۔ اور یا خاندانی روایات سے پوری ہوتی ہیں" جو علی التواتر ان خاندانوں میں چلی آتی ہیں"

مؤلف موصوف کے اس بیان سے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ انہوں نے "عبّاسیوں کے نسبی شرف کی وجہ سے" اُن کے ادارات شرعیہ" یعنی قاضی و مفتی و خطیب" اور بادشاہوں کے معلّم" مقرر ہوتے رہنے کا جو اظہار کیا ہے" وہ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جو کوئی وقعت نہیں رکھتا" کیونکہ اپنے بیان کے ثبوت میں وہ کسی تاریخی سند کو نہیں پیش کر سکے" اور خود اس بارے میں انہیں اپنی عاجزی و درماندگی کا اقرار ہے" اور اس پر مزید یہ ہے کہ وہ کسی تذکرہ علماء و مشائخ سے بھی کوئی ثبوت اپنے بیان کی صداقت کے لئے نہیں لا سکے ہیں" پھر طرفہ یہ ہے کہ عبّاسیوں کے حال میں تو جس کے ایک فرد ہونے کا خود مؤلف امروہوی کو ادّعا ہے" وہ خاندانی روایتوں ہی کو کافی سمجھ رہے ہیں" اور بلا تاریخی شواہد کے صرف اپنی خانہ ساز یا من گھڑت روایتوں کو باور کرانا چاہتے ہیں" لیکن اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۳ پر دوسرے خاندانوں سے اُن کی تاریخ و نسب کے لئے "تاریخی" "جغرافی" اور "اثری" شہادتوں

کو طلب کرتے ہیں۔ اور کسی طرح بھی اُن کی خاندانی روایات و شجروں کو بغیر ان شہادتوں کے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ خدا کی شان ہے کہ اُن کی یہ خواہش کیسے عمدہ طور سے پوری ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہم نے اس قدر ڈھیر ان مطلوبہ شہادتوں کے اُن کے سامنے لگا دیئے ہیں جن کی فراوانی سے ان کا بوکھلا جانا تعجب خیز نہ ہوگا۔

اب ہمیں یہاں صرف اسی قدر بتانا ہے کہ مؤلف امروہوی نے اس بیان کے مقابلہ میں جس میں انہوں نے فخریہ طور سے عباسی خاندان کے کچھ افراد کے اُن کی شرافت نسبی کی وجہ سے عہدہ ہائے شرعیہ پر مامور ہونے اور بادشاہوں کے معلم مقرر کئے جانے کو گو بلا کسی سند ہی کے سہی۔ صرف اپنی دریدہ بیانی سے ظاہر کر دینا ضروری خیال کیا ہے۔ تو شیخ گدائی کے بزرگوں کے آستانوں پر حاضر ہو کر بادشاہوں کے سر نیاز جھکانے اور اُن کے قدموں پر اپنا سر رکھ دینے، سادات میں سے بھی حضرت سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ جیسے بزرگ کے اُن کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز کی پالکی کو اپنے کاندھوں پر سر بازار اُٹھا لینے۔ اور اُن کے گھرانے میں کثیر التعداد اولیائے کرام، علماء، فضلاء، علوم باطنی و ظاہری، یونیورسٹی کے پرنسپل، محافظِ دینِ متین، بادشاہوں کے ندیم و ہمراز، شہزادوں کے اتالیق، وزراء، امراء، صدر الصدور، یا شیخ الاسلام، گورنر و سپہ سالار ہوتے رہنے نیز ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے خدمات شرعیہ پر موروثی طور سے مامور رہتے چلے آتے (بلکہ ہر زمانہ میں ان اوصاف سے متصف چلے آنے کے) جو شواہد تواریخوں سے ہم نے پیش کئے ہیں۔ انہوں نے شیخ گدائی کے خاندان کے علوئے حسب و نسب اور مرتبت و شان کے چراغ کو ایسا روشن کر دیا ہے جس کو کسی بھی حاسد کی پھونک کسی طرح نہیں بجھا سکتی۔

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے اوصاف

اب ہم یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو اوصاف استقامت و پاسِ مذہبی، وفاداری و خودداری، حق پسندی و حق شناسی، مہر و مروت، امانت و دیانت، اخلاق و تواضع، اتقاء و پرہیزگاری، خلوص و وفاداری، ارادہ کے استحکام، غیرت و ہمت، شجاعت و سخاوت، ذہانت و فطانت، بہادری و بیباکی، بُردباری و راست بازی، تبحر علمی، فراخ حوصلگی، جرأت و ہمت، دانش و بلاغت، حصول و ترویج علم و حکمت، عزم و بصیرت وغیرہ وغیرہ کے حضرت زبیرؓ اور آپ کے صاحبزادوں میں تھے، اُس کی جھلک ہر زمانہ میں اس خاندان کے افراد میں برابر نمایاں رہی ہے اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱) ذہانت

مستدرک حاکم جلد ثالث کے صفحہ ۵۴۹ پر اور سیر الصحابہ کے صفحہ ۲۹۲ پر تحریر ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے ہم عصروں سے فائق تھے۔ صحابہؓ میں ایسے افراد مشکل سے نکلیں گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے واقفیت رکھتے ہوں۔ لیکن یہ امتیاز حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ آپ متعدد زبانوں کے ماہر تھے۔ اور اُن میں آپ آسانی سے گفتگو کر سکتے تھے۔ آپ کے پاس مختلف اقوام کے بہت غلام تھے۔ جن کی زبانیں مختلف تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سب سے اُن کی مادری زبانوں میں گفتگو فرماتے تھے۔

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول کے صفحہ ۲۲ پر ایک زبیری کی ذہانت کی صریحی دیگر یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ علی بن محمد بن سلیمان اپنے باپ کی روایت بیان کرتا ہے کہ ایک دن مہدی (بن ابو جعفر عباسی) استغاثے سننے کے لئے دربار میں بیٹھے۔ آلِ زبیرؓ کے ایک شخص نے بڑھ کر عرض کی کہ ہماری جائداد کو بنی اُمیہ کے کسی بادشاہ نے ضبط کر لیا۔ وہ ولید ہے یا سلیمان۔ مہدی نے عبداللہ کو حکم دیا کہ دیوان میں اس کا داخلہ دیکھو۔ اس نے دیکھ کر مہدی کو سنایا کہ مشکل دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی کہ یہ حکم بنو اُمیہ کے کسی خلفا کے سامنے حتیٰ کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے بھی پیش ہوا تھا۔ مگر کسی نے اس جائداد کو واگذاشت نہیں کیا۔ یہ معلوم کر کے مہدی نے مستغیث سے کہا کہ اے زبیری جبکہ عمر بن عبدالعزیزؒ تک نے جو تمہارے ہی عزیز و قریش تھے، اس کی بحالی مناسب نہ سمجھی تو اب میں اس باب میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس نے (زبیری نے) کہا۔ تو کیا عمر بن عبدالعزیزؒ کی تمام باتیں پسندیدہ تھوڑی ہی تھیں۔ مہدی نے کہا وہ کیسے۔ زبیری نے کہا۔ اُس کا تو یہ حال تھا کہ بنی اُمیہ کے نوزائیدہ بچے تک کی نہایت بیش عطا مقرر کرتے۔ اور بنی ہاشم کے شیوخ کی عطا صرف ساٹھ مقرر کرتے۔ مہدی نے اپنے وزیر سے کہا۔ اے معاویہ تم بتاؤ۔ کیا عمر بن عبدالعزیزؒ ایسا ہی کرتے تھے۔ اُس نے کہا جی ہاں۔ مہدی نے کہا۔ اچھا تم اس زبیری کو جائداد واپس دیدو۔

سے بچ رہے۔ ان میں سے کچھ دوسرطرف کا الٹ دیا ہے

(الف) شیخ گدائی کے عزیز "نواب شہباز خاں کے جدِّ ششم" حاجی جمالی رح" کی ذہانت کا واقعہ "مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۵۹ پر اور "تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامہ اکبری" مؤلفہ خان بہادر شمس العلماء مولوی محمّد ذکاء اللہ صاحب دہلوی کے صفحہ ۹۵۲ نمبر ۸ میں "نواب شہباز خاں کے حال میں اس طرح تحریر ہے کہ "شہباز خاں کے جدِّ ششم حاجی جمال" مخدوم بہاؤالدین زکریائے ملتانی کے مرید تھے" کہتے ہیں کہ ایک درویش نے "مخدوم سے سوال کیا کہ لِلّٰہ ہر پیغمبر کے نام لینے پر مجھے ایک اشرفی دو" مخدوم صاحب متفکر ہوئے۔ کیونکہ پیغمبروں کا شمار لاکھوں تک ہے نہ اُس کا سوال پورا کر سکتے تھے۔ نہ خدا کی دوستی کے واسطے والانے سے ایسے شیخ وقت اور صوفی واصل بحق کو بہیا خستہ انکار کا محل تھا" حاجی صاحب نے کہا کہ مجھے حوالے کیجئے" اور درویش کو اپنی گھر لے جا کر اُس سے کہا" نام ایک ایک پیغمبر کا اپنی زبان سے کہتے جاؤ۔ اور ہر اسم ایک اشرفی لیتے جاؤ" درویش" دس بیس پیغمبروں کا نام اور اشرفیاں لیکر ساکت رہا" اور معترف عجز ہو کر بخوشی رخصت ہوا"

حضرت مخدوم اس عاقلانہ تدبیر کو سنکر "حاجی صاحب" کی دانائی سے بہت محظوظ ہوئے۔ اور دعا دی کہ تمہاری قوم میں کوئی خفیف العقل نہ ہو" چنانچہ اکثر اس فرقہ کے آدمی "ہندمیں "جودت ذہن" اور ہوشمندی میں مشہور ہیں" یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ عربوں کی قوّت حافظہ بہت بڑھی ہوئی تھی" چنانچہ وہ بڑے بڑے قصیدے ایکبار سنکر یاد کر لیا کرتے تھے" اور سوائے شیخ گدائی کے خاندان کے مؤرخین نے کسی دوسرے خاندان کی ذہانت و ہوشمندی کا تذکرہ نہیں کیا ہے"

(ب) نواب سبحان علی خاں زبیری کنبوی اور "تاج الدین حسین خاں زبیری کنبوی" اودھ کی سلطنت میں بادشاہ گر ہوئے ہیں" شاہانِ اودھ کی مراسلت" شاہانِ ایران" سے ہوا کرتی تھی" ایک دفعہ "سبحان علی خاں زبیری کنبوی نے بادشاہ ایران کو پیرومرشد" لکھدیا۔ وہاں سے اعتراض ہوا کہ لفظ "پیرومرشد" جناب امیر علیہ السلام" کے لئے مخصوص ہے" اودھ کے بادشاہ نے گھبرا کر۔ سبحان علی خاں کو جواب دینے کا حکم صادر کیا" سبحان علی خاں نے تحریر کیا کہ آپ صاحب زبان ہیں" مجھے آپ کے اِس اعتراض پر تعجب ہوا" ہم لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ "پیرومرشد" کا لفظ جناب امیر علیہ السلام کے لئے تحریر کیا جاتا" یہاں سے "پیرومرشد" نہیں لکھا گیا ہے۔ بلکہ "پیرِ ومرشد" لکھا گیا تھا"

غرضکہ "شیخ گدائی" کے اہلِ خاندان کی ذہانت کے ایسے ہی بہت سے واقعات کتابوں میں تحریر ہیں" جنہیں طوالت کے مدِّ نظر یہاں نہیں لکھا جا سکتا" مختصراً یہ ہے کہ "آج بھی کوئی خاندان اِس خاندان کے مقابلہ میں تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا" جس میں قریباً سو فیصدی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور بڑی بڑی تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے میں بھی اِسے اِمتیاز خاص حاصل ہے"

(۳) خودداری و بیباکی | مولانا جامی رح" کی بزرگی اور نازک مزاجی مشہور ہے" آپ کی بزرگی کی وجہ سے بڑے بڑے بادشاہ آپ کے آستانے پر سرِ نیاز خم کرتے تھے" جب شیخ گدائی کے والد بزرگوار "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ" ہرات" پہنچے۔ درازی سفر سے پریشان حالت" اور قلندرانہ صورت تھی" ایک تہبند کے سوا بدن پر دوسرا لباس نہ تھا" گرد آلود ہو رہے تھے" سفر میں اُس وقت یہ آسانیاں نہ تھیں جو ہم کو آج حاصل ہیں" نہ ریل تھی نہ موٹر" نہ شکر میں تھیں نہ گاڑیوں کا وجود تھا" نہ سڑکوں کی کمائی تھی نہ راستوں کی صفائی" سفر اُس وقت سقر کا نمونہ تھا" غرضکہ اسی حالت اور اسی صورت سے آپ سلام و علیک کر کے" مولانا عبدالرحمٰن جامی رح کے پاس جا بیٹھے" مولانا جامی جیسے عالی دماغ "نازک خیال" اور تنگ مزاج شخص نے" آپ کی اس جرأت و بیباکی" کو ناپسند کر کے" ناک بھوں سکیڑی" اور فرمایا کہ "خرو تو چند فرق است" آپ نے بالشت بیچ میں رکھدی" اب تو مولانا جامی بہت چونکتے ہوئے" سمجھے یہ بھی کوئی چیز ہیں" دبجر زخار کے صفحہ ۱۳۳۵ تا ۱۳۳۷ میں "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے حالات میں یہ واقعہ ان الفاظ میں تحریر ہے کہ۔

در تذکرہ "علی قلی خاں" نوشتہ" آنحضرت (مخدوم شیخ جمالی رح) در ہرات "بخانۂ ملّا جامی رفت و نزدیک بساطِ او نشست" ملّا جامی از بے ادبی او کردہ گفت "خرو تو چند فرق است" گفت یک وجب" و

تذکرہ میں علی قلی خاں نے لکھا ہے کہ "آنحضرت (مخدوم شیخ جمالی رح) ہرات میں ملّا جامی کے مکان پر گئے اور فرش پر اُن کے پاس بیٹھ گئے" جامی صاحب نے بے ادبی کا خیال کر کے اُن سے کہا "گدھے اور تجھ میں کتنا

ہم چناں بود "درمیان ملّا" و "آد" "فرق یک وجب بود ملّا بفراست دریافت کہ مرد کامل است "پرسید" از کجا مے آئی" گفت از ہندوستان گفت از سخنان جمالی" چیزے بخاطر داری" "این شعر بخواند ؎

مارا زخاک کویت پیراہنے ست بر تن
آں ہم زآب دیدہ صد چاک تا بدامن

فرق ہے "مخدوم جمالی نے کہا" ایک بالشت" اور حقیقت میں ایسا ہی تھا کہ جامی اور اُن کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ تھا" ملّا جامی نے عقل سے معلوم کر لیا کہ مرد کامل ہے "پوچھا کہاں سے آئے ہو کہا "ہندوستان سے" جامی نے کہا جمالی کے کچھ شعر یاد ہیں۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا ؎

مارا زخاک کویت پیراہنے ست بر تن
آں ہم زآب دیدہ صد چاک تا بدامن

مولوی بگریست و طلب نام او کرد" گفت "جمع مالا" مولوی پے برد کہ این "مولانا جمالی است" فرمود "ازیں عبارت "لفظ جمال" خود مفہوم میکرد "یا" باقیست" گفت "و عدده" چوں بر مولوی خوب معلوم شد کہ "مولانا جمالی" است" در کنار گرفت و بانواع ملاطفت پیش آمد"

مولانا جامی رو دئے اور آپ کا نام پوچھا" آپ نے فرمایا "جمع مالا"[ملہ] وہ سمجھ گئے کہ یہ "مولانا جمالی ہیں" فرمایا کہ اس عبارت سے "لفظ جمال" تو معلوم ہو گیا" مگر "ی" باقی ہے" آپ نے فرمایا" و عدده"

مخدوم شیخ جمالی کے شعر کی مقبولیت حضرت رسالت مآب صلعم کے حضور میں

واین شعر در "مقبول جناب رسالت مآب است ؎

اور یہ شعر اُن کا جناب رسالت مآب صلعم کے پاس مقبول ہے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسّمے

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسّمے

(۳) موت کو سامنے دیکھ کر بھی اس سے بخوف ہو کر سچ بات کہنے میں استقامت دکھا کی

"یزید کی بیعت کے بارے میں "حضرت امیر معاویہ رض" سے "حضرت عبداللہ بن زبیر رض" کی گفتگو" اور ہر طرح کی ترغیب و تحریص کے بعد جان کا خوف دلانے پر بھی "حضرت عبداللہ بن زبیر رض" نے "یزید کی بیعت سے قطعاً انکار کر دیئے" پھر حضرت امیر معاویہ رض کی وفات کے بعد یزید سے آپ کے مقابلہ کے حالات سے ہر کوئی واقف ہے"

۱۴۵ھ ہجری میں "محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن رض بن حضرت علی رض کی حمایت میں خاندان حضرت زبیر رض کے "ابو جعفر منصور عباسی کی کثیر التعداد فوج سے جنگ کرنے کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے "محمد نفس زکیہ کی فوج کے علمبردار "عثمان بن محمد بن خالد بن حضرت زبیر رض تھے"

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل کے صفحہ ۲۲۴ پہ اور ترجمہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد پنجم کے صفحہ ۱۳۹ پر "عثمان بن محمد کی گرفتاری "منصور عباسی سے گفتگو اور پھر شہادت کا حال اِس طرح تحریر ہے کہ

عثمان بن محمد بن خالد بن الزبیر رض کو جو لڑائی میں سخت زخمی ہو گئے تھے "محمد نفس زکیہ کے شہید ہو جانے کے بعد بصرہ کی طرف نکل جانے کا موقع مل گیا تھا" لیکن بصرہ پہنچکر آپ پکڑے گئے۔ آپ کو المنصور کے پاس لایا گیا" لوگوں نے "عثمان کو سامنے کر کے کہا کہ یہ "عثمان بن محمد بن خالد ہیں"

[ملہ] "جمع مالا" جیں جمع کیا جائے مراد حرف "جیم" ہے اور "ما" "جسے مراد لفظ "ما" جما" ہوا" اور لا سے مراد حرف لام" یعنی جیم کو ما اور لام میں ملا دو تو "جمال" ہوا" مولانا جامی نے کہا کہ اس معمہ میں غلطی باقی رہ گئی ہے پورا نام نہیں نکلتا" آپ نے فرمایا "و عدده" یعنی عدد کے شمار سے "یا" نکلتی ہے" مخدوم صاحب نے عمداً اپنا نام "جمال" بتایا اور اس معمہ کی ترکیب میں حروف "یا" کو ایسا پوشیدہ کیا کہ بغیر بتائے کوئی پتہ نہ پا سکتا تھا" "و عدده" کا حل یہ ہے کہ جیم میں سے خواہ حروف شمار ہوں خواہ عدد لو اور "جمع مالا" کے فقرے کے سات حروف ہیں۔ اب سات نہیں دس ہو گئے" اور "یا" کے عدد دس ہیں" لہٰذا "جمالی" ہو" جامی اس فقرے پر پھڑک اٹھے" اور اُن کو جب یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ یہ خود "جمالی" ہیں" تو اٹھ کر لپٹ گئے اور بے تکلف ہو گئے"

جانے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن بصرہ پہنچ کر آپ پکڑ لئے گئے۔ آپ کو المنصور کے پاس لایا گیا۔ لوگوں نے "عثمان" کو سامنے کرکے کہا کہ یہ "عثمان بن محمد بن خالد ہیں"
"ابوجعفر منصور" نے ان سے پوچھا "وہ سرکاری روپیہ جو تمہارے پاس تھا کہاں ہے" انہوں نے کہا "وہ میں نے "امیر المومنین رحمۃ اللہ علیہ" کو دیدیا"
"ابوجعفر" نے پوچھا "امیر المومنین کون؟" "عثمان" نے کہا "محمد بن عبداللہ"۔ "ابوجعفر" نے کہا "تو نے اس کی بیعت کی تھی؟ تو ہی تھا جو اُن کے ساتھ مل کر مجھ پر خروج کرنے والا ہے" "عثمان" نے کہا "ہاں میں نے اُن کی بیعت کی تھی جس طرح تو نے بیعت کی تھی"۔ "میں نے اپنی بیعت پوری کی۔ اور تو نے اپنی بیعت توڑ دی" یہ سنکر "ابوجعفر" نے "عثمان" کو "ابن الخناء" یعنی فاحشہ زادہ کہا۔ "عثمان" بولے "یہ تو وہ ہوگا جن کی مائیں لونڈیاں ہوئی ہیں" یعنی "ابوجعفر منصور (جو بربری لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا)"۔ اس پر "ابوجعفر" برافروختہ ہوگیا۔ اور اس نے "عثمان" کے قتل کا حکم دیدیا۔ لوگ انہیں پیچھے ہٹا لے گئے اور اُن کی گردن ماردی"

طبری کی اسی جلد کے صفحہ ۲۲۷ پر ہے کہ "ابوجعفر" نے "عثمان" کو توقتل کردیا۔ مگر بہت سے قریشیوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر "عیسیٰ بن موسیٰ" نے "ابوجعفر" سے کہا "جناب والا یہ لوگ اُن لوگوں سے زیادہ خطاوار نہ تھے" "ابوجعفر" کہنے لگے "ہاں" مگر یہ میرے گھرانے والے ہیں" (یعنی دعویدار سلطنت نہیں)

(الف) اب "عثمان بن محمد بن خالد بن حضرت زبیر رضؓ" کی اس بیباکی اور بیخوفی کے مقابلہ میں یہ واقعہ دیکھنا چاہئے کہ جب اکابرین اور عربی النسل حضرات بشمول سادات نے بھی مجال دم زدن نہ پاکر "دین الٰہی اکبر شاہی" کے آگے اپنے سر خم کردیئے تھے۔ اور وہ بروقت "لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" کا کلمہ جپنے لگے تھے۔ تو ایسے نازک زمانے میں "شیخ گدائی" کے خاندان میں سے کوئی ایک فرد بھی کسی ترغیب و تحریص اور تخویف سے متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ یہ خاندان برابر اپنے مسلک پر قایم اور علوم اسلام کی اشاعت میں استقامت کے ساتھ مصروف و مشغول رہا۔

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ جب کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہ تھی۔ اُس وقت "شیخ گدائی" کے ایک قریبی عزیز نواب شہباز خاں ہی کی ذات تھی "جنہوں نے دین الٰہی اکبر شاہی کے تلقین کرنے پر اپنی جان کی مطلق پرواہ نہ کرکے "شہنشاہ اکبر" سے تند و تند کلام کئے تھے" اور راجہ بیربر کو یہاں تک بول اُٹھنے پر اس سختی سے ڈانٹا تھا کہ "مجلس شاہی میں اُن کے اس طرز عمل سے بیحد بدمزگی پھیل گئی تھی"۔ اور "اسی واقعہ سے متنبہ ہوکر "شاہنشاہ اکبر" کو اپنی مریدین سے کہنا پڑا تھا کہ "دین الٰہی کے کلمہ کو چپکے چپکے پڑھا کریں" اور قلعہ کی چار دیواری کے اندر پڑھ لیا کریں"

(۴) شجاعت — مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ "ابن زبیر رضؓ" میں تحریر ہے کہ "اُس عہد کے ایک مشہور سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ" سے آپ زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اُس نے "حضرت مصعب بن حضرت زبیر رضؓ" "عمر بن عبیداللہ" اور "عباد بن حصین" کے نام بتائے "پوچھنے والے نے کہا "حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رضؓ کا نام تو تم نے لیا ہی نہیں" مہلب نے کہا "ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جنوں کا ذکر نہیں کرتے"

حضرت عبداللہ بن حضرت عمر رضؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت زبیر رضؓ کے بیٹوں "حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" اور "حضرت مصعب بن حضرت زبیر رضؓ" میں سے کون زیادہ بہادر تھا۔ حضرت ابن عمر رضؓ نے فرمایا "دونوں بہادر تھے" دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اُس کے منہ میں گھس گئے"

سنہ ۱۴۵ ہجری میں "حضرت زبیر رضؓ" کا سارا خاندان جو "محمد النفس ذکیہ" کی حمایت میں لڑا تھا اُس کی تعداد کل تین سو تھی۔ وہاں کے ماسوا چند "فاروقی" بھی تھے۔ لیکن اُن کے مقابلہ میں "ابوجعفر منصور عباسی" کی فوج چالیس ہزار تھی۔ ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۹ پر تحریر ہے کہ "ماہان بن محطبہ کا مولی بیان کرتا ہے کہ جب ہم مدینہ آئے تو "ابراہیم بن جعفر بن حضرت مصعب بن حضرت زبیر رضؓ" بطور طلیعہ ہمارے یہاں آئے۔ انہوں نے ہمارے پورے پڑاؤ کا چکر لگایا۔ اور پھر واپس چلے گئے۔ اُن کی جرأت سے ہم لوگ مرعوب ہوگئے۔ یہاں تک کہ خود "عیسیٰ اور حمید" (سپہ سالار لشکر منصور عباسی) بھی اُن کی دلیری پر تعجب کرنے لگے کہ صرف ایک شخص تن تنہا اپنی فوج کے طلیعہ کی خدمت انجام دیتے چلا آیا"

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل کے صفحہ ۲۲۵ و ۲۲۷ پر ہے کہ "محمد بن عمر" راوی ہے کہ "محمد النفس ذکیہ بن عبداللہ" کے ساتھ "مصعب بن حضرت زبیر رضؓ" کے ایک پوتے "ابن خضیر یعنی عیسیٰ بن مصعب بن حضرت مصعب بن حضرت زبیر" تھے۔ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے ساتھیوں میں خلل واقع ہوگیا ہے۔ اور لوگوں نے اُن کا صفایا کردیا ہے" انہوں نے "محمد" سے جانے کی اجازت لی

"محمد" نے انہیں اجازت دیدی" مگر انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ کیوں "مدینہ" جا رہے ہیں" انہوں نے "عیسیٰ ابن مصعب الملقب خضیر" نے ریاح بن عثمان بن حیان المرّی (عبّاسی گورنر مدینہ) اور اس کے بھائی کو زبردستی جیل میں گھسکر ذبح کردیا۔ اور واپس آکر "محمد" کو اس کی اطلاع دی" پھر آگے بڑھکر حریف سے لڑے اور شہید ہوگئے"

طبری کی اسی جلد کے صفحہ ۲۳۱ و ۲۳۲ پر تحریر ہے کہ "جس روز "محمد" مارے گئے" ابن خضیر" (عیسیٰ) کے ہمراہ تھے" ابن قحطبہ نے" انہیں امان کی دعوت دی"۔ اور بہت کچھ موت سے ڈراکر" سلامتی جان کی ترغیب دی" مگر انہوں نے ایک نہ سنی" اور برجستہ پڑھتے ہوئے پا پیادہ حریف پر حملہ کرتے رہے" بڑھتے ہوئے وہ دشمن کی بڑی فوج میں گھس پڑے" وہاں کسی نے ان کی ریڑھ کی ہڈی پر سُرین کے قریب ایسی ضرب لگائی کہ وہ جوڑ سے نکل گئے" اس لئے اس وقت وہ اپنی فوج میں پلٹ آئے" انہوں نے ایک کپڑا پھاڑ کر اس کی پٹیاں اس کٹے ہوئے حصہ کو سنبھالنے کے لئے اپنی پشت پر باندھیں" اور پھر لڑنے کے لئے آگئے"

اس مرتبہ کسی نے ان کی بھنوؤں پر تلوار ماری جو ان کی آنکھ میں پیوست ہوگئی" اس صدمہ سے وہ گر پڑے۔ اب بہت سے لوگوں نے نرغہ کرکے ان کا سر کاٹ لیا" ان کی شہادت کے بعد "محمد" (نفس ذکیہ) گھوڑے سے اتر پڑے اور ان کی لاش پر کھڑے ہو کر لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوگئے"

خراسانیوں کا یہ حال تھا کہ جب وہ "ابن خضیر" (عیسیٰ بن مصعب بن مصعب بن حضرت زبیرؓ) کو دیکھتے تو ایک دوسرے کو ہٹانے کے لئے پکارتے" خضیر آمد" خضیر آمد" اور سب کے سب ان کے مقابلہ سے ہٹ جاتے تھے"

(الف) اب "شیخ گدائی" کے آلِ خاندان کی شجاعت و بے پناہ دلیری و بہادری کا شمّہ حال ہندوستان میں ہم دکھاتے ہیں "ابوالفضل" جو شاہنشاہ اکبر کو "دین الٰہی اکبر شاہی" کی وحی پہنچانے والا سب سے بڑا فرشتہ تھا۔ اور اس وجہ سے کہ "دین الٰہی" کی تبلیغ پر "نواب شہباز خاں" نے "شاہنشاہ اکبر" سے تیز و تند کلام کئے تھے" اور اس دین کے دوسرے فرشتے "راجہ بیربر" کو "شاہنشاہ" کے سامنے بھرے دربار میں ایسا ڈانٹا تھا جس سے صحبت بدمزہ ہوگئی تھی" ابوالفضل نواب شہباز خاں کا سب سے بڑا دشمن تھا"

اس دشمنی پر بھی "ابوالفضل" کو "نواب شہباز خاں" کے دین اسلام پر سختی کے ساتھ قائم رہنے اور دین الٰہی اکبر شاہی کی تبلیغ پر جو انہوں نے پھٹکار بتائی اس کار و بار دینے کے سوا سے۔ کوئی چارہ نہ دیکھکر مجبوراً ان کی وفاداری اور عدیم النظیر شجاعت و بہادری کی تعریف ہی لکھنی پڑی"

چنانچہ اکبر نامہ جلد سوم کے صفحہ ۸۱۵ پر تحریر ہے کہ:

"در ہر گونہ پرستاری و سربراہی سپاہ کم ہمتا بود" اگر تقلید پرستی وا ہشتے" و زبان را بہ ہنجار نگشودے" طرز فروہیدگی بہ گزینے"

ہر لحاظ سے وہ وفاداری اور سپاہ کے منظم کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اگر تقلید پرست نہ ہوتے (یعنی دین اسلام پر قائم نہ رہتے اور دین الٰہی اکبر شاہی ختیار کر لیتے) اور زبان کو قابو میں رکھتے تو اور ترقی کرتے"

جب کسی جنگ میں سب سردار و سپہ سالار عاجز ہو جاتے تب نواب شہباز خاں بھیجے جاتے اور جاتے ہی فتح کر لیتے تھے" آپ کی فتوحات کے حالات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں" اس موقع پر ہم اپنی غیر مطبوعہ اس نظم کے ایک ٹکڑے سے جو نواب شہباز خاں کے قریباً تمام سوانح حیات پر محیط ہے" انکی فتوحات کی کچھ جھلک دکھلائے دیتے ہیں:

کیا لیاقت تھی میری وصف جو تیرے لکھتا — یہ تصرّف ہے تیرا اکھتا ہوں ایقان کے ساتھ
تیرے اوصاف نے پیدا کیا ہیجان مجھ میں — تو نے کیا کر دیا میرے دلِ نادان کے ساتھ
اللہ اللہ تیرے حملے تھے سیلابِ فنا — بہ گئے جس میں سبھی "رانا" و افغان کے ساتھ
راجپوتانہ کے راجوں نے بغاوت جب کی — تو پکڑ لایا انہیں لشکر و سامان کے ساتھ
شہ باغی گودنہ کا وہ قہر تجھ ہی نے تیری تیغ کا چکھا تھا جو مزا — بچ کر بھاگ گیا وہ بڑے ارمان کے ساتھ

بانئی گورنر بہار

وہ عرب جس کی شجاعت کا بہت شہرہ تھا — سامنے سے تیرے بھاگا دلِ حیران کے ساتھ
سرکشی راجہ بوندیلہ نے دکھائی جس وقت — تو نے آوارہ اُسے کر دیا نقصان کے ساتھ
جب گیا لشکرِ جرار کو اپنے لے کر — ہل گیا سارا دکن دولتِ ویران کے ساتھ
قلعہ سیوا نہ لیا فتح کیا کو بھلیسر — تاکہ راجاؤں کو عبرت ہو دل و جان کے ساتھ
ملک بنگالہ و آسام، اڑیسہ و اودھ — تو نے گجرات فتح کر لیا ملتان کے ساتھ
بیربر قتل ہوا، زین خاں مشکل سے بچا — جب لڑائی ہوئی یوسف زئی افغان کے ساتھ
ایسے ذلت کی ہزیمت سے شاہنشاہ کبیر — پڑ گیا رنج میں اندوہ میں حرمان کے ساتھ
تو نے یوسف زئی اقوام پہ حملہ کر کے — چور و رنجور اُنہیں کر دیا خسران کے ساتھ
یادگارِ گُلِ کشمیر کا قصہ تیرا[۲] — کوئی بھولے گا نہیں کہتا ہوں ایقان کے ساتھ
جب کسی جنگ میں عاجز ہوئے سارے قائد — تو نے جاتے ہی فتح کر لیا ایک شان کے ساتھ
تیری فوجوں کی شجاعت کا بھلا کیا کہنا — سب ہی نسبت اُسے دیتے رہے طوفان کے ساتھ
ایک دن بھی نہیں آرام سے بیٹھا گھر میں — کیسی رغبت تھی تجھے جنگ کے میدان کے ساتھ

[۲] بادشاہ کشمیر جس کی نواب شہباز خاں نے گردن اُڑا دی تھی۔

تو تھا رستم سے سوا، تیرے مقابل جو ہوا
ہو کے پامال ہلا، ریگِ بیابان کے ساتھ

تو نے بے قاعدہ فوجوں کو مرتب کر کے — کیسا احسان کیا مغلیہ ایوان کے ساتھ
ہند کی منتشر اقوام کو یکجا کر کے — منسلک تو نے کیا مغلیہ ایوان کے ساتھ

جس تمدن سے کہ آنکھیں ہوئیں سب کی خیرہ
تو نے بنیاد رکھی تھی سر و سامان کے ساتھ

تھا ابو الفضل سا دستور بھی حاسد تیرا — ہر ادا تیری نرالی تھی بڑی آن کے ساتھ

حاسدوں کی کبھی پرواہ نہیں کی تو نے
واسطہ تجھ کو رہا اپنے ہی ایمان کے ساتھ

(ج) شیخ گدائی کے خاندان کے ایسے شجاع سرداروں کی ہندوستان میں تعداد کثیر ہے۔ اور اس جگہ اُن سب کے تھوڑے تھوڑے حالات کے لکھنے کا بھی موقع نہیں ہے۔

(۱) شیخ مجاہد خاں شہید در کوتلیر (۲) مجاہد خاں کے دادا محب علی خاں
(۳) بہادر خاں شہید ابن نواب اعتماد الملک وزیر اعظم شیر شاہ سوری۔ (۴) شہباز خاں ثانی پسر محمود خاں شہید بر قلعہ قندھار۔
(۵) دولت خاں شہید در بندیلکھنڈ پر پوتے مدا خاں نائب گورنر لاہور برادر کلاں شہباز خاں ثانی شہید۔
(۶) محمد سعید خاں کولوی شہید در لکھی جنگل از توابع سرکار دیپالپور متعلق صوبہ ملتان۔ پانچویں پشت میں حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ کے پوتے۔
(۷) محمد علی شہید در لکھی جنگل ابن محمد سعید خاں شہید (۸) محمد خاں پسر خورد محمد سعید خاں شہید۔
(۹) محمد لہراسپ خاں شہید ۱۰۰۰ ہجری پسر کلاں محمد خاں۔ (۱۰) بہادر خاں فاتح بندر ہگلی
(۱۱) محمد صبیح المخاطب نواب خیر اندیش خاں ثانی (۱۲) زین الدین خاں شہید در گجرات خویش نواب شہباز خاں
(۱۳) محمد صالح شہید در آسام۔ اظہر حسین شہید در قصبہ سہاور پسر شاہ ... اور دیگر بزرگوں کی شجاعت، نیز علیہم الرحمۃ ...

کے حالات "طبقات ناصری" "تاریخ فیروز شاہی" "طبقات اکبری" "جنگ نامۂ اعظم شاہ و بہادر شاہ" "منتخب التواریخ" "تاریخ فرشتہ" "بادشاہ نامہ عبد الحمید لاہوری" اور "بادشاہ نامہ المعروف عمل صالح" "مفادصنات عالمگیری" "سفر نامہ برنیر مترجم خلیفہ محمد حسین وزیر پٹیالہ" "تاریخ ہندوستان" مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب "سلسلۂ عالیہ" "المشاہیر" وغیرہ وغیرہ کتابوں میں دیکھنے چاہئیں"

(۵) غیرت و ہمیت — مشہور واقعہ ہے کہ جب "حضرت مصعبؓ" کے پاس "میدان دیر جاثلیق" میں آپ کے صاحبزادے "عیسیٰ" اور صرف چند افراد کے سوا کوئی نہ رہا تو "عبد الملک بن مروان" نے پہلے اپنے بھائی "محمد" کو اُن کے پاس بھیجا اور پھر خود جا کر اُن سے میدان جنگ سے واپس چلے جانے کی درخواست کی" اور اپنی درخواست میں الحاح و زاری سے بھی کام لیا" مگر آپ نے یہ موقع حاصل ہونے پر بھی کہ واپس جا کر۔۔۔ اپنی قوت فراہم کر کے اور اپنے جری و مشہور سپہ سالاروں کو "ایران و خراسان" وغیرہ سے بلا کر بہ آسانی "عبد الملک" کی حکومت کو زیر و زبر کر سکتے تھے" صرف اس خیال سے کہ قریش میں آپ کے میدانِ جنگ سے ہٹنے کا چرچا ہو جائے گا لڑ کر جان دے دینی گوارا کر لی اور میدان سے قدم ہٹانا گوارا نہیں کیا" اور "عیسیٰ" نے بھی اس غیرت و ہمیت کی وجہ سے کہ قریش کی عورتیں کہیں گی "تم نے اپنی جان بچانے کے لئے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا" میدان سے قدم نہیں ہٹایا اور بلند پایہ فوجوں سے جنگ کر کے وہ بھی شہید ہو گئے"

ہم نے جناب منشی فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر کے حالات زندگی کو نظم کر دیا ہے" اس موقع پر اس نظم کا وہ ٹکڑا پیش کرتے ہیں جس میں کیریکٹر کی دیگر خصوصیتوں کے ساتھ آپ کی غیرت اور ہمیت کا ایک خاص واقعہ بھی ہے" اور جس کے دیکھنے سے اچھی طرح معلوم ہو گا کہ جب زر و نقد کو دیکھ کر بڑے بڑے لوگ بلا تامل کے ہاتھ پسار دیتے ہیں" بلکہ اس کے حصول کے لئے ناجائز طریقے تک اختیار کرتے رہتے ہیں" تو آپ اپنی غیرت ہمیت کی وجہ سے کس طرح ثابت قدم رہے"

نام فیض احمد کا جب آتا ہے ان ہونٹوں تلک — نطق فوراً لیتا ہے بوسے دہن کے ہم نشین

تھے پسر دلدار احمد کے وہ ایک عالی خیال — غیرت و ہمت ہمیت ان میں تھی اعلیٰ ترین

با لیاقت" ذی فہم" بیجا خلیق" اور خوش مزاج — ذی قناعت" اور سخی" پُر حوصلہ" خندہ جبین

وہ اعزا کی مدد کرنے میں تھے فردِ فرید — حُبِّ قومی کی تڑپ رکھتے تھے دل میں جاگزین

ان میں تھی پھر مروت" اور سچائی بہت — تھے کدورت سے مبرا" پُر ہنر" بے عیب امین

رکھتے تھے مہمان کے آرام کا ہر دم خیال — خاطریں کرتے بہت کھانے کھلاتے بہترین

ان کو قرآن کی تلاوت میں تھا کچھ ایسا شغف — جس کی تفصیلوں سے خالی ہے زبان اور یہ دہن

خود ہی لکھا ہے کہ "باپ کو میرے قرست — ہو گئے ہیں سال مثلاً پر رہا ہرگز نہیں

کوئی دن خالی سفر میں۔ اور بیماری میں بھی — پڑھ کے قرآن جب کہ میں نے باپ کو بخشا نہیں

تھے وہ پابندِ صلوٰۃ و صوم آبا کی طرح
سب فرائض کو ادا کرتے تھے وہ احسن طریق

نوکری کر لی تھی" اپنے دادا کا پیشہ چھوڑ کر — تھے وہ عہدہ داد پر مدت سے بہت لائق ترین

تھا مگر ان میں اعلیٰ" تھے مودّب کاردان — سارے افسر کرتے تھے توقیر ان کی بہترین

ایک افسر کی دھمکی ہو گئی تو قیمت میں — دے دیا استعفا پر وا نوکری کی کی نہیں

اپنی آتش اکیس سالہ نوکری کو چھوڑ کر
وہ رہے گھر وطن میں وہ بس خانہ نشین

جبکہ چھوٹا تھا ولیعہد ریاست رامپور
واقعہ اور اُس وقت تک حاصل نہ تھا جس کے تئیں

اور جنرل اعظم الدین تھے نہ ریجنٹ رامپور
با اثر نہ اور نامور نہ بجز ہی نہ لائق ترین

اپنی بیکاری سے اُکتا کر گئے وہ رامپور
جا کے جنرل سے ملے نہ باطرز احسن بہترین

خوش ہوا جنرل نے لیاقت اور ذہانت دیکھکر
اور کہا دوں گا میں خدمت آپ کو اعلیٰ ترین

ایسے قابل لوگوں کی یہاں پہ ضرورت ہے بہت
تا ترقی ہو ریاست کی بطرز بہترین

میں نکالوں گا بہت جلد ہی کوئی ایسی جگہ
جس سے عزت مرتبہ ہو، آپ کا ہر دل نشین

پیش کش فی الوقت کوئی چھوٹی سی خدمت کروں
مانتا اِس کو کسی طرح سے میرا دل نہیں

آئے وہ جنرل سے مل کر جب اقامت گاہ پہ
پاس اُن کے بھیجی پُر زر نے تھیلی جنرل نے وہیں

ساتھ ہی رقعہ لکھا کہ کر لیں آپ اِس کو قبول
صرف ہے یہ آپ کا، گو آپ کے لائق نہیں

جو ہوئی ہے زیر باری، آپ کو آنے میں یاں
یہ اگر سمجھیں، کہ اُس کا بدلہ ہے، ہرگز نہیں

پھیر دی تھیلی انہوں نے، دے کے یہ اپنا جواب
میں نے خدمت اِس ریاست کی، ابھی تک کی نہیں

کس طرح لے سکتا ہوں میں آپ سے کوئی رقم
جب بلا خدمت کے لینا مجھ کو واجب ہے نہیں

اُس رقم کے ساتھ جب جنرل نے پایا یہ جواب
دگنی کر کے بھیجدی پھر وہ رقم اُن کے تئیں

ایک چٹھی پھر لکھی کہ اصرار یہ اس میں کیا
آپ کے قابل نہیں ہے - پر اسے پھیریں نہیں

واپسی کا یہ سبب سمجھے تھے وہ عالی جناب
کم سمجھکر یہ رقم پھیری نہ ہو شاید کہیں

پھر یہ شائستہ طریقہ، بھیجکر ساری رقم
یہ لکھا جنرل کو، شرمندہ کریں زیادہ نہیں

آپ کا ممنون ہوں، عزت ہے دل میں آپ کی
پر کسی طرح سے بھی - میں اِس کو لے سکتا نہیں

یہ تو کیا ہے، سارا دیدیں گر خزانہ بھی مجھے
میں بلا حق کے نظر تک اُس پہ ڈالوں گا نہیں

گر ریاست کی کوئی خدمت میں کرتا تو ضرور
لینا واجب تھا، مگر اس وقت حق کوئی نہیں

ہے دیانت کا تقاضا، یوں نہ میں ایسی رقم
جو بغیر حق و محنت کے مجھ کو ملتی ہو کہیں

یہ زمانہ وہ تھا جب اکثر ایڈیٹر، مولوی
اور مشائخ بھی بہت سے رقموں کے لینے کے تئیں

کرتے تھے دورے ریاست ہائے ہندوستان کے
جس طرح بن پڑتا لیتے یہ رقمیں خاصی بہترین

گر وہاں دو دن میں رہ جاتی تھی اُن کے کچھ کمی
تو برائی کرتے پھرتے تھے وہ اُن کی ہر کہیں

اُس زمانے کے رئیسوں کا تھا کچھ ایسا خیال
حرف اُن کے انتظام اور ذات پہ آئے نہیں

وہ ڈراتے تھے انہیں اثرات اُن پر ڈال کر
لے لئے ٹلتے نہ تھے ہرگز یہ مار آستین

دیکھی جنرل نے وہ چٹھی، سمجھا اُن کا مدعا　　ہوگیا اُس کو یقین یہ لینے والوں میں نہیں
ہوگئی حیرت اُسے" بھیجا یہ اُس نے پھر جواب　　میں نے لکھا آپ کا۔ اب کر لیا ہے دل نشین
آپ کی غیرت۔ حمیت، اور ہمّت کا اثر　　مرتے دم دل میں رہے گا۔ اس کو بھولوں گا نہیں
مشفقا میری یہ ایک درخواست ہے اب آپ سے　　خط کتابت مجھ سے رکھیں" اور مجھے بھولیں نہیں

یہ سمجھ لیں آپ" جلدی آئیں گے یاں بالضرور
فیض سے گلزار ہوگی" آپ کے یہ سرزمین

ایک جلسہ واں ہوا اُن کے چلے آنے کے بعد　　اور تقریریں بہت سی اُس میں لوگوں کی ہوئیں
جب ہوئے جنرل کھڑے تو اپنے لیکچر میں کہا　　دو اجازت مجھ کو بھی کہنا ہے کچھ اے حاضریں
غیرت و ہمت، حمیت پر مسلمانوں کی میں　　جب نظر کرتا تو۔ ہو جاتا تھا بس اندوہگیں
سوچا کرتا تھا۔ الٰہی ان کا کیا ہونا ہے حال　　کس طرح سرسبز ہوں گے۔ اے یہ ربّ العالمین
جس طرح کے اور جیسے" کرتے ہیں یہ اب عمل　　اُن سے حاصل ہو نہیں سکتی کبھی فتح مبین
منفعت لینے کو رقم۔ اور پیٹ پوجا کے لیے　　حرکتیں کرتے ہیں وہ۔ جو شایانِ دیں نہیں
جبکہ دریوزہ گری پہ باندھ لے اپنی کمر　　قوم ایسی کس طرح پائے گی رتبہ بہترین

ہوتی تھی حیرت مجھے، یہ کیوں ہیں باقی اب تلک
جب کوئی اسلام کی باقی صداقت ان میں نہیں

بعد اس تمہید کے جنرل نے مختصر یہ کہا　　اب مری مایوسی کی وہ کیفیت باقی نہیں
چند روز قبل" پیش آیا ہے جو ایک ماجرا　　وہ نرالا ہے" مگر امید سے خالی نہیں
جس نے حیرت دور کی یہ مجھ کو پھر امید سے　　واقعہ یہ ہے۔ سنیں دھر کان اس کو حاضرین

بعد جنرل نے وہ سارا سنایا ماجرا
گذرا دریا پہ رقم تھا جو میانِ آن و ایں

پھر کہا کہ۔ کوہ کا سا دیکھ کر اُن کا ثبات　　ہوگئی دل کو تسلی۔ آگیا مجھ کو یقین
قوم میں۔ غیرت" "ہمت والے باقی ہیں ابھی　　جن سے باقی ہے نشان۔ اس قوم کا بر سرزمین

حق کو جادہ سے شہ لالچ کے ہٹا سکتا نہ ہو
جن میں ایسے لوگ ہوں" وہ قوم مٹ سکتی نہیں

قوم قدم سے ایسے ہی لوگوں کے اور فیضان سے　　قوم نکبت سے نکل کر پاتی ہے فتح مبین
واقعہ تم کو سنایا ہے جو میں نے یہ ابھی　　ہے گذارش میری کہ لو تم بھی اِس کو دل نشین
اور ذرا سوچو کہ پہلے کتنے تھے، اور آج ہم　　کس قدر قائم ہیں بر تعلیم ختم المرسلین
ایسے ہی لوگوں کی کثرت ہوگی جب کہ قوم میں　　یہ صفات اسلام کی جس روز ہم میں آگئیں
یہ زماں پھر اپنا ہوگا۔ اور ساری سرزمین　　اپنی ہی محکوم ہوگی دل سے ہے مجھ کو یقین

بے عمل اچھے کیے ہرگز فلاح ملتی نہیں
جھوٹ ہو سکتا نہیں ہے" قولِ ختم المرسلین

تھوڑے ہی عرصہ میں جب جنرل شہادت پا گئے | دشمنوں کے فیر سے ؛ راہی ہوئے خلد بریں
جو بھی جنرل کے ارادے تھے۔ ہوئے سب گاؤ خورد | اُن سے جو قایم تعلق تھا ؛ رہا باقی نہیں

بعد جنرلؒ سے ملاقی ہونے کے وہ عمر بھر
واسطے اپنے کسی سے پھر ملے جاکر نہیں

اب یہ سوچا تھا، وطن میں بیٹھکر آزاد وش | کام وہ مانند آبا کے کریں گے بس وہیں
جوش تھا اُن میں بہت۔ تھی حُبِّ قومی کی تڑپ | کارِ دُنیا میں سلیقہ اُن کو تھا اعلیٰ ترین
تھے بہت عالی خیال و خوش خصال و باتمیز | فارسی اِنشا میں اُن کا کوئی ثانی تھا نہیں
ماسوائے فارسی ؛ اُردو کی تحریریں جو ہیں | بعد غالب کے کسی نے ویسی لکھیں ہی نہیں
جب وہ لکھنے بیٹھتے تو پھر قلم رُکتا نہ تھا | آمدِ مضمون کسی میں ایسی دیکھی ہی نہیں
تھے وہ خوش تقریر، اُن کا پُر فصاحت تھا کلام | خوش رقم بیحد تھے وہ لکھتے شگفتہ اور متین

مادۂ تفتیش و تحقیقات تاریخی کا وہ
رکھتے تھے اچھا، بہت ہی بہترین اعلیٰ ترین

اُن کے پر دادا کی لکھی ؛ سلسلہ عالیہ ؛ جو | گوشۂ گمنامی سے پبلک میں آئی تھی نہیں
یہ خیال آیا انہیں، کہ اگلی نسلوں کے لئے | شائع کردیں اُس کو ؛ تا واقف نہ رہ جائیں کہیں
اپنے وہ اسلاف سے۔ اور اُن کی سیرت و حال سے | غلغلہ جن کا دیا پہونچ غرب سے تا مُلکِ چین
دینِ قیومی کی خدمت، اور شوکت کے لئے | مال کیا ہے، جانوں کی پروا جنہوں نے کی نہیں
ہند میں بھی سربلندی کے لئے اسلام کے | کارنامے جو کئے ہو جائیں اُن کے دلنشیں
شیر بنکر تا رہیں اِسلاف کی مانند وہ | اُن میں ہمت، جوش و غیرت پیدا ہو اعلیٰ ترین
کوئی مشکل آ پڑے۔ اُن پر نہ منہ موڑیں کبھی | مُبتلا ہوں اِبتلا میں۔ تو وہ گھبرائیں نہیں
حرکتِ بیجا سے وہ پرہیز کا رکھیں خیال | اور لیاقت وہ کریں حاصل، بزرگوں میں جو تھیں
ساتھ ہی اس کے انہوں نے یہ تہیّہ بھی کیا | سلسلہ جو تین پشتوں تک کا اُس میں ہے نہیں

وقت تک اپنے اُسے بھی پُورا کردیں در کتاب
تا ذراسی بھی کسر اُس میں رہے باقی نہیں

اِس میں تھے پیچ سفر اور اچھا خاصا صرف تھا | پر ارادہ جو کیا تھا اُس کو چھوڑا ہی نہیں
کام یہ بیحد تھا مشکل، وقت چاہتا تھا بہت | کر لیا پُورا وہ جب از فضلِ ربّ العالمین

(نوٹ ۱) جنرل اعظم الدین خاں ۱۰ اپریل ۱۹۰۸ء کی ایک رات کو کسی تقریب سے تنہا گھر پر واپس آ رہے تھے کہ چند آدمیوں نے تمنچوں سے ایک ساتھ اُن پر فیر کئے ؛ گولیاں ٹھیک نشانہ پر بیٹھیں مگر اس پر بھی آپ میں اتنا دم خم تھا کہ ایک دوست کے دروازے تک چلے گئے۔ اور وہاں پہنچکر گرے اور ٹھنڈے ہو گئے ؛ اس واقعہ کا اثر سارے ملک پر پڑا۔ آپ کے مردانہ اوصاف اور لیاقتوں کی وجہ سے سب کو نہایت قلق ہوا اور بہت مرثیئے آپ کی شان میں لکھے گئے ؛ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے جو مرثیہ لکھا تھا۔ وہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۸ء کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ علیگڈھ میں چھپا تھا ؛ جس کے پہلے دو شعر یہ ہیں:-

تا کے ز غم نہاں نہ گویم | گویند مگو چساں نگویم
در ماتم خانِ اعظم الدین | جز قصۂ خوں چکاں نگویم

سلسلہ میں رہ گئے تھے حال جن اسلاف کے ۔۔۔ اذبرائے اطلاع شامل کئے وہ بھی وہیں
تیرہ سو چھ ہجری میں تکمیل کرکے وہ کتاب
ذات سے کی شائع پر کاوش کی کچھ کی نہیں
وہ جو الطاف و کرم سے یہ ذخیرہ دے گئے ۔۔۔ قوم اس احسان سے سر کو اٹھا سکتی نہیں
جس قبیلہ کا بھی چاہو " مانگو " دیکھو "سلسلہ
بے یقین " ایسا " کسی کے پاس پاؤ گے نہیں

شیخ گدائی کے خاندان کے حال کے زمانے کے چند بزرگ اور اُن کی ملکی قومی مذہبی خدمتیں

(۱) ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جب شاہجہاں کے لال قلعہ دہلی پر بھی انگریزوں کا تسلط ہو گیا " اور " بہادر شاہ " قید کرکے " رنگون " ملک برما میں بھیج دیئے گئے " اُس وقت مسلمانانِ ہندوستان ایسی معاشی اور ذہنی پستی میں مبتلا تھے " جن کے پھر اُبھرنے کی کسی طرح بھی توقع نہیں تھی " ایسے زمانے میں جبکہ نفسی نفسی کا عالم تھا برباد اور زوال پذیر مسلمانوں کی قومی تعمیر و تشکیل کا عزم " جن تین بزرگوں نے (۱) سر سید احمد خاں (۲) مولوی سید مہدی علی (بعد محسن الدولہ محسن الملک نواب منیر نواز جنگ بہادر) اور (۳) مولوی مشتاق حسین " (بعد وقار الدولہ وقار الملک نواب انتصار جنگ بہادر) نے کیا " ان میں آخر الذکر " نواب وقار الملک " اور " شیخ گدائی " کے خاندان سے تھے "

مولوی محمد امین صاحب " سابق مہتمم تاریخ ریاست بھوپال " حال وظیفہ یاب نے " اپنی مؤلفہ کتاب " تذکرہ وقار " کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ زمانہ کتنا ہی ترقی کر جائے " کتنے ہی قابل اسمان شہرت و عزت پر تارے بنکر چمکیں " کیسے ہی سخت و صعب معرکے پیش آئیں اور سر کئے جائیں " مگر قومی مطلع پر " اِن بزرگوں کے خلوص " ایثار " اور " ہمت عمل " کی روشنی سب پر غالب رہے گی " اور انہیں کے شاندار کارناموں سے " قومی اصلاح و ارتقاء " کی تاریخ کا آغاز ہوگا " کیونکہ یہ ہی اصحاب ہیں جو " تقریباً ساٹھ سال تک " متحداً " اور " منفرداً " اِس مقصد کی تکمیل میں۔ نوبت بہ نوبت سرگرم عمل رہے " اور آنیوالی نسلوں کی ترقی کی ایک پائدار عمارت تیار کر گئے "

معمولی ملازمت کے فرش سے " حکومت نظام کے اعلیٰ مناصب کی کرسی تک " ایک وسیع ملک کے نظم و نسق اور اصلاح میں " پھر ریزیڈنسی اور ریاستی پالیٹکس کے کارزار میں " کامیابی کی مسرت و سرشاری " اور ناکامیوں کی تلخی و افسردگی میں عروج و اقتدار " اور زوال و معزولی کی بہار و خزاں میں " قوم کی مزدورانہ خدمت سے مخدومیت و قیادت کے مرتبہ میں " تعلیمی و سیاسی مراحل اور باہمی کشمکشوں اور فرقہ بندیوں میں " دوست دشمن " عزیز و غیر کے ساتھ تعلقات " اور عوام و خواص و غربا و امراء کے ساتھ برتاؤ میں " گھر کے صحن و دالان " اور پبلک مجامع میں " غرض اُن کی زندگی کے ہر ایک حال و قال میں " اور حرکت و سکون میں " اسلامی سیرت و اخلاق کا ہی جلوہ نظر آتا ہے " انہوں نے قدرت کے فیاضانہ عطیات کی پوری قدر کی " اور " ذہانت و بیدار مغزی " " دقیقہ سنجی " " دور بینی " اور " عزم و حوصلہ " کا جو جوہر پایا تھا " اس کو پورے طور پر چمکایا " وہ زمانہ حاضرہ کی " ڈپلومیسی " (یعنی خود مطلبی کی پردہ پوش باتوں) سے قطعی طور سے متنفر " اور ہر بات کو " ایمانداری " کے معیار پر پرکھتے تھے " آپ کی تمام تر زندگی اپنے توقعات کے ساتھ " محاسن و فضایل اخلاق کا نہایت نمایاں مظہر ہے "

۱۔ جس زمانے میں آپ مسٹر کالون کلکٹر کی پیشی میں کام کرتے تھے " تو اوقات دفتر میں نماز کے لئے اٹھ جایا کرتے تھے " کلکٹر مذکور کو یہ بات ناگوار ہوئی " اُس نے آپ کو روکنا چاہا آپ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ اور جب اس کا اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے رخصت کی درخواست پیش کرکے اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر رخصت نامنظور کی گئی تو اسی درخواست کو ملازمت سے استعفیٰ تصور کیا جائے "

، سائنٹیفک سوسائٹی جو ۱۸۶۶ء میں قائم ہوئی۔ آپ اس کے سرگرم ممبر اور معاون تھے "

، محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی ۱۸۷۲ء میں قائم ہوئی اور باقاعدہ کمیٹیاں قائم کی گئیں " آپ نے وصولی چندہ کے

متعلق بڑی سرگرمی سے کام کیا" کمیٹی کے دفتر کی نگرانی اور بجٹ کی تیاری بھی آپ ہی کرتے تھے"

آپ تہذیب الاخلاق میں مسلمانوں کو ترقی پر گامزن کرنے کے لئے مضامین بھی لکھا کرتے تھے" مسلمانوں کی حالت کیونکہ اس زمانے میں نہایت متنزل تھی اور اُن میں اپنی بھلائی و بُرائی کے سوچنے کی اہلیت نہ رہی تھی" اس لئے وہ اِن باتوں کو نہ سمجھکر طرح طرح کی باتیں کرتے تھے" اُن کے اس طریقہ سے متاثر ہو کر سر سید احمد خاں نے ۱۲۹۰ھ ہجری مطابق ۱۸۷۳ء میں "تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا کہ۔ منشی مشتاق حسین کی (نواب وقار الملک کی) ذاتی نیکی" اور نہایت سخت دینداری" بے ریا عبادت" سچی خدا پرستی" نہایت شدت سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی" جو در حقیقت بے مثل ہے" اس لائق تھی کہ اگر ہماری قوم پر خدائی خفگی نہ ہوتی تو اس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے"

۱۸۷۵ء میں آپ مملکت آصفیہ کی ملازمت میں داخل ہوئے" آپ نے اِس اسلامی مملکت کی بہبودی کے جو کام کئے۔ اور اس میں جو اصلاحات کیں اُن کی فہرست بہت طویل ہے" اور آپ کی خود داری اور صداقت کے جلوؤں سے بھری ہوئی ہے" خدا کی رحمت پر آپ کو ایسا توکل تھا کہ کوئی موقع ابتلا" بھی آپ کو اپنے جادہ سے نہیں ہٹا سکا" غیرت و حمیت اور اسلام کی پاسداری ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہی" اور حتی کہ اپنے قتل تک کی سازش کی آپ نے ذرہ برابر پرواہ نہیں کی" ہمیشہ ایثار سے کام لیتے رہے اور بڑی بڑی ذمہ داریوں کی مصروفیت میں بھی آپ قومی سود و بہبود کے کاموں سے غافل نہیں رہے" بیرون مملکت میں جو کام مسلمانوں کی ترقی کے ہو رہے تھے" جن میں آپ کا بڑا حصہ تھا اُن کو اپنے ذاتی بیش قرار رقمی چندوں اور اپنے اعلیٰ مرتبہ کے اثر سے برابر تقویت پہنچاتے رہے"

مسٹر ڈنلاپ سی۔ آئی۔ ای" جو عرصہ تک آپ کے ماتحت رہے اور بعد کو معتمد مالگذاری کے عہدے پر سرفراز ہوئے" اپنے خط مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۰ء موسومہ ہمارے محترم جناب محمد امین صاحب وظیفہ یاب مہتمم تاریخ بھوپال میں نواب وقار الملک بہادر کے کیریکٹر کو اِن الفاظ میں دکھایا ہے کہ جس زمانے میں نواب وقار الملک" ریونیو سیکرٹری (معتمد مالگذاری) تھے۔ اُس وقت وزیر اعظم سر آسمان جاہ بہادر اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور فی الحقیقت وہ ریاست کے تمام معاملات میں "وزیر اعظم" کے مشیر خاص تھے" اور اسی وجہ سے ان کے ذمہ مختلف اقسام کے کام کا اس قدر بار تھا" جو ایک عہدہ دار نہیں کر سکتا" لیکن وہ نہایت جفاکش" اعلیٰ اصول کے بیحد پابند" ایماندار" پبلک کے ہمدرد" اور ریاست کے قابل قدر ملازم تھے"

نواب سر فریدون الملک بہادر سی۔ آئی۔ ای" جنہوں نے ایک بڑے عہدہ دار کی حیثیت سے عرصہ تک "نواب وقار الملک" کے ساتھ کام کیا ہے" اور بعد کو قایم مقام وزیر اعظم ہوئے" اپنے خط مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء میں لکھا ہے کہ "وہ جفاکش" ضمیر کے پابند" اور نہایت ایماندار عہدہ دار تھے" اُن میں قوت عمل" اعلیٰ درجہ کی تھی۔ وہ پندرہ سولہ گھنٹے روزانہ کام کرنے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے"

مولوی بشیر الدین احمد دہلوی تعلقہ دار (کلکٹر) وظیفہ یاب مملکت آصفیہ" خلف ڈپٹی ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب" مرحوم نے "نواب صاحب" کی وفات کے بعد اخبارات میں شائع کیا تھا کہ "مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) کی کچھ باتیں ہی اور تھیں۔ اس جامعیت کا آدمی دیکھنے میں نہیں آیا" باوجودیکہ وہ فقیر منش" نہایت منکسر المزاج" متواضع" اور بے انتہا خلیق" نیز ہمدرد تھے" پھر بھی اُن کی خود داری" اُن کا رعب" دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا" جس نے وہ آن بان" اور وہ شان و شوکت" دیکھی ہے۔ وہ اس کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے" ان کا دربار ہر چھوٹے بڑے کے واسطے ہر وقت کھلا ہوا تھا" کسی وقت کی روک ٹوک نہ تھی" کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کے واسطے بھی نہ تھی" ہر شخص اُن تک بہ آسانی پہنچکر اپنا درد دکھ کہہ سکتا تھا" اور یہی وجہ تھی کہ اُن کی کوٹھی کا وسیع احاطہ صبح سے رات کے گیارہ بجے تک" گاڑیوں" اور اہل غرض کے ہجوم سے بھرا رہتا تھا" لیکن وہ فرداً فرداً سب ہی سے ملتے تھے" اور کبھی اُن کا دل نہ گھبراتا تھا" اکثر ملنے والوں کو وہ کمرے کے دروازے سے لیتے اور وہیں تک پہنچاتے تھے" سب کی باتیں نہایت غور سے سنتے تھے" اور فوراً دو ٹوک جواب دیتے۔

نیست کا دیدیتے تھے" وہ کبھی کسی کو بھی جھوٹی اُمید نہ دلاتے تھے"

سرسید نے جب اپنے صاحبزادے "جسٹس سید محمود" کو اپنی زندگی میں اپنا جانشین بنانا چاہا" تو آپ نے اُن کو نامناسب جان کر" اُن کے ایسے ذمہ داری کے کام پر مقرر کئے جانے کی مخالفت کی اور سرسید کو اس عمل سے روکنے کی انتہائی کوشش کی" لیکن جب سرسید کی مروت سے لوگوں نے ووٹ دیکر "سید محمود" کو اُن کا جانشین قرار دیا تو آپ نے چند دوسروں کی طرح "علیگڑھ کالج" کی امداد سے ہاتھ نہیں کھینچ لیا" بلکہ اس کی امداد اسی نہج سے کرتے رہے جیسی کہ کیا کرتے تھے" نہ انہوں نے "سرسید" سے اپنے تعلقات منقطع کئے جیسا کہ چند بزرگوں نے کر لئے تھے" بلکہ آپ نے "سرسید و سید محمود" مرحومین سے نہایت سنجیدہ اور محبت آمیز سلوک کیا"

اکتوبر ۱۹۰۷ء میں "شملہ" میں "نواب محسن الملک" کا انتقال ہو گیا" تو آپ کا انتخاب "کالج کے سیکرٹری کے عہدہ پر ہوا" اُس وقت کے اخباروں نے متفقہ طور سے لکھا تھا کہ "حضرت عمرؓ" کے بعد تیرہ سو برس میں یہ پہلا انتخاب ہے" جو متفقہ ہے۔ اور جس کے خلاف کہیں ایک آواز بھی سنائی نہیں دی ہے" اُس زمانے میں علیگڑھ کالج کا سیکرٹری تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر مانا جاتا تھا"

سرسید" نواب محسن الملک" اور "نواب وقار الملک" کا مع اپنے رفقاء کے شروع ہی سے ایک یونیورسٹی بنانے کا ارادہ تھا" عرصہ تک ایم۔ اے۔ او کالج پر قناعت کرنی پڑی" آخر کار "نواب وقار الملک" کے سیکرٹری شپ کے زمانے میں اس کام کے لئے "ہز ہائی نس سر آغا خاں" کے ذریعہ سے چندہ کی ایک منظم کوشش کی گئی" چندے کے لئے اپیلوں کی تیاری" اخبارات کے لئے مضامین اور عام خطوط کے جوابات" ڈپوٹیشنوں میں شرکت۔ اور دورے" ہر جگہ مقامی حضرات سے تبادلہ خیالات" متعدد کمیٹیوں کی شرکت" حکام تعلیم سے ملاقاتیں اور گفت گوئیں" یہ اتنے اور عظیم الشان کام" کالج کے روزمرہ کے کاموں کے علاوہ" بلا تاخیر و نقص کے اپنی اس پیرانہ سالی" اور عوارض لاحقہ کی حالت میں کرنے کی نواب صاحب ہی کی طاقت اور ہمت تھی" کیونکہ تمام قوم کو آپ پر اعتماد تھا" اور ہر طبقہ کے آپ معتمد علیہ تھے" اُس کی وجہ سے جنوری ۱۹۱۱ء تا آخر ۱۹۱۲ء اکتالیس لاکھ تریسٹھ ہزار تین سو چھپتر روپئے سات آنے ساڑھے سات پائی کے وعدے ہو گئے" (ان میں سے اسی مدت میں چھبیس لاکھ ستائیس ہزار چار سو آٹھ روپیہ دو آنے دو پائی نقد وصول ہوئے" ان کے علاوہ تین لاکھ چھیتر ہزار روپیہ [?] سرمایہ دوامی حاصل ہوا"

اپنی پیرانہ سالی" اور بیماریوں کے حملوں سے کمزوری اور معذوری کی وجہ سے گو آپ نے علیگڑھ کالج کی سیکرٹری شپ سے علیحدگی اختیار کرلی تھی لیکن جب تک دم میں دم رہا" آپ ہی مسلمانانِ ہندوستان کے ملجا و ماویٰ رہے اور اپنے قیمتی مشوروں سے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے" نیز ہر قسم کی امداد دیتے رہے"

۱۹۱۳ء میں "مولوی عبید اللہ سندھی" نے "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے "مسلمان گریجویٹوں کی عربی تعلیم" اور قرآن مجید حدیث کی تدریس کے لئے "دہلی" میں" ایک مدرسہ قائم کرکے نواب صاحب سے اُس کی سرپرستی کی درخواست کی آپ نے بخوشی قبول کی اور باوجود معذوریوں کے اُس کے لئے چندے کی کوششیں کیں"

۱۹۱۲ء میں آپ نے ترکوں کے لئے قرضہ دینے اور ہلال احمر میں چندہ دینے کی مسلمانوں سے اپیل کی اور اپنی اس اپیل کو اُس وقت پریس میں بھیجا جبکہ آپ دو ہزار کی اپنی [?] فروخت کرکے یہ رقم اپنی طرف سے پہلے بھیج چکے تھے"

دسمبر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی منسوخی" اور ۱۹۱۳ء میں "مچھلی بازار کانپور" کی مسجد کے ایک حصہ کے گورنمنٹ کی طرف سے منہدم کئے جانے پر جب مسلمانوں نے مزاحمت کی تو وہاں کے کلکٹر و مجسٹریٹ "مسٹر ٹائلر" نے اُن پر بندوقوں سے فیر کرا دئے" تلافِ جان بھی ہوا اور پھر مسلمانوں ہی پر مقدمات فوجداری چلائے گئے" نواب صاحب اِن دونوں کارروائیوں سے بجد متاثر ہوئے" اور انھوں نے مسلمانوں کو صاف طور سے مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنی عزت چاہتے ہیں تو محض گورنمنٹ کے انصاف اور رحم و کرم پر بھروسہ رکھنا چھوڑ دیں" اور اپنی قوتِ عمل کو بروئے کار لائیں" اب ہمارے ہاتھوں میں ہے کہ اپنی آزادی و عزت کو برقرار رکھیں یا پیروں کے تلے پامال ہو جائیں"

مسلمانوں کی جائدادوں کے "۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد سے کروڑوں کی تعداد میں" ہر سال ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلے جانے کا سلسلہ

جاری تھا“ اِس لئے آپ ”وقف علی الاولاد“ کے قانون کا ہندوستان میں نفاذ چاہتے تھے“ جب یہ کوشش تمام یہ قانون منظور ہو گیا“ تو سب سے پہلے آپ نے اپنی جائداد کو جو تین چار سو روپیہ ماہانہ آمدنی کی تھی“ اپنے صاحبزادے اور صاحبزادی پر وقف کر دیا۔ اور اس قانون کی پانچسو کاپیاں اپنے خرچ سے چھپوا کر ہندوستان کے صاحب جائداد حضرات کے پاس بھیجدیں اور انہیں بھی ترغیب دلائی“

غرضکہ ”ندوۃ العلماء لکھنؤ“ مدرسہ عربیہ دیوبند“ دار المصنفین اعظم گڈھ“ انجمن ترقی اُردو“ جامعہ ملیہ دہلی“ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس“ علیگڈھ کالج یونیورسٹی“ سرکاری مدرسوں میں مذہبی تعلیم کی ترویج“ وغیرہ وغیرہ کے جو کام بھی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ترقی کے ہندوستان میں دیکھے جاتے ہیں“ ان سب میں آپ کی کوشش اور امداد شامل ہے“ اور اکثر کے تو خود آپ ہی بانی ہیں“

آپ نے علیگڈھ کالج کے لئے ہزارہا روپیہ اپنی جیب خاص سے دینے کے علاوہ اپنے اثر سے لاکھوں روپیہ کا چندہ ہی نہیں کرایا۔ بلکہ مملکت آصفیہ سے بھی بیش قرار سالانہ رقم ہمیشہ کے لئے مقرر کرائی“ ۱۹۰۶ء میں آپ نے مسلم لیگ قائم کی اور تین برس تک اس کے خود سکریٹری رہے“

جس طرح ”میاں شاہ گلشن دہلوی“ نے اپنے مرید ”ولی دکھنی“ کو ہدایت فرما کر ہندوستان میں ”اُردو شاعری“ کا رواج دیا“ یعنی آپ ہی کے ارشاد سے وہ ”اردو میں شاعری شروع کر کے“ اردو شاعری کے باوا آدم کہلائے اسی طرح ”نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب پہلے شخص ہیں“ جنہوں نے ”علامہ جمال الدین افغانی“ سے بھی دس برس پہلے سکیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کے ۲۶ دسمبر ۱۸۶۴ء کے اعلان پر ایک رسالہ ”ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان“ کے نام سے لکھکر ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء کو کمیٹی مذکور میں پیش کیا تھا“ جس پر کمیٹی نے آپ کو تین سو روپیہ انعام دیا تھا“ نواب صاحب نے اس رسالہ میں جن تجاویز و تخیلات تعلیمی کو پیش کیا تھا ان میں سے ان کا ایک تخیل تھا کہ ”حیدر آباد“ میں اعلیٰ تعلیم کی درسگاہ کا قیام ہو اور اس کا ذریعہ ”قومی زبان اُردو“ قرار دیا جائے“ اور لکھا تھا کہ یہ مدرسہ ”مدرسہ اعظم“ کے نام سے موسوم ہو“ اس کے واسطے ”بمبئی“ یا ”کلکتہ“ یا ”حیدر آباد“ میں کوئی مقام پسند ہونا چاہیئے“ اور اس مدرسہ میں تمام علوم و فنون کی تعلیم نہایت سے نہایت اعلیٰ درجہ تک ہونی چاہیئے“ یہ تاریخی شہادت ”مولوی مشتاق حسین صاحب کی دستخطی“ غیر مطبوعہ رسالہ سے ہمدست ہوئی ہے جو راقم الحروف کے کتب خانہ میں موجود ہے“ (مضمون میر رونق علی صاحب مدد مہر دکن حیدر آباد ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء بعنوان کارنامہ شرف وترقی نواب سرور جنگ بہادر)

آپ کا انتقال ۱۹۱۷ء میں ہوا تو تمام ملک میں ماتم برپا ہو گیا“ قومی انجمنوں اور انجمنوں نے اظہار افسوس کیا۔ اور آپ کی وفات کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا“ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی“ نے ”چھندواڑہ“ سے جہاں اُس وقت وہ نظربند تھے لکھا کہ ”ہندوستان“ اپنے فرزند بزرگ“ اور ہم اپنے باپ سے جدا ہو گئے“ خدا ہماری مدد کرے“ آپ کے حالات میں دو کتابیں ”حیات وقار“ اور ”وقار حیات“ ہیں۔

(۲) مولوی بشیر الدین صاحب میرٹھی منیجر و ایڈیٹر اخبار البشیر اور بانی و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ“ علاوہ دیگر قومی“ مذہبی اور ملکی ترقی کی تحریکوں کے ندوۃ العلماء علیگڈھ کالج و مسلم یونیورسٹی بنانے میں بھی آپ کی کوششوں کو دخل حاصل رہا ہے)

(۳) لفٹننٹ کرنل سر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد میرٹھی“ ڈی۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و ممبر کونسل آف اسٹیٹ (آپ کے سیاسی اور تعلیمی ترقی کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں“

(۴) مولوی سعید احمد صاحب مارہروی“ بانی و منیجر شیعہ ہائی اسکول آگرہ و انجمن احمدیہ و مصنف کتب متعددہ (تذکرہ ابراہیم حیات امیر خسرو وغیرہ)

(۵) حاجی حافظ مفتی مولوی اعزاز علی صاحب امروہوی“ مفتی اعلیٰ و نائب ناظم مدرسہ دیوبند“

(۶) مولوی حاجی حافظ عاشق الٰہی صاحب میرٹھی“ مترجم کلام مجید“ جو چھ ماہ دمشق کے قریب ایک گاؤں میں رہکر حدیث کی ایک نایاب کتاب کی نقل کر کے ہندوستان لائے اور اس سے ہندوستان کو روشناس کرایا“ چنانچہ اس پر معارف نے خوب لکھا تھا کہ مولوی صاحب صرف عاشق الٰہی ہی نہیں ہیں بلکہ عاشق رسول بھی ہیں“

(۷) منشی حاجی انوار احمد صاحب مارہروی مرحوم پسر کلاں صاحب لطف المشاہیر“ نے جو کام بحیثیت سب ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ اور بعدہ بحیثیت ... محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس یعنی مسلمانان ہند کی تعلیمی کانفرنس ... مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور کالج و مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے قیام اور ترویج کیلئے کئے

اُن سے بھی ہر شخص واقف ہے۔ آپ کے انتقال فرما جانے پر، ایڈیٹرانِ اخبار اور لیڈرانِ بزرگانِ قوم نے آپ کی خدماتِ قومی کی تحسین کی۔ اور آپ کی وفات کو قوم کا بہت بڑا نقصان بتایا۔ اور سالانہ اجلاس کانفرنس، مذکورۂ بالا میں آپ کی خدمتوں کا اعتراف اور تعزیتی رزولیوشن پاس کیا گیا۔ مولوی محمد امین صاحب زبیری "مہتمم تاریخ ریاست بھوپال" نے آپ کے حالات اور کارنامے کتاب "یادگارِ انوار" میں تحریر کئے ہیں اور مرثیہ بھی لکھا ہے" جس کے چند شعر یہ ہیں"

گیا رنگون و برما و بمبئی و مدراس و کلکتہ — تمامی صوبجاتِ ہند میں ہر ایک ریاست میں
امیروں سے ملا۔ پہنچا غریبوں کے مکانوں پر — رئیسانِ جلیل القدر کے قصرِ امارت میں
گرانٹ اِن ایڈ کے۔ اسناد شاہی لے کے وہ پلٹا — ملی جس سے مدد تعلیمِ ملت کی اشاعت میں
وظیفوں کے لئے ہر سال وہ لایا ہزاروں ہی — غریبوں کے لئے کچھ بھی کسر رکھی نہ محنت میں
مخالف کو وہ باتوں میں ہمیشہ موہ لیتا تھا — جو سچ پوچھو۔ اثر جادو کا تھا اُس کی خطابت میں
بنا کر دوست پہلے۔ پھر مدد اُس سے وہ حاصل کی — کہ جس سے ہو گئے اپنے پرائے غرقِ حیرت میں
زمینِ شور تک کو سبز حاصل کرکے دکھلایا — کہ برکت اِس طرح شامل ہوا کرتی ہے محنت میں
سلیقہ اس کا جلسوں میں تحیر خیز رہتا تھا — کہ رکھا تھا خدا نے یہ بھی ایک جوہر طبیعت میں
گذاری عمر ساری۔ مجلسِ تعلیم میں اپنی — رہا جب تک کہ دم میں دم۔ رہا مصروف خدمت میں
یہ یونیورسٹی جو مطلعِ انوارِ علمی ہے — پسینہ اُس کی محنت کا ہے شامل اِس عمارت میں
اگرچہ مضمحل تھے اب قویٰ۔ تھا مقتضا سِن کا — مگر کچھ بھی کمی آئی نہ تھی جوشِ طبیعت میں
اچانک دیکھتا کیا ہوں کہ ایک دن چھوڑ کر سب کو — بڑے آرام و راحت سے ہے محوِ خواب تُربت میں

طفیلِ رحمۃ للعالمین۔ شانِ نبی سے
خدا نے رُوح کو اُس کے لیا دامانِ رحمت میں

دوسرا مرثیہ جو مولوی محمد راضی صاحب مارہروی" سابق مختار عدالت اِٹاوہ نے لکھا ہے۔ وہ یہ ہے:"

اے مسافر آہ۔ اے انوار احمد آہ آہ — تھی تعاقب میں علی گڑھ ہی سے مرگِ جاں ستاں
غازی آباد آہ جب پہنچا تو ہوا ایسا علیل — کر گئی تیرے جسد سے رُوح پرواز جہاں
جان کے ساتھ اب رہے گی یاد تیری جانِ جاں — ہم ہیں اب اور ہم پھر تیرے لئے شور و فغاں
یاد ہے ہم کو اِٹاوہ اور وہ برسوں کا ساتھ — یاد ہیں وہ سب جو تیرے دم سے تھیں دلچسپیاں
یاد ہے تیری ظرافت اور تبسم مجلسی — یاد ہے رطب اللسان اور وہ شیریں بیان
یاد ہے جو تھا ودیعت دل میں تیرے دردِ قوم — یاد ہیں وہ مخلصانہ تیری سب ہمدردیاں
یہ کہانی تیری ایک دن کی نہیں جو ختم ہو — ایک مدت چاہئے کہنے کو تیری داستاں
مختصر یہ ہے کہ جب خدمت کالج رہی — شہروں شہروں تو پھرا دل میں لئے دردِ نہاں
جاں فشانی کا بٹھایا سکہ تب قوم پر — ہیں تیری وہ کوششیں ہر انجمن میں بر زباں
تو اٹھا دنیا میں اپنا نام زندہ چھوڑ کر — نام جب زندہ رہا پھر موت کی تلخی کہاں
کر لیا حج بھی کیا کعبہ کا بھی تو نے طواف — روضۂ حضرت بھی دیکھا با ہزاراں شوقِ جاں
تیری دنیا میں بھی گذری عیش سے آرام سے — دین میں بھی تو ہوا مقبولِ ربّ المستعان
اب دعا ہے تو جوارِ رحمتِ حق میں رہے — بخش دے تجھ کو خدا، جنت میں ہو تیرا مکان

ہو مرض مہلک تو مسلم اُس سے ہوتا ہے شہید   ہے یہ ارشادِ حضورِ سرورِ عالی شان
چھپ گئے آنکھوں سے کیسے کیسے احباب و عزیز   رو ئیں کس کس کو، سوانح ہم کریں کیا کیا بیان

سالِ رحلت کے لئے اے راضیؔ مغموم و زار
ہجر کے دل سے غمِ انوار احمدؔ ہے عیاں

تیسرا مرثیہ مولوی حاجی سیّد علی احسن صاحب احسنؔ شاگردِ حضرت داغؔ۔ دسینئر لیکچرار شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

یہ کل کی بات ہے "انوار احمدؔ" ہم میں شامل تھے   مگر آج اُن سے ہے آباد۔ محفل اہلِ مرقد کی
یہ تھا معلوم کس کو، یوں قضا اُن کو جھپٹ لے گی   نہ اِس افتاد کا ڈر تھا نہ تھی امید اِس زد کی
ہنسا دیتے تھے روتوں کو، یہ حال تھا کمال اُن کو   پھر اس کے ساتھ ہی سنجیدگی بھی ان میں بے حد تھی
وہ کرتے تھے جو کام انجام اُس کا دیکھ لیتے تھے   کبھی عادت نہ ڈالی بے نتیجہ کاوش و کد کی
بڑا حصّہ گذارا عمر کا۔ خدماتِ قومی میں   کسی حالت میں بھی بھولے نہ وہ یاد اپنے مقصد کی
لحاظ و پاس رکھا، خاطرِ احباب کا اکثر   نہ دل توڑا رفیقوں کا نہ فرمائش کوئی رد کی
شرف حاصل کیا باصدق دل حج و زیارت کا   لگی لو اُن کو حبِّ حُبِّ خدا یا حبِّ احمدؐ کی
الٰہی نعمتِ بخشش سے مالا مال فرما کر   عطا ہو قادرِ مطلق نہیں لذت آنہیں عیش فلد کی
گئی ہے رُوح اُن کی جسمِ خاکی سے جُدا ہو کر   ضیا پاشی رہے اُن پہ تیرے نورِ محمدؐ کی

کہی تاریخِ رحلت اُن کی احسنؔ نے بہ الہامی
وہ مالک ہے جنّتِ فردوس میں انوار احمدؔ کی

حاجی انوار احمدؔ صاحب کی دو ضخیم کتابیں یادگار ہیں (۱) "خطباتِ عالیہ" (جس کی کئی جلدیں ہیں۔ اور جن میں کانفرنس مذکور کے سالانہ اجلاس کے ہر صدر کے حالات اور خطباتِ صدارت مع تصاویر کے جمع کئے ہیں) (۲) مرقع کانفرنس ہے۔ (جس میں شروع سے کانفرنس کی تمام کارروائیاں تحریر ہیں)

شیخ گدائی زبیری کنبوی کے اہلِ خاندان مقیم ہندوستان کی چند مصنفہ کتابیں

مصنف	کتابیں
حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ تولد ۸۰۰ھ ہجری۔ وفات ۹۰۱ھ ہجری	(۱) "مفتاح الاسرار الحقایق" (۲) حواشی برلمعات شیخ فخر الدین عراقی۔ (۳) "المشاہیر" (۴) تذکرہ حضرت مخدوم شمس العارفین صدرالدین محمد ترک بیابانی خلیفہ شیخ الشیوخ مخدوم عالم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ۔ (مطبوعہ مطبع نعمانی ترکمان دروازہ دہلی)
شیخ عبد الغفور المشتہر بہ میاں لادن تولد ۸۹۶ھ ہجری وفات ۹۴۵ھ ہجری	(۱) حاشیہ بر کتاب حل وقایہ (شجرۂ سہروردی قلمی ص ۴۹) (۲) "موید الفضلا" کے نام سے سلطان ابراہیم لودی کے زمانے میں فارسی لغت مدون کیا۔ (کتاب تاریخ و تنقید مطبوعہ برقی پریس آگرہ)
شیخ عبد الصمد پسر کلاں میاں ظفر خاں برادر میاں لادن المتوفی ۹۹۵ھ ہجری۔ بعمر ۸۰ سال)	(۱) "کنز الرموز" (۲) اکبر شاہی (شجرۂ سہروردی ص ۵۲) تاریخ داؤد شاہی میں کئی جگہ کتاب اکبر شاہی کے حوالے ہیں)
شیخ بدھ جمال الدین المشتہر بہ مفتی جمال خاں برادر میاں لادن نبیرہ حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ المتوفی ۲۰ صفر ۹۸۶ھ ہجری	شجرۂ سہروردی کے ص ۱۶ پر تحریر ہے کہ "کتابے چند جامع معقول و منقول تصنیف فرمود۔ چنانچہ چگونگی فضیلت و بلاغت و معیت ازاں کتابے ہا ظاہر است و چند کتابیں جامع معقول و منقول تصنیف فرمائیں۔ چنانچہ ہر طرح کی فضیلت اور بلاغت اور مولویت ان کتابوں سے ظاہر ہے اور اہل فراست

کے لیئے جن کی عقل کو سمجھ کا لباس پہنایا گیا ہے اسی قدر کافی ہے"

اہلِ فروست کہ عقل ایشاں رالباس ادراک پوشانیدہ اند این قدر بس بود"

شیخ حامد اللہ المشتہر بہ شیخ جمالی المتوفی ۹۴۲ھ ہجری	(۱) سیر العارفین مطبوعہ (۲) مثنوی مہر و ماہ (۳) دیوان (۴) مثنوی مراۃ المعانی (۵) ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں فارسی زبان کی جس قدر کتابیں ہیں ان کی ایک توضیحی فہرست ایک روسی مستشرق ولادیمیر ایوانو" نے مرتب کی ہے" اس مجموعہ میں ستائیس مثنویات ہیں منجملہ ان

چنانچہ اس فہرست میں صوفیانہ نظموں کے تحت مذکور ہے کہ یہ مثنویات مولانا جمالی رح (648 N-75/43) کے (۶) مفتاح الارواح "(۷) کنز الدقائق (۸) تنبیہ العارفین (۹) روح القدس (۱۰) مفتاح الفقر (۱۱) فاتح الابواب وغیرہ۔

میاں احمد خاں اکبر شاہی المتوفی اوائل زمانہ شہنشاہ جہانگیر نبیرہ مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ	(۱) معدن اخبار احمدی" نعمت اللہ ہروی مولف تاریخ خانجہانی مخزن افغانی، جنہوں نے اپنی کتاب ۱۰۲۰ھ ہجری میں تکمیل کو پہنچائی ہے لکھتے ہیں کہ بفضیلت شعار سلالۃ الابرار میاں احمد خاں کمبوہ" در تاریخ معدن احمدی بنفر بیان احوال فیر مآل خلائق پناہی تحریر و تسطیر درآوردہ یکتر ملے معتبری این تالیف ہمیں قدر اکتفا نمود" اور

تاریخ شاہی معروف بہ سلاطین افاغنہ تالیف احمد یادگار در ۱۰۵۴ ہجری مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۹ء از طرف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں صفحہ ۱۰ "معدن الاخبار چنیں گل چیدہ اند" اسی کتاب میں محمد ہمایوں بادشاہ کے حال میں اس طرح لکھا ہے کہ "سلاطین اخبار در بیان آثار از گلستان "معدن الاخبار" المشتہر بکنبوہ است" مشتمل بر تاریخ عالم از حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام تا جہانگیر است۔ بینیہ فہرست کتب خطی بلخش میوزیم از ڈاکٹر ریو جلد دوم ۸۸۸ء (یہ کتاب برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے ہندوستان میں نہیں ہے) (۲) شجرہ سہروردیہ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ ہے" جس کی با ضابطہ نقل وہاں سے ہم نے منگائی ہے جو مؤلف کتاب ہذا کے کتب خانہ میں موجود ہے)

میاں عبدالحیی المتخلص بہ حیاتی برادر خورد شیخ گدائی رح	(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی تذکرۃ المصنفین دہلی کے صفحہ ۱۹۱ پر شیخ عبدالحیی کے حال میں لکھتے ہیں کہ۔ میگویند کہ تاریخ نوشتہ بود بنام سلیم شاہ مصنوع مطبوع کہ باقی نماند" کہتے ہیں کہ مصنوع و مرغوب طرح بنام سلیم شاہ تاریخ لکھی تھی جو باقی نہیں رہی"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کی وہ کتابیں جن میں انہوں نے اپنے نسب کا اظہار کیا ہے

سلطان بہلول و سکندر و ابراہیم لودھی اور بابر و ہمایوں و شیر شاہ و سلیم شاہ و شہنشاہ اکبر کے زمانے کی یہ کتابیں جو ہمارے علم میں آئی ہیں وکھانے کے بعد اب ہم زبیری کمبوہی بزرگوں کی ان کتابوں کو دکھاتے ہیں جو ہماری نظر سے گذری ہیں اور جن میں شیخ گدائی کے خاندان کے نسب پر روشنی ڈالی گئی ہے بزمانہ شہنشاہ اکبر۔

(۱) شجرہ سہروردیہ تصنیف میاں احمد خاں اکبر شاہی۔ (۲) رسالہ نواب شہباز خاں جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے" (۳) عمل صالح (شاہجہاں نامہ مطبوعہ کلکتہ از طرف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال تصنیف محمد صالح شاہجہانی، (۴) بہار سخن" بزمانہ شاہجہاں تصنیف شیخ محمد صالح (۵) شرح قصاید عرفی" تصنیف محمد شفیع بن شیخ شاہ محمد بن شیخ تاج الدین عرف شیخ راجو زبیری سنبھلی" بزمانہ شہنشاہ عالمگیر در ۱۱۱۱ھ ہجری)

(نوٹ صـ ۱) مثنوی مہر و ماہ کا نسخہ بھی کتب خانہ آصفیہ میں ہے" (نوٹ صـ ۱) دیوان کے نسخے حبیب گنج اور رامپور کے کتب خانوں میں موجود ہیں" حبیب گنج میں جو دیوان کا نسخہ ہے نا تمام اوّل الآخر ہے" بخط پختہ صاف جلی قلم۔ جدول طلائی شنگرفی لاجوردی کاغذ حنائی رنگ گجراتی کرم خوردہ۔ نسخہ دو سو برس کا معلوم ہوتا ہے۔ تقطیع اوسط تعداد صفحات ایک سو چھیالیس فی صفحہ پندرہ سطر جملہ اشعار دو ہزار ایک سو نوے عنوان وغیرہ کی جگہ خارج کرنے پر تعداد اشعار کم و بیش ساڑھے اٹھارہ سو رہ جائے گی بہرحال دو ہزار ایک سو سے زیادہ اشعار ہیں معلوم نہیں اوّل و آخر سے کس قدر کلام کم ہے۔

(۶) سلسلۂ عالیہ" تصنیف حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی بزمانۂ شاہ عالم" (۷) اخبار المارہرہ تصنیف چودھری بہاؤالدین در ۱۳۳۲ ہجری (۸) رسالۂ مبارک تصنیف نواب مبارک علی خاں صاحب میرٹھی در ۱۲۶۵ ہجری مطابق ۱۸۴۹ء (۹) سلسلۂ نظامیہ تصنیف نظام الدین حسین صاحب مارہروی بعد ختم ہنگامہ ۱۸۵۷ء (۱۰) شمس التواریخ تصنیف خان صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی در ۱۸۹۶ء (۱۱) المشاہیر تصنیف حکیم منشی فیض احمد صاحب مارہروی در ۱۹۰۱ء (۱۲) تلخیص التواریخ" تصنیف مولوی سبط نبی صاحب امروہوی"

علاوہ ان کتابوں کے اور بہت سی کتابیں بھی اس خاندان کے بزرگوں کی مختلف زبانوں کی لکھی ہوئی مشہور ہیں" مثلاً" بہار دانش" اور " اشرف الصحایف" مصنفہ شیخ عنایت اللہ میر منشی شہنشاہ شاہجہان" اور " خیر التجارت" مصنفہ نواب میر اللہ شکر خاں اولی فوجدار شہنشاہ عالمگیر" اور مولوی بزرگ علی صاحب کی مشہور و معروف کتابیں جو رد مذہب عیسوی میں ہیں" مگر جن کے متعلق ہمارا یہ خیال ہے کہ سوائے بہار دانش کے اب وہ مفقود ہو چکی ہیں۔ مگر سوائے خیر التجارت کے یہ سب کتابیں ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں" جن میں بہار دانش تو مطبوعہ ہے اور باقی غیر مطبوعہ تھیں اب سنا گیا ہے کہ خیر التجارت لاہور کے کسی مطبع والے نے چھاپ دی ہے" ہم اس موقع پر اگر ان تمام کتابوں کو چھوڑ کر جن کے نام معلوم نہیں ہیں صرف ان کتابوں کو لکھدیں جن کے نام معلوم ہیں جو اس خاندان کے افراد نے شروع سے و تیک اس ملک میں لکھی ہیں تو اچھی ضخامت کی کتاب ہو جائے گی" مگر یہاں گنجایش نہیں ہے" اس لئے ہم صرف حافظ محمد نصر اللہ صاحب اور ان کی اولاد کی چند مصنفہ کتابوں کو اور دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی" اور ایک اندازہ مل جائے گا کہ جب چند افراد کی تصنیفات کی یہ تعداد ہے تو صدیوں سے کثیر افراد قوم کی لکھی ہوئی تصنیفیں کس قدر ہوں گی"

(۱) حافظ محمد نصر اللہ صاحب ابن شیخ ہدایت اللہ ابن محمد مان ابن محمد سعید خاں شہید از اولاد شیخ اسحق قدس سرہ کے چچا شیخ محمد سعدی نے ایک کتاب " میلاد و معاد" لکھی تھی مگر یہ کتاب اب موجود نہیں ہے" اور خود حافظ محمد نصر اللہ صاحب نے تین سو کتابیں لکھ کر مارہرہ کی خانقاہ میں لوگوں کے استفادہ کے لئے رکھدی تھیں وہ کتب خانہ میں آگ لگنے سے تباہ ہو گئیں" اب ہم ان کتابوں کے ناموں سے بھی ناواقف ہیں" (المشاہیر)

(۱) حافظ صاحب موصوف کے پوتے "حکیم عنایت حسین صاحب" نے (الف) فن طب نظری و عملی پر ایک کتاب "ریاض احمدی" نہایت جامع اور مبسوط لکھی ہے" امراض" اسباب و علامات" تدبیر و علاج" قرابادین" مفردات" اعمال و خواص الادویہ" اوزان و اعمال و صناعات و لغات طبیہ غرض کوئی بات اٹھا نہیں رکھی" اس کے ہوتے ہوئے طبیب کو دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس کتاب کی ضخامت دو ہزار اٹھارہ صفحہ ہے" ہر صفحہ میں اکیس سطریں اور ہر سطر طول میں پانچ انچ ہے"

(ب) دوسری کتاب فن تاریخ میں "مکاشفۃ الاخبار" لکھی ہے" اس میں ابتدائے آفرینش عالم و آدم سے بحث کی ہے" تذکرۂ انبیاء" اقوال اصفیا و حکماء" اذکار و اشغال اولیاء" اصول اقسام علوم و فنون و حالات طبقات سلاطین اسلامیہ تا زمانۂ زمین۔ نہایت خوش اسلوب طریقہ سے لکھی گئی یہ کتاب کم و بیش چار سو اسی صفحات پر ہے" ہر صفحہ میں اکیس سطریں اور ہر سطر طول میں سات انچ ہے"

(ج) تیسری کتاب فن تاریخ میں "تاریخ احمدی" لکھی ہے یہ کتاب خاندان برکاتیہ مارہرہ" کے بزرگوں کی تاریخ ہے" جن کے انوار و برکات کا غلغلہ ملک سے ملکوت تک پہنچا ہوا ہے" اس کتاب میں خاندان مذکور کے بزرگوں کے حالات۔ ان کے مریدوں کے چند باتیں آغاز حال سے فرجام کار تک بانداز دلپذیر تحریر کئے گئے ہیں"

(د) چوتھی جلد "سلسلۂ عالیہ" لکھی۔ یہ بھی فن تاریخ میں ہے" اس کتاب میں ان شیوخ قریشی زبیری کا بطور سلسلہ نسب تذکرہ کیا گیا ہے جو بلقب کنبوہ یا کنبوہ مشہور ہیں اور زمانہ ہائے دراز سے قصبہ مارہرہ میں سکونت پذیر ہیں" اور یہی وہ سلسلۂ عالیہ ہے جس کو مؤلف صاحب امروہوی نے "المشاہیر" میں دیکھا ہے اور ہمارے برادر بزرگ مرحوم و مغفور حاجی انوار احمد صاحب سے لیکر حرفاً حرفاً پڑھا ہے" مگر یہ التزام رکھا ہے کہ اپنی کتاب میں اس خاندان پر بحث میں کہیں بھی سلسلۂ عالیہ کے نوشتوں کا حوالہ تو درکنار رہا۔ اس کا نام تک نہیں آنے دیا ہے"

(۲) حکیم امداد حسین صاحب فرزند حکیم عنایت حسین صاحب نے (الف) ایک میلاد شریف رسول کریم صلعم موسوم بہ "تلخیص الکلام" اور

(ب) ایک رسالہ منظومہ "توضیح القرآن" جس میں آیات، رکوع، حروف، زیر و زبر و پیش وغیرہ اعراب قرآنی کی شمار بتائی گئی ہے۔

(ج) اور ایک رسالہ "دورہ وظائف" جس میں اعمال و اشغال خاندانی جمع ہیں لکھا۔

(د) اور فن طب میں کتاب "ریاض احمدی" تالیف پدری ہے بوجہ مرگ ناگہانی اُن کے نا تمام رہ گئی تھی اس کو پورا کیا۔

(۳) حکیم دلدار احمد صاحب خلف دوم حکیم امداد حسین صاحب نے فن طب میں (الف) "گلزار احمدی" اور (ب) "گلشن احمدی" لکھیں اور

منظم کتاب (ج) ریاض احمدی کا خلاصہ اپنے چھوٹے بھائی کے لئے کیا۔

(۴) حکیم منشی فیض احمد صاحب پسر کلاں حکیم دلدار احمد صاحب نے (الف) سلسلۂ عالیہ میں تین پشتوں تک کے سلسلے چھوڑے گئے مزید چند

بزرگوں کے حالات کا اس میں اضافہ کیا۔ اور (ب) "المشاہیر" لکھی جس میں زبیری کنبوی خاندان کے مشاہیر یعنی "مشائخ طریقت"

"علمائے شریعت" "امراء" "شعراء" اور "حکماء" کے حالات تحریر ہیں۔

(۵) حاجی منشی انوار احمد صاحب خلف اکبر منشی فیض احمد صاحب "المشاہیر" نے (الف) خطبات عالیہ سر اور

(ب) مرقع کا فہرس ضخیم کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ اُن کے حال میں آچکا ہے۔

(۶) مؤلف کتاب ہذا عبد المعین احمد پسر دوم صاحب المشاہیر کی لکھی ہوئی کتابیں۔

(الف) "خاندان حضرت زبیرؓ" اس میں حضرت زبیرؓ کی ددھیال اور ننھیال کے تمام بزرگوں کے حالات نہایت تفصیل سے اور قریش

کے تمام خاندانوں کے سلسلے اور شجرے اور افراد صحابہ کرام رضی کے حالات کے علاوہ لقب قریش کی وجہ تسمیہ لکھکر عدنان تک تمام مورثوں کے سلسلہ بہ سلسلہ مکمل

حالات اور پھر حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ کے حالات ذرا تفصیل سے اور حضرت نوحؑ تک سلسلہ بتایا ہے۔ یہ کتاب قریباً سات سو صفحات پر فلسکیپ کے

پھیلی ہوئی ہے۔ "تاریخ اسلام میں قریش کے جس قدر افراد و اصحاب رسول اللہ صلعم کے نام آتے ہیں" اس کتاب سے اُن کے حالات اور رشتے وغیرہ خوب

طرح معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور قریش کے اجداد کے حالات پر عبور حاصل ہو جاتا ہے۔

(ب) "حیات مبارکہ سیدنا حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم" جو قریباً پانچسو صفحات پر فلسکیپ کے پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کتاب

آپ کی سیرت اور کارناموں نیز ۳۶ھ ہجری کے تمام اسلامی واقعات پر محیط ہے۔

(ج) "حیات مبارکہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ" یہ بھی قریباً پانچسو صفحات پر فلسکیپ کے ہے۔ آپ کی سیرت اور کارناموں

کے علاوہ ۷۳ھ ہجری تک کے تمام اسلامی واقعات پر اس سے تفصیلی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

(د) "حیات مبارکہ سیدنا حضرت مصعب بن زبیرؓ" اس سے آپ کی سیرت و کارنامے اور اسلامی واقعات مفصل طور سے معلوم ہوتے ہیں۔

یہ کتاب قریباً تین سو صفحات پر فلسکیپ کے تحریر ہے۔

(ہ) "حیات مبارکہ سیدنا حضرت عروہ بن الزبیرؓ" آپ نے سیاسی معاملات سے الگ رہکر تصنیفات اور ترویج و اشاعت حدیث

نبوی صلعم میں اپنی زندگی بسر فرمائی۔ آپ کی سیرت و کارنامے اسلامی تاریخ میں خاص درجہ رکھتے ہیں۔ یہ کتاب قریباً دو سو صفحات پر فلسکیپ کاغذ کے لکھی ہے۔

(و) "الاسناد فی ذریۃ الزبیر بسندہ" اس کتاب سے سال ہجرت رسول مقبول صلعم سے دو پشت پہلے سے چوتھی صدی ہجری تک کے مختلف

زمانوں کے سندھ کے حدود، شہر و قصبے اور اُن کے فاصلے اور واقعات جو اس دوران میں وہاں گذرے اور سلطنتیں جو قائم ہوئیں اُن کے حالات کے

علاوہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو شہر و قصبات پہلے تھے اور اب نہیں ہیں وہ کہاں کہاں تھے۔ نیز جن شہروں اور قصبوں کے نام بدل گئے ہیں تو وہ اب

کن ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ کتاب فلسکیپ کے چھ سو صفحات پر ہے۔

(الف) سلسلہ زبیری کنبوی خاندان کا ایسا سلسلہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ کی فلاں کی صاحبزادی سے شادی ہوئی اور اس سے اتنی اولاد اناث

ہوئی اور فلاں ناموں کی اولاد ذکور اتنی ہوئی۔ اور اس ساری اولاد کی شادیاں کہاں کہاں ہوئیں اور اُن سے کس قدر اولادیں ہوئیں اور اُن کی کیا پوزیشن یا

حیثیت تھی۔ غرضکہ قریباً چھ سو برس سے ہمارے زمانہ تک کا حال اسی طرح تحریر ہے۔

(ع) (زبیری ہند میں) اِس کتاب میں اُن اولیاء، علماء، وزراء، اُمراء کے حالات جمع کئے گئے ہیں جو سلطان شہاب الدین غوری انار اللہ برہانہٗ کے زمانے سے ترکوں، خلجیوں، تغلقوں اور سیّدوں کے زمانوں میں تھے۔ یہ کتاب بھی اچھی ضخیم ہے۔

(ف) (زبیری ہند میں، جلد دوم و سوم و چہارم) اِن جلدوں میں لودھیوں، سُوریوں اور مغلوں نیز انگریزوں تک کے زمانوں کے اولیاء، علماء، وزراء، اُمراء، شعرا اور حکماء وغیرہ وغیرہ کے حالات تحریر ہیں اور یہ کتابیں بھی اچھی ضخیم ہیں۔

(ق) (حالات حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ و حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ) اِس کتاب میں دونوں مخدوموں کے اور اُن کی اولاد کے حالات تحریر ہیں۔ قریباً دو سو صفحات فلسکیپ کے ہیں۔

(گ) (حالات حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ) اِس کتاب میں آپ کے حالات و تصنیفات کے علاوہ آپ کی اولاد کے حالات بھی ہیں۔ قریباً دو سو صفحات فلسکیپ کے ہیں۔

(ل) (اودھ کے بادشاہ گر زبیری کنبوہی بزرگ) اِس کتاب میں نواب سبحان علی خاں اور تاج الدین حسین خاں اور اُن کے والد و دادا نیز پردادا اور اولاد کے حالات تحریر ہیں۔ خاصی ضخامت ہے۔

(م) (نواب شہباز خاں شہر اللہ المتحارب مؤتمن الدولہ نواب نظام الدین شہباز خاں گورنر و سپہ سالار و اتالیق شہزادگان وغیرہ کے سوانح حیات و کارنامے درج ہیں۔ ضخیم کتاب ہے۔

(ن) (خاندان زبیری کنبوہی اور اقوام کمبوج و کمبو جلد اوّل) اِس کتاب میں مسٹر محمود احمد امروہوی کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی زبیری کنبوہی خاندان کے نسب کے متعلق تحقیقات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور اُن کی غلط بیانیوں کا پول تاریخی شواہد سے اچھی طرح کھولا ہے۔ یہ جلد آپ کے سامنے ہے۔

(و) (خاندان زبیری کنبوہی اور اقوام کمبوج و کمبو جلد دوم) اِس کتاب میں چودھری وہاب الدین امرتسری کی کتاب تاریخ کمبوہاں کی نسبی تحقیقات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اُن کی غلط بیانیوں کا پول تاریخی شواہد سے اچھی طرح کھولا ہے۔ یہ کتاب بھی جلد اوّل کی ضخامت ہی کی ہے۔

(۷) عزیزی میاں امداد احمد خاں زبیری پسر خورد و چہارم صاحب المشاہیر کی کتاب کا نام ہے (اصول صدقات و خیرات اسلام) جب یہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایف۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے تو انجمن اسلامیہ سکندر آباد دکن نے تمام ہندوستان کو مضمون لکھنے کی دعوت دی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جس کا مضمون اوّل آئے گا اُسے تین تولے سونے کا تمغہ دیا جائے گا اور اُس مضمون کو انجمن اپنے خرچ سے کتابی شکل میں چھاپ کر مضمون نویس صاحب کو اُس کی ایک جلد بھی روانہ کرے گی۔ علماء، فضلاء اور چند وزراء کی کمیٹی کو حَکَم قرار دیا تھا۔ چنانچہ اطرافِ ملک سے آئے ہوئے تمام مضامین کو جب کمیٹی نے جانچا تو عزیزی امداد احمد سلمہٗ کا مضمون اوّل قرار دیا گیا اور انجمن نے حسب وعدہ تمغہ اور کتاب چھپوا کر اُن کے پاس بھیج دی۔

(۸) عزیزی حسن احمد زبیری سلمہٗ پسر سوم صاحب المشاہیر اعلیٰ پایہ کے مضمون نگار اور بہترین مترجم ہیں۔ انہوں نے ضخیم کتاب دی اینگلو افغانی اسٹرگل یعنی انگریزی افغانی جھڑپ ۱۸۸۳ء مصنفہ میجر جنرل ایل این سوبالیف ممبر روسی جنرل اسٹاف، جس کو میجر ڈبلو ای گووان جنرل لسٹ بنگال انفنٹری نے روسی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا جسے گورنمنٹ پریس کلکتہ نے ۱۸۸۶ء میں طبع کرایا تھا اس کتاب کا اردو میں سلیس ترجمہ کیا ہے۔

(۹) صاحب المشاہیر کے برادر خورد حکیم ابو سعید احمد صاحب نزہت چشتی و قادری نے بھی ایک کتاب (مصباح الحق) تصوف میں لکھی ہے جو طبع ہو گئی ہے۔

(۱۰) حکیم ابو سعید احمد صاحب کے فرزند دوم شمس الدین محمود المعروف بہ حکیم محمود میاں نے بھی تصوف میں ایک کتاب (کشف الحقیقت) لکھی ہے جو چھاپہ ہو گئی ہے۔

(۱۱) صاحب المشاہیر کے پھوپھی زاد بھائی حکیم منشی انوار حسین صاحب (والد بزرگوار مغفلی صادق حسین صاحب المعروف بہ محمد صادق صاحب) نے ایک کتاب (مخصوص امراض مردان) فن طب میں

(۱۲) صاحب المشاہیر کے چچا زاد بھائی حکیم ابو صالح صاحب مرحوم کے فرزند حکیم محمد اصلح صاحب مرحوم (عزیزی محمد زبیر سلمہٗ اسسٹنٹ لائبریرین لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی کے والد) نے ایک رسالہ جیب کا لکھا تھا۔ جب وہ چھاپہ ہو کر ملک کے سامنے آیا تو اُس کی بڑی قدر ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ملک کی ضرورت اور اپنی منفعت جانکر لاہور کے ایک پریس نے اُسے چند سال ہوئے پھر چھاپ دیا ہے۔

زبیری کنبوہی خاندان کے ایک گھرانے کی صرف چار پانچ پشتوں کے افراد کی تالیفات و تصنیفات کو جو ہم نے یہاں دکھایا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جبکہ یہ خاندان ہمیشہ سے علم و فضل کا معدن رہتا چلا آیا ہے اس کے افراد نے شروع سے آج تک کس قدر کتابیں لکھی ہوں گی۔

مؤلف امروہوی کی طرح اِس خاندان کے نسب کی تحقیق کے لئے خاندانی روایتوں اور طبع زاد یا من گھڑت کہانیوں پر انحصار نہیں ہے "جب تک ابوالفضل و فیضی دینِ الٰہی اکبر شاہی کے وحی پہنچانے والے ان فرشتوں نے اِس خاندان کے سکنی لقب کنبوی کو کنبو ظاہر کرکے اور قوم کمبو کے کمبو نام میں التباس ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے بزرگوں کو کبھی اِس طرف خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اپنے نسب کو اپنی کتابوں میں فخر و مباحات کے لئے ظاہر کردیں" جاننے والے جانتے تھے اور یہ کافی تھا" مگر جب سے ابوالفضل و فیضی نے یہ شاخسانہ کھڑا کیا تو کسی کسی کتاب میں اِس خاندان کے بزرگوں نے اپنے نسب کا بھی اظہار کردیا ہے "

شیخ گدائی کے اہل خاندان کے آثار

(۱) حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ کی نہایت وسیع اور سنگ و گچ سے بنی ہوئی خانقاہ موسوم بہ "سوہن برس" اس سڑک پر جو مہرولی کے بازار میں سے ہوتی ہوئی جنوب کی طرف چلی گئی ہے۔ مہرولی سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر سڑک کے قریب بائیں طرف موجود ہے"

(۲) اسی سڑک کے داہنی طرف "سوہن برس" کے مقابل جہاں "حوض شمسی" ختم ہوا ہے" حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ کے خاندان و اولاد کا وسیع قبرستان ہے جس میں ایک سنگ بستہ مسجد اور حضرت مخدوم صاحب کا مقبرہ ہے" اِس قبرستان کے قریب اور بھی مقبرے اِسی خاندان کے بزرگوں کے ہیں"

(۳) پُرانی دہلی یا مہرولی میں قریب لاڈو سرائے "حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ العزیز کے روضے کے متصل جہاں پہلے دہلی کی گھمسان آبادی تھی اور آج میدان ہے لیکن عجیب دلچسپ جگہ ہے" حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کا مقبرہ ہے "یہ مقبرہ دہلی کی قدیم و نفیس عمارتوں میں شمار اور ممتاز اپنے زمانے کی عمدہ بیش بہا یادگار ہے" پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اُس پر کاشانی چینی اور مینت کاری کا بہت خوبصورت اور خوشنما کام کیا گیا ہے "بیل بوٹے ایسے نظر فریب و دل نشین بنائے ہیں کہ نگاہ اُس سے جُدا ہونا نہیں چاہتی" سینکڑوں برس گذر گئے مگر یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کاریگر اُٹھ کر گئے ہیں" اِس مقبرے میں حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے فرزند کلاں" شیخ گدائی بھی مدفون ہیں" اِس مقبرے کے اطراف وسیع احاطہ ہے جس کا فرش بھی چونہ اور پتھر کا مضبوط اور اچھی حالت میں ہے" اِس احاطہ میں حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے خاندان اور اہل و عیال کی قبریں ہیں"

(۴) حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے مقبرے کے متذکرہ بیرونی احاطہ کے باہر مگر اُس سے ملی ہوئی ایک عالی شان سنگین مسجد ہے "جس کی محرابوں پر اُبھرے ہوئے حرفوں میں آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔ یہ مسجد حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے فرزند رشید "شیخ گدائی کی بنائی ہوئی ہے"

(۵) قصبہ سوہنہ نزد دہلی میں زبیری کنبوی خاندان کا بنوایا ہوا ایک قلعہ اور وسیع و عریض سنگین باؤلی ہے۔ مگر اب یہ دونوں شکستہ حالت میں ہیں" عرصہ سے اِس خاندان کو سوہنہ سے تعلق باقی نہیں رہا ہے"

(۶) سنبھل میں "میاں چمن" کا آباد کردہ ایک محلہ موسوم بہ "چمن سرائے" موجود ہے"

(۷) سنبھل میں "نواب اعتماد الملک وزیر اعظم شیر شاہ بادشاہ سوری کا عالی شان مقبرہ اینٹ اور چونے سے بنا ہوا ہے"

(۸) محلہ ڈونگر سرائے باغیچی میں مقبرہ "شاہ شہباز رحمۃ اللہ علیہ کا ہے"

(۹) قاضی عجائب سنبھلی اور دیوان عبد المومن خاں سنبھلی دیوان تن شہنشاہ شاہجہاں کے قلعہ سنبھل اور بیرون میں آثار ہیں۔ مگر اب شکستہ اور برباد حالت میں ہیں"

(۱۰) قصبہ چھپور ضلع بلند شہر میں نزد علیگڑھ ایک مسجد "نواب ابو محمد خاں میر بخشی از امرائے شہنشاہ جہانگیر کی بنوائی ہوئی اچھی حالت میں ہے" اور اس خاندان کے محلات شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ اب وہاں سے کبھی ... خاندان کا کوئی تعلق باقی نہیں ہے"

(۱۱) علی گڑھ میں شیخ رکن الدین عرف شیخ یوسف ابن شیخ یحییٰ عبد السلام المعروف بہ شیخ اکثر م پسر کلاں حضرت مخدوم شیخ اکثر قدس سرہٗ

برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ گورنر ہوگئے تھے یہاں کی حکومت انکی تین پشتوں تک متوارث رہی اور محمد سعید خاں شہید ابن محمود خاں ابن شیخ جنید المعروف بہ عمر خاں کے معہ اپنے پسر کلاں محمد علی شہید کے شہنشاہ شاہجہاں کی ہمراہی میں لکھی جنگل سرکار دیپالپور متعلق صوبہ ملتان میں درجۂ شہادت پر فائز ہو جانے اور پسر خورد محمد خاں کے خورد سال ہونے کی وجہ سے یہ حکومت اس گھرانے سے جاتی رہی سلسلۂ عالیہ میں لکھا ہے کہ اب تک اُن کے آثار ریاست وہاں موجود ہیں" مگر ایک بہت آباد محلہ کسٹرہ محمد سعید خاں علیگڈھ میں اُن کا بنایا ہوا اب بھی موجود ہے"

(۱۲) قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ میں "عمر خاں شہید پسر دوم خواجہ حسن ملتانی نے "شہنشاہ اکبر کی عطا کردہ زمین پر ایک جداگانہ محلہ آباد کیا جو محلہ کنبو یان کے نام سے موسوم ہے" اسی محلہ کے قریب بازار بنایا اور سرائے بنائی اور محلہ میں مسجد تعمیر کرائی۔ یہ سب آثار اب تک اچھی حالت میں ہیں"

(۱۳) قصبہ مارہرہ میں "محمد افضل پسر محمد شریف خاں اور نواسہ محمد سعید خاں شہید کوہ‌ئی (علی گڈھ) نے وسیع جامع مسجد تعمیر کرائی۔ جو اُن کے آثار خیر و صلاح کی نشانی ہے" ۱۰۴۵ھ ہجری اس کی بنا کی تاریخ ہے"

(۱۴) آگرہ میں "شیخ مجاہد خاں شہید از اُمرائے اکبری کا مقبرہ ہے جس پر بڑا پر درد کتبہ نظم میں کندہ ہے اور یہ سنگ سرخ کا عالی شان مقبرہ ہے آپ کو تلمیر کی لڑائی میں نوجوان شہید ہوئے تھے۔ آپ کے والد صاحب خاں تھے اور دادا محب علی خاں امرائے اکبری میں سے تھے۔ (المشاہیر صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ و طبقات اکبری)

(۱۵) شہر میرٹھ میں نواب ابو محمد خاں از اُمرائے شہنشاہ جہانگیر و شاہجہاں کے چچا شیخ سماؤالدین صاحب کا بنوایا ہوا کوٹلا تھا اب اس کا صرف ایک عالیشان دروازہ باقی ہے

(۱۶) نواب ابو محمد خاں کالی ندی سے ایک چشمہ کاٹ کر لائے جو اب ابو محمد کا نالہ کہلاتا ہے۔

(۱۷) میرٹھ کی عیدگاہ پختہ بھی آپ کے نشانات خیر کی آج تک خبر دے رہی ہے"

(۱۸) ایک قلعہ تعمیر کردہ ان کا میرٹھ میں تھا۔ اس کی دیواریں اور برج سب مسمار ہو گئے ہیں لیکن اس کی جگہ ایک بڑا محلہ ہے کوٹلہ ابو محمد خاں" کے نام سے مشہور ہے" اس میں بہت آباد بازار اور عالی شان سرائے بھی ہے"

(۱۹) ایک نہایت ہی عالی شان مقبرہ سنگ سرخ سے بنا ہوا ان کا یادگار ہے" مقبرہ کی محراب شمالی پر متعدد اشعار تو دیکھ کندہ ہیں۔ یہ مقبرہ آپ نے اپنے والد بزرگوار شیخ عمادالدین کا بنوایا تھا بعد میں خود بھی اسی میں مدفون ہوئے" مقبرہ کے اندر چند قبروں کے تعویذ وغیرہ سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن پر خط نسخ میں کلمہ توحید اُبھرے ہوئے حرفوں میں کندہ ہے۔ مقبرہ ابو محمد خاں کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ بنا ۱۰۳۹ ہجری ہے" مقبرہ کے متعلق صدہا بیگہ زمین تھی جس کا زیادہ حصہ اب آباد ہو گیا ہے۔ اور پورہ ابو محمد خاں کہلاتا ہے" باقی ماندہ میں کاشت ہوتی ہے" یہ کل زمین اسی خاندان کے مالکانہ قبضہ میں تھی۔ اب کچھ حصہ اس کا عدم توجہی کی وجہ سے نکل گیا ہے۔ نواب اسد اللہ خاں نبیرہ نواب مبارک علی خاں صاحب مصنف کتاب رسالہ مبارکہ و کمالات عزیزی" و تحفۃ السلاطین نے محکمۂ آثار قدیمہ کے انتظام میں اس مقبرہ کو دیدیا تھا" مگر نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد کچھ حصہ داروں نے اپنے موہوم فائدہ کے مدنظر اسے آثار قدیمہ کے محکمہ سے واگذاشت کرالیا جو اچھا نہیں ہوا۔

(۲۰) ضلع میرٹھ میں متصل قصبہ مرادنگر موضع ابو محمد پور بھی " نواب ابو محمد خاں کا آباد کیا ہوا ہے"

(۲۱) شہر میرٹھ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی صندوقی مسجدیں نواب بہادر خاں از اُمرائے شہنشاہ جہانگیر و شاہجہاں فوجدار اجمیر و فاتح بند سنگلی کی بنوائی ہوئی ہیں"

(۲۲) شہر میرٹھ میں "شیخ لالہ جیو ابن شیخ رکن الدین ابن شیخ یحییٰ عبدالسلام الملقب بہ شیخ اچھن رح ابن حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز کا ایک بازار بنایا ہوا ہے جو بہت آباد ہے اور لالہ کا بازار کہلاتا ہے"

(۲۳) شیخ لالہ نے اپنے بنا کردہ لالہ کے بازار کے سرے پر ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی وہ بھی اچھی حالت میں ہے"

(۲۴) شہر میرٹھ میں محمد خاں المخاطب نواب خیر اندیش . . . . لی از امرائے شہنشاہ عالمگیر و فوجدار نے قلعہ کپتہ "

(۲۵) معہ مسجد عمدہ" اور نہایت وسیع و شاندار" اور

(۲۶) بازار تعمیر کرایا" قلعہ کی فصیل ٹوٹ گئی ہے" مگر قلعہ کا عالی شان دروازہ اپنے نیک نہاد بانی کی عظمت و شان کی نشانی ہے اور بازار و مسجد خوب آباد ہے۔ اور اب یہ محلہ خیر نگر کہلاتا ہے"

(۲۷) اس میں ایک وسیع اور عالی شان دو منزلہ پختہ سرائے بھی ہے" مرکز الخیر قلعہ کی اور خیر المساجد المعابد مسجد کی تعمیر کی تاریخ ہے"

(۲۸) قلعہ خیر نگر شہر میرٹھ میں محمد میسح المخاطب بہ نواب خیر اندیش خاں ثانی (نبیرہ نواب خیر اندیش خاں اوّل) نے شیش محل معہ صحن باغ و پائین باغ و حوض و فوارہ تیار کیا تھا۔ کئی حصہ دار ہو جانے کی وجہ سے" نواب احمد اللہ خاں (مؤلف کتب حکایات اُمراء وغیرہ) ابن نواب مبارک علی خاں (مؤلف رسالہ مبارک وغیرہ) از نسل نواب خیر اندیش خاں ثانی نے شیش محل کو چھوڑ کر قریب ہی ایک کوٹھی موسوم بہ جنت نشان بنوا کر سکونت اختیار کر لی۔ پھر رفتہ رفتہ اور حصہ داروں کے بھی حصے انہوں نے خرید لئے۔ اور شیش محل کے صحن کے کمروں میں رعایا آباد کر دی" نواب صاحب اور اہل خاندان میں سے کسی نے پھر اُس میں سکونت نہ رکھی اور عدم توجہی کی وجہ سے یہ عالی شان محل اب بہت خراب حالت میں ہے"

(۲۹) نواب احمد اللہ خاں کی کوٹھی کے وسیع احاطہ میں ایک بہت اونچی کرسی کے چبوترے پر بسمت مغرب نواب خیر اندیش اوّل کا مقبرہ ہے۔ جو اچھی حالت میں ہے مگر تھوڑی مرمت کی ضرورت ہے"

(۳۰) اسی کوٹھی کے احاطہ میں بسمت مشرق دوسری طرف "محمد تحی (بھانجے نواب اعتماد الملک سنبھلی وزیر اعظم شیر شاہ شوری) کا عالی شان مقبرہ اینٹوں اور گچ سے بنا ہوا مضبوط ہے مگر اب اُس میں کچھ مرمت کی ضرورت ہو گئی ہے" اس مقبرہ پر کلس نہیں ہے اس لئے "منڈا مقبرہ کہلاتا ہے" کلس نہ لگانے کی یہ وجہ ہوئی کہ "محمد تحی مرحوم کی برات سنبھل سے میرٹھ ہاتھیوں پر آ رہی تھی۔ میرٹھ کے قریب پہنچ کر محمد تحی صاحب کا درد قولنج سے آناً فاناً میں انتقال ہو گیا" کیونکہ اُن کی شادی نہیں ہو پائی تھی اس لئے مقبرہ کو منڈا رکھا گیا" زبیری کنبوہ قبیلہ پر اتحاد قومی کی وجہ سے اس حادثہ کا ایسا اثر ہوا کہ پھر کوئی دولھا ہاتھی پر نہیں سوار کیا گیا۔ یہ مقبرہ اندر سے اتنا وسیع ہے کہ قوم کے ایک صاحب نے قبر کے تین طرف قدِ آدم سے اونچی دیواریں بنا کر باقی ماندہ جگہ میں تین کمرے نکال لئے ہیں۔ اور دروازے کے سامنے برآمدہ بنوا کر تنہا سکونت اُس میں اختیار کر لی ہے" مٹی کا اونچا چبوترہ جس پر مقبرہ ہے وہ برآمدے اور اطراف کا صحن ہے" اسی چبوترے پر انہوں نے ایک اچھا فراخ چبوترہ بھی نماز کے لئے بنا لیا ہے"

(۳۱) اسی احاطہ کے ختم پر سمت شمال کو ایک نواب خیر اندیش خاں کا جیسا گنبددار مقبرہ اور ہے جو نواب صاحب موصوف کے بھتیجے اور داماد شمس الدین محمد خاں عرف مینڈھو کا ہے" یہ مقبرہ بھی اچھی حالت میں ہے۔ مگر عیسائیوں کے گرجا کے احاطہ میں ہے جنہیں کسی وقت اس خاندان والوں نے زمین دی تھی" کچھ توجہ نہ کرنے کی وجہ سے یہ مقبرہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہ گیا" گرجا والوں نے اپنی وسیع زمین کے بڑے حصہ کو پنجاب کے ایک ہندو سیٹھ کے پاس فروخت کر دیا ہے۔ جس نے اپنے نام پر اُس میں ایک محلہ ٹھاکر نگر آباد کر دیا ہے" اُسی کی طرف یہ مقبرہ بھی چلا گیا ہے"

(۳۲) شہر میرٹھ کے سب سے زیادہ آباد بازار میں "منصب علی خاں صاحب از اولاد نواب ابو محمد خاں کا بنوایا ہوا ایک عظیم الشان امام باڑہ ہے۔ بازار کی طرف اس کی متعلقہ وسیع دوکانیں ہیں۔ اور بہت اچھی حالت میں ہیں"

(۳۳) اس امام باڑہ کے بالمقابل سڑک کے دوسری سمت ایک وسیع مسجد بھی منصب علی خاں صاحب کی بنوائی ہوئی ہے۔ جس کے نیچے متعدد دوکانیں ہیں"

(۳۴) منصب علی صاحب کی تیس چالیس ہزار سالانہ وقف شدہ سکنی اور دیہاتی جائداد سے اسٹیشن روڈ پر ایک شیعہ کالج اور بورڈنگ بنایا گیا ہے"

(۳۵) اس کالج کے احاطہ میں ایک پرانا اور بڑا گنبددار مقبرہ اسی خاندان کے کسی بزرگ کا بنا ہوا موجود ہے۔

(۳۶) اور کالج کے احاطہ کے کنارے پر لب سڑک ایک مسجد بھی منصب علی خاں صاحب کی بنوائی ہوئی ہے" سوائے مقبرے کے کہ اب اُس میں کچھ مرمت کی ضرورت ہے" کالج" بورڈنگ" امام باڑہ" اور مسجدوں کا انتظام اچھا ہے" منصب علی صاحب سے اُن کا سفرنامہ حجاز جو چھپا یا ہو چکا

ہے یادگار ہے۔ یہ بزرگ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں لکھنؤ کے قریبی علاقہ میں پولیس افسر تھے اور شیعہ ہوگئے تھے۔"

(۳۷) خیر نگر بازار شہر میرٹھ کے ایک سرے پر لبِ سڑک ایک چھوٹی مسجد اور ہے۔" صادق حسین صاحب عرف چاند میاں اس کے متولی ہیں۔

(۳۸) شاہ ولایت صاحب میرٹھ کے احاطہ میں نواب خیر اندیش اوّل کے والد بزرگوار نواب محبت خاں کا مقبرہ ہے۔" جس میں اور بھی کئی قبریں ہیں اور عیال کی ہیں ان میں مولوی محمد احمد صاحب پوسٹ ماسٹر جنرل مملکت نظام دکن وظیفہ یاب اور اتالیق شہزادہ بسالت جاہ بہادر برادر خورد اعلیٰ حضرت نظام دکن کے والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ اور منجھلی پھوپھی (والدہ ماجدہ اسلام مصطفیٰ خاں) ممبر میونسپل بورڈ و نبیرہ نواب احمد اللہ خاں کی بھی قبریں ہیں۔" اِس مقبرہ میں تھوڑی مرمت کی ضرورت ہوگئی ہے۔"

(۳۹) نواب محبت خاں کے مقبرہ کے مشرق سمت ایک سنگِ سرخ کا پرانا مقبرہ بھی اسی زبیری کنبوی خاندان کے کسی بزرگ کا ہے۔" اس میں مؤلف کتاب ہذا کی والدہ ماجدہ حبیب فاطمہ (بنت مولوی امداد حسین صاحب مارہروی) بھی مدفون ہیں۔ اور اس مقبرے کے سامنے چبوترہ پر مؤلف کتاب ہذا کی نانی صاحبہ محترمہ خورشید فاطمہ (نواب مبارک علیخاں کی نواسی اور نواب احمد اللہ خاں کی بھانجی)" کی قبر ہے۔ یہ مقبرہ بہت کمزور ہوگیا تھا مؤلف کتاب نے

(۴۰) نواب محبت خاں کے مقبرے کے مغرب رویہ بھی سنگِ سرخ کا مقبرہ اسی خاندان کے ایک بزرگ کا ہے۔"

(۴۱) میرٹھ میں اس خاندان کی بنوائی ہوئی اور بھی متعدد چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں نیز آباد کردہ پورے ہیں۔" جنہیں طوالت کے خیال سے چھوڑتے ہیں۔"

(۴۲) شیخ حبیب الدین (نواب ابو محمد خاں کے چچا) کا مقبرہ سنگِ سرخ کا بنا ہوا۔" احاطہ مقبرہ شیخ عماد الدین مشہور بہ مقبرۂ ابو محمد خاں کے احاطہ میں ہے۔" محراب بالین پر لفظ "روضۂ حبیب ۱۱۳۳ھ" جس سے تاریخ وفات نکلتی ہے اور لوحِ تربت پر کلمۂ طیبہ بہترین کندہ ہے۔"

(۴۳) بانس بریلی میں محمد مسیح المخاطب نواب خیر اندیش خاں ثانی کا بنوایا ہوا ایک قلعہ تھا اب اُس کا نام نو محلہ مشہور ہے۔" نواب رحمت خاں جب بریلی پر مسلط ہوئے تو انہوں نے وہ قلعہ اپنے پیر میر معصوم کو دیدیا تھا۔"

(۴۴) بریلی کی عیدگاہ۔" اور

(۴۵) قلعہ قدیم میں مبارک محل بھی نواب صاحب موصوف کے بنوائے ہوئے ہیں۔"

(۴۶) اٹاوہ میں ایک کٹرہ یا محلہ نواب خیر اندیش خاں اوّل کی کنیز سیو اکلی کے نام سے مشہور ہے۔" آپ نے وہاں ایک دارالشفا بھی بنوایا تھا اور اُس میں نامی طبیب مقرر کرکے مفت دوا اور کھانا دینے کا غریب مریضوں کے لئے انتظام کر دیا تھا۔" اور موضع خیر نگر آپ کا آباد کردہ ضلع اٹاوہ میں موجود ہے۔"

(۴۷) مکن پور میں حضرت شاہ بدیع الدین عرف شاہ مدار کا مقبرہ اور دیگر مکانات بھی نواب صاحب کی معارہمت کے تعمیر کردہ ہیں۔"

(۴۸) جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں "بازار و چوپارہ و مساجد و مسافر خانہ و تالاب پختہ اور باغ و بساطیں وغیرہ نواب ابو محمد خاں سیر چشمی کے بنوائے ہوئے ہیں۔"

(۴۹) قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں "مساجد و عالیشان سرائے و چاہ و باولی بھی نواب ابو محمد خاں کی بنوائی ہوئی ہیں۔"

(۵۰) پانی پت ضلع کرنال میں عبد الرحیم صاحب نے مسجد بنوائی جو اچھی حالت میں موجود ہے۔"

(۵۱) لاہور میں شیخ عنایت اللہ میر منشی شاہجہاں اور مصنف بہار دانش وغیرہ کے چھوٹے بھائی شیخ محمد صالح" مشہور مصنف بادشاہ نامہ شاہجہاں المعروف بہ "عمل صالح" کا مقبرہ اور آپ کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔"

اِن کے علاوہ اور بہت گاؤں" محلّے اور پورے" آباد کئے ہوئے اور مسجدیں و عمارتیں و سرائیں اور رباطات وغیرہ وغیرہ اِس خاندان والوں کے بنوائے ہوئے مختلف مقامات پر موجود ہیں مگر اختصار کے مدِّ نظر صرف انہیں کو دکھانا کافی خیال کرکے باقی کو چھوڑتے ہیں۔"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے چند اوقاف

(۱) شہر میرٹھ کے نہایت آباد و مشہور بازار خیر نگر کی چھ دکانیں اور ایک بالاخانہ "معظمہ شمشاد النساء صاحبہ بنت نواب مبارک علی خاں، زوجہ نواب برکت اللہ صاحب نے اپنی حیات میں وقف فرمائیں۔ جن کی آمدنی کارِ خیر یعنی امداد غرباء و طلباء وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے۔" آج کل اس کے متولی عزیزی محمد احمد صاحب ابن رشید احمد خاں صاحب ابن حاجی انعام اللہ خاں صاحب (جن کی خوش خوئی و خندہ روئی و خلق و مدارات اور امور خیر و صلاح میں امداد دینا اور ہر شخص کے رنج و راحت میں شریک و معین ہو جانا زبان زد خواص و عوام ہے) اس کے متولی ہیں۔ "وقف کا انتظام حسب منشاء وقف کنندہ صاحبہ کے ٹھیک طور سے ہوتا ہے۔"

(۲) شہر میرٹھ کی خیر المساجد جو بنوائی ہوئی نواب خیر اندیش خاں کی ہے اس کے متعلق بھی قریب کی چند دکانیں اخراجات مسجد کے لئے وقف ہیں جن کی آمدنی منشاء واقف کے مطابق خرچ ہوتی ہے۔ وقف اور مسجد کا انتظام نواب صاحب موصوف کی اولاد کے پاس ہے۔

(۳) لالا کے بازار کے سرے پر جو اونچی مسجد شیخ لالہ کی بنوائی ہوئی ہے اس کے نیچے کی دو دکانیں مسجد کے اخراجات کے لئے وقف ہیں۔ آمدنی واقف کے منشاء کے مطابق خرچ ہوتی ہے۔ انتظام اچھا ہے۔ اس کے متولی عزیزی مصطفیٰ احمد صاحب ابن محمد علی صاحب مرحوم ہیں۔

(۴) شہر میرٹھ کے گدڑی بازار کے سرے پر ایک مسجد اسی خاندان کے کسی بزرگ کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس کے اطراف کی دو دکانیں مسجد کے اخراجات کے لئے وقف ہیں۔ صادق حسین صاحب عرف چاند میاں ابن حافظ حامد حسین صاحب اس کے متولی ہیں۔ انتظام وقف کا قابلِ اطمینان ہے۔

(۵) حاجی محمد ممتاز علی خاں صاحب (جن کی "جود و سخا" "مہر و وفا" اور "مہمان نوازی" و "فراخ حوصلگی" زبان زد خلائق ہے) کے فرزند دوم خان بہادر حاجی حافظ محمد روح اللہ خاں نے ۱۲۹۲ھ ہجری مطابق ۱۸۷۵ء میں واسطے تعلیم و تربیت اطفال قوم "درس قرآن مجید و علوم مذہبی و دیگر فنون فارسی و ریاضی و انگریزی" میرٹھ میں چندہ سے مدرسہ قائم کیا۔ جب چندہ سے کام چلتا نہ دیکھا تو ان کے والد بزرگوار نے ایک معقول شہری سکنی جائداد مصارف مدرسہ کے واسطے وقف کر کے ۱۲ رمضان ۱۳۰۱ھ ہجری مطابق ۴ جون ۱۸۸۴ء کو وقف نامہ لکھ کر رجسٹری کرا دی اور اپنے فرزند حافظ صاحب موصوف کو اس کا متولی و منتظم قرار دیا۔ بعدہٗ اپنے انتقال سے کچھ پہلے حافظ صاحب نے ان سولہ سہام کے علاوہ جنہیں ان کے والد بزرگوار نے وقف کیا تھا باقی ماندہ چار سہام کو بھی (تاکہ جس میں پورہ آباد ہے) اور جو ان کے حصہ میں آئے تھے ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ وہ بھی اس وقف میں شامل کر دیئے جائیں۔

حافظ صاحب مرحوم و مغفور کی زندگی میں اور ان کے بعد نواب اسد اللہ خاں مرحوم پسر کلاں نواب احمد اللہ خاں کے زمانوں میں یہ مدرسہ قومی تب سے عروج پر رہا۔ مقامی طلباء کے علاوہ "بنگال و سندھ تک کے طلباء نے مدرسے سے اسناد حاصل کیں" اور قوم کے نامور اشخاص مثلاً لفٹنٹ کرنل سر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے بھی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی تھی۔ لیکن نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد سے اس مدرسہ کو زوال شروع ہوا اور اب تو یہ حالت ہے کہ اس کے خیال سے بھی دکھ ہوتا ہے۔ سب پوری خیر صلاح ہے۔ کبھی کبھی نوجوانوں نے اس کی اصلاح و انتظام کے لئے شور مچایا مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حافظ صاحب مرحوم و مغفور کے کوئی اولاد نہ تھی یہی مدرسہ انہوں نے یادگار چھوڑا۔ ان کے بھائی اور بہن کی اولاد اچھی خوش حال اور تعلیم جدید سے بہرہ ور ہے۔ لیکن کسی کو حافظ صاحب کی اس معنوی اولاد کی طرف توجہ مطلق نہیں ہے۔ اور اس وقف و ادارہ کی بربادی کا کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ قوم نے بہ سہارے اپنے بچوں کو قومی مدرسہ میں تعلیم دلانا موقوف کر دیا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ اب تو نام ہی نام رہ گیا ہے۔

(۶) وقف منصبیہ: جسے منصب علی صاحب وقف فرما گئے ہیں اور جس میں کئی گاؤں اور مکانات و دوکانیں وقف ہیں۔ جن کی آمدنی معقول ہے۔ اس وقف کے ماتحت امام باڑہ کا، مسجدوں کا اور کشمیری کا (؟) ... جو اسی وقف کی آمدنی سے بنایا گیا ہے اور محرم الحرام کے رسومات

(۷) میرٹھ میں چند اور چھوٹے چھوٹے وقف ہیں جن کی آمدنیوں کو اُن کے منتظم حسب منشاء کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

(۸) قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ میں صاحب المشاہیر کے والد بزرگوار حکیم دلدار احمد صاحب نے ایک پختہ کنواں اپنے حظیرے میں بنوا کر اپنے ماں باپ و بیوی کے نام پر وقف کر دیا ہے۔ وہاں اور بھی وقف ہیں۔ اس خاندان کے بزرگوں نے وہاں ایک لڑکوں اور لڑکیوں کا اسکول عرصے سے قائم کر رکھا ہے۔ جس سے قوم کے بچوں کی تعلیم میں خوب مدد ملی ہے۔ آج کل ان دونوں مدرسوں کے منتظم چودھری محمد ظہور صاحب ہیں۔ انتظام معقول ہے۔ لڑکیوں کا اسکول اویس احمد صاحب مرحوم نے قائم کیا تھا۔

(۹) امروہہ میں بھی چند وقف ہیں جن کی آمدنیوں کو واقفوں کی منشاء کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی وقف ہیں۔ طوالت کے مدنظر انہیں نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ اس کتاب میں تو ہم صرف ایک جھلک ہی دکھا سکتے ہیں۔

سید طفیل احمد صاحب کا وہ بیان جو انہوں نے میرٹھ میں دسمبر ۱۹۳۳ء کے ایک اجتماع میں شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے موجودہ اوصاف پر دیا

مولوی سید طفیل احمد صاحب۔ آنریری اسسٹنٹ سیکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جن سے ملک کے تمام تعلیم یافتہ اشخاص بخوبی واقف ہیں۔ اس خاندان کے ایک اجتماع میں جو شہر میرٹھ میں ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء میں ہوا تھا۔ اپنی تقریر میں فرمایا تھا۔ کہ میرے لئے یہ نہایت فخر کا مقام ہے کہ مجھے اس صوبہ میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ برادری کو خطاب کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔

سرسید احمد خاں مرحوم کی تعلیمی اسکیم کو اگر کسی جماعت نے کامیاب کر کے دکھایا ہے تو وہ آپ کی جماعت ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی برادری میں سب سے زیادہ گریجویٹ اور برسرکار اصحاب ہیں۔ آپ میں بڑی خوبی یہ ہے کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے آپ نے اپنی برادری کو نہیں چھوڑا۔ اس وقت جو اصحاب اعلیٰ مراتب پر پہنچے ہیں وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے ہاں مناکحت کرتے ہیں۔ اس طریقے سے تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک برادری جداگانہ ہوتی جاتی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے طریقہ پر قائم ہیں۔

موجودہ زمانے میں اعلیٰ مرتبہ کے اصحاب کی نئی برادریاں اس وجہ سے بن رہی ہیں کہ اعلیٰ عہدوں کی تنخواہیں غیر معمولی طور پر زیادہ ہیں۔ مگر جس نسبت سے ہندوستانیوں کے اختیارات میں توسیع ہو رہی ہے یہ تنخواہیں گھٹ رہی ہیں۔ اور خیال یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں یہ ملک کی عام سطح کے قریب اتر آئیں۔ غالباً اُس وقت اِن پُرانی برادریوں کے ٹوٹنے اور پرانے گھر کے برباد ہونے اور قدیم خاندانی روایات کے مٹ جانے کا اثر دوسرے مسلمانوں کو محسوس ہوگا۔ غنیمت ہے کہ آپ نے اِس بارے میں ایک نمونہ قائم کیا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی برادری مسلمانوں کی پرانی روایات کی محافظ ہے۔

اس کے علاوہ آپ صاحبوں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے کارکنوں کے بڑے قدرداں ہیں۔ آپ کے جلسہ میں میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے صدر مولوی بشیر الدین صاحب (ایڈیٹر البشیر اور منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ (جو اب انٹرمیڈیٹ کالج ہے)) کی اپنی تقریروں اور نظموں میں حد درجہ قدر کی ہے۔

مولوی بشیر الدین صاحب کی قومی خدمات کی تفصیل کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔ اس وقت دیسی کپڑا پہننے کا چرچا ملک میں ہے لیکن صاحب موصوف اس پر پچاس سال سے عامل ہیں۔ ان کی تعلیمی خدمات کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اس ضعیفی کے زمانے میں جو ارزاں بورڈنگ ہاؤس آپ نے قائم کیا ہے خاص طریقہ سے طلباء کی تربیت کا انتظام کیا ہے۔ اس کی نظیر ہماری قوم میں یعنی تمام ہندوستان کے محمڈنوں میں ملنی مشکل ہے۔ افسوس یہ ہے کہ امرا ایسے نہیں ہیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری قوم میں ان کی کافی قدر نہیں۔ یہ آپ کی بڑی خوبی ہے کہ صرف خاص قومی خدمات کی بنا پر آپ نے انہیں اپنا سرتاج بنا رکھا ہے۔

حضرات! آپ نے مجھے یہ قابلِ فخر امر دیا کہ آج آپ کے پاس آنے دیا۔ اور خاموش کام کرنے والوں کے لئے عمدہ نمونے ہیں۔

مولوی سعید احمد صاحب " بانی و مینجر شعیبیہ ہائی اسکول آگرہ " اور متعدد اسکول ذکور و اناث نیز انجمنوں برائے ترقی مسلمانان ہند " کے بانی و منتظم اور مصنف کتب متعددہ نے جس بے نفسی کے ساتھ کام کیا ہے " اس کی نظیر مشکل سے ملے گی " اُن کی گوشہ نشینی کی تو یہ حالت ہے کہ " وہ پبلک جلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتے " اور نہایت خاموشی کے ساتھ قوم کی تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں "

آپ کی برادری میں " ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب " " ڈاکٹر لفٹنٹ کرنل سر ضیاء الدین احمد سی - آئی - ای - ڈی - ایس - سی لندن " پی - ایچ ڈی جرمن " وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی واقع علیگڈھ اور ممبر اسمبلی وغیرہ) وسیع پیمانہ پر ملک کی " سیاسی و تعلیمی " خدمات انجام دے رہے ہیں " جن سے تمام ملک واقف ہے " (رسالہ زبیری دہلی بابت ماہ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ تا ۲۳)

عربی قومی خیال مناکحت کے بارے میں

کیونکہ دوسرے خاندانوں کا صحیح حال معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے " اس لئے زبیری کنبوی خاندانوں نے اپنے عربی قومی خصائص کے مطابق شروع سے اب تک یہ التزام رکھا ہے کہ " دوسرے خاندانوں میں سلسلہ مناکحت قائم کرنے سے پرہیز کیا ہے " جیسا کہ قدیم کتاب بحر الابرار کے نوشتہ سے باب سوم میں صفحہ ۹ پرا وپر ظاہر ہو چکا ہے " اور شجرۂ سہروردو سلسلۂ عالیہ وغیرہ کتابوں سے بھی ظاہر ہے " عربوں خصوصاً قریشیوں کو اپنے پاکیزگیٔ نسل کا جیسا خیال تھا " اور حالتِ اسلام میں بھی رہا ہے - اُس کا حال بیانات ذیل سے ظاہر ہے "

ترجمہ صحیح مسلم جلد اول کتاب المساجد کے صفحہ ۱۶۰ پر حدیثیں صفحہ ۱۱۰۸ و ۱۱۰۹ تحریر ہیں کہ " ابن ابی عتیق بن محمد بن عبدالرحمن بن حضرت صدیق اکبر رض کہتے ہیں کہ میں اور قاسم (بن محمد بن حضرت صدیق اکبر رض) حضرت عائشہ رض کے پاس کچھ باتیں کر رہے تھے - قاسم بڑا بدگو اور باندی زادہ تھا - اُم المومنین رض نے اُس سے فرمایا - تو ایسی باتیں کیوں نہیں کرتا - جیسی میرا یہ بھتیجا کرتا ہے - میں سمجھ گئی رنج ہیں اور اس میں) یہ بات کہاں سے آئی - اس کو اس کی ماں نے آداب و اخلاق سکھائے اور تجھے تیری ماں نے " قاسم یہ سنکر غصہ ہو گیا اور بہت تلملایا تھوڑی دیر میں اُم المومنین رض کا دسترخوان لایا گیا - قاسم دسترخوان دیکھکر اٹھنے لگا " اُم المومنین رض نے پوچھا کہاں کو - کہنے لگا نماز پڑھوں گا " فرمایا بیٹھ جا " اُس نے دوبارہ کہا میں نماز پڑھوں گا " فرمایا دھوکے باز بیٹھ جا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں نماز نہ ہوگی " حدیث صفحہ ۱۱۰۹ میں بھی یہی منقول ہے مگر قاسم کا نام نہیں ہے مگر مضمون یہی ہے "

الفاروق جلد دوم کے صفحہ ۱۴۵ پر علامہ شبلی نے تحریر فرمایا ہے کہ " مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب " قاسم " حضرت ابوبکر رض کے پوتے اور " سالم " حضرت عمر رض کے پوتے اور " زین العابدین " سن رُشد کو پہنچے اور علم و فضل میں مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے "

عیون الاخبار - ۲ : ۱۱ میں ہے کہ " عرب مولدین یعنی غیر عرب عورت کی اولاد کو بھی حقیر سمجھتے تھے " اور اُس اولاد کو جو باندی سے پیدا ہوئی تھی " ہجین " کہتے تھے "

لسان العرب میں ہے کہ " ہجین " معیوب کلام کو کہتے ہیں اور اُس اولاد کو بھی جو باندی سے ہوئی ہو " کیونکہ وہ بھی معیوب ہوتی ہے "

ابن عبدربہ کہتے ہیں کہ " خلفائے بنی اُمیہ " باندی کی اولاد کو اپنا ولیعہد نہیں بناتے تھے - اور سمجھتے تھے کہ عربوں پر اُن کی حکومت مناسب نہیں ہے " اصمعی اس کی توضیح میں یہ کہتے ہیں کہ لوگ اس استناج سے سمجھتے ہیں کہ باندیوں سے جو شہزادے پیدا ہوتے تھے وہ حقیر سمجھے جاتے تھے " بنی اُمیہ " جب کسی والی کا تقرر کرتے تھے تو اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ وہ عرب ہو " یہاں تک کہ قاضی اور مسجد میں نماز پڑھانے والے امام کے انتخاب میں بھی اس بات کا لحاظ رکھتے تھے " خالد بن عبداللہ قسری " کو عراق کا والی بنا کر " بنو اُمیہ " بڑی مصیبت میں پڑ گئے تھے - خود بے چارے " خالد " کو بہت سے شعراء کی ہجو سننی پڑی اور یہ محض اس لئے کہ اُس کی ماں ایک رومی باندی تھی " البتہ دولتِ بنو اُمیہ کے اخیر عہد میں -

[illegible] کے گورنر بنائے گئے تھے ان میں

مروان بن محمد" خاتم خلافت بنی اُمیہ ہوا"

ایک دیہاتی "قاضی سوار" کے پاس آیا اور کہا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور ہم دو بھائی ہیں" یہ کہکر اُس نے ایک طرف دو لکیریں کھینچ دیں۔ پھر کہا اور ایک ہمارا "ہجین" بھی ہے" اور بہت دُور دوسرے کنارے پر ایک اور لکیر کھینچ دی" پھر کہنے لگا۔ مال کی کس طرح تقسیم ہوگی"

قاضی صاحب نے کہا۔ اگر تمہارے علاوہ کوئی اور وارث نہیں ہے تو ایک تہائی مال تمہارے حصّہ میں آئے گا" اعرابی نے کہا میرا خیال ہے آپ مجھے نہیں" وارثوں میں ہم دو بھائی اور ایک "ہجین" ہے" قاضی صاحب نے کہا میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ مال تم تینوں میں برابر تقسیم ہوگا" اعرابی کہنے لگا۔ تو کیا "ہجین" بھی اُتنا ہی پائے گا جتنا میرا بھائی اور میں لوں گا" قاضی صاحب نے کہا" ہاں" یہ سنکر اعرابی کا چہرہ غصّہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ کہنے لگا۔ "انک قلیل الخالات بالدھناء" یعنی دہنا میں تمہاری کوئی خالہ نہیں ہے۔ (عیون الاخبار۔ ۲ : ۱۱)

کہا جاتا ہے کہ دھنا میں کوئی باندی نہیں تھی۔ اس مثال سے یہ مراد ہے کہ "تمہاری ماں شاید باندی ہے"

جاحظ کہتے ہیں کہ میں نے اثنائے گفتگو میں "عبید کلابی" سے جو ایک بہت فصیح و بلیغ لیکن غریب شخص تھا کہا "کیا تم اِس کو پسند کروگے کہ تم "ہجین" ہو اور تمہارے پاس ہزار جریب زمین ہو" وہ کہنے لگا ہرگز نہیں۔ میں اِس عار کو کسی چیز کے مقابلہ میں پسند نہیں کر سکتا"

میں نے کہا" امیر المومنین (خلیفہ ابو جعفر منصور عبّاسی") بھی تو "باندی" کے پیٹ سے ہیں" اُس نے کہا خدا اُس کی اطاعت کرنے والے کو ذلیل کرے" "ریاشی کہتے ہیں کہ"

ان اولاد السراری کثروا یارب فینا ۔ رب ادخلنی بلادا لا اری فیہا ہجینا

یارب باندیوں کی اولاد ہم میں بہت ہو گئی ہے" ۔ اے اللہ مجھے ایسے ملک میں پہنچا دے جہاں مجھے کوئی "ہجین" نظر نہ آئے"

"ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی" کو اُن کے بربری لونڈی کے بطن سے ہونے کی وجہ سے" محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنٰی بن حسنؓ بن حضرت علی رضؓ نے اِن الفاظ میں اپنے ایک خط میں ۱۴۵ھ ہجری میں طعنہ دیا اور شرم دلائی تھی" تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نہ تو مطلقہ عورت کی اولاد ہوں۔ نہ لعان کردہ عورت کی۔ میری رگوں میں نہ تو باندی کا خون ہے۔ اور نہ اُم ولد نے مجھے دودھ پلایا ہے"

تاریخ طبری میں "محمد نفس ذکیہ کا یہ خط جس میں ابو جعفر منصور کو انھوں نے لونڈی زادہ ہونے کا طعنہ دیا ہے تحریر ہے" اور اِس خط کا جو بلا کا جواب ابو جعفر نے محمد نفس ذکیہ کو دیا ہے وہ بھی لکھا ہے" (اِن دونوں خطوں کو مؤلف امروہوی نے بھی اپنی کتاب میں ابو جعفر کے حال میں لکھا ہے"

خلفائے عبّاسیہ کی اکثریت لونڈیوں کے بطن سے تھی لیکن نسب کی حفاظت کے متعلق عربی قومی خیال کو اُن کے ایک فرد ابن معتز نے بھی جو (مستثنیٰ قسم کا شخص ان میں ہوا ہے) اپنے اشعار میں اِس طرح ظاہر کیا ہے ؂

وبکر قلت موتی قبل بعلی ۔ وان اثری وقلّ من الھموم

آ امزج باللئام دمی ولحمی ۔ فما عذری الی النسب الکریم

ترجمہ :- میں نے اپنی دختر دوشیزہ سے کہا کہ اپنے شوہر کے وصال تک پہنچنے سے پہلے جو بڑا باثروت و اقتدار ہی کیوں نہ ہو مگر کم ظرف و کم نسب ہو تم اِس جہان سے رخصت ہو جانا۔ کیا میں اپنا خون اور گوشت ناکسوں سے مخلوط کروں گا۔ تو میرا عذر نسب کریم کے جاتے رہنے کی نسبت کیا ہوگا"

ابن معتز نے جب اپنے یہ اشعار پڑھے تو مجمع پر جیسا اُن کا اثر ہوا وہ روایت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے"

ابن معتز کی عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ ایک روز" ابو عیسٰی بن متوکل کے یہاں" قاضی علی بن محمد بن ابی الشوارب آئے۔ اور اپنے ترددات اور خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ اُس کے شوہر کی بیوفائی و بے مہری اور بیدردی و جفا کاری کا شکوہ کرکے دستگیری کے خواہاں ہوئے" اعانت کا وعدہ اور ہمدردی کا جواب پاکر رخصت ہو گئے"

ابو عیسٰی نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا "کتنے بڑے تعجب کی بات ہے کہ۔ ایسا بزرگ شخص ایسے فعل و شرافت والا کس درجہ میں پھنسا

ہوا ہے۔ خوشحال اُس شخص کا جس کے لڑکی نہ ہو۔" ابن معتز علیہ بولا کہ اس نادان نے اس بارے میں کچھ عرض کیا ہے۔" پھر لوگوں کے اصرار سے یہ دو شعر پڑھے۔ "ہر طرف سے تحسین و آفرین ہونے لگی۔" (حیات علامہ میر عبد الجلیل حصہ اول صفحہ ۹۶ و ۹۸) تالیف مقبول احمد صمدنی مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۲۹ء)

اب ہم تاریخ سادات امروہہ کا وہ بیان پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے خاندان کے متعلق دیا ہے اور جس میں شیخ گدائی زبیری کنبوہ کے اہلِ خاندان میں پردے کی پابندی اور دوسرے خاندانوں میں رشتے ناطے نہ کرنے پر بھی خوب طرح روشنی ڈالی ہے۔"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے غیر کفو میں رشتے نہ کرنے اور پردۂ نسواں پر عامل رہنے کا بیان صاحبِ تاریخ سادات امروہہ کے قلم سے

تاریخ سادات امروہہ جلد اول مؤلفہ و مرتبہ جمال احمد نقوی عرف خصال احمد ایم۔ اے مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس ایجوکیشنل پرنٹر حیدرآباد دکن کے صفحہ ۴۶ تا ۴۹ پر تحریر ہے کہ:

"یہ بستی (امروہہ ضلع مرادآباد صوبۂ متحدہ) سادات عظام کی نہایت قدیم و مشہور ہے۔" ہر مذہب اور ہر قبیلے کے اہلِ اسلام یہاں کم و بیش موجود ہیں۔" لڑکی کا لین دین" باہم حسب رسم و رواج برادری" ہر ایک گروہ میں اپنے طریقہ سے ہوتا آیا ہے۔" سادات میں لڑکی کا لین دین باہم ہوتا ہے" غیر گروہ میں تعلقات مصاہرت کا قائم کرنا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔" عام طور پر اس رواج کی پابندی" ہر فرد خاندان پر لازم سمجھی جاتی ہے۔" اور بفضلہ تعالیٰ اب تک کفو کریم سے سلسلہ مناکحت کے اصول پر نہایت سختی سے پابندی جاری ہے۔" اس میں شک نہیں کہ بعض اصحاب نے سادات میں بھی مختلف وجوہ کی بنا پر" اس عام طریقہ و آئین کی خلاف ورزی کا ارتکاب کہیں کہیں خال خال ضرور کیا ہے۔ اور غیر مقامات پر مناکحت کا رشتہ قائم کیا ہے۔ مگر ان کی تعداد نہایت قلیل ہے۔" اور ان کی اولاد بھی اپنے خاندان میں ہمیشہ ایک خاص نظر سے دیکھی گئی ہے۔" عام قاعدہ اور طریقہ ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے کہ غیر خاندان میں نکاح نہیں کیا جاتا ہے۔ اور دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ" اس اصول کی پابندی جس سختی سے سادات امروہہ میں کی گئی ہے" شاید ہی کسی دوسرے مقام پر اس کی نظیر مل سکے۔" ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر بلادِ اسلامیہ میں بھی شاید کوئی خاندان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے" کہ سلف سے آج تک کسی جگہ اور کبھی کسی غیر خاندان میں اہلِ خاندان کے رشتے قائم نہیں ہوئے۔" ہندوستان میں جن جن مقامات پر سادات صحیح النسب آباد ہیں۔ اور بیرونِ ہند میں بھی سادات میں جا بجا غیر خاندانوں کی رشتہ داریاں قائم ہونے کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔" جہاں تک اصالت و نجابت کا تعلق ہے" دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ" سادات امروہہ کا نسب بفضلہ تعالیٰ سراسر مقبول عام اور دنیا کے صحیح ترین انساب سادات میں سے ہے۔"

(نوٹ ۱) ابن المعتز" ابو العباس عبد اللہ بن المعتز بن المتوکل بن المعتصم عباسی" جس کو کسب کمالات ظاہری و حصول فوائد معنوی ملے اور اپنی [illegible] زینت دیا تھی" فن لغت" صرف" اشتقاق" نحو" معانی" بیان" عروض و قافیہ" ترسیل خطوط و رسائل اور تقریظی اشعار" فہم تاریخ" اور علم بدیع میں یکتائے روزگار تھا" ابو الفرج اصفہانی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں بہ لحاظ فضل و ادب و شعر اور حسب و شرافت و دیگر ادبیات کے لحاظ سے اہلِ عرب میں کوئی اس سے تفوق و تقدم نہیں رکھتا تھا۔ سید صدر الدین شیرازی المعروف بہ سید علی خاں بہ عنوان کتاب انوار الربیع میں لکھتے ہیں کہ علم بدیع کو ابو العباس عبد اللہ بن معتز نے اختراع کیا تھا۔ اور اس علم کا نام "بدیع" بھی اسی نے رکھا تھا۔ ابن معتز [illegible] میں پیدا ہوا [illegible] سنی اور امام ابو حنیفہ کا پیرو تھا۔ مکتفی باللہ کے بعد ربیع الاول ۲۹۶ ہجری میں مقتدر کو ہٹا کر اسے خلیفہ بنایا گیا [illegible] آپ کو قتل کر دیا۔ اس کا دیوان چھپ گیا۔ اس کی بہت سی تالیف و تصنیفات شہرت رکھتی ہیں۔ کتاب الزہرہ والریاض۔ کتاب البدیع۔ کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر۔ کتاب الجوارح والصید۔ کتاب السرقات۔ کتاب اشعار الملوک۔ کتاب الآداب۔ کتاب حلی الاخبار۔ کتاب طبقات الشعراء۔ کتاب الجامع فی الغناء۔ کتاب [illegible]

زمانۂ حال میں اہلِ مغرب کی تقلید میں " جو پردہ شکن ہوا " ہندوستان میں چلی ہے " ہندوستان کے بڑے بڑے نجیب شریف خاندان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے " یوماً فیوماً بجائے پردہ داری کے " بے پردہ دری کے عصمت شکن طریقوں کی ترقی ہوتی جاتی ہے " ہم نے بچشم خود دیکھ لیا کہ بڑے بڑے ہندوستان کے خاندانی لوگوں نے پردہ نسواں کے قید و بند سے جو قدیم سے نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا " اغیار کی تقلید میں آزادی حاصل کر لی " اور وہ بہت خوش ہیں کہ گویا اُن کے آباؤ اجداد جو خدا اور رسول صلعم کے احکام کی پابندی کرتے تھے۔ وحشی تھے۔ اور اب اِس وحشت سے انہیں پردۂ نسواں شکست کر کے آزادی ملی ہے۔ جا بجا ملک میں ترقی و تہذیب نسواں کے دعاوی کے ساتھ " مدارس کھولے جا رہے ہیں " روز بروز پردہ کی رسم اُٹھتی جاتی ہے " اہلِ مغرب نے اِس نام نہاد آزادیٔ نسواں کا جو تلخ تجربہ کیا ہے اُس کے تفصیلی اظہار کا یہ محل نہیں "

مختصر یہ کہ عصمت و پارسائی کا۔ اکثر ممالکِ مغرب میں دیوالہ نکل چکا ہے " بے ہنگمی بلکہ بہیمیت کے مناظر جا بجا موجود ہیں " خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ " سادات امروہہ نے " اب تک اِس مسموم ہوا اور نام نہاد ترقی و تعلیم نسواں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ہے " بفضلہ تعالےٰ یہاں ابھی تک قرارنی البیوت کے حکم ربانی پر نہایت سختی سے مستورات پابند ہیں " اور ان مستورات پر مکشوفات کا اطلاق کسی ایک مقام پر بھی نہیں ہوا ہے " عصمت عفت کی ضرب المثل جیتی جاگتی تصویریں سادات کی حویلیوں میں موجود ہیں " اور اگرچہ قدیم طریقے اور رسمیں بہت کچھ مٹ چکی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک مستورات کی پارسائی و پاکدامنی " ضرب المثل چلی آتی ہے "

ہندوستان کے بعض مستند خاندانوں پر حیرت ہے کہ انھوں نے باوجودیکہ " بے پردگی کے شجر ممنوعہ کے " ثمراتِ خبیث کا " بچشم خود اثر بد دیکھا اور دیکھتے جاتے ہیں لیکن تقلید اور محض کورانہ تقلید نے اِن نتائج کی طرف سے بے پرواہ اور ان کی حسِّ شرافت کو باطل کر دیا ہے " ہماری دعا ہے کہ خداوندِ عالم اِن مخدرات عصمت کی پارسائی کو تا بقیام قیامت باقی رکھے " اور دورِ حاضرہ کی وحشت اور بربریت سے انہیں دور رکھے " اور یہ " النساء قوامات علی الرجال " کے سودائے خام سے باز رہ کر حدودِ فطرۃ کو پامال نہ کریں "

امروہہ میں علاوہ خاندان سادات کے " دیگر شرفائے کرام کے خاندانوں میں بھی " یہی آئین و قوانین پردہ نسواں کے متعلق ہمیشہ سے چلے آتے ہیں " اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ زمانے کی اِس مسموم ہوا کا اثر ابھی تک ان میں بھی نہیں ہوا ہے " امروہہ میں کثیر التعداد شرفاء کے خاندان اب تک بھی اپنے قدیم طریقوں کی پابندی اور وضعداری میں خاص طور سے نیک نام ہیں " اور ہمیشہ سے ذی منصب اور عالی مرتبت اشخاص " ان میں ہوتے آئے ہیں " بعض خاندانوں میں ارشاد و ہدایت و مشیخت کا سلسلہ بھی مدتوں جاری رہا ہے "

غرض ہر قسم کی شرافتوں سے یہ خاندان مشرف رہے ہیں " مثلاً خاندان شاہ عبد الہادی صاحبؒ قریشیوں میں " خاندان نواب وقار الملک بہادر " بادشاہی چبوترہ پہ " خاندان حکیم احمد علی خاں صاحب محلہ ستودہ میں " وغیرہ وغیرہ "

دورِ آخر میں نواب وقار الملک وقار الدولہ انتصار جنگ نواب مشتاق حسین صاحب (المتوفی جنوری ۱۹۱۷ء) کی ہستی امروہہ میں نہ صرف اہلِ امروہہ کے لئے باعثِ فخر تھی۔ بلکہ تمام اہلِ ہند کو ان کی ذاتِ گرامی پر ناز ہے " آپ کی ایک مستقل مبسوط سوانح عمری " وقار حیات " نامی طبع ہو چکی ہے " (تذکرۂ وقار کے نام سے ایک اور بھی سوانح عمری آپ کی طبع ہوئی ہے ")

(الف) علاوہ ملکی اور سیاسی خدمات کے جو " مملکت آصفیہ میں آپ نے انجام دیں " آپ کی ملکی اور قومی خدمات نے " مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہنمائی و قیادت کے منصب عزیز و جلیل پر آپ کو پہنچایا " اور اقصائے ہند۔ بلکہ بیرونِ ہند تک بھی آپ کا۔ اور آپ کے تمام خاندان کا نام۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ " امروہہ کا نام بھی روشن ہوا "

اس بیان میں " نواب وقار الملک بہادر " اور حکیم احمد علی خاں صاحب " وغیرہ کے نام لکھے گئے ہیں " شیخ گدائی زبیری گنگوہی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں " جیسا کہ صاحب تاریخ سادات امروہہ نے بتایا ہے " اور " تحفۃ الابرار " کے حوالے سے جس کا پیش کردہ نوشتہ ہے باب ۲ میں مشروحہ پر ظاہر ہو چکا ہے " اور مولوی سید طفیل احمد آنریری سیکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ کی مندرجہ بالا اس تقریر سے بھی جو مولوی صاحب موصوف نے دسمبر ۱۹۳۳ء میں شہر میرٹھ کے ایک اجتماع میں " شیخ گدائی زبیری گنگوہی خاندان کی خصوصیات پر فرمائی

تھی اور جسے ہم نے اِسی کتاب کے صفحہ ۱۶۷ پر تحریر کیا ہے "ظاہر ہے" کہ اِس زبیری خاندان میں "غیر خاندانوں کے رشتے ناطے نہ کرنے اور پردہ نشواں کی سختی سے پابندی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہے"

مؤلف امروہوی اور اُن کے راست گو مؤرخ ملّا ئے بدایونی کی غلط بیانی کا اِنکشاف

شیخ گدائی کے خاندان کے علوئے مرتبت "شان و شوکت" اور نسب کا حال بخوبی معلوم ہو چکا ہے، اب ہمیں یہ بھی دکھا دینا ہے کہ آپ کا تقرر جو "بیرام خاں" کے زمانے میں صدارت کل کے عہدے پر کیا گیا تھا" اُس سے آپ کی قدر و منزلت کچھ بڑھ نہیں گئی تھی بلکہ آپ کی وجہ سے اس عہدہ کو عزت حاصل ہوئی تھی" آپ اس سے پہلے بھی اِسی عہدہ پر متعدد بادشاہوں کے زمانوں میں اُن کی خواہش کی بنا پر متمکن رہ چکے تھے" اور آپ سے پہلے آپ کے چھوٹے ماموں حضرت شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ سلطان سکندر لودہی" اور "سلطان ابراہیم لودھی کے زمانوں میں "شیخ الاسلامی یا صدرالصدور کے عہدے کو اعزاز بخش چکے تھے" جب شیخ گدائی رح کے بزرگوار ماموں صاحب نے اپنے مشاغل رُوحانی کی وجہ سے "سلطان ابراہیم لودہی" کے زمانے میں اِس عہدے سے دست کشی اختیار کر لی۔ تو اُن کی جگہ پُر کرنے کے لئے "شیخ گدائی" سے خواہش کی گئی"

شیخ گدائی رح کے ماموں سُلطان سکندر و ابراہیم لودھی کے شیخ الاسلام

کلمات الصادقین میں ہے کہ "شیخ نصیرالدین دہلوی (شیخ گدائی کے چھوٹے ماموں) سکندر اور ابراہیم لودہی کے عہد میں شیخ الاسلامی کے عہدے پر سرفراز تھے" اور آپ شریعت و طریقت کے دونوں میدانوں کے شہسوار اور سنت نبوی صلعم کے پورے طور سے حامل تھے"

شیخ گدائی صدرالصدور بزمانۂ سُلطان ابراہیم لودھی و بابر و ہمایوں

خان آرزو نے اپنی کتاب "مجمع النفائس" میں لکھا ہے کہ "شیخ گدائی" ابراہیم لودہی کے صدرالصدور تھے" بابر" اور ہمایوں" کے عہدِ حکومت میں بھی آپ اِسی عہدہ پر متعین رہے" (مجمع النفائس قلمی ملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۱)

شیخ گدائی کے ماموں زاد بھائی کو تمام "بنی ہاشم" اور سادات بنی فاطمہ پر برتری

پٹھانوں کے بادشاہوں کے حال میں مشہور و معتبر تاریخ داؤدی کے اوراق صفحہ ۵۱ و ۵۲ پر تحریر ہے کہ "شیخ عبدالغفور المعروف بہ میاں لادن (شیخ گدائی کے منجھلے ماموں) جب کبھی سلطان سکندر لودہی کے پاس آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو باوجود بڑے بڑے دوسرے بزرگوں کی موجودگی کے وہ آپ ہی کو امامت نماز کی تکلیف دیتا تھا" یعنی جب تک آپ کا قیام سلطان کے پاس رہتا۔ وہ آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھنے کو اپنی سعادت سمجھتا تھا"

یہ ہم پہلے دکھا آئے ہیں کہ "میاں لادن" سلطان سکندر کے مشیر مذہبی بھی تھے" یعنی جب اُسے کسی مذہبی معاملہ میں مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ کسی سید اور بنی ہاشم سے نہیں بلکہ میاں لادن سے جو حضرت زبیر رض حواری رسول اللہ صلعم کی اولاد تھے مشورہ لیکر تسکین حاصل کیا کرتا تھا" اور یہ سلطان وہ تھا جو نسب کے معاملہ میں بہت غلو رکھتا تھا"

سُلطان سکندر کا نسب کے بارے میں غُلو

سکندر لودھی کی اِسلام دوستی کا خود مؤلف صاحب امروہوی نے بھی اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ میں خاص طور سے اعتراف کیا ہے" علاوہ بریں "تاریخ فرشتہ" جلد دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۶۰ پر تحریر ہے کہ "جس شخص کو سکندر

لودھی عہدہ دینا چاہتے تھے۔ پہلے اُس کا نسب دریافت کر لیتے تھے۔ اور اُس کے مطابق اُسے عہدہ دیا کرتے تھے"۔

سُلطان سکندر" ابراہیم لودھی" شہنشاہ بابر اور ہمایوںؒ" ان چار بادشاہوں کے زمانوں میں "شیخ گدائی رحؒ کے ہم جد اور ماموں" نیز خود شیخ گدائی کے عہدہ صدارت پر مسلسل مقرر رہتے چلے آئے کے اور سلطان سکندر کے شیخ گدائی کے مجھلے ماموں زاد بھائی کو تمام "قریشیوں" ہاشمیوں اور سادات بنی فاطمہ" پر ترجیح دینے کے جو یہ شواہد تاریخی ہم نے پیش کئے ہیں۔ ان سے مؤلف امروہوی اور اُن کے خاص الخاص راست گو مورخ مُلّائے بدایوُنی کی اس صریح غلط بیانی کا جو انہوں نے اکبر کے ایک فقرہ کو لے کر شیخ گدائی کو ہندی الاصل ثابت کرنے اور اکبر کے زمانے میں صدر الصدوری کے عہدے پر مقرر کئے جانے پر ائمہ واکابر کے وادیلا مچانے کے متعلق اپنی کتاب میں کی ہے خوب طرح پول کھل گئی ہے" لیکن یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا ہے بلکہ شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحؒ کی سلطنت کے صدر الصدور یا شیخ الاسلام" شیخ گدائی رحؒ کے خاندان کے ایک اور بزرگ خواجہ شاہ مخاطب بہ محمد شریف خاں بھی تھے جن کا ذکر اسی کتاب میں مآثر الکرام کے ص۱۳۱ سے لے کر پہلے لکھ آئے ہیں جن کا ذکر مآثر عالمگیری مصنفہ محمد ساقی مستعد خاں کے ص۱۵۱ پر بھی تحریر ہے"۔

اِن شواہد کی روشنی میں اور مؤلف امروہوی کی تحقیقات اور ایقان کے مطابق بھی اب اس امر میں ذرا سا بھی شک وشبہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ "شیخ گدائی" عربی النسل اور زبیری قریشی تھے" چاہے کوئی اور ہو یا نہ ہو وہ بالضرور تھے" اور اکبر کے زمانے میں جو فرمان خان خاناں بیرام خاں کے نام شہنشاہ اکبر کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اور جس میں خان خاناں بیرام خاں اور شیخ گدائی رحؒ کے اقتدار کا رونا رویا گیا ہے۔ اُس کی حیثیت ان دونوں بزرگوں کے حاسدوں کے حسد اور کینہ توزیوں کے مظاہرے سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے"۔

شیخ گدائی کے متعلق مُلّائے بدایونی کا اپنے پہلے بیان سے بالکل مختلف دُوسرا بیان

منتخب التواریخ کی جلد دوم میں مُلّا عبد القادر بدایونی نے "شیخ گدائی" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے" اُسے ہم اُوپر بتا کر اُس کی حقیقت بھی دکھا چکے ہیں"۔

اب ہم انہی مُلّا صاحب کی اسی کتاب منتخب التواریخ کی تیسری جلد سے جس میں اُس نے عہد اکبری کے منتخب آمراد" علماء" شعراء" وغیرہ کے حالات لکھے ہیں۔ شیخ گدائی کے حالات لیکر اس لئے لکھتے ہیں کہ "شیخ گدائی کے متعلق جو ہرزہ سرائیاں" اُن کے حاسدوں نے "فرمان" مندرجہ اکبر نامہ ابو الفضل میں" اور "اس مقدس مُلّا نے" اپنی کتاب کی جلد دوم میں کی ہیں" اُن کی تردید خود مُلّا صاحب کے بیان سے ہی بخوبی ہو رہی ہے"۔

منتخب التواریخ جلد سوم کے ص۷۶ ۷۷ پر ہے کہ۔

شیخ گدائی دہلوی کنبوہ خلف شیخ جمالی شاعر مشہور است" کسب کمالات صوری نمودہ" وصحبت افاضل روزگار دریافتہ" ببرکات آں بروزگار اُو" عابد شدہ" وبوسیلۂ حق صحبت وصداقت" کہ با بیرام خاں داشتہ" منصب صدارت ہند" بہ اُو مفوض شدہ" و چند سال مرجع اکابر و افاضل ہندوستان وخراسان وماوراء النہر وعراق بود"۔

شیخ گدائی دہلوی کنبوہ صاحبزادے شیخ جمالی مشہور شاعر کے ہیں" انہوں نے کمالات صوری حاصل کئے اور فاضلان روزگار کی صحبت پائی" اور اُن کی برکتوں سے اپنے زمانہ کے عابد لوگوں میں سے ہوئے" اور حق صحبت صداقت کے وسیلہ سے جو باہم بیرم خاں اور اُن میں تھا" منصب صدارت ہند انہیں سپرد ہوا" اور چند برس مرجع اکابر اور فاضلان ہندوستان خراسان اور ماوراء النہر اور عراق کے تھے"۔

وطبع نظم داشتہ" ونقش وصوت ہندی مے بست ومے گفت" وبہ آں وادی مشغوف ومالوف" وچوں از صحبت خان خاناں بیرام خاں" از نواحی بیکانیر" جدا شدہ" بدہلی آمد" آنرا ہم معزز و

شعر گوئی سے انہیں مناسبت تھی" ہندی زبان میں خوب لکھتے اور پڑھتے بھی اچھا تھے" اور اس وادی میں بھی مشغول ومالوف رہتے تھے" اور جب نواحی بیکانیر" میں "خان خاناں بیرام خاں

مکرم بود۔

کی صحبت سے جدا ہوکر دہلی آئے تو وہاں بھی معزز اور مکرم رہے۔

در مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم در ایام عرس حاضر میشد و مجالس عالی را با حشمت و کروفر تمام ترتیب میداد۔ در سنہ نہصد و ہفتاد و شش (۹۷۶ ہجری) باز بعالم آخرت شتافت۔

مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم پر عرس کے دنوں میں حاضر ہوتے اور مجلسوں عالی کو بہت حشمت اور کروفر سے ترتیب دیتے تھے۔ ۹۷۶ھ ہجری میں انہوں نے سفر عالم آخرت کا اختیار کیا۔

اس بیان سے آپ کی فضیلت علمی اور صداقت وجود وجاہت کا حال معلوم ہونے کے سوائے یہ بات بھی صاف طور سے ظاہر ہوگئی ہے کہ آپ کے متعلق جو کچھ بھی سب و شتم کیا گیا ہے وہ بلا وجہ گیا ہے اور ماتم بپا کیا گیا وہ آپ کے اقتدار اور خان خانان بیرام خان کی دوستی کی وجہ سے حاسدوں کی طرف سے کیا گیا تھا ورنہ بیرام خان خانان کی شہادت کے بعد راجپوتانہ سے دہلی کی واپسی پر آپ کسی طرح ایسے معزز اور مکرم نہیں رہ سکتے تھے نہ یہ حشمت و کروفر اختیار کر سکتے تھے جس کا بیان ملا صاحب نے کیا ہے۔ ملا عبدالقادر کے اس بیان کو بھی دکھا دینے کے بعد اب ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے مورخین کے بیانات کو شیخ گدائی کے متعلق دکھاتے ہیں۔ شیخ عبدالحق صاحب نے بھی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں شیخ گدائی کے متعلق یہی تحریر فرمایا ہے کہ "بہ تقریب بعضے حساد و اعادی از یں جا بر آمدہ بجانب کوہ جیسلمیر افتاد" (بعض حاسدوں اور دشمنوں کی وجہ سے یہاں سے روانہ ہوکر وہ جیسلمیر میں جاکر مقیم ہوگئے تھے) باقی دوسرے مورخ بھی محدث صاحب موصوف ہی کے ہم زبان ہیں ان کے بیان ملاحظہ ہوں۔

شیخ گدائی پسر کلاں مخدوم شیخ جمالیؒ کا حال شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی شیخ عبدالصمد اور لقب یا عرف شیخ گدائی تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ

شیخ گدائی پسر کلاں شیخ جمالی است۔ وے در بزرگی و جاہ پہلو بہ پدر میزد۔ در اول و آخر بہت بر کسب معانی و مفاخر داشت۔ در رعایت اطوار بزرگی و عزت و ملاحظہ اوضاع جاہ و دولت مے بود۔

"شیخ گدائی" آپ صاحبزادے شیخ جمالی کے ہیں، وہ بزرگی اور جاہ میں اپنے والد بزرگوار کی برابری کرتے تھے، اول اور آخر انہوں نے معانی اور ہنر حاصل کرنے پر اپنی ہمت مبذول رکھی، ان کے اطوار بزرگی و عزت اور ملاحظہ اوضاع سے ان کو جاہ و دولت حاصل ہوئی۔

در ابتدائے حال۔ در سلک مقربان و خواص ملازمان نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ منتظم بود۔ و بعد از انکہ شیر شاہ غلبہ کرد۔ و بر سریر سلطنت پائے نہاد بجہت اختصاصے کہ بسلسلہ ہمایونیہ داشت۔ سلوک طریقہ سفر برائے اقامت اختیار نمودہ۔ بہ دیار گجرات بدر رفت و از انجا عزیمت زیارت حرمین شریفین کرد۔ و بہ ایں سعادت عظمے با اہل و عیال مشرف شدہ۔ در عہد دولت شاہنشاہ وقت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بدیار مالوف عود نمود۔ و بواسطہ ارتباط و اتحاد کہ بجناب خان خاناں محمد بیرم خاں داشت بنہایت درجات اعتبار رسید۔ بعد از اں بسبب وقوع بعضے امور کہ از لطائف خفایائے جذبات الٰہی بود۔ باعث بر ترک دنیا و توجہ خان خاناں بحرمین شریفین شد۔ ہم در راہ حج در سنہ ثمان و ستین و تسعمایہ بشہادت رسید۔

شروع میں سلک مقربان اور خواص ملازمان نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ میں منتظم تھے، اور اس کے بعد جب شیر شاہ نے غلبہ حاصل کیا اور وہ تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس خصوصیت کی وجہ سے جو انہیں سلسلہ ہمایونیہ سے تھی تو انہوں نے شیر شاہ کی حکومت میں رہنا گوارا نہ کرتے سفر اختیار کیا اور گجرات چلے گئے اور وہاں سے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ کیا اور اس سعادت عظمیٰ سے مع اپنے اہل و عیال سے مشرف ہوئے۔ شاہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے زمانہ میں اپنے وطن کو واپس تشریف لائے۔ اور خان خاناں بیرام خاں سے ارتباط و اتحاد کے واسطہ سے نہایت درجہ مرتبہ کو پہنچے اور اس کے بعد بعض واقعات کے سبب سے جو لطائف خفایائے جذبات الٰہی سے تھے اور جو خان خاناں کے ترک دنیا اور حرمین شریفین کی طرف توجہ کا باعث ہوئے اور حج کے راستہ میں ۹۶۸ھ ہجری میں خان خاناں شہادت کے درجہ کو پہنچے

آخر بتقریب بعضے حسّاد و اعادی - ازایں جا برآمدہ بجانب کوہ جیسلمیر افتاد - مدتہا دراں دیار گذرانیدہ باز آمد - وبوجہے از مدد معاش قناعت فرمود۔

از جناب سلطنت سکونت شہر نمود چندگاہ در گوشۂ فراغت و آسایش باوجود کبر سن در بساتین بہشت آئین با ماہرویان نازنین گذرانید۔ وچوں نوبت مرگ رسید ہمہ را گذاشتہ بعالم دیگر رسید۔ وکان ذالک فی سنہ ست وسبعین وتسعمائۃ" (اخبار الاخیار ص ۲۲۲و۲۲۳)

وہ (شیخ گدائی) بعض حاسدوں اور دشمنوں کی وجہ سے اس جگہ سے روانہ ہو کر جیسلمیر کے پہاڑوں میں چلے گئے اور عرصہ تک اس ملک میں رہکر پھر واپس آگئے اور سلطنت کی طرف سے جو مدد معاش مقرر کی گئی اس پر قناعت کرکے شہر میں رہنے لگے تھوڑے عرصہ گوشۂ فراغت و آسائش میں باوجود بڑھاپے کے بہشت آئین باغوں میں ماہرویان نازنین کے ساتھ بسر کی۔ جب مرنے کا وقت آیا تو سب کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں پہنچ گئے۔ سال وفات آپ کا ۹۷۶ھ ہجری ہے۔"

صاحب حیات لودی اور صاحب صبح گلشن کے بیانات "شیخ گدائی کے حالات میں"

حیات لودی معروف بہ "شوکت افغانی" مؤلفہ محمد عبدالحکیم خاں لودھی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ کے صفحہ ۲۶۷و۲۶۸ پر ہے کہ:
"اس کے بعد "شیر شاہ" نے "اجین" سے سفر کیا تو "بیرام خاں" اور "محمد قاسم" گجرات کو بھاگے "محمد قاسم" تو راستہ میں مارا گیا" اور "بیرم خاں" بہ امداد "شیخ گدائی" (فرزند شیخ جمالی متخلص شاعر باکمال و مصاحب سلطان سکندر) بادشاہ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔"

صبح گلشن مؤلفہ سید علی حسن خاں فرزند دوم نواب صدیق حسن خاں کے صفحہ ۲۷۶ مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ ہجری پر ہے کہ۔

شیخ گدائی فرزند شیخ جمالی کنبوہ دہلویست۔ در کلامش حلاوت و ملاحت و در افکارش تازگی ولذت بتحصیل فضائل و کمالات صوری و معنوی از والد ماجد خود و دیگرا فاضل عہد خود کردہ بود و بہ حمایت در ایام بیرم خاں خان خاناں بصدارت ہند سر برآوردہ مرجع خواص و عوام ہندوستان و خراسان و ماوراالنہر و عراق بودہ بطریقہ مشائخ کرام و صوفیہ عظام پائے سے افزود و باکمال استغنا گدائی بدرہائے و اصلان حق و ستائیہ فخر و مباہات میشمرد و در اعراس پیران طریقت خود در ترتیب مجالس جدو حال اہتمام بلیغ مے نمود و بہ موسیقی و نغمہ پیرائی و مقام شناسی بخوبی ماہر بود۔

شیخ گدائی بیٹے شیخ جمالی کنبوہ دہلوی کے ہیں۔ ان کے کلام میں حلاوت و ملاحت اور افکار میں تازگی تھی۔ فضائل و کمالات صوری و معنوی اپنے والد ماجد اور دوسرے فضلائے عہد سے حاصل کئے۔ بیرام خاں خان خاناں کی حمایت و رعایت سے منصب صدارت ہند پر فائز ہوئے۔ اور مرجع خواص و عوام ہندوستان و خراسان و ماوراالنہر اور عراق ہوئے۔ مشائخ کرام اور صوفیائے عظام کے طریقہ کے قدم بقدم تھے۔ اور کمال استغنا سے واصلان حق کے دروازوں کی گدائی اپنے لئے باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ اپنے پیران طریقت کے عرسوں میں ترتیب مجالس وجد و حال میں اہتمام بلیغ کرتے اور موسیقی اور نغمہ پیرائی اور مقام شناسی میں بخوبی ماہر تھے۔

ودر ہنگامۂ شورش و بغی خان خاناں از بیکا شہر بہ ترک رفاقتش گفتہ در دہلی بہ خانہ خود انشرواگزید و پائے طلب شکستہ بقیہ عمر بکمال عزت و توقیر گذرانید۔ ودر ۹۷۶ھ ہجری ست وسبعین وتسعمائۃ بعہد اکبر بادشاہ بعالم بقا رحلت نمود۔

خان خاناں کی شورش اور بغاوت کے زمانہ میں بیکا شہر سے اس سے جدا ہو کر دہلی میں اپنے گھر آکر خانہ نشین ہو گئے۔ اور اپنی بقیہ عمر کو کمال عزت و توقیر سے بسر کیا۔ ۹۷۶ھ ہجری میں اکبر بادشاہ کے زمانے میں آپ کی وفات ہو گئی۔

شیخ گدائی کے حالات "مسٹر یٰسین خاں نیازی ایم۔ اے" کے قلم سے

آپ کے تفصیلی حالات کسی ایک کتاب میں نہیں ملتے کتب سیرۃ میں۔ اور شاہان مغلیہ کے امراء وزراء و بیز صوفیائے کرام کے چند تذکروں میں جستہ جستہ آپ کے حالات ملتے ہیں۔

سنہ پیدائش آپ کا کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ نے خداداد ذہانت کی وجہ سے تمام علوم رسمی اور معنوی حاصل کر لئے تھے۔ اور ہندوستانی زبان پر بھی قدرت حاصل کر لی تھی۔ طبع موزوں تھی ہندی اور فارسی میں اچھے شعر کہتے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے آپ نے علم معرفت حاصل کیا تھا۔ کیونکہ آپ کئی بادشاہوں کے زمانوں میں صدر الصدور یا صدارت کل کے عہدے پر فائز رہے۔ اس لئے آپ کے کمالات باطنی کا ذکر کم کیا گیا ہے اور اُمرا کے واقعات میں زیادہ حال آپ کا ملتا ہے۔

ابراہیم لودی "بابر" اور ہمایوں" کے عہد حکومت میں آپ کے عہدے خان آرزو" آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "گدائی" "ابراہیم لودھی" کے صدر الصدور تھے" "بابر" اور "ہمایوں" کے عہد حکومت میں بھی اسی قسم کے عہدوں پر متعین رہے"۔

(مجمع النفائس قلمی صفحہ ۱۲۱ از اورینٹیل کالج میگزین لاہور بابت ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۱)

گجرات میں قیام ہمایوں کے ساتھ خاص لگاؤ اور وابستگی رکھنے کے باعث "شیر شاہ" کے سلطنت پر قابض ہونے کے زمانے میں آپ "صوبہ گجرات" جاکر مقیم ہو گئے تھے"۔

بیرام خاں خان خاناں کو آپ کی امداد ۹۴۷ھ ہجری میں جب "بیرام خاں" "شیر شاہ" کی فوج کی تاب نہ لا کر "قنوج" سے جان بچا کر "راجہ متر سین" کے پاس پناہ لینے پر "شیر شاہ" کے سپرد کئے جانے اور اُس کے پاس سے بھاگنے کے بعد جب "گجرات" پہنچا تو "شیخ گدائی" اُس کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آئے۔ انہوں نے مہمانداری اور مروت کے تمام لوازمات سرانجام دیئے اور بیرام خاں کو ہمایوں کے پاس پہنچا دیا۔

حج کچھ عرصہ "گجرات" میں رہ کر آپ معہ اہل وعیال کے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین چلے گئے۔

دہلی کو واپسی ہمایوں نے جب دوبارہ "ہندوستان" کو تسخیر کیا۔ اور پھر "بیرام خاں" نے "ہمایوں" کی وفات کے بعد "اکبر" کو تخت نشین کر کے ۹۶۳ھ ہجری میں سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تو "شیخ گدائی" نے "گجرات" کو خیر باد کہا اور "دہلی" تشریف لے آئے۔

صدارت کے عالی شان عہدے پر تقرر دہلی پہنچتے ہی آپ کا تقرر صدارت کے عالی شان عہدے پر کر دیا گیا"۔

بیرام خاں سے تعلقات "بیرام خاں کے مزاج میں آپ کو کافی دخل تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ "بیرام خاں" بہت بڑی حد تک "شیخ گدائی" کے زیر اثر تھا

اقتدار چنانچہ آپ سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ کوئی ملکی یا مالی معاملہ آپ کے مشورے کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا تھا"۔ اگرچہ آپ "صدر الصدور" کے عہدے پر فائز تھے" لیکن جب تک شاہی احکام و فرمان پر آپ کی مہر ثبت نہیں ہوتی تھی وہ نافذ نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ کو "رسم تسلیم" سے بھی معافی تھی"۔
آپ کی شان و شوکت کا یہ حال تھا کہ آپ "بادشاہ وقت کے ساتھ بحالت سواری مصافحہ کرتے تھے"۔

آپ کے اقتدار سے لوگوں کا حسد آپ کے ایسے اقتدار سے لوگوں میں آپ کی طرف سے بیحد حسد پیدا ہو گیا تھا اور وہ انگاروں پر لوٹنے لگے تھے"۔

بیرام خاں کی رفاقت میں ثابت قدمی ارباب نفاق نے بیرام خاں کی تباہی میں اپنی ترقی جانکر پہلے تو اُس کے خیمہ پر مست ہاتھی دوڑوا دیا۔ اور دوبارہ جب وہ دریا میں کشتی پر سوار تھا۔ اُس وقت بھی اُس کی کشتی کو ایک ہاتھی سے اُلٹ وا دینے کی کوشش کی۔ جب دونوں دفعہ کے یہ کاری وار خالی گئے تو شاہنشاہ کے مزاج کو اُس سے متغیر کرا دیا۔ شیخ گدائی کے پائے ثبات کو تذلزل نہیں ہوا وہ بیرام خاں کے رفیق رہے"۔

"بیرام خاں اگر چاہتے تو حاسدوں کا یہ جم غفیر اور بادشاہی اثر مل کر بھی اُن کا اقتدار نہیں چھین سکتا تھا" لیکن اُن کی وفاداری نے اُس باغ کی ویرانی کو جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا۔ اور اُن لوگوں کو جن کی انہوں نے خود پرورش کی تھی" لڑ کر برباد کر دینے کو پسند نہیں کیا۔ اور اپنے حشم و خدم کے تمام لوازم نیز ہمراہی افسروں کو" بادشاہ کے پاس بھیجکر جب حرمین شریفین کے ارادے سے وہ "گجرات" روانہ ہوئے۔ تو ایسی حالت میں بھی جبکہ بیرام خاں نے اپنے لوازم حشمت و شوکت کو بادشاہ کے پاس بھیجکر اپنی طاقت کو کمزور کر لیا تھا اور اُن کا ہر رفیق" سلطنت کی نگاہوں میں قابل گردن زدنی ہو چکا تھا" "شیخ گدائی" "بیرام خاں" کی رفاقت میں ثابت قدم رہے۔ اور انہیں رخصت کرنے کے لئے "بیکانیر" تک اُن کے ساتھ آئے۔

راجپوتانہ میں قیام اور انہیں رخصت کر کے" آپ نے "جیسلمیر" کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی"۔

دہلی کو واپسی اور قیام "اخبار الاخیار" میں "شیخ عبد الحق محدث دہلوی" نے لکھا ہے کہ "۹۶۸ھ ہجری میں "بیرام خاں" کی شہادت کے بعد "شیخ گدائی" نے "جیسلمیر" کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کی اور مدت تک وہیں رہے۔

بادشاہ کی طرف سے وظیفہ | آخرالامر "دہلی" کو مراجعت کی۔ اور بادشاہ کی طرف سے شہر میں "جائے رہائش" اور مخصوص رقم برائے معاش مقرر ہوئی۔

آخری ایام بافراغت وآسایش | شیخ گدائی نے زندگی کے باقی ایام وہیں (دہلی میں) فراغت اور آسائش سے گذارے۔ "اخبارالاخیار"

وفات | منتخب التواریخ میں ہے کہ "۹۷۰ھ ہجری میں "شیخ گدائی کنبوی دہلوی" کی وفات ہوئی"

وہ کتاب جس پر آپ کی مہر ثبت ہے | آپ کو شعر اور شعرائے متقدمین کے کلام سے خاص لگاؤ تھا۔ چنانچہ "امیر خسرو" کے دیوان کا وہ نسخہ جس پر "شیخ گدائی" کی مہر ثبت ہے۔ "پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری" میں موجود ہے۔ "اورینٹل کالج میگزین لاہور صفحہ ۹۷ بابت اگست ۱۹۳۲ء مضمون یقین خاں نیازی۔ ایم۔ اے"

"شیخ گدائی کی کرامت" اُن کے مُرید اور شیخ محمد غوث گوالیاری کا واقعہ گجرات میں"

"مخزن افغانی" میں ہے کہ "مشیخت دستگاہ" معارف آگاہ "شیخ راجو" ولد "شیخ محمد زمان" خود مرجع خاص و عام بود۔ در ابتدائے طلب۔ بملازمت معرفت پناہ "شیخ جمالی کنبوی دہلوی" مرید شد وچند اربعین برآورد و بمرتبہ "قطبیت" رسید۔ ومیمن توجہ پیر خود تکمیل کمال مکمل شد"

ودرحیات خود "شیخ بایزید" راکہ پسر ارشد ایشاں بود۔ بملازمت پیر خود "شیخ جمالی کنبوہ" برد۔ تادر سلک بیعت منسلک سازد۔ وحضرت شیخ۔ اشارت بفرزند اکمل خود "شیخ گدائی" نمودند کہ تربیت وتلقین "بایزید" بشما حوالہ رفتہ" وانہ "شیخ سلیمان شروانی" کہ صاحب سجادہ و فرزند ارشد "شیخ بایزید" بود۔ منقول است کہ۔

درایام سلطنت "شیر شاہ سور" عرفان دستگاہ "شیخ محمد غوث گوالیری" از بدسلوکی وملاحظۂ "افغانان" بدیار "گجرات" تشریف بردہ بودند" دوران ایام "شیخ بایزید" نیز بعزیمت خانہ مبارک" بہ "گجرات" رسید۔ اتفاقاً "بادشاہ" آنجا مجلس وفات آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام مہیا گردانیدہ "جمیع مشائخ را" از مسافر ومجاور دراں مجلس استدعا "شیخ محمد غوث" ساعتے چند پیشتر تشریف فرمودہ بودند" و "شیخ بایزید" بعد از ایشاں رسیدند۔ وخواستند تاہر دو بزرگ با یکدیگر مصافحہ نمایند۔ حضرت "شیخ محمد" پیشین شتافتند واستقبال نمودہ دست دراز کردند۔ و "شیخ بایزید" ازاں طرف متوجہ شدند"

ناگاہ "شیخ گدائی" حاضر شدہ۔ دست "شیخ بایزید" را گرفتہ بجانب خود کشیدند۔ واز مصافحہ منع نمودہ اشارت کشش کردند"

"شیخ محمد غوث" ازیں واقعہ بے متألم شدند" بادشاہ "گجرات" و "شیر خاں فولادی" سبب آں استفسار نمودند"

"شیخ بایزید" گفت "صورت پیر خود را" معائنہ کردم کہ مرا ازیں معانقہ

"مخزن افغانی" میں ہے کہ "مشیخت دستگاہ" معارف آگاہ "شیخ راجو ولد شیخ محمد زمان" خود مرجع خاص و عام تھے" شروع طلب میں معرفت پناہ شیخ جمالی کنبوہی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور چند چلّوں کے بعد قطبیت کے مرتبہ پر پہنچے" اور اپنے پیر کی توجہ سے اُن کی تکمیل کمال مکمل ہوگئی"

اور اپنی زندگی میں "شیخ بایزید" کو جو آن کے بڑے صاحبزادے تھے اپنے پیر "شیخ جمالی کنبوہ" کی خدمت میں لے گئے تاکہ سلک بیعت میں منسلک کریں" اور حضرت شیخ نے اپنے فرزند اکمل شیخ گدائی سے فرمایا کہ تربیت و تلقین "بایزید" کی تمہارے سپرد ہے" اور "شیخ سلیمان شروانی" سے جو صاحب سجادہ اور بڑے صاحبزادے "شیخ بایزید" کے تھے منقول ہے کہ۔

"شیر شاہ سوری" کی سلطنت کے زمانہ میں عرفان دستگاہ "شیخ محمد غوث گوالیری" افغانوں کی بدسلوکی اور ملاحظے سے "گجرات" تشریف لے گئے تھے" اور اُنہیں دنوں میں "شیخ بایزید" بھی گجرات پہنچے اتفاقاً وہاں کے بادشاہ نے مجلس وفات آنحضرت صلعم کی منعقد کر کے سارے مشائخوں مقیم و مسافر کو اُس مجلس میں بلانے کی درخواست کی" "شیخ محمد غوث" تھوڑی دیر پہلے تشریف لائے۔ اور "شیخ بایزید" اُن کے بعد پہنچے" اور ان دونوں نے چاہا کہ ایک دوسرے سے مصافحہ کریں" حضرت "شیخ محمد غوث گوالیاری" پہلے آگے بڑھے اور استقبال کر کے اپنا ہاتھ بڑھایا" اور "شیخ بایزید" اُس طرف متوجہ ہوئے"

ناگاہ "شیخ گدائی" نے حاضر ہو کر "شیخ بایزید" کا ہاتھ اپنی طرف کھینچ لیا اور مصافحہ کرنے سے منع کر کے پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا"

"شیخ محمد غوث" اس واقعہ سے بہت رنجیدہ ہوئے" بادشاہ گجرات اور "شیر خاں فولادی" نے اس کا سبب پوچھا

"شیخ بایزید" نے کہا کہ میں نے اپنے پیر کی صورت دیکھی ہے کہ مجھے اس

کردم کہ مرا از ایں معانقہ منع فرمود۔ و ایشاں ہر دو پدر و پسر بمرتبۂ ولایت رسیدہ بودند۔ و خوارق بسیار از ایشاں منقول است۔“

معانقہ سے منع فرماتے ہیں۔“ اور یہ دونوں باپ بیٹے ولایت کے مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اور خوارق بسیار اُن سے بیان کئے گئے ہیں۔“

(تاریخ خان جہانی مخزن افغانی قلمی موجود در کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن ورق ۲۱۲ و ۲۱۳)

”شیخ گدائی کے ایک دوست ”شیخ ابوالفتح“ داماد حضرت میر سید محمد جونپوری قدس سرہٗ“

”شیخ ابوالفتح گجراتی“ داماد میر سید محمد جونپوری است قدس اللہ سرہ العزیز۔ اما میرزا ماندیدہ۔ و ایں نسبت بعد از رحلت میر واقع شدہ۔ بسیار صاحب جاہ و جلال و کمال بود۔ و بر روش سلسلۂ مہدویہ راسخ و ثابت قدم به استقلال چوں در مکہ معظمہ و گجرات با شیخ گدائی نسبت آشنائی تمام داشت۔“

در زمان بیرم خان خاناں بہ تقریب مہمے ضروری به آگرہ آمدہ در اندک فرصت آں معرکہ برہم خورد۔ و شیخ به گجرات رفت۔ در زمان طالب علمی نیم شبے بوسیلۂ مولانا عبداللہ قندھاری خویش حاجی مہدی لاہوری از طرف آب آگرہ در محلہ شیخ بہاؤالدین مفتی رحمہ بملازمت شیخ رسیدم۔ در حجرہ خالی تنہا نشستہ مشغول بود۔ ایں حدیث نبوی صلعم خواند ”لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتہم الملائکۃ و غشیتہم الرحمۃ و نزلت علیہم السکینۃ و ذکرہم اللہ فیمن عندہ“ و ترجمہ آں بیان کردند۔ و تلقین ذکر گرفتم۔ و چندگاہے بآں مشغول داشتم و خود فیضے عجیب و غریب مشاہدہ میکردم۔ و معنی قرآنی برمن مکشوف می شد۔ چندگاہ چنیں بود کہ ہر صدائے و ندائے کہ می شنیدم مرا قرع میکرد و ذکرے می پنداشتم۔ و بعضے طالبان ایشاں را دیدم کہ از جہت تزکیہ از مالا یعنی سریشم برلب چسپانیدہ۔ و بعضے سنگریزہ به دہان گرفتہ بودند۔ سال وفاتش معلوم نشد کہ کے و کجا بود۔ ذکرہ اللہ بالخیر۔“

”شیخ ابوالفتح گجراتی“ میر سید محمد جونپوری کا داماد ہے“ قدس اللہ سرہ العزیز۔ لیکن میر صاحب کو نہیں دیکھا۔ یہ رشتہ میر صاحب کی وفات کے بعد واقع ہوا۔“ بہت صاحب جاہ و جلال اور کمال تھے۔“ اور استقلال سے سلسلۂ مہدویہ کی روش پر راسخ اور ثابت قدم تھے۔ مکہ معظمہ اور گجرات میں شیخ گدائی کے ساتھ اُن کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔“

بیرم خاں خان خاناں کے زمانہ میں کسی ضروری کام کی تقریب سے آگرہ آئے تھوڑے دنوں میں وہ معرکہ برہم ہو گیا اور شیخ گجرات چلے گئے۔“ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں آدھی رات کو مولانا عبداللہ قندھاری اپنا حاجی مہدی لاہوری کے وسیلہ سے شیخ بہاؤالدین مفتی رحمہ کے محلہ میں آب آگرہ کے اُس طرف شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خالی حجرے میں اکیلے بیٹھے ہوئے مشغول تھے۔ یہ حدیث نبوی صلعم پڑھی ”لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتہم الملائکۃ و غشیتہم الرحمۃ و نزلت علیہم السکینۃ و ذکرہم اللہ فیمن عندہ“ اور اُس کے معانی بیان کئے۔ اور تلقین ذکر کی حاصل کی اور تھوڑی دیر اس میں مشغول رہا اور اپنے آپ میں فیض عجیب و غریب مشاہدہ کیا اور معنی قرآنی مجھ پر کھل گئے۔ تھوڑی دیر ایسا تھا کہ ہر بات و آواز جو سنی اُس نے مجھے کو وقت میں ڈال دیا۔ ذکر کرتا ہوں اُن کے بعض طالبوں کو دیکھا کہ سریشم ہونٹوں پر لگا رکھا تھا۔ اور بعضوں نے سنگریزے ہونٹوں میں پکڑے ہوئے تھے۔“ سال وفات اُن کا معلوم نہیں ہوا کہ کب اور کہاں ہوا۔“

(منتخب التواریخ جلد سوم ص ۴۶ مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء)

مؤلف امروہوی اور مؤلف اولیائے بدایوں کے ہر دو کی ہرزہ سرائیوں کا پردہ بخوبی چاک کر چکنے کے بعد شیخ گدائی کے نسب کی بحث کا خاتمہ

مؤلف امروہوی نے شہنشاہ اکبر کے فرمان موسومہ خان خاناں بیرام خاں کے صرف ایک ٹکڑے کو پیش کر کے اور اُس کے غلط معنی نکال کر

(نوٹ ۱) سید محمد جونپوری بن سید عبداللہ کے فرزند ہیں۔ [illegible] میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اکثر بزرگان دین کی صحبت حاصل کی [illegible] علوم ظاہری و معنوی [illegible] آپ کو غلبۂ حال ہو گیا۔ آپ نے اپنی شوریدہ حالی کی وجہ سے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ [illegible] رہنما ہیں۔ سید صاحب جونپور سے گجرات تشریف لے گئے۔ سلطان محمود [illegible] ایران کا سفر اختیار فرمایا لیکن ”فرہ“ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اور اسی مقام پر آپ کا مزار ہے۔ (ترجمہ آئینہ اکبری جلد دوم [illegible] مطبوعہ [illegible])

جو اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے" اور اُن کے ممدوح "مُلّا عبد القادر بدایونی نے (جنہیں اِن مؤلف صاحب نے) محتاط" ناقد" اور صاف گو مورخ" نیز مشائخ و اولیا سے نہایت درجہ عقیدت رکھنے والے خطاب اپنی غرض کے لئے "یعنی شیخ ابنّ امروہوی" کو شیخ سے بدبنانے کے لئے دیئے ہیں) جو شیخ گدائی زبیری کنبوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہرزہ سرائی کی ہے" کیونکہ اُن کی تردید ہمارے پیش کردہ متعدد ملاحظہ توارثی سے بلکہ خود ملّائے بدایونی کے دوسرے بیانات سے بھی بخوبی ہو گئی ہے" اور شیخ گدائی کے حسب نسب پر کافی سے بھی زیادہ روشنی پڑ گئی ہے" نیز ان دونوں کے رنگِ طبیعت کا حال بھی صاف طور سے معلوم ہو گیا ہے" اس لئے ہمیں اس بحث پر اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

بابِ نہم

مزید تفصیل کے لئے اِس موقع پر "ایلیٹ" کی پوری عبارت کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ (صفحہ ۳۳۶)

"کنبوہ" خود اپنے بیان کے مطابق "کنبوہ خطۂ ماورائے دریائے سندھ" کے قدیم باشندے ہیں" اُن میں سے اکثر کو (سلطان) محمود غزنوی نے "دینِ اسلام میں داخل کیا تھا" کابل کا سنسکرت نام "کمبوج" ہے۔ اور یہ نام "کمبوہ" سے اِس درجہ مماثل و مشابہ ہے کہ مندرجۂ بالا روایت کی رُو سے "اِس قوم کو کابل" کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا"

"مسلمان کنبوہ" یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم "شاہانِ ایران" کے قدیم خاندان "کَے" کی نسل سے ہیں" جب اِس خاندان کا آخری بادشاہ "تختِ سلطنت سے معزول اور ملک بدر کر دیا گیا۔ تو وہ معہ اپنے خاندان و متوسلین کے کچھ عرصہ تک "قرب و جوار کے ممالک میں پھرتا رہا" یہ جماعت جہاں گئی "کَے انبوہ" کے لقب سے ملقب ہوئی "کنبوہ" اِسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے"

"دوسری روایت یہ ہے کہ "یہ لوگ نسباً اِسی نسل سے ہیں جس سے "کھتری" ہیں۔ ابتداً پنجاب میں مسکن گزیں تھے"

"مسلمان کنبوہوں کو "دوسری اقوام کے مسلمان "کشمیریوں" اور افغانوں کے مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے" فارسی میں ضرب المثل ہے" ؎

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ اُنس کم گیری — یکے افغان" دوم کنبوہ" سوم بدذات "کشمیری"

(دیکھو انڈین ہسٹری ایلیٹ جلد اوّل صفحہ ۳۰۴)

(نوٹ علے) از مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ "ضلع حصار" کی مطبوعہ تاریخ سے بھی اِس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اِس ضلع کے "کنبوہ" اپنا سلسلۂ نسب کھتریوں سے ملاتے ہیں" صفحہ ۲۳۳) تحقیق الانساب تاریخ امروہہ)

قبل اس کے کہ ہم "ایلیٹ" کی اِس تحقیقات پر قلم اُٹھائیں "یورپین سیاحوں اور مورخین کی تحریریں اچھی طرح سمجھ میں آجانے کے لئے ان کی تحریروں اور تحقیقات کی حقیقت پر تھوڑی سی روشنی ڈال دینا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ ان تحریروں کی وجہ سے ہزارہا وہ اشخاص جن کی نظریں وسیع نہیں ہیں" اور جن کو صحیح تاریخی واقعات پڑھنے کا موقع حاصل نہیں ہے غلط فہمیوں کے شکار ہو گئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں"

یورپین سیاحوں" پادریوں" اور مورخوں کے نوشتوں کی حقیقت

(۱) رسالہ معارف اعظم گڑھ صفحہ ۱۰۱ سے جلد ۱۸ بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء میں جناب پروفیسر خواجہ عبد الحمید صاحب لیکچرار گورنمنٹ کالج

ملتان نے اپنے مضمون "اقبال علیہ الرحمتہ کے چند جواہر ریزے" جنہیں پڑھنے کا مجھے موقع ملا" میں لکھا ہے کہ "چنانچہ طالب علمی کے سلسلہ میں جب اقبال انگلستان گئے ہیں یہ ۱۹۰۵ء کا زمانہ تھا۔ تو انہیں بھی اس طرز خیال کا تجربہ ہوا" ایک مجلس میں ایک لیڈی صاحبہ تو پوچھنے لگیں کیوں مسٹر اقبال "کیا آپ کے پلنگ کے نیچے بھی ہر روز صبح کے وقت سانپ ہوتا تھا" ڈاکٹر صاحب نہایت سنجیدگی سے بولے "نہیں بی جان" ہر روز نہیں "ہر تیسرے دن"

(۲) رسالہ کائنات لاہور بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء کے ص۱۵ و ۱۹ پر ان سیاحوں اور مورخین کے چند لطیفے جو جناب ابو الفتح صاحب متین نے بھیجے تھے طبع ہوئے ہیں کہ"

۱۹۲۲ء میں ایک یورپین صاحب بحیثیت سیاح ہندوستان میں آئے اور خوب سیر کر کے جب واپس جانے لگے تو بمبئی کے بندرگاہ پر ایک مغربی سیاح سے جو کسی اخبار کا نمایندہ تھا" اُن کی ملاقات ہو گئی" جس نے کہا کہ آپ تو ملک دیکھ کر جا رہے ہیں اور میں ابھی آیا ہوں "ہندوستان کا کچھ حال تو بتاؤ" سیاح صاحب نے بتایا کہ "یہاں ابھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو بڑے زبردست تہوار گذرے ہیں۔ ہندوستان میں "اکتوبر کا مہینہ بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ اس مہینہ میں "بقر عید اور ہولی" دو تہوار بڑے زبردست آیا کرتے ہیں "بقر عید میں تو مسلمان رنگ پھینکتے ہیں" اور ہولی میں ہندو" ہزاروں گائیں ایک ہی دن میں ذبح کر ڈالتے ہیں اور آپس میں بانٹ کر کھا جاتے ہیں"

جو صحیح معلومات انہوں نے اس اجنبی کو پہنچائیں وہ اُس نے بجنسہ اپنے اخبار کو بھیجدیں "جو دوسرے ہفتہ میں شائع ہوگئیں" اور اُن پر ہندوستان کے اخباروں میں بہت لے دے کی گئی"

(۳) ان سے پہلے ایک فرنگی صاحب بہادر "بغرض سیاحت ہندوستان تشریف لائے تھے" ہنگری واپس پہنچ کر انہوں نے اپنے ایک دوست سے فرمایا کہ ہندوؤں کے ممتاز ترین لیڈر "مسٹر جینا" کو میں انڈیا کا واحد اسپیکر سمجھتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ "پارلیمینٹری طرز حکومت کے نکات کو اُن سے بہتر جاننے والا کم از کم ہندوستان میں تو کوئی بھی نہیں ہے" اور اُن ہی سے مل کر میں سب سے زیادہ خوش ہوا "میں نے اُن کی ذات میں "چھوت چھات کی" کوئی لغویت نہیں دیکھی" یہ مسلمانوں نے یوں ہی مشہور کر دیا ہے کہ "تعلیم یافتہ ہندو بھی" "چھوت چھات کے قائل ہیں"

(۴) انقلاب لاہور ۲۸ فروری ۱۹۳۸ء کے ص۳ کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "ایک انگریزی اخبار" میں ایک سیاح کے متعلق ایک مزیدار لطیفہ شائع ہوا ہے۔ ایک یورپی سیاح ہندوستان میں وارد ہوئے۔ ایک رہبر کو ساتھ لے لیا۔ اور پاپیادہ دیہات کی سیر کرنے لگے "تا کہ شہروں کی مصنوعی زندگی چھوڑ کر اصلی ہندوستان کو دیکھیں" چلتے چلتے راستہ میں ایک گاؤں نظر پڑا۔ آپ نے رہبر سے پوچھا "اس گاؤں کا کیا نام ہے" وہ کہنے لگا کہ "نہیں جانتا صاحب" صاحب بہادر نے فرمایا "اچھا اس گاؤں کا نام نہیں جانتا" یہ کہہ کر نوٹ بک نکالی اور اُس میں لکھ لیا کہ فلاں شہر کے پاس تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں "نہیں جانتا" واقع ہے" یہ نہایت سرسبز اور شاداب گاؤں ہے "میل ڈیڑھ میل اور آگے گئے تو ایک اور گاؤں دکھائی دیا" رہبر سے اُس کا نام دریافت کیا "اُس نے پھر وہ ہی جواب دیا "نہیں جانتا صاحب" صاحب بہادر اُچھل پڑے اور نوٹ بک میں لکھا کہ ہندوستان میں یہ عجیب بات نظر آئی کہ ایک دو میل کے علاقہ میں دو گاؤں ہیں اور ان دونوں کا ایک ہی نام ہے" صاحب نے اس دوسرے گاؤں کا نام "دوسرا نہیں جانتا لکھا" اور آگے چل دیئے "ایک اور گاؤں دکھائی دیا۔ "رہبر سے دریافت کیا تو پھر وہ ہی جواب ملا" اب تو صاحب کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور وہ جھنجلا کر کہنے لگے "عجیب لغو ملک ہے" اس کے ہر گاؤں کا نام "نہیں جانتا" ہے۔ پھر رہبر سے پوچھنے لگے "کیا نہیں جانتا" تمہارے ملک کے کسی بادشاہ کا نام تھا" رہبر نے پھر وہ ہی جواب دیا کہ "نہیں جانتا صاحب" صاحب کہنے لگے جب ہی وہ بادشاہ ہر گاؤں کا نام "اپنے ہی نام پر رکھ گیا ہے"

(۵) فاران بجنور ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے ص۳۳ پر ہے کہ "اورنگ زیب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے لئے معتبر تواریخ اور اصلی تاریخی مسودات کا تنقیدی مطالعہ لابدی ہے" تاریخ ہند کی معمولی کتب نصاب سے جو اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں اور زیادہ پراگندگی ہوتی ہے" کیونکہ ان میں تاریخی حقائق کو تمام تر مخفی رکھا گیا ہے" اور شہنشاہ کے کردار پر سیاہ نقاب ڈالا گیا ہے۔

(۶) روزنامہ انقلاب لاہور ۱۵ مارچ ۱۹۳۷ء کے ص۱ کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "فرنگی اسکالر تحقیق و تفتیش کے لئے مشہور ہیں "کہا جاتا ہے کہ وہ برسوں تحقیق کے کوچوں کی گرد چھانتے ہیں تب کہیں کسی چیز کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن اسلام کے معاملہ میں باوجود [illegible] [illegible] سے

بلند بانگ دعووں کے "یورپی مصنفین" جس کم ظرفی اور بے ذوقی کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ یورپ کے دامنِ علم پر ایک بدنما داغ ہے۔ اس میں "کارلائل" "ہوبا" "ایچ جی ویلز" سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

(۷) "فاران" بجنور ماہ نومبر ۱۹۳۶ء میں مؤرخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے صفحہ ۱۵ پر تحریر فرمایا ہے کہ "لیکن یہ نہایت نایاب تاریخی داستان ہے۔ اور اس کی اہمیت اس کے ختم ہو جانے کے بعد سمجھ میں آئے گی" "ہندوستانی بہادری اور ہندوستانی قابلیت جنگ" بہت بے عزت کی جا چکی ہے" اور ہندوستان کے سرکاری تاریخ نگاروں نے اپنی رذالت و کمینگی سے کام لینے میں کوتاہی نہیں کی لیکن آپ دیکھیں گے کہ انگریزوں نے کسی جگہ بھی اپنے آپ کو ہندوستانیوں سے زیادہ بہادر اور زیادہ قابل ثابت نہیں کیا۔ ان ہی لڑائیوں کا تذکرہ سرکاری مورخوں نے اس طرح کیا ہے کہ ہر جگہ ہندوستانیوں کو مغلوب اور انگریزوں کو فتحمند دکھایا ہے" لیکن ان میں اگر غیرت ہو تو ان صحیح حالات کو دیکھ کر ڈوب مریں۔ ۱۸۰۳ء کے واقعات کی اس سلسلہ کو انشاء اللہ تعالیٰ "فاران" میں جاری رکھ سکوں گا۔ اور یہ تمام داستان چار پانچ سال سے زیادہ مدت کی نہ ہوگی"

(۸) جریدہ "ایمان" چھچھ ضلع لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۸ کالم ۲ پر "رسول اللہ صلعم کے خلاف دشمنانِ اسلام کا ہولناک پروپیگنڈا" کی سرخی دے کر لکھا ہے کہ "پھر ڈاکٹر وائٹل کی کتاب سامنے آگئی" جسے پنجاب یونیورسٹی نے "بی۔ اے" کے کورس کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس ناپاک کتاب میں "رسول اللہ" کی ذات پر حملے کئے گئے" اور اسی ۵ فروری ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۹ کالم ۲ پر ہے کہ "سید رشید رضا نے لکھا ہے کہ اہل یورپ کا خیال یہ ہے کہ حضرت محمد صلعم اصل میں پادری تھے" لیکن جب انہیں پاپائیت کے لئے منتخب نہ کیا گیا تو وہ مخالف ہوگئے۔ ایک دوسری جماعت یہ خیال کرتی ہے کہ "حضرت محمد ایک جھوٹے خدا کا نام ہے جس پر انسانوں کی قربانیاں دی جاتی ہیں" انطاکی گیتوں کے مصنف نے ایک عیسائی کا بیان یوں نقل کیا ہے کہ "میں نے اپنی آنکھ سے "ماحوم" (محمد صلعم) کا بت خالص سونے اور چاندی کا ڈھلا ہوا دیکھا تھا جو ہاتھی پر سوار تھا" "قصہ محمدی" کا مسیحی مصنف لکھتا ہے کہ "اسلام میں عورتوں کے لئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت کئی مردوں سے شادی کریں" پھر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "رو ولف و لیم" کے وقت سے لیکر لارڈ کیچنر "مصر" [illegible] بہت سے لوگ ہوئے [illegible] اہل یورپ کو یہی بتایا کہ "محمد" "دجال تھے" اور اسلام میں کفر و شیطنت کے سوا کچھ نہیں ہے" "مسلمان وحشی ہیں" اور "قرآن خرافات کا مجموعہ ہے"

اور اسی اخبار کے ص ۱۱ کالم ۲ پر ہے "سر ولیم میور لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ" کی "سیرت محمدی" بہ چہار جلد کی کیفیت بتا کر لکھا ہے کہ "تثلیث پرستوں کی اس چال سے جو بے پناہ فتنے پیدا ہونے والے تھے سب سے پہلے انہیں سر سید مرحوم نے محسوس کیا اور اس قدر سختی کے ساتھ محسوس کیا کہ ان کی زندگی اجیرن ہوگئی" چنانچہ سر سید مرحوم اپنے مکتوب میں نواب محسن الملک کو لکھتے ہیں "ولیم میور کی کتاب دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل جلا دیا۔ اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہوگیا۔ اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے ارادہ کیا تھا کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر ہو جاؤں۔ بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے" ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں "مولوی [illegible] احمد [illegible] لکھتے ہیں شب و روز مصروف ہوں" اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں" "جانا" "آنا" "ملنا" سب بند ہے" "آپ اس خط کے پہنچتے ہی کسی مہاجن سے میرے لئے ایک ہزار روپیہ قرض لیجئے" ہزار روپیہ بھیجنے کے لئے [illegible] لکھا ہے کہ "کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کرکے ایک ہزار روپیہ بھیج دو" کیا کہئے اس کتاب کے پیچھے خورد و نوش حرام ہوگیا ہے" خدا مدد کرے"

(۹) اس سے بڑھ کر ایک اور دانائی کا ثبوت پادری فنش مؤرخ نے پیش کیا ہے۔ جسے پڑھ کر آپ کو "غصہ اور ہنسی کا ملا جلا گھونٹ نوش کرنا پڑے گا" فنش اپنی تاریخ کی کتاب میں اس طرح لکھتا ہے کہ "محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک کبوتر پال رکھا تھا اور اسے ایسا سدھا لیا تھا کہ جب اپنے کان میں دانہ رکھ کر آپ اشارہ کرتے تو وہ فوراً آجاتا اور کاندھے پر بیٹھ کر کان میں چونچ بڑھا بڑھا کر دانہ کھاتا۔ اس وقت آپ لوگوں سے کہتے کہ جبرئیل آیا ہے [illegible] یہ ہے تاریخ دانی کا کمال عروج" اور "تحقیق و تدقیق کا انتہائی کمال" [illegible]

انجیل میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "حضرت مسیح کو وحی ہوتی تھی۔ تو روح القدس کبوتر بن کر آتے تھے" غالباً اسی انجیلی فقرے سے مورخ فنش

نے قیاس دوڑا کر" اس طرح سے نزول وحی کو دعویٰ کا ثابت کرنے کی مکروہ تدبیر کی ہے۔"

(۱۰) انقلاب لاہور ۱۰ر جولائی ۱۹۳۷ء کے ص۵ کالم ۲ پر "پنجاب اسمبلی میں نظام تعلیم اور نصاب تعلیم پر بحث غیر صحیح تاریخی واقعات کتب سے خارج کر دینے کا مطالبہ" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "سردار ہری سنگھ نے تحریک پیش کی کہ "یونیورسٹی گرانٹ میں ایک سو روپیہ کی تخفیف کی جائے۔" اس تحریک کے پیش کرنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ "تعلیمات کے سسٹم پر بحث کی جائے" "نواب احمد یار خاں دولتانہ" "چیف سیکرٹری یونینسٹ اتحادی پارٹی نے اپنی تقریر کے دوران میں بیان کیا کہ میں تاریخ کے مطالعہ کا عادی ہوں اور مجھے سیاسی زندگی کا بھی سترہ سالہ تجربہ ہے۔" مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب کی غیر صحیح تاریخ ہی فرقہ وارانہ ذہنیت کے پیدا کرنے کی موجب ہے۔ اس پر فرقہ وارانہ تعلیمی ادارے جلتی پر تیل کا کام دیتے ہیں۔ مذہبی مبلغین "خود غرض اور متعصب لیڈر" اس سے اور بھی اشتعال کا کام لیتے ہیں (نعرہ تحسین) میں نے ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۱ء میں حکومت کو تاکید کی تھی کہ تاریخ کے غیر صحیح واقعات کو "نصاب تعلیم سے نکال دیں" مجھے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ خاص افسر نے جسے حکومت نے اسی مقصد کے لئے مقرر کیا تھا" مجھ سے مشورہ کئے بغیر (میرا خیال ہے کہ اس نے اور کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا) رپورٹ کر دی کہ کسی قسم کے تغیرات کی ضرورت نہیں" "مسٹر بھیم سین" نے بیان کیا کہ موجودہ سسٹم ذہن اور جسم پر بہت برا اثر ڈالتا ہے" "میاں عبدالحئی وزیر تعلیم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس امر کے اعتراف کے لئے آمادہ ہوں کہ سرکاری اداروں میں بھی وہ فضا طاری ہے" "بیگم شاہنواز نے اس امر کے خلاف شدید احتجاج کیا کہ تعلیم اور اسپورٹ (کھیل) ہی فرقہ وارانہ ذہنیت میں رنگے جا رہے ہیں۔ اور اپیل کی کہ اس ذہنیت کا فوری استیصال ہونا چاہیئے۔"

(۱۱) ماہنامہ دلگداز لاہور ۱۵ر جون ۱۹۳۷ء کے ص۶۴ و ۶۵ پر "درسی کتب تواریخ و تعلیم" کی سرخی کے تحت چودھری عبداللطیف صاحب سلیم اسلامیہ کالج لاہور نے لکھا ہے کہ "یہ تواریخ اٹھایئے آج سے سال ہا سال کے واقعات کو رٹ لیجئے" مثلاً "حادثہ بلیک ہول" (حادثہ بلیک ہول کی طرح سومنات کے اصل پھاٹک کا ہندوستان میں لانا بھی تحقیقات سے غلط ثابت ہو چکا ہے۔ دیکھو انقلاب ۵ر فروری ۱۹۳۸ء) علی ہذا القیاس پھر الف بے پڑھئے" "انگریز یہاں کیسے آئے" "ایسٹ انڈیا نے یہاں کیا کیا کارنمایاں کئے" بھلا غور کیجئے۔ ان اسباب کا درس تو انگریز بچوں کے لئے مفید اور تازگی حیات کا موجب ہو سکتا ہے نہ کہ ہندوستانیوں کے لئے" اور لیجئے "مسلمان بادشاہ ایسے تھے۔ ویسے تھے" "ہندو مسلم کش تھے" "متعصب تھے" "ہندوستانی جاہل تھے" "غیر مہذب اور جنگلی تھے" "رہنے سہنے کے آداب سے ناواقف تھے" کیا یہ سب ہزلیات اور دور از کار حکایات بے معنی نہیں" "اس غلط سلط تاریخ دانی کا آخر منشا یہی ہے کہ "ہندوستانی آپس میں وطنی محبت کے جذبہ کو استوار نہ کر سکیں۔"

(۱۲) کتاب پرشیا کے دیباچہ میں مصنف نے "انگریزی میں" "بوشہر کو بوشایر" اور "مشہد کو مشید" لکھا ہے" "حسن بن صباح کا عربی خطاب "شیخ الجبل" تھا" جو عیسائی محاربات صلیبی میں شریک تھے" انہوں نے اس لفظ کا ترجمہ "یورپ میں جا کر "پہاڑ کا بڈھا" کیا۔ چنانچہ یورپ میں "حسن بن صباح" "پہاڑی بڈھے" کے نام سے مشہور ہے"

پھر بعض نے ناموں کے صحیح کرنے میں صحت کا خیال نہیں رکھا" بلکہ جو آواز اس کے کانوں کو بھلی معلوم ہوئی اس کے لحاظ سے اس نے اس کا تلفظ لکھنے میں ادا کیا" جلفہ کو اس نے "جیلفیا" بنا دیا" طہران کا "ٹائی ران" "تبریزی جان" کا "سیری جان" "پادشاہ" کا "پاٹ شاہ" گذشتہ صدی میں انگریزی کارخانے کے اہلکار "شاہ طہماسپ" کو "شاہ ٹامس" لکھتے تھے" (نوٹ کتاب پرشیا ص۶۵ ۶۶)

(۱۳) کارنامہ راجپوتان کے ص۲ تا ۵ پر ہے کہ "کرنل جیمس ٹاڈ" نے جو "راجستان" کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں دیسی روایتوں کے بھروسہ پر بہت باتیں خلاف واقعہ درج ہوئی ہیں" اسی طرح اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھی ہیں" انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح واقعات کے ساتھ گڈمڈ کر کے تحریر کیں" اس لئے اب کوئی "محقق" اور "واقعات نگار" جس کا مذاق تاریخی

(نوٹ علی) نواب احمد یار خاں دولتانہ کی یہ پوری تقریر روزنامہ انقلاب لاہور ۲۰ر جولائی ۱۹۳۷ء کے ص۸ اور ص۹ تا ۱۰ اور ص۱۱ تا ۱۸ اور ص۲۱ پر ہے" اپنی اس طویل تقریر میں نواب دولتانہ نے تاریخی درسی کتابوں کے درج شدہ اکثر واقعات پر جو ان میں غلط تحریر ہیں شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے" اور اس مضمون کے پڑھنے سے ان تاریخوں کی اصلی حقیقت خوب طرح عیاں ہو گئی ہے۔

صحیح ہو" اُن کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ وہ اس زمانہ میں بوجہ اپنے "متعصبانہ رنگ" اور "غلط بیانیوں سے لبریز ہونے کے" پایۂ وقعت سے ساقط ہو گئی ہیں۔ مگر اُن کے سبب سے اہلِ یورپ کے دل و دماغ میں جو غلط خیالات "نقش کالحجر" ہو گئے ہیں" وہ کسی طرح مٹائے نہیں مٹ سکتے" اگر اب کوئی محقق خواہ کیسا ہی اس ملک کی تاریخ کا عالم و فاضل ہو۔ وہ اُس پر ذرا سی حک لگائے" تو اہلِ فرنگ درکنار" خود اپنے ملک کے نزدیک جاہل بے فرہنگ سمجھا جائے"۔

ہندوؤں نے بھی باوجود "متعدد علوم میں دستگاہ کافی بہم پہنچا لینے کے" شعبۂ تاریخ نگاری پر کچھ توجہ نہ کی" یہ کام بھاٹوں کے قابل سمجھ کر اُن کی روایات پر منحصر رکھا" جس سے اُن کی مشہور و قدیم کتب مثل "وید" "پران" "قوانین منو" "مہابھارت" اور "رامائن" وغیرہ کے سوا ہے" جو اُن کے مذہبی اعتقادات" "قومی رسمیات" اور "ذاتی خیالات کا بڑا مونہ ہیں" "ملکی واقعات کی یادگار مفقود ہو گئی"۔

(الف) ٹاڈ نے "سلطان خرم" (شاہجہاں کا شہزادگی کا نام) کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ "غالباً وہ اصل میں کورم تھا" جس کے معنی "کچھوا" ہیں کے ہیں۔ جو اس کی راجپوتنی ماں کی قوم کا نام ہے" یہ قیاس صحیح نہیں ہے" مسلمانوں میں بیٹے کے نام میں ماں کی قوم کو کچھ دخل نہیں ہوتا" باپ دادا کا نام رکھا کرتے ہیں" اصل یہ ہے کہ "خرم فارسی کا لفظ ہے" "تازہ کے معنی میں" "مجازاً" "شاد و خوش کے معنی میں استعمال پاتا ہے"۔

(ب) افغان "بنو اسرائیل" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں" جن کو "فلسطین سے" "جرمیز (بخت نصر)" نامی شخص قید کر کے "میڈیا" "دبابل" لے گیا تھا" لیکن اُن کو اپنے اوپر "یہود" کے لفظ کا اطلاق ناگوار گذرتا ہے" کیونکہ یہ فرقہ کفار بنی اسرائیل سمجھا جاتا ہے" ٹاڈ نے طرفگی یہ کی ہے کہ "پٹھانوں" کو "جادو راجپوتوں" میں سے نکلا ہوا بتایا ہے" اور یہ قیاس کیا ہے کہ "جادو" اور "جودی" ایک لفظ ہو سکتا ہے جس کو بولتے ہیں" زمانہ گذرنے کے سبب سے فرق آ گیا ہے" اور یہ نہایت بعید و لغو خیال ہے"۔

(۱۴) رسالہ معارف اعظم گڈھ نمبر ۵ جلد ۱۴ بابتہ ماہ رجب ۱۳۵۲ ہجری مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۳۶۶ پر جناب بہادر مولوی "محمد حسین خاں صاحب" "سابق ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل گورنمنٹ آف انڈیا" اور "سابق وزیر مال و فنانس ریاست رامپور" نے "اپنے مضمون" اسلامی ہند کی تاریخ" میں تحریر کیا ہے کہ "جو فسانے" "مسلمانوں کے گذشتہ مفروضہ مظالم" اور "برائیوں کے" فخریہ طور پر نہایت بیباکی کے ساتھ "یورپین اہلِ قلم" بہ آواز دہل" "دنیا کو سنانے کے عادی تھے" "اُن پر یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم نے پانی پھیر دیا" اور اب بہت کم ذکر" "کتب خانۂ اسکندریہ کے ضائع ہونے" اور "کلکتہ کے بلیک ہول کا سننے میں آتا ہے" مگر جو گہرا اثر اس قسم کی زہر افشانی" اس ملک کے بہت بڑے حصہ آبادی پر کر چکی ہے" اُس کے زائل ہونے میں مشکلات حائل ہیں اور مدت مدید درکار ہے"۔

مجھ پر جو اثر نصاب تعلیم کا ہوا وہ تو یہ ہے کہ "بارہ تیرہ سال کی عمر میں جب "راجہ شیو پرشاد کی تاریخ ہندوستان" اسکول میں پڑھتا تھا تو مجھے ہندو ہم جماعت طالب علموں کے سامنے مسلمان بادشاہوں کے حالات پڑھ کر نہایت شرم آتی۔ اور آنکھ نیچی کرنی پڑتی تھی" وہ کیفیت میں اب تک نہیں بھولا ہوں" اس کے بعد جب انٹرنس میں "سر ولیم ہنٹر" کی "مختصر تاریخ ہند" پڑھنے کی نوبت آئی۔ تو اُس کے بعض فقرے اب تک دل پر نقش فی الحجر ہیں" مثال کے طور پر ان چند فقروں کا بیان کافی ہوگا" جو اب تک مجھے بخوبی یاد ہیں" اور آئندہ اُن کے دل سے محو ہونے کی بھی اُمید نہیں ہے"

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں لکھے گئے تھے۔ اور اُن کا مفہوم حسب ذیل ہے"

"اورنگ زیب ایک اچھا فرمانروا ہوتا" اگر قید کرنے کے لئے اُس کا باپ نہ ہوتا" قتل کرنے کو بھائی نہ ہوتے" اور ظلم کرنے کے واسطے" ہندو رعایا نہ ہوتی"

(۱۵) کتاب دوم تاریخ ہند مصنفہ مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱ پر تحریر ہے کہ "انگریز مؤلفوں نے تو یہ غضب کیا ہے کہ جن ماخذوں پر اپنی کتابیں لکھی ہیں۔ اُن کو پڑھنے میں بھی غور و فکر یا صحت و تحقیقات سے کام نہیں لیا" نتیجہ یہ ہے کہ "مروجہ تاریخوں میں جا بجا بے شمار غلطیاں رہ گئی ہیں بلکہ یہ انگریزی تاریخیں از سرتا پا کسی اجنبی سیاح کی تحریریں معلوم ہوتی ہیں جو نہ ملک سے واقف ہیں اور نہ اہلِ ملک سے"۔

ایلیٹ کی تاریخ کی حقیقت

ہم نے نہایت مختصر طور سے یورپین سیاحوں اور مورخوں کی تحریروں کے چند نمونے پیش کئے ہیں۔ اب ہم "ایلیٹ" کی تاریخ اور تحقیقات کی حقیقت دکھاتے ہیں۔

ہم نے دوسری جگہ بتایا ہے کہ "ایلیٹ" نے کوئی خاص تحقیقات نہیں کی ہے۔ اس نے صرف قدیم تاریخوں کے انگریزی ترجمہ پر اکتفا کیا ہے مگر یہ کھلا ہوا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی حد تک ان تراجم کے اکثر حصوں کو غلط پیش کیا ہے۔ اور ان میں جہاں جہاں اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ان میں اس نے اپنی مصلحتوں اور سیاست ملکی کو پیش نظر رکھا ہے کیونکہ عبارتوں میں اسی مقصد سے تحریفیں کی ہیں۔ اور غلط رائیں پیش کی ہیں۔ اس لئے مورخین نے اسے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔

آج کل کے اکثر انگریزی داں حضرات کیونکہ عربی و فارسی زبانوں پر عبور بالکل نہیں رکھتے یا بہت ہی کم رکھتے ہیں۔ اور پرانی عربی فارسی تاریخوں کی جستجو بھی کچھ کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے پرانے واقعات کے لئے وہ "ایلیٹ" وغیرہ کی تاریخ پر اکتفا کر لیتے۔ اور اسی کے بیان کو آیت وحدیث سمجھکر (بلا دوسری تاریخوں سے مقابلہ کئے) جہاں ضرورت سمجھتے ہیں پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) اورینٹل کالج میگزین لاہور حصہ اول بابت ماہ مئی ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۱۰۵ پہ تحریر ہے کہ "اہم یادہ گذاشت کی جا سکتی ہے کہ جناب عزیز احمد صاحب ایم۔ اے" کے مضمون میں زبان کی خامیوں کے علاوہ اسلوب بیان میں بھی بہت سی کجیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے اصل کتابوں کے دیکھنے کے بجائے غالباً "ایلیٹ" وغیرہ کے ترجموں کے مطالعہ تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے۔ چنانچہ بعض جگہ عجیب و غریب سہو ہوا ہے۔ مثلاً ابن بطوطہ کو "ابن بلوطہ" لکھا ہے۔ صفحہ ۸ پر سلطان قطب الدین ایبک کو سخت دل، بے رحم اور ظالم قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام تاریخی واقعات کے خلاف ہے۔

(۲) سید ہاشمی صاحب فرید آبادی رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ نے تاریخ ہند کتاب دوم برائے انٹرمیڈیٹ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی ۱۹۲۱ء کے صفحہ ۱۰ کے نوٹ میں لکھا ہے کہ "ایلیٹ" کے انگریزی ترجمہ میں کئی نقص اور غلطیاں ہیں۔ "ملتان و منصورہ" کے متعلق اس کا یہ لکھنا کہ وہاں "فارسی" اور "سندھی" زبان رائج تھی۔ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ اور صفحہ ۲۲ پر نوٹ دیا ہے کہ "یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ عربی حکومت نے "بہت ترقی پہنچائیں"۔ خود مختار اور نہایت منتظم حالت میں رہنے دی تھیں" سرہنری ایلیٹ لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ نفرت اس کی وجہ تھی۔ مگر اس عجیب بد ظنی کا کوئی معقول سبب انہوں نے پیش نہیں کیا۔ اسی طرح ان کے بعض اور اعتراضات بھی جن کی تاریخ سے مطلق تصدیق نہیں ہوتی۔ ان کے ذاتی تعصب پر دلالت کرتے ہیں۔ اور صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے کہ "مختلف تاریخوں کو غور اور احتیاط سے پڑھنے کے بعد راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ موجودہ ریاست قلات و بلوچستان کا مشرقی ثلث تو ان دنوں "ریاست سندھ" میں داخل تھا۔ اور ابتدائی فتح کے بیس برس بعد یہی مشرقی ٹکڑا مسلمانوں نے تسخیر کر کے صوبہ "مکران" میں جو پہلے فتح ہو چکا تھا شامل کر لیا۔ اور اس وقت سے یہ بھی شامل کیا ہوا حصہ بھی جو پہلے "سندھ" کہلاتا تھا۔ "مکران" کہلانے لگا۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی قدیم اسلامی مورخوں نے صراحت نہیں کی۔ اور جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے "ایلیٹ" کو بہت پریشانی پیش آئی۔ اور اس نے کئی جگہ غلط قیاس کیا۔"

(۳) مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ کا "ہندوستان کے ہندو مسلمانوں میں پھوٹ کیسے ڈالی گئی" کی سرخی سے ایک مضمون "اخبار البشیر اٹاوہ" مورخہ ۲۰ جون ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں "سر ایلیٹ" اور ان کی تاریخ کی حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ "ان صاحب کی سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ ہندوستانی متحد نہ ہونے پائیں"۔ اور اس لئے انہوں نے "ہندوستان" میں فرقہ وارانہ جذبات پیدا کئے۔ جن کا یہاں وجود نہ تھا۔ اس امر کی تصدیق کہ زمانہ سابق میں یہاں مذہبی اختلافات نہ تھے۔ بہت سے اقوال سے ہوتی ہے۔ ان میں سے صرف

سر جان مینارڈ" سابق ممبر انتظامی کونسل پنجاب کا قول نقل کرنا کافی ہوگا" انہوں نے فرمایا کہ "ہندو مسلمانوں کے مابین" عام مخالفت "برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی" اس کے بعد جو طریقہ اختیار کیا گیا" اس کا حال "سر جان میلکم" کے قول سے معلوم ہوگا جو یہ ہے"

اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ "ہماری علمداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں" اُن کی عام تقسیم ہو" اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے" مختلف ذاتوں" اور فرقوں" اور قوموں میں ہوں" جب تک یہ لوگ اس طریقہ سے جدا ہیں گے" اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اُٹھکر ہماری قوت کے استحکام کو متزلزل نہ کرے گی" اس اصول کے تحت بہت سی تدابیر اختیار کی گئیں جن میں سے بعض عارضی ہوتی تھیں۔ اور بعض مستقل" ان میں سے مستقل وہ تاریخیں ہیں جو کمپنی کے دورِ حکومت میں لکھی گئیں" ان میں سے مشہور تاریخ "سر ہنری ایلیٹ" کی تھی"

جنہیں یہ بات سخت ناگوار تھی کہ لکھے پڑھے ہندو" مسلمانوں کے گذشتہ عہدِ حکومت کی تعریف کیا کرتے تھے" اور "عہد جدید" کی عیب جوئی کرتے تھے" اس زمانے میں جس قدر کتابیں اور تاریخیں "خود ہندو مصنفوں کی لکھی ہوئی تھیں" ان سب سے مسلمانوں کی عظمت اور وقعت کا اظہار ہوتا تھا۔ اور اس کو بعض انگریز برداشت نہ کر سکتے تھے" اس لئے سب سے اوّل "سر ہنری ایلیٹ" نے جو "ہندوستان" میں بڑی بڑی عہدوں پر رہے تھے" اور آخر میں "گورنمنٹ ہند کے فارن ڈیپارٹمنٹ میں سیکرٹری ہو گئے تھے" ہندوستان کی ایک تاریخ لکھی" اس کی پہلی جلد ۱۸۴۹ء میں شائع کی" یہی وہ سب سے پہلی تاریخ ہے" جس نے زمانہ قدیم" اور بالخصوص مسلمانوں کے عہد کے خلاف" خوب خوب زہر اُگلا ہے" اور تاریخی میدان میں یہی وہ پہلی کتاب آئی" جس کے ترجمے "دیسی زبانوں میں کرا کے" اُن کے ذریعہ اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے دلوں میں "مسلمانوں کی طرف سے عناد اور دشمنی کا بیج بویا گیا" اگر کسی شخص کو اس تاریخ لکھے جانے کا مقصد معلوم کرنا ہو۔ تو اس کے لئے صرف اس کا دیباچہ پڑھ لینا بالکل کافی ہوگا" جس میں مؤرخ نے اپنے منشا کو واضح اور صاف الفاظ میں لکھدیا ہے" مثلاً صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ بڑا افسوس ہندو مصنفین پر آتا ہے" جن سے ہمیں توقع ہو سکتی تھی کہ اس قوم کے مخصوصات" توقعات" اور معتقدات" ہمیں معلوم ہوتے" مگر وہ تو احکام اور ہدایات کے مطابق لکھتے ہیں" ماہِ محرم کو "محرم شریف" اور "قرآن کو کلام پاک کہتے ہیں" اپنی تحریرات کو بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں"

ایلیٹ صاحب کو ہندو مصنفین کی اس بات پر سخت غصہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مراسم" اور مذہب کی" اس قدر عظمت کیوں کرتے ہیں" ایک "عمر ہندو" نے" کہیں لکھدیا ہوگا کہ وہ اپنی ارتھی کے قریب۔ اور اپنی قبر کے کنارے کھڑا ہے" تو ایلیٹ صاحب" ناراض ہو کر فرماتے ہیں کہ اسے علم ہوگا کہ میری لاش جلا کر اس کی راکھ "گنگا" میں بہا دی جائے گی" پھر اس نے قبر کے کنارے کھڑا ہونا کیوں لکھا" دراں حالیکہ مصنف مذکور نے جو کچھ لکھا وہ محض اس لئے لکھا تھا کہ ایک بات کو مختلف پیرایوں میں لکھنا لٹریچر کی ایک خوبی سمجھا جاتا ہے" سب سے زیادہ "ایلیٹ صاحب" کو "غصہ اس بات پر تھا کہ"

اب جبکہ ہندو" اپنے ظالم (یعنی مسلمان) آقاؤں کے چنگل سے نکل کر آزاد ہو گئے۔ اور بغیر روک ٹوک کے اپنے دل کی باتیں ظاہر کر سکتے ہیں۔ تب بھی ان غلامانہ ذہنیت کے لوگوں میں سے ایک بھی "ملک کے مخصوصات کے مطابق نہیں لکھتا" یا طویل زمانہ کی مظلومیت کے خیالات" اور جذبات کا اظہار نہیں کرتا" مگر حقیقت یہ ہے کہ "ہندوؤں کو اگر مسلمانوں کے زمانہ میں تکلیف پہنچی ہوتی۔ تو وہ آزادی کے زمانہ میں ضرور اس کا اظہار کرتے" البتہ ایلیٹ صاحب کو" اس سے سخت تکلیف پہنچتی تھی" کہ ہندو" مسلمانوں کے عہدِ حکومت کی کیوں تعریفیں کرتے تھے" اور انگریزوں کے عہد کی کیوں عیب جوئی کرتے تھے" اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ تاریخوں کے چھاپنے اور ان میں سے" ایسے واقعات نکالے جائیں" جن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے" کہ مسلمانوں کا عہد "ظالمانہ تھا" اور انگریزوں کا عہد" خدا کی رحمت ہے"

چنانچہ اس مقصد کو انہوں نے "حسب ذیل الفاظ میں واضح کیا" وہ لکھتے ہیں کہ "اگرچہ پرانی تاریخوں کی قدر و قیمت کم ہے" تاہم غور کرنے سے ان میں بہت سا مواد مل سکتا ہے" ان کے ذریعہ سے جہالت کا "ہندو" دور کیا جا سکتا ہے" جس نے ہندوستان کی معلومات کو تاریک کر رکھا ہے" اور یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ "مسلمانوں کے عہد کی تاریخ" ابھی لکھنے کو باقی ہے" ان سے رعایا کو ان بے شمار فوائد کا احساس کرایا جا سکتا ہے

جو ہماری نرم اور منصفانہ حکومت سے حاصل ہوئے ہیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ "ایلیٹ" صاحب کو صرف پرانے زمانے کے ہندو مسلمانوں ہی
پر ہی غصہ نہیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ ہندوستانیوں پر بھی غصہ ہے جن کے لئے وہ تحقیر کے طور پر بابو کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اب
ہم ان شاندار بابوؤں کی کچھ نہ سنیں گے جنہیں ہماری گورنمنٹ کے عہد میں حد درجہ کی آزادی اور بہت سے سیاسی حقوق حاصل ہیں جو کبھی کسی
مفتوح قوم کو نہیں دیئے گئے جو ملکی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں اور اپنی موجودہ حالت کا رونا روتے ہیں۔

اگر وہ تواریخ میں غوطہ لگائیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس زمانہ کے واپس آنے کی وہ تمنا کرتے ہیں اس میں وہ اگر کبھی
سے ان لغویات کو ظاہر کرتے تو انہیں سیسہ پلا دیا جاتا یا دار پر چڑھا دیا جاتا۔

اب ہم بلا لگان اراضی کے متعلق شور و غوغا سننے پر مجبور نہ ہوں گے درآں حالیکہ ہر صفحہ سے ظاہر ہے کہ پہلے زمانے میں کوئی ملکیت
ایسی نہ تھی جو قانوناً ضبط نہ ہو سکتی اور نہ ہوتی۔

مورخ کی بڑی تعریف سمجھی جاتی ہے کہ وہ نفسانیت، ذاتیات اور خود غرضانہ جذبات سے بالاتر ہو کر لکھے۔ برخلاف اس کے جو
کتاب محض دو قوموں میں منافرت پھیلانے کی غرض سے لکھی جائے اور لکھتے وقت صاف الفاظ میں کہا جائے کہ قدیم تاریخوں میں کچھ نہیں تھا
بلکہ واقعات سے حسب منشا نتائج نکالے جاتے ہیں۔ جو مورخ اپنوں اور غیروں پر اس بات سے ناراض ہو کہ فلاں زمانے یا فلاں قوم کی تعریف
کیوں کی جاتی ہے ہندوؤں پر اس لئے ناراض ہو کہ مسلمانوں کی سلطنت چلے جانے پر مسلمان بادشاہوں کی برائی نہیں کرتے اور ہمارے زمانہ
کی خوبیوں کی تعریف کرنے کی بجائے اس کی عیب جوئی کرتے ہیں اور اپنے مقصد کو صریح الفاظ میں لکھ دیا جائے کہ اس کی غرض بابوؤں کی تردید
اور انگریزوں کی سلطنت کے فوائد ذہن نشین کرنا ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا شمار تواریخ میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ مگر ہندوستانیوں
کی قسمت اس روز پھوٹ گئی جب اس قسم کی کتابوں پر دیسی زبانوں میں تاریخیں لکھی گئیں۔ اسکولوں میں جاری کی گئیں اور رفتہ رفتہ وہ ہی
افترا پردازیاں اور پھوٹ موجودہ تاریخ کا جزو بنا دی گئیں۔ چنانچہ یہی وہ تعلیم ہے جس کا پھل چکھنے سے ہندوستان میں مذہبی افتراق
پیدا ہوا۔ اس کی تصدیق سر جان مینارڈ ممبر ایگزیکٹو کونسل پنجاب کے حسب ذیل قول سے ہوتی ہے۔ ہندوستان میں خانہ جنگی کی طرف رجحان
موجود ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اگر یہ رجحان نہ ہوتا تو ہماری حکومت قائم نہ ہو سکتی نہ برقرار رہ سکتی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندو مسلمانوں میں عام مخالفت
برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی بادشاہ گذر چکے ہیں جنہوں نے غیر مسلموں پر کبھی جزیہ لگایا اور کبھی ذبیحہ گاؤ پر مجبور نہ
جوشوں میں آ کر [illegible] لیکن یہ واقعات گاہے ماہے پیش آتے رہے۔ مگر علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا
خواہ ہندو ہوں یا مسلمان دونوں ایک ہی معبد میں مصروف پرستش ہوتے تھے۔ (ماخوذ از ان ہیپی انڈیا مصنفہ لالہ لاجپت رائے صفحہ [illegible])

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا پھل ہے جس کے چکھنے سے مذہبی افتراق پیدا ہوا۔ اس کا جواب صاف یہ ہے کہ علوم جدیدہ میں کوئی ایسا
مضمون نہ تھا جس سے ہندو مسلم فساد ہوتے اور نہ عام تاریخوں میں اس قسم کی حیثیت تھی بلکہ سمیت جو کچھ ہے وہ اس قسم کی تاریخوں میں ہے جس کی
ابتدا ایلیٹ صاحب نے کی اور دوسرے اصحاب نے ان کی پیروی کر کے ملک کے امن کو باہمی خلفشار میں بدل دیا اور جو فرقہ وارانہ سیاسی جماعتوں کے قیام
ہونے کا باعث ہوا۔ (ماخوذ از کتاب مسلمانوں کا روشن مستقبل)

(نوٹ) اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۳ء مطابق ۱۷ محرم ۱۳۵۲ ہجری کے صفحہ ۱۳ پر ایک مضمون کے سلسلہ میں ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے کہ چونکہ غدر ۱۸۵۷ء
میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں نے حصہ لیا تھا۔ اور ہندو [illegible] بادشاہ کی جے کے نعرے بلند کر رہے تھے اس وجہ سے گورنمنٹ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ
تعلیم کے ذریعہ سے ہندو مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کرائی جائے۔ اس مقصد کے لئے راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند سے تاریخ نما تصنیف کرائی گئی [illegible]
[illegible] اور ابتدائی اسکولوں میں نچلی جماعت سے لیکر اونچی جماعت تک [illegible] جماعتوں میں [illegible]
[illegible]
[illegible]

سلطان محمود غزنوی پر ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی سرہنری ایلیٹ کے بیان کی تردید

تاریخ آئینۂ حقیقت نما میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

جیپال کا تیسرا حملہ | سلطان محمود ۳۸۷ ہجری میں تخت نشین ہوئے "وہ ابھی اپنے ملک کے محفوظ رکھنے کی تدبیروں سے فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ انہیں "محرم ۳۹۱ ہجری میں عامل پشاور" کی عرضداشت سے اطلاع ملی کہ پنجاب کا راجہ جیپال ایک عظیم الشان لشکر فراہم کر کے سلطنت غزنی " پر حملہ آور ہونے والا ہے "

"محمود غزنوی" کی تمام تر توجہ اس وقت "بخارا" "آذربائیجان" اور "فارس" کی طرف منعطف تھی " وہ جانتا تھا کہ "صفاریوں" اور "دیلمیوں" نے کس طرح "خلافت بغداد" پر اپنا تسلط قائم کر کے رعب داب قائم کیا۔ اس کو "ترکستان" کی طرف سے بھی خطرہ تھا۔" وہ اپنی تمام اولوالعزمی اور ہمت اس بات میں صرف کرنی چاہتا تھا کہ "دیلمیون" کو جن کا آفتاب اقبال زوال پذیر ہو چکا تھا۔ اور جو "مذہب عقیدے" کے اعتبار سے "محمود" کے مخالف تھے ہٹا کر خلیفہ بغداد" کو جو "محمود" کا ہم عقیدہ تھا آزادی دلائے۔ اور وہاں اپنا رسوخ قائم کر کے تمام عالم اسلامی میں شہرت و عظمت حاصل کرے "

یہ کام "محمود" کے لئے کچھ بھی دشوار نہ تھا" لیکن "راجہ جیپال" نے ان کاموں کی طرف سے اس کی توجہ زبردستی اپنی جانب منعطف کی مگر جیپال کی اہم تنگ کر ماہ شوال ۳۹۱ ہجری میں سلطان کے پاس یہ خبر پہنچ گئی کہ "جیپال" اپنی فوجوں کو "دریائے سندھ" کے کنارے لے آیا ہے۔ وہ اس کی تیاری کی خبر کو غلط ہی سمجھتا رہا "جیپال" "محمود" کو "غزنی" سے باہر "بلخ" "ہرات" اور "سیستان" کے جھگڑوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے زوال و اضمحلال کا متوقع رہا اور خوب تیاریاں کرتا رہا۔ اب جو اس نے ڈیڑھ لاکھ سوار و پیادہ اور تین سو جنگی ہاتھیوں سے دریائے سندھ" کو عبور کیا تو "پشاور" کے قریب "سلطان" بھی آ اس کے مقابل آ کر خیمہ زن ہوا۔ اس کے لشکر کی تعداد مورخوں نے دس ہزار لکھی ہے" لڑائی میں جیپال کی فوج اپنے پانچ ہزار آدمی قتل اور راجہ کو مع چند سرداروں کے "سلطان" کے ہاتھ میں قید کرا کر لاہور کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی "

سلطان نے لڑائی سے فارغ ہو کر سرحدی چوکیوں کا انتظام کیا۔ اور "غزنی" واپس آ کر "جیپال" سے پوچھا کہ "تم نے ہم کو بار بار دق کرنے کا کیوں ارادہ کیا"

"جیپال" نے کہا کہ اس مرتبہ میرا قصور اور معاف کر کے مجھے چھوڑ دیا جائے اب میں تازیست فرمانبرداری سے انحراف نہ کروں گا اور پنجاب" کو سلطنت غزنی" کا ایک صوبہ سمجھ کر آپ کی طرف سے حکومت کروں گا۔ سالانہ خراج بلا عذر و حیلہ بھیجا کروں گا "

سلطان نے اس کی استدعا کو قبول کیا اور "غزنی" سے لاہور کی جانب رخصت کر دیا" پشاور" کے میدان میں ۸ محرم ۳۹۲ ہجری مطابق ۵ اگست ۱۰۰۱ء کو "محمود" نے فتح پائی تھی اور شعبان ۳۹۲ ہجری مطابق مارچ ۱۰۰۲ء میں "جیپال" کو "غزنی" سے رخصت کیا" اس طرح "راجہ جیپال" آٹھ مہینہ "سلطان" کے پاس رہا۔ "لاہور" میں "جیپال" کا بیٹا "انند پال" جو معرکہ جنگ سے اپنی جان لیکر فرار ہو گیا تھا۔ ملک کا انتظام کرتا رہا"

اب سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ "راجہ جیپال" تیسری مرتبہ "سلطنت غزنی" پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کی رہائی کو سازش کے ذریعہ باغی بنا کر اپنے ساتھ شامل کرتا ہے۔ اور سلطان ... [illegible] ... بار بار گرفتار ہوتا ہے "سلطان محمود" نے ابھی تک "دریائے سندھ" سے اس طرف قدم نہیں رکھا ... [illegible] ... کو "محمود" کا تیسرا حملہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اور "ایلیٹ صاحب" ... [illegible] ... صاحب ... [illegible] ... صاحب" اور ... [illegible] ... یہ کہ "سرہنری ایلیٹ صاحب" ... [illegible] ... "محمود غزنوی" نے "ہندوؤں" کو زبردستی مسلمان ... [illegible] ... "ہندوؤں" کا ... [illegible] ... قتل کرتا تھا ... [illegible] ... تھا"

(۱) اے مارسڈن صاحب اپنی طرف سے "محمود" کے اس فرضی حملہ کا ایک سبب یہ بھی "تصنیف" فرماتے ہیں کہ "محمود" ابھی بچہ ہی تھا کہ اُس نے اکثر اوقات گراں بہا مال و منال سے لدی ہوئی اونٹوں کی لمبی لمبی قطاریں اپنے باپ کے مُلک سے پار ہوتی دیکھی تھیں "وہ سوداگروں" سے بات چیت کیا کرتا تھا جو بڑے بڑے شہروں اور بے انداز دولت "مندروں" کا کل حال سناتے تھے "اس پر وہ کہتا کہ جب میں بڑا ہو کر بادشاہ ہونگا تو "ہندو" کے راجاؤں کے ساتھ لڑوں گا۔ اور اُن سے سارا سونا چاندی اور بیش قیمت مال و اسباب چھین کر "غزنی" لے آؤں گا"

(۲) دوسرے صاحب "یعنی لیتھبرج صاحب" فرماتے ہیں کہ "محمود کا "ہند" کی دولت پر تو دانت تھا ہی مگر ساتھ ہی یہ بھی آرزو تھی کہ "بڑے بڑے بانکے راجپوتوں" کو تلوار کے زور سے مسلمان کرے"

(۳) تیسرے صاحب "جے سی ایلین صاحب" لکھتے ہیں کہ "محمود" لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے شہروں کو برباد کر دیتا تھا" جو مسلمان ہونے سے انکار کرتا اُس کو قتل کر ڈالتا تھا" اُس نے شہروں کو برباد کیا "مندروں" کو گرا دیا "متبرک برہمنوں" کو جن کی "ہندو" عزت کرتے تھے قتل کر ڈالا" گاؤں اور قصبوں" کو آجاڑ دیا" پختہ غلّہ کے کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا" اور خوش و خرّم گھروں کو ماتم کدہ بنا دیا"

"راجہ جیپال" والئ لاہور" نے اپنے ملک کو بچانے کے لئے سخت کوشش کی "سلطان محمود" ایک جرّار فوج لیکر کوہستانی علاقوں سے گذرتا ہوا "ہندوستان" کے میدانوں پر حملہ آور ہوا اور "شہر پشاور" کے نزدیک اپنے ڈیرے ڈال دیئے"

"راجہ جیپال" راجپوت سوار" پیدل" اور بہت سے ہاتھی ساتھ لیکر حملہ آور فوج کو پسپا کرنے کے لئے آگے بڑھا گھمسان کی لڑائی ہونے لگی مسلمان سواروں نے ہاتھیوں" کی سونڈیں کاٹ ڈالیں اور تیروں سے اُن کی ٹانگیں زخمی کر دیں" مسلمانوں نے مذہب کے جوش میں "ہندوؤں" پر اس زور سے حملہ کیا کہ اُن کی فوج تتر بتر ہو کر بھاگ گئی"

محمود کے سپاہی "راجہ جیپال" کو رسّیوں سے باندھکر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور انہوں نے بہت سے "ہندوؤں" کو قید کر لیا" کچھ قیدیوں کے ہاتھ اُن کی کمر سے باندھ دیئے۔ بعضوں کو اُن کے کان پکڑ کر اور بعضوں کی گردن پر تھپیڑ مارتے ہوئے لے چلے"

(۴) اب بڑے سنجیدہ مزاج مورخ "ملکم صاحب" کی مضمون آفرینی بھی ملاحظہ ہو" اُن کو اپنے مقصد کے پورا کرنے میں اس قدر جلدی تھی کہ جو کچھ اوروں نے "محمود" کے سر تھوپا تھا۔ انہوں نے اُس کو "سبکتگین" کا حال لکھتے ہوئے اُس کے یعنی "محمود" کے باپ کے سر پر لاد دیا" چنانچہ وہ "سبکتگین" کی نسبت لکھتے ہیں کہ "اُس نے "ہندوستان" پر اس لئے حملہ کیا تھا کہ "ہندوستان کی دولت" کا وہ حال سن چکا تھا اور لُوٹ کی چاٹ اُس کو بیٹھے بیٹھے لگی تھی۔ اور علاوہ اس کے بڑی غرض یہ تھی کہ "بُت پرستوں کے دین کو خاک میں ملا دے" اور اپنے "پیغمبر" کی بدعت آجائے" چنانچہ اُس نے پہلے پہل "راجہ جیپال" کو شکست فاش دی جو اُن دنوں "شمالی ہندوستان" کا راجہ تھا اور "کابل" پر قبضہ کیا" اور "پنجاب" کو لوٹا کھسوٹا" یعنی "ہندوستان" کے راجہ پر بڑے معرکہ میں غالب آیا"

جیپال اور سبکتگین کی دو لڑائیوں اور جیپال و محمود کی لڑائی کا حال جو اُوپر بیان ہو چکا ہے اُس کو پڑھو اور ان "یورپی مورخوں" کے بیانات کو پڑھو اور تحقیق کرو کہ آج تک کسی نے اُن عالی جاہ مورخوں سے یہ دریافت کرنے کی بھی جراءت کی کہ "جناب آپ سے "محمود" کو اپنے باپ کی سلطنت میں "سوداگروں" سے باتیں کرتے اور "ہندوستان" کے راجاؤں سے لڑنے اور "ہندوستان" کی دولت "غزنی" لے جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے خود سنا تھا۔ اور "جیپال" کو رسّیوں سے باندھتے اور اُس کے ہمراہیوں کو کان پکڑ کر لے جاتے اور دھولیں مارتے ہوئے دیکھا تھا" یا محض زیب کلام کے طور پر آپ کے دماغ کا اختراع ہے" اور یہ حالات و اسباب "جو آپ نے بیان کئے ہیں کس تاریخ یا کس ماخذ سے آپ کو معلوم ہوئے ہیں"

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ "انہیں یورپین مورخین" کی لکھی ہوئی کتابوں کے حوالوں کو "انبیاء" سمجھا کر تمام "ہندو" "مصنفین" اس طرح پیش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ "گویا انہوں نے اپنی تحقیق حدِ کمال تک پہنچا دی" اور اب اُن کے مخاطب کو "علم الیقین" اور "عین الیقین" کے مدارج سے گذر کر "حق الیقین" کے مرتبہ تک پہنچ جانا چاہیئے"

سلطان نے اُس کو "ہندوستان" روانہ کیا۔ ۴۲۶ھ ہجری میں "تلک" نے "ہندوستان" آکر "احمد ینالتگین" کو قتل کیا۔ اور سلطان کی خدمت میں واپس پہنچکر مورد تحسین و آفرین ہوا۔

ذی الحجہ ۴۲۶ھ ہجری میں "تلک" "ہندوستان" سے بمقام "ہرو" سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ اور عرض کیا کہ "ہندوستان" میں ایک قلعہ "ہانسی" کا ایسا رہ گیا ہے۔ جہاں مسلمانوں کا قدم ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ اور "ہندوستان" میں یہ شہرت ہے کہ "مسلمان اس پر قابو نہیں پاسکیں گے۔"

"سلطان مسعود" جانتا تھا کہ اس قسم کی شہرتوں کا کیسا مضر اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اسی مضر اثر سے محفوظ رہنے کے لئے "سلطان محمود" کو "سومنات" پر حملہ کرنا پڑا تھا۔

آخر ذی الحجہ ۴۲۸ھ ہجری کو "سلطان" نے دربار منعقد کر کے امراء سے "ہانسی" کے قلعہ پر حملہ کرنے کی رائے لی۔ اس وقت "خراسان" "ماوراء النہر" اور "خوارزم" کا علاقہ "سلطنت غزنی" کے قبضہ سے نکلنے والا تھا۔ امراء نے مودبانہ عرض کیا کہ "ہانسی" کے قلعہ کو تو کوئی بھی سردار جا کر فتح کر سکتا ہے۔ لیکن "سلطان" کو "مرو" کی جانب جانے کی اس وقت سخت ضرورت ہے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ "ترکمانان سلجوقی" تمام ملک پر چھا جائیں گے۔ اور پھر تدارک محال ہوگا۔ مگر "سلطان" نے کسی کی رائے نہ مانی اور "ہندوستان" جا کر ۱۲ ربیع الاول ۴۲۹ھ ہجری کو "ہانسی" کا قلعہ بزور شمشیر فتح کر لیا۔ اور شروع جمادی الاول میں "غزنی" پہنچ گیا۔

سلطان کی اس غیر حاضری میں "ترکمان" بہت زور پکڑ گئے۔ ۴۳۱ھ ہجری میں انہوں نے "سلطان" کو "بیابان سرخس" میں ایسی شکست دی کہ پھر اس نے ہمت ہار دی۔ "ترکمانوں کی لڑائی میں "سلطان" کے ساتھ پانچسو "ہندو" بھی تھے۔ "سلطان" نے اس شکست کے بعد اپنے تمام اموال و خزائن "غزنی" سے جمع کئے اور ان سب کو اونٹوں پر لدوا کر "ہندوستان" کی جانب روانہ کیا۔

سرداروں اور امیروں نے ہر چند منع کیا مگر "سلطان مسعود" تین ہزار اونٹ صرف سونے، "چاندی" اور جواہرات کے خزانوں سے لدے ہوئے لیکر "ہندوستان" کی جانب اس ارادے سے چلا کہ "لاہور" کو دارالسلطنت قرار دیکر "ہندوستان" میں فوج مرتب کر کے "سلجوقیوں" سے مقابلہ کروں گا۔

دریائے "جہلم" کے کنارے پہنچکر "ہندو لشکر" نے بغاوت کر کے تمام خزانہ لوٹ لیا اور "سلطان" کو گرفتار کر کے اس کے بھائی "محمد" کو جو قید میں تھا آزاد کر دیا۔ اور اس کو زبردستی تخت نشین کر کے "مسعود" کو بطور مجرم اس کے سامنے پیش کیا۔ "محمد" نے "مسعود" کو قید کر دیا۔ مگر اس کے بیٹے "احمد" نے باپ کی بلا اجازت اپنے چچا "سلطان مسعود" کو قید خانے میں قتل کر دیا۔

جو لوگ "سلطان محمود غزنوی" سے اس لئے ناراض ہیں کہ وہ "ہندوستان" سے سونا اور چاندی وغیرہ لوٹ کر "غزنی" لے گیا تھا۔ ان کو خوش ہونا چاہئے کہ "سلطان محمود" کا بیٹا "سلطان مسعود" "سلطنت غزنی" کا تمام خزانہ جس میں "ہندوستان" کی لوٹ کے علاوہ "خراسان" و "ماوراء النہر" وغیرہ کے صوبوں کا خراج بھی شامل تھا۔ سب کا سب "ہندوستان" واپس لے آیا۔ اور دریا "جہلم" کے کنارے "ہندو لشکر" نے وہ سب کا سب دھڑی دھڑی کر کے لوٹ لیا۔ یعنی جو سونا چاندی "ہندوستان" سے گیا تھا وہ سب کا سب "ہندوستان" ہی واپس آگیا۔ "غزنی" میں کچھ نہیں رہا۔ "سلطان مسعود" نے یہاں تک مبالغہ کیا تھا کہ سرکاری عمارتوں کے قیمتی پردے تک اتروا کر اپنے ہمراہ لے آیا۔ "غزنی" میں کوئی قیمتی چیز نہیں چھوڑی تھی۔ (آئینہ حقیقت نما باب دوم صفحہ ۱۸۱ تا ۱۹۲)

سلطان محمود کی [illegible] پنجم تا کارنامہ سومنات کے بعد [illegible]

ایک مرتبہ "سلطان مسعود" نے "احمد علی نوشتگین" کو سپہ سالار بنا کر بغاوت فرو کرنے کے لئے کرمان کی جانب روانہ کیا۔ اور دو ہزار سواروں "سکری" پیادوں کے ساتھ چار ہزار "ہندو پیادوں" کی بھی اس کے ہمراہ بھیجا۔ "بدا شیر" کے مقام پر جب لڑائی ہوئی تو "ہندو" [illegible] کی ہمراہی کی وجہ سے "سلطانی لشکر" کو شکست ہوئی اور "احمد علی نوشتگین" کی جان گئی۔ "سلطان" کے

[illegible]

سردار" خودکشی پر آمادہ ہوگئے" اور اپنے پیٹ میں کٹار مارنے لگے" سلطان" نے یہ سنکر کہا کہ یہ کٹار دو گریبان" میں چلانی چاہئے تھی"

بہرحال یہ واقعہ دلیل اس بات کی ہے کہ "ہندو لوگ" غزنوی سلطنت" کے لشکر میں بڑی آرزو اور خواہش کے ساتھ بھرتی ہوتے تھے" اور جب اُن کو موقوف کیا جاتا تھا تو وہ غم کے مارے خودکشی پر آمادہ ہو جاتے تھے"

مندرجہ بالا واقعہ کو" ابوالفضل بیہقی" نے اپنا چشم دید ان الفاظ میں لکھا ہے" اما ہندوان" سستی کردند و پشت بہ ہزیمت بدادند" دیگران را دل بشکست"

(آئینۂ حقیقت نما باب دوم ص۱۹۶)

یہ محمود غزنوی" ہندوؤں پر کس قدر مہربان تھا اُس نے کس قدر عفو و درگذر سے کام لیا اس کی اولاد نے ہندوؤں کی کیسی قدردانی کی اور کیسے اعلیٰ مراتب انہیں دیئے اُس کا ذکر بطور نمونہ اوپر کر دیا گیا ہے۔ یہ لکھکر مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نے اِسی کتاب" آئینۂ حقیقت نما" کے باب دوم میں صفحات ص۱۹۹ تا ۲۰۲ تک سلطان محمود" کی وفات سے "غزنوی خاندان" کے خاتم فرمانروا "خسرو ملک" کے اخیر زمانہ ۵۸۲ھ ہجری تک "ہندوستان" میں "ہندوؤں" کی جو حالت رہی اور اُن میں جو جو تغیرات ہوئے" اُن کو دکھایا ہے"

مسٹر ہاشمی کا بیان | "انگریز مصنفوں نے "اِشاعت اسلام کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں پھیلادی ہیں اور یہ الزام لگایا ہے کہ "مسلمان فاتحین جبراً ہندوؤں کو مسلمان کر لیا کرتے تھے" حالانکہ اس قسم کا جبر نہ صرف اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے" بلکہ مذہب کے معاملے میں کہیں بھی کامیاب نہیں ہوا "ہندوستان" کے اِس تاریخی مسئلہ کے متعلق اگر ہم انگریزی کی سب سے مستند کتاب" امپیریل گزیٹر" کی ورق گردانی کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اسے مرتب کرنے والے بھی" غالباً اپنی دلی خواہش کے باوجود" وہ قرائن و شواہد نہ پا سکے جن سے مذکورۂ بالا الزام کو خاص تقویت پہنچتی"

(کتاب دوم تاریخ ہند۔ مؤلفہ مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن ص۲۵۶)

سلطان محمود غزنوی کے متعلق "مشہور کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو (حال وزیر اعظم ہندوستان) کا بیان

کتاب "جگ بیتی" حصہ اوّل" مصنفہ مشہور کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو" (حال وزیر اعظم ہندوستان) مترجمہ محمود علی خاں" (جامعی مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۴۲ء" کے ص۲۴۹ و ۲۵۰ پر تحریر ہے کہ "۱۰۳۰ء میں "محمود" غزنوی غازی رح) کا انتقال ہو گیا" اُس وقت تمام پنجاب اور سندھ" اس کے زیر نگیں تھا" لوگ اِسے اسلام کا بڑا حامی سمجھتے ہیں۔ جو ہندوستان میں اسلام پھیلانے آیا تھا" مسلمان عموماً اس کی قدر کرتے اور ہندو اُس سے نفرت کرتے ہیں" لیکن حقیقت یہ ہے کہ" وہ مذہبی آدمی نہ تھا" مسلمان تو ضرور تھا لیکن یہ اس کی شخصیت کا ایک ضمنی پہلو تھا" در اصل وہ ایک سپاہی اور بڑا لاجواب سپاہی تھا" عام سپاہیوں کی طرح وہ ہندوستان کو فتح کرنے اور لوٹنے آیا تھا" اور چاہے اُس کا کسی مذہب سے تعلق ہوتا وہ یہی کرتا" اسی سلسلہ میں یہ چیز بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ "اُس نے سندھ کے مسلمان فرمانروا کو حملہ کی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ اُس نے خراج دینا منظور کیا۔ اور اِطاعت قبول کی" تو اُس وقت اُس کی جان چھوڑی" اُس نے خلیفۂ بغداد کو بھی قتل کی دھمکی دی تھی" اور اس سے سمرقند کا مطالبہ کیا تھا" اِس لئے ہمیں اِس عام غلط فہمی کا شکار نہ ہونا چاہئے کہ "محمود" ایک کامیاب سپاہی کے سوا کچھ اور بھی تھا"

اور ص۲۶۹ و ۲۷۰ پر لکھا ہے کہ "یہ بات تم بڑی دلچسپی سے سنوگی" (پنڈت جواہر لال نہرو حال وزیر اعظم ہندوستان) اپنی صاحبزادی کو لکھتے ہیں) کہ محمود غزنوی کے پاس جس نے شمالی ہند میں سب سے زیادہ غارتگری کی اور جو بت پرستوں کے مقابلہ میں اسلام کا بڑا سورما کہا جاتا ہے "تلک نامی" ایک ہندو سردار کی ماتحتی میں "ہندوؤں کی ایک پلٹن بھی تھی" وہ "تلک" اور اس کی پلٹن کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا تھا" اور وہاں باغی مسلمانوں کو کچلنے کیلئے اِستعمال کرتا تھا" گویا یہ بات ظاہر ہے کہ "محمود کا مقصد" محض ملک گیری تھا" اگر ایک طرف ہندوستان میں اُس نے مسلمان سپاہیوں کے ذریعہ سے بت پرستوں کو قتل کیا۔ تو دوسری طرف وسط ایشیا میں ہندو سپاہیوں کی مدد سے" مسلمانوں کو بھی قتل کیا"

"ایلیٹ صاحب" اور اسی قبیل کے دوسرے حضرات کی جو غرض اپنی تاریخوں کے لکھنے میں وابستہ رہی ہے" اُس کو ہم اِس بحث کے شروع میں ظاہر کر چکے ہیں" اور اُس سے یہ بات صاف طور سے معلوم ہو چکی ہے کہ "انہوں نے تحقیق و تلاش کر کے اصلیت و حقیقت کو پیش کرنے سے مطلق کوئی واسطہ

تعلق نہیں رکھا ہے " بلکہ یہ امر اُن کے مدِ نظر رہا ہے کہ " ہندوستان " کی مسلمان اقوام کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہندو نسل سے بتا کر اُن کے ذہنوں میں یہ بات داخل کر دی جائے کہ اُن کے اجداد اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ مسلمان بادشاہوں نے اپنے جبر و تشدد سے انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاکہ ایک طرف تو " ہندو " مسلمانوں سے متنفر ہو جائیں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہو جائے کہ " اسلام میں سوائے ظلم و زیادتی کے اور کوئی خوبی موجود نہیں ہے "

اِن لوگوں میں " مسٹر آرنلڈ " جیسے لوگوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے " اکثر اقوام کے مسلمان ہونے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ " یہ اقوام " اُونچی ذات کے ہندوؤں " برہمنوں وغیرہ کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر مسلمان ہوئی ہیں۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی دینِ اسلام کی خوبیوں کی تضحیک۔ اور مختلف اقوام ہند میں نفاق پیدا کرنے کے لئے تخم ریزی "

مؤلف امروہوی بھی اپنے مقصد کے مدِ نظر۔ اِن مؤرخین کے اِن کوششوں میں اُن کے ہمنوا اور ساتھی بن گئے ہیں " انہوں نے اپنی مؤلفہ تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۸ پر اِن حضرات کی تائید کی ہے۔ اور یہاں " ایلیٹ " کی تاریخ سے یہ سند پیش کرنی مناسب خیال کی ہے کہ " سلطان محمود غزنوی " غازی رحمتہ اللہ علیہ " نے ہندوؤں کو " دینِ اسلام میں داخل کیا تھا "

بقول علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی " اِن شواہد کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ " اس شرارت سے ہم وطنوں کو آگاہ کر دیا جائے جو بلا وجہ سلطان محمود غزنوی غازی رح کو مطعون کرنے کا باعث ہوئی ہے " اور جسے اپنی منشاء کے موافق پا کر مؤلف صاحب امروہوی نے اپنے اس بیان میں پیش کرنا ضروری اور مناسب خیال فرمایا ہے "

مؤرخ موصوف کے پیش کردہ " ایلیٹ " کے اِس بیان کی کہ " سلطان محمود غزنوی غازی رح " نے ہندوؤں کو دینِ اسلام میں داخل کیا تھا " صاحب تاریخ آئینہ حقیقت نما " اور پنڈت جواہر لال نہرو " نیز " الفنسٹن وغیرہ " کے بیانات سے یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ " غازی رحمتہ اللہ علیہ " نے کسی ایک ہندو کو بھی مسلمان نہیں بنایا " نہ انہوں نے سوائے لڑائی کے کسی ہندو کو قتل کیا " بلکہ اُنہیں اپنی سلطنت میں ایسا اقتدار دیا تھا جس سے وہ بے حد طاقتور اور صاحب اثر ہو گئے تھے " یہاں تک کہ " سلطان مسعود " کو گرفتار و معزول کر کے اِن ہندوؤں ہی نے " سلطان محمد " کو قید سے آزاد کر کے تخت نشین کیا تھا "

اب ہمیں مسٹر ایلیٹ کے اس بیان کو دیکھنا ہے کہ " کمبوج " کابل کا سنسکرت نام ہے " اور یہ نام " کمبو " سے اِس درجہ مشابہ ہے کہ " اِس قوم کو " کابل " کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا " مگر اس میں بھی کوئی صداقت موجود نہیں ہے " قوم کمبو " کو محض نام کی مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے " کمبوج " کا باشندہ قرار دینا اِس لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ بہت اقوام ہیں جن کے ناموں میں مماثلت و مشابہت موجود ہے " لیکن اُن میں ایک کو دوسرے سے ذرا سا بھی نسلی تعلق نہیں ہے " جس طرح۔ ماوراء النہری " نہروانی " نہروالی " نہری " نہرو " نہرا " نہرائے " ناروَنارو ی " خاندانوں کو " شیخ " سید " برہمن و راجپوت " یا " عربی و عجمی " ہندی و تہرکی " وغیرہ مماثل ناموں کے خاندان ہیں۔ اور بعض اقوام و قبائل مثل افغانی قبیلہ " بھٹانی اور منگولی نسل کی بنگال و تبت کے درمیان بسنے والی قوم بھوٹانی اور ترکی قبیلہ شیبانی اور عربی قبیلہ شیبانی کے ایک ہی نام رکھتی ہیں مگر مختلف النسل ہیں۔ اِسی طرح قوم کمبو کا کمبوج یا کابل کا باشندہ ہونا بلا کسی ثبوت و سند قطعی کے محض ایلیٹ کے قیاس کی بنا پر صحیح نہیں سمجھا جا سکتا "

یہ بات قابلِ غور ہے کہ " اگر فی الواقعی " قوم کمبو " کو علاقہ کمبوج سے کوئی تعلق ہوتا تو " جس طرح قدیم شہر " قنوج " کے باشندے " نقل مقام کر جانے پر " قنوجی " اور " قنوجیہ " کے ناموں سے موسوم ہوئے اور پکارے گئے " اور قدیم الایام سے آج تک انہیں دو ناموں سے موسوم ہیں اور پکارے جاتے ہیں " جیسا کہ ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد دوم کے صفحہ ۱۲۹ پر " سلطان سکندر لودھی المتوفی ۷ ذیقعد سنہ ۹۲۳ ہجری کے حالات میں تحریر ہے کہ " بادشاہ کو علمی تذکرے سننے کا بے حد شوق تھا اُس نے نامی علما کو ہر چہار طرف سے بلوایا اور بحث کی مجلس منعقد کی " اِن علماء کے نام یہ ہیں) " ..... میر سید احسن قنوجی " اور خمخانۂ جاوید جلد سوم مؤلفہ لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی کے صفحہ ۳۸۲ پر ہے کہ۔

-مہاراج بینی مادھو قنوّجیہ" متوطن برج راجپور" اور کتاب "معرکۂ عظیم" "احسن التواریخ سنبھل" جلد اوّل مطبوعہ برقی پریس شیش محل بازار مرادآباد کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ "اور "آلا اودل" یہ دونوں پہلوان جنگی جوان "قلعہ کے مشرقی دروازہ "عرف شرقی دروازہ" کے مشرق میں نہر کے مشرقی پہلو پر آباد ہوئے" اور ایک محلہ "ہلو سرائے" "اودل" کے نام پر آباد ہوا" جو آج تک کہ ۱۳۵۲ ہجری مطابق ۱۹۳۲ء ہے" کچھ کم ایک ہزار برس کی آبادی موجود ہے" اس بستی میں "اودل" کی اولاد کے لوگ اب تک "قنوّجیئے" ہی مشہور ہیں" "قنوّجیوں" سے لڑنے کے بعد "راجہ پرتھی راج" کی جنگی طاقت بہت کمزور اور شکست ہو گئی تھی" اور اس لڑائی میں اس کے بڑے بڑے سورما اور ساونت کام آئے تھے" چنانچہ مورخ کے زمانہ موجودہ میں "شہر سنبھل" اور اس کے گرد و نواح میں "آلا اودل" کی بڑی لمبی چوڑی داستانیں، نہایت پُرجوش الفاظ میں معہ ذکرِ شجاعت "سید طالب علی" ہنود کے "جھلا" اور دیہاتی لوگ "چلسوں" اور ہنگاموں میں ڈھول بجا کر "برسات کے اختتام" اور موسم سرما کے آغاز پر بھادوں سے کنوار تک "بڑی دھوم دھام سے اچھل اچھل کر گاتے ہیں" جس میں ذکر "قنوّج" کے راجہ "اور پرتھی راج" اور اس کی بیٹی "بیلہ" اور جنگ فیما بین کا ہوتا ہے" اسی طرح "کمبوج" کے ساکن "کمبوجی" اور "کمبوجیہ" کے نام سے موسوم ہوتے اور پکارے جاتے "آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ "کمبوج" کے رہنے والے تو "کمبوہ" کہلانے لگے" اور "قنوّج" کے رہنے والے "قنوّجی" اور "قنوّجیہ" سے "قنوّہ" نہ کبھی کہے گئے نہ اب کہے جاتے ہیں"

غرضکہ "ایلیٹ" کا یہ بیان بھی حقیقت پر مبنی ہرگز نہیں ہے" اور اسے تحقیق و تلاش واقعات سے کچھ نسبت یا دور کا کوئی واسطہ نہیں ہے محض قیاس ہے" اسی بحث میں آگے چل کر ہم تاریخی شواہد سے ثابت کریں گے کہ "کمبوج" کس ملک کا نام تھا" جہاں کے لوگ کمبوج کے سوا اور کسی نام سے موسوم نہیں ہوئے"

کئے انبوہ سے کنبوہ بن جانے اور ان کے کھتری ہونے نیز ضلع حصار کی تاریخ کی حقیقت

اسی بیان کے سلسلہ میں "ایلیٹ" نے جو دو اور رائیں "کئے انبوہ" سے کنبوہ" بن جانے اور اس قوم کے "کھتری" نسل سے ہونے کی" کسی سے سُن کر لکھدی ہیں اور اپنی طرف سے ان پر کسی قیاس یا رائے کے ظاہر کرنے کو ضروری نہیں خیال کیا ہے" یہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں" سب جانتے ہیں کہ "خاندان کئے" کی نسل کے لوگ خواہ وہ کسی مسلک و مذہب کے پیرو رہے ہوں ہمیشہ کیانی کہے جاتے اور اپنے ناموں کے سامنے کیانی ہی لکھتے رہے ہیں۔ اور اب بھی "کیانی" ہی لکھتے ہیں اور لکھے جاتے ہیں" شہنشاہ ایران "کام لوزیا" کی اولاد کے افغانستان میں کبھی آنے اور "کام لوزیا" یا "کمبوزی" اور "کمبوجی" کہے جانے کی بھی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے" جب تک تاریخی شواہد پیش نہ کئے جائیں کسی کی من گھڑت کہانی اور قیاس کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی اور نہ ایسے بیانات کی کچھ قدر و قیمت ہے" مگر مؤلف امروہوی کو ان باتوں سے کچھ غرض نہیں ہے" انہیں کسی ہی تجربات کیوں نہ مل جائے اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کے ناظرین کو دھوکا دیا جا سکتا ہے تو وہ اسے بلا تامل پیش کر دیتے اور اپنی صداقت کی مہر اس پر ثبت کر دیتے ہیں" چنانچہ مؤلف امروہوی نے ایلیٹ کے اس بیان پر یہ نوٹ دینا ضروری خیال کیا ہے کہ "ضلع حصار" کی مطبوعہ تاریخ سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے" اس ضلع کے "کنبوہ" اپنا سلسلۂ نسب "کھتریوں" سے ملاتے ہیں"

یہاں یہ بات بتا دینی ضروری ہے کہ "مؤلف موصوف کی مراد "ضلع حصار" کی مطبوعہ تاریخ" سے "ضلع حصار کا گزیٹیر ہے" اور ان انگریز نوشتگان گزیٹیرس کی تحریروں یا تحقیقاتوں کو خود مؤلف موصوف نے جہاں جہاں اپنے مطلب کے منافی پایا" یا ضرورت سمجھی ہے" ان کو غلط بتایا ہے" چنانچہ تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۹۱ پر انہوں نے "مسٹر آر ایچ نیول" آئی سی ایس۔ مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی تحقیقات کو ان الفاظ میں غلط ظاہر کیا ہے کہ" مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اس بیان میں غلطی کی ہے کہ "مخدوم زادہ شمس الدین عباسی" بذاتِ خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے"

اور صفحہ ۲۵۹ پر لکھا ہے کہ "مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیول" نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام مورث و اجداد بھی۔ اپنے موجودہ اخلاف کی طرح" مذہباً اور عقیدتاً شیعہ تھے" وہ تاریخی واقعات و حالات اور شواہد و قرائن کے سراسر خلاف ہے"

اور صلاٗ پر تحریر کیا ہے کہ "مسٹر نیول" نے جن لوگوں کا یہ مقولہ "ڈسٹرکٹ گزیٹیر" کے "مندرجہ بالا اقتباس میں درج کیا ہے کہ "ابتداً امروہہ کے تمام "سید" شیعی مذہب تھے" ہر انصاف پسند تسلیم کرے گا کہ "مندرجہ بالا وجوہ سے یہ خیال ہرگز صحیح نہیں" بلکہ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ "ابتداً امروہہ کے تمام سادات کا مذہب "اہلِ سنّت والجماعت تھا" اور یہی اُن کا قدیم اور آبائی مذہب تھا" اور ایک حصّہ کا اب تک ہے"

اور صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰ پر لکھا ہے کہ "مسٹر نیول مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۱۷۹ پر "خاندان عبّاسی" کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "

حافظ عبد اللہ" کے فرزند "ابو المکارم" (شاہنشاہ) اورنگ زیب" کی فوج میں بھرتی ہوئے" یہ مشہور و معروف لشکری جو "جان نثار خاں" کے نام سے زیادہ مشہور ہے" ۱۶۷۹ء میں "شہزادہ معظم" کی فوج میں منسلک رہے" دس سال بعد راجپوتانہ کی ایک مہم میں کارنمایاں کئے" اور باغی شہزادہ اکبر کی فوج کو جو تعداد میں زیادہ تھی شکست دی" وہ (ابو المکارم) جلوئے شاہی میں داخل ہوئے۔ اور اس کے بعد ۱۷۰۰ء میں "قلعہ گوالیار" کے قلعدار ہوئے" اور پھر ۱۷۰۹ء میں "خاندیس" کی گورنری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے" چونکہ وہ مذہباً سنّی تھے" اس لئے "سادات بارہہ" سے اُن کا تنازع ہوا جس کی بناء پر انھیں ۱۷۲۱ء میں اپنے عہدہ سے دستکش ہو کر خانہ نشین ہونا پڑا" اُن کے فرزند اکبر "کامیاب خاں" اور "رمضان علی خاں" یا "داراب خاں" حملہ نادر شاہ کے بعد امروہہ میں سکونت رکھتے تھے" مؤخر الذکر البتہ "ملک بنگال کی ایک لڑائی میں مارے گئے"

مندرجۂ بالا اقتباس میں "ابو المکارم عبّاسی" کے جو حالات اور کارنامے بیان کئے گئے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں" معلوم ہوتا ہے کہ "مسٹر نیول" کو کسی نے غلط معلومات بہم پہنچائیں"

جن خواجہ ابو المکارم" المخاطب بہ جان نثار خاں کا تذکرہ مستند کتب تواریخ (مآثر الامرا) میں ملتا ہے" جن کے فرزندوں کے نام "داراب خاں اور کامیاب خاں" ہیں وہ بالکل جدا شخص دہلی کے باشندے تھے" اور وہ ابو المکارم عبّاسی جن کے فرزند "علی اکبر" اور رمضان علی تھے" دوسرے شخص "امروہہ" کے باشندے اور غالباً کوئی معمولی اہلکار ہوں گے"

ایلیٹ کے ہمقوم مؤلفین ڈسٹرکٹ گزیٹیرس کی تحقیقاتوں کی جو حیثیت ہے۔ وہ مؤلف امروہوی ہی کی اِن تحریروں سے جن میں انہوں نے "مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد کی تحقیقات کی غلطیاں دکھائی ہیں" اس سے تاریخ یا گزیٹیر ضلع حصار کے قابلِ اعتبار ہونے کی حقیقت بھی اچھی طرح منکشف ہو گئی ہے" جس کا حوالہ مؤلف موصوف نے اُوپر دیا ہے"

اب ہمیں یہاں ناظرین کی توجہ اِس طرف مبذول کرانی ہے کہ "زبیری کنبوی" خاندان کا سکنی لقب "کنبوی" جو کہیں چھاپہ اور کتابت میں "ی" کی بگڑی ہوئی شکل میں "کنبوہ" اور کہیں "دی" کے چھوٹ جانے کی وجہ سے "کنبو" لکھا گیا ہے" مؤلف امروہوی نے لفظ کنبوہی کو چھپا کر اور "کنبو" کو بھی کہیں نون سے اور کہیں میم سے لکھکر "پھر اُس پر غلط توجیہات" قیاسات اور پوچ و لچر بیانات سے کام لیکر اس لئے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے کہ خاندان زبیری کنبوی اور قوم کمبو کو اُن کے ناظرین ایک سمجھنے کے دھوکے میں آجائیں" یعنی جس کام کو ابو الفضل جیسا علامہ نہ کر سکا یہ اُسے پورا کر کے دکھا دیں" اُن کی ساری بحث کو دیکھ ڈالئے" اُس میں کہیں "لفظ کنبوی" نظر نہ آئے گا" حالانکہ اکثر اُن ہی کتابوں میں جن سے لیکر مؤلف موصوف نے اقتباسات پیش کئے ہیں "زبیری" خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ اُن کا یہ سکنی لقب "کنبوی" ٹھیک اسی طرح جیسا کہ دوسرے حضرات کے ناموں کے ساتھ امروہوی - دہلوی - لکھنوی لکھا جاتا ہے، تحریر ہے" اب اِسے مؤلف امروہوی کی خباثت طبع کہہ لیجئے یا شپرہ چشمی سمجھ لیجئے۔ جن کی وجہ سے انہیں "لفظ کنبو تو تاریخوں میں لکھا ہوا نظر آ گیا مگر "کنبوی" مطلق نظر نہیں آیا ہے"

اِس موقع پر ہم نے ایلیٹ کے اُن بیانات کی تنہیں مؤلف امروہوی نے سند میں پیش کیا ہے حقیقت کو اچھی طرح دکھا دیا ہے اور خود اُن کی غرض پر سے بھی تھوڑا سا پردہ اٹھا دیا ہے" پھر یہاں اب ہم مسٹر ایلیٹ کے بیانات کی تردید مسٹر آرنلڈ اور قوم کمبو کے افراد کے نوشتوں سے کرتے اور دکھاتے ہیں کہ مؤلف امروہوی اور ایلیٹ کے مقابلہ میں "مسٹر آرنلڈ کیا فرما رہے ہیں" اور خود قوم کمبو کیا کہتی ہے"

ایلیٹ کے بیان کی تردید "مسٹر آرنلڈ کے بیان سے"

سر ہنری ایلیٹ کے اِس بیان کے بطلان کے لئے کہ یہ نام (کمبوج نام) کمبو سے اِس درجہ مشابہ ہے کہ "(اس قوم کو کابل کا قدیم ساکن سمجھنا ضروری ہوگا) اب ہم مسٹر آرنلڈ مشہور مستشرق سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علیگڑھ و مشیر تعلیم وزیر ہند المتولد ۱۸۶۴ء المتوفی ۱۹۳۰ء کا وہ بیان پیش کرتے ہیں جسے انہوں نے اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں بدیں الفاظ تحریر فرمایا ہے کہ۔

"داعیان و مبلغانِ ملّتِ اسلامیہ میں سے ایک واعظ کا نام "نور ستاگر" تھا قلعہ الموت سے جہاں اسمٰعیلیوں کا سردار رہا کرتا تھا ہندوستان کو روانہ کیا گیا۔ یہ واعظ اوّل گجرات میں راجہ سدھا راج کے زمانے سنہ ۱۰۹۳ء تا ۱۱۴۳ء میں پہنچا۔ اس نے اپنا نام ہندوؤں کا سا رکھا لیکن مسلمانوں کو اپنا نام "سیّد سعادت" بتایا۔ (۱) "کمبئی" (۲) "کھاروا" (۳) اور "کوری" قوم کے لوگوں کو جو "گجرات" کی نیچی ذاتیں تھیں۔ اسمٰعیلیہ مذہب میں شامل کیا۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان بھی جو قوم کمبو کے ایک فرد ہیں "مسٹر آرنلڈ" کے بیان کو نہیں جھٹلا سکے مگر انہوں نے اسے اپنے مقصد کے خلاف پاکر اس طرح رائے زنی کرنی مناسب خیال فرمائی ہے کہ "ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس حد تک ہم راستی کے قریب ہیں۔ لیکن کمبئی نام کے تلفظ سے ہم کو گمان ہوتا ہے کہ شاید اس کا تعلق "کمبوؤں" سے ہو۔ جیسا کہ فاضل مصنّف نے تحریر فرمایا ہے "کمبئی قوم" اِس وقت گجرات میں ایک نیچی ذات تصوّر کی جاتی ہے لیکن کسی ذات کا اونچا یا نیچا ہونا اُس کی اصالت و نسل پر زیادہ تر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا حصر اس قوم کی پولیٹیکل پوزیشن طرز تمدّن "قومی تموّل اور خوش لباسی پر موقوف ہے" ممکن ہے یہ کمبئی قوم دراصل کمبوؤں کی نسل کی باقی ماندہ یادگار ہو جو دشمن کے ملک میں مغلوب ہونے کے بعد مقیم رہی ہو۔ اور فاتح قوم نے اُسے مغلوب کرکے اُس کی حالت غلاموں کے درجہ تک اسی طرح پہنچا دی ہو جس طرح آریہ ہندوؤں نے اِس ملک کے اصلی باشندوں کی ان کو شودر بنا کر پہنچا دی ہے" اگر یہ بات صحیح ہو تو اس سے آسانی کے ساتھ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ "کمبوؤں" کا "کاٹھیاواڑ گجرات میں" پولیٹیکل فوقیت حاصل کرنے کا دعویٰ صرف خیالی نہیں بلکہ واقعات سے ہے۔ خصوصاً اِس صورت میں جبکہ دیگر آثار و شواہد سے اور قراین سے اِس ادّعا کی تائید ہوتی ہو۔")

مؤلف تاریخ کمبوہان نے گجرات میں ایک قوم "کمبئی" کا نام معلوم کرکے مسٹر آرنلڈ کے بیان پر جو رائے زنی کی ہے۔ وہ سامنے ہے مگر انہوں نے اِسی پر قناعت نہیں کی ہے "بلکہ اِس قوم کمبئی کی آڑ لیکر "سوراشٹر" (کاٹھیاواڑ گجرات) میں کمبوؤں کی حکومت کا ایک اور ثبوت" کی سُرخی کو بھی اپنی کتاب میں دیدینا مناسب خیال کیا ہے۔"

کسی تاریخ میں کہیں قوم کمبو کا کوئی کارنامہ تحریر نہیں ہے نہ اس کے متعلق شواہد و آثار ہیں۔ اِسی لئے اِس رائے زنی میں انہوں نے آثار و شواہد سے خالی خولی ذکر کے ساتھ قراین کی پخ بھی لگا دینی ضروری خیال فرمائی ہے "مگر خود قوم کمبو اپنی قوم کے نام کی وجہ تسمیہ میں متفق نہیں ہے۔"

لفظ کمبو کے بارے میں قوم کمبو کے مختلف بیانات

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت اپنی قوم کمبو کے مختلف خیالات و آراء کو تحریر کیا ہے جس میں کہیں وہ "کمبوہ" کہیں "کم بدھ" سے "کمبو" کے لفظ کو نکالا ہوا بتاتے ہیں۔ اور کہیں راجہ کمبوج کی اولاد "اور کہیں سورج بنسی چھتری ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں "مگر ان مؤلف صاحب نے اپنی قوم کمبو کی اِن سب باتوں کو رد کرکے اپنی رائے زنی اور من گھڑت کہانیوں کو پیش کرکے اصرار کیا ہے کہ اُن کی پیدا کردہ اِس جدید بات کو ہی صحیح سمجھا جائے کہ قوم کمبو "شہنشاہ ایران کمبوجیا" کی اولاد ہے" یعنی اُن کی اِس ایجاد کے سوا سب باتیں غلط ہیں۔"

ہم اُوپر بتلا آئے ہیں کہ ایران کے شاہان کیکئی کی نسل ہمیشہ سے کیانی کہلاتی رہی ہے۔ اور اب بھی اِس خاندان کے افراد خواہ کسی ملک

کے پیرو ہوں اپنے نام کے سامنے کیانی لکھتے ہیں۔"

قوم کمبوہ کے سب سے پہلے مصنف عبداللہ مالیری جنہوں نے تحقیقات قومی میں ایک رسالہ سفینۂ مالیری چھتیس ۳۶ صفحات کا ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۱۹ ہجری میں لکھا ہے اور جن کی تعریف میں مؤلف تاریخ کمبوہان کی زبان لال ہے۔" وہ بھی اپنی قوم کمبوہ کو گجرات کاٹھیاواڑ کا باشندہ بتاتے ہیں۔" اور لفظ کمبوہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق اُن کا بیان ہے کہ یہ نام گجرات کے شہر "کمبے" کی وجہ سے پڑا ہے۔" جب یہ قوم وہاں سے دوسرے مقامات پر گئی تو اپنے ساتھ "شہر کمبے" کی مناسبت سے "کمبوہ" لقب ساتھ لے گئی۔

سفینہ مالیری کے صفحہ ۳ تا ۶ پر جو حالات اپنی قوم کے مصنف مذکور نے نظم میں لکھے ہیں اُن میں ہے کہ:

وطن دیکھتی یہ مشہور شہر — جو کمبے کے تھے پاس وہ رشک دہر

جو تھے کاٹھیا واڑ گجرات میں — اسی بنس نے تھا بسایا انہیں

مگر شہر یہ قسمتِ دو ویران ہوئے — بچے واں سے جو وہ گریزاں ہوئے

یہاں سے سنو قومی طلبی بیان

ہے سینہ بسینہ زبان بر زبان

کہ جب گھجی یہ بادہ ویران ہوئی — یہ ہیں چھتری "کمبوہ" الّی "پڑگئی"

اسی "گھجی" سے ہے انہوں کا نکاس — ہوا تھا انہوں کا وہیں بنس ناس

وہ کمبے کی کھاڑی کا "گھجی" مقام — جو چھوٹا ہے "کمبوہ" پڑا اُن کا نام

قدیمی وطن اُن کا "کمبے" جو تھا — مقامی لقب اُن کا "کمبوہ" ہوا

مقامی ہے یہ نام نسلی نہیں

یہ ہیں چھتری اصلی نقلی نہیں

اس بیان کے بعد سفینہ مالیری کے مؤلف نے جو شرح صفحہ ۱۰ تا ۱۳ پر لکھی ہے وہ یہ ہے:"

۵ یہ وہی شہر "گڑھ گھجی" ہے جس میں کمبوؤں کا بنس ناس ہو کر اُس سے اُن کا نکاس ہوا ہے نہ افغانستان والی غزنی۔

۶ خلیج یا کھاڑی "کمبے" یا کمبایت "کھمبھات" کی ایک کھاڑی کا نام ہے جو جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ گجرات کے جنوب میں واقع ہے۔"

۷ جو لوگ اپنا نکاس دکن والی گڑھ گھجی سے بتلاتے ہیں۔ اس گھجی کا اصلی جائے وقوع "ملک کاٹھیاواڑ گجرات میں خلیج کمبے کے قریب ہے نہ کہ افغانستان میں اور بعض لوگ جو غلطی سے اس کو افغانستان والی غزنی" خیال کر لیتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔" کاٹھیاواڑ گجرات کی گھجی "گ ج" سے اور افغانستان والی غزنی "غ ز" سے ہے۔"

عبداللہ مالیری کمبوہ کے بیان سے یہ بات اب بخوبی معلوم ہو گئی ہے کہ "کمبوہ قوم" کو افغانستان یا کابل سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ کبھی رہا ہے بلکہ اس کا نکاس کاٹھیاواڑ گجرات سے ہے۔" اور یہ "قوم کمبوہ" جو یوپی اور کشمیر پنجاب میں آباد ہے" بقول مسٹر آزاد کاٹھیاواڑ گجرات کی ایک شودر یا اچھوت قوم "کمبی" سے تعلق رکھتی ہے۔" گجرات سے جو اس قوم کا آزاد اور بوم یا قدیمی مسکن ہے" کمبی قوم کے جو گروہ پنجاب اور کشمیر میں جا کر آباد ہوئے وہ کمبوہ اور کمبیہ قوم وغیرہ سے مشہور ہوئے۔" اور جو فرقے کمبی قوم کے" مہاراشٹر" خاندیس" برار" اور تلنگانہ و کرناٹک" کے دکنی علاقوں میں جا کر سکونت پذیر ہوئے" وہ وہاں "کنبی" اور "کمبوار" وغیرہ ناموں سے موسوم ہوئے اور اب بھی ہیں۔ جیسا کہ آگے ہم بتائیں گے کیونکہ یہ قوم آج کی طرح کاشتکاری پیشہ تھی اور ایسے خطہ ملک میں رہتی تھی جہاں زیادہ تر باجرے کی کاشت ہوتی تھی" اس لئے مدراس کے ٹامل زبان بولنے والے علاقہ میں اناج باجرے کو "کمبو" کہتے تھے۔"

قوم کمبوج اور قوم کمبوہ کے ناموں میں جو مماثلت ابھی موجود ہے وہ اسی طرح کی مماثلت ابھی رکھنے والی اور بہت سی اقوام مثل "کو می"

کیمی" "کامی" "کوہماوت" "قمبرانی" "کھمیانی" "کھومبو" "کمبا" "کمبو" "کمبرین" "کموّن" اور "کمگو" "کنبوہی" یا "کنبوہ" بھی ہیں" مگر اپنے ناموں کی مماثلت کی وجہ سے یہ ایک قوم کی شاخیں نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف النسل ہیں اور کوئی طاقت دنیا کی ان کا ایک نسل سے ہونا ہرگز ثابت نہیں کر سکتی"
مسٹر ایلیٹ اور اُن جیسے لوگوں نے اگر تحقیق و تلاش اور کوشش و کاوش سے صَرفِ نظر کر کے "جو کمبوج قوم اور قوم کمبو کے ناموں میں مماثلت پا کر ان کو ایک بتا دیا ہے تو یہ اُن کی کوتاہ نظری ہے" اور اُن کے اِس بیان کی "تاریخی شواہد و اسناد کی موجودگی میں ذرّہ برابر بھی وقعت نیز کوئی حقیقت نہیں ہے" کسی بات کی حقیقت جاننے میں بڑی تلاش اور محنت کرنی پڑتی ہے" یہ نہیں ہوتا کہ "ایک جگہ کمبوج اور دوسری جگہ کمبو قوم کو دیکھ کر رائے زنی کر دی کہ یہ دونوں نام ایک قوم کے ہیں۔ اور پھر ایک بات سُنکر لکھ دیا کہ "کنبوہ" "کُنے انبوہ" کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے" اِس طرح کسی بات کی تحقیقات نہیں کی جایا کرتی"

ہم نے اِس کتاب کی دوسری جلد میں جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں ہے "مؤلف تاریخ کمبوہان اور مصنّف سفینۂ مالبری کی تحقیقاتوں کا بھی اسی طرح سے تجزیہ کیا ہے جس طرح مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا کیا ہے" جیسا کہ ابھی ہم دکھلا آئے ہیں بہت اقوام ہیں" جو "کمبوہ" کے مماثل نام رکھتی ہیں اور وہ سب مختلف النسل ہیں۔ اگر مصنّف تاریخ کمبوہان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ایک بڑی قوم "کمبا" افریقہ میں ہے تو وہ اسے بھی اپنی قوم سے ظاہر کر کے اپنی قوم کمبو کا سارے افریقہ کے فتح کرنے کا دعویٰ کر بیٹھتے" اور اگر وہ جان جاتے کہ "کوہ پرنیز کے نیچے اسپین میں ایک شہر "کمبو" نام کا موجود ہے تو سارے یورپ کے ہی اپنی قوم کمبو کے ہاتھوں زیر و زبر کر ڈالنے کا یقین دلانے میں ضرور کوشش فرماتے اور اِس شہر کے نام کا اپنی قوم کے وہاں سکونت اختیار کر لینے سے پڑ جانے کو باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے" اور پھر جب انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ "کمبو" جیسے نام رکھنے والے بڑے بڑے تاریخی لوگ ہوئے ہیں جیسے کہ جین کے ایک بڑے جنرل کا نام "کنبو" تھا اور "رامائن کے لکھنے والے "کمبارشی" تھے تو وہ ان کو بھی اپنی قوم سے بتانے میں اپنا پورا زور صرف فرما دیتے" ان کی تحقیقات کی حقیقت تو دوسری جلد سے ظاہر ہوگی۔ مگر یہاں تو ہمیں صرف یہ دکھانا تھا کہ قوم کمبو کیا کہہ رہی ہے اور مسٹر ایلیٹ کیا فرما رہے ہیں جن کی مصلحت آمیز قیاس آرائی کو مؤلف صاحب امروہوی نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے"

آپ چونکہ ایلیٹ کے اِس بیان کی بخوبی تردید ہو گئی ہے کہ "کمبو" قوم کا کابل اور کمبوج قوم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی بات اور باقی نہیں رہی ہے" مگر مؤلف صاحب امروہوی کی تسلّی کے لئے ہم انہیں یہ بتائے دیتے ہیں کہ "کمبوج" کس ملک کا نام تھا۔ اور جہاں کے لوگ "کمبوج" کہلاتے تھے"

"تبت" کا قدیم نام کمبوجا ہونے کی شہادتیں

مسٹر ہیری ایلیٹ کا یہ بیان بھی کہ "کمبوج" "کابل" کا سنسکرت نام ہے اور یہ نام "کمبو" سے اِس قدر مشابہ ہے کہ "اِس قوم کو "کابل" کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا" قطعاً غلط اور پایۂ تحقیق سے خارج ہے "کمبوج" "کابل" کا نام کبھی نہ تھا" اور مؤلف تاریخ کمبوہان کے اِس بیان میں بھی کہ "شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد کمبوجی کہلاتی تھی اُس کے افغانستان میں آ جانے کی وجہ سے اس ملک کا نام "کمبوج" پڑ گیا تھا" ذرّہ برابر بھی صداقت نہیں ہے"

"کمبوجا" اصل میں "ملک تبت" کا قدیم نام ہے" جب یمن کے بادشاہ "تبع"[1] نے جس نے سب سے پہلے لڑائی میں آگ کا استعمال کیا اور جس کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے "ملک تبت" کو فتح کر کے اپنی حکومت وہاں قایم کی تو اس ملک کا نام "تبع" کے نام پر "کمبوجا" سے "تبت" ہو گیا"

(فٹ نوٹ ۱) اپریل ۱۹۱۶ء کے رسالہ عبرت میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے صفحہ ۲۹ و ۳۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ "عرب لوگ جن کے یہاں حرب کا دوسرا نام "نار" تھا۔ آگ کو لڑائی میں بطور آلۂ حرب استعمال کرنے کے موجد ہیں۔ دشمن پر حملہ آوری کے وقت اپنے دوستوں کو جو دوسرے مقاموں پر ہوں اطلاع دینے کے لئے بلند مقام پر آگ روشن کرنا عرب کا خاص دستور تھا۔ اور یہ دستور یا ابتدائی قدامت کے مورخانہ تحقیقات سے بہت پرے تاریکی میں نظر آتا ہے۔ عرب نے آگ کو لڑائی میں بطور ساماں جنگ سب سے اوّل استعمال کیا۔ اس کے ثبوت میں عربی زبان کے وہ قدیمی محاورات جن میں نار اور حرب ایک دوسرے کے ساتھ بطور جزو لازمی استعمال ہوئے ہیں پیش کئے جا سکتے ہیں" نیز یمن کے "اصحاب الایکہ" اور "قوم تبع" کی تاریخ بھی شہادت دے سکتی ہے" خلاصہ کلام یہ ہے کہ "عرب" سے شام و مصر و ایران و ہندوستان نے آگ کو لڑائیوں میں استعمال کرنا رفتہ رفتہ سیکھا ہے"

چین کے صوبہ یونان سے جو ہند چینی کے درمیان واقع ہے۔ اور برما سے کشمیر و کاشغر تک "ہمالیہ پہاڑ سے متوازی ملک کمبوجا" جو اب تبّت کہلاتا ہے۔ چلا گیا ہے "کوشن لوگوں کے ساتھ جن کی سلطنت میں "کاشغر" "افغانستان" اور "شمالی ہند" کا ایک حصّہ رہا ہے " ان کمبوجوں کے ایک قبیلہ نے "مشرقی افغانستان" میں آکر دریائے سندھ کے کنارے "تھوڑے سے رقبہ میں یعنی صوبہ سرحد کے ایک حصّہ میں سکونت اختیار کرلی تھی "اُن کے قیام کی وجہ سے اُن کے اس جدید سکونتی مقام کو بھی کمبوجا کہنے لگے تھے "کمبوجوں کا ایک قبیلہ اپنے ملک "کمبوج یا تبّت" سے نکل کر دوسری سمت گیا۔ اُس نے انڈو چائنا کے ایک حصّہ پر موجودہ سیام اور انام کے نیچے قبضہ کرکے اپنی حکومت جمالی اور ایک شہر کمبوجا نام بسایا جسے انگریزی نقشوں میں کمبوڈیا لکھا جاتا ہے" اور اب یہ حصّہ ملک جسے فتح کرکے کمبوجوں نے اپنی حکومت قایم کی تھی صوبہ کمبوجا کہلاتا ہے" کمبوجوں یا تبّتیوں نے ہمالیہ کو عبور کرکے بنگال اور بہار پر بھی حملے کئے ہیں جن کے حالات تاریخوں میں مذکور ہیں "

تبّع کے فتح تبّت کا بیان ابن قتیبہؒ کے قلم سے

معارف میں ابن قتیبہ (المتولد ۲۱۳ ہجری المتوفی ۲۷۶ ہجری) نے لکھا ہے کہ۔

اتاہ عن الترک ما کرهہ فسار الیهم علی جبلی طیء ثم علی الانبار ثم هو الطریق الذی سلکه الرائش فلقیهم فی حد اذربیجان فهزمهم وسبی منهم ورجع ثم غزا الصین ثم رجع وخلف بالتبت جیشاً عظیماً رابطة فاعقابهم بالتبت یعرفون بذلک "

شاہ تبّع کو جب ترکوں سے تکلیف پہنچی تو وہ بنی طے کی دونوں پہاڑیوں کے راستے سے انبار کو روانہ ہوا۔ اسی راہ سے شاہ رائش نے بھی حملہ کیا تھا ترکوں سے آذربیجان کی سرحد پر مقابلہ ہوا۔ بادشاہ نے انہیں شکست دی اور بہتوں کو قید کرلیا وہاں سے آکر پھر وہ چین پر حملہ آور ہوا اور واپسی کے وقت ایک بڑا لشکر تبّت میں چھوڑ آیا۔ تبّت میں اُس کی نسل مشہور ہے "

(فٹ نوٹ ملا) اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں تمدّن اور حکومت کی ابتدا عرب سے ہوئی عربی حکومت کا ابتدائی مرکز اسلام کے قبل یمن تھا۔ اور سلاطین یمن نے دنیا کے مختلف ممالک فتح کئے اور متمدّن قوموں کو باجگذار بنایا۔ علاّمہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں جہاں قدیم سلاطین یمن کا تذکرہ کیا ہے وہاں حارث الرائش کے حالات میں لکھتے ہیں کہ۔

کان اقصی اثر الرائش فی غزوۃ الاولی الهند ثم غزا بعد ذلک الترک باذربیجان وما یلیها وسبی الذریة۔

شاہ رائش کی بڑی یادگار اُس کا وہ حملہ ہے جو اُس نے ہندوستان پر کیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے آذربائیجان اور اسکے مضافات میں ترکوں پر لشکر کشی کی اور انکی نسل تاراج کرڈالی "

شاہ افریقیس کے واقعات میں تحریر کرتے ہیں۔ غزا نحو المغرب فی ارض بربر حتی انتهی الی طنجة وافریقیس هو الذی بنی افریقیة وبه سمیت۔

شاہ افریقیس نے ملک مغرب میں لشکر کشی کی اور فتح کرتا ہوا سرزمین بربر کی انتہا طنجہ بندرگاہ مراکش تک پہنچ گیا افریقیہ کا بانی افریقیس ہی ہے اور اسی کے نام سے یہ موسوم ہے "

(شاہ ذوالاذعار کے تذکرہ میں اُس کا سبب تسمیہ ان الفاظ میں بتایا ہے)

سمی بذلک لانه کان غزا بلاد النسناس (؟) فقتل منهم مقتلة عظیمة ورجع الی الیمن من سبیهم بقوم (کذا) وجوههم فی صدور هم فذعر الناس منهم فسمی ذاالاذعار۔

یہ اسی کا نام اسلئے پڑا کہ اُس نے بن مانس اور جنگلی اقوام کے ملک پر حملہ کیا اور بڑی خونریزی کرکے ان کے چند یوں کو یمن میں لایا۔ ان لوگوں کے منہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا سینوں میں ہیں اہل یمن اُن کی عجیب خلقت دیکھکر گھبرا گئے۔ جب سے بادشاہ کا نام "ذوالاذعار" یعنی گھبرا دینے والا پڑا۔

بادشاہ شمر کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے خرج فی جیش عظیم حتی دخل ارض العراق ثم توجه یرید الصین فاخذ علی طریق فارس وسجستان وخراسان فافتتح المدائن والقلاع وقتل وسبی ودخل مدینة الصغد فهدمها فسمیت "شمرکند" ای شمر اخربها واعربها الناس فقالوا سمرقند۔

وہ ایک بڑی فوج لیکر سرزمین عراق میں داخل ہوا اور پھر چین کا رخ کیا۔ فارس خراسان و سیستان کی راہ اختیار کی۔ شہروں اور قلعوں کو فتح اور باشندوں کو قتل کرتا ہوا شہر سغد میں پہنچا۔ اور اس کو منہدم و برباد کردیا۔ اسی وجہ سے "شمرکند" نام پڑا۔ یعنی شمر نے کھود ڈالا۔ اب لوگوں نے اس کو معرب کرکے "سمرقند" کہنا شروع کیا ہے "

" شاہ اقرن کے واقعات میں لکھا ہے "

غزا بلاد الروم وکان اهلها یومئذ یعبدون الاوثان ووغل فیها حتی بلغ وادی الیاقوت (؟) فمات قبل ان یدخله ودفن هناک "

شاہ اقرن نے ملک روم پر لشکر کشی کی۔ رومی اُس زمانے میں بت پرست تھے۔ بڑھتے بڑھتے وادی یاقوت (؟) تک پہنچ گیا۔ لیکن داخل ہونے سے قبل مر گیا اور وہیں دفن ہوا "

(ص) ہندوستان سے اکثر عرب کے تعلقات رہے ہیں۔ یہ ملک اہل عرب کو اتنا پیارا تھا کہ اس کے نام (هند) کو انہوں نے عشق و عاشقی کا موضوع قرار دے رکھا تھا وہ ہندوستا

علامہ مسعودی (المتوفی ۳۴۵ ہجری) کا بیان

اس واقعہ کی تائید علامہ مسعودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ تبت کے بیان میں باشندگان تبت کے متعلق وہ لکھتے ہیں

وقد كانوا في قديم الزمان يسمون ملوكهم تبعاً لاتباع اسم تبع ملك اليمن ثم ان الدهر عزاهم بآفاته فتغيرت لغاتهم من الحميرية و حالت الى لغة تلك البلاد ممن جاورهم من الامم فسموا ملوكهم بخاقان۔

قدیم زمانہ میں اہل تبت اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے اور اس باب میں شاہان یمن کی جن کا لقب تبع تھا پیروی کرتے تھے۔ انقلاب زمانہ سے حالت متغیر ہو گئی اور شدہ شدہ قوم حمیر کی وہ عربی زبان جو ان میں رائج تھی ہمسایہ اقوام کی زبان سے بدل گئی۔ اور بجائے تبع کے ترکوں کی تقلید میں وہ بھی اپنے بادشاہ کو خاقان کہنے لگے۔

وقد تنازع الناس في انسابهم فمنهم من الحقهم بولد يافث بن نوح ومنهم من الحقهم بالفرس الاولى في نسل طويل وبلاد التبت مملكة متميزة من بلاد الصين والغالب عليهم حمير وفيهم بعض التبابعة على حسب ما ذكرنا من اخبار ملوك اليمن فيما يرد من هذا الكتاب وذلك موجود في اخبار التبابعة ـــ

اہل تبت کے سلسلۂ نسب میں اختلاف ہے۔ بعض یافث بن نوح کی اولاد میں بتاتے ہیں اور بعض قدیم ایرانیوں کی نسل میں شامل کرتے ہیں، تبت کا ملک چین سے بالکل جدا اور ممتاز ہے باشندوں میں عربی قوم حمیر کے اوضاع غالب ہیں۔ اور جیسا کہ اس کتاب میں یمن کے تذکرہ سلاطین میں ہم لکھیں گے بعض امراء و رؤسا کا لقب اب بھی تبع ہے۔ سلاطین تبع کے واقعات میں تبت کی تصریح موجود ہے۔"

(مروج الذہب مسعودی جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ حاشیہ نفح الطیب مطبوعہ مصر)

محمد عثمان عمادی بی۔ ایس۔ سی ~~پروفیسر ٹیننگ کالج~~ جامعہ عثمانیہ کا بیان

تاریخ عرب قدیم میں ہے کہ "عربوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک سے بہت پہلے دنیا کے بیشتر ممالک پر حکومت کی اور تہذیب و تمدن سے روشناس کیا) ملک "تبت" کا نام انہیں کے ایک بادشاہ "تبع" سے موسوم ہوا"

(مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۱۱ شمارہ ۱ و ۲ صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲)

لالہ لاجپت رائے کا بیان

لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تحریر فرمایا ہے کہ "تبت کا نام کامبوجا" ہے اور لکھا ہے کہ "کمبوج راجے نے اپنی قوم کی قیادت میں پہاڑوں سے اتر کر اس حکومت پر (بنگال کے پال خاندان کی حکومت پر) حملہ کر دیا اور کچھ حصہ ملک پر قبضہ کر لیا" "مگر پال خاندان کے نویں بادشاہ مہی پال اوّل نے ۹۷۸ء (یا ۹۸۰ء) میں اپنی قوت کو مجتمع کر کے مقابلہ کیا اور ان کو (کمبوجوں کو) مغلوب کر کے اپنے تخت و تاج پر قبضہ حاصل کر لیا" (تاریخ کمبوہاں صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳)

(بقیہ نوٹ عـ صفحہ ۱۹۹) کے کسی خاص حصّہ کی آبادی کو عرب الاصل کہا کرتے تھے۔ ایک شعر بی شاعر کہتا ہے:"

تقولون ان الهند اولاد خندف ۔۔۔ وبينكم قربى وبين البرابر

تم کہتے ہو کہ ہندوستانی خندف کی (ایک عرب کا نام تھا) اولاد میں ہیں ۔۔۔ اور تم میں اور قوم بربر میں قرابت ہے

وديلم من نسل ابن ضبة باسل ۔۔۔ وبرجان من اولاد عمرو بن عامر

اور قوم دیلم بسا در ابن ضبہ کی نسل میں ہے ۔۔۔ اور قوم برجان عمرو بن عامر کی اولاد میں ہے

ہم یہ جانتے ہیں کہ غیر تاریخی زمانہ میں سندھ و گجرات میں عربی حکومتیں موجود تھیں مسٹر ایلیٹ کی انگریزی تاریخ سندھ میں بھی اہل عرب کی سلطنت سندھ کا تذکرہ موجود ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی قدیم علمی زبان میں جو کیفیت آریہ زبان کی عربی کے آثار موجود ہیں۔ جب تک انتہا درجہ کا اختلاط نہ ہو یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عرب میں ہندوؤں کی سلطنت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ ہندوستان کی قدیم سلطنت کے اہل عرب مالک بھی تھے"

لالہ لاجپت رائے کی تحریر کا ایک تصدیقی بیان

"کمبوجا راجہ پال خاندان (سنہ ۷۳۰ء سے ۱۱۹۷ء تک) کے درمیان بنگالہ میں گوپال نامی ایک ذی اقتدار شخص کو اپنا سردار مانا گوپال بودھ دھرم کے ساتھ غلو رکھتا تھا۔ کچھ مدت بعد اُس نے مگدھ پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ اس کے خاندان نے ۱۱۹۷ء تک حکومت کی جبکہ محمد بختیار خلجی نے اِس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔" اس کی حکومت کے زمانے میں پہاڑی علاقوں کے باشندوں نے خود سر ہو کر اپنی قوم کے ایک سردار کو راجہ بنایا جو "کمبوج راجہ" کے نام سے مشہور تھا۔ اِس کی حکومت کا پتہ دیناج پور میں پتھر کے پایہ پر ایک کتبہ سے دریافت ہوا ہے جس میں ۸۸۸ء درج ہے۔ جو ساکا سنہ ہونے کی صورت میں ۹۶۶ء کے برابر ہوتا ہے۔ پال خاندان کے نویں راجہ مہی پال نے "کمبوجہ" کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ مہی پال اوّل جو پال خاندان کا نواں حکمران تھا بڑا مشہور راجہ ہوا ہے ۹۸۰ء تا ۱۰۳۰ء تخمیناً اس کا زمانہ حکمرانی ہے۔"

(تاریخ مگدھ یعنی صوبہ بہار کی مکمل تاریخ شائع کردہ انجمن ترقی اُردو دہلی ۱۹۳۴ء)

ملک کمبوج یا کمبوجا کے جائے وقوع کے بارے میں سرہنری ایلیٹ کے اس بیان کی کہ کمبوج کابل کا سنسکرت نام تھا ہمارے پیش کردہ اِن مختصر شواہد تواریخی سے ہی بخوبی تردید ہو گئی ہے مگر ہم نے اِس موضوع پر تفصیلی بحث اِس کتاب کی جلد دوم تاریخ کمبوہان کے جواب میں اُس موقع پر کی ہے جہاں مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی من گھڑت کہانیوں سے شہنشاہ کام بوشیا کی اولاد کا نام کامبوج ہونے اور اُس کے افغانستان میں آنے اور اس کی وجہ سے افغانستان کا نام کمبوج پڑ جانے کو باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ "کمبوجوں" کا وہ قبیلہ جو دریائے سندھ کے کنارے کے کچھ حصّہ پر صوبہ سرحد میں کمبوجا یعنی تبّت سے آ کر آباد ہو گیا تھا وہ اب کسی نام سے پکارا جاتا ہے اور ہندوستان کے باہر کہاں سکونت پذیر ہے۔" مگر یہاں ملک کمبوج یا کمبوجا کے جائے وقوع کے بارے میں سرہنری ایلیٹ کے اس بیان کی کہ کمبوج کابل کا سنسکرت نام تھا تردید کے لیے اسی قدر شواہد پر اکتفا کیا گیا۔" ان کمبوجوں کے دریائے سندھ سے اتر کر ہندوستان میں قدم رکھنے کی بھی کوئی شہادت نہیں ہے۔"

ایلیٹ کی مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی خباثت اور اُس کا جواب

ایلیٹ کا یہ لکھنا کہ "مسلمان کنبوہوں کو دوسری اقوام کے مسلمان "کشمیریوں" اور "افغانیوں" کی مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے" کس قدر خباثت سے بھرا ہوا ہے اُس کے متعلق تو یہ ہے کہ سر ایلیٹ نے اگر ایسا لکھا تو اپنی قوم کی بھلائی کے لیے۔ اپنی حکومت کے استحکام کے لیے مصلحت مدِ نظر لکھا ہے۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے ماتحت لکھا ہے۔" لیکن مؤلف امروہوی کے متعلق کیا کہا جائے جس نے ایسی نالائق بات کو پیش کرنے میں حالانکہ اُسے مسلمانی کا دعویٰ ہے ذرا بھی جھجک نہیں محسوس کی۔" اس کی تردید کرنی تو درکنار رہی بڑے چاؤ سے اُسے اس نسبی بحث میں لانا ضروری سمجھا ہے۔" ہم ان مؤلف صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ (۱) جب بقول اُس کے "کنبوہ" آرین چھتری ہیں تو ایسی شریف قوم کے مسلمان ہو جانے سے "مسلمانوں کو اُن سے محبت ہونے کے بجائے تنفر کیوں ہے اور دوسری راجپوت یا آرین چھتری یا کھتری اقوام کے مسلمان ہو جانے سے انہیں نفرت کیوں نہیں ہے۔" نیز افغانی و کشمیری مسلمانوں سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچا جس کی وجہ سے انہیں بھی وہ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔" اور اس حرکت سے مسلمانوں نے اپنی اجتماعی طاقت کو منقسم کرنے میں کیا فائدہ سوچا ہے۔" (۲) کیا مسلمان تبلیغ و اشاعت دین کو برا سمجھنے لگے ہیں جس کی وجہ سے کنبوہ قوم کے مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں رنج اور صدمہ ہوا ہے۔" کیا ایلیٹ کی اس من گھڑت کہانی کے پیش کرنے سے اور بھی آپ کی خباثت طبع کی قلعی نہیں کھل گئی ہے۔"

مؤلف امروہوی کی پیش کردہ "افغانی"، "کنبوی" اور "کشمیری" خاندانوں کے متعلق بیت یا رباعی کی حیثیت

اِس بیان کے آخر میں "مؤلف امروہوی" نے ایلیٹ کی تاریخ سے لے کر یہ لکھا ہے کہ "مسلمان کنبوہوں کو" دوسری اقوام کے مسلمان "کشمیریوں" اور "افغانیوں" کے مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے" فارسی میں ضرب المثل ہے کہ:

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ اُنس کم گیری
یکے افغان دوم کنبوہ سوم بد ذات کشمیری

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ "اِس عبارت" اور "شعر سے" "نسبی بحث کو کیا تعلق ہے" اور اگر بقول ایلیٹ اور مؤلف امروہوی "یہ مسلمان کنبوہ" جن کے متعلق اِس عبارت" اور "شعر کا ذکر ہے" ہندو سے مسلمان ہوگئے تھے" تو ہندوؤں کا اُن سے خفا اور ناراض ہونا تو سمجھ میں آسکتا ہے "لیکن دوسری مسلمان اقوام کا بجائے خوش ہونے کے ہندو کمبوہوں کو نہیں بلکہ مسلمان کنبوہوں کو اچھی . . نظروں سے نہ دیکھنا" یعنی اُن سے اظہارِ بیزاری کرنا" کیا معنی رکھتا ہے" یہ چیستاں بھی ہم حل نہیں کرسکے"

اگرچہ اِس عبارت اور شعر کے پیش کرنے سے "مؤلف موصوف" نے اِس دُودمانِ عالی شان یعنی زبیری کینبوی خاندان کی تحقیر کی کوشش کی ہے" لیکن یہ ایسی مضحکہ خیز غلطی اُن سے ہوئی ہے جس نے اُن کی تحقیق اور دلی کاوش کی قلعی بخوبی کھول دی ہے"

ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ "حسد اور کینہ کا بانی "معلّم الملکوت شیطان الرجیم ہے" بارگاہِ خداوندی سے تمام فرشتوں کو حکم ہوا تھا کہ وہ "حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں" یعنی اُن کی برتری اور اقتدار کا اقرار کریں" سب نے تو حکم کی تعمیل کی" مگر شیطان کو حسد ہوا اور اُس نے حکم کی تعمیل نہیں کی" نافرمانی کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ کردیا گیا" تو اُس نے "حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی طرف سے اپنے دل میں قیامت تک کے لئے کینہ رکھ لیا ہے" اور اُسی دن سے برابر وہ "حضرت آدم علیہ السلام" کی اولاد میں سے جن جن پر قابو پاتا رہا۔ اُن سے "فریب" دھوکے "حسد" اور "کینہ توزی کے" مظاہرے کراتا رہا ہے" اور قیامت تک کراتا رہے گا" حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام کو دھوکا اور فریب دیکر اُس نے جنّت سے نکلوایا اور پھر "قابیل کو حسد دلاکر ہابیل کو قتل کرایا" غرضکہ ایسے لوگ جو شیطان کے اثر میں آئے ہیں اور بجا طور پر شیطان کی ذرّیات کہلائے جانے کے مستحق ہیں" ہر زمانے میں "طرح طرح سے حسد اور کینے کے" مظاہرے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور آج بھی ہر جگہ اور ہر مقام پر اُن کے مظاہرے دیکھے جاتے ہیں"

پُر باعی بھی "جس کے صرف ایک ہی شعر کو" مؤلف امروہوی نے یہاں "نسب" کی بحث میں پیش کرنا مناسب اور ضروری خیال کیا ہے۔ اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہے" اِسی قبیل کے لوگوں کی طرف سے ہے" اور اُن کے حسد نیز کینہ کے مظاہرے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی"

"ملّا عبدالقادر بدایونی نے "حسد اور جلن کی وجہ سے" بزرگانِ دین "امرا" اور "عمدہ داران شاہی پر" جن زہریلے تیروں کی بارش کی ہے" یعنی گندے اور رکیک فقرے اُن کے حق میں استعمال کئے ہیں" نیز اُن کی ہجو اور تاریخ ہائے وفات لکھکر اپنی خباثت و دنائت طبع کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اُن کو ہم نے "ملّا صاحب کی کتاب منتخب التواریخ سے لیکر "شیخ گدائی سے متعلق" باب ہشتم" میں لکھا ہے" یہاں اِسی قبیل کے چند نمونے اور پیش کرتے ہیں"

بعض اشعار و فقرات "جو حسد" "بغض" "خبث" یا "تعصبات سے" اشخاص حسد پیشہ و اہلِ ظرافت نے" اکثر اقوام کی نسبت کہے ہیں۔ اور خاص خاص اصحاب کی نسبت "جو" "ہجو" "عداوتاً" یا "ظرافتاً" لکھی گئی ہیں" وہ بیشمار ہیں" جن میں سے چند یہ ہیں"

(۱) بہر جا جمع می آیند ساداتؐ	فساداتؐ فساداتؐ فساداتؐ
(۲) شیطان بہ سر کوہ - زلنے را گائید	زن را گُھلے ماند - و ڈہو سر زائید
(۳) ز سگ افغان - ز زاغان غاں گرفتند	حریفاں نام شاں افغان گرفتند
(۴) مُغل را چُغل دان اگر عاقلی	چو ایمن نشینی از و غافلی
(۵) ہمہ نیک بودے گر افعال مسر	تبرّا نام گفتی نگفتی کہ مسر
(۶) چار قاف بمروّت باشد اسے والا تمیز	قاضیؔ و قصاب قیؔ و قصّاب و قانونگوئی نیز
(۷) یہ کم سوزاک پدرے دہ سر شہید	رحم مادرے پلٹ نکلا ہے میسر

(۸) "مغل چُغل" (۹) "کشمیری بے پیری" (۱۰) "تلیے میں شیخ۔ اور بیرے میں شیخ۔ کھڑکے ہی کھڑکے"

مؤلف امروہوی "اگر سیّد ہیں تو" اور "شیخ ہیں تو" "سادات کے متعلق شعر" اور "شیخ کے متعلق جو فقرہ ہے" اُس کے

متعلق اب کیا فرماتے ہیں۔" پھر یہ بھی ہے کہ "مؤلف موصوف نے اپنی کتاب تحقیق الانساب میں فخریہ طور سے لکھا ہے کہ "ان کے بزرگ قاضی بھی تھے۔" اِس موقع پر ذرا وہ یہ بات بھی ضرور دیکھ لیں کہ "قاضی کے متعلق" کسی نے کیا لکھ دیا ہے۔"

مندرجۂ ذیل اشعار کی طرف بھی ہم "مؤلف امروہوی کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔" انہیں ذرا غور سے پڑھیں۔" (حاشیہ: دراللہ نہیں۔ بخدا نہیں۔ بخدا یا نہیں۔ رفرمایا نہیں)

(۱) سیدِ ثولاک را دیدم بخواب — گفتم اے گنجِ کرم - کانِ سخا
سیدانِ ہند از آلِ تو اند — گفت لا - واللہ لا - واللہ لا

(۲) یوں کہا شیخ نے شیطان سے کہ آ ہم سے مل — واسطہ رکھ نہ تو شوؔ دائے خرابانی سے
کہا اُس نے۔ کہ ہے میری تو سعادت اُس میں — خوف ہے لیک مجھے آپ کی بدذاتی سے (یعنی بے ہدایت)

(۳) ہر دو قوم اندر در جہان بے پیر — سُنّی بلخ "و شیعہ کشمیر (یہ بے پیر)

مضامین فرحت حصہ ششم مطبوعہ عہد آفرین برقی پریس حیدر آباد دکن ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء کے صفحہ ۱۸۷ پر "مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ "یہ وہ زمانہ تھا کہ "غیر مقلدین کا" دلّی "میں زور تھا" اِدھر حضرت سید احمد شہید نے ۱۲۴۶ھ ہجری میں "سکھوں کے خلاف جہاد پر کمر باندھے ہوئے" اور اُن کے خلیفہ حضرت شاہ اسمٰعیل (فاروقی شہید در ۱۸۳۱ء) (جن کی ولادت ۱۱۹۶ھ ہجری مطابق ۱۷۸۱ء میں ہوئی تھی) نے دلّی میں مقلدین کے لباس۔ طرز و روش" اور خیالات پر حملے شروع کئے" کچھ لوگ اِدھر ہو گئے" کچھ لوگ اُدھر" حکیم مومن خاں مومن" (دہلوی) نے جہاد کی تاریخ کہی

وہ شاہِ مملکتِ ایمان کہ جس کا سالِ خروج
امام برحق - مہدی نشان - علی فرہے

اِن مجاہدین نے پشاور فتح کر لیا" پنجاب کی طرف بڑھے" سکھوں نے ان کے" سرحدیوں کو توڑ لیا" سید صاحب کو شکست ہوئی اور وہیں شہید ہوئے" مخالفین تو موجود ہی تھے" انہوں نے تاریخیں کہیں" مذاق اڑایا" چنانچہ "شاہ نصیر" دہلوی کا قطعہ ہے"

کلام اللہ کی صورت ہوا دل اُن کا سیپارہ — نہ یاد آئی حدیث اُن کو نہ کوئی نص قرآنی
ہرن کی طرح میدانِ وغا میں چوکڑی بھولے — اگرچہ تھے دُمِ شملہ سے وہ شیرِ نیستانی

"عبدالرحمٰن خاں احسان" بڑھے ہو چکے تھے۔ انہوں نے جہاد یا شکست پر تو کچھ نہیں لکھا۔ ہاں اُن کو مجاہدین کی ظاہر پرستی بُری معلوم ہوئی" اسی پر ایک چھوٹا سا حملہ کر دیا ہے

واعظا میرا تکفّر بہ تعصّب مت کر — کہ تشہد کا بدل کرتا ہوں اقرار مدام
نخوت و جبّہ عمامہ سے ہے کیا کام مجھے — مجھے اِن کاروں سے البتہ ہے اِنکار مدام

مخالفت کی انتہا تو اِس شعر میں کر دی ہے کہ "شاہ محمد اسمٰعیل" "نماز پر بہت زور دیتے تھے" مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر مسجد میں لے جاتے" کسی کی لبیں بڑھی ہوئی ہوتیں تو زبردستی کتر یا زار قینچی سے کتر دیتے۔ پاجامہ ٹخنے سے نیچا ہوا تو وہیں پھاڑ کر برابر کر دیا" ایسی حرکتوں پر "احسان نے" جل کر کہا ہے"

ہمیں تو رو رو کے اِس شخص تلک ہے ضرور — نماز پڑھتے ہیں جب ہم کہ ہے نماز ہو ختم

ذرا اِس قطعہ کو سنیئے "غیر مقلدوں کو کیسی کھری کھری سنائی ہے" اور حکیم مومن خاں مومن پر "کیسا ہاتھ صاف کیا ہے" ہے

جو اہلِ سنّت پر آوازے کسے ناکس — شاگرد ہے شیطان کا۔ ابلیس مقرّر ہے
مردود ہے۔ ملعون ہے۔ مطرودِ خلائق ہے — مسلم نہیں، مشرک ہے" مومن نہیں۔ کافر ہے

گلزارِ ابراہیم کے مقدمہ میں صفحہ ۲۱ پر "مولوی عبدالحق صاحب نے لکھا ہے کہ "حسن اتفاق سے "تذکرہ" میں مرزا علی متخلص بہ لطف نے ایک مثنوی کا وہ حصہ جس میں "فیض آباد" کی تعریف" اور "لکھنؤ" کی ہجو کی ہے" میر حسن (دہلوی) کے حالات میں نقل کر دیا ہے" ناظرین کو "لکھنؤ کی" ہجو میں "یہ شعر دیکھ کر بہت تعجب ہوگا"

زمیں کو فخر ہے یہ شہر ہم عادؔ ہے — اگر شیعہ کہے بیشک اِس کو بدؔ ہے

اِس مثنوی کا نام "گلزارِ ارم" تھا"

تاریخ ہندوستان جلد ششم مؤلفہ شمس العلماء دخان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب" کے صفحہ ۱۲۵ پر ہے کہ "ایک شخص نے کشمیر کی تعریف میں ہجو ملیح کی ہے ؎

کسانیکہ آفاق گردیدہ اند — بسے سال و مہ در سفر بودہ اند
بہ تعریف کشمیر و کشمیریان — بہشتے پُر از دوزخی دیدہ اند

کوئی ایک صاحب یہ قطعہ لکھکر اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں کہ ؎

مرزا صاحب کی میرزائی غایب — سیّد صاحب کی پارسائی غایب
شیخوں نے جو جھک کے دیکھا افسر — سنّت جو تھی بچی بچائی غایب

"تاریخ الامّت" جلد چہارم میں "محمد اسلم" صاحب جیراج پوری نے لکھا ہے کہ "طاہر ذوالمنن" کو شکست دینے کے بعد "نصر" کی جوت "حلب" کے شمال میں "مقام کیسوم" کا حاکم تھا۔ بہت شوکت بڑھ گئی" اس نے جزیرے میں "حرّان" کا محاصرہ کیا" وہاں "علویہ" (حضرت علی رضی اللہ عنہا کی غیر فاطمی اولاد) کی ایک جماعت اُس کے شامل ہو گئی" اور اُس سے کہا کہ "کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُس کو خلیفہ بنالیں تو ہماری جماعت و طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ نصر نے پوچھا "کس کے ہاتھ پر" ان لوگوں نے کہا کسی "علوی کے" نصر بولا "سبحان اللہ" اگر آج علویوں میں سے کسی کا ہاتھ تھام لوں" تو کل ہی وہ کہنے لگے گا۔ کہ میں تیرا خالق" اور رزاق ہوں" سب علویوں کے متعلق جو نصر نے اپنی رائے کا اظہار کیا" اُس کی غلطی ظاہر ہے"

مزید براں "ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ دوم" اور "محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ" کی وہ خط و کتابت ہے "جسے خود مؤلف امروہوی نے" اپنی کتاب تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحہ ۱۵ تا ۱۹ پر تحریر کیا ہے "جس میں اپنے حقوق کے اثبات کے لئے ایک نے دوسرے پر اپنا تفاخر جتایا ہے" ادھر منصور کو "لونڈی بچہ" لکھا گیا ہے" کیونکہ وہ ایک بربری لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ ادھر منصور نے اور باتوں کے علاوہ یہ احسان جتایا ہے کہ "اگر حضرت عباسؓ" اپنے بھائی "حضرت ابو طالب" اور اُن کے اہل و عیال کی دستگیری نہ کرتے اور کھانے کپڑے سے اُن کی مدد نہ کرتے تو وہ "عتبہ و شیبہ" کی نکیں چاٹتے" غرضکہ جب مخالفت ہو کر حسد اور بُغض اُس کی جگہ لے لیتا ہے تو اسی طرح کی حرکتیں اکثر اشخاص کرنے لگتے ہیں" جن کے زبان سے نکالنے کی "تہذیب و شرافت ہرگز اجازت نہیں دیتی"

اسی موجودہ زمانے میں کئی سال قبل "رنجش اور مخالفت کی وجہ سے" ایک سیّد صاحب نے یہ قطعہ لکھکر مشہور کیا تھا کہ ؎

ضیاء الدین و عبداللہ یا ہوں آفتاب احمد — نہ ہوگا قوم کو حاصل۔ جُز ان سے رنج و دلگیری
کسی نے سچ کہا ہے یہ۔ کہ "بدذاتی میں کامل ہیں — یکم افغان" دوم کنبوہ" سوم بدذات کشمیری

(۱) لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد زبیری کنبوہ "پی۔ ایچ۔ ڈی" ڈی۔ ایس۔ سی" سی۔ آئی۔ ای" وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ" و ممبر کونسل وائسرائے ہند" و سابق سیکرٹری مسلم لیگ۔ پارٹی در مجلس مقننہ ہندوستان" جن کی قومی و ملّی خدمات ایسی اظہر من الشمس ہیں" "جن کا اعتراف" مؤلف امروہوی کو بھی ہے" چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب "تحقیق الانساب امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۳۳۲ پہ لکھا ہے کہ "ہندوستان کے بعض نامور "علماء" و مشائخ" و امراء" و اطباء" و شعراء" اِس نامور قوم میں پیدا ہوئے" زمانہ حال میں "نواب وقار الملک مرحوم" اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمدؔ جیسی بلند پایہ ہستیوں سے "اِس دُودمان عالی شان" کا نام روشن ہے"

(۲) شیخ عبداللہ کشمیری "بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ" اور بانی و منتظم مسلم گرلز کالج علیگڈھ"

(۳) صاحبزادے آفتاب احمد خاں پٹھان یا افغانی" بیرسٹر ایٹ لا" سابق سیکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس"

وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔ وممبر انڈیا ہاؤس لندن۔ ان تینوں بزرگوں کی خدمات قومی وملی۔ کیونکہ سب کے سامنے ہیں۔ اِس لئے ہمیں آن پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ خود تو وہ کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اور یا اُن کو قوم کے لئے ایثار و قربانی کرنے نیز محنت ومشقت اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مگر جب دوسروں کی خدمتوں اور ایثار کی وجہ سے ہر دلعزیزی دیکھتے ہیں تو سوختہ ہوجاتے ہیں اور اس شعر کے مصداق بنکر کہ ؎

نیشِ عقرب نداز پئے کین است — مقتضائے طبیعتش این ست

اِس قسم کی حرکات مذبوحی کرنے لگتے ہیں۔ جیسی کہ اِس قطعہ سے ظاہر ہے۔ ابھی چندہی دن کی بات ہے کہ قائد اعظم مسٹر جناح کے متعلق اس قبیل کے لوگوں نے کیا کچھ نہیں کہا تھا۔ اور کہنا تو درکنار رہا مہاتما گاندھی جی جیسی شخصیت کو جنہوں نے پریم کے بیج بوئے اور ملک وقوم کو انگریزوں کی حکومت سے آزاد کرایا صرف رائے کے اختلاف کی وجہ سے ان ہی کے ایک ہمقوم نے گولی کا نشانہ بناکر ملک کو اُن کی جدائی کا داغ دیکر سوگوار بنا دیا۔

ظالموں اور نمک حراموں کی حرکتوں سے قطع نظر کرکے اُن کی بیجا طرفداری میں لوگوں نے جیسے گل کھلائے ہیں۔ اور اپنے جوش سے مدہوش ہوکر صداقت سے اپنا منہ موڑکر جس طرح کی بکواسیں انہوں نے کی ہیں۔ اُن کی ایک مثال ماٰثر الامراء جلد اوّل طبع کلکتہ میں اِس طرح مذکور ہے کہ۔

نہم ربیع الآخر ۱۱۳۱ھ ہجری پادشاہ را مقید نمود۔ فرخ سیر را بعد سلطنت شش سال وچہار ماہ از سلطنت خلع نمودہ۔ بالائے ترپولیہ قلعہ ارک۔ کہ جائے تنگ وتاریک است۔ مکحول نمودہ بعد تعذیب تمام نگہ داشتند۔ گویند نور بصرش زایل نشدہ بود۔ از ثقہ عمدہ کہ مقرب سادات بود۔ مسموع شدہ کہ چوں قرار یافت کہ میل بہ چشم اُو باید کشید۔ قطب الملک (سید عبداللہ خاں بارہہ) بے آنکہ بہ کسے ظاہر نماید۔ سرمہ دانی استعمال خود را۔ بہ میر دیوان بہ نجم الدین علی خاں۔ داد۔ کہ حکم بادشاہ است۔ (محمد شاہ کا کہ وہ بھی سیدوں کے ہاتھوں بے بس تھا۔) رفتہ میل بہ چشم۔ فرخ سیر۔ کشند۔ دریں وقت۔ فرخ سیر۔ جزع بسیار کرد۔ و بجائے رسانید کہ ناچار بزیر کشیدند۔ پس از آنکہ دید۔ در بصارت نقصانے نشدہ۔ در اخفائے آں میکوشید۔ و ہرگاہ چیزے مخیّر است می گفت۔ بریں بصیر ترحم نمایند۔ قطب الملک وامیر الامرا تبسم کردہ میگفتند کہ بخیال اُو گویا مطلع نیستیم۔ بہر تقدیر از سادہ لوحی بہ مستحفظان بوعدہ مناصب عمدہ مشورت برآوردن خود میکرد۔ کہ نزد راجہ جے سنگھ سوائی۔ رسانید۔ چوں ایں خبر۔ بہ صاحب مداران خلافت رسید۔ بہ اقتضائے صلاح ملکی دوبار مسموم نمودند۔ از سختی جانی کارگر نیفتاد۔ آخر بہ تسمہ کشی کہ بدعت متحدثہ اُو بودہ۔ دیگرا سے فنا ساختند۔ روزے کہ تابوتش۔ بہ مقبرۂ ہمایوں پادشاہ۔ مے بردند۔ طرفہ بلوائے عام واقع شد۔ دو سہ ہزار مرد وزن شہر۔ خصوصی بچہ۔ و فقیر بازاری۔ جمع گشتہ گریہ کناں ہمراہ میرفتند۔ و سنگ ہا۔ بمردم سادات۔ زدہ۔ نفرین میکردند۔

۹ ربیع الآخر ۱۱۳۱ھ ہجری کو بادشاہ کو مقید کردیا۔ فرخ سیر کو چھ سال وچار مہینوں کی سلطنت کے بعد سلطنت سے بیدخل کرکے ترپولیہ قلعہ ارک کے اوپر جو تنگ وتاریک جگہ ہے۔ آنکھیں پھوڑکر اور بہت تکلیفیں دینے کے بعد زیر نگرانی رکھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کی آنکھوں کی روشنی زایل نہ ہوئی تھی۔ ثقہ لوگوں سے جو سادات کے مقرب تھے معلوم ہوا ہے کہ جب یہ قرار پایا کہ اُس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دینی چاہئے تو قطب الملک (سید عبداللہ خاں بارہہ) نے بلا خیال اس کے کہ کسی پر ظاہر ہو اپنے استعمال کی سرمہ دانی میر دیوان نجم الدین علی خاں کو دی۔ کہ حکم بادشاہ (محمد شاہ کا کہ وہ بھی سیدوں کے ہاتھوں میں بے بس تھا) ہے۔ جاکر سلائی فرخ سیر کی آنکھوں میں پھیر دیں۔ اِس وقت فرخ سیر نے بہت گریہ وزاری کی نوبت یہ پہنچی کہ اُسے زبردستی نیچے گرادیا۔ اس کے بعد جو بادشاہ نے دیکھا تو آنکھوں کی روشنی میں کچھ نقصان نہیں ہوا تھا۔ اُس نے اس بات کو چھپانے کی کوشش کی۔ جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی تو کہتا کہ اِس اندھے پر رحم کرو۔ قطب الملک اور امیر الامراء مسکرا کر کہتے کہ اُس کے خیال میں گویا ہمیں معلوم ہی نہیں ہے۔ بہر تقدیر بادشاہ نے اپنی سادہ لوحی سے اپنے محافظوں کو بڑے عہدے دینے کے وعدے دیکر اُن سے اس امر کی خواہش کی کہ اُسے راجہ جے سنگھ سوائی کے پاس پہنچا دیں۔ جب یہ خبر صاحب مداران سلطنت کو پہنچی۔ تو مصلحت ملکی کے اقتضا سے دو بار بادشاہ کو زہر دیا۔ مگر سخت جانی کی وجہ سے اس پر زہر کا اثر نہیں ہوا۔ آخرکار اُسے تسمہ کے ذریعہ پھانسی دیکر مار ڈالا۔ جس دن اُس کا تابوت ہمایوں کے مقبرہ میں لیگئے چاروں طرف عام بلوا ہوگیا۔ شہر کے دو تین ہزار عورت مرد۔ خصوصاً بچے اور بازاری فقیر

وتا سہ روز بر قبرش مجتمع گشتہ موعود خوانی نمودند "سبحان اللہ مردم دریں مقدمہ حیدری و نعمت اللٰہی شدہ اند" یکے میگوید"

(رباعی)

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند صدجور و جفا از راہِ خامی کردند
تاریخ چو از خود بہ جستم فرمود سادات و بے نمک حرامی کردند
(صـ ۳۴۲ تا ۳۴۴)

جمع ہوکر روتے پیٹتے ہمراہ گئے" اور سادات پر پتھروں کی بارش کرتے۔ اور اُن پر نفرین کرتے تھے اور تین دن تک اُس کی قبر پر جمع ہوکر موعود پڑھتے رہے" سبحان اللہ لوگ اِس مقدمہ میں حیدری اور نعمت اللٰہی ہوگئے"

ایک نے رباعی کہی ہے

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند صدجور و جفا از راہِ خامی کردند
تاریخ چو از خود بہ جستم فرمود سادات و بے نمک حرامی کردند

سادات کے جور و ظلم اور نمک حرامی کا حال معلوم ہوچکا۔ اب ہم اس کے مقابلہ میں "ماثر الامراء جلد اوّل کے صـ ۳۳۵ و ۳۳۶ پر "امیر الامراء سید حسین علی خاں برادر قطب الملک سید عبداللہ خاں کا جو حال درج ہے اُس کا ایک ٹکڑا پیش کرتے ہیں" جس میں بجائے ظالم کے" ان سیدوں کو مظلوم ظاہر کرکے" سید حسین علی خاں کے قاتل کو کہ وہ بھی ایک "مسیل ہی تھے" تیلی" بنادیا گیا ہے"

میر حیدر کہ روشناس و راہِ حرکت داشت۔ احوال خود نوشتہ بدست "امیر الامراء" (سید حسین علی خاں) داد۔۔

میر حیدر نے جو روشناس اور گفتگو کرنے والوں میں تھا۔ اپنا احوال لکھکر "امیر الامراء (سید حسین علی خاں) کو دیا۔۔۔

چوں دید کہ او مشغول خواندن است "آں چناں بہ چستی و چالاکی خنجر آبدار بہ پہلوئے آں بہادر نامدار رسانید" کارش با تمام رسانید میر عبدالجلیل حسینی واسطی بلگرامی مرثیہ نوشتہ است"

جب دیکھا کہ وہ پڑھنے میں مشغول ہے تو اس قدر چستی اور چالاکی سے خنجر آبدار اُس بہادر نامدار کے پہلو میں مارا کہ وہ فوراً مرگیا" میر عبدالجلیل حسینی واسطی بلگرامی نے مرثیہ لکھا ہے

آثار کربلا ست عیاں از جبینِ ہند
شد ماتم حسین علی تازہ در جہاں

زد جوش خونِ آلِ نبی از زمینِ ہند
سادات گشتہ اند مصیبت نشینِ ہند

اے دوستان آل و محبّان اہلِ بیت غمگین شوید بہر حسین حزین ہند تا حق اہلِ بیت رسالت ادا شود" برزعم ایں جماعت منصوبہ بین ہند" سال شہادتش قلم واسطی نوشت ع

اے دوستان آل اور محبّانِ اہل بیت غمگین ہوجاؤ حسین حزین ہند کے واسطے" تاکہ حق اہل بیت رسالت کا ادا ہو" اس گروہ منصوبہ بین ہند کے زعم پر اُس کی شہادت کا سال واسطی کے قلم نے لکھا ہے ع

"قتل حسین کرد" یزید لعین ہند"
۱۱۳۲

سید خواجہ لطف علی مودودی افغانی کا بیان "بیت متذکرہ کے متعلق"

حاسدین و مخالفین کے اِس قسم کے تبرّوں یا ہزلیات کی جنہیں ہم نے ابھی دکھایا ہے تعداد بیشمار ہے" مگر یہاں اِن چند کو بطور مثال دکھانے پر اکتفا کرکے۔ اب ہم اس قطعہ پر جس کا ایک شعر "نسبی بحث میں "مؤلف امروہوی" نے پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے" سید خواجہ لطف علی صاحب مودودی افغانی" کا بیان" اُن کی مؤلفہ کتاب "ارمغان ہند" مطبوعہ تاپیک احاطہ بمبئی ۱۳۱۱ ہجری" سے لیکر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں کہ انہوں نے

(نوٹ ۵۱) سادات بارہہ کے متعلق جو وصیت شہنشاہ عالمگیر نے شاہزادہ عالی جاہ محمد معظم بہادر شاہ کو تحریر کی تھی وہ یہ ہے کہ۔

لیکن با سادات بارہہ کمال احتیاط باید نمود" در محبت ظاہر و باطنی قصور نباید کرد۔ و حسب ظاہر مرتبہ ایشاں را نباید افزود کہ شریک غالب بلکہ شریک ظالم" بلکہ اندک سستے استر خائے عناں شود ندامت فائدہ ندارد" ع در یغ سود ندارد چو رفت کار از دست"

لیکن سادات بارہہ کے ساتھ نہایت احتیاط رکھنی چاہیئے اور ظاہری باطنی محبت میں کمی کرنی چاہیئے" البتہ اُن کا ظاہری مرتبہ نہ بڑھانا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ شریک غالب بلکہ شریک ظالم بنتے ہیں" اور اگر ان کی باگ ذرا بھی ڈھیلی کردی تو پھر پشیمانی سے کچھ فائدہ نہ ہوگا"

(۵۲) سادات بارہہ کا نسب اوپر جاکر ابوالفرح واسطی زیدی سے ملتاہے جو سید محمد صغریٰ بلگرامی کے بھی مورث تھے" ضلع ہردوئی کے کثیر النسل ہیں۔ نیز بلگرام اور شاہ آباد میں زیدی زیادہ ہیں" زیدی سادات اضلاع مظفر نگر و میرٹھ و بجنور میں زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں" ضلع ہردوئی میں سوا اور بریگنہ جات بلگرام و بلگرام میں ان کے پاس زمینداری بھی بہت ہے" (حیات میر جلیل حصہ دوم صـ ۱۱۶ تا ۱۱۹ مؤلفہ مقبول احمد صمدانی مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۹ء)

بھی اس قطعہ کی حیثیت اور اس کے لکھنے والے کی ذہانت و خباثت طبع کی خوب طرح حقیقت کھل گئی ہے۔

سید خواجہ لطف علی صاحب مودودی افغانی نے ارمغان ہند کے صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۴ میں افغانیوں کے فضائل پر استہزا کا جواب یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

از شیوۂ مردم ہندوستان است کہ بر سادہ طبعی مردم ملک ما خندیدہ و تمام مردم ایں ملک را مانند سواتی و بونیری و آفریدی و مردم باجوڑ و مردم خلیجی و مردم دیگر اکناف کوہستان کہ در ہندوستان بعضے برائے میوہ فروشی و برخے برائے انگوزہ فروشی (ہینگ فروشی) و بعضی برائے فروختن عرق چین و طاقی (کلاہ از لغات ترکی) و برک (چوغہ پشم کہ افراد کابل سازند) و کورک و شتری (ہر دو اقسام پشم اند) مے روند پندا شند و نمی دانند کہ در ہر ملک و تمام مردم یکساں نمی باشند چہ در ہر ملک مردم وضیع و شریف و ادنی و اعلی و غنی و فقیر و شہری و روستائی و عاقل و جاہل مے باشند بے سوا کلیہ قضیہ کلیہ ترتیب کردہ کل ولائتی را کہ در ہندوستان عام مردم ایران و کابل و قندہار و ہرات را ولائتی میگویند وحشی گفتن و مردم اعالی را چوں مردم ادانی و مردم شہری را چوں مردم کوہی و روستائی و خواص را چوں مردم عوام در پوشش و خورش و عقل و فہم دانستن از کم عقلی و کند فہمی است۔

یا رب نعوذ باللہ ایں عقل روستائی چہ مردم ابلیات و مردم کوہی ہر ملک سادہ لوح مے باشند و خورش غیر مکلفانہ خورند بینی کہ مردم دیہات ہندوستان از مردم جبال کابل و قندہار در عقل و فراست و خورش و پوشش ہیچ فوقیتے نہ دارند و مردم شہری از کابل و غزنی و قندہار و ہرات و غور و بدخشاں و مردم ترکستان از تاتار و باختر و بخارا و سمرقند و تاشقند و مردم ایران از طوس و ہمدان و کرمان و شیراز و اصفہان و نیشاپور و دیگر بلاد خراسان و ایران در علم و فضل و ہنر و انسانیت استاد ادب آموز مردم ہند اند کہ حصول جمیع فضائل و تہذیب و خصائل و آئین نشستن و برخاستن و طرز اختلاط و طریق پختن اطعمہ و صفائی لباس و حسن معاش از مردم ایں جا بود و علم ہند منتشر گشتہ زیرا کہ پادشاہان ہندوستان از اہل اسلام بغیر از خاندان تغلق ہمہ از ملک افغانستان و خراسان و ترکستان بودند مثل شہاب الدین غوری کہ در سنہ ۶۰۲ ہجری در ہند آمدہ [illegible] سلطنت

ہندوستان کے لوگوں کی عادت ہے کہ میرے ملک کے لوگوں کی سادہ مزاجی کا وہ مذاق اڑاتے ہیں اور اس ملک کے تمام لوگوں کو سواتی، بونیری اور آفریدی اور باجوڑ اور خلیجی اور دوسرے پہاڑی لوگوں کی طرح۔ جو ہندوستان میں بعضے میوہ بیچنے کے واسطے اور بعضے ہینگ بیچنے کے واسطے اور عرق چین بیچنے کے واسطے اور ٹوپیوں اور پشم کے چوغے اور دیگر اقسام پشم بیچنے کو جاتے ہیں جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ہر ملک میں تمام لوگ یکساں نہیں ہوتے ہیں ہر ملک میں وضیع و شریف اور ادنیٰ اور اعلیٰ اور امیر و غریب اور شہری و گنوار اور عاقل و جاہل ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں انہوں نے قاعدہ کلیہ قرار دے لیا ہے کہ سارے ولائتیوں کو جو ہندوستان میں ایران اور کابل اور قندھار اور ہرات سے آتے ہیں ولائتی کہتے، وحشی سمجھتے ہیں اور عالی مرتبہ لوگوں کو مثل ادنیٰ لوگوں کے اور شہریوں کو پہاڑی اور دہقانی لوگوں کی طرح اور خواص کو مثل عوام کے اور اُن کی عقل و فہم کو برابر جاننا کم عقلی اور نا سمجھی کی دلیل ہے۔

اے خدا نعوذ باللہ ایں گنواری عقل پر۔ پہاڑی اور ابلیات کے لوگ ہر ملک کے سادہ لوح ہوتے اور غیر مکلف کھانے کھاتے ہیں دیکھو کہ ہندوستان کے گاؤں کے لوگ کابل اور قندھار کے لوگوں پر عقل فراست اور کھانے پہننے میں کوئی برتری نہیں رکھتے اور کابل و غزنی اور قندھار و ہرات اور غور و بدخشان اور ترکستان کے شہری لوگ تاتار و باختر میں بخارا و سمرقند و تاشقند کے اور ایران میں طوس و ہمدان و کرمان و شیراز و اصفہان و نیشاپور اور دیگر بلاد خراسان و ایران کے شہری علم و ہنر اور فضل و انسانیت میں استاد ادب سکھانے والے ہندوستان کے لوگوں کے ہیں سارے فضائل تہذیب اور خصائل اور قواعد تعظیم تکریم اور اٹھنے بیٹھنے کے اور طریقہ کھانے پکانے کا اور صفائی لباس اور حسن معاش یہاں کے لوگوں سے ہی انہیں حاصل ہوا ہے اور اُن کا علم ہند میں پھیلا ہے اس لئے کہ بادشاہان ہندوستان از اہل اسلام بغیر خاندان تغلق کے سب ملک افغانستان، خراسان اور ترکستان سے ہوئے ہیں مثل شہاب الدین [illegible]

ہندوستان نشستہ" بنائے سلطنت اسلامیہ" درکفرستانِ ہند" انداخت"
سپس غلامش قطب الدین ایبک" و بختیار خلجی" و شمس الدین
التمش" و رضیہ بیگم دخترش" و نصیر الدین محمود پسرش" و غیاث الدین
بلبن داما دش" و جلال خلجی" و علاؤ الدین خلجی" و پسرش قطب الدین
مبارک" و غلامش دولت خاں افغان" و سیّد خضر خاں" و پسرش
سیّد مبارک شاہ" و بہلول خاں لودی" و پسرش سکندر خاں لودی"
و ابراہیم خاں لودی" تاکہ امیر ظہیر الدین بابر کابلی" کہ از اولاد امیر تیمور
چغتائی تاتاری بود" بر ہند مسلّط شدہ سلطنت ہند" بر اولادت مقرر
گشت" مثل ہمایوں بادشاہ" و اکبر بادشاہ" و جہانگیر" و شاہجہاںؒ
و اورنگ زیب معروف بہ عالمگیر" تا ابو الظفر بہادر شاہ غازی"

چوں مرزبانانِ و فرمانروایان جمیع اکناف و قطعات ہند"
چہ لکھنؤ" وچہ بہار" وچہ بنگالہ" وچہ دکن" وچہ گجرات" وچہ میسور"
وچہ مدراس" وچہ ملیبار" تابع الامر و منقاد بادشاہانِ دہلی بودند
و در بارگاہ سلاطین دہلی۔ آمد و رفت داشتند"
آئین اختلاط" و حسنِ اخلاق" و حسن کلام" طرزِ معاشرت" و
آئینِ معاش" ملوکِ اسلام" و امرایانِ سلطنت" و حاشیہ نشینانِ
بساطِ شاہی" دیدہ" و طریقہ صحبت شان پسندید" قول و فعل"
شرف اندوز آں بساطِ سلطنت را دستور العمل گردانیدہ" و از
ذکاوت و جودتِ طبع" قوانین نو" و آئین جدید ایشان افزودہ۔ در
ہر زمان۔ و احیان در آں اختراع" و ابداع تازہ۔ بکار بردند"
تاکہ مردم ہمہ اکناف ہند" از مرزبانان" و فرمانروایان ملک خویش"
ہمہ طریق اختلاط" و تہذیب" و ضوابط و خصائل و فضائل" و
قواعد نشستن و برخاستن" راکہ آنہا۔ از شاہانِ دہلی" استنباط
کردہ بودند اختیار کردند"
تاکہ تمام عادات و اوضاع و شمایل و خصایل و فضایل" و طریق
حسنِ معاش" مردم خراسان و ترکستان" در ہمہ آفاق و اکناف" و
اطرافِ ہند" شائع و منتشر گشت" چنانچہ ایدون عادات و شمایل"
و طریق اختلاط" و وضع سلام و کلام" و لباس" و تقریر و تحریر انگریزی"
و آئین معاشرت انگریزان" در مردم ہند" و رؤسائے ہند۔ و از آنہا۔
در مردم ریاستہائے ہند" منتشر گشتہ" و ہنوز یوماً فیوماً۔ در ترقی"

پر رکھکر بناء سلطنت اسلامیہ کی کفرستانِ ہند میں ڈالی"
بعد ازاں اُن کے غلام" قطب الدین ایبک" اور بختیار خلجی" اور
شمس الدین التمش" اور اُن کی بیٹی رضیہ بیگم" اور اُن کا لڑکا نصیر الدین
محمود" اور غیاث الدین بلبن اُن کا داماد" اور جلال خلجی اور علاؤ الدین
خلجی اور اُس کا لڑکا قطب الدین مبارک" اور غلام اُس کا دولت خاں
افغان" اور سیّد خضر خاں" اور اُس کا لڑکا سیّد مبارک شاہ" اور
بہلول خاں لودی اور اُس کا لڑکا سکندر خاں لودی" اور ابراہیم خاں
لودی امیر ظہیر الدین بابر کابلی تک جو امیر تیمور چغتائی تاتاری کی اولاد
سے تھا" ہند پر مسلّط ہوا سلطنت ہند اُس کی اولاد پر مقرر ہوئی" مثل
ہمایوں بادشاہ اور اکبر بادشاہ اور جہانگیر اور شاہجہاں اور اورنگ زیب
المعروف بہ عالمگیر" ابو المظفر بہادر شاہ غازی تک"
کیونکہ حاکم و فرمانروا تمام اکناف و قطعات ہندوستان کے کیا
لکھنؤ" کیا بہار" کیا بنگالہ" کیا دکن" کیا گجرات" کیا میسور" کیا مدراس"
اور کیا ملیبار" بادشاہانِ دہلی کے حکموں کے تابع ہوئے ہیں اور وہ آمد و رفت
شہنشاہانِ دہلی کے درباروں میں رکھتے تھے"
اُنہوں نے ملنے جلنے کے طریقوں" اور حسنِ اخلاق" اور حسنِ کلام"
اور طرزِ معاشرت" اور آئینِ معاش" ملوک اسلام اور اُمرائے سلطنت"
اور حاشیہ نشینانِ بساط شاہی" کو دیکھکر اور اُن کے طریقہ صحبت کو پسند
کرکے" قول و فعل اُن بساطِ سلطنت سے شرف اندوز ہوکر اپنا دستور العمل
بنایا" اور اپنی ذکاوت اور جودت طبع سے نئے نئے قوانین و آئین اُن میں
بڑھا کر اور ہر زمانہ میں نئی نئی ایجادیں کرکے کام میں لاتے رہے" یہاں
تک کہ سارے ہندوستان کے لوگوں نے اپنے ملک کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں
کے سارے طریقے اختلاط و تہذیب کے اور قاعدے تعظیم و
تکریم کے اور ضابطے۔ خصائل و فضائل کے جو انہوں نے شاہانِ دہلی
سے سیکھے تھے اختیار کر لیئے"
یہاں تک کہ تمام عادات و اوضاع و شمایل و خصایل و فضایل اور
طریقے حسنِ معاش خراسان و ترکستان کے لوگوں کے تمام اکناف و اطراف
ہندوستان میں شائع ہوگئے اور پھیل گئے" جس طرح اِس زمانہ میں"
عادات و شمایل اور طریقے اختلاط اور وضع سلام و کلام اور لباس و تقریر
و تحریر انگریزی اور آئین معاشرت انگریزی" ہندوستان کے لوگوں میں
اور ہندوستان کے رئیسوں میں اور ہندوستان کی ریاستوں کے لوگوں

وترا پیداست ۔ تا آنکہ مدت تسلط حکام فرنگ ۔ بر تمامی اکناف و آفاق
ہندوستان ۔ از شصت سال یا ہفتاد سال است ۔

چہ دلیل بیّن است کہ کلام قدیم مردم ہند ۔ بنگالی و سنسکرت ۔ و
کنتری و اُردی ۔ و تلنگی و گجراتی ۔ و مرہٹی و شاستری ۔ و پنجابی و کشمیری
و سندھی ۔ و دیگر زبان ہا بود ۔ مذہب شان بُت پرستی ۔

و طریق معاش شان دہقانی ۔ این قدر علم و فضل و ہنر و
انسانیت ۔ و اسلام ۔ از کہ آموختند ۔ و از کجا لیاقت علمی ۔ و استعداد
فارسی ۔ و علوم عربی ۔ از کجا اندوختند ۔ بجز آن کہ اقرار کنند کہ از مردم خراسان
و ترکستان و ایران ۔ چارہ دیگر نیست ۔ چہ تمام علماء و فضلاء و صلحاء و
اولیاء و اہل ہنر و ذوی فضل ۔ کہ در ہند رفتہ اند ۔ یا آنکہ پادشاہان
خراسان و ترکستان ۔ در ہندوستان رفتہ اند ۔ با حین حکومت و
تسلط آنہا ۔ و یا اولاد آنہا ۔ وارد ہند گردیدہ ۔ و متوقف آنجا گشتہ ۔
انتشار علم و فضل و عرفان ۔ و ہنر فرمودہ اند ۔

و ہیچ یکے از صحابہ رض حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام
و تابعین ۔ و تبع تابعین ۔ در ہند رفتہ ساکن نشدہ ۔ اگرچہ نخست ۔
ابو العاص عامل یمن ۔ در عہد امیر المومنین حضرت عمر رض ۔
در ۱۵ھ ہجری بنواح بمبئی ۔ قریب مقام تھانہ ۔ پس تر امیر مہلب ۔
بر ملتان ۔ پس تر محمد بن قاسم برادر زادہ حجاج ۔ در عہد خلافت ولید ۔
بر ملک سندھ ۔

و حجۃ الراسخین امام المحققین سلطان الکاملین ہند الولی خواجہ
معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری ۔ کہ جمیع اولیائے ہند ۔ از ان
ذات شریفش فیضیاب اند ۔ اگرچہ پیشتر از تسلط شاہان خراسان ترکستان
رفتہ ۔ در ہندوستان اقامت فرمودہ ۔ اکناف ہند را ۔ بہ انوار برکات منور
ساختہ ہم از ملک سیستان ۔ کہ از توابعات ایران است بودند ۔ [illegible]
علم و فضل ۔ و ہنر و لیاقت ۔ و مردمیت و عرفان ۔ برائے اہالی ہند [illegible] مردم
خراسان و ترکستان و ایران اند ۔

الحمد للہ و المنۃ کہ امروز ہمان ضوابط تہذیب خصائل ۔ و
قواعد فضائل و فواضل ۔ و اخلاق جمیلہ ۔ و فنون جلیلہ ۔ و علم و فضل ۔
و ہنر و شائستگی اقوال ۔

و حمایدِ افعال ۔ و نرم گوئی ۔ و دل جوئی ۔ و نفر پوشی ۔ و انسانیت
فتوت و مروت ۔ و شوکت و حشمت ۔ و مہمان نوازی ۔ و وفا ۔ و حیا ۔

میں پھیل گئے ہیں ۔ اور دن بدن اُن میں ترقی ہو رہی ہے ۔ حالانکہ حکام فرنگ
کے تسلط کی مدت سارے ہندوستان پر ساٹھ یا ستر سال ہے ۔

کیسی بیّن دلیل ہے کہ پرانی زبانیں ہندوستان کے لوگوں کی بنگالی ۔
سنسکرت ۔ اور کنتری و اُردی ۔ اور تلنگی و گجراتی ۔ اور مرہٹی و شاستری ۔
اور پنجابی و کشمیری و سندھی اور دوسری زبانیں تھیں اور مذہب ان کا بت پرستی ۔

اور طریق معاش اُن کا دہقانی تھا ۔ اس قدر علم و فضل اور ہنر و
انسانیت اور اسلام سے جو سیکھا ہے ۔ اور دستگاہ لیاقت علمی اور استعداد
فارسی اور علوم عربی کہاں سے حاصل کئے ہیں ۔ سوائے اس بات کے اقرار
کرنے کے کہ خراسان و ترکستان و ایران کے لوگوں سے سیکھا ہے ۔ دوسرا چارہ
نہیں ہے ۔ تمام علماء و فضلاء اور صلحاء اور اولیاء اور اہل ہنر و فضل وا
جو ہند میں گئے ہیں ۔ اُن کی حکومت و تسلط کے وقت اور یا اُن کی اولاد نے
ہندوستان میں آکر قیام پذیر ہو کر ۔ علم و فضل اور عرفان و ہنر
پھیلایا ہے ۔

اور صحابہ رض حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تابعین
اور تبع تابعین میں سے کسی نے ہندوستان میں آکر سکونت نہیں اختیار
کی ۔ اگرچہ اول ابو العاص عامل یمن امیر المومنین حضرت عمر رض
کے عہد میں ۱۵ھ ہجری میں بمبئی کے نواح میں مقام تھانہ کے قریب آئے ۔
اُن کے بعد امیر مہلب ملتان پر ۔ پھر حجاج کا بھتیجا محمد بن قاسم ۔ ولید کے
عہد خلافت میں ملک سندھ پر ۔

و حجۃ الراسخین امام المحققین سلطان الکاملین ہند الولی خواجہ
معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری ۔ جن کی ذات شریف سے ہندوستان
کے سارے اولیاء مستفیض ہیں ۔ اگرچہ انہوں نے شاہان خراسان ترکستان
کے تسلط سے پہلے جا کر ہندوستان میں اقامت فرمائی اور اکناف ہند کو
انوار برکات سے منور بنایا وہ بھی ملک سیستان کے تھے جو توابعات ایران
سے ہے ۔ [illegible] علم و فضل اور ہنر و لیاقت اور مردمیت و عرفان ہندوستان کے
رہنے والوں کے لئے ۔ خراسان و ترکستان اور ایران کے لوگ ہیں ۔

خدا کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں بھی وہی ضوابط تہذیب خصائل
کے اور قواعد سے فضائل و فواضل اور اخلاق جمیلہ اور فنون جلیلہ اور
علم و فضل اور ہنر و شائستگی مقال ۔

اور حمیدہ افعال اور نرم گوئی اور دل جوئی اور خطا پوشی ۔ اور
انسانیت اور جوانمردی اور مروت ۔ اور شوکت و حشمت اور مہمان نوازی ۔

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ اُنس کم گیری
ز افغان کینہ می آید۔ ز کنبو حیلہ می آید

ہر چند سلسلۂ سخن دراز است، و میدان بیان وسیع، اما از آنجا کہ سفیہا نہ باکسے سر جنگ نداریم، برہمیں بسند می نمایم، کہ کوتاہ بینان، ناصواب اندیش، باندک خلافے، در ہجو، داستان ہائے طویل گفتہ، و مجموعہ ہا فراہم آوردہ اند، و ہیچ طبقہ را از طبقات سلاطین، و نوئینان سعادت قرین، و بزرگان دین، و ہادیان راہِ یقین، از سبّ و شتم نگذاشتہ اند، تا بدیگران چہ رسد، بدین دو بیت کہ، ہاجی ہجویان سرا، دو قوم دیگر را باآں مشترک کردہ۔ برآشفتن۔ و در پے انتقام بودن ضرورت ندارد، رباعی

دشنام اگر دہد خسیسے — چارہ نبود بجز شنیدن
گر پائے کسے سگے گزیدہ — با سگ نتواں بعوض گزیدن

دانادانند کہ برہ انتقام از کسے آزردن۔ و قلم بر تدرج قومی برداشتن۔ محاسن مقبلی زایل نہ بتوانند کرد، و برہجو، ہجا گویان، استناد و احتجاج نتواں گرفت، و تمامی قوم را بہ آں نامترا نتواں انگاشت

شعر
اگر مدبری مشک را گندہ گفت

و اگر مسلم دارند۔ قومی از اعالی و ادانی، از ایں چنیں زخارف و زوائل و ذلال، مصئون نخواہد ماند، زیرا کہ ایں حملہ، نہ مخصوص بریں قوم بودہ است، بل پست فطرات بخصومتے کہ داشتہ باشند، نسبت دیگر اقوام ہم چنیں ابیات بر زبان آوردہ اند، چنانکہ کسے گفتہ ؎

ہر جا جمع می آیند سادات — فسادات فسادات فسادات
شیطان سیر کوہ۔ زنے راگاید — زن را حملے ماند، و ہو سترزاید

لاحول و لا قوۃ الا باللہ، و ہمیں سان بحق دیگر اقوام ہنود و مسلمانان اشعار و فقرات بیہراستہ و افواہ مشہور و معروف است، کہ بخوف اطناب گذاشتہ آمد۔ بیشتر ازیں دراز دستی، ایں گونہ اسینا بہ باشد، کہ خدا و رسول را ہم از زبان خود خلاص نکردہ اند ؎

قیل ان الالہ ذو ولد — قیل ان الرسول قد کھنا
ما نجا اللہ و الرسول معاً — من لسان الوریٰ فکیف انا

پس مخافت قول قایل ظاہر است، تا نہم و تفکر نہ۔

یکے افغان، دوم کنبوہ، سوم بدذات کشمیری
ز کشمیری نمی آید بجز اندوہ و دلگیری

اگرچہ باتیں بہت سی ہیں، اور بیان کا میدان وسیع ہے، لیکن اسلئے کہ سفیہانہ کسی سے لڑائی منظور نہیں ہے، بس اتنا ہی بتلا دینا کافی ہے کہ کوتاہ نظر نادانوں نے تھوڑے سے اختلاف پر ہجو میں بہت سی کہانیاں گھڑ کر اُن کے ڈھیر فراہم کر دیئے ہیں اور طبقات سلاطین اور اُمرائے سعادت قرین اور بزرگانِ دین اور ہادیانِ راہ یقین میں سے کسی طبقہ کو گالی گلوچ سے نہیں چھوڑا ہے، دوسروں کا تو کہنا ہی کیا ہے، ہجو کرنے والے بیہودہ گو نے دو دوسری قوموں کو بھی اِس میں شامل کر لیا ہے، خفا ہونے اور بدلہ لینے کے دَرپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے، (ترجمہ رباعی)

اگر کوئی نالایق گالیاں دے، تو شریف آدمی کو انکے سُننے بغیر چارہ نہیں ہے
اگر کسی کے پاؤں کو کتّا کاٹ لے، تو اُسکے بدلے میں کتّے کو نہیں کاٹ سکتے

عقلمند جانتے ہیں کہ کسی شخص کی ذات سے رنجیدہ ہو کر اس کی قوم کی بُرائی کرنے پر قلم اُٹھانے سے، ارجمان اقبال مندی کے اُس قوم کی زایل نہیں کئے جا سکتے، اور ہجو کہنے والوں کی ہجو پر استناد اور احتجاج کرنا بیفائدہ ہے، اور اِس سے تمام قوم کو بے شعور نہیں بنایا جا سکتا ؎

تو مجموع باش، او پراگندہ گفت

اور اگر غور کریں تو اعلیٰ اور ادنیٰ قوموں میں سے کوئی بھی اور بانی صاف و شیریں اور شیر و شکر بھی اس قسم کی طبع سازیوں سے محفوظ نہیں پائی جائے گی، اِس لئے کہ یہ حملہ مخصوص اِسی قوم پر نہیں ہوا ہے بلکہ پست فطرتوں نے اپنی دشمنی کی وجہ سے دوسری قوموں کی نسبت بھی ایسی ہی پھبتیاں کہی ہیں، چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

ہر جا جمع می آیند سادات — فسادات فسادات فسادات
شیطان بسیر کوہ زنے راگاید — زن را حملے ماند و ہو سترزاید

لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اور اسی طرح دوسری ہنود و مسلمان اقوام کے حق میں اشعار و فقرات [illegible] مشہور و معروف ہیں جنکو طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا [illegible] اور ان کم ظرفوں کی دراز دستی اِس سے زیادہ کیا ہوگی کہ خدا اور رسول کو بھی [illegible] نے اپنی زبان سے خلاص نہیں کیا ہے ؎

قیل ان الالہ ذو ولد — قیل ان الرسول [illegible]
[illegible]
[illegible]

مولانا احمد حسن صاحب شوکت ایڈیٹر و منیجر اخبار شحنۂ ہند و طوطیٔ ہند شہر میرٹھ کا بیان " اِس بیت پر "

آج سے تقریباً چالیس سال پیشتر " اپنے اخبار شحنۂ ہند و طوطیٔ ہند شہر میرٹھ " میں مولانا شوکت مرحوم نے لکھا تھا کہ " ع

اگر قحط الرجال اُفتد ازیں سہ آشنا کم گیری " . . . . الخ

اِن اشعار کی تصنیف سے " حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ " کو متہم کیا گیا ہے " کوئی ان سے پوچھے کہ یہ شعر " کلیات سعدی " سے انتخاب فرمائے گئے ہیں " یا کسی تاریخ و تذکرہ میں دیکھے " یا حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی زبان سے " عالم رؤیا میں سُنے ہیں " کلیات سعدی " اور اکثر تاریخ و تذکرہ کی کتابیں تو ہماری نظر سے بھی گذری ہیں " ہم نے کہیں " شیخ علیہ الرحمۃ " کے مقولہ یا اِس غیر موزوں نظم کو نہ دیکھا " نہ سنا " اِس قسم کے بیہودہ اشعار " یا خوش طبعی و ظرافت میں تصنیف ہوتے ہیں " یا کسی حسد و عناد سے " گھڑ لئے جاتے ہیں " اِس واسطے شاعرانہ قدح و مدح کی نظموں کا اثر " کسی کے حسب و نسب و قوم پر " اعتباری نہیں ہوتا " چنانچہ اِسی طرح اکثر " نظم " مشہور ہیں " جن میں سے دو تین اشعار مجھے بھی یاد ہیں " مثلاً عرض کرتا ہوں " کسی نے " تعصبات کے رنگ میں تصنیف کر دیا ہے " ۔

ہر جا جمع می آیند سادات فسادات فسادات فسادات

یا کسی نے خوش طبعی و ظرافت میں لکھ دیا " اگر یک بود سے فعالات میر * بزی نام گفتی نہ گفتی کہ میر

اِن تصنیفات کے اعتبار سے معاذ اللہ " سادات کی شان میں کچھ فرق سمجھا جائے گا " یا کسی حاسد نے تصنیف کر دیا کہ

ز سگ اُفتد اُفت بہ زاغان غال گرفتند حریفان نام از دو افغان گرفتند

تو کیا " افغانیوں کی " یہی کیفیت قرار پائے گی " ۔

تاریخی علم جاننے والے ہر شخص کو علم ہے کہ " ہزار یا نو سو برس سے " جو قبائل مسلمانوں کے " ولایت سے آن کر یہ ہندوستان میں آباد ہیں " اُن ہی میں " کنبوہ " بھی شامل ہیں " اور اُسی زمانہ سے اِس وقت تک " ہر عہد سلطنت میں " علمی فضل و کمال " اور دیگر صفات انسانی سے " خدمات مناصب علیا شاہی پر معزز و موقر " اور " حاسدانِ زمانہ کے محسود " رہے اور ہیں " ۔

سلاطین ماضیہ کے عہد سلطنت و حکومت میں " خدمات جلیلہ سے " خطابات نوابی " وغیرہ پاتے رہے " اور اب بھی " حکومت انگلشیہ میں " بقیام آن اپنے خطابات آبائی کے " دیگر معزز خطابات انگلش زبان سے " ممتاز " اور خدمات مناصب رفیعہ پر سرفراز ہیں " ۔

علامہ گرامی " میر غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری) جو علم تاریخ میں محقق مسلم الثبوت ہیں " انہوں نے اپنے تذکرہ " خزانۂ عامرہ " میں لکھا ہے کہ " ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے " حضرات کنبوہ " ہی خاص خدمات احکام شرعیہ پر مامور رہے " اور اب بھی ہیں " ۔

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب مؤلف تاریخ ہندوستان کا بیان اِس بیت کے زمانے اور لکھنے والے کی حیثیت پر

اپنی تاریخ ہندوستان جلد پنجم " اقبال نامۂ اکبری " مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علیگڈھ کے صفحہ ۶۹۴ پر " خان بہادر " شمس العلماء " مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے " نواب شہباز خان کنبوہ " کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ " قوم کنبوہ " کی شان میں یہ ایک شعر زبان زد خاص و عام ہے کہ

اگر قحط الرجال اُفتد ازیں سہ اُنس کم گیری
یکے افغان " دوم کنبوہ " سوم بد ذات کشمیری

[illegible]

پنجاب، بلوچستان اور افغانستان زمانہ قریب کے نام ہیں

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب کا بیان دیکھ چکنے کے بعد یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ زمانہ ما قبل میں "پنجاب" "بلوچستان" اور "افغانستان" کسی ملک یا حصہ ملک کے نام نہ تھے، بلکہ ان حصص کے یہ نام بہت بعد میں اختیار کئے گئے ہیں۔

(۱) تاریخ سندھ حصہ اول مؤلفہ مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کے صفحہ ۱۰۶ پر ہے کہ "رائے چچ نے اپنی سلطنت مضبوط کی اور ایک چشمے کے کنارے جو "پنجاب" کہلاتا تھا، اپنی قلمرو اور مملکت کشمیر کے درمیان میں سرحد قائم کرنے کے لئے دو بڑے درخت نصب کرائے۔۔۔
"پنجاب سے مراد دریائے جہلم کا سرچشمہ ہے جہاں پانچ سوتے جدا جدا نکل کر ایک میں مل گئے ہیں"۔

(۲) قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی نے "القریش" امرتسر بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر اپنے مضمون "میری سرگذشت تاریخی رنگ میں" کے ۲ میں لکھا ہے کہ "ان دنوں سارا بلوچستان "سندھ" میں شمار کیا جاتا تھا" اور راجگان سندھ کے قبضہ میں تھا۔ اس وقت جغرافیہ میں کوئی ملک "بلوچستان" کے نام سے مشہور نہ تھا۔ پھر رسالہ القریش امرتسر بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۲۵ میں اسی مضمون کے ۵ میں لکھا ہے کہ "اب مکران، سراوان، جھالاوان (قدیم طوران) لسبیلہ، کچھی" اور کچھ حصہ افغانستان (قدیم خراسان کا حصہ) کے مجموعہ کو "بلوچستان" کہتے ہیں۔ جو قبل ازیں "ملک سندھ" کے حدود میں شامل تھے" اور "بلوچستان" کے نام سے اس سے قبل کوئی ملک نہ تھا۔ سنہ ۱۵ صدی عیسوی میں "شہک بلوچ" نے بمعیت اپنے فرزند "چاکر خان" کے "قلات" کو "اقوام براہوی" سے فتح کیا۔ اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں "گنداوا" "سبی" اور علاقہ "کچھی" کو اپنا مطیع کر لیا۔ یعنی بلوچ قوم کی حکومت کے بعد سے اس کا نام "بلوچستان" پڑ گیا۔

(۳) اپنے مضمون "میری سرگذشت تاریخی رنگ میں" کے ۱۰ میں قاضی صاحب موصوف نے "القریش" امرتسر جلد ۱۰ نمبر ۳ کے صفحہ ۱۲ تا ۱۴ میں لکھا ہے کہ "اتفاقات زمانہ سے "توران" (طوران) ہی کا نام تبدیل نہیں ہوا۔ بلکہ وہ متعدد سرزمین بھی جو اب "افغانستان" کے نام سے موسوم ہے۔ اسی خرابی پر چڑھ چکی ہے"۔

(۱) ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں اس کا نام "پالیکا" مندرج ہے۔
(۲) جب اس پر ایرانی قابض ہوئے تو دو حصوں میں منقسم کر کے اس کا نام "زابلستان" اور "کابلستان" رکھا گیا۔
(۳) جب سکندر اعظم اس پر متصرف ہوا تو یونانی زبان میں اس کا نام "بکٹیریا" پڑا۔
(۴) جب مسلمانوں نے اسے فتح کیا تو "کابل و قندھار" سے لیکر ایران تک کا ملک "خراسان" کے نام سے مشہور ہوا۔
(۵) پھر نادر شاہ کی وفات کے بعد جب اکتوبر سنہ ۱۷۴۷ء میں "احمد شاہ ابدالی" تخت قندھار پر متمکن ہوا۔ تو اس وقت سے اس ملک کا نام "افغانستان" ہوا۔ لیکن مغربی حصہ کو اب بھی لوگ "خراسان" ہی کہتے ہیں۔

فتوح البلدان جزو دوم میں "زابلستان" اور "غزنی" کے درمیان "دریائے ہلمند کے نیچے کے علاقہ کو "سجستان" اور اوپر کے علاقہ کو بلخ تک "طخارستان" لکھا ہے۔ غرضکہ ہر طرح ثابت ہے کہ "افغانستان" بالکل جدید نام ہے۔

افغانستان میں جو قومیں بستی ہیں اور جو زبانیں وہاں بولی جاتی ہیں

افغانستان میں جو قومیں آباد ہیں ان کی تفصیل "جغرافیائے افغانستان" مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور سنہ ۱۳۴۰ ہجری میں جو بہ تحریر محمد حسین خان رئیس تدریسیات و تصویب جناب فیض محمد خان وزیر معارف (تعلیمات) افغانی طلباء کو افغانستان میں پڑھایا جاتا ہے کے صفحہ ۱۹ تا ۳۲

اگرچہ ما علاوہ بر باشندگانیکہ درین ملک مقدس از ابتدا سکونت داشتہ اند مجموعہ مختلفہ ایم کہ از مصر و شام و عرب و ایران و تاتار و یونان و ہندوستان و دراز منہ متفرقہ آمدہ درین جا ساکن شدہ اند

اما با وجود اختلاف انساب ہمہ ما یک ملت واحد افغان شمردہ میشویم و آن قبائل جدا گانہ منقسم است

درانی | این قبیلہ جلیلہ تا عہد احمد شاہ بنام ابدالی مشہور بود زیرا منسوب بہ ابدال شدہ

قوم شیخ بیٹنی | در ہندوستان ہم بسیار آباد شدہ است

غلزئی | قبیلہ عظیم غلزئی از دختر بیٹنی گفتہ میشود کہ در طوائف زیاد منقسم است

قریش | در تعداد از سیدان کمتر اند و مثل شان در ہر علاقہ چند خانہ دارند

دولت شاہی | بقریش منسوب میشوند و قاضی و مفتی از ینہا مقرر میشوند

عرب | در جلال آباد و کابل و ترکستان وغیرہ سکونت دارند زراعت و تجارت و دوکانداری وغیرہ میکنند

اولاد سید محمد گیسو دراز | اگرچہ استرانی و مشوانی و دورک و ہنی را بسیادت منسوب میکنند اما باوصف آن این ہمہ طوائف افغان خالص میباشند و حصہ ملت افغان گفتہ میشوند

سادات | بعض سادات در کابل و کنر و کوہستان و پشین و در ہر قریہ افغانستان سکونت دارند و دیگر طوائف افاغنہ متزاوج گشتہ اند با وجود آن جزو ملت افغان میباشند

اکثر شان ملکداری میکنند و تجارت نیز میپردازند چنانچہ سیدان پشین خیلی متمول اند

اگرچہ ہم علاوہ اُن باشندوں کے جو اس ملک مقدس میں شروع سے سکونت رکھتے ہیں۔ مختلف مجموعہ ہیں جو مصر و شام و عرب اور ایران و تاتار اور یونان و ہندوستان سے مختلف زمانوں میں آ کر اس جگہ ساکن ہوئے ہیں

لیکن باوجود نسبوں میں مختلف ہونے کے ہم سب ایک قوم واحد افغان اپنے آپ کو سمجھتے ہیں اور وہ الگ الگ قبائل میں منقسم ہیں

درانی | یہ قبیلہ جلیلہ احمد شاہ کے عہد تک ابدالی کے نام سے مشہور تھا اس لئے منسوب بہ ابدال ہوا

قوم شیخ بیٹنی | ہندوستان میں بھی بہت آباد ہو گئی ہے

غلزئی | قبیلہ عظیم غلزئی کے متعلق کہتے ہیں کہ بیٹنی کی بیٹی کی اولاد ہے جو بہت سے قبائل میں منقسم ہے

قریش | تعداد میں سیدوں سے تھوڑے ہیں اور اُن کی طرح ہر علاقہ میں چند گھر رکھتے ہیں

دولت شاہی | قریش سے منسوب ہوتے ہیں۔ اور قاضی و مفتی ان ہی میں سے مقرر ہوتے ہیں

عرب | جلال آباد اور کابل اور ترکستان وغیرہ میں سکونت رکھتے ہیں اور زراعت، تجارت، دوکانداری وغیرہ کرتے ہیں

اولاد سید محمد گیسو دراز | اگرچہ استرانی اور مشوانی اور دورک اور ہنی کو سیادت سے منسوب کرتے ہیں لیکن باوصف اس کے یہ سب قبائل خالص افغان ہو کر حصہ ملت افغان کہے جاتے ہیں

سادات | بعض سادات کابل اور کنر اور کوہستان اور پشین اور افغانستان کے ہر گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں اور دوسرے طوائف افاغنہ کے شریک نہیں ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے جزو ملت افغان کا ہیں

اکثر اُن میں سے ملکداری کرتے ہیں اور تجارت بھی کرتے ہیں چنانچہ پشین کے سید بہت متمول تاجر ہیں

اس کے بعد جو اور قومیں یا قبایل جغرافیہ میں بتائے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے اب ہم صرف اُن کے نام لکھتے ہیں

(۱) غرغشت (۲) خوندی (۳) افاغنہ لودی (۴) لوحانی حصہ طائفہ شوری (۵) سوری از طائفہ لوحانی (۶) دولاد کرڑان مثلاً (۷) دلازاک (۸) اورک زئی (۹) منگل مقبل (۱۰) خوگیانی (۱۱) آفریدی (۱۲) خٹک (۱۳) وزیری (۱۴) شیتک (۱۵) جدران (۱۶) اتمان خیل وغیرہ (۱۷) آزمرکزہ (۱۸) کانسی (۱۹) سپینہ زئی (۲۰) تاجیک (۲۱) ہزارہ از نسل مغل (۲۲) ایماق (۲۳) کیانی از اولاد کیقباد و رستم (۲۴) مغل (۲۵) قزلباش ترکی النسل (۲۶) ازبک (۲۷) دیگان۔ (۲۸) ہندکی

(۲۹) این طائفہ مشتمل است بر چند قبائلیکہ از ہندوستان آمدہ در افغانستان آباد شدہ اند

(۲۹) یہ طائفہ چند قبائل پر مشتمل ہے جو ہندوستان سے آ کر افغانستان میں آباد ہو گئے ہیں

(۳۰) ہندو۔ ایں ہا باشندگانِ قدیم نیستند بلکہ در عہدِ شاہانِ دہلی چوں افغانستان بہ ہندوستان ملحق بود۔ دریں جا آمدہ شدند۔

(۳۱) قوم سکھ۔ نیز در بعض دیہات سکونت دارند۔

(۳۲) تیراہی (۳۳) کشمیری در سوات و باجور و پغمان و شمالی افغانستان تا کابل و قندہار۔ یافتہ میشود۔

(۳۴) کُردہ۔ اکثر در کابل و نواحِ آں۔ و غزنی سکونت دارند۔ و بعض شان۔ زبان کردی۔ میدانند۔

(۳۵) لیبزکی۔ نادرشاہ از قفقاز آوردہ درآنجا آباد کردہ بود۔

(۳۶) قلماق۔ از نسل تاتار اند۔

(۳۷) حبشی۔ اوّل بطورِ غلامان آوردہ شوند۔

(۳۸) یہودی۔ درہرات و بلخ مساکن۔ شاکنت و بلوچ۔

(۳۰) ہندو یہاں کے قدیم باشندے نہیں ہیں بلکہ دہلی کے بادشاہوں کے عہد میں کیونکہ افغانستان ہندوستان سے ملحق تھا۔ اِس جگہ آ گئے ہیں۔

(۳۱) سکھ بھی بعض گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں۔

(۳۲) تیراہی (۳۳) کشمیری۔ سوات میں اور باجور اور پغمان میں شمالی افغانستان سے کابل و قندھار تک پائے جاتے ہیں۔

(۳۴) کُردی۔ اکثر کابل اور اس کے نواح میں اور غزنی میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور بعض اُن میں سے کُردی زبان جانتے ہیں۔

(۳۵) لیبزکی۔ کو نادرشاہ نے کوہ قاف سے لاکر اس جگہ آباد کیا تھا۔

(۳۶) قلماق۔ از نسل تاتار ہیں۔

(۳۷) حبشی۔ پہلے بطورِ غلاموں کے لائے گئے تھے۔

(۳۸) یہودی۔ ہرات و بلخ میں بستے ہیں۔ شاکنت اور بلوچ بھی ہیں۔

اِن قبائل میں سے بہت سوں کی شاخوں کے ناموں کو ہم نے اختصار کے مدِنظر چھوڑ دیا ہے۔

طوائفِ متفرقہ | علاوہ بر قبایل مذکور الصدر۔ بسے دیگر الالسن در ملک متوطن اند۔ و ہمہ متفقاً۔ ملّتِ افغان۔ نامیدہ میشوند۔

اکثر شان۔ بنام اَوطانِ سابقہ و حاضرہ۔ یاد میشوند۔ مثلاً (۱) سیستانی۔ (۲) کرمانی۔ (۳) برجندی۔ (۴) قائنی۔ (۵) مشہدی (۶) سلغری۔ (۷) کاشغری۔ (۸) اندرابی۔ (۹) بدخشی۔ (۱۰) شغنی۔ وغیرہ کہ در ہر علاقۂ افغانستان۔ بحیث فارسی دانان شمار میشوند۔

ادیان | ایں تقسیم مافوق قبایل معلوم شد۔ کہ بجز بعض ہنود و یہود۔ ہمہ نفوس مسلمان آند۔ بعضے از آنہا۔ شیعہ۔ باقی ماندہ سنی حنفی المذہب اند۔ در ہنود۔ قوم سکھ۔ ہم شمردہ میشود۔ ایں پیروانِ مذاہبِ مختلفہ بصمیمیّت وابستہ بہ ملّتِ افغان۔ ہمگناں متحد و در تقدّم وطن ہم عنان اند۔

طوائفِ متفرقہ | مذکور الصدر قبایل کے علاوہ اور دوسرے گروہ ہمارے ملک میں متوطن ہیں۔ اور یہ سب ملّتِ افغان کہلاتے ہیں۔

اِن میں سے اکثر اپنے پہلے اور موجودہ وطنوں کے ناموں سے موسوم ہو گئے ہیں۔ مثلاً۔ (۱) سیستانی۔ (۲) کرمانی۔ (۳) برجندی۔ (۴) قائنی۔ (۵) مشہدی (۶) سلغری۔ (۷) کاشغری۔ (۸) اندرابی۔ (۹) بدخشی۔ (۱۰) شغنی۔ وغیرہ افغانستان کے ہر علاقہ میں سارے فارسی جاننے والے شمار ہوتے ہیں۔

ادیان | معلوم ہو کہ متذکرہ بالا تمام قبایل سوائے بعض ہنود اور یہود کے سب لوگ مسلمان ہیں۔ کچھ اُن میں سے شیعہ باقی ماندہ سنی حنفی المذہب ہیں۔ ہنود میں سکھ قوم بھی شمار ہوتی ہے۔ یہ مختلف مذہبوں کے پیرو تہ دل سے ملّتِ افغان سے وابستہ اور اِس قدر متحد ہیں کہ تقدّم وطن میں ہم عنان ہیں۔

قومیں | تزکِ بابری اُردو مترجمہ شاہزادہ میرزا نصیر الدین حیدر گورگانی المتخلص فانی۔ مطبوعہ مطبع محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۴ء کے صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے کہ۔ کابل کے علاقہ میں مختلف قومیں بستی ہیں۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں۔ اتراک۔ اعراب۔ وغیرہ قومیں بستی ہیں۔ شہر میں اور بعض دیہات میں۔ تاجیک۔ ہیں۔ بعض دیہات اور مقامات میں۔ پشتوی۔ پراچہ۔ تاجیک۔ ترک۔ اور۔ افغان۔ ہیں۔ غزنی۔ کے پہاڑوں میں ہزارہ۔ اور۔ نوکذائی۔ ہیں۔ ہزارہ میں بعض قومیں۔ مغلی۔ بولی بولتی ہیں۔ جو کوہستان شرقی و شمالی ہے۔ وہ۔ ملک کافرستان۔ ہے جیسے۔ کتور۔ اور۔ کیرک۔ جنوب میں۔ افغانستان ہے۔

زبانیں | اس ملک میں۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغلی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشتوی۔ پراچی۔ کیری۔ کتوری۔ اور۔ لمغانی۔ وغیرہ گیارہ بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور شاید ہی کسی ملک میں اس قدر مختلف قومیں آباد ہوں۔ اور اتنی متغایر زبانیں بولی جاتی ہوں۔

جس طرح افغانستان میں۔ عرب۔ قریشی۔ سیّد۔ ترک۔ مغل۔ اسرائیلی۔ مصری۔ ایرانی۔ اور دیگر مسلمان اقوام کے علاوہ۔ یہود و ہنود اور سکھ وغیرہ سبھی قومیں رہتی اور بستی ہیں۔ اور وہ سب اپنے ملک کے تعلق سے۔ افغان۔ کہلاتی اور سمجھی جاتی ہیں۔ یہی

حال کشمیر وغیرہ دوسرے علاقوں کے سب باشندوں کا ہے۔ جو ان سے منسوب ہیں۔"

آپ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ زیر بحث قطعہ "اگر تحط الرجال آفتد" ..... الخ میں "کسی خاص شخص یا قوم و قبیلہ کو مخصوص نہ کر کے ان ملکوں یا علاقوں سے منسوب سبھی قوموں پر چوٹ کی گئی ہے" اور ان پر طنز مارا گیا ہے "اس لئے اس قطعہ کے مضمون کی زد میں خود اس کے موجد اور پیش کرنے والے حضرات بھی یقینی طور سے آگئے ہیں" یہ حضرات کسی طرح بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہاں ان کے کفو اور نسب والے موجود نہیں رہے یا موجود نہیں ہیں" بلکہ ان علاقوں میں ایشیا کی تقریباً تمام قومیں موجود ہیں" اور سینکڑوں یا ہزاروں برس سے یہی ہوتی ہیں" اگر اس قطعہ کے پیش کنندہ اپنے آپ کو ان اوصاف سے متصف ہونا قبول کرتے ہیں اور انہیں اس کے مضمون سے خوشی محسوس ہوتی ہے" تو ہمیں ان سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے" وہ جو چاہیں اپنے آپ کو سمجھ لیں "چشم ما روشن دل ما شاد"

ایک یورپین لیڈی اپنے سفرنامہ میں لکھتی ہے کہ "وسط ایشیا میں بہت سے ایسے قبائل پائے جاتے ہیں" جن کے لب و لہجہ اور معاشرتی خصوصیات وغیرہ کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ "وہ خالص عربی قبائل ہیں" ان قبائل کے افراد کی تعداد ستائیس[۲۷] ہزار ہے" یہ لوگ ان عرب فاتحین کی نسل ہیں" جنہوں نے وسط ایشیا پر حملے کئے تھے" اور پھر وہیں تو وہ بود و باش اختیار کر لی تھی"

عربوں کی آبادی زیادہ تر "بخارا" اور "قشقا دریہ" کے نخلستانوں میں ہے" یہ لوگ مختلف زمانوں میں "تھوڑی تھوڑی تعداد میں یہاں آکر آباد ہوگئے ہیں" ان کا سلسلہ النسب "قریش" سے ملتا ہے" لیکن ان کے لہجوں کے تفاوت سے پتہ چلتا ہے کہ "وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں" "ازبک" اور "ترکمانی" عورتوں کے ساتھ شادیاں کرنے کی وجہ سے ان کے اصلی چہرے بشرے میں فرق آگیا ہے" لیکن وہ اب تک اپنی لڑکیوں کی شادی کسی غیر عرب کے ساتھ نہیں کرتے" اپنی اصلی زبان بھول گئے ہیں" ..... قبائل یہاں جیسا میں کہہ چکی ہوں۔ مختلف اوقات میں آئے ہیں" یہ لوگ اب عام طور سے "ازبکی اور تاجیک زبانیں بولتے ہیں"

"قشقا دریہ کے عرب" امیر تیمور کے زمانے میں" اس کے ظلم و ستم سے گھبرا کر اپنے گلوں کے ساتھ حدود افغانستان سے گذرتے ہوئے "ازبکستان" چلے آئے ہیں"

"نخلستان بخارا کے عرب" جیسا خود ان کا بیان ہے "دو سو سال پہلے "اندخوئی" سے یہاں پہنچے ہیں" ان کا سلسلہ نسب چار شخصوں تک پہنچتا ہے۔ جو افغانستان چھوڑ کر قشقا دریہ میں آباد ہوگئے تھے" اور یہیں شادیاں کر لی تھیں"

یہ لوگ ہجری مہینوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور ان کے بجائے اپنے حساب و کتاب میں "کلدانی" یا "سامی" مہینے استعمال کرتے ہیں" ان کے مہینوں کے نام یہ ہیں" حوت" حمل" ثور" جوزا" سرطان" اسد" سنبلہ" میزان" عقرب" قوس" دلو" ..... "زحل" معلوم نہیں یہ لوگ مہینوں کے نام "افغانستان" سے لیکر آئے ہیں" یا عرب میں کچھ قبائل ایسے بھی ہیں" جن میں یہ مہینے رائج ہیں"

(سفرنامہ ایک یورپین لیڈی۔ از رسالہ فاران بجنور۔ فروری ۱۹۴۷ء ص ۵۸ تا ۵۹)

ترکی ٹوپی پہننے والوں کی تضحیک کیلئے ایک شعر جو عرصہ تک رائج رہا"

ہمارے بچپن میں جبکہ "سلطان دوم عبد الحمید خاں مرحوم" سلطنت ٹرکی کے تخت خلافت پر تھے۔ اکثر مولوی اپنے زیر اثر طلباء اور عوام کے یہ بات ذہن نشین کیا کرتے تھے کہ جب بھی "سلطان المعظم جہاد" کا اعلان کریں" اور کسی مسلمان کو اس اعلان کی خبر اس وقت پہنچے جس وقت وہ کھانا کھا رہا ہو اور اس کے منہ میں قریب بہ حلق نوالہ پہنچ چکا ہو" تو اس نوالہ کو بجائے نگلنے کے فوراً تھوک کر اور تلوار ہاتھ میں لیکر جہاد کے لئے نکل کھڑا ہونا چاہئے۔ ورنہ تھوڑے تامل سے بھی وہ کافر ہو جائے گا"

ان مولویوں کی طرف سے دوسری بات یہ بھی کہی جاتی تھی کہ "انگریزی علوم و زبان کا پڑھنا کفر ہے۔ اور اس کی ترویج میں کوشش کرنے والا قطعی کافر ہے" علیگڈھ کالج قائم کرنے کی وجہ سے اس فرقہ نے سرسید علیہ الرحمۃ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا" اور اس وقت تک ان

کی مخالفت کا بعث کچھ زور باقی تھا "کیونکہ سرسیّد رح نے "اس کالج کے طلبا کے لباس میں ترکی ٹوپی کے پہننے کو لازمی قرار دیا تھا" اس لئے انہوں نے اس کے پہننے والوں کی تحقیر کے لئے یہ شعر گھڑا تھا جسے وہ ہر مجلس وعظ میں مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے کہ "

لال ٹوپی کالا پھندنا چاہیئے　　آگے بندر پیچھے بکرا چاہیئے

"یعنی ترکی ٹوپی پہننے والوں کی وہ حیثیت ہے جو اُن مداریوں کی ہے" جو بندر اور بکرے کو نچاکر اور اُن کی دیگر نت نئی حرکتوں کا تماشا دکھلاکر اپنی پیٹ پوجا کا سامان فراہم کیا کرتے ہیں " اِن مولویوں یعنی ہادیان و رہنمائے دین متین کو اتنی تمیز نہ تھی کہ وہ اپنے حسد اور تعصب کی عینک ہٹا کر یہ دیکھ سکتے کہ "یہ جن سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین کے ایک لفظ پر وہ مسلمانوں کو کٹ مرنے کی تلقین کر رہے تھے " سب سے پہلے اس شعر کی زد میں انہیں کی ذات بابرکت آگئی تھی " کیونکہ اس ٹوپی کو سلطان المعظم کے زیب تن فرمانے کی وجہ سے ہی "سرسیّد" نے اُن کی تقلید میں "کالج کے لڑکوں کے لئے ترکی ٹوپی کا پہننا لازمی قرار دیا تھا "

مؤلف امروہوی سے جو خود بھی ترکی ٹوپی استعمال کرتے ہیں " ہم دریافت کرتے ہیں کہ اِس شعر کے مضمون سے جس کی زد دوسری ترکی ٹوپی پہننے والوں کی طرح اُن پر بھی ہے کیا وہ کسی طرح بھی اتفاق کر سکتے ہیں "

"افغانی" "کشمیری" اور "کنبوہی" خاندانوں کے چند مشہور نامور بزرگ "

" افغانوں " "کشمیریوں " اور "کنبوہی" خاندان میں جو بلند پایہ ہستیاں مسلسل ہر زمانے میں پیدا ہوتی رہیں " اُن سے "تذکروں" اور "تاریخوں" کی کتابیں بھری پڑی ہیں " اور آج بھی ہمارے زمانے میں اِن خاندانوں کے ایسے اوصاف رکھنے والے بزرگ موجود ہیں " جو اپنی آپ نظیر ہیں " اور جن کی شہرت اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے " عدم گنجائش کی وجہ سے اِس موقع پر ہم صرف چند نام پیش کرتے ہیں "

افغانی

(الف) ارمغان ہند سے لیکر "سیّد لطف علی شاہ" "مودودی افغانی کا" جو بیان ہم نے ابھی اوپر تحریر کیا ہے اُس سے ملّت افغان کی چند ہستیوں پر روشنی پڑ گئی ہے " اُن کے ماسوا (۱) شیخ علی مخدوم ہجویری الغزنوی بھی افغانستان کے باشندے تھے " ہجویر " غزنی کے ایک مضافاتی محلّہ کا نام تھا " خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح نے آپ کے مزار پر چلّہ کھینچکر فیض حاصل کیا تھا " اور آپ ہی نے خواجہ صاحب کو " خلعت قطبیت ہند " عطا فرمایا تھا " ص۲۲۳ تا ۲۲۴ آپ کا مزار شریف لاہور میں ہے اور خطاب داتا گنج بخش رح ہے۔

(۲) سیّد سالار مسعود غازی رح " المعروف بہ " بالے میاں "
(۳) سلطان محمود غزنوی " کے بھانجے اور مشہور مجاہد تھے " ص۲۱۷ تا ۲۲۴
(۴) خواجہ بزرگ احمد بن حسن میمندی " وزیر اعظم سلطان محمود غزنوی "
(۵) عبد الرزاق بن خواجہ بزرگ احمد بن حسن میمندی " وزیر اعظم پسران و نبیرگان سلطان محمود غزنوی "
(۶) سیّد احمد المشہور بہ سخی سرور سلطان قدس سرہٗ قندھاری " ص۳۲۲ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم)
(۷) شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی کابلی سرہندی (ص۵۵۹) خزینۃ الاصفیا جلد اوّل)
(۸) حضرت باقی باللہ قدس سرہٗ " حضرت مجدد رح کے مرشد گرامی بھی نواح غزنی کے رہنے والے یعنی افغان تھے "
(۹) حضرت مولانا محمد نصر اللہ صاحب خورجوی افغان " (بیاض جانفزا خاتمہ بیاض دلکشا مطبوعہ مطبع مصطفائی اکبرآباد)

کشمیری

(ب) (۱) شیخ نور الدین کشمیری قدس سرہٗ المتوفی ۸۹۵ ہجری) (ص۲۸۱)
(۲) حضرت صدر الدین بلبل شاہ کشمیری قدس سرہٗ المتوفی ۷۲۰ ہجری۔ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم)
(۳) شاہ ہمدان " سلطان شہاب الدین نے آپ ہی کی فرمائش پر "مدرسۃ القرآن کی بنیاد کشمیر میں رکھی تھی "
(۴) پیر حاجی محمد قاری " جو "سلطان قطب الدین کی عظیم الشان درسگاہ کے " کشمیر میں صدر المدرس تھے " جہانگیر کے عہد میں تھا "

(۵) "ملا عبد الستار" اور

(۶) "ملا محسن فانی" (جو اپنے وقت کے ایک نہایت زبردست شاعر اور فاضل فلسفی تھے) اپنے تلامذہ کو اسی جگہ درس دیا کرتے تھے۔

(۷) "شیخ رحمت اللہ طرابلی" (۸) "ملا طاہر غنی کاشمیری"

(۹) "محمد زماں نافع کشمیری" (جو ملا غنی کے بھائی اور اپنے وقت کے ایک مشہور مورخ تھے) اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبا ہیں۔

(۱۰) "سلطان زین العابدین" کہ انہوں نے اپنے وقت میں "نوشہرہ" میں دارالعلوم قائم کیا تھا۔

(۱۱) "سلطان سکندر" (۱۳۹۳-۱۴۱۴ء) جن کی فیاضی اور جوہر شناسی کی اس قدر دھوم مچی ہوئی تھی کہ "عراق و خراسان اور ماوراء النہر" کے بہت سے باکمال فضلا آپ کے دربار میں کھنچ آئے تھے۔ ان کے قائم کردہ مدرسۃ العلوم کے صدر مدرس۔

(۱۲) "قاضی میر محمد علی" تھے (جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے اس وقت وحید العصر کا حکم رکھتے تھے "چنگیز خاں" کی اولاد سے تھے) اس مدرسہ کے اور اساتذہ۔

(۱۳) "ملا محمد افضل بخاری" (حدیث) (۱۴) "ملا محمد یوسف" (فلسفہ)

(۱۵) "ملا صدر الدین کاشی" (ریاضیات) (۱۶) "سید حسین منطقی" (علم الموجودات اور علم منطق) وغیرہ تھے۔

(۱۷) "سلطان زین العابدین" (۱۴۲۰-۱۴۷۰ء) کے متذکرہ صدر دارالعلوم کے صدر مدرس اپنے وقت کے جید عالم "شیخ الاسلام ملا کبیر نحوی" تھے۔ شیخ موصوف اپنے تقدس۔ اور مشہور تفسیر "شرح ملا" کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

(۱۸) "ملا احمد کاشمیری" جو افضل کے شاگرد تھے۔ اور اپنی مشہور کتاب "وقائع کشمیر" اور "ترجمہ مہابھارت" کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں "ملا کبیر" کے ماتحت مدرسہ کے اساتذہ میں سے ایک تھے۔ علاوہ ان کے اس مدرسہ کے اور اساتذہ یہ تھے۔

(۱۹) "ملا حافظ بغدادی" (۲۰) "ملا پارسا بخاری"۔

(۲۱) "ملا قاضی جمال الدین خوارزمی" (جو بعد میں قاضی القضاۃ کے جلیل القدر منصب پر سرفراز ہوئے)

(۲۲) "مولانا قاضی میر علی بخاری" (۲۳) "سید حسین قمی رضوی" (۲۴) اور "ملا یوسف رشیدی"

اس دارالعلوم کے زیر اہتمام ایک شعبہ ترجمہ بھی تھا جس میں "عربی" اور "سنسکرت" کی کتابوں کا "فارسی" اور "کشمیری" زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ اور سلطان کے حکم سے "مہابھارت" کا فارسی ترجمہ کیا گیا "جوترا ج" کے ذریعہ "راج ترنگنی" مکمل کرائی گئی۔ اور کشمیر کی ایک مستند تاریخ فارسی زبان میں مرتب کرائی گئی۔

(۲۵) "سلطان حسین شاہ" نے بھی اپنے عہد میں اپنے مرشد (۲۶) "بابا اسمٰعیل شاہ" کی خواہش پر جو ابو المشائخ (۲۷) "شیخ سلیمان کشمیری" کے پوتے تھے۔ ایک درس گاہ جاری کی تھی یہ مدرسہ "شیخ فتح اللہ حقانی" کی سرکردگی میں اور (۲۹) "اخوند ملا درویش" کی معاونت میں چلتا تھا۔

(۳۰) کشمیر کے مشہور پیر طریقت "شیخ حمزہ مخدومی" اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

(۳۱) درس گاہ "ملا حیدر" عہد جہانگیری کی یادگار ہے۔ اس مدرسہ سے بھی فضلا کی ایک کثیر جماعت پیدا ہوئی۔

(۳۲) ۱۱۲۵ ہجری مطابق ۱۷۱۳ء میں "نواب عنایت خاں ناظم کشمیر" نے "مدرسہ منصوریہ" جاری کیا۔ (۳۳) "اخوند ملا سلیمان" کلو اس مدرسہ کے سردار تھے۔ (۳۴) مدرسہ "ملا کمال" اور (۳۵) "ملا جمال" نے (۳۶) "شیخ اسمٰعیل چشتی" (۳۷) "بابا نصیب الدین غازی" اور (۳۸) "قاضی ابو القاسم" جیسے فاضل پیدا کیے۔

کشمیریوں کے علمی ذوق کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ۔ باوجود اس کے کہ "کشمیر" کی بہت سی عجیب و غریب کتابیں "یورپ" اور "امریکہ" کی لائبریریوں کی زینت بڑھا رہی ہیں۔ مگر آج بھی بہت سے خاندان ایسے ہیں جن کے کتب خانے علم کے نادرہ روزگار جواہر پاروں اور نایاب قلمی کتابوں سے مالا مال ہیں۔ یہ کشمیر ہی تھا جس میں (۳۹) "مرزا حیدر دوغلات" نے اپنی مشہور عالم کتاب "تاریخ رشیدی" تصنیف کی۔ اور یہ "سری نگر" ہی تھا جس میں

(۴۰) جمال الدین حسین انجو نے "فارسی زبان کی لغت مرتب کی تھی" جو ۱۰۱۷ھ ہجری میں تکمیل کو پہنچی "اور فرہنگ جہانگیری کے نام سے مشہور ہوئی"

"مرزا ابو طالب کلیم" ملک الشعراء دربار شاہجہانی کو بادشاہ نامہ منظوم کرنے کا حکم "کشمیر" ہی میں ملا تھا۔ جہاں وہ "۱۵ ذی الحجہ ۱۰۶۱ھ" میں فوت ہو کر "محمد قلی سلیم (المتوفی ۱۰۵۷ھ ہجری) کے پاس "مزار الشعراء" میں دفن ہوا تھا۔ "ملا غنی کشمیری" نے اس کی تاریخ وفات "اس مصرع" سے نکالی ہے "ع" "طور معنی بود روشن از کلیم"

(زیب النساء کی طرف سے فکر معاش سے آزاد ہو کر "صفی الدین اردبیلی نے" اپنی زندگی "کشمیر" ہی کی" فضائے علم میں بسر کی۔ اور عربی کی ضخیم کتاب "تفسیر کبیر" کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا" "زیب التفاسیر" کے نام سے مشہور ہے"

(شباب کشمیر "اسلامی مدارس کی اجمالی تاریخ" از جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب قریشی "رسالہ عالمگیر لاہور ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء)

اِس اقتباس سے "کشمیر کے چند" مشائخ طریقت "اور علماء و فضلاء و مصنفین کا کچھ حال معلوم کرنے کے علاوہ" اِس امر پر بھی ضروری روشنی پڑ گئی ہے کہ۔ افغانستان کی طرح "کشمیر" میں بھی ایشیاء کی قریباً ہر قوم کے لوگ عرصہ دراز سے آباد ہیں" اور وہ سب کشمیری ہی کہلاتے ہیں۔

(ج) زبیری کینبوی یا کنبوہ "خاندان کے بزرگوں کے حالات تمام تاریخوں میں مذکور ہیں" کیونکہ اِس خاندان میں "مشائخ طریقت" "علمائے شریعت" صدر الصدور یا شیخ الاسلام" قاضی" مفتی" وزراء" اُمراء" سپہ سالار" گورنر" شعراء" حکماء" اور مصنفین" ہر زمانے میں مسلسل رہے ہیں" باب ہفتم میں اِس خاندان کے کچھ بزرگوں کے ناموں۔ اور کچھ کے مجمل حالات سے ہم روشناس کرا چکے ہیں" سوائے اس کے جو فقرات مؤلف امروہوی نے اِس دُودمان عالی شان کی گذشتہ اور موجودہ پوزیشن پر خود اپنے قلم سے اپنی کتاب میں لکھے ہیں اُن کو ہم اِسی بحث میں اوپر پیش کر چکے ہیں" یہاں مکرّر ان حالات کو لکھنا ضروری خیال نہیں کرتے" لہذا اس خاندان کے بزرگوں کی حیثیت اور اخلاق و عادات جاننے کے لئے "باب ہشتم میں پیش کردہ ناموں اور حالات پر نیز اسی بحث میں تحریر شدہ مؤلف موصوف کے فقرات کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے" ایک نظر پھر ڈال لینی چاہیئے" (اور اس کتاب کی دوسری جلد یعنی "جواب تاریخ کمبوہان مؤلفہ چودھری وہاب الدین کمبوہ امرتسری" میں اِس خاندان کے مزید بزرگوں کے حالات دیکھنے چاہیئیں") جو انھوں نے المشاہیر سے لے کر اپنی کتاب میں لکھے ہیں"

اِسی حالیہ زمانہ میں" اِن تینوں طبقات میں جو اعلیٰ پایہ اور اپنی آپ نظیر ہستیاں رہیں اور اب بھی ہیں" اُن کی تعداد کثیر ہے" جن میں سے چند نام مشتے نمونہ از خروارے" ہم یہاں پیش کرتے ہیں"

(۱) حضرت سیّد جمال الدین افغانی "جن کی تحریک و تعلیم نے "دنیائے اسلام میں زندگی کی لہر دوڑا دی"

(۲) نادر شاہ افغان "اور اُن کے برادران عالی قدر"

(۳) صاحبزادے آفتاب احمد خاں "از خاندان افغان کنجپورہ"

(۴) مُصلح اعظم سر سیّد احمد خاں "کشمیری دہلوی"

(۵) حکیم محمد اجمل خاں "کشمیری دہلوی"

(۶) نواب سر سلیم اللہ خاں "کشمیری نواب ڈھاکہ"

(۷) پنڈت موتی لال نہرو کشمیری"

(۸) پنڈت جواہر لال نہرو "لیڈر مہاتما گاندھی" پسر پنڈت موتی لال نہرو کشمیری"

(۹) رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو کشمیری"

(۱۰) تیج نراین ملا کشمیری"

(۱۱) ڈاکٹر سر محمد اقبال فلسفی و شاعر

(۱۲) نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین زبیری کنبوی یا کنبوہ" سیکرٹری علیگڈھ کالج آپ کے حالات میں دیکھو کتاب "حیات وقار" یا "تذکرہ وقار"

(۱۳) مولوی محمد بشیر الدین زبیری کنبوی "ایڈیٹر البشیر و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ"

(۱۴) لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد زبیری کنبوی" وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔

(۱۵) مولوی سعید احمد صاحب کنبوی مارہروی" منیجر شیعہ ہائی اسکول" و مدرسہ اللہ ہو و انجمن تحفظ ... مؤلف کتب متعدد"

یہ چند نام جو ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" ان تینوں طبقات کے لوگوں کے لکھے ہیں" یہ وہ ہیں جن کے کاموں "عادات" اطوار" اور طینت و خصلت سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے" اور ان لوگوں کے نام نظر انداز کر دیئے ہیں" جن کو کسی محدود علاقہ ہی کے لوگ جانتے ہیں"

اب ہم "مؤلف امروہوی سے دریافت کرتے ہیں" کہ جن حضرات کے نام ہم نے یہاں لکھے ہیں" کیا کسی طریقہ سے بھی وہ اپنے پیشکردہ شعر کے مضمون کو ان حضرات میں سے کسی پر منطبق کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں" جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے دلوں میں ان حضرات کی ایسی عظمت اور قدر ہے کہ ان کی محبت میں وہ ہر وقت قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے اور اپنی جانیں فدا کرنے پر تیار رہیں" تو اس شعر کے موجد کی ہرزہ سرائی کی کنہ کو معلوم کر لینے اور اس کے پیش کرنے والوں کے خبث کو پہچاننے کے لئے" کسی اور ثبوت کے تلاش کرنے کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

"افغانی" "کنبوی" اور "کشمیری" خاندانوں کے متعلق "اس بیت میں لکھے خصائص کا "عباسیوں کی طینت و خصلت سے مقابلہ"

اس قطعہ میں جس کا صرف ایک ہی شعر مؤلف امروہوی نے پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے" افغانیوں کو "کینہ ور" بتلایا گیا ہے" مگر کیا کوئی مثال اس کینہ کی پیش کی جا سکتی ہے جس کا مظاہرہ "عباسی خلیفہ" عبد اللہ السفاح" اور اس کے اعزا نے "بنی امیہ کے ساتھ" اور "ابو جعفر منصور عباسی نے" بنی فاطمہ کے ساتھ" کر کے دنیا کو دکھایا ہے" "کشمیریوں کو بزدل" اور "کنبوؤں کو بھی محض حسد و کینہ کی وجہ سے" حیلہ باز" بتایا گیا ہے" جس کا بطلان ہم بخوبی کر چکے ہیں لیکن تاریخ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ "عباسی خلفاء" بزدل" حیلہ یا فریب کرنے" چالاکی برتنے اور غداری و بد عہدی کرنے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے"

(۱) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس " اجلاس شانزدہم
(منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۰۲ء)

" کے خطبۂ صدارت میں ہز ہائی نس "سر سلطان محمد شاہ آغا خاں[1]" نے فرمایا تھا کہ"

"میرا یہ خیال ہے کہ جو بیماری مسلمانوں کو لاحق ہے وہ کسی ایک سبب سے نہیں ہے بلکہ میں آپ کی اجازت سے چار مختلف اسباب ایسے بیان کروں گا کہ جن کی وجہ سے یہ اخلاقی تغافل مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ جملہ اسباب جن کا میں ذکر کروں گا زمانہ دراز سے اپنا فعل کر رہے ہیں"

مگر مزید براں خاندان عباسیہ نے نفسانیت کی ایک ایسی مثال قائم کی جس کا تواریخ اسلام پر بہت بڑا اثر پڑا ہے" پیغمبر خدا کے یہ ناقابل رشتہ دار۔ خاندان بنی امیہ سے جن کی اطاعت وہ قبول کر چکے تھے۔ اور جن سے بارہا انہوں نے لڑائی میں زک اٹھائی تھی بوجہ بنی امیہ کے اعلیٰ قابلیتوں کے حسد رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے خراسانیوں سے جو اسلام کی فتوحات کے دائرہ میں تازہ داخل ہوئے تھے میل کر لیا۔ اور اپنے خاندان کی تعریف میں ہزارہا روایات اور احادیث اختراع کر کے ان لوگوں کو جو اسلام کی آزاد ڈیماکریٹیک اسپرٹ سے ناواقف تھے بہکا دیا ہے۔ اور ان ساتھیوں کی مدد سے خاندان بنی امیہ کو زیر کیا" یہ دغابازی ذاتی افزائش کی غرض سے کی گئی۔ اور چونکہ اس کا اظہار ایک ایسے خاندان سے ہوا جس کو پیغمبر خدا سے قرابت تھی" لہذا اس سے پایا جاتا ہے کہ اپنے ذاتی یا خاندانی مقاصد کے

(نوٹ ۱) یہ وہ ہز ہائی نس آغا خاں ہیں کہ جن کی تعریف و توصیف اور منقبت میں محمود احمد صاحب مؤلف امروہوی کی زبان خشک ہو گئی ہے۔ لہذا اب ایسے ممدوح الشان نے جو رائے دربارہ عباسیان کھلے بندوں مسلمانوں کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اجتماع کے سامنے آج بالکل نہیں بلکہ پورے (۸۰) برس قبل ظاہر کی تھی اس کے متعلق محمود احمد صاحب مؤلف امروہوی کیا فرماتے ہیں" چونکہ ہز ہائی نس نے ایک امر واقعہ کا اظہار کیا تھا۔ لہذا اس طویل عرصہ میں ایک آواز بھی اس کے خلاف نہ اٹھ سکی" خاندان عباسیہ نے دغابازی، نفسانیت اور خود غرضی کا جو بیج مسلمانوں میں بویا تھا۔ اس کے خراب اور مسموم اثر سے اس وقت تک مسلمانوں کو مفر حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ اور یہ بنیادی اثرات مسلمانوں کی تباہی کا سبب بنے ہوئے ہیں"

حصول کے لئے مسلمانوں نے اکثر اوقات اپنی سلطنت ۔قوم یا بادشاہ کو قربان کردیا ہے ۔کیونکہ جو لوگ بالطبع پرہیزگار نہیں ہوتے اُن کے واسطے یہ آسان بات ہے کہ اپنے نفع کے مقابلہ میں قوم کے نفع کو بھول بیٹھیں ۔

یہ رواج ہوگیا ہے کہ اسلام کی تباہی چنگیز اور حملہ تاتاریوں سے منسوب کیا جائے ۔مگر میری عاجزرائے میں پہلا سبب عباسیوں کی خراب مثال خود غرضی کی ہے " " خطبات عالیہ " مرتبہ مولوی ابو امداحمد صاحب زبیری مارہروی "

(۱۳۴۶ ہجری مطابق ۱۹۲۷ء ۔ صفحہ ۲۱۵-۲۱۴-۲۱۱)

مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

(۳) تاریخ اسلام مؤلفہ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی میں ہے کہ " اِن متذکرہ خلفائے عباسیہ " عبداللہ السفاح " ابو جعفر منصور " المہدی " ہادی " ہارون الرشید " الامین " مامون " معتصم باللہ " اور " واثق " کے زمانے کو " عباسی حکومت کے انتہائی عروج " اور دبدبہ و شوکت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے " لیکن اس تمام زمانے میں " بغاوتوں سے ایک دن بھی فرصت نہیں ملی ۔اور کسی تدبر کا اظہار نہیں ہوا جو امن قایم ہو جاتا " عرب زمانہ جاہلیت تک میں " وفائے عہد کے لئے " ممتاز تھے ۔ اور اسلام نے تو خاص طور پر اس کی تاکید کی ہے لیکن بنی عباس نے " اپنی سیاست میں اس صفت کو بھی نظر انداز کر دیا " جو لوگ اُن کا ساتھ دیتے اور اُن پر بھروسہ کرتے تھے " بنی عباس " اپنی ضروریات کے موقع پر بھی " غداری " کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے " چنانچہ " بد عہدی " اور " بیوفائی " خلفائے عباسیہ میں " سلسلہ بہ سلسلہ چلی آئی ہے " اِسی لئے " محمد بن علی طبا طبائی " کو اپنی کتاب " الفخری " میں کہنا پڑا " کہ دولت عباسیہ " کا شیوہ " چالاکی " اور " غداری " تھا ۔ اور قوت و طاقت کی بہ نسبت " اُن کی سیاسیات میں " بد عہدی و فریب کا " جزو غالب رہا "

انہوں نے " شجاعت و بہادری کا بھی کوئی عمدہ نمونہ نہیں پیش کیا " ۱۳۷ ہجری میں " عبداللہ بن علی (بن عبداللہ بن حضرت عباس رض) ابو مسلم خراسانی کے سامنے سے بھاگا " اس کے امراء نے اس کو ہر چند روکا کہ سپاہی کا کام بھاگنا نہیں ہے " اس سے پہلے تم مروان کو " گالیاں دیتے تھے ۔ کہ وہ موت سے ڈر کر بھاگ گیا " آج اس ننگ کو کیوں گوارا کرتے ہو ۔ لیکن وہ نہیں رکا ۔ اور بصرے پہنچکر اپنے بھائی کے یہاں چھپ رہا " (تاریخ الامت جلد چہارم)

" ابراہیم بن مہدی بن ابو جعفر منصور " کا حال " خلیفہ المامون " کے تذکرہ میں ہے کہ " وہ روپوشی کے بعد عورتوں کے لباس میں پکڑا گیا ۔ اور اُسی حالت میں " مامون " اپنے بھتیجے کے دربار میں پیش کیا گیا "

امین الرشید اس حالت میں گرفتار ہوا کہ بدن سے ننگا تھا صرف ایک پائجامہ پہنے تھا سر پر ایک عمامہ اور کاندھوں پر چادر تھی " اس کو قید خانے میں قاتل نظر آئے " تو بجائے اس کے کہ استقلال دکھاتا " اِنا للہ پڑھتا جاتا اور کہتا جاتا تھا " کہ ہائے میری جان مفت جاتی ہے ۔ کیا کوئی شخص یاور نہیں " کیا کوئی فریاد رس نہیں "

اِس خاندان کی بزدلی کی وجہ سے " ابو جعفر " کے زمانے میں " اسپین " ہارون رشید " کے زمانے میں " مراکش و تونس و الجیریا " کے علاقے " مامون " کے زمانہ میں " خراسان و فارس و یمن " کے علاقے صرف پچھتّر برس میں نکل کر پانچ حکومتیں اور قایم ہو گئی تھیں " پھر یہ خلفاء و یلمیوں کے اثر میں آگئے ۔ انہوں نے جسے چاہا تخت پر قایم رکھا اور جسے چاہا اندھا کر دیا " قید کر دیا " قتل کر دیا " بزدلی کی وجہ سے خواری اور ذلت سے ان کے دن گذرتے رہے " سرحدیں سمٹ کر دجلہ و فرات کے کناروں سے آلگیں ۔ اور بالآخر " ہلاکو خاں نے " اِس حکومت کا نام ہی مٹا دیا "

ایسے خاندان سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والا کوئی شخص اگر اپنے موضوع سے ہٹ کر یعنی نسبی بحث میں " افغان " کنبوہ یا کنبو " اور " کشمیری " خانوادوں کی تحقیر کے لئے کسی جاہل اور حاسد و کینہ ور " نیز بزدل شخص کے جسے اپنا نام ظاہر کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی " ایسے لچر اور خباثت سے بھرے ہوئے قطعہ کو پیش کرتا ہے " تو یہ بھی دُنیا کے عجائبات سے ایک بات سمجھنی چاہیئے "

زبیری "کنبوی" خاندان کے خصائص کی مزید جھلک

ہم اوپر بحث ۹ میں بتا چکے ہیں کہ "اپنی سیاحت کے زمانے میں "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ زبیری کنبوی ـــ "مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے گھر ہرات میں جا کر "گرد میں اٹے ہوئے اور صرف ایک لنگی پہنے ہوئے۔ بلا واقفیت سابقہ کے بے تکلف اُن کے پاس بیٹھ گئے تھے "جس پر مولانا موصوف نے چیں بجبیں ہو کر کہا تھا "کہ خر و تو چند فرق است "(گدھے میں اور تجھ میں کیا فرق ہے) تو مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے اپنے اور اُن کے درمیان بالشت رکھدی تھی "دونوں میں فاصلہ بھی اسی قدر تھا"

اسی بحث میں ہم یہ بھی بتا آئے ہیں "کہ جب شاہنشاہ اکبر نے ـ نواب شہباز خاں کنبوی "کو دینِ الٰہی کی ترغیب دی تھی تو انہوں نے شاہنشاہ سے تیز و تند کلام کئے تھے "اسی دوران میں راجہ بیربر "کچھ بول اٹھا تو آپ نے اُسے ایسی ڈانٹ بتائی تھی کہ صحبت بدمزہ ہو گئی تھی"

نواب وقار الملک وقار الدولہ مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ زبیری کنبوی رجن کے متعلق خود مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے ص۲۲۳ پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے کہ "زمانہ حال میں "نواب وقار الملک مرحوم" اور... جیسی بلند پایہ ہستیوں سے اس دودمان عالی شان کا نام روشن ہے") جب سررشتہ دار کلکٹری تھے "تو ایک کلکٹر نے "ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے" احاطہ کچہری کی مسجد میں چلے جانے سے کام میں حرج ہونے کا آپ سے اظہار کر کے اصرار کیا تھا کہ "آپ قضا نماز پڑھ لیا کریں" تو آپ نے رخصت کی درخواست پیش کر کے اُس میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ "درخواست کی نامنظوری کی صورت میں اسی کو میرا ملازمت سے استعفا سمجھ لیا جائے"

آپ جب مملکت آصفیہ دکن میں اعلیٰ عہدہ پر متمکن تھے تو آپ نے نہایت آزادی سے "وزیر اعظم سر آسمان جاہ کو اُن کی اس کمزوری پر متوجہ کیا تھا کہ "جن کو چور اور دشمن سمجھتے ہیں ان کو بھی خدمتوں پر رکھا جاتا ہے" یہ اعلیٰ درجہ کی کریم النفسی ہے "یا یہ کہ خوشامد پر خیال کیا جاتا ہے" یا یہ کہ طبیعت کی کمزوری ہے" لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "قوت اور انتظام میں ضعف پیدا ہوتا ہے" سازشیں بڑھتی ہیں" دوسرے عہدہ داروں پر بُرا اثر پڑتا ہے "یہ ایک غلط طرز حکومت ہے اور انصاف کے خلاف ہے")

سر سیّد احمد خاں "جن سے آپ کے ایسے تعلقات تھے "جیسے پیر و مُرید میں ہوتے ہیں" مگر سر سیّد کی خواہش اور کوشش پر بھی آپ نے سیّد محمود کی حالت کے مدنظر انہیں علی گڈھ کالج کے سیکرٹری کے عہدہ کے ناقابل سمجھ کر "اُن سے اختلاف کرنے میں ذرا سا بھی پس و پیش نہیں کیا" اور نہایت جرأت و آزادی سے اپنی رائے لکھکر اور طبع کرا کر ممبروں کے پاس بھیجدی اُس میں اختلاف کی وجہ کو بھی خوب طرح کھول کر بیان کر دیا تھا"

سر سیّد کی مرضی کے خلاف ۱۸۹۰ء میں جب نواب صاحب نے "مملکت آصفیہ کے عہدے سے علیحدہ ہونے کے لئے پنشن کی درخواست دی اور وہ نامنظور ہوئی مگر آپ کا اصرار قایم رہا" تو سر سیّد نے لکھا تھا کہ "نواب انتصار جنگ کو اپنی رائے پر "تریاہٹ" سے بھی زیادہ ہٹ ہوتی ہے" (ص ـــ تذکرہ وقار)

برٹش گورنمنٹ اور اُس کے حکّام یعنی "وائسرائے" اور گورنروں" کی طرف سے بھی جب کوئی اختلاف کی صورت پیش آئی" آپ نے اُن پر تنقید کرنے میں کبھی کوئی پس و پیش نہیں کیا" اور کسی اثر سے متاثر ہو کر کسی وقت کوئی رائے نہیں دی" جس بات کو حق جانتے بلا کسی تامّل کے اُس کا اظہار کر دیتے تھے" آپ کی دینداری" قومی خدمات "اور حق گوئی کا قوم پر اتنا اثر تھا کہ آپ اُس کے ملجا و ماویٰ اور بے تاج کے بادشاہ تھے" جب آپ کا "علیگڈھ کالج کے سیکرٹری کے عہدے پر قوم کی طرف سے انتخاب ہوا ہے" تو اُس وقت کے اخباروں نے لکھا تھا کہ "حضرت عمر فاروق رض" کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی طرف سے آپ کا انتخاب بالاتفاق ہوا ہے") اُس زمانہ میں "علیگڈھ کالج کا سیکرٹری ہی ہندوستان کے مسلمانوں کا واحد امیر یا لیڈر ہوتا تھا"

ان تین بزرگوں کے کیرکٹر دکھا چکنے کے بعد "اب ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ اس دودمان عالی شان زبیری کنبوی کا مزاج ہر زمانے میں یکساں رہا ہے" اس کا حال جاننے کے لئے اگر تاریخوں کی ورق گردانی کرنے میں زحمت سمجھی جائے تو اس خاندان کے کسی فرد کو یا متعدد افراد

کو جانچ لیا جائے " انشاء اللہ اُن میں " اسلام دوستی " حمیت و غیرت وشان " صاف گوئی " و بیباکی " اور دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ہستی سے بھی مرعوب نہ ہونے کی صفات ضرور پائی جائیں گی " اپنی انہیں صفات کی وجہ سے یہ خاندان ہمیشہ محسود و بدلیق رہا - اور اب بھی ہے " اور اپنے حسد کا ایک نمونہ تو خود مؤلف امروہوی نے ہی انسی بحث میں اِس شعر کو پیش کر کے دکھایا ہے "

جو خاندان صفات مندرجہ بالا سے متصف ہو " اور جس کے افراد کی وہ حالت ہو جو ابھی ہم نے " مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ " نواب شہباز خاں " اور " نواب وقار الملک " کے حالات میں بتائی ہے - اُس کے متعلق اور ان " کشمیریوں " کے بارے میں بقول " شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب " کے کسی " بدتمیز شاعر کا " شعر پیش کرنا مؤلف امروہوی کی دلی نجاست کی دلیل نہیں ہے تو اور کیا ہے "

ہمیں مؤلف موصوف کے پیش کردہ شعر اور پورے قطعہ کی حیثیت دکھلا چکنے کے بعد یہ بات اور بتانی ہے کہ " مملکت آصفیہ میں جن علاقوں کے لوگوں کے لئے یہ شعر رائج ہے " وہ " بیدر " میدک " اور " کوہیر " ہیں " اوّل الذکر دو مقام دو ضلعوں کے صدر مقام ہیں " جن میں سے پہلا " علاقہ مرہٹواڑی کا ضلع ہے - اور دوسرا ضلع " علاقہ تلنگانہ کا ہے " کوہیر " بیدر ضلع کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہے " اور وہاں یہ شعر اس طرح پڑھا جاتا ہے

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری
یکے میدکی " دوم بیدری " سوم بدذات کوہیری

کیونکہ یہ تینوں مقامات سادات " و مشائخ عظام کے مسکن " اور ذی علم و صاحب ثروت و بااثر لوگوں کے وطن تھے " اِس لئے اُن کے کسی حاسد نے " اِس شعر کو اِس طرح ترتیب دیدیا جس طرح ہم نے اوپر لکھا ہے "

بیت :- " اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری " ... الخ " کس زمانہ میں کس وجہ سے تصنیف کی گئی "

یہ قطعہ جس پر ابھی ہم نے بحث کی ہے " کس زمانے میں عالم وجود میں آیا " اُس پر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب " نے یہ لکھ کر " کہ متاخرین میں سے کسی بدتمیز شاعر نے یہ شعر کہا ہے ") روشنی ضرور ڈال دی ہے " لیکن اُن کے بیان سے ٹھیک زمانے کا تعین نہیں ہوا " اور نہ یہ بات معلوم ہو سکی ہے کہ " وہ کیا حالات تھے جن سے متاثر ہو کر یہ قطعہ کہا گیا تھا " اِس جگہ ہم اِن باتوں پر بھی روشنی ڈال دینا مناسب سمجھتے ہیں "

محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں اُن کی عدم توجہی اور عیش پرستی کی وجہ سے سلطنت کی چولیں ڈھیلی ہو گئی تھیں " نادر شاہ کے حملے " غارتگری " اور " قتل عام نے " اِس دولتِ قاہرہ پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی " تو خوانین کنبوہ " (جو ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے " سلطنت کے کاروبار میں دخیل اور مہمات میں کفیل تھے " حکومت کی اس بدتر حالت کو دیکھ کر اور اپنی حالت کو محفوظ نہ جان کر " دہلی سے نقل سکونت کر کے " مراد آباد " امروہہ " بانس بریلی جا بسے " اور ہمت خاں (اتالیق شہنشاہ فرخ سیر و از امرائے کنبوی ... محمد شاہ بادشاہ ") و عبدالوہاب خاں (از امرائے محمد شاہ بادشاہ) بنگال چلے گئے " اور وہاں بڑی عزت و حرمت سے لئے گئے " عبدالوہاب خاں کنبوہی " شاہ عالم کی حکومت بنگال میں پھر قایم کر دینے کی کوشش کی وجہ سے " وہیں میرن پسر و ولیعہد و سپہ سالار میر جعفر کے ہاتھ سے شہید ہوئے " جس وقت میرن پر بجلی گری ہے " ہمت خاں کنبوہی " اِس واقعہ سے تھوڑی دیر قبل " میرن " کے پاس سے اُٹھ کر اپنے مقام پر چلے آئے تھے "

غلام حسین خاں ابن ہمت خاں " راجہ چیت سنگھ " والئی بنارس کے مدار المہام ہو گئے تھے - راجہ کو آپ سے بڑی خصوصیت تھی " جب راجہ کو تخت سے علیحدہ ہونا پڑا " اُس وقت " غلام حسین خاں نے لکھنؤ میں لارڈ کارنوالس سے ملکر " راجہ کی معافی کی کوشش کی لیکن جب انہیں اس میں ناکامی ہوئی " تو وہ دہلی چلے آئے " سبحان علی خاں ابن غلام حسین خاں " اور اُن کے عزیز " تاج الدین حسین خاں کنبوہی " جو سرکار انگریزی میں تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے " وہاں سے قطع تعلق کر کے " نواب سعادت علی خاں " کے زمانے میں لکھنؤ چلے آئے " جہاں اُن کی بڑی قدر ہوئی " تھوڑی ہی مدت میں اِن دونوں نے اپنے زور قلم " حسن تدبیر " اور کشور کاری " کی وجہ سے وہ ناموری حاصل کی کہ " نواب غازی الدین حیدر " کے اُمرائے کبار میں شامل ہو گئے " اور یہ دونوں " فارسی کے بڑے ادیب اور منشی مانے جاتے تھے " صاحب تاریخ اودھ جلد سوم کے صفحہ ۹۰ و ۹۱ پر مولوی حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری نے لکھا ہے کہ " سبحان علی خاں کنبوہ " علامہ عصر " ہمہ صفت موصوف " نثار بے نظیر " عالی فکر " اور

خوش تدبیر تھے" "معتمد الدولہ (آغا میر وزیر اعظم) ان کے بغیر مشورہ کوئی کام نہیں کرتے تھے"

اور "تاج الدین حسین خاں" ذی عقل "ارسطوئے عہد" تھے "کنبوہوں میں ایسا آدمی کم گذرا ہے" سوانح سلاطین اودھ جلد اوّل صفحہ ۲۱۳ پر کمال الدین حیدر حسنی الحسینی" نے لکھا ہے کہ "نوابانِ اودھ" کی جانشینی کے مسئلہ پر ان دونوں کی رائے کو بڑا دخل تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ "بادشاہ گر" کے لقب سے آج تک لکھنؤ میں یاد کئے جاتے ہیں"

علاوہ اِن بزرگوں کے اِن کے سب صاحبزادے بھی بہت نامور اور صاحب اثر تھے" بادشاہ نصیر الدین حیدر کے انتقال کے بعد "فریدوں بخت" تخت پر بیٹھ گئے تھے" مگر دفعتاً "احسان حسین خاں ابن سبحان علی خاں کنبوہی" کی آمد سنکر کمرے میں چھپ گئے اور اُن کے خوف سے اُن کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی" احسان حسین خاں" محمد علی شاہ کو سلطنت کی مبارکباد اور نذر دیکر رخصت ہو گئے" (سوانح سلاطین اودھ)

احسان حسین خاں اپنے جلسہ میں علانیہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ بڑے مشکل کاموں کو ہم ہی حل کرتے ہیں" "روشن الدولہ" (وزیر اعظم) میں اس قدر قابلیت کہاں تھی کہ وہ سلطنت کے کاموں کا بوجھ سنبھال سکتے" اس لئے کل بڑے کاموں میں "سبحان علی خاں کا مشورہ" کام کرتا تھا۔ اور چھوٹے کاموں میں "احسان حسین خاں" کو مداخلت تھی" (تاریخ اودھ صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶)

امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد "واجد علی شاہ بادشاہ تخت نشین ہوئے تو اُن کے اکتالیس[1] درباریوں میں "نواب مظفر حسین خاں ابن نواب سبحان علی خاں" بھی تھے" (فہرست درباریان جلد دوم صفحہ ۳۱)

غرضکہ "خوانین کنبوہی" ہی کی رائے پر کاروبار حکومت چل رہے تھے۔ اور اُن ہی کے اِشاروں پر وزراء کا عزل و نصب ہوتا تھا" انہیں کا گھر معین خاص و عام تھا" جب اِن خوانین سے "منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں" وزیر اعظم کی اَن بَن ہو گئی تو اُس کے نتیجہ میں "منتظم الدولہ" معزول کئے گئے"

اِن کنبوہی خوانین کے علاوہ "اِس سلطنت میں" افغان[1]" اور "کشمیری" خوانین بھی اچھے نامور اور اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے" اور یہ تینوں گروہ گویا اپنی اپنی برتری کے لئے رسّہ کشی کیا کرتے تھے" مگر دوسرے فریق اُن کے اثر اور اقتدار کو دیکھکر دم بخود تھے اور حسد کی آگ میں جلتے رہتے تھے" چنانچہ انہیں حاسدوں میں سے کسی "مجہول النسب شخص نے (کہ جس کو اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہوئی") یہ قطعہ جس کا ایک شعر "مؤلف امروہوی نے نسب کی بحث میں پیش کیا ہے" لکھکر اپنے حسد کے پھپھولوں کو پھوڑنے کی کوشش کی ہے" اُس زمانے میں جس جس طرح سے دلوں کے بخار نکالے جا رہے تھے" ان کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں"

اعتماد الدولہ سیّد فضل علی خاں دہلوی کی وزارت اودھ کی ہجو یہ تاریخ کتاب مضامین فرحت حصّہ ششم کے صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ پر تحریر ہے کہ "جب اعتماد الدولہ" وزیر لکھنؤ کر دیئے گئے۔ تو حضرت ناسخ (المتوفی ۱۲۵۴ھ ہجری مطابق ۱۸۳۸ء) نے "اُن کی وزارت کی تاریخ" دہْت دہْت تیری تیری" نکالی۔ دیہاتی کو چلانے کے لئے چمار "دہْت دہْت" اور روکنے کو "تیری تیری" کہتے ہیں" اِس میں یہ چیز مضمر ہے کہ "اعتماد الدولہ کے بزرگ "شاہی چمار" ہوا کرتے تھے" اِسی جانب "ناسخ" نے اِشارہ کیا ہے" (معتمد الدولہ کی جگہ نصیر الدین حیدر نے انہیں وزیر مقرر کیا تھا یہ شیعہ تھے)

سات امرائے سلطنت کی ہجو یہ مشترکہ تاریخ اور اُس کی توجیہ تاریخ اودھ جلد دوم مؤلفہ مولوی حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری کے صفحہ ۲۸۹ پر تحریر ہے کہ "یہ تحقیق ہو گیا ہے کہ "وزیر علی" کی ماں" ایک امیر کے گھر میں ماما تھی" تین لڑکے اُس کے تھے" اُس کے بڑے بیٹے کو "آصف الدولہ"

نوٹ (۱) ادبی خطوط غالب مرتبہ مرزا محمد عسکری بی۔ اے لکھنوی مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۹۸ پر ہے کہ "قتیل کے علم فارسی کا ماخذ ان لوگوں کی تقریر ہے جو" نواب سعادت علی خاں کے وقت میں" ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے" اور ہنگامہ آرا ہوئے بیشتر سادات دکشمیری" یا "کابلی" و "قندھاری" و "ہرانی" اچیا" کوئی عامہ اہل ایران میں سے بھی کوئی ہو" مانا کہ ملائے ایران سے بھی کوئی ہو گا"

(المتوفی ۱۲۲۳ھ ہجری) نے پانسو روپیہ کو مول لیا تھا۔ اور اُس کا نام امیر محمد رکھا تھا۔ دوسرا بیٹا اپنی ذلیل حالت میں نوکری چاکری کرتا تھا۔ تیسرا بیٹا وزیر علی تھا۔ نواب کی عادت تھی کہ وہ حاملہ عورتوں کو مول لے لیتے تھے اور اُن کے یہاں جو بچے پیدا ہوتے تھے۔ تو ان کو اپنا بنا لیا کرتے اور اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کیا کرتے تھے۔ وزیر علی خاں کو بھی نواب نے پانسو روپیہ کو مول لیا تھا۔ غرضکہ یہ کیفیت تھی وزیر علی خاں کی۔ مگر جب وہ نواب آصف الدولہ کے بعد تخت نشین ہو گیا تو انگریزی گورنمنٹ نے اُس کا کوئی استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے اُسے معزول کر کے نواب سعادت علی خاں کو گدی نشین کر دیا۔

(اسی تاریخ اودھ کے صفحہ ۲۸۶ و ۲۸۷ پر ہے کہ گورنر جنرل نے (جو اسی کام کے لئے لکھنؤ آئے تھے) وزیر علی خاں کو طلب کر کے اپنی کوٹھی پر بٹھا لیا۔ ... صبح کو آفریں علی خاں اور اشرف علی خاں گورنر جنرل کے حکم سے وزیر علی خاں کے پاس رہے اور رائے تلسی رام نے وہ اشتہار جو نواب سعادت علی خاں کے استحقاق ریاست اور وزیر علی خاں کی معزولی کی نسبت خان علاّمہ (تفضل حسین خاں) وزیر سلطنت اودھ کا لکھا ہوا تھا۔ گورنر سے لیکر جاری کیا۔ اور نئی حکومت کا اعلان کیا۔ بعد اس کے گورنر جنرل نے وزیر علی خاں کو بنارس بھجوا دیا۔ لاکھوں روپیہ کا سامان اُس کے ساتھ کیا۔ ... وزیر علی کی حکومت لکھنؤ میں چار مہینہ اور کئی روز رہی۔ ... شعراء نے وزیر علی کی معزولی کی تاریخیں موزوں کیں۔ تو اُن میں اُن آدمیوں کی بہت مذمّت کی جو اُس کی معزولی کے بانی مبانی ہوئے۔

تاریخ

از سر نام ہفت کور نمک	سال تاریخ مدعیان بینمک	
اوّل آں قاتل حسن "الماس"	سر گروہ ہمہ حرام نمک	.... الماس علی خاں
بانہ "تحسین" کہ باد نفرینش	از سماوات ہم ز جن ملک	.... تحسین علی خاں
فتنہ پرداز "تفضل حسین" کشمیر	کہ شیاطین پدرش او طفلک	.... تفضل حسین خاں علاّمہ مدار المہام سلطنت آصف الدولہ۔
آں غدار دشمن جسیم و لئیم	جہل بسیار و دانش اندک	.... حسن رضا خاں سرفراز الدولہ مدار المہام سلطنت آصف الدولہ و سعادت علی خاں
ناقص العقل زنکہ ناداں	دست بردار شد ازاں کودک	.... بہو بیگم مادر آصف الدولہ
راجہ ہم داخل لئیمان شد	کرد پاس نمک نہ خاطر حک	.... ٹکیت رائے راجہ
دادن دختر و دغا کردن	شرف خود شناخت آں مردک	.... اشرف علی خاں خسر وزیر علی خاں

قہر کردند بہر عزل وزیر
خود سیاہ رو شدند زیر فلک (۱۲۱۲ھ ہجری) .... وزیر علی خاں

دیگر

اوّل بد نایب پشیمان	دویم بر آنکہ گشت دیوان
سویم الماس پور خناس	دیگر مردک شرف علی خاں
تحسین کہ برو ہزار نفرین	از وحش و طیور جنّ و انسان
پیدا شدہ ایں یزید ثانی	یعنی مرزا حسن رضا خاں
کردند اسیر امیر خود را	از مکر و فریب و کید شیطان

تاریخ اسیریش بر آمد
لعنت بر ہمہ نمک حراماں

(نوٹ نمبر ۲) تاریخ اودھ جلد سوم کے صفحہ ۳۱ و ۳۲ پر ہے کہ "سرفراز الدولہ حسن رضا خاں سلطنت اودھ کے قدیمی افسر خزانہ تھے۔ نواب شجاع الدولہ کے عہد سے وہ اس کام پر مامور تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں بیس برس سے زیادہ عرصہ تک انہوں نے نیابت (مدار المہامی) کا کام کیا۔ علمی لیاقت سے محروم تھے مگر عقل کے پتلے تھے۔ ذہن رسا تھا اور فارسی خوب سمجھتے تھے۔ وہ جب تک دربار میں نہیں آتے تھے اور کسی کو مجرے کی نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ سعادت علی خاں کے زمانہ میں دن رات کی حاضر باشی اور محنت سے نہایت تنگ آکر خواب و آرام کے وقت کام کا وقت مقرر ہونے سے بیمار ہو کر ۱۲۱۶ھ میں وفات پا گئے۔"

(نوٹ نمبر ۱) جلد سوم کے صفحہ ۱۴۴ پر ہے کہ "الماس علی خاں کی دولتمندی اور عالی ہمتی تمام اہل لکھنؤ سے بڑھی ہوئی تھی۔ اُس نے سپاہ موقوف کر کے عیش و عشرت میں کروفر سے زندگی بسر کی۔ اُسکی دولتمندی اور عالی ہمتی مشہور زمانہ تھی۔ مرتے وقت کروڑوں روپیہ اُس کے خزانہ میں تھا۔ ارباب شہر بجیب و شریف جو اس کے قرضدار تھے۔ ان کے قرضہ کی دستاویزیں مرنے سے پہلے اپنی مسجد کی حوض میں ڈالکر اُس نے اعلان کر دیا تھا کہ اب کوئی شخص اپنے آپ کو میرا قرضدار ظاہر نہ کرے۔ میں نے سب کا قرض معاف کر دیا۔ کلکتہ، بمبئی، حیدر آباد اور راجپوتانہ میں اس کی کوٹھیاں جاری تھیں۔ الماس علی خاں کی املاک، مسجد اور چھاؤنی و باغات، و عمارات، خانقاہیں وغیرہ اُس کے مرنے کے بعد نواب کی سرکار میں ضبط ہو گئے۔"

اُن کی بات قبول نہ کی" تو بالراست لڑکیوں سے بات چیت کر کے انہیں رضامند کر لیا" اور وہ باپ کی غیبت میں ان کے گھر آ گئیں" باپ نے گھر پہنچ کر لڑکیوں کو نہ دیکھا تو پوچھ گچھ شروع کی" آخرکار اُسے معلوم ہو گیا کہ ایک لڑکی" افغان کے پاس ہے" دوسری اور تیسری" کنبوہ اور کشمیری" کے مکانوں میں ہیں" پہلے وہ افغان کے گھر گیا" اُس نے اُسے دیکھ کر چھرا نکالا تو یہ ڈر کر وہاں سے چلا آیا اور کنبوہ کے گھر پہنچا" تو ان حضرت نے کچھ ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ وہاں سے بھی اُسے ناکام لوٹنا پڑا" اب وہ کشمیری کے یہاں گیا اُس نے یہ ترکیب کی کہ اپنا سر ایک پتھر سے پھوڑ کر غل مچا دیا کہ "اس شخص نے مجھے مارا ہے" دوڑو میری مدد کو پہنچو اور پولیس کو بلاؤ" یہ آفت جو لڑکیوں کے پدر بزرگوار نے دیکھی تو وہاں سے بھی بھاگ کھڑے ہوئے" اور ہانپتے کانپتے بمشکل اپنے گھر پہنچ گئے" دوسرے دن انہیں یہ اطلاع ملی کہ لڑکیوں نے بخوشی خود ان تینوں دوستوں سے اپنے نکاح پڑھوا لئے ہیں" آخرکار کوئی چارہ نہ دیکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اُن لڑکیوں کے والد بزرگوار نے یہ بیت تصنیف فرمائی" جس کا ایک شعر مؤلف امروہوی نے اس بحث میں پیش کیا ہے اور جس کے متعلق ہم اُوپر کچھ لکھ آئے ہیں" اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس شخص اور اس کے احبّا اور اقربا نے ان لڑکیوں کے واقعہ کا بہت اثر لیا اور اُن کی اولاد نے بھی اُسے اپنے دل سے فراموش نہیں ہونے دیا چنانچہ ابھی تک اکثر موقعوں پر وہ ان تینوں دوستوں کی کارروائی پر اس قطعہ کو پیش کر کے صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں" اگر مؤلف امروہوی کو اس روایت کے صحیح ہونے میں شک ہو تو تاریخی ثبوت یا اسناد یا کوئی خاندانی روایت کو پیش کر کے انکار کر سکتے ہیں"

"زبیری کنبوہی خاندان" کے متعلق "حاسدین کی گھڑی ہوئی ایک کہانی اور اُسکی حقیقت"

"نواب سبحان علی خاں" اور "نواب تاج الدین حسین خاں" جن کے متعلق "سوانح سلاطین اودھ" جلد اوّل مؤلفہ کمال الدین حیدر حسینی الحسینی کے صفحہ ۲۲۳ پر لکھا ہے کہ "فرمانروایان اودھ" کی جانشینی کے مسئلہ پر ان دونوں کی رائے کو بڑا دخل تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ "بادشاہ گر" کے لقب سے آج تک "لکھنؤ" میں یاد کئے جاتے ہیں"

ان میں سے "نواب تاج الدین حسین خاں" کے گھر میں دو تین اولادیں پیدا ہو کر ضائع ہو گئی تھیں" کیونکہ اُن کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی" اس لئے جب اُن کی بڑی صاحبزادی "کنیز فاطمہ" پیدا ہوئیں" تو جیسا آج کل بھی اکثر ہندو مسلمانوں میں کیا جاتا ہے" کہ جب کسی کے کئی اولادیں ہو کر ضائع ہو جاتی ہیں تو وہ بطور "ٹوٹکا" اپنے نومولود بچے کو کسی غریب کے ہاتھ اس خیال سے ایک ٹکے میں فروخت کر دیتا ہے کہ "ہماری اولاد تو زندہ رہتی نہیں" اللہ کرے گا تو اس ہی کے نام سے یہ بچہ بھی جائے گا" یہ گھر کی مہترانی یا بھنگن کے ہاتھ اسی خیال سے ایک ٹکے میں فروخت کر دی گئیں خدا کا فضل شامل حال ہوا "کنیز فاطمہ" زندہ رہیں" اور اُن کی شادی "نواب سبحان علی خاں کے صاحبزادے" نواب مظفر حسین خاں" سے ہو گئی

اس تقریب میں جہیز "کنیز فاطمہ" کی اس دوسری ماں بھنگن نے بھی اپنی "بیٹی" کو جہیز میں بہت کچھ بیش قیمت چیزیں دی تھیں" جن میں" ایک سونے چاندی کا "سکہ دان" اور ایک پنجہ اور ایک "ٹوکرا" چاندی کا شامل تھا" بھنگن کی دی ہوئی یہ چیزیں "بڑی عزّت اور محبت سے لی گئیں" اور دلہن کے جہیز کے دوسرے سامان کے ساتھ وہ بھی لوگوں کو دکھائی گئیں" اور اس پر اظہار خوشی و مسرت کا اظہار کیا گیا" اور اس بھنگن ماں کو "کنیز فاطمہ" کی شادی میں [illegible] کیا گیا [illegible] اس زمانے کے بادشاہ اور امرا کے خدمتی اشخاص اور مہترانیوں یا بھنگنوں کو آج کی بھنگنوں پر قیاس کرنا چاہئے [illegible] تھے اور خاندانی مراسم و تقریبات پر اُن کو اسی قدر انعامات دیا کرتے تھے کہ [illegible] ہمارے زمانے کے اکثر امراء کو بھی نصیب نہیں ہیں" مگر مخالفین و حاسدین کو ایک موقع ہاتھ آ گیا" انہوں نے اس پر یہ حاشیہ چڑھا دیا کہ "ان خواتین کنبوہی" کے یہاں یہ رسم ہے کہ دولہن کے گھر دولہن کے آنے کے بعد پہلا کام اس سے پاخانہ اٹھوانے کا لیا جاتا ہے" ان حاسدین و مخالفین کی ذریات آج بھی موجود ہے" اور اپنے حسد کا کبھی کبھی اس حاشیہ آرائی کے بیان سے بھی مظاہرہ کر لیا کرتی ہے" جس کی حقیقت وہ ہے جسے ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے"

موجودہ زمانے میں "عزیزی میاں محمد زبیری کنبوہی سلمہ اللہ تعالیٰ اسسٹنٹ لائبریرین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" جب بہت اللہ آمین کے بعد پیدا ہوئے تو اُن کے محترم دادا "شیخ الرئیس ثانی حکیم ابو صالح صاحب مرحوم و مغفور" نے اپنے پوتے کو اسی خیال کے تحت جس کا ذکر آچکا ہے ایک بھنگی کے

ہاتھ فروخت کیا تھا" یہ عورت اپنے اِس بچّہ کو قریباً روزانہ دیکھنے کو آیا کرتی اور دروازہ پر کھڑی ہو کر کہا کرتی تھی "کہ اے داتا میرے" کونسا دن ہوگا جب میرا بچہ اِس قابل ہوگا کہ کوٹھے میں بیٹھکر تبلے پہ ہاتھ مارے گا"

خاندانِ برکاتیہ مارہرہ کے "سیّد آلِ نبی" کو بھی اِسی کنچنی نے جس کا نام "محمدی" تھا خرید ا تھا" جس نے "محمد زبیر" عرف فرحت میاں سلمٰہ کو خرید لیا تھا"

رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب "جلد ۴ نمبر ۱و۲ بابت ماہ جولائی واگست ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۹۵ پر" منشی پریم چند صاحب بی۔اے۔کے قصّے "ماں کا دل" میں تحریر ہے کہ"

بیوی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ خدا اِسے ہمارے ہاتھ سے چھین نہ لے" سچ کہتی ہوں مجھے اِسے گود میں لیتے ڈر لگتا ہے" اسے تم آج سے اپنا بچّہ سمجھو" تمہارا ہو کر شاید بچ جائے" ہم تو بدقسمت ہیں" ہمارا ہو کر اس پر ہمیشہ مصیبت آتی رہے گی" آج تم اس کی ماں ہو جاؤ" تم اسے اپنے گھر لے جاؤ" جہاں جی چاہے لے جاؤ" تمہاری گود میں دیکھ کر مجھے کوئی فکر نہ رہے گی" اصلیّت میں تم ہی اس کی ماں ہو" میں تو راکھشی ہوں"

مادھوی۔ بہو جی "خدا سب اچھا کرے گا" کیوں جی اِتنا چھوٹا کرتی ہو"

مسٹر باگچی۔ نہیں نہیں بوڑھی ماں" اِس میں کوئی حرج نہیں" میں اپنے خیال سے تو اِن باتوں کو ڈھکوسلا ہی سمجھتا ہوں" مگر دل سے دُور نہیں کر سکتا" مجھے خود میری والدہ نے" ایک دھوبی کے ہاتھ بیچ دیا تھا" میرے تین بھائی مر چکے تھے" میں جو بچ گیا تو ماں باپ نے سمجھا کہ بیچنے ہی سے اس کی جان بچ گئی" تم اِس بچّے کی پرورش کرو" اسے اپنا لڑکا سمجھو" خرچہ ہم برابر دیتے رہیں گے" اِس کی کوئی فکر مت کرو" جب ہمارا جی چاہے گا آ کر دیکھ لیا کریں گے"

غرضکہ اِسی طرح کنیز فاطمہ" بھی اپنے گھر کی مہترانی کے ہاتھ فروخت کر دی گئی تھی" اور اِس خیال سے اُنہیں اِس مہترانی کی بیٹی بنا دیا گیا تھا کہ "شاید وہ اُسی کے نام سے جی جائیں"

باب دہم

"کنبوہ حضرات کے "ہندی الاصل" ہونے کے متعلق" مسٹر اٹکنسن بی۔اے۔(بنگال سول سروس) گزیٹیر صوبجات متحدہ" جلد سوم (حصّہ دوم مطبوعہ ۱۸۷۶ء) میں صفحہ ۲۹۲ پر لکھتے ہیں کہ "کمبوہ" اب تک اس ضلع" (یعنی میرٹھ) میں "ہندو کمبوہ" موجود ہیں۔ اور عام روایت یہ ہے کہ "مسلمان کمبوہ" اصلاً اِن ہی میں سے ہیں" "خود کمبوہ" یہ بیان کرتے ہیں کہ "قدیم الایّام میں ہمارا خاندان "شہر غزنین کا ایک ممتاز خاندان تھا جو" کم از گو" سے جو فارسی کے مصدر "گفتن" سے مشتق ہے" موسوم تھا" اِس خیالی اشتقاق کے متعلق اُن کا یہ اِدّعا ہے کہ "اس زمانہ میں یہ خاندان "گفتار کا کم" اور "کردار کا زیادہ تھا" جب محمود غزنوی" ہندوستان پر فوج کشی کی غرض سے روانہ ہوا تو اس خاندان کے لوگ بھی اُس کے ساتھ ہو لئے" میرٹھ کے" راجہ مالی کا قلعہ فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور یہ لوگ یہیں متوطن ہو گئے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ "حسن محمودی (میمندی) نام" ایک کنبوہ "غزنوی کا وزیر تھا" شہر کی جامع مسجد" اسی کی معمرہ ہے" یہ مسجد اس وقت تک موجود ہے" ان کا بیان ہے کہ اِس مسجد کے اطراف میں "وہ غازیانِ قوم کنبوہ" مدفون ہیں جو "میرٹھ" کے معرکۂ جدال وقتال میں مقتول ہوئے" اس کے بعد سوائے "خواجہ صدر الدین" اور خواجہ مہتا" کے اور سب "کمبوہ" میرٹھ" سے چلے گئے "موجودہ کنبوہ" ان ہی دو شخصوں کی اولاد سے اپنے آپ کو بیان کرتے ہیں"

لیکن زیادہ قرینِ قیاس یہ روایت ہے کہ "کنبوہ قوم کے لوگ" ابتداءً (عہد اسلامی) میں ہندو قوم سے مسلمان ہوئے "ضلع میرٹھ میں" مسلمان کنبوہوں کے علاوہ "ہندو کنبوہ" بھی موجود ہیں"

"صاحب گزیٹیر میرٹھ" مطبوعہ ۱۸۷۶ء لکھتے ہیں کہ "چوہر کے ہندو کنبوؤں کے قبضہ میں" تحصیل میرٹھ میں ۲ دو موضع ہیں" اور "مسلمان کنبوہوں کی ملکیت میں گیارہ (۱۱) ہیں" صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸

صاحب تحقیق الانساب کی پیش کردہ "مسٹر اٹکنسن بی۔اے" کی اس قیاس آرائی کے متعلق یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہم نے باب نہم میں جہاں "سر ہنری ایلیٹ" کی غلط بیانیوں کا انکشاف کیا ہے" اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ "سلطان محمود غزنوی غازی رحمتہ اللہ علیہ پر" ہندوؤں کو مسلمان بنانے کا الزام قطعاً بے بنیاد ہے اور اس کی ذرّہ برابر اصلیت نہیں ہے" وہاں مؤلف امروہوی کی "کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" جلد چہارم سے لے کر اُن کے وہ بیانات بھی پیش کئے ہیں" جن میں انہوں نے "صاحب گزیٹیر مرادآباد کے نوشتوں کا غلط ہونا ظاہر کیا ہے" اور جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی ہے کہ "خود مؤلف موصوف" انگریز ول صاحبان گزیٹیرس کی تحقیقاتوں کو خود بھی قابلِ اعتبار و استفادہ نہیں مانتے ہیں" لیکن اس جگہ جو انہوں نے اسی طبقہ کے "ایک ایسے شخص کا بیان پیش کیا ہے جس کی تحقیقات کا مدار محض اُس کے قیاس پر مبنی ہے" تو کیا اس سے یہ بات صاف طور سے ظاہر نہیں ہوگئی ہے کہ "انہیں اپنے حصول مقصد کے لئے ایسے بیان پیش کرنے میں کوئی باک نہیں ہے جن کی قیمت اُن کے نزدیک بھی کچھ نہیں ہے"

انہوں نے "اپنے خاندان کے متعلق کسی تاریخ و تذکرہ میں حالات نہ ملنے سے مجبور اور لاچار ہو کر" اپنے نسب اور شجرے کے صحیح ہونے کا مدار صرف اپنے خاندانی یا گھریلو روایات پر رکھکر اصرار کیا ہے کہ "اُن کی اِن روائتوں کو آیت وحدیث سمجھکر سب لوگ قبول کرلیں" مگر جب وہ اپنی کتاب تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحہ ۲۳۳ میں "دوسروں سے اس بارے میں "تاریخی وجغرافیائی شہادتیں طلب کرتے ہیں" اور اُن میں سے کسی کی روائتوں کو ہرگز یقین نہیں کرنا چاہتے" تو ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اُن کے پیش کردہ "مسٹر اٹکنسن" کے اِن بیانات میں کون سی تاریخی شہادت موجود ہے" اور یہ کیسی تحقیق ہے کہ انہوں نے ایک ناواقف شخص کے قیاس ہی پر یہاں اپنی تحقیقات کا مدار رکھنا ضروری خیال کرلیا ہے۔

اقوامِ ہند کے حالات سے مسٹر اٹکنسن کی ناواقفیت اور اُن کے قیاس آراء کی حقیقت

مسٹر اٹکنسن نے تحقیق و تلاش۔ یا تاریخوں کی بہم رسانی اور ورق گردانی کی ذراسی محنت بھی گوارا نہیں کی ہے" اور "زبیری" "کنبوہی" حضرات کے اپنے خاندان کے متعلق بیانات کو بھی نظر انداز کر کے صرف اپنے قیاس کا اظہار کیا ہے" ایک غیر ملک کا باشندہ ہونے کی وجہ سے" اجنبی زبان کے "قریب المخرج" یا "ایک تلفظ رکھنے والے" مختلف المعنی الفاظ میں وہ کوئی تمیز نہیں کرسکتے تھے" اس لئے انہوں نے "زبیری خاندان کے سکنی لقب کنبوہی" کو جو کہیں کہیں کتابت کی غلطی سے "کنبو" لکھ گیا۔ اور بعد میں بولا بھی جانے لگا" اور "قوم کمبوہ کو" ایک سمجھ لیا" اور وہ یہ بات بالکل نہیں جان سکے کہ اردو زبان میں "بہت الفاظ ایسے ہیں" جن کا تلفظ ایک ہی ہے" مگر ان کے معانی و مطالب میں بُعد المشرقین ہے" مثلاً دو لفظ "صحیح" اور "سہی" ہیں جن کا تلفظ ایک ہے" مگر اُن کے مطالب و معنی" الگ الگ ہیں" جن میں کوئی تعلق کسی طرح کا نہیں ہے" البتہ اُن کے اِملے میں فرق ہے۔ اور یہ فرق اِس وجہ سے رکھا گیا ہے" اگر اُن کو ایک ہی طرح سے لکھا جائے تو اُن عبارتوں کے پڑھنے میں جن میں اپنے اپنے مواقع پر یہ الفاظ لکھے جاتے ہیں اُن کے سمجھنے میں بڑی اُلجھن پیدا ہو جائے گی" ہندوستان ہی میں مختلف قبائل و

(نوٹ ۱)

مجھ سے غالب یہ علائی نے لکھوائی	ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی	(غالب)
رہن رکھوا کر ترا عمامہ دلوا دوں شراب	زاہدا تجھ کو کروں منّتِ احسان تو سہی	(ناسخ)
چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد	گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی	(غالب)
گر ناز نیں کہے کا بُرا مانتے ہیں آپ	میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی	(انشا)
جھڑکی سہی۔ ادا سہی۔ چین جبیں سہی	سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی	(انشا)

میں اپنے بزرگوں کی طرف سے نفرت اور آپس میں ایک دوسرے سے عداوت پیدا ہو۔" بہرحال آج ہمارے مدرسوں میں ایسے مصنفین کی کتابیں یا اُن کے ترجمے پڑھائے جاتے ہیں۔"

(روزنامہ "الجمعیۃ" ۳۰ اپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۲ کالم ۲)

ایسے تاریخی شواہد کثرت سے موجود ہیں "جو قطعی اور یقینی طور سے "زبیری کنبوہی خاندان" اور "قوم کمبوہ" کے مختلف النسل "یعنی اوّل الذکر کے عربی النسل" اور "ثانی الذکر کو ہندوستان کی قدیم قوم ہونے کو" ظاہر کرتے ہیں "اُن میں سے کچھ تو مؤلف موصوف کے پیش کردہ بیانات کے جوابوں میں ہم اُوپر پیش کر چکے ہیں "اور بہت سوں کو اُن کے مواقع پر آگے پیش کریں گے۔"

اس جگہ اس بات کا ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ "مسٹر اٹکنسن" نے جن کنبوہ حضرات کے یہ بیانات لکھے ہیں کہ:۔

(۱) ہمارا خاندان "غزنی" کا ایک ممتاز خاندان تھا۔"

(۲) اور "کنگو" کے نام سے موسوم تھا۔"

(۳) سلطان محمود غزنوی "کی ہمراہی میں ہمارے بزرگوں نے راجہ مائی سے "میرٹھ" کا قلعہ فتح کیا تھا۔"

(۴) احمد بن حسن (میمندی) وزیر اعظم سلطان محمود غزنوی بھی ہمارے ہی خاندان کے ایک فرد تھے۔" ان بیانات کے پیش کرنے والے "زبیری کنبوہی" خاندان کے اصحاب تھے۔" قوم کمبوہ" کے کسی فرد کا اس بیان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

خواجہ بزرگ احمد بن حسن "وزیر اعظم سلطان محمود غزنوی" کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہیں ہے" اُن کے حالات تاریخوں اور تذکروں میں وضاحت سے تحریر ہیں۔ وہ سلطان محمود غزنوی کے دودھ شریک بھائی بھی تھے" اُن کے والد بزرگوار سلطان سبکتگین کے زمانے میں "بست" کے گورنر تھے" کیونکہ "احمد بن حسن" بہت بڑا اثر اور اقتدار رکھنے کے علاوہ اپنے اچھے خصائل "علم و فضل" اور نیک اوصاف کی وجہ سے بہت ہر دلعزیز تھے تاس لئے کتب تواریخ میں اُنہیں "خواجہ بزرگ" کے لقب سے لکھا گیا ہے۔"

مؤلف امروہوی نے جب "زبیری کنبوہی" خاندان کی نئی تحقیقات پر قلم اٹھایا تو اُن کا فرض تھا کہ وہ "تاریخوں کی دکھائی ہوئی روشنی میں" ان بیانات کی جانچ پڑتال کرتے اور اُن سے جو نتیجہ برآمد ہوتا اُسے سامنے رکھتے" لیکن انہوں نے جب خواجہ بزرگ کی قومیت دکھانے کی تکلیف گوارا نہیں کی" اور محض مسٹر اٹکنسن کے قیاس پر اکتفا کر لیا ہے" تو اُن کے اس طرز عمل اور تحقیقات تاریخی میں کوئی مناسبت کس طرح ہو سکتی ہے۔"

ہم سمجھتے ہیں کہ "خواجہ بزرگ" کی قومیت کو اگر وہ دکھا دیتے۔ تو یقیناً اُس عبارت کو جو انہوں نے "سر ہنری ایلیٹ" کے اس بیان پر کہ "ان میں سے اکثر کو "سلطان محمود غزنوی" نے دین اسلام میں داخل کیا تھا۔ کتر دی کی تھی" اور جس کو باب نہم میں ہم زبین کے برابر کر آئے ہیں۔ کسی طرح بھی قائم نہیں کر سکتے تھے۔"

مسٹر اٹکنسن کی مبنی بر قیاس رائے کی غلطی" اور مؤلف موصوف کی تاریخی حالات کو عرض خفا میں رکھنے کے حال دکھا چکنے کے بعد اب ہم "زبیری کنبوہی خاندان" کے لقب "کنگو" کے بارے میں بتاتے ہیں کہ "تاریخوں اور تذکروں میں یہ لفظ دو طرح سے تحریر ہے۔"

(الف) تاریخ خان جہانی مخزن افغانی تالیف ۱۰۲۰ھ ہجری مؤلفہ خواجہ نعمت اللہ ہروی میں "بجائے کنگو" کے "کنگو" لکھا ہے چنانچہ اس تاریخ کے ورق ۱۵۳ پر تحریر ہے کہ:

گویند چوں سلطان بہلول درگذشت "و سلطان سکندر را بجہت سلطنت طلب داشتند" در ملازمت حضرت قطب الاقطاب "شیخ سماؤالدین کم کوئی الشہیر کنبوی دہلوی" رفت و گفت "می خواہم کہ متن کتاب "میزان صرف" پیش شما بخوانم" و نسخہ رقی الحال از بغل بر آوردہ" و پیش شیخ نہادہ۔۔۔۔۔

کہتے ہیں کہ جب "سلطان بہلول گذر گیا" اور سلطان سکندر کو سلطنت کے واسطے طلب کیا تو وہ قطب الاقطاب شیخ سماؤالدین کم کوئی الشہیر بکنبوی دہلوی کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے کتاب "میزان صرف" پڑھوں اور نسخہ کو فوراً بغل سے نکال کر حضرت شیخ کے آگے رکھا"۔۔۔۔۔۔

زبیری خاندان پر صادق لقب کنگو کی وجہ تسمیہ "الکوتہ کی لفظ کیا کہ" کا مخفف یا محرف ہے" جس طرح ایک اور ترکی لفظ کوتائی" بمعنی مجلس

(دیکھو مدینہ بجنور ۲ مارچ ۱۹۲۹ء) کیا کم یا "کمگو" کے معنی "دبیر و متصرف" یا "وزیر و حاکم جمہوریہ" کے ہیں۔ "مخفف یا محرف ہو کر "کموتے" لکھا اور بولا جاتا ہے۔ دیکھو کتاب "تحصیل کا میدان جنگ" مصنفہ سر اسٹیفن ٹاڈ لیٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان مترجمہ مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور صفحہ ۲۴۳ "صوبہ کے ہیں"

مؤلف امروہوی کی ہم پہنچائی ہوئی مندرجہ ذیل مثالوں کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو "اس زبیری کیتھوی خاندان کا" جس میں ہر زمانے میں "اور ترکی سلطنت غزنویہ" نیز ترکوں کی سلطنت اسلامیہ دہلی کے قیام سے مغلیہ سلطنت کی ابتری کے وقت تک مسلسل "وزراء" "امراء" "سپہ سالار و گورنر" "دبیر و مشرف" "شیخ الاسلام" "قاضی و مفتی" وغیرہ وغیرہ ہوتے رہے ہیں "کسی ترکی خانوادے کی سلطنت میں "کمگو" (یعنی خاندان وزراء) کے لقب سے ملقب ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔"

خاندان و اقوام "جو اپنے" صفاتی اور سکنی "یا پیشوں کے ناموں سے شہرت پذیر ہیں"

ہندوستان میں بہت سے سادات و شیوخ "مغل و ترک" اور "پٹھانوں کے خاندان اپنے بزرگوں کے سکنی مقامات" "شاہی خطابات" عہدوں اور پیشوں وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہیں "مؤلف امروہوی کی" تاریخ امروہہ جلد اول کے صفحہ ۱۸۲ پر ہے کہ "صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ۔

(۱) ایک گروہ ملقب "بہ قاضی زادہ" ان کے بزرگ "حضرت شاہ ولایت کے ہمراہ یہاں آئے"

(۲) خاندان ملقب بہ نوگیان "حضرت شاہ نصیر الدین چشتی قدس سرہ کی نسل سے ہے جس کا سلسلۂ نسب سید عمر اشرف ابن امام زین العابدین تک منتہی ہوتا ہے" امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے "اور زیادہ تر "محلہ نوگیان" میں ساکن ہیں "شاہ صاحب کے عم محترم سید عزیز الدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان "موضع لوکا لوہ" میں ساکن ہے"

(۳) حضرات نخشبی کا خاندان "بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس "نسف" بھی لکھتے ہیں" یہ مقام "بخارا" اور "سمرقند کے درمیان واقع ہے" موجودہ زمانہ میں اسی مقام پر "شہر قرشی" بسا ہوا ہے" اور صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴ پر ہے کہ

(۴) خاندان دانشمندان "اس خاندان کے جد القبیلہ "مولانا سید اشرف صاحب دانشمند" عہد جہانگیری میں "امروہہ آئے" ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر سے ان علماء و فضلاء کو جنہیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو "دانشمند" سے ملقب کرتے تھے "اسے زمانۂ حال کے "ایم۔ اے" کی ڈگری کے مساوی سمجھئے۔ مولانائے موصوف کی اولاد اسی لقب کی بنا پر "خاندان دانشمندان" سے مشہور ہوئی" اور ان کا اقامت گاہ بھی اسی نام سے موسوم ہوا"

(۵) سادات بارہہ ملقب بہ جڑودیہ "ان کے مورث مقام جڑودہ (ضلع مظفرنگر) سے آئے اس لئے "جڑودیہ" مشہور ہوئے" اور صفحہ ۱۸۵ پر ہے کہ

(۶) خاندان حضرات دستار کلاں (بڑی پگڑی) اپنا سلسلہ حضرت سید جلال اعظم گل سرخ بخاری تک پہنچاتے ہیں" اور صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷ پر ہے کہ۔

(۷) ایک گروہ ملقب بہ سنگڑہ "علوی حنفی ہے" صاحب آئینۂ عباسی نے لکھا ہے کہ "عرف عام میں "سنگڑے" مشہور ہے" صاحب تاریخ اصغری "سنگڑے کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں "مورث اعلیٰ ان کے "شاہ خداوند غازی" مقام سنگڑ "علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے" لہٰذا سنگڑے کہلائے" اور صفحہ ۱۹۸ پر ہے کہ۔

(۸) خاندان چودھری صاحبان "آخر عہد اکبری میں "قصبہ سکیٹ سے آکر" امروہہ میں آباد ہوئے" اس لئے "سکیٹی مشہور ہیں" مگر جعفری ہیں"

(۹) صفحہ ۱۹۱ پر ہے کہ "ایک گروہ ملقب چڑیا "عباسی کہتے ہیں" (بعض حضرات چڑیا کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ ضلع اعظم گڑھ سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے "امروہہ آئے" اس لئے "چڑیا کوٹی عباسی کہلائے" کثرت استعمال سے "چڑیا کوٹی کا" صرف چڑیا رہ گیا" واللہ اعلم "لیکن چڑیا کوٹ کے خاندان عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے"

(۱۰) صفحہ ۱۹۳ پر ہے کہ "کچھ شیوخ محلہ ملانہ میں "ملقب بہ ڈکوری" شیخ صدیقی ہیں"

(نوٹ (۱) مؤلف امروہوی نے "چڑیا کوٹ" کو "دوڑ" سے لکھا ہے" جو غلط ہے" (ح الف)

خویش گردانند۔ بیشک نیک نامی دنیا و نجات عقبیٰ یابند۔ امّا این خلعت دینداری و جامہ جوانمردی بر قدِ شہباز خاں دوختہ اند و بر قامت دیگر دولتمندان راست نیاید۔

زیرا کہ از شہباز خاں دیگرے را قدرت و یارائے این معنی نیست کہ بحضور پادشاہ باجاہ و جلال کلمات دین با کمال نصائح بر زبان حال نتواند گفت۔ مگر آنکہ ترس جان و تلف خانماں بخاطر نداشتہ باشد۔ و خان مذکور در جان باختن و دولت انداختن ہیچ ملاحظہ در دل ندارد۔ و دینداری بر این مرد بزرگ مسلّم۔ و مؤرخان را وجہ تسمیہ قوم او تحقیق نمودن و ثبوت رسانیدن لازم است زیرا کہ بعد قرنہا این چنین سعادتمند و دولتمند دیندار بہم میرسد۔ و جلوہ گر مے آید۔ کہ حکم پادشاہ جہاں پناہ در این مذکور جاہلان و بناں صفت و فاسقان صلاح صورت درین محل حاضر نیایند۔ زیرا کہ بسیار فضلائے دنیا پرست و دولتمندان ہوا پرست را از راہ برند۔ و بکلمات غرض آمیز و سخنان ہنر انگیز فریفتہ از مطلب اصلی میدارند۔ کہ ظاہر سے مثل بہ اولیائے مانند و در باطن نشان بوئے مسلمانی نیست۔ بنا بران دولتمندان خدا ترس و دیندارانِ حق پرست با عارفان و مستحقان مطلق اختلاط دارند۔ و بمجالست با فقرائے عالی نام و زاہدانِ نیکو سرانجام و عابدان و صفائے صافی میکشند۔ و صحبت ایشان غنیمت میدارند۔ چرا کہ برائے حق رفتہ و از خمخانۂ وحدت بادۂ قبولیت نوشیدہ و بندگانِ حق را نصائح ہوش افزائے نمودہ و مسائل مشکل کشائے تلقین نمودہ و بہ شاہراہ طریقت کہ متابعت خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم است رہنمون بیگشتند۔ امالی ناسعادتمندان کوتہ اندیش و گمراہان بدکیش از بخت و اژونہ و از طالع زبون گوش نصیحت ناصحان حاجت دین ندارند۔ بل مسائل دینی و سخنان یقینی را افسانہ می انگارند۔ و عمر را مطالب و ضلالت شہرت بیجا بیدہ در دولت فانی محظوظ و مسرور ماندہ۔

و بعض مقربان درگاہ کہ در این مذکور حاضر بودند بسمع عالی رسانیدہ اند۔ پادشاہ با انصاف داد با آواز بلند این ندا در داد کہ شہباز خاں شیر بیشۂ حقیقت است کہ قدم ہمت بر بساط شریعت استوار نہادہ بدین دینداری گذر دنیاداری رفتہ۔ از آں بر کاہلان خود میشہ و عاقلان تو اندیش ترجیح دارد۔ و آوازۂ اطاعت و یگانگی عبادت شہباز خاں بسامع جامہ ملکوت والا قدر آشنا عالم بالا رسید عجب آمیز در پیش او بدرگاہ واہب العطایا و ذکر اخلاق او بر زبان اہل زمان بیشتر جاری گشتہ۔ و غلغلۂ جود و کرم او اطراف و جوانب

ظاہری و باطنی کو اپنا دستور العمل بنا کر۔ بیشک دنیا و عقبیٰ کی نیک نامی حاصل کریں۔ لیکن یہ دینداری کا خلعت۔ اور جوانمردی کا جامہ تو شہباز خاں ہی کے قد کے واسطے تیار ہوا ہے۔ اور دوسرے دولتمندوں کے قد پر ٹھیک نہیں آتا۔

کیونکہ سوائے شہباز خاں کے کسی کو اتنی قدرت اور جرات نہیں ہے کہ بادشاہ جلیل القدر کے سامنے دین کی باتیں نصیحت آمیز الفاظ میں بیان کرتے یہ تو وہ ہی شخص کر سکتا ہے۔ کہ جس کو نہ تو جان کا خوف ہو۔ اور نہ گھر بار کے برباد ہونے کی پرواہ ہو۔ اور خان موصوف جان پر کھیلنے۔ اور دولت چھوڑ دینے کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اور دینداری اس بزرگ شخص کی مسلّمہ ہے۔ مؤرخوں کو اس کی قوم کی وجہ تسمیہ تحقیق کرنی اور ثبوت کو پہنچانا لازم ہے۔ کیونکہ قرنوں کے بعد ایسا سعادتمند۔ اور دولتمند دیندار بہم پہنچا اور جلوہ دکھاتا ہے بادشاہ جہاں پناہ کے حکم سے اس تحقیقات میں۔ اس موقع پر جاہل حیوان خصلت اور فاسقوں۔ متبرک صورت۔ کا گذر نہ ہو۔ کیونکہ وہ بہت سے دنیا پرست۔ فضلا کو۔ اور ہوا پرست۔ دولتمندوں کو ورغلا دیتے ہیں اور غرض آمیز خوشامدانہ باتوں پر فریفتہ کر کے۔ اصل راہ سے بھٹکا دیتے ہیں۔ کہ ان کی ظاہری حالت۔ مثل اولیاء کے ہے۔ لیکن ان کے باطن میں بوئے مسلمانی نہیں ہے۔ اس وجہ سے خدا ترس دولتمند۔ اور حق پرست دیندار عارفوں سے ملتے ہیں۔ اور فقرا عالی مقام اور زاہدان نیک سرانجام اور عابدوں نیک اوصاف سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور ان کی صحبت کو غنیمت شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ حق کے راستہ پر چلکر اور خمخانۂ وحدت و قبولیت کا جام پی کر۔ خدا کے سچے بندوں کو نصیحتیں ہوش افزا کر کے اور مسائل مشکل کشا تلقین کر کے شریعت کے راستہ پر جو متابعت رسول اللہ صلعم ہے رہنما بنتے ہیں۔ لیکن بدبخت کوتہ اندیش۔ اور گمراہان بدکیش اپنی بدبختی کی وجہ سے۔ دینی ناصحوں کی نصیحتوں کی دین کے متعلق ضرورت نہیں سمجھتے۔ بلکہ مسائل دینی اور یقینی باتوں کو افسانہ تصور کرتے ہیں۔ اور اپنی عمر کو مطالب و ضلالت سے شہرت دیکر دولت فانی سے محظوظ و خوش ہیں۔

بعضے مقربان درگاہ نے جو اس موقع پر حاضر تھے یہ باتیں بادشاہ کے گوش گذار کیں۔ بادشاہ نے داد انصاف دیکر ندا کی کہ شہباز خاں حقیقت کے جنگل کا شیر ہے کہ جس نے شریعت کے فرش پر ہمت کا قدم مضبوط جما رکھا ہے۔ دنیاداروں میں دینداری کو پا لیا ہے۔ کاہلوں اور عاقلوں پر ترجیح رکھتا ہے۔ اس کی اطاعت و عبادت کی شہرت عالم ملکوت تک پہنچ گئی ہے۔ یہ عجب آمیز باتیں شہباز خاں کی خدا کی عطا کردہ ہیں۔ اور اس کے اخلاق کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر جاری ہے۔ اور اس کی سخاوت و بخشش ہندوستان۔ اور تمام اطراف میں مشہور ہے۔ اور اس کا دعویٰ دینداری مسلّمہ ہے۔

نمودند اشتہار یافتہ و دعوٰی دینداری بر و مسلم است۔

اما اکثر دولتمندان دارالملک ہند بعداوت شہباز خاں کمر کین بستہ در امتحان سخاوت و آزمائش دینداری او ہستند۔ ہرچند سخاوت و شجاعت او را بمحک اعتبار آزمودہ اند بصورت دعوائے دینداری او بمکر مقال امتحان نمودہ اند۔ اما سعیان منفعل نیستند۔

دریں میان شیخ ابوالفضل علامی بحضور بادشاہ جہاں التماس نمودہ کہ ہمہ سادات و شیخ و مغل و افغان و سایر قوم ہند و سند و عراق و عجم بدین بادشاہ آخر کردہ اند کہ الناس علی دین ملوکہم۔ اما ایں کمبوہ کہ نصف قوم او اہل ہنود قلم زن و عیال او مسلم اند۔ در امر بادشاہ ہا چند دارد و بحث جہل درمیان آرد۔ بر جادۂ شرع محمد عربی مستقل است۔ اگر حکم عالی بریں معنی صادر شود باتفاق جمیع امرایان اشتہار دہم۔ و جمیع سادات عظام و مورخان عالی نام و افغان نیکو سیر و مغلان ذوی الاحترام بل سایر قوم بنی آدم علیہ السلام را حاضر آوردہ بودند وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں تحقیق نمایم۔

بادشاہ با عدل و داد بنا ایں معنی دردا دکہ فردا روز پنجشنبہ بتاریخ یازدہم ماہ شعبان المعظم سنہ ۹۵۱ ہجری نہصد و ہفتاد و یک ہمہ دولتمندان اہل فضل حاضر آیند۔ و مباحثہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں درمیان آرند۔

القصہ شیخ ابوالفضل و شیخ فیضی محرک ایں معنی شدند۔ و ہمہ امرایان عالی شان را حکم عام کردند۔

شہباز خاں گفت کہ حضرت عبداللہ را پنج فرزند بودند۔ پسر کلاں را با سوار و پیادہ بسیار بجانب ولایت تعین فرمودند۔ در آں سرزمین دریائے عظیم حایل بود۔ بر لب دریا سکونت گرفتہ۔ ساکنان آں سرزمین را بشرف اسلام مشرف گردانیدند۔ اما مردمان آں ولایت زبان اہل عرب نفہمیدند۔ محتاج ترجمان بودند۔ بدر یافت کلام ہدایت انجام او شان عاجز بودند۔ بنابراں بندگان اہل عرب با مردمان اہل عجم تکلم نمی کردند۔ چوں از اں مجلس عالی برخاستند با خود افسوس کناں می گفتند کہ ما از نسبت و الفت ایں گنگویان بہرہ نداریم۔ اگر ترجمانے ہم رسد فائدہ برداریم۔ یکے از میان آں دریار ۔۔ دریافتند کہ ترجمانے خود را بسمت روم فرستادہ خود

لیکن ہندوستان کے اکثر دولتمندوں نے شہباز خاں کی عداوت پر کمر باندھی ہے اور اس کی سخاوت و دینداری کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ ہر چند کہ اُسکی سخاوت دینداری کو آزما چکے ہیں۔ اور اس کی دینداری کا امتحان لے چکے ہیں۔ لیکن مدعی شرمندہ نہیں ہیں۔

اسی اثنا میں "شیخ ابوالفضل" نے حضور میں التماس کیا کہ تمام سادات و شیوخ، مغل، افغان، اور ہر قوم ہند و سندھ و عراق و عجم، بادشاہ کے دین کی پیروی کرتی ہے۔ جانتی ہے کہ "الناس علی دین ملوکہم" لیکن یہ کمبوہ کہ نصف قوم اس کی اہل ہنود ہیں۔ اور بیوی بچے اُن کے تو مسلم ہیں۔ بادشاہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور جاہلانہ بحث کرتا ہے۔ اور شرع محمدی صلعم پر قائم ہے۔ اگر حکم عالی صادر ہو تو تمام امراء اور سادات عظام و مورخان عالی نام و افغان نیکو سیرت و مغلان ذوی الاحترام بلکہ تمام اقوام بنی آدم حاضر کرکے وجہ تسمیہ قوم "شہباز خاں" کی تحقیق کروں۔

بادشاہ نے انصاف کو کام میں لا کر اجازت دی کہ کل بروز جمعرات تاریخ گیارہ شعبان المعظم سنہ ۹۵۱ ہجری (صحیح ۹۹۱ ہجری)، تمام دولتمند اہل فضل حاضر ہوں اور "شہباز خاں" کی قوم کی وجہ تسمیہ پر مباحثہ کریں۔

القصہ شیخ ابوالفضل (ولادت ۹۵۸ ہجری) اور "فیضی" (ولادت ۹۵۴ ہجری) اس بات کے باعث ہوئے۔ اور تمام امراء کو حکم عام دیا گیا۔

شہباز خاں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ کے پانچ بیٹے تھے انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے کو معہ سوار و پیادوں کے ولایت کی جانب مقرر فرمایا۔ اُس دریا کے کنارے انہوں نے معہ فوج کے قیام کیا۔ اور اُس سرزمین کے باشندوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ لیکن وہاں کے لوگ عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے ترجمان کے محتاج تھے۔ اس لئے اُن کے کلام ہدایت کے سمجھنے سے عاجز تھے اور اہل عجم، اہل عرب کے ساتھ بات نہ کر سکنے کی وجہ سے جب اس مجلس عالی سے اُٹھتے تھے تو افسوس کرکے کہتے تھے کہ ہم ان گونگوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر کوئی ترجمان ملے تو فائدہ اٹھا سکیں۔ آخر انہوں نے ایک شخص ترجمان کے تلاش کرنے کو روم کی طرف بھیجا اور ہم پہنچایا تب تو وہ بھی تھا۔ اور خود بھی خدمت

(فٹ نوٹ ۱) فیضی ۹۷۵ ہجری میں اکبر کے دربار میں پہلی دفعہ حاضر ہوئے۔ اور ابوالفضل ۹۸۱ ہجری میں فیضی کے توسط سے حاضر ہو کر ملازمت شاہی میں آیا۔ رسالہ شہباز خاں میں کاتب کی غلطی سے ۹۵۱ ہجری لکھا ہے۔ صحیح ۹۹۱ ہجری ہے۔ کیونکہ شہنشاہ سے دین الٰہی کی تلقین پر شہباز خاں نے ۹۸۶ ہجری میں تیز و تند کلام کئے تھے۔ جس کا بدلہ لینے کے لئے ۹۹۱ ہجری میں جب شہباز خاں بالتقرر گورنری بنگال پر گیا ہوا تھا، ان کی ترقی کو روکنے کے لئے یہ شاخسانہ کھڑا کیا گیا۔

(۱۱) اور بعض ملقب بہ "ڈاڑھی رنگے" یہ بھی صدیقی کہتے ہیں۔

(۱۲) اور صفحہ ۱۹۲ پر ہے کہ "ان قدیم خاندانوں کے علاوہ صدیقیوں کا ایک خاندان "مناف پوتوں" کا ہے۔"

(۱۳) دوسرا خاندان اولاد شیخ برہان الدین شہید ساکنان محلہ صدو کا ہے "جو مرزا کے لقب سے مشہور ہیں" اور صفحہ ۱۹۶ و ۱۹۷ پر ہے کہ۔

(۱۴) قزلباش "نسباً ترک ہیں" شاہ اسمٰعیل صفوی نے ان کی مدد سے سلطنت حاصل کرکے انہیں سرخ ٹوپی پہنا کر قزلباش کے نام سے ملقب کیا ہے "قزل ترکی میں سرخ کو اور باش سر کو کہتے ہیں" یعنی سرخ سر والی قوم۔) اور تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۲۷ پر ہے کہ

(۱۵) خاندان حفاظ "مورث اس خاندان کے شیخ احمد بن شاہ محمد تھے" اور صفحہ ۲۸ پر ہے کہ۔

(۱۶) خاندان بڑہ "خاندان شیخ محمد شاکر" اس خاندان کے مورث "افغان پور سے امروہہ آئے" یہ لوگ شریف النسب ہیں "عرف عام میں "بڑے" مشہور ہیں" بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے بزرگوں میں سے کسی کا لقب "بڑہ" پڑ گیا تھا" جس کی بنا پر "خاندان والے "بڑے" مشہور ہو گئے۔ ان کی قرابتیں صحیح النسب شرفا اور سادات "بالخصوص" خاندان متولیان "اولاد حضرت شاہ ولایت" سے ہوتی ہیں۔"

(۱۷) صفحہ ۲۹ پر ہے کہ "خاندان شیوخ ملقب بہ وکیلان" (فاروقی ہیں "شیخ کرم اللہ بن شیخ فتح اللہ محمد ندکور" جاگیرداران امروہہ کی وکالت کی خدمت انجام دیتے تھے "اس لئے یہ خاندان وکیلوں کا خاندان "مشہور ہوا"۔)

(۱۸) صفحہ ۳۰۹ پر ہے کہ "امروہہ میں "ترکمانوں کا ایک قدیم خاندان ہے" جو عرف عام میں "بڑ پگہ" مشہور ہے" (بڑی بڑی پگڑیوں کا استعمال (دستار کلاں کا) قوم ترکمان کی خصوصیت لباس میں رہا ہے" اسی خصوصیت کی بنا پر ان کی اقامت گاہ" یعنی محلہ" دستار کلاں" سے مشہور و موسوم تھا "دستار کلاں کا ہندی ترجمہ "بڑ پگہ" لہٰذا ہندی میں دستار خورد کو "پگیا" کہتے ہیں "دستار کلاں استعمال کرنے والوں کو "بڑ پگہ" کہنے لگے" یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ محلہ دستار کلانی واقع بخارا سے آئے ہیں۔ لہٰذا "بڑ پگے" کہلاتے ہیں" لیکن یہ توجیح قابل قیاس نہیں "بخارا سے آئے تھے تو "بخاری" کہلاتے" نہ کہ اس کے کسی محلے سے منسوب ہو کر "دستار کلاں" جو لوگ دلّی سے کسی دوسری جگہ جا کر بسے وہ "دلّی والے کہلائے" نہ اس کے محلہ "پھاٹک حبش خاں" سے منسوب ہو کر "حبش خانی") غرضکہ ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں جنہیں ہم طوالت کے خیال سے چھوڑے دیتے ہیں۔

تیسری کنبوی خاندان کے صفاتی لقب "ککّو" کی وجہ تسمیہ" اور ابوالفضل و فیضی کی سازش گرانجامی

"رسالہ نواب شہباز خاں" جو فارسی زبان میں لکھا ہوا ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے اور قریباً چار سو برس کی تصنیف ہے "اس میں تحریر ہے کہ

سفیر خورد کلاں از ایں ذرہ خاکسار وجہ تسمیہ فرقہ ککّویان کا مکرر بہ سبیل اختصار پرسیدہ کہ دیندار شہباز خاں نیک سرانجام و رخان عالی نام درمیان خواص و عام اشتہار داشت و توکر با خان علیہ الرحمتہ قرابت قریب داری "اچہ از بزرگان خود استماع نمودہ" یا از خود کان شنیدہ و معلوم گردانیدہ باشی "بایدکہ کما ینبغی اظہار این معنی سازی" کہ ایں قوم را چہ وجہ بایں خطاب مستطاب ممتاز گردانیدہ "و اصل ایشاں از کیاست" اگرچہ مردم اہل دانش و بینش بدانشند کہ

خورد و کلاں نے اس مجھ ذرہ خاکسار سے مختصر طور پر "فرقہ ککّویان" کی وجہ تسمیہ مختصراً دریافت کی کہ "شہباز خاں نیک سرانجام اور خان عالی نام کی دینداری "خاص و عام میں مشہور ہے" اور تو چونکہ "خان علیہ الرحمتہ سے رشتہ داری قریب کی رکھتا ہے" لہٰذا جو کچھ تو نے اس بارے میں اپنے بزرگوں سے سنا ہو" یا بزرگوں سے معلوم کیا ہو "چاہئے کہ تمام و کمال بیان کرے" کہ اس قوم کو کس وجہ سے اس خطاب سے ممتاز کیا گیا" اور اس کی اصلیت کہاں سے ہے" اگرچہ دانشمند

(نوٹ ۱:) مؤلف امروہوی کا یہ اعتراض غلط ہے "کیونکہ داتا گنج بخش حضرت علی ہجویری لاہوری" کبھی غزنوی نہیں کہلائے اور غزنی کے ایک محلہ "ہجویر" کی بناء پر ہی ان کے نسبت سے "ہجویری" کہے جاتے ہیں۔ اور شہر بغداد کے محلہ کرخ کے رہنے والے بغدادی نہیں بلکہ ہمیشہ "کرخی" کہے اور لکھے گئے ہیں۔

اصل ایں قوم از ہندنیست زیراکہ الفاظ فارسی بزبان مردم ہند مناسبتے ندارد" ..... واز اصل وفراع ہرقوم روشنی پذیر رد تستدلالن را قریشہ مزید آگاہی حاصل آید"

اگرچہ ضمایرمرات بظاہر دیدہ ورآں دوربین دراز دراں برآمد بیقین مخفی ونیسے نیست کہ ہرکیفیت نسبت ہرفردے از افراد ایشاں سوائے علام الغیوب وساير العیوب دیگرے اطلاع ندارد" مگر از نسبت آں کسے مردم آگاہی داشتہ باشد کہ از خاندان علیہ مشہور ومعروف شدہ باشد" واز علو ئے ہمت و نہایت مرتبت اشتہار یافتہ" مگر حاسدان بدطینت کہ از تعفن نجابت سخنان ناشایستہ در ہرقومے میگویند" واز روئے تعصب و مخاصمت القاب بریکے میگرداشتند"

چنانچہ لقب کمگویان را کمبویان منسوب گردانیدہ اند" و بعضے دانایان روزگار و پیران کار لقب کمبو اشتہار دادہ"

چنانچہ در عصر اکبر بادشاہ عظیم القدر از روئے عصبیت و دینداری شہباز خان شیخ علامی و فہامی ابوالفضل برآشفت" و در نسبت خان مذکور بیچیدہ بادشاہ عصر را بریں معنی متقید گردانید کہ جمیع مؤرخان ہندوستان عرب و عجم را بحضور طلبیدہ" وجہ تسمیہ کمبو را تحقیق نمایند تا کہ شہباز خان مستقل نشدہ"

زیراکہ فرزندان محمد عربی صلعم سر اطاعت برایں درگاہ عالی نہادہ فرمانبردار" و تا اینکہ اوست واصل در ہند و سند و عراق و عرب اشتہا تمام دارند کہ حلقہ بگوش امیر و بادشاہ اند" مگر شہباز خان کمبو کہ بتقویت و پندار تعلیمندی حکم اولوالامر بجان قبول ندارد"

ایں کمبو را درمیان خواص و عوام منفعل باید گردانید" تا پیش احدے بحضور بادشاہ بر اصالت و نجابت و دینداری خود مغرور نباشد و تفاخر نکند" و سعادت دارین در اطاعت بادشاہ داند و سرکشی نکند" کہ دولت دریں سرا و کشایش بریں ذرا ست"

بگفتہ شیخ ابوالفضل علامی" بادشاہ جہاں پناہ امر فرمود کہ مؤرخان و دوربینان را در حضور حاضر سازند" کہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں را تحقیق نمایند کہ اصل و فراع ایں قوم از کجاست"

مؤرخان با تواریخ حاضر آمدند و با خود تحقیقات وجہ تسمیہ ایں قوم کردند" و مکارم اخلاق و محاسن صفات شہباز خاں شناختند و با خود گفتند" اکثر دولتمندان حال و استقبال عمل ظاہری و باطنی شہباز خاں را دستور العمل

ہیں اس قوم کی اصلیت ہندوستان سے نہیں ہے" کیونکہ فارسی زبان کے الفاظ کو ہندوستان کے باشندوں کی زبان سے کچھ مناسبت نہیں ہے ... اور ہر قوم کے اصل و فرع سے ایک روشنی ظاہر ہوتی ہے اور استدلال حضرات کو مزید معلومات بہم پہنچتی ہیں"

اگرچہ دوربین حضرات کی آنکھوں کی نظروں اور دلوں کے آئینوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر شخص کی حالت ان افراد میں سے سوائے عالم الغیب کے کوئی شخص نہیں جانتا" لیکن ایسے شخص کی نسبت لوگوں کو آگاہی ضرور ہوگی" جو اس خاندان عالیہ میں مشہور و معروف ہوا ہو" اور دنیا میں اپنی بلند ہمتی اور عالی مرتبہ کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہو" لیکن حاسدان بدطینت" بغض کی وجہ سے ہر قوم کی نسبت "ناشایستہ الفاظ" استعمال کیا کرتے ہیں" اور بغض و دشمنی کی وجہ سے" ہر قوم کا لقب پلٹ دیا کرتے ہیں"

چنانچہ لقب کمگویان کو منسوب بہ کمبویان کر دیا ہے" اور بعض چالاک حضرات نے "لقب کمبو" مشہور کر دیا"

چنانچہ شاہنشاہ اکبر کے زمانے میں شہباز خاں کی دینداری کی وجہ سے "شیخ ابوالفضل" بہت پریشان ہوئے" اور خان مذکور کی نسبت بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ تمام مورخ "ہندوستان و عرب و عجم کو طلب کر کے "کمبو" کی وجہ تسمیہ کی تحقیق کی جائے تاکہ "شہباز خاں" مستقل نہ ہو سکے"

کیونکہ اولاد رسول اللہ صلعم نے "سر اطاعت" اس درگاہ عالی پر رکھ کر فرمانبردار ہیں" یہاں تک کہ تمام ہند و سند" و عراق و عرب میں مشہور ہے کہ بادشاہ کے حلقہ بگوش ہیں" لیکن "شہباز خاں" طاقت اور غرور کی وجہ سے "حکم اولوالامر" کی پیروی نہیں کرتا"

لہذا اس کمبو کو خواص و عوام میں شرمندہ کرنا چاہئے تاکہ بادشاہ کے حضور میں "اپنی نجابت" اور "دینداری پر مغرور نہ ہو" اور فخر نہ کرے" اور سعادت دارین" بادشاہ کی اطاعت میں جانے" اور سرکشی نہ کرے" کہ دولت اس سر میں ہے اور "روزی" اسی در پہ ہے"

شیخ ابوالفضل کے کہنے پر بادشاہ نے حکم دیا" کہ مورخوں اور واقفوں کو حضور میں حاضر کیا جائے" تاکہ "شہباز خاں" کی قوم کی وجہ تسمیہ تحقیق کریں" کہ اصلیت اس قوم کی کہاں سے ہے"

مورخ معہ تواریخ حاضر ہوئے" اور اس قوم کی وجہ تسمیہ کی تحقیقات کی" انہوں نے شہباز خاں کے" اخلاق عالیہ" اور صفات پسندیدہ کو دیکھا" اور آپس میں چرچا کیا" کہ اکثر دولتمند حال و استقبال کے "شہباز خاں" کے عمل

بر این ثبوت رسیده تحریر نماید که بر صفحهٔ لیل و نهار یادگار بمانند" و در میان خاص و عام اختلاف نماند" بحکم قضا جریان "نقیب خاں" با مورخان دیگر" بنوشتن این ماجرا مقید گردانید" از صد یکے" و از هزار اندکے" تحریر نموده بنظر بادشاه جهاں پناه" در آوردند" و بسمع عالی رسانیدند" که نسب نامهٔ شهباز خاں دیندار" به این تفصیل تحریر نموده باشد که ـ

شہباز خاں بن شیخ صدر الدین بن بہاؤ الدین بن ریاح بن فوطہ بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ

سے کہ اس کا ثبوت بہم پہنچا ہے" اسی طرح اکبر نامہ میں تحریر ہو" تاکہ بر صفحۂ لیل و نہار یادگار رہے" اور خاص و عوام کے درمیان اختلاف نہ رہے" بادشاہ کے حکم سے "نقیب خاں دوسرے مؤرخوں کے ساتھ اس کام پر مقرر ہوئے" وہ سو میں سے ایک اور ہزار میں سے تھوڑے تحریر کر کے بادشاہ کی خدمت میں لائے۔ اور پڑھ کر سنایا کہ "نسب نامہ شہباز خاں دیندار کا اس طرح پر لکھا گیا ہے کہ ـ

شہباز خاں بن شیخ صدر الدین بن بہاؤ الدین بن ریاح بن فوطہ بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ

اکبر نامے میں شہباز خاں کے متعلق شاخسانے کا پورا حال نہ لکھ سکنے کی وجہ اور صرف اشارہ کر دینے پر اکتفا

اس بیان سے "کمگو" کی وجہ تسمیہ معلوم ہونے کے علاوہ" اس بات پر بھی بخوبی روشنی پڑ گئی ہے کہ" نواب شہباز خاں" کے خلاف یہ شاخسانہ کھڑا کرنے والے" دو بھائی ابو الفضل و فیضی تھے" جنہوں نے اکبر کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر اور اسے سبز باغ دکھلا کر" اس سے "دین الٰہی اکبر شاہی" یعنی دہریت کو جاری کرا یا تھا" بقول مؤرخین یہی دو فرشتے تھے جو" اکبر کو "وحی" پہنچایا کرتے تھے" لالچ یا خوف سے" یا انکار کی ہمت نہ ہونے سے "امراء" سادات" مشائخ" اور علماء نے" دین الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا" اور ان میں سے کسی کو مجال دم زدن نہ تھی"

صرف ایک ذات "نواب شہباز خاں زبیری" کی ایسی تھی" جنہوں نے کوئی دباؤ نہ مانا" اور اپنی جان" مال" عزت و آبرو کے چلے جانے کی پرواہ نہ کر کے" دین الٰہی کی تلقین کرنے پر "شہنشاہ اکبر سے" تیز و تند کلام کئے" اور راجہ بیر بر کو اکبر کے بھرے دربار میں بیچ میں بول اٹھنے پر سختی سے ڈانٹا تھا" شعبان ۹۸۶ھ ہجری میں اس دین کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ" اکبر خلیفۃ اللہ" جاری کیا گیا تھا" یہ واقعہ اس کے بعد ہوا"

"منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۷۳ و ۲۷۴ پر تحریر ہے کہ "شہباز خاں" تیز و تند درین وادی در آمده" بیر بر سگ جہنمی که طعن صریح در دین میکرده دشنام صریح داده گفت" که اے کافر ملعون" ما لا تو ہم این چنین سخنان میگوئی" ما از عہدهٔ تو نمیتوانیم بر آمد" و کار بے مزگی شد"

دین الٰہی کی تلقین پر" نواب شہباز خاں کے شاہنشاہ سے سخت کلامی کرنے سے جو دھچکا اس دین کو پہنچا اور اس کی جیسی تذلیل ہوئی۔ اسے "ابو الفضل و فیضی" جو اس دین کے بانی تھے" کسی طرح بھی اپنے دلوں سے بھلا نہیں سکتے تھے" شاہنشاہ اکبر بھی پیچ و تاب میں تھا۔ اسی لئے شہباز خاں سے اُن کی عبارت کا بدلہ لینے کے لئے" اس شاخسانے کے کھڑا کرنے کی تجویز جب ان فرشتوں نے "بادشاہ کے سامنے پیش کی" تو اس نے بلا کسی پس و پیش کے اُسے مان لیا" مگر چونکہ یہ پارٹی اپنے حملہ میں بُری طرح ناکامیاب ہو گئی اور اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا" تو شاہنشاہ نے اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے" اپنی خفت پر اس طرح پردہ ڈالا کہ فرمایا" یہ تمام واقعہ "معہ کمگو" کی وجہ تسمیہ اور شہباز خاں کے نسب نامے کے" اکبر نامہ میں تحریر ہو" اُس وقت یہ بات کیونکہ دفع الوقتی کے خیال سے کہی گئی تھی" اس لئے جب "نقیب خاں" نے یہ تحریر شاہنشاہ کے ملاحظہ میں پیش کی تو اُس نے صرف اُس کے سُن لینے پر اکتفا کر لیا" اور پھر کوئی حکم نہ دیکر بات آئی گئی کر دی" کیونکہ اس واقعہ میں "شاہنشاہ" اور اس کے جاری کردہ دین کی سُبکی اور توہین موجود ہے" نہ ابو الفضل ہی اُسے لکھ سکتا تھا" جن حضرات نے "اکبر نامہ کو پڑھا ہے" انہوں نے دیکھا ہے کہ "اکبر نامہ" میں "بیرام خاں ہی پر کیسے کیسے الزام لگا کر اسکی خدمتوں کو چھپایا گیا اور کس کس طرح سے بادشاہ کی نا انصافی پر پردہ ڈالا گیا ہے"

ان شواہد کی موجودگی میں جو نا فہم حضرات "اکبر نامہ" میں "متذکرۂ بالا واقعہ اور اس کے نتیجہ کی تلاش کرتے ہیں" ہمیں اُن کے ساتھ ہمدردی ہے" اگر وہ نظر تعمق سے "اکبر نامہ" جلد سوم کے صفحہ ۲۸۵ پر نظر ڈال لیتے تو "نواب شہباز خاں" کے متعلق "ابو الفضل" کی تحریر میں اس واقعہ کی جھلک کو ضرور دیکھ لیتے کہ "

وہ ہرگز پرستاری کی حد سے سرداری سپاہ کا حکم ہوتا۔ وہ اگر تقلید پرستی و اخلاص — ہر طرح خدمت اور سرداری سپاہ میں اپنی آپ نظیر تھے۔ اگر تقلید پرستی یعنی اسلام
و زبان رائے پر ہنجار نہ کھلی ہو سے کہ طرز فرو بیدگی برگزیدہ۔ چھوڑ دیتے اور زبان کو قابو میں رکھتے تو ان کا مرتبہ اور بھی بلند ہوتا۔
ابوالفضل کے ان فقرات سے نواب شہباز خاں کے دین الٰہی اکبر شاہی کی تذلیل کرنے اور شاہنشاہ سے تیز و تند کلام کرنے پر بخوبی روشنی پڑ گئی ہے
اور نواب صاحب سے ابوالفضل کے کینہ کا حال بھی خوب طرح ظاہر ہو گیا ہے۔ نیز یہ بات بھی اچھے طور سے ثابت ہو گئی ہے کہ اگر نواب شہباز خاں کے کسی میں ذرا
بھی کھوٹ ہوتا تو ابوالفضل جیسا اُن کا مخالف اپنی تحریر میں اُسے ضرور آجاگر کر کے دکھاتا۔ لیکن اس بارے میں وہ بالکل خاموش ہے۔ جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ
نہیں ہے کہ اُس نے جو التباس اُن کی قومیت میں ڈالنا چاہا تھا اُس میں اُسے شکست فاش نصیب ہو چکی تھی۔ اور اُس کی اس جعل سازی کا حال ام نشرح
ہو چکا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ نواب شہباز خاں کی اس جسارت پر جو انہوں نے شاہنشاہ سے تیز و تند کلام کر کے دکھائی۔ شاہنشاہ نے انہیں کوئی سزا کیوں
نہیں دی۔ یا کم از کم خدمت سے ہی علیحدہ کیوں نہ کر دیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ یہ مذہب کا معاملہ تھا۔ پہلے ہی ملا یزدی کے فتوے کے سبب سے اپنے اپنے
صوبوں میں اودھ، جونپور، اور بنگالہ وغیرہ میں فرخودی، عرب بہادر، اور معصوم خاں کابلی سے دو سرے چند خوانین اور
اکبر کے بھائی میرزا عبدالحکیم حاکم کابل برگشتہ ہو کر ملک میں کافی اَبتری پیدا کر چکے تھے۔ اگر نواب شہباز خاں جیسے جری اور نامور بہادر دولت مند
سردار پر دست درازی کی جاتی تو یقیناً معاملہ اس نزاکت کو پہنچ جاتا کہ پھر کچھ بھی بنائے نہ بنتی اور سلطنت کی جڑیں بالکل ہل جاتیں۔
تاریخ دان حضرات واقف ہیں اور ابوالفضل کا مندرجہ بیان بھی اس پر گواہ ہے کہ نواب شہباز خاں جیسا منتظم اور کارگزار افسر کوئی
دوسرا نہیں تھا۔ تخت سے وفاداری بھی اُن کی مسلّمہ تھی۔ وہ فطرتاً کوئی دباؤ برداشت نہیں کرتے تھے اور کسی ابتلا سے کبھی پریشان نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنی
ان خوبیوں اور ہمت و استقلال کی وجہ سے ہمیشہ اُن میدانِ ہائے جنگ میں، جا کر جہاں بڑے بڑے نامدار عاجز ہو جاتے تھے۔ فتوحات حاصل کر لیا کرتے تھے۔
اگر شاہنشاہ انہیں اپنے ہاتھوں سے کھو دیتا تو اُن کے مثل اُسے کوئی دوسرا سردار ان صفات کا ملنا ممکن نہیں تھا۔ اور نہ یہ بغاوتیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔
فرو کی جا سکتی تھیں۔

غرضکہ یہ ثابت ہے کہ شاہنشاہ نے اُن کے تیز و تند کلام برداشت کئے۔ اور وہ اپنے تادم آخر نہایت شان و شوکت سے فتوحات میں مصروف رہے۔
جب شاہنشاہ نے رانا پر آخری مہم بھیجی۔ اُس وقت آپ کو شہزادے ولیعہد سلطان سلیم (بعد شہنشاہ جہانگیر) کا اتالیق اور اس فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ
کیا تھا۔ اجمیر جب آپ پہنچے تو ستّر برس کی عمر میں ۱۰۰۸ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے کا تقرر، گورنری عراق و فارس وغیرہ پر	اسناد دکھا چکنے کے بعد اب ہم ترجمہ طبری جلد سوم حصہ دوم کے ص۳۶ سے لیکر حضرت حمزہ بن امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کے گورنر عراقین و فارس و خراسان ہونے کا حال لکھتے ہیں کہ ۶۸ھ ہجری میں ان کے

والد بزرگوار امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ نے اپنے بھائی حضرت مصعبؓ گورنر عراقین و فارس و خراسان وغیرہ کی حکومت سے جبکہ وہ مختار کے
استیصال کے بعد ایک سال کوفہ میں مقیم رہے تھے، بصرہ نکال کر انہیں (یعنی حمزہ کو) اس کا حاکم بنایا تھا۔
ترجمہ فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے ص۵۹ پر ہے کہ مجھ سے ابو مسعود نے کہا اور اُس سے عوانہ نے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حمزہ بن
عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کو بصرہ کا والی بنایا۔ وہ الاہواز (علاقہ فارس) کی طرف گئے۔ اور اُس کے پہاڑ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو قُعیقعان کا سا ہے۔ الثوری کہتا
ہے کہ فارسی میں الاہواز کا نام ہوزمسیر تھا۔ عربوں نے الاخواز کہا اور مرورِ ایام سے الاہواز ہو گیا۔

حضرت مصعب بن زبیرؓ کا شیر خوار پائید کھگو تھے گورنر اصفہان	ترجمہ طبری جلد دوم حصہ دوم کے ص۱۲ پر ۶۸ھ ہجری کے حالات میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل بن طلحہ بن مصعب بن حضرت زبیرؓ اصفہان آپ کی جاگیر میں تھا۔ اور عتاب بن ورقا اُس کے حاکم تھے۔ اسمٰعیل

چھوٹے بچے تھے۔ آپ کی خورد سالی کی وجہ سے عتاب بحیثیت اُن کے نائب کے اصفہان پر حکومت کرتے تھے۔
طبری کا یہ بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایرانی اپنی اس تکفیے سے گورنر کو کھگو کہتے تھے۔ جب وہ آپس میں باتیں کرنے یا کوئی اُن سے

ہموارہ حاضر شدہ جوابات شایستہ بتقدیم میرسانیدند۔ واین بزرگان را کمگویا مخاطب میکردند۔ چوں خطاب دراں دیارا شتہار یافت۔ کسے پیش حضرت عبداللہ رضی رسانیدند کہ فرزندان وملازمان این درگاہ عجمی بخطاب کمگویان منسوب گردانیدہ اند۔ حضرت عبداللہ معنی الفاظ کمگو را استفسار کردند۔ ترجمانے حاضر بود۔ بعرض عالی رسانید کہ کمگو آنرا نامند کہ کلام لایعنی بر زبان نیآرند۔ از سر غفلت کہ بیاد حق مشغول میباشد۔ کمگو منسوب اند۔ چوں این معنی سمع قبول اہل عرب رسید ہمہ پسندند وگفتند کہ ایں خطاب افضل است در حق او۔ کسے کہ بیاد حق باشند۔ ونیز ذکر یاد حق کلام نکند بجز کلام الٰہی۔ و کمگو باشند۔ قال سبحان الذین یذکرون اللہ قیوماً وقعوداً وعلی جنوبہم یتفکرون۔ در شان اوست۔ وصحابہ کبار است کہ در قیام وقعود وجمیع حرکات وسکنات بیاد حق مشغول بودند۔ کہ برادر ان خود را باین خطاب اشتہار دہند چہ مضائقہ۔

حاضر ہو کر شایستہ جوابات حاصل کرتے تھے۔ اور ان بزرگوں کو "کمگو" کہتے تھے جب یہ حکایت اس ملک میں مشہور ہو گئی تو کسی شخص نے امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضی کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کے فرزندوں اور ملازموں کو عجمی "کمگو" کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی نے لفظ "کمگو" کے معنی دریافت فرمائے۔ ایک ترجمان حاضر تھا اس نے کہا "کمگو" اس کو کہتے ہیں جو فضول اور لغو باتیں زبان پر نہ لائے اور چونکہ وہ خدا کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اس لئے "کمگو" کہے جاتے ہیں۔ جب اہل عرب نے یہ معنی سنے سب نے پسند کیا اور کہا یہ خطاب افضل ہے۔ اس شخص کے حق میں جو یاد خدا میں مشغول رہے سوائے کلام الٰہی کے اور کوئی بات نہ کہے اور کمگو رہے۔ قال سبحان الذین یذکرون اللہ قیوماً وقعوداً وعلی جنوبہم یتفکرون۔ اس شخص کی شان میں ہے۔ اور وہ صحابہ کبار ہیں جو قیام، قعود اور سارے حرکات وسکنات میں یاد حق میں مشغول رہتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضی نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے اگر انہوں نے اپنے بھائیوں کو اس نام سے مشہور کیا ہے۔ یعنی آپ نے بھی اس خطاب کو پسند فرمایا۔

الحمد للہ والمنۃ کہ فرزند خلف این قوم امروز شہباز خاں کمگو است کہ ہمہ جا وہمہ حال وقت بتسبیح وتہلیل حق مشغول است۔ و دور روزگار بر خود بر مسند دولت واقبال سوار است۔

خدا کا شکر ہے کہ آج کل اس قوم کا فرزند شہباز خاں "کمگو" ہے کہ ہر جگہ اور ہر حال میں اور ہر وقت خدا کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہے۔ وہ اس زمانہ میں دولت واقبال کے گھوڑے پر سوار رہتے۔

بادشاہ عالم پناہ فرمودہ کہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں از مورخان عربی وعجمی چنیں بوقوع پیوستہ کہ شہباز خاں داخل اہل قریش است۔ زیرا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم با صحابہ خود قریشی بودند۔

بادشاہ عالم پناہ نے فرمایا کہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں بقول مورخان عربی و عجمی اس طرح ہے کہ شہباز خاں اہل قریش سے ہے کیونکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہ کے قریشی تھے۔

دراں میان نقیب خاں وشیخ فتح اللہ وحکیم خاں مورخان بعرض رسانیدند کہ در قریشی نسب نامہ آبا واجداد شہباز خاں بحضرت عبداللہ بن زبیر رضی وحضرت حمزہ رضی اللہ عنہما میرسد کہ داخل عشرہ مبشرہ است۔ دریں میان شہباز خاں بحضور بادشاہ در آمد ایں چند ابیات برخواندہ۔

اس اثنا میں نقیب خاں، شیخ محمد فتح اللہ، حکیم خاں مورخان نے عرض کیا کہ قریشی قسم میں شہباز خاں کا شجرہ نسب حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حمزہ رضی سے ملتا ہے جو کہ داخل عشرہ مبشرہ ہیں۔ حضرت زبیر، حضرت عمر رضی اور حضرت ... رضی... اس وقت شہباز خاں نے بادشاہ کے سامنے یہ چند شعر پڑھے۔

تا خلعت مرا مگو کہ نشاید نشست ۔۔۔ کہ بود آدمی حق باشد

پسر نوح گر ز جہل نہ نشست ۔۔۔ تا بہ نوح نوح راچہ جزا

خود کشد رنج دمہ در آسیہ ۔۔۔ ہیچ نیکی ہمی رسد نہ بلا

نواب شہباز خاں المتوفی ۔۔۔ ہجری کا بیان اپنے نسب کے متعلق

میاں نقیب خاں مورخ، شیخ ابیفی، حکیم ابوالفتح اور خان خاناں

میاں نقیب خاں مورخ، وشیخ ذیفی، وحکیم ابوالفتح، و خان خاناں

عبدالرحیم خاں بحضور بادشاہ عالی جاہ التماس نمودن کہ اے شہباز خاں عسکر این خطبہ بجا آرند۔ کہ وجہ تسمیہ قوم من بحضور بادشاہ سلیمان جاہ بہ ثبوت رسیدہ بر صفحۂ روزگار یادگار خواہد ماند۔ کہ حقیقت آباؤ اجداد خود اکنوں بعرض عالی رسانی۔ کہ بچہ طریق در ہندوستان آمدہ نشوونما یافتند۔ وکدام سرزمین وطن داشتند و بچہ حرفت مشغول بودند

شہباز خاں دیندار بہ آں امرایان نامدار گفت۔ کہ حقیقت آبا و اجداد بندہ در ہندوستان نیست کہ جدّ من (جدّ ششم دیکھو مآثر الامراء) حاجی جمال الدین بن کمال الدین نام بشرف حج مشرف شدہ و بہ سند احادیث از میر حسین محدث حاصل کردند و مشعر میر علی ہجری سیر ایران و توران کردند۔ چوں بقصبہ جال کہ در سمت کوہ جودی واقع است آنجا رسیدہ مشتیاق ماندند کہ ناگہاں بہ ہندوستان رسیدن

چوں بدار السرور ملتان رسیدن بہ شرف ملازمت حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح مشرف شدند بہ ارادت صادق و مطلب واثق بدرجۂ خرقۂ خلافت ممتاز گشت حضرت شیخ میر علی بطرف لاہور متوجہ شدہ متوطن گشتند

القصہ جمال الدین بحکم بہاؤالدین ذکریا رح ملتان را وطن ساختہ عیال و اطفال ہم رسانیدند و اوقات شریف بہ درس احادیث متصرف مے نمودند و انساب کسب و کمالات با مردم مشغول بودند تا بدرجۂ شیخی رسیدہ اشتہار یافت

دراں اثنائے جناب از برج عبادت تبراؤ برج سعادت نقل فرمودن سجادگی حضرت شیخ صدرالدین علیہ الرحمۃ قرار یافت ایشاں ہر یکے خلفائے نامدار بہ ہر جانبے تعیّن کردند حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری را بطرف کعبہ معظمہ رخصت فرمودن شد حاجی جمال الدین را جہتہ معیّن کردند (حاجی جمال قدس سرہٗ کا مزار مبارک بدایوں میں ہے) اکثر اعیان آں دیار بارادت آوردن و سرداران اطراف و جوانب آں ملک معتقد شدند و فرزندانش تحصیل کسب جمیع علوم متعارف شدند و در سایۂ پدر خود تربیت یافتند

عمر شریفش حاجی تا یک صد و سیزدہ سال رسیدہ بود اگر حقیقت حال ہر یکے از آباؤ اجداد خود بعرض قبلہ دوستان نمودہ آید حالے دراز نفسے است بادشاہ جم جاہ شیخ ابوالفضل علامی و نقیب خاں مؤرخ فرمودند کہ نسب نامہ شہباز خاں در اکبر نامہ کہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں

عبدالرحیم خاں نے بادشاہ کے سامنے التماس کیا کہ اے شہباز خاں اس کا شکریہ ادا کرو کہ میری قوم کی وجہ تسمیہ بادشاہ سلیمان جاہ کے حضور میں ثابت ہو گئی۔ اور صفحۂ روزگار پہ یادگار رہے گی۔ اب حقیقت اپنے آباؤ اجداد کی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرو کہ کس طرح ہندوستان آکر انھوں نے نشوونما پائی اور کونسی سرزمین کو وطن بنایا اور کن پیشوں میں مشغول رہے۔

شہباز خاں دیندار نے اُن امیروں نامدار سے کہا کہ میرے باپ دادوں کی حقیقت ہندوستان میں یہ ہے کہ میرے دادا (جدّ ششم سے مراد ہے) حاجی جمال الدین بن کمال الدین نامی نے حج سے مشرف ہو کر سند احادیث میر حسین محدث سے حاصل کی اور میر علی ہجری کے ساتھ ایران توران کی سیر کی۔ جب قصبہ جال میں جو کوہ جودی کی سمت میں واقع ہے پہنچے۔ مشتاق ہو کر ہندوستان جانے کا ارادہ کر دیا۔

جب ملتان پہنچے شرف ملازمت سے حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح کے مشرف ہو کر ارادت صادق اور مطلب واثق سے خرقۂ خلافت سے ممتاز ہوئے۔ حضرت شیخ میر علی نے لاہور کی طرف جا کر توطن اختیار کر لیا۔

القصہ جمال الدین نے بہاؤالدین ذکریا رح کے فرمانے سے ملتان کی سکونت اختیار کی اور عیال و اطفال بہم پہنچائے۔ آپ اپنے اوقات شریف کو درس حدیث میں مصروف فرمانے لگے اور کسب ... حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ درجۂ شیخی کو پہنچ کر مشہور ہو گئے۔

اسی اثناء میں حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا قدس سرہٗ نے وفات پائی۔ اُن کے سجادہ پر حضرت شیخ صدرالدین بیٹھے۔ انھوں نے خلفائے نامدار کو مختلف جگہوں پر تعیّن کیا۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری کو (آپکا مزار اُچھ میں ہے) کعبہ معظمہ کی طرف رخصت فرما کر حاجی جمال الدین کو ایک جگہ متعین کیا۔ (حاجی صاحب کا مزار بدایوں میں ہے۔ جہاں آپ پہنچے گئے تھے) اس دیار کے امراء کو اُن سے ارادت ہو گئی۔ اور اس ملک کے اطراف و جوانب کے سرداران کے معتقد ہو گئے۔ اُن کے صاحبزادوں نے اپنے پدر بزرگوار کے سایۂ میں تربیت پائی اور جمیع علوم کی تحصیل کی۔

حاجی صاحب کی عمر شریف ایک سو تیرہ برس کو پہنچ گئی تھی۔ اگر اپنے آباؤ اجداد میں سے ہر ایک کی حقیقت حال بادشاہ کو سناؤں تو وہ بہت طویل ہیں۔ بادشاہ جم جاہ نے شیخ ابوالفضل علامی اور نقیب خاں مؤرخ سے فرمایا کہ نسب نامہ شہباز خاں اور وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں کو جس طرح

پوچھتا تو وہ کہتے کہ ہمارا گورنر "ککگو" ہے یعنی ننھا سا بچہ ہے "جسے ابھی پورے طور سے بولنا نہیں آتا"

حضرت مصعب بن زبیرؓ کی اولاد ایران میں | صاحب تاریخ گزیدہ نے جلد اوّل کے صفحہ ۸۰۹ پر اپنے وطن "قزوین" کے مشہور و معروف "صلحاء اور علماء کے خاندانوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ "زبیریان" از نسل "مصعب بن زبیرؓ بن العوّام" اند "در ایشان" علماء و صلحاء "بودہ اند")

زبیری خاندان کے صفاتی لقب "ککگو" ہونے کی ایک اور شہادت

اس خاندان کے لقب "ککگو" کے متعلق "رسالہ شہباز خاں" کے بیان کی تصدیق "صاحب شجرۂ سہروردیہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے" جو "فصاحت شعار" بلاغت آثار "نتیجۃ المشائخ" و سلالۃ الاولیائے کرام "میاں احمد خاں اکبرشاہی" صاحب تاریخ معدن اخبار احمدی "المتوفی اوائل زمانہ سلطنت شاہنشاہ جہانگیر" کی دوسری تصنیف ہے اور کتب خانہ ریاست رامپور میں موجود ہے "اس کے صفحہ ۱۳ پر تحریر ہے کہ:

"چوں بے شائبۂ ریا "مراسم سوابق اعتقاد" و لوازم اتحاد خدمت جمیع "ککگویان" کہ بغلط عام "ککبو" شہرت یافتہ "بدیں خاندان عالیشان "استحکام پذیر است" و از غایت کرم "در ہمہ اوان" و از انواع رعایت و اضافت تربیت "مخصوص و ممتاز بودہ اند" علی الخصوص آباؤ اجداد بندہ "کہ از مریدان حق شناس" و از خلفائے اہل اعتبار "یا فنون علم و عمل" و راسخ اعتقاد "و آداب صوفیہ بے ہمتا" و مظہر آیات "ایں خاندان سہروردیہ اند" بنا بر ضوابط حق گذاری کلمہ چند بشرح و بسط مرقوم مے گردد"

اس میں کسی ریا کاری یا رسم کا شائبہ نہیں ہے کہ تمام "ککگویان" کے ساتھ جو عوام میں غلطی سے "ککبو" کے نام سے شہرت پکڑ گئے ہیں عقیدت کی اور اتحاد کے رشتے اور لزوم کی ضرورت کا جذبہ اس خاندان عالی شان سے استحکام پذیر ہے "اور خدا کا انتہائی کرم ہے کہ یہ ہر زمانے میں اور آج بھی انواع رعایت اور ہر قسم کی تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہے ہیں "خاصکر میرے آباؤ اجداد جو حق شناس مرید اور با اعتبار خلفائے ہر قسم کے علم و عمل اور پختہ اعتقاد اور بے نظیر صوفیوں کے آداب "اور مظہر آیات اس خاندان سہروردیہ کے ہیں لہٰذا حق گوئی کی خاطر چند فقرے شرح و بسط سے لکھے جاتے ہیں"

تاریخی شواہد کے خلاف مسٹر اٹکنسن کے غلط اور پوچ بیان و قیاس کو پیش کرنے پر مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

ان بیانات سے صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ "اس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "ککگو" اور "ککگو" کے لقب "جو اُن کے خاندان کے علوئے مرتبت "اور اوصاف کی وجہ سے اُن کے لئے مخصوص ہو گئے تھے "لکھے اور بولے جاتے تھے" نیز "کنبا ہ" کی سکونت کی وجہ سے "مشہدی" "بخاری" "ترمذی" "سنائی" "امروہوی" اور "لکھنوی" "دہلوی" وغیرہ وغیرہ کی طرح "جو سکنی لقب "کنبوہی" اُن کا تھا وہ بھی "لکھا اور بولا جاتا تھا" اور جو بیان "مسٹر اٹکنسن" کو اپنے خاندانی خطاب "ککگو" کے متعلق "زبیری کنبوہی" بزرگوں نے دیا تھا" وہ بالکل صحیح ہے۔

"مسٹر ہنری ایلیٹ" اور مسٹر اٹکنسن کی اختراعات کی کیفیت اور ایسی تحریروں کی غرض اور ہم اوپر وضاحت بتا آئے ہیں۔ اسلئے اُن کی بنی بر قیاس تحریروں کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔ جیسا کہ ہم نے تاریخی شواہد پیش کر کے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے"

اب ہم "مؤلف امروہوی" سے صرف یہ کہنا ہے کہ "اپنے پوچ بیانات کے پیش کرنے سے "اگر وہ اپنے آپ کو محقق ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ اُن کے فہم کی غلطی ہے "جس طرح ایک صاحب نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا تھا "اور وہ اس نام کی وجہ سے شہنشاہ بن گیا تھا نہ نہیں ہو گیا تھا" اسی طرح ناواقف اور غرض مند لوگوں کی رایوں اور قیاسات کو پیش کرنے سے "جن میں حقیقت کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے "آپ میں کوئی بھی محقق نہیں بن سکتا" اس خطاب کے حاصل کرنے کے لئے "بڑے مجاہدوں" "یعنی راتوں کی نیند ولی کو اپنی آنکھوں سے غائب کرنا پڑتا ہے۔ روپیہ صرف کرنے "اور تلاش و تحقیق کیلئے جگہ جگہ کے سفر کی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں" اور حق و صداقت کو خضر راہ بنانا پڑتا ہے"

باب یازدہم

"اس خیال کی تائید کہ "کنبوہ خاندان کے مورث" ابتداً ہندو تھے" بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے" دیگر تحریرات سے بھی ہوتی ہے" مثلاً "صاحب مخزن الغرایب" شیخ جمالی دہلوی کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ " اصلش از کنبوہ است" آباش مسلمان شدہ بودند"

(مخزن الغرایب قلمی کتب خانہ حبیب گنج) ص۴۳۸

صاحب مخزن الغرایب کے اس بیان کی "جسے مؤلف امروہوی" نے "سرہنری ایلیٹ" اور "مسٹر ایٹکسن" کے بیانات کی تائید میں پیش کیا ہے" اور جن کے بیانات کو" قوی دلایل یعنی تواریخی شواہد سے ابھی ابھی بحث باب نہم اور دہم میں ہم قطعی غلط اور پایۂ تحقیق و صداقت سے گرا ہوا ثابت کر آئے ہیں" بخوبی تردید ہو چکی ہے" نیز باب ہشتم میں ہم "شیخ جمالی رح" کی عالی نسبی کے ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں" اس لئے اب مکرر اس بیان کے تردیدی شواہد کو یہاں لکھنا ضروری نہیں سمجھتے"

البتہ اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ "صاحب مخزن الغرایب" احمد علی سندیلوی کوئی قدیم شخص نہیں ہیں" اُن کا زمانہ "مخدوم شیخ جمالی کنبوی رح" سے تین سو برس بعد یعنی تیرہویں صدی ہجری کا زمانہ ہے"

دستور الفصاحت مصنفہ حکیم سید احمد علی خاں یکتا لکھنوی جو بہ تصحیح مولوی امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتب خانہ رامپور "ہندوستان پریس رامپور" میں ۱۳۶۲ھ میں طبع ہوئی ہے" اُس کے ص ۸۹ و ۹۰ پر تحریر ہے کہ "مخزن الغرایب قلمی" فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے" شیخ احمد علی خادم سندیلوی کو ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں اس کی تالیف و ترتیب سے فراغت ہوئی" وہ شیعہ مسلک کے پیرو تھے") انہوں نے اپنی کتاب شعراء کے حالات میں لکھی ہے" تاریخی واقعات و حالات سے اُسے کوئی واسطہ نہیں ہے اُن میں یہ اہلیت نہ تھی کہ وہ ہر شاعر کے نسب کی تحقیق کر کے لکھتے" اگر اُن میں تحقیق کا مادہ ہوتا تو وہ کبھی ایسی تحریرات نہ لکھتے جسے حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے" مخدوم شیخ جمالی" کی وفات کا زمانہ ۹۴۲ھ ہجری ہے" اور منتخب التواریخ وغیرہ میں آپ کو کنبوہ نہیں بلکہ "کنبوی دہلوی" بروزن لکھنوی" لکھا ہے" اور یہ کنبوی اُن کا سکنی لقب ہے" جس طرح دہلوی ہے" جسے اُن کی نسل و قومیت سے کوئی تعلق نہیں ہے"

(نوٹ ملہ) احمد علی سندیلوی صاحب مخزن الغرایب کا حال "رسالہ معارف نمبر ۶ جلد ۱۳ بابتہ ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ ہجری جون ۱۹۲۴ء میں" تذکرہ مخزن الغرایب پر ایک نظر" کی سرخی کے تحت "مولوی محمد محفوظ الحق ایم۔اے لیکچرار عربی و فارسی پریسیڈنسی کالج کلکتہ نے ص ۴۵۴ پر اس طرح لکھا ہے کہ "مؤلف کا نام" احمد علی ہاشمی ہے" تذکرہ میں اپنے باپ دادا کا نام اس طرح لکھتا ہے "شیخ غلام محمد بن فضیلت مآب مولوی محمد حاجی طاب مضجعہ" ولادت ۱۱۶۴ھ ہجری میں ہوئی "سندیلہ" وطن تھا" لیکن گردش روزگار نے وہاں چین سے نہیں بیٹھنے دیا" عرصہ تک خاک چھاننے کے بعد۔ نواب عزت الدولہ مرزا حسن سہراب جنگ خلف الصدق مرزا محمد محسن برادر اکبر نواب صفدر جنگ، کے یہاں ملازمت اختیار کر لی" کچھ عرصہ بعد اپنے آقا کی اجازت سے "شاہ عالم بادشاہ کے فوجی رسالہ میں جو" ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں کی ماتحتی میں تھا۔ داخل ہو گئے۔ مرزا نجف خاں نے ۱۱۹۶ھ ہجری میں قضا کی" اس وقت مؤلف تذکرہ کا سن بتیس ۳۲ سال تھا" وہ لکھتا ہے کہ میرزا نجف خاں کی وفات کے بعد اُسے "خراساں" عراق" و فارس" کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُن کے فیض صحبت سے اُس نے بہت سے شعراء کے حالات اور اُن کے کلام کے اجزا فراہم کئے" مولانا شروانی (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی) فرماتے ہیں۔ نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے سرکاری ملازم تھے" وہاں اہل کمال کا مجمع تھا۔ اُن کو بھی استفادہ کا موقع ملا اسی فیض صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے" لیکن میرا یہ خیال ہے کہ یہ مرزا نجف خاں کی سرکار کا فیض خاص نہیں کیونکہ مرزا نجف خاں نے ۱۱۹۶ھ ہجری میں قضا کی اور یہ تذکرہ اُن کی وفات کے بائیس ۲۲ سال بعد ۱۲۱۸ھ ہجری میں لکھا گیا ہے" علاوہ بریں مؤلف خود کہتا ہے کہ "نجف خاں کی وفات کے بعد اُس نے یہ حالات فراہم کئے" اور اپنے استاد مرزا قتیل نو مسلم تھے یعنی ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ غالب نے ان کی لیاقت علمی پر بہت اعتراض کئے ہیں) کی فرمائش پر اُن کو تذکرہ کی صورت میں ترتیب دیا" اس لئے واقعتاً مؤلف کا ذوق۔ اور مرزا محمد حسین قتیل کی تحریر اس تذکرہ کی تالیف کا باعث ہے"

باب دوازدہم

"مسلمان کنبوؤں کا "ہندی الاصل ہونا عام طور پر مُسلّم تھا" قدیم تحریرات میں اس فرقہ کو "سادات" اور "شیوخ" سے بالکل جداگانہ قوم ظاہر کیا جاتا تھا" صاحب سیر المتاخرین" ایک افسوسناک واقعہ کا جو ۱۱۶۳ھ ہجری میں "قصبہ مارہرہ میں" پیش آیا تھا" تذکرہ کرتے ہوئے "حضرت کمبوہ کو "سادات" اور "شیوخ" کے زمرے سے علیحدہ گروہ سمجھکر یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں"

"ناموس اکثرے "سادات وشیوخ وکنبو"...... وغیرہ شرفائے آنجا ببلائے اسیری مبتلا گردید" (سیر المتاخرین جلد سوم ـ) ص۳۳۸

"صاحب خزانۂ عامرہ" نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں اس سانحہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور "قوم کنبوہ کا دیگر اقوام "سادات وشیوخ سے جداگانہ ذکر کیا ہے"

"مغلانِ سنگدل۔ خون ہفتادکس از مردم شہر ناحق ریختہ" ومستورات "سادات" و شیوخ" و "قوم کنبو" و "شرفا محلّہ قضاۃ را" ببلائے اسیری مبتلا ساختہ"

"مفتی عبدالقادر" اپنے روز نامچہ میں "امروہہ کی" مختلف اقوام کا تذکرہ اِن الفاظ میں کرتے ہیں "در شہر امروہہ" سادات وکنبوہ وکاہتہ وکلال وکھتری وتگا و شیخ زادہ وغیرہ الی آخرہ۔ (روزنامچہ مفتی عبدالقادر کتب خانہ حبیب گنج)

"مفتی صاحب" مراد آباد کے ساکن" ابتدائے عہد برطانیہ کے ذی علم بزرگ کچھ عرصہ "امروہہ" میں بہ تعلق ملازمت سرکاری مقیم رہے۔ اور یہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھے" وہ بھی اِس قوم کا تذکرہ جداگانہ قوم کی حیثیت سے کرتے ہیں" ص۳۳۹

سیر المتاخرین اور خزانۂ عامرہ تو مشہور ومعروف کتابیں ہیں" رہا روز نامچہ تو اس کے متعلق یہ ہے کہ "مولوی عبدالقادر خاں غمگین رامپوری المتوفی رجب ۱۲۶۵ھ ہجری مطابق مئی ۱۸۴۹ء کی خود نوشت سوانح عمری ہے" چونکہ اس کی ترتیب واقعات تاریخوار ہے اِس لئے اسے روز نامچہ کہا گیا ہے" اس کا ایک نسخہ کتب خانہ شاہی ریاست رامپور میں بھی ہے" (دیکھو دستور الفصاحت مصنفہ حکیم سید احمد علی خاں یکتا" بہ تصحیح مولوی امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتب خانہ رامپور) ص۹۳ ـ (مطبوعہ ہندوستان پریس رامپور ۱۹۴۳ء)

زبیری خاندان کا اپنے سکنی لقب سے بھی شہرت پذیر ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے

کتابوں سے تعارف کرلینے کے بعد یہاں ہمیں صرف اِس قدر کہنا ہے کہ "اِس بیان کا جواب باب دہم میں آچکا ہے" جہاں ہم نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں "سادات وشیوخ" اور "ترک وترکان" وغیرہ کے بہت خاندان ہیں جو "اپنے بزرگوں کے "سکنی مقامات" شاہی خطابات" عہدوں" پیشوں" اور "مختلف اوصاف سے شہرت پذیر ہوکر انہیں القاب وخطابات سے موسوم ہیں" اور مؤلف امروہوی ہی کی کتابوں" تاریخ امروہہ جلد اوّل" اور "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم سے لیکر دکھا چکے ہیں کہ "صرف قصبۂ امروہہ میں" سادات کے چند خاندان" مندرجۂ ذیل ناموں سے موسوم ہیں"

(۱) خاندان قاضی زادگان (۲) خاندان ملقب بہ نوگیان (۳) خاندان دانشمندان

(۴) خاندان جرڑودیہ (۵) خاندان حضرات دستارکلاں (بڑپگہ) (۶) خاندان سنگڑہ
(۷) خاندان چودہری صاحب ملقب بہ بکنی۔ (۸) خاندان متولیان

اور شیخوں کے جو خاندان دوسرے القاب سے ملقب ہیں وہ یہ ہیں:۔
(۱) خاندان بخشی (۲) خاندان ڈبکوری (۳) خاندان ڈاڑھی رنگے (۴) خاندان مناف پوتہ
(۵) خاندان شیخ برہان الدین "جو سمرزا" کہلاتا ہے۔ (۶) خاندان حفاظ (۷) خاندان بڑہ (۸) خاندان وکیلان

(۱) خاندان قزلباش "جو نسلاً ترک ہے" شاہ اسمٰعیل صفوی نے جن ترکوں کو سرخ ٹوپی پہنائی تھی وہ قزلباش کے نام سے موسوم ہو گئے۔

(۳) خاندان بڑپگہ "جو ترکمان ہے" بڑی بڑی پگڑیاں پہننے کی وجہ سے یہ خاندان اس نام سے موسوم ہوا۔ ان کے علاوہ اور بہت مثالیں موجود ہیں۔ خاندان قانون گویان۔ خاندان مفتیان۔ خاندان مولویان۔ بنگالی۔ مدراسی۔ پنجابی۔ گجراتی۔ ہندوستانی۔ مصری۔ ایرانی۔ کرمانی۔ مشہدی۔ بلخی۔ نسائی۔ بخاری۔ ترمزی۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان مؤخرالذکر تین ناموں سے صحاح ستہ کی تین کتابیں بھی موسوم ہیں۔ اور یہ نام اُن بزرگوں کے مسکنی لقب ہیں جنہوں نے حدیثوں کی کتابیں "صحیح بخاری" "ترمزی" اور "نسائی" مرتب فرمائی ہیں۔

منگول تعلقہ سدی بیٹھ ضلع میدک مملکت نظام دکن میں شیخوں کا ایک خاندان "باگ مارو" کہلاتا ہے۔ ان کے بزرگوں میں سے ایک صاحب کو جنگل میں جبکہ وہ بے خبر تھے شیر نے حملہ کر کے گرا دیا تھا۔ لیکن آخر کار شیر کو انہوں نے ہلاک کر دیا۔ اس وجہ سے اس خاندان کا نام ہی "باگ مارو" پڑ گیا۔ (شیر کو باگھ بھی کہتے ہیں)

صاحب تذکرۂ افغانی نے "روہیلے پٹھان" کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ افغانی قبیلہ کے لوگ جب ہندوستان میں آئے تو "شہر پٹنہ" میں آباد ہوئے۔ اس سبب سے انہیں "پٹھان" کہنے لگے۔ ملک روہ کے رہنے والے جب ہندوستان میں آئے تو "روہ والے" کہلائے۔ اور کثرت استعمال کی وجہ سے اب "روہیلے" کہے جاتے ہیں۔

فرقہ لوحانی کے مورث کا نام "نوح" تھا۔ اس لئے وہ "نوحانی" کہلایا۔ مگر اب "نون" کی جگہ "لام" استعمال ہو کر "لوحانی" کہلاتا ہے۔ غرضکہ اس قسم کی مثالیں بہت ہیں مگر ہم یہاں ان چند ہی پر اکتفا کر کے اب یہ دکھلاتے ہیں کہ جس خاندان سے یہ کا خود مؤلف امروہوی کو دعوا ہے (یعنی عباسی خاندان کا) اس کا کیا حال ہے۔ اور وہ کن کن القابوں سے ملقب یا ناموں سے موسوم ہے۔

(۱) عباسیوں کا ایک خاندان پنجاب میں "ڈھونڈ" کہلاتا ہے۔ (۲) دوسرا "جاموٹ" کہا جاتا ہے۔ مؤلف موصوف نے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے ص ۱۲۱ پر خود تحریر کیا ہے کہ "موضع بوبک ضلع (سندھ) میں "مخدوم زادگان عباسی" کا ایک قدیم خاندان ہے جو زمیندار پیشہ ہیں۔ سندھی میں زمیندار کو "جاموٹ" کہتے ہیں۔ یہ حضرات بھی اسی لقب سے ملقب ہیں۔ (۳) تیسرا "کلہوڑا" کے نام سے موسوم ہے۔ جس کے متعلق اسی کتاب کے ص ۱۲۱ پر لکھا ہے کہ "احمد ثانی عباسی" معہ چند آل عباس کے "مصر سے ہجرت کر کے کیچ و مکران" ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے۔۔۔ یہ خاندان "کلہوڑا" کے نام سے مشہور ہوا۔ اور ص ۱۲۱ پر ترقیم ہے کہ "خاندان کلہوڑہ" کی آبادی "ضلع لاڑکانہ" وغیرہ میں ہے۔ (۴) چوتھا "داؤد پوترہ" سے ملقب ہے۔ جس کے متعلق مؤلف صاحب کا بیان ہے کہ "انہیں کے (کلہوڑوں کے) بنی اعمام "حاجی پور" نواح ملتان کے قدیمی جاگیردار ہے مذہباً شیعہ ہیں۔" امیر داؤد مذکور کی اولاد "داؤد پوترہ" کہلاتی ہے۔"

جب ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کن کن مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ تو اس کو ایسی قبولیت عام شہرت ہو جاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ کا اسی نام سے شہرت پذیر ہو جاتا ہے کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے کوئی بہ اسم محل اور کوئی بہ اسم صفت موصوف ہو گئی ہے تو اس فرقہ "پسکوٹ" کے مقام "کنپاہ" کی وجہ سے (جس کا حال وہ المشاہیر میں پڑھ چکے ہیں) "کنبوہی" اور بعد میں "کنبوہ" کے نام سے موسوم ہو جانا مؤلف امروہوی کو کیوں تعجب میں ڈال رہا ہے اور ایسا حیران و پریشان کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے انہیں اپنی کتاب کی مندرجہ بالا

باتیں بھی مطلق یاد نہیں ہیں۔ "ڈھونڈ" "جاموٹ" "کلھوڑہ" اور "داؤد پوترہ" میں سے "اوّل دسوم کی وجہ تسمیہ تک معلوم نہیں ہے" یعنی خود مؤلف موصوف نہیں جان سکے کہ یہ خاندان اِن ناموں سے کیوں موسوم و مشہور ہوئے اور ہیں "لیکن اس پر بھی بقول اُن کے وہ عباسی ہیں" یعنی اُن کے نزدیک جس طرح مثل دوسرے مندرجۂ بالا خاندانوں کے جو مختلف القاب وخطابات وغیرہ سے موسوم ہیں مگر "سید شیخ و ترکمان وغیرہ ہیں" اسی طرح اِن خانوادوں کا "ڈھونڈ" "جاموٹ" "کلھوڑہ" "داؤد پوترہ" کے القاب سے ملقب ہونا یا اِن ناموں سے موسوم و مشہور ہونا "قادح عباسیت نہیں ہے"

مؤلف امروہوی کے مندرجۂ بالا بیانات یا انکشافات ہی سے "اِس امر پر خوب طرح روشنی پڑ گئی ہے کہ" اُن کی پیش کردہ تحریروں میں "زبیریول" کو اُن کی آس امتیازی حیثیت کی وجہ سے جو جاگیرداری "زمینداری" شاہی خدمات "مناصب" اور علوم و فنون و اثر و اقتدار کے سبب سے انہیں مارہرہ اور امروہہ وغیرہ میں "زمانۂ دراز سے حاصل تھی۔ اور اب بھی بفضلہ تعالیٰ حاصل ہے" اُن کے مشہور شدہ "سکنی لقب سے" اور سادات و دیگر شیوخ کو الگ ظاہر کیا ہے "بالکل اسی طرح جیسے کہ" صاحب خزانۂ عامرہ "مولوی غلام علی آزاد بلگرامی (المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری) نے اپنی نوشتہ میں "محلّہ قضاۃ" والوں کو۔ اُن کی قضاۃ کی خصوصیت کی وجہ سے سادات و شیوخ سے الگ دکھایا ہے "کیا مؤلف موصوف اس کی وجہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ "محلّہ قضاۃ والوں کو جو شیخ تھے" شیخوں سے علیحدہ کر کے کیوں لکھا ہے" اور "کنبوہ خاندان کی طرح" یہ قاضی خاندان بھی "سادات و شیوخ سے الگ ظاہر کئے جانے کی وجہ سے" شیخ "رہا یا کوئی دوسری قوم بن گیا ہے" مزید برآں صرف محلّہ قضاۃ والوں کو "شرفا محلّہ قضاۃ لکھا ہے" اور سادات شیوخ و کنبوہ کے سامنے شرفا کا لفظ نہیں لکھا ہے "تو کیا اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ "یہ لوگ" شرفا میں داخل نہیں ہیں" اب ہمیں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں ہے کہ "مؤلف امروہوی نے "زبیری کنبوہی" یا کنبوہ خاندان کو سادات و شیوخ سے جداگانہ قوم ظاہر کرنے کے شوق میں "اُن حقائق کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے" جنہیں ہم اُن کی کتابوں اور تحریروں سے اُوپر دکھا آئے ہیں" اور اُن کی دھوکا دہی کی اس کوشش کی بھی قلعی بخوبی کھل گئی ہے "نیز اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ "اُن کی دلی کیفیت کیا ہے" مؤلف امروہوی نے "شہنشاہ اکبر" کے فرمان موسومہ خان خاناں (بیرام خاں کی طرح) ذرا ذرا سے ٹکڑے لے کر ناظرین کو دھوکے میں ڈالتے ہیں" اب ہم فرمان مذکور کی طرح مارہرہ پر حملہ کے متعلق تین مؤرخین کے پورے بیانات تحریر کرتے ہیں "جن سے تمام حالات کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے"

"مارہرہ پر" ابوالمنصور صفدر جنگ کی فوج کے یورش کرنے کا حال "بمطابق سیرالمتاخرین کے قلم سے"

مؤلف امروہوی کے اِس بیان کا جواب دے چکنے کے بعد۔ اب ہم اُس واقعہ کو بھی لکھے دیتے ہیں جس کی طرف مؤلف موصوف نے اشارہ کیا ہے "سید غلام حسین طباطبائی نے "سیرالمتاخرین جلد سوم" تالیف سنہ ۱۱۹۴ ہجری میں لکھا ہے کہ:

ہیجدہم رمضان سنہ ۱۱۶۳ ہجری "ساربانے از نوکران مغلیہ درخت درِ خانۂ عنایت خاں "متوطن مارہرہ" ملازم وزیر (ابوالمنصور صفدر جنگ) کہ اسی کی فوج "نواب احمد خاں بنگش" والئے فرخ آباد سے لڑنے کے لئے جاتی ہوئی "مارہرہ میں مقیم تھی" بُرید۔ آدم اعتماد آنکہ ملازم وزیر است "ساربان را تادیب دگر شمالی بواقعی فرمود" ساربان دیگر نزد آقائے خود فریاد نمودند "از جماعۂ مغلیہ بود" گفتہ فرود تا عنایت خاں را بیارند "جماعۂ سوار ان و پیادہ ہمراہی او" بخانۂ عنایت خاں دویدند "و دیگر جماعۂ مغلیہ پے گمان آنکہ "برائے غارت مارہرہ" حکم وزیر بود "تمامی فوج" وقت عصر "مارہرہ" تاختند۔ و طرفۃ العین با خاک برابر ساختند" و عنایت خاں"

اٹھارہ رمضان سنہ ۱۱۶۳ ہجری کو مغل کے نوکروں میں سے ایک ساربان نے عنایت خاں متوطن مارہرہ ملازم وزیر ابوالمنصور صفدر جنگ جس کی فوج نواب احمد خاں بنگش والئے فرخ آباد سے لڑنے کے لئے جاتی ہوئی مارہرہ میں مقیم تھی کے دروازہ کے درخت کو کاٹا۔ اُس نے اس اعتماد پر کہ وزیر کا ملازم ہے ساربان کی خوب گوشمالی اور تادیب کی۔ دوسرے ساربان نے اپنے آقا کے پاس جو مغلیہ فوج میں جمعدار تھا جا کر فریاد کی۔ اُس نے عنایت خاں کو جا کر لانے کے لئے بھیجا۔ اس کے ہمراہ سوار اور پیادوں کی جماعت عنایت خاں کے گھر کو دوڑی۔ مغلوں کے دوسرے گروہوں نے یہ سمجھا کہ وزیر کا مارہرہ کو غارت کر دینے کا حکم ہوا ہے۔ تمام فوج عصر کے وقت مارہرہ پر جا پڑی اور پلک جھپکتے اُس کو خاک برابر کر دیا۔ عنایت خاں اور اُس کے

و پسر نوزدہ سالہ اش را بجان کشتند۔

وزیر (ابو المنصور صفدر جنگ) بمجرد استماع نصیر الدین حیدر را ہم لعت و سپہ سالار افواج وزیر) را فرمود تا زود خبر گیرد و نقیبان را متعین نمود کہ غارت گران را باز دارند اما تا رسید از کار گذشتہ عالمی برباد رفتہ ناموس اکثرے از سادات و شیوخ و کنبوہ وغیرہ شرفا بہ بلائے اسیری مبتلا گردید و اسباب خانہا بتاراج رفت۔

نصیر الدین حیدر خاں تمام شب محنت کشیدہ جمیع توابعین شرفا و غربا را بر آوردہ در خیمہ علیحدہ کہ وزیر برائے آنہا برپا کردہ بود فراہم نمود و تمام شب وزیر بریں ماجرا ملول و اکثر زار زار گریاں بود و طعام نخورد۔

از اول طلوع صبح تا اشراق مستورات بہ خانہ ہائے خود رسیدند و اطفال کہ مغلیہ با در بار ہیزم بستہ خود و گودہائے کندہ دراں افگندہ۔ از بالا بہ خار و خس پوشیدہ پنہاں کردہ بودند ہم رسانیدہ بہ پدر و مادر آنہا باز گردانیدند۔

دراں روز در قصبہ مذکور ہنگامہ عاشورہ برپا بود وزیر مبلغ کثیر بمردم شہر فرستاد اما اموال لاتحصی غارت رفت و گذشت آنچہ گذشت مردم از ہماں زبان میگفتند۔ کہ فتح وزیر نخواہد شد و ہم چنیں شد۔

وزیر بعد اطمینان۔ از جمعیت فوج و اسباب از مارہرہ کوچیدہ پیشتر رفت و شب دوم شوال بعد نماز۔ با مداد ہر دو لشکر ہم آویختند وزیر با وجود وفور فوج و سامان ہزیمت خورد نجم الدولہ و نصیر الدین حیدر ہمزلف و خالہ زاد وزیر مقتول شدند۔

وزیر را زخم تفنگ بر گلو آمدہ و غشے عارض گشت شام با دل شکستہ از میدان برگشتہ بمارہرہ رسید بہ سید نور الحسن خاں جمعدار بلگرامی فرمود تا اسباب تکمید زخم آوردند۔ و آلش کارے بعمل آمد۔

اکثر اردوئے وزیر را مغلیہ تاراج نمودند و آنچہ باقی ماند از دست دہقانیان راہ بغارت رفت و از مارہرہ کوچ بکوچ ۲۹ شوال بدہلی رسید۔

انیس[19] سالہ لڑکے کو جان سے مار دیا۔

وزیر (ابو المنصور صفدر جنگ) نے سنتے کے ساتھ ہی فوراً نصیر الدین حیدر (اپنے ہم زلف و سپہ سالار فوج وزیر) سے فرمایا کہ جلد خبر لے اور نقیبوں کو متعین کیا کہ غارت گروں کو غارت گری سے باز رکھیں لیکن جب تک پہنچیں اور روکیں عالم برباد ہو گیا۔ ناموس اکثر سادات اور شیوخ اور کنبوہ کے گرفتاری مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور گھروں کا اسباب لٹ گیا۔

نصیر الدین حیدر خاں نے تمام رات محنت اٹھا کر تمام مصیبت زدوں شرفا و غربا کو تلاش کر کے علیحدہ ڈیرے میں جسے وزیر نے اُن کیلئے کھڑا کیا تھا جمع کیا اور ساری رات اِس واقعہ سے غمگین اور اکثر زار زار روتا رہا اور اُس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

صبح ہونے سے پہلے سے اشراق تک عورتیں اپنے گھروں میں پہنچ گئیں اور لڑکوں کو جنہیں مغلوں نے اپنے جلانے کی لکڑیوں کے بوجھ میں اور کپلو میں باندھ کر ڈال دیا تھا اور اُوپر سے گھاس و کوڑے سے چھپا دیا تھا حاصل کر کے اُن کے ماں باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔

اُس روز قصبہ مذکور میں ہنگامہ محرم کا برپا تھا۔ وزیر نے بہت روپیہ شہر کے لوگوں کے پاس بھیجا لیکن مال بیشمار غارت گیا اور گذر گیا جو گذر گیا۔ وہاں کے لوگوں نے بد دعا دی کہ وزیر کی فتح نہ ہو اور ایسا ہی ہوا۔

وزیر اطمینان کے بعد مارہرہ سے اپنی فوج اور سامان کے ساتھ کوچ کر کے آگے روانہ ہوا۔ اور دو شوال کی رات کو بعد نماز دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ وزیر نے باوجود زیادتی فوج و سامان کے شکست کھائی نجم الدولہ اور نصیر الدین حیدر ہمزلف اور خالہ زاد وزیر مقتول ہوئے۔

وزیر کے گلے میں بندوق سے زخم آیا جس سے وہ بیہوش ہو گیا۔ اور شام کو دل شکستہ میدان سے واپس ہو کر مارہرہ پہنچا۔ اور نور الحسن خاں جمعدار بلگرامی سے زخم کے علاج کے سامان کے لئے فرمایا۔ اچھی طرح علاج عمل میں آیا۔

وزیر کے لشکر کے اکثر مغل تاراج ہو گئے اور اُن میں سے جو باقی بچے دیہاتیوں کے ہاتھوں راستہ میں غارت ہو گئے۔ اور وہ مارہرہ سے منزل بمنزل ۲۹ شوال کو دہلی پہنچ گیا۔

اس کے آگے لکھا ہے کہ وزیر ابو المنصور علی صفدر جنگ جب دہلی پہنچا تو وہاں کے علما نے اس کے خلاف فتویٰ دیا۔ چنانچہ شہر دہلی کے دروازے بند کر کے اُسے شہر میں نہیں گھسنے دیا۔ اور دہلی والوں کے وزیر سے لڑنے کا حال لکھا ہے۔ جسے ہم چھوڑتے ہیں۔

(نوٹ ۱) اصلی نام مرزا مقیم۔ ابو المنصور خاں کنیت و لقب۔ وزیر الممالک نواب منصور علی خاں صفدر جنگ خطاب تھا۔ سیادت خاں کا بیٹا برہان الملک سعادت خاں کا بھانجا اور داماد تھا۔ ماموں کے مرنے کے بعد شروع سال ۱۱۵۲ ہجری مطابق اپریل ۱۷۳۹ء میں دو کروڑ روپیہ بطریق پیشکش نادر شاہی خزانہ میں داخل کر کے محمد شاہ کے حضور سے صوبہ اودھ کا خلعت حاصل کیا۔ ۱۱۶۱ ہجری مطابق ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ بادشاہ کے تخت نشین ہونے پر عہدۂ وزارت اعلیٰ پر سرفراز ہوا۔ سات سال تک تمام انتظام سلطنت اور اختیارات

"مارہرہ پر ابوالمنصور کی فوج کی یورش کا حال۔ صاحب خزانۂ عامرہ کے قلم سے"

خزانۂ عامرہ مؤلفہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے صفحہ ۸۱۵ پر تحریر ہے کہ۔

دریں عرصہ قضیۂ عجیبہ رو داد کہ ہیجدہم رمضان سال مذکور (۱۱۶۳ھ) ساربانے از نوکران مغلے درخت در دروازہ عنایت خاں ببرید۔ این عنایت خاں ساکن مارہرہ از نوکران سرکار نواب وزیر (ابوالمنصور خاں صفدر جنگ) بود۔ عنایت خاں باعتماد آنکہ نوکر سرکار است جرأت نمودہ ساربان را تنبیہ بواقعی کرد۔ ساربان دیگر پیش مغل فریاد برد۔ مغل کسان برادرے خود را فرستاد کہ عنایت خاں را دستگیر کردہ بیارند۔ جماعت سوار و پیادہ بر خانۂ عنایت خاں دویدند۔ افواج مغل دانستند کہ برائے غارت کردن شہر مارہرہ حکم نواب صادر شدہ است۔ تمامی افواج مغل از سوار و پیادہ بر سر شہر یورش کردہ۔ وقت عصر بود کہ شہر را در طرفۃ العینے با خاک برابر کردند۔ عنایت خاں و پسرش نوزدہ سالہ را بجان کشتند۔ نواب وزیر بمجرد اطلاع نصیر الدین حیدر خاں برادر زادۂ خود را حکم کرد کہ زود رفتہ خبر بگیرد۔ و نقیبان را تعیین فرمود کہ غارت گران را از دست درازی باز دارد۔ و جمع از سادات بلگرام کہ در سلک رفقائے نواب انتظام داشتند مسلح شدہ بسرعت ہرچہ تمامتر خود را بحویلی شاہ برکت اللہ مرحوم بلگرامی متوطن مارہرہ رسانیدند۔ بعون الٰہی حویلی و ناموس و اثاث البیت اولاد شاہ برکت اللہ مرحوم محفوظ ماند۔ لیکن اکثر مردم صاحب غیرت جوہر کردند۔ و مغلان

اس عرصہ میں عجیب قضیہ نے منہ دکھایا کہ اٹھارہ رمضان سال مذکور ۱۱۶۳ ہجری میں مغل کے نوکروں میں سے ایک ساربان نے عنایت خاں کے دروازے کا درخت کاٹا۔ یہ عنایت خاں ساکن مارہرہ سرکار نواب وزیر اودھ (ابوالمنصور صفدر جنگ) کے نوکروں میں سے تھا۔ عنایت خاں نے اس بھروسے پر کہ وہ سرکار کا نوکر ہے جرأت کر کے ساربان کی خوب تنبیہ کی۔ دوسرے ساربان نے مغل کے پاس جا کر فریاد کی۔ مغل نے کسی اپنے بھائی کو بھیجا کہ عنایت خاں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ سوار اور پیدلوں کی جماعت عنایت خاں کے گھر پہ دوڑی۔ افواج مغل نے سمجھا کہ شہر مارہرہ کو غارت کرنے کے واسطے نواب کا حکم صادر ہوا ہے۔ سوار و پیدل تمام افواج مغل نے شہر پہ چڑھائی کر دی۔ عصر کا وقت تھا انھوں نے ذرا سی دیر میں شہر کو خاک برابر کر دیا۔ عنایت خاں اور اس کے انیس (۱۹) سالہ لڑکے کو مار ڈالا۔ نواب وزیر نے اطلاع کے ملتے ہی نصیر الدین حیدر خاں اپنے بھتیجے کو حکم دیا کہ جلد جا کر خبر لے اور چوبداروں کو متعین کرو کہ غارت گروں کو دست درازی سے باز رکھیں۔ اور سارے بلگرام کے سیدوں نے جو سلک رفقائے نواب میں انتظام رکھتے تھے مسلح ہو کر جس قدر جلد ہو سکا اپنے آپ کو شاہ برکت اللہ مرحوم بلگرامی متوطن مارہرہ کی حویلی پہ پہنچایا۔ خدا کے فضل سے حویلی اور ناموس اور مکان کا سامان اولاد شاہ برکت اللہ مرحوم کا محفوظ رہا۔ لیکن اکثر صاحب غیرت مردوں نے جوہر (لڑ کر مر جانا) کیا۔ اور سنگدل مغلوں نے شہر کے سترہ مردوں کا ناحق

(بقیہ نوٹ ۱ صفحہ ۲۴۶) شاہی اپنے ہاتھ میں رکھے۔ ۱۱۶۵ ہجری مطابق ۱۷۵۲ء میں وزارت سے معزول ہوا۔ پائے سریر سلطنت سے رخصت ہو کر اپنے مستقر حکومت صوبۂ اودھ کو جا رہا تھا کہ لکھنؤ سے تین منزل اس طرف پاپچ گھاٹ میں ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ (اکتوبر ۱۷۵۴ء) کو وفات پا گیا۔ برہان الملک کی طرح اس کا خاتمہ بھی ایک بڑے دانہ کے نکلنے سے ہوا۔ اس کی لاش برائے چندے گلاب باڑی فیض آباد (پہلے دار الحکومت) میں امانتاً سپرد زمین رہی۔ بعد ازاں شاہجہاں آباد بھیجی گئی۔ شاہ مردان کی درگاہ کے متصل اس کا رفیع الشان مقبرہ معہ ایک وسیع اور پُر فضا باغ کے اب بھی اچھی حالت میں موجود ہے۔ تین لاکھ روپیہ اس کی تعمیر میں صرف ہوا تھا۔ اس کے بجائے اس کا بیٹا نواب شجاع الدولہ صوبہ داری اودھ پر مامور ہوا۔ صفدر جنگ کے زمانۂ وزارت میں بہت سے تنازعات برپا ہو گئے تھے۔ وزارت سے ہٹایا گیا تو مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ چند امرائے باقتدار سے سازشیں کر کے اپنے مخالفین سے جنگ و پیکار شروع کر دی۔ اس کے رفیق اور مدار المہام سورج مل جاٹ نے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ یہ محشر خیز سانحہ جاٹ گردی کے نام سے مشہور ہے۔ ہرنند اس کی جاگیر کا محصل اور مہتمم اور راجہ اندر گوشائیں ملتزم خدمت و نگراں تھا۔ اس کی فرد جرم کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ بحیلہ ضیافت اس نے نواب بہادر جاوید خاں کو بلوا کر مروا ڈالا تھا اور دغا کی تھی۔

(حیات میر عبد الجلیل بلگرامی مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۸ و ۴۹ مصنفہ سید مقبول احمد صمدانی)

سنگدلاں خون بےگناہاں بعضے از مردم شہر ناحق ریختند و مستورات سادات و شیوخ و قوم کنبوہ و شرفا محلہ قضات را بہ بلائے اسیری مبتلا ساختند نصیر الدین حیدر خاں تمام شب محنت کشیدہ جملہ ناموس شرفا و غربا را از خیمہ ہائے مغلاں برآوردہ و نواب وزیر آں شب طعام نخوردہ و زار زار گریست تا طلوع صبح تمامی ناموس شرفا از بند خلاص شدہ بعضے بخانہ ہائے خود رفتند و بعضے کہ نتوانستند رفت در لشکر خیمہ ہائے علیحدہ برائے آنہا برپا شدہ و طعام از سرکار آمد تا وقت اشراق جملہ ناموس شرفا و غربا بخانہ ہائے خود رسیدند و اطفال کہ دستگیر شدہ بودند و مغلاں در بادرو پتہ پنہاں کردند و کوبا کندہ اطفال را انداختہ خس پوش کردند ہمہ را بدست آوردہ بہ مادر و پدر آنہا رسانیدند معاذ اللہ آں روز ہنگامہ عاشورا و آشوب طامہ کبری بود نواب وزیر دو ہزار روپیہ بمردم شہر فرستادہ اما اموال واقعہ لاتحصی بغارت رفت

خون بہایا۔ اور عورتیں سادات و شیوخ و قوم کنبوہ اور شریفوں محلہ قضات کی قید کی مصیبت میں مبتلا ہو گئیں نصیر الدین حیدر خاں نے تمام رات محنت اٹھا کر تمام ناموس شرفا اور غربا کو مغلوں کے خیموں سے نکالا۔ اور نواب وزیر نے اُس رات کھانا نہیں کھایا اور زار زار روتا رہا۔ صبح ہونے تک تمام ناموس شرفا کے قید سے چھوٹ کر بعضے اپنے گھروں کو چلے گئے اور بعضے جو نہیں جا سکتے تھے لشکر میں اُن کے لئے علیحدہ خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اور کھانا سرکار سے آیا۔ اشراق کے وقت تک تمام ناموس شریفوں اور غریبوں کے اپنے گھروں پہ پہنچ گئے۔ اور لڑکے جو گرفتار ہو گئے تھے اور مغلوں نے انہیں بوجھ اور پٹّوں میں چھپا دیا تھا اور اُن کو باندھ کر ڈال دیا اور خس پوش کر دیا تھا سب کو ڈھونڈ کر اُن کے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا۔ خدا کی پناہ اُس روز ہنگامہ محرم اور آشوب قیامت تھا۔ نواب وزیر نے دو تین ہزار روپیہ شہر کے آدمیوں کو بھیجا لیکن مال و متاع بیشمار غارت ہو گیا۔

یہ کو ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ علامہ غلام علی آزاد نے شرفائے محلہ قضات کو سادات و شیوخ و کنبوہ سے علیحدہ کر کے لکھا ہے۔ اگر یہاں یہ بتاتے ہیں کہ سوائے شاہ برکت اللہ کے خاندان کے اور کوئی خاندان سادات کا مارہرہ میں مسکن گزیں نہیں تھا۔ نہ اب ہے شاہ برکت اللہ کے دادا شاہ عبد الجلیل (المولود ۲ رجب ۱۰۵۹ ہجری المتوفی ۸ صفر ۱۱۳۵ ہجری) کو چودہری وزیر محمد خاں زبیری کنبوہ نے مارہرہ میں لا کر آباد کیا تھا۔ اور اُن کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرا دی تھی۔ اسی خانقاہ میں شاہ عبد الجلیل صاحب مدفون ہیں۔ اور اسی زمانے سے اُن کا خاندان جو سادات بلگرام سے تعلق رکھتا ہے مارہرہ میں رہتا ہے۔ نیز مارہرہ میں سادات و شیوخ کے تین محلے ہیں۔ جو محلہ سادات محلہ قاضیان اور محلہ کنبویان کے ناموں سے موسوم ہیں۔ اور عنایت خاں باشندہ مارہرہ جن کی وجہ سے مارہرہ میں یہ ہنگامہ ہوا سادات و شیوخ میں سے نہیں ہیں۔ اور ان محلوں میں سے کسی کے باشندہ نہیں تھے۔ محلہ کنبویان جس میں سوائے کنبوہ زبیری خاندان کے دوسرے کسی قبیلہ کی آبادی نہیں ہے۔ اس طرح آباد ہے کہ اگر اس کے کناروں پر چند آدمی کھڑے ہو جائیں تو جمعیت کثیر کو آسانی کے ساتھ محلہ میں داخل ہونے سے روک سکتے ہیں۔ تقریباً اسّی ہزار فوج کے دس بارہ ہزار آبادی کے قصبہ پر آگرنے اور صرف تقریباً سو آدمیوں کے قتل و زخمی ہونے سے ہی اس بات پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ یہ ہنگامہ جس طرح دفعتاً اٹھا تھا اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ چشم زدن میں دبا دیا گیا۔ اور غارت گروں کو کسی بے عنوانی کی ذرا سی مہلت بھی نہیں مل سکی۔ ہم نے اوپر چند مثالیں اس امر کی دی ہیں کہ مختلف مناسبتوں سے قومیں اور قبائل شہرت پذیر ہو کر مختلف ناموں سے موسوم ہو گئے۔ یہاں ایسی تھوڑی مثالیں اور دیتے ہیں۔

(۱) قوم قدوائی۔ میاں بشارت اللہ عرف محمد ذکریا۔ ذاکر تخلص۔ ولد شیخ ہدایت اللہ۔ قوم قدوائی۔ ساکن لکھنؤ۔ دریائے عقیق الفصاحت تذکرہ شعرائے گویان صفحہ ۹۰ (تالیف غلام ہمدانی مصحفی مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی ۱۹۳۴ء)

(۲) مرزا صفی الدین محمد صفائی تخلص۔ از اکابر سادات حسینی۔ خلف الصدق مرزا اشرف۔ علی خاں وفا۔ (عقد ثریا صفحہ ۱۵)

(۳) رافت۔ میرزا عبد اللہ رافت برادر میرزا علی رضا خاں خلف میر محمد کاظم شہرہ مشہد اند۔ چونکہ قبیلہ بزرگ از عرب بودہ اند و بنو ان کہ موضع است از اعمال مشہد مقدس بود استقامت داشتند۔ میر عبد الصمد جد ایشان در عہد اورنگزیب عالمگیر وارد ہندوستان شدہ۔ بجاگیر سرفراز شد۔

(۳) رافت۔ میرزا عبد اللہ رافت برادر میرزا علی رضا خاں خلف میر محمد کاظم اُن کے بزرگ خزیمہ سے جو عرب کا بزرگ قبیلہ ہے ہوئے ہیں۔ اور موضع بنوان من مضافات مشہد مقدس میں استقامت رکھتے تھے۔ اُن کے دادا میر عبد الصمد نے اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آکر

داشت۔ خود ش در لکھنؤ تولد یافتہ و توطن اختیار کردہ۔ (عقد ثریا ص۲۹)

(۴) فروغ۔ میرزا محمد علی فروغ۔ مولدش صفاہان است۔ والد ماجدش مرزا محمد رضا از اکابر سادات اصفہان بود۔ (عقد ثریا ص۱۳۱ و ۴۵)

(۵) قتیل۔ مرزا محمد حسن قتیل۔ در اصل بزرگانش۔ قوم کھتری۔ بھنڈاری بٹیالی بودہ اند۔ پدرش درگاہی مل نام داشت (عقد ثریا ص۴۶)

(۶) قوم مغل۔ محمد اسمٰعیل طپش تخلص۔ عرف مرزا جان کہ مولد والدش بخارا است۔ قوم مغل۔ ہندوستان زا۔ از اولاد۔ سیّد جلال الدین بخاری۔

جاگیر سے سرفراز ہوئے۔ خود انہوں نے لکھنؤ پیدا ہو کر وطن اختیار کیا۔

(۴) فروغ۔ میرزا محمد علی فروغ۔ جائے پیدائش ان کی اصفہان ہے۔ اُن کے والد ماجد اصفہان کے اکابر سادات سے تھے۔

(۵) قتیل۔ مرزا محمد حسن قتیل۔ اصل میں اُن کے بزرگ قوم کھتری بھنڈاری بٹیالی ہوئے ہیں۔ باپ کا نام درگاہی مل تھا۔

(۶) قوم مغل۔ محمد اسمٰعیل طپش تخلص عرف مرزا جان اُن کے والد کی پیدائش بخارا کی ہے۔ قوم مغل ہندوستان کی سیّد جلال بخاری کی اولاد سے ہے۔

(تذکرہ ہندی غلام ہمدانی مصحفی، جامع برقی پریس دہلی ۱۹۳۳ء)

اَب ہم مؤلف امروہوی سے پوچھتے ہیں کہ۔ یہ قوم قدوائی۔ کیا ہے۔ اور یہ کھتری اور سیّد۔ وغیرہ۔ قوم مغل۔ کیوں کیے جاتے ہیں۔ درگاہی مل کا بیٹا مرزا کیسے ہو گیا۔

۔ مارہرہ پر اَبو المنصور کی فوج کے یورش کرنے کا حال۔ صاحب آثار احمدی کے قلم سے۔

آثار احمدی قلمی۔ تصنیف جالینوس زماں حکیم عنایت حسین صاحب زہیری کنبوی مارہروی (المتوفی ۱۲۶۵ھ ہجری کے ورق ۳۶ تا ۳۸ پر تحریر ہے کہ۔

نواب وزیر۔ خروج افغانان۔ شنیدہ۔ برائے مدد نول رائے (افسر وزیر جس نے وزیر کے حکم سے۔ ملک متعلقہ نواب قایم خاں پر تسلّط کر لیا تھا) از دہلی۔ بکوچ متواتر۔ بمارہرہ رسید۔ و خبر کشتہ شدن۔ نول رائے۔ شنیدہ ہمیں جا دائرہ کرد۔ و بہ جمع فوج پرداخت۔

بعد چند روز۔ در ماہ رمضان بوقت عصر قزلباشان و دیگر لشکریان باہم بستیز در آمدہ ناگاہ بر شہر مارہرہ ریختند۔ چنانچہ شہر بیغارفت و قریب صد کس زخمی و کشتہ شدند۔

نواب سیّد نور الحسن خاں بلگرامی (عزیز قریبی حضرت سیّد شاہ حمزہ صاحب مارہروی) بہ نواب وزیر ایں قضیہ گذرانیدہ۔ خود معہ برادران مسلّح شدہ برائے محافظت۔ سرائے حضرت (شاہ حمزہ صاحب) رسیدند۔ و نواب وزیر بعد مطالعہ عرضی مذکور بجلد تر شتر سواران و چپراسیان را مخصوص کرد۔ تا ندا رسیدہ ندائے امان را امان۔ [illegible] قزلباشان از شہر خارج شدند۔

صبح آں نواب بمعذرت ایں قصہ [illegible] لشکر نواب عنایت اللہ خاں۔ و بدر الاسلام خاں۔ و راجہ جھا نراین۔ جدا جدا۔ و پس از اقربائے خود۔ نصیر الدین حیدر خاں۔ را فرستاد۔ راجہ و نصیر الدین حیدر بعذر ہا پیش آمدند۔ و سر خود را بر پائے آنجناب (شاہ حمزہ صاحب رح) رسانند۔ کہ نواب وزیر را ہرگز ایں قصہ خبر نبود۔ آں جناب را بحرکت آورد بخطاب

نواب وزیر افغانوں کے خروج کا حال سنکر نول رائے (افسر وزیر جس نے وزیر کے حکم سے نواب قایم خاں والئے فرخ آباد کے ملک پر تسلّط کر لیا تھا) کی مدد کے واسطے دہلی سے کوچ متواتر کر کے مارہرہ پہنچا۔ اور نول رائے کے قتل ہو جانے کی خبر سنکر اسی جگہ قیام کیا۔ اور فوج کے جمع کرنے میں مشغول رہا۔

تھوڑے دنوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں عصر کے وقت قزلباش اور دوسرے لشکری آپس میں لڑکر ناگاہ شہر مارہرہ پر آفت لائے۔ چنانچہ شہر تاراج ہو گیا اور قریب سو آدمیوں کے زخمی ہوئے اور مارے گئے۔

نواب سیّد نور الحسن خاں بلگرامی (عزیز قریبی حضرت سیّد شاہ حمزہ صاحب مارہروی) یہ قضیہ نواب وزیر کے پاس گذرانکر۔ خود معہ بھائیوں کے مسلّح ہو کر سرائے حضرت (شاہ حمزہ رح) کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے۔ اور نواب وزیر نے بعد مطالعہ عرضی مذکور جلد تر شتر سواروں اور چپراسیوں کو روانہ کیا کہ وہاں پہنچکر امان کی آوازیں دیں۔ قزلباش شہر سے خارج ہو گئے۔

صبح کو اِس قصہ کی معذرت کے لئے اپنے لشکر کے عاید نواب عنایت اللہ خاں اور بدر الاسلام خاں اور راجہ جھا نراین کو اور اُن کے پیچھے اپنے اقربا سے نصیر الدین حیدر خاں کو بھیجا۔ اور ان سبھوں اور نصیر الدین حیدر نے بہت معذرت کی اور اپنے سر کو آنجناب (شاہ حمزہ صاحب رح) کے پاؤں پر رکھا۔ اور کہا کہ نواب وزیر کو اس قصہ کی ہرگز خبر نہ تھی۔ [illegible]

عتاب ہمیں فرمودند کہ آنچہ تو با شہر با کردی جزائے ایں ظلم و ستم کہ بر شہریاں رفت زود از خدا خواہی یافت۔ و اُو شاں را رخصت نمود۔ پس نواب وزیر برائے تدارک غارت شدن شرفائے شہر سہ ہزار روپیہ نقد بدست نواب نصیر الدین حیدر بحضور اقدس فرستاد۔ و آں جناب بدست سید نور الحسن خاں بر کاغذ نام شہریان نوشتہ موافق حال ہر یک تقسیم کرانده داد۔

و بعد ازیں نواب وزیر از مصاحبان خود میر داراب را کہ عزیز کسے بود بحضور معلّی فرستاد و عرضداشت کہ صلح مابین مسلمین کار اطہر و سادات است۔ خواہم کہ بذریعہ آں جناب با ما و احمد خاں کہ از ارادت مندان شما است صلح بمیان آید۔ چنانچہ ایں قصہ دور و دراز است۔ آخر کار آں جناب بعد مبالغہ عرض نواب وزیر کہ فی الواقع اُو امیرے والا شان و مرد مہذب آداب دان و از وزرائے سلطنت بود و خلوص محبت و بندگی او بہ آں جناب صادق بود۔

محمد اصغر کنبوہ یکے از مریدان خود را کہ سلیقہ سفارت و عقل درست و چستی داشت، با خریطہ مہری وزیر بنام احمد خاں و رستم خاں روانہ لشکر افغانان فرمودند۔ او بہ آنجا رفتہ ملاقی شده خریطہ مذکور رسانید و استدعا نواب وزیر ظاہر ساخت کہ بالفعل از قصبہ پٹیالی (مقام پیدائش حضرت امیر خسرو رح) آں طرف ملک خود بگیرند و محالات ایں طرف با تعلق داشتہ۔ بعد شش ماہ باز پٹیالی وغیرہ ہم سہ اتاوہ بشما خواہم داد۔ و دریں مقدمہ وزیر قرآن و شمشیر مرتضیٰ علی در میان داد۔

رستم خاں کہ سردفتر لشکر بود و آنچہ بود اُو بود، ایجاب ہیچ مقدمہ نکرد۔ لیکن جواب خریطہ با بیت و لعل نوشتہ داد۔ و نواب احمد خاں معذوری خود و مختاری رستم خاں نوشت۔

اما فوج افغانان کہ دہ دوازدہ ہزار بودند دلیرانہ بودند۔ و ایں طرف فوج وزیر ہشتاد ہزار سوار بود۔

محمد اصغر مذکور بعد طے سوال جواب خریطہ ہا وقت شب نزد احمد خاں رفتہ عنایت نامہ حضور معلّی بہ وے داد و بزبانی ظاہر ساخت کہ حالا بتوکل بخدا کرده ہیچ اندیشہ از مقابلہ بمقاتلہ بہ دل راہ ندہید کہ بحکم خدا تعالیٰ فتحیاب خواہی شد کہ وقت اجابت دعا رسیده۔

کچھ میرے شہر کے ساتھ کیا ہے اس ظلم و ستم کی سزا جو شہریوں پر ہوا ہے جلد تر خدا سے پائے گا۔ اور اُن کو رخصت کر دیا۔ پس نواب وزیر نے شرفائے شہر کے لٹ جانے کے معاوضہ کے لئے نواب نصیر الدین حیدر کے ہاتھ تین ہزار روپیہ نقد حضور اقدس کے پاس بھیجا۔ اور آں جناب نے سید نور الحسن خاں کے ہاتھ سے شہر والوں کے نام کاغذ پر لکھوا کر موافق حال ہر ایک کے تقسیم کرا دیا۔

اس کے بعد نواب وزیر نے مصاحبوں میں سے میر داراب کو جو اُن کا عزیز تھا حضور معلّی کے پاس بھیجا۔ اور عرض کرایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا طاہر اور سادات کا کام ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اور احمد خاں جو آپ کے ارادتمند ہیں آپ کے ذریعہ سے دونوں میں صلح ہو جائے۔ چنانچہ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ آخر کار آں جناب نے بعد مبالغہ عرض نواب وزیر کہ فی الواقع وہ امیرے والا شان اور مرد مہذب آداب داں اور وزرائے سلطنت سے تھا اور خلوص و بندگی اُس کی آں جناب سے سچی تھی۔

اپنے مریدوں میں سے ایک محمد اصغر کنبوہ کو جو سلیقہ سفارت کا اور عقل درست و چستی رکھتے تھے، خریطہ مہری وزیر بنام احمد خاں اور رستم خاں لیکر افغانوں کے لشکر میں روانہ فرمایا۔ انہوں نے وہاں جا کر ملاقات کی اور خریطہ مذکور کو پہنچا دیا اور نواب وزیر کی استدعا ظاہر کی کہ بالفعل قصبہ پٹیالی (مولد حضرت امیر خسرو رح) سے اُس طرف کا ملک خود لے لیں اور اِس طرف کے محال ہمارے لئے چھوڑ دیں۔ چھ مہینوں کے بعد پھر پٹیالی وغیرہ بھی معہ اٹاوہ کے تم کو دے دیئے جائیں گے۔ اور اس مقدمہ میں وزیر نے قرآن و شمشیر مرتضیٰ علی درمیان میں دی۔

رستم خاں جو سردفتر لشکر تھا اور جو کچھ تھا وہ تھا، اس نے کوئی بات قبول نہیں کی۔ لیکن جواب خریطہ کا ٹال مٹول کا لکھ دیا۔ اور نواب احمد خاں نے اپنی معذوری اور رستم خاں کی مختاری کا عذر لکھ دیا۔

لیکن افغانوں کی فوج جو دس بارہ ہزار تھی۔ خوفزدہ تھی۔ اور اس طرف وزیر کی فوج اسی ہزار سوار تھی۔

محمد اصغر مذکور نے خریطوں کے سوال جواب طے ہونے کے بعد رات کے وقت احمد خاں کے پاس جا کر عنایت نامہ حضور معلّی (شاہ محمد حمزہ رح) اُس کو دیا۔ اور زبانی اُسے بتایا کہ اب توکل بخدا کر کے اور کوئی اندیشہ دل میں نہ لا کر مقابلہ اور مقاتلہ کرو خدا کے حکم سے فتحیاب ہو گے۔ کیونکہ وقت دعا کے قبول کا پہنچ گیا ہے۔

پس دریں جا "محمد اصغر" رسیدہ "سخنان دلاویز" "نواب وزیر" خوش دل ساخت "وزیر کوچ کردہ بیشتر رفت" آخر الامر بست و دوم شوال ۱۱۶۳ ہزار صد و شصت و سہ ہجری مابین قصبہ ذرداره "و سہاور" جنگ عظیم پیمان آمد "نصیر الدین حیدر خان" و "محمد اسحاق خان" از امرائے عظیم الشان "و اقربائے نواب وزیر" در میدان جنگ آرمیدند "و وزیر زخم تفنگ بر گلو خوردہ راہ فرار اختیار کردہ . . . . و نواب وزیر با فوج خود از آنجا بر آمدہ یک دو کروہ از میدان رزم استادہ "نیرنگی قدرت را تماشا کردہ" نہ فیلان "نہ اشتران" "نہ طویلہ اسپان" "نہ خیمہ" "نہ توپ خانہ" "دیگر آں سرانجام امارت ہیچ نہ دیدہ" آہے سرد از دل پر درد بر آوردہ "و از آنجا نزدیک مارہرہ" "در باغات حضرت رسیدہ توقف کردہ" "سید احمد سعید خان را طلبیدہ" برائے آوردن اسباب تکمید زخم تفنگ کہ خوردہ بود "بحضور معلی فرستاد" "و ایں سید موصوف" از سادات بارہہ و جاگیرش "در مارہرہ بود" اگرچہ منصب قلیل داشت اما چوں جوہر ذاتی در نہادش از شجاعت و تمکین وغیرہ بود و عمدہ ہا در توقیر او بہ تجلیل او می کوشیدند "جناب اقدس ہم بسیار بوے التفات می فرمودند" اسباب تکمید از حضور گرفتہ اسپ تازہ بہ نواب وزیر رسانیدہ "و نہ زخم ما آتش باری نمودہ روانہ بیشتر شدند"

پس اس جگہ محمد اصغر نے دلپسند کو دل آویز باتوں سے نواب وزیر کو خوش دل کیا" وزیر کوچ کرکے آگے روانہ ہوا" آخرکار بائیس شوال ۱۱۶۳ھ ہجری کو قصبہ ذرداره اور سہاور کے درمیان جنگ عظیم واقع ہوئی" نصیر الدین حیدر خان" اور محمد اسحاق خان اُمرائے عظیم الشان اور اقربائے نواب وزیر سے میدان جنگ میں کام آئے اور وزیر گلے پر بندوق کا زخم کھا کر بھاگ کھڑا ہوا" اور نواب وزیر نے اپنی فوج کے ساتھ وہاں سے نکل کر اور لڑائی کے میدان سے دو کوس کا فاصلہ طے کرکے کھڑے ہو کر نیرنگی قدرت کا تماشا کیا کہ نہ ہاتھی ہیں نہ اونٹ ہیں نہ گھوڑوں کا طویلہ ہے نہ خیمہ ہے نہ توپ خانہ ہے اور ان کے سوائے سرانجام امارت میں سے کچھ نظر نہیں آیا" ٹھنڈی آہیں دل پر درد سے نکالتا ہوا وہاں سے مارہرہ کے پاس حضرت کے باغات میں پہنچ کر اور ٹھہر کر اور سید احمد سعید خان کو بلا کر بندوق کے زخم کے علاج کے سامان لانے کے واسطے جو اس نے کھایا تھا اُن کو حضور معلیٰ کے پاس بھیجا" یہ سید صاحب موصوف سادات بارہہ سے تھے اور ان کی جاگیر مارہرہ میں تھی" اگرچہ منصب قلیل رکھتے تھے لیکن کیونکہ اُن میں جوہر ذاتی شجاعت و تمکین سے تھا عمدہ لوگ اُن کی نہایت توقیر کرتے تھے" اور جناب اقدس بھی اُن پر بہت لطف و مہربانی فرماتے تھے" علاج کا سامان حضور سے لیکر اسپ تازہ نواب وزیر کو پہنچایا اور وہ زخم کے اچھے ہونے پر آگے روانہ ہوا"

"زنگیوں کے ہاتھوں" کثیر التعداد عباسی عورتوں کی بے حرمتی"

ایسے بہت حادثات دنیا کی قوموں اور خاندانوں کو پیش آ چکے ہیں" جن میں اُن کی آبرو خاک میں مل گئی اور ناموس کی بربادی ہوئی ہے" تذکرہ بہادران اسلام حصہ اوّل موسوم اصلاح اُمت" مؤلفہ کرم الٰہی صوفی ڈونگوی مطبوعہ صوفی پریس پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات کے صفحہ ۔۔ پر ہے کہ ۔

"آخرکار صاحب الزنج" زنگیوں کا سردار مارا گیا" جس کے ہاتھ سے دس یا پندرہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے تھے" سنہ ۔۔ ہجری میں اس فرقہ کا خاتمہ ہوا" چودہ سال چار ماہ تک بغداد کے خلیفہ کا مقابلہ کرتا رہا" خلیج فارس کے دونوں ساحلوں پر قابض رہا" شرفائے عرب کی ہزار ہا عورتوں کی عفت کو خراب کیا"

بقول مسعودی" ایک ایک ہاشمی" اور عباسی عورت" دو یا تین درہم تک فروخت ہوئیں" اور ایک ایک زنگی کے پاس دس دس بیس تیس تک ایسی شریف عورتیں موجود تھیں" جن کی عفت میں خلل ڈالتا" اور زنگی عورتوں کی خدمت کا کام اُن سے لیا جاتا" تفصیلی حالات ۔۔ تاریخوں میں دیکھنے چاہئیں"

ترجمہ تاریخ طبری جلد ہفتم حصہ دوم و چہارم کے صفحہ ۶۸۳ اور ۶۹۳ پر ہے کہ منتفر مطلق عورتوں کی آبرو ریزی میں بھی ایسے بیباک تھے" کہ وہ کئی کئی مل کر ایک عورت کو مشترکہ طور سے اپنے تصرف کے لئے رکھ لیا کرتے تھے" طبری میں ایک عورت کا بیان لکھا ہے کہ جس نے دوسری عورت سے

جو بہت حسین تھی کہا کہ "میں چاہتی ہوں" تیرا حال معلوم کروں" اُس نے بیان کیا کہ میں ایک ہاشمی عورت ہوں" اُس زمانے میں عباسی اپنے آپ کو تو ہاشمی اور حضرت علی رضؓ کی اولاد کو "طالبی" کہا کرتے تھے "رح الف" یہ قوم ہمارے پاس آئی" اس نے میرے ماں باپ بھائی اور شوہر کو قتل کر دیا" اُن کے بیٹوں نے مجھے گرفتار کر لیا" میں پانچ روز اُس کے پاس رہی پھر اُس نے مجھے نکالکر اپنے ساتھیوں کے حوالے کرکے کہا "کہ اسے پاک کر دو" انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا" میں رونے لگی" اُس کے سرداروں میں سے ایک شخص نے مجھے مانگا اُس نے اجازت دیدی" اُس پر اُس کے تین ساتھیوں نے اپنی تلواریں میان سے نکال کر کہا کہ ہم اسے تیرے سپرد نہیں کریں گے" یا تو اسے ہمیں دیدے" ورنہ ہم اسے قتل کر دیں گے" اُن کے شور کو سنکر "رئیس قرامطہ" نے "انہیں بلاکر واقعہ دریافت کیا۔ اور جھگڑنے کی وجہ معلوم کرکے کہا کہ یہ تم چاروں کے لئے ہے" ان چاروں نے مجھے لے لیا" اور اب میں اُن کے ساتھ مقیم ہوں" بخدا میں نہیں جانتی" کہ یہ لڑکا ان میں سے کس کا ہے" شام کے بعد ایک شخص آیا" تو اُس نے مجھ سے کہا کہ "اسے مبارکباد دے" میں نے مبارکباد دیدی" اُس نے مجھے چاندی کا ایک سکہ دیا" دوسرا اور تیسرا آیا" میں اُن میں سے ہر ایک کو مبارکباد دیتی رہی" اور ہر ایک اُن میں کا مجھے چاندی کا سکہ دیتا رہا"

"باغیوں کے ہاتھوں" متقی باللہ خلیفہ عباسی کے محل میں "حرم شاہی کی ناموس ریزی"

ترجمہ تنبیہ والاشراف تالیف علامہ مسعودی میں ہے کہ "ابوالحسین بریدی" افواج لیکر براہ خشکی و دریا" ۲۱ رجمادی الآخر روز سہ شنبہ ۳۳۰ھ میں مدینۃ السلام" (بغداد) میں داخل ہوا" متقی "(عباسی خلیفہ") اور اُس کے ہمراہ "محمد بن رائق" نے پایۂ تخت سے بھاگ کر "موصل" کی راہ لی" خاص دارالخلافہ "بغداد" اور امراء کے مکانات تاخت و تاراج کیئے گئے" اور "حرم شاہی کی ناموس ریزی کی گئی"

اہل مارہرہ کے ناموس پہ آنچ نہ آنا

مارہرہ کو جو حادثہ پیش آیا" اور اُس پہ ایک ناگہانی بلا نازل ہوئی" خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ "اُس میں کسی کی بھی ناموس ریزی نہیں ہونے پائی" اور یہ بلا جیسی ناگہاں طور سے آئی تھی" اُس سے بھی زیادہ تیزی سے رفع ہو گئی" جیسا کہ مندرجہ بالا واقعہ سے جس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں" بخوبی ظاہر اور ہویدا ہے"

باب سیزدہم

"غیروں کے اقوال سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو خود اس قوم کے افراد عام طور سے اپنی تحریرات و دستاویزات میں اظہار نسب کے لئے ہمیشہ "قوم کنبوہ" لکھتے رہے ہیں۔ اُن میں سے کسی نے کبھی "زبیری" نہیں لکھا" یہاں بطور نمونہ چند دستاویزات کی نقول درج کرنا بے محل نہ ہو گا"

"نقل دستاویز صورت حال مرقومہ ۱۱۷۹ھ ہجری نوشتہ "محمد اشرف ولد محمد عادل کنبو ساکن مارہرہ"

"لا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه ......"

...... اظہار شہادت موجب سعادت و کتمان آں باعث شقاوت است۔ بنا براں سوال میکند۔ و استشہاد می طلبد احقر العباد ..... (کاغذ دریدہ) محمد اشرف ولد محمد عادل "قوم کنبو" از سادات عظام" و مشائخ کرام" و از جمہور انام" و کافۂ اہل اسلام" سکنۂ قصبہ مارہرہ" سرکار کول" مضاف بصوبہ مستقر الخلافت "اکبر آباد" بدیں معنی۔ کہ این سائل را عموی مرحوم" مسمی فتح محمد ولد رحمت خاں کنبو" از عمر ۳ سالگی" بطوع رغبت خود۔ در فرزندی خود گرفتہ" از بس کہ فرزندے صلبی نداشت۔ متبنائے خود ساختہ۔ و در حویلی حصۂ خود سکونت بندہ کنانیدہ۔ و بر ترکہ و ذرۂ خود" اہلیہ فتح محمد مرحوم مرقوم۔ قابض و متصرف ساختہ"

چنانچہ تا الیوم ایں سائل بر ذرِّہ وترکہ وحویلی وغیرہ " قابض ومتصرف است " بنابریں ایں چند کلمہ بطریق صورت حال بقلم آمدہ " ہر کسے بر وقوع ایں حال۔ و صدق ایں مقال۔ اطلاع داشتہ باشد۔ گواہی خود بریں کاغذ ثبت نماید۔ ویا نوشتن آں اجازت فرماید کہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور گردد۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شہر رجب ۱۱۶۹ھ ہجری "

مارہرہ کے علاوہ " امروہہ و سنبھل " اور دوسرے مقامات کے " کنبوہ حضرات " اپنے نسب و قومیت کے اظہار میں ہمیشہ " قوم کنبوہ " کے الفاظ تحریر کرتے تھے " مثلاً " دستاویز بیعنامہ اقراری " " شیخ محمد رفعت ساکن قصبہ سنبھل " مرقومہ ۲۲ رشعبان ۱۱۶۹ھ ہجری (نزد مؤلف) میں تحریر ہے کہ۔

اقرار معتبر صحیح شرعی نمود۔ مخبر باسم ونسب خود " مسمّی شیخ محمد رفعت ولد شیخ محمد جہانگیر " ابن دیوان عبدالمومن " قوم کنبوہ " ساکن اندرون قلعہ بلدہ سنبھل " إلی آخرہ "

اسی طرح " امروہہ کے " حضرات کنبوہ " کی بہت سی دستاویزات وتحریرات موجود ہیں " جن کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا " یہ حضرات کچھ عرصہ پیشتر تک بلا کسی استثناء کے اپنی قومیت کا اظہار " قوم کنبوہ " یا صرف " کمبوہ " کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے۔ اور بعض اب تک بھی کرتے ہیں " اور " زبیریت کی روایت کے قابل نہیں ہیں " ص ۳۳۹ و ۳۴۰)

مؤلف صاحب نے اپنے بیان میں اِس خاندان کے دو بزرگوں کی تحریریں پیش کرکے جن بہت سی دستاویزات وتحریرات کی خود کے پاس موجودگی ظاہر کی ہے۔ ہم مانے لیتے ہیں کہ وہ اُن کے پاس ضرور ہوں گی۔ مگر اِسی کے ساتھ ہمیں یقین ہے کہ اُن کے پاس کوئی تحریر ۱۱۶۹ھ ہجری سے پہلے کی ہرگز موجود نہیں ہے " ورنہ وہ اُسے ضرور درج کتاب کرتے "

لیکن اُن کا یہ بیان کہ " یہ حضرات " اپنے نسب وقومیت کے اظہار میں " ہمیشہ " قوم کنبوہ " کے الفاظ تحریر کرتے تھے " اور کچھ عرصہ پیشتر تک " بلا کسی استثناء کے " اپنی قومیت کا اظہار " قوم کنبوہ " یا صرف کمبوہ " کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے " قطعاً غلط ہے " اور پایۂ ثبوت کو کسی طرح نہیں پہنچتا "

قوموں کے کسی مناسبت یا محل وقوع۔ اور صفت سے مشہور ہو جانے کی چند شہادتیں

اہلِ علم خوب واقف ہیں کہ کسی مناسبت سے کسی افرادِ انسانی کا نام رکھ دیا جاتا ہے " کبھی اُس کو قبولیت عام ہو جاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ اُسی نام سے شہرت پذیر ہو کر ایک قوم بن جاتی ہے " کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے " کوئی باسم محل " اور کوئی باسم صفت موسوم ہو گئی ہے "

اگر یہ خاندان بہ اسم محل مشہور ہوا اور ایک زمانہ گذرنے کے بعد اُس کی مسخ شدہ صورت سے دیکھیے کہ اکثر ناموں اور مقامات کی صورتیں مرورِ ایام سے بدل جایا کرتی ہیں " مثلاً " خاندیس کا " قلعہ آسا اہیر " اب " قلعہ آسیر " کہلاتا ہے " اور " دہلی " کی " سلطان فیروز شاہ " کی بنائی ہوئی ایک عالی شان عمارت " بدیع منزل " کو اب اہلِ ہند کے کثرت تلفظ سے " بیجے منڈل " جس میں اسلامی نام کا شائبہ بھی نہیں رہا " بولتے ہیں " موسوم ہو گیا " اور اُس کے افراد نے بھی اِس خطاب کو اپنے ناموں کے ساتھ بولا اور لکھا تو یہ کوئی نئی یا اچنبے کی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے اور آج بھی اُس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں "

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۲۲ کالم ۲ و ۳ پر تحریر ہے کہ " باجلاس جناب شیخ محمد یوسف صاحب نائب تحصیلدار و بندوبست و اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم چکوال " بنام فتح خاں ولد جہان خاں " قوم کھوکھر راجپوت ...... غلام حسین پسر امام دین " قوم چشتی "

اور ۴ رجنوری ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۸ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ۔

اشتہار عدالت مسٹر ایم برچ صاحب بہادر سب جج درجہ چہارم ایبٹ آباد " ہزارہ " غلام احمد نابالغ ولد نامعلوم " قوم سواتی "
ساکن ہرپوتر ملنگڑی صابر شاہ تحصیل مانسہرہ " برفاقت یعقوب ولد عباس خان " قوم سواتی " ساکن مذکور مدعی " بنام عبدالرحمن خان
ولد امیر خان .... میر باز گل " قوم سواتی "

اور ۲۴ جولائی ۱۹۳۹ء کے صفحہ کالم ۳ پر درج ہے کہ :

بعدالت جناب مکھن لال صاحب بی۔ اے " ایل۔ ایل۔ بی " پی۔ سی۔ ایس " سینیئر سب جج بہادر گوجرانوالہ " باختیارات مطالبہ خفیفہ
نمبر مقدمہ ۲۱۵ بابت ۱۹۳۹ء) .... ایشر داس ولد لالہ سوہن لال " قوم اروڑہ " ساکن گوجرانوالہ مدعی " بنام محمد امیر ولد مولوی ولی محمد "
قوم زمیندار " ساکن گوجرانوالہ " حال اسسٹنٹ بلاک انسپکٹر سانگلہ ہل تحصیل شیخوپورہ "

اس قسم کی مثالوں کے لئے کتب خانوں کے چکر لگانے اور کتابوں کی ورق گردانی کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے " وہ روزمرہ ہماری نگاہوں سے خود بخود گذرتی رہتی ہیں " ایسی بہت مثالیں ہم پیش کر سکتے ہیں ۔ مگر طوالت کے خیال سے ان تین ہی پر اکتفا کر کے ۔ کیا مؤلف صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں کہ " جن لوگوں نے اپنے آپ کو عدالت کے کاغذات میں " قوم چشتی " (چشت " ایک قصبہ کا نام ہے " اور بزرگان طریقت کے سلسلوں میں سے ایک سلسلہ کا نام بھی " چشتی " ہے) " قوم سواتی " (سوات ۔ یاغستان " میں ایک خان یا والی کا گدی نشین شہر ہے ") اور قوم زمیندار " (زمیندار " اس کو کہتے ہیں جسے زمین پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں) لکھوایا ہے " ان کا نسب بھی " چشتی " سواتی " اور " زمیندار " ہے " یا کسی طرح بھی کھینچ تان کر ثابت کیا جا سکتا ہے " اگر اس خاندان کے ان افراد نے اپنے ناموں کے ساتھ بھی دستاویزات و تحریرات میں " لاپرواہی سے " قوم کنبوہ قریشی " یا " قوم کنبوہ " یا " قوم کنبوہ زبیری " یا صرف " کنبوہ " اور " قوم کنبوہ " لکھدیا ہے " تب بھی ایک مؤلف کے لئے ان کی اصلیت یا نسب کا معلوم کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہیں تھا " مگر جب اس کی نیت ہی نیک نہ ہو ۔ اور اس نے اس خاندان کی اظہر من الشمس باتوں کے اخفا ہی کو مدنظر رکھکر قلم اٹھایا ہو تو اس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حقیقت کو ظاہر کرے گا " تحصیل حاصل ہے "

آئین اکبری جلد اول حصہ دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھا ہے کہ " ۲۳ چری " چینیا " وجوری جمپا " ذات گوالیری " اور صفحہ ۱۰۳ میں نمبر ۳۵ پر لکھا ہے کہ " نوکو میرال کھتری " ذات اکبرآباد " گوالیار " اور " اکبرآباد " ہم مؤلف امروہوی سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ " ذات گوالیری " اور " ذات اکبرآباد " سے مطلب کیا ہے " کیا یہ خاندان جن کی ذاتیں " گوالیری " اور " اکبرآباد " لکھی گئی ہے " دو شخصوں کی اولاد یا نسل سے ہیں " یا یہ دونوں اپنے ان مقامات کے ناموں سے مشہور ہوئی ہیں " جہاں سے ان کے بزرگوں نے نقل مقام کیا تھا " عام طور سے " قوم راجپوت " لکھی جاتی ہے " مگر طالب علم تک جانتے ہیں کہ راجپوت کوئی نسل یا لقب نہیں ہے " اور راجپوتوں میں اعلیٰ و ادنیٰ بہت نسلیں داخل ہیں ۔ مؤلف امروہوی ذرا یہ بھی بتا دیں کہ عباسی خاندان سندھ " میں عباسی کے بجائے جاموٹ کیوں کہلاتے ہیں "

زبیری خاندان کے بزرگوں کا چار پانچ سو برس " حالیہ زمانے تک کی کتابوں میں مسلسل اپنے قریشی زبیری نسب کا اظہار کرتے آنے کی شہادتیں

یہاں ہم پھر بتاتے ہیں کہ " اس دودمان عالی شان کا حال " مؤلف موصوف کے غیر معروف خاندان کا سا نہیں ہے " جس کے نسب اور بزرگوں کا ذکر انہیں کی تحریر کے مطابق ستر اسی برس سے پہلے کی کسی بھی کتاب میں نہیں لکھا گیا " بخلاف اس کے خاندان کے زبیری کنبوہی خاندان کے بزرگوں کے حالات اتنے عرصہ سے کتابوں میں مسلسل درج ہوتے چلے آئے ہیں کہ ۱۱۸۵ ہجری کو ان کے حالات میں پیش کرنا کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا صرف اسی قدر نہیں ہے کہ ان بزرگوں کے صرف حالات ہی لکھے ہیں بلکہ ان میں ان کے نسب پر بھی کہیں وضاحت سے اور کہیں سرسری طور سے روشنی ڈالی گئی ہے " مگر مؤلف صاحب نے ان کتابوں کے بیانات کی طرف اشارہ تک کرنا گوارا نہیں کیا " اور نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ لکھدیا ہے کہ " وہ ہمیشہ قوم کنبوہ کے الفاظ تحریر کرتے تھے " ذرا لفظ ہمیشہ کی وسعت پر خیال کیجئے کہ اس کا سلسلہ کہاں جا کر ختم ہو سکتا ہے " اور پھر ان کا اپنے بیان کے ثبوت میں ۱۱۷۹ ہجری کو پیش کرنا ملاحظہ فرمائیے " جہاں ان کے ہمیشہ کی حد ختم ہوتی ہے " ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ " خدا ہمیشہ سے ہے اور

ہمیشہ رہے گا" لیکن ہمارے اِن مؤلف صاحب نے یہاں ہمیشہ کی جو حد قائم کی ہے "وہ سامنے ہے اُس پر ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے" آگے چلکر انہوں نے ایک قدم اور بڑھایا ہے "جہاں لکھا ہے کہ "بِلا کسی استثنا کے اپنی قومیت کا اظہار "قوم کنبوہ" یا "صرف کمبوہ" کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے" لفظ بلا استثنا و یہاں خاص طور سے قابلِ غور ہے" ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ پہلے اِس دودمان کے نسب میں کسی التباس کا شبہ نہ تھا اپنے تو جانتے ہی تھے غیر تک بھی نا واقف نہ تھے "جب التباس پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہوا تو "حضرت مخدوم شیخ جمالی رح" کے پوتے" احمد خاں اکبر شاہی دہلوی نے اپنی کتاب "شجرہ سہروردیہ" میں اسے پکھکر دور کر دیا کہ "بغلط عام کنبوہ" شہرت یافتہ" نواب شہباز خاں "سے جب اُن کا شجرہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے اسے "حضرت زبیر رضی تک فرفر سنا دیا تھا" یہ شجرہ رسالہ نواب شہباز خاں میں "جو شہنشاہ اکبر کے ہی زمانہ میں تصنیف ہوا ہے درج ہے" "عمل صالح" جو شاہ جہاں کے حالات میں مشہور و معروف کتاب ہے۔ اور مطبوعہ ہے" اِسی دودمان کے ایک بزرگ "محمد صالح لاہوری کنبوی" کی لکھی ہوئی ہے" اپنی کتاب میں اِن بزرگ نے بھی اپنے نسب کی طرف اِشارہ کیا ہے" اور اپنے آپ کو آلِ محمد یعنی آنحضرت صلعم کے خاندان سے ہونا لکھا ہے" سلسلۂ عالیہ "مصنفہ حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی" جو شاہ عالم کے آخری زمانے میں یا کچھ ہی بعد لکھی گئی ہے" اُس کے اِس فقرہ کو بھی ہم درج کر آئے ہیں" کہ این گروہ از قبیلۂ خاص رؤسائے قریش است")

"چالیس" "پچاس" اور قریباً سو برس پہلے کی اِسی خاندان کے بزرگوں کی لکھی ہوئی" جن تین کتابوں "المشاہیر" تصنیف منشی فیض احمد صاحب مارہروی "

"شمس التواریخ" تصنیف حکیم نواب علی صاحب امروہوی" اور "رسالہ مبارک" تصنیف نواب مبارک علی خاں میرٹھی) کے نام مؤلف صاحب نے اپنی اِس بحث میں ظاہر کئے ہیں" اُن میں بھی "تینوں نے" اپنے خاندان کو زبیری یا قریشی ہی لکھا ہے" ہم اِس موقع پر تفصیل میں نہیں جا رہے ہیں" ہم نے یہاں صرف اُن کتابوں کو لیا ہے جو اِسی خاندان کے بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں اور اُن کتابوں کو بالکل چھوڑ دیا ہے جو دوسروں نے لکھی ہیں" اور جن میں اِس خاندان کے نسب پر بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے" کیونکہ ہمیں تو یہاں محض یہ دکھانا ہے کہ "زبیری کنبوی" خاندان کے بزرگ قدیم سے اپنی کتابوں میں اپنے نسب کے متعلق کیا لکھتے آئے ہیں" اور مؤلف صاحب کا یہ لکھدینا کہ "ہمیشہ سے" بِلا کسی استثنا کے" یہ خاندان اپنی قومیت کا اظہار "قوم کنبوہ" یا صرف کمبوہ" کے لفظ سے ظاہر کرتا رہا ہے" کتنی حقیقت رکھتا ہے" آخر یہ کیا بات ہے کہ مؤلف موصوف کو جہاں نظر آیا ہے "کنبوہ اور کمبوہ" ہی نظر آیا ہے اور کنبوی ایک جگہ بھی نظر نہیں آیا"

مؤلف صاحب کی اِس غلط بیانی کا بھی پردہ فاش کرکے یہ اور بتانا ہے کہ "اِس سلسلہ میں مؤلف امروہوی نے "کنبوہ" کو جو ایک جگہ "کمبوہ" لکھا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے" اور پھر یہ بھی ہے کہ "شہنشاہ اکبر کے زمانے سے لے کر ہر دور میں جو تاریخیں ہمارے زمانے تک لکھی گئی ہیں اُن میں مسلسل خاندان زبیری کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے لفظ "کنبوی" لکھا گیا ہے" کمبوہ" کسی میں بھی نہیں لکھا ہے" کسی جگہ اگر "کنبوہ" لکھو گیا ہے تو اُس کی وجہ کاتب کی غلطی سے کنبوی کی "ی" کا چھوٹ جانا ہے" اور "کنبوہ" کی "ہ" "کنبوی" کی "ی" کی بگڑی ہوئی شکل ہے" کاتبوں اور ناقلوں نے جیسے جی چاہے تو جیسے لکھدیا ہے"

اِس بحث کو ختم کرتے ہوئے" اب ہم اِس دودمان عالی شان "زبیریت کے ایک اور بزرگ کی مصنفہ کتاب "شرح قصائد عُرفی" کا دیباچہ یہاں لکھتے ہیں" یہ بزرگ "سنبھل ضلع مراد آباد" کے رہنے والے تھے" انہوں نے یہ کتاب شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازیؒ کے زمانے میں دوستوں کی فرمایش سے ۱۱۱۱ہجری میں لکھی ہے" اور دیباچہ میں اپنے آپ کو صاف "زبیری" لکھا ہے" جو اُن کا نسب تھا" ملاحظہ ہو"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصنیف فقیر حقیر ہیچمدان سکج مج زبان "محمد شفیع ابن شیخ شاہ محمد بن"   تصنیف فقیر حقیر ہیچمدان کج مج زبان "محمد شفیع بن شیخ شاہ محمد بن

(نوٹ ۱) محمد شفیع" مصنف شرح قصائد عرفی کا سلسلۂ نسب "حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ سعادالدین قدس سرہ العزیز تک اس طرح ہے کہ "محمد شفیع" ابن شیخ شاہ محمد" ابن شیخ راج الدین عرف شیخ راجو" ابن شیخ اسمٰعیل زبیری" ابن شیخ رکن الدین" عرف شیخ بدھو ابن شیخ یحییٰ عبدالسلام الملقب بہ شیخ اچھن" ابن حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز" اور حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز" کا سلسلۂ نسب" حضرت زبیر رضی تک اِس طرح ہے کہ "حضرت مخدوم شیخ اسحٰق" ابن مولانا شیخ فخر الدین" ابن شیخ فتح اللہ ابن جمال الدین" ابن اسمٰعیل" ابن ابراہیم" ابن شیخ حسن" ابن شیخ کمال الدین" ابن شیخ حسن" ابن عیسیٰ" ابن نوح" ابن

بن شیخ راجح الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" قطع مدعا قلم برمیدارد" کہ چوں اکثر یاران فقیر را اعتقاد خود کہ ظن المومنین خیرا" واثق است" سخن سنج و نکتہ فہم تصور نمودہ بمقابلہ دیگر از کتب متداولہ عربی و فارسی تشریف مے آوردند۔ و سرفراز میفرمودند" چنانچہ قصایہ چہرہ آرائے عروس تازہ طرازی شیرازی طاب اللہ سراہ۔ درمیان نیز مے آمد" اگرچہ منیر لاہوری" و قطب الدین بنی اسرائیل دہلوی غفر اللہ لہٗ درشرح خود ہا" و تحقیقا و امضات آں قصایہ سر موفرو گذاشت نکردہ اند" بلکہ بناخن اعتراض بہ رخسارۂ شاہدان راخراشیدہ۔ و در مرہم اصلاح کوشیدہ" لیکن بحکم آنکہ "المعنی فی بطن الشاعر" در اکثر مواقع انگشت ادراک ایشاں بہ گرہ کشائی" عقدۂ عرفی بست" کہ عقدہ کشایانِ طرازی" وگرہ بازانِ شیرازی بہ پرسش چرخ میزنند ترسیدہ بود" و یارانِ اہل طبع بوضیح آں ایستادگی میکردند" ضرورت وقت دانستہ آنچہ کہ ایں واقفیت از محاورۂ ایں فن۔ و پایۂ ناشناس سخن از خدمت" شیخ محمد رستم سلمہ اللہ تعالے" کہ رستم معرکہ نکتہ سنجی است" و ایشاں از خدمت" مرزا محمد بقا" و ایشاں از خدمت" شیخ دوست محمد" و ایشاں از خدمت مصنف (یعنی عرفی شیرازی) آدرفہم اللہ تعالیٰ ایمانا" کاملا" وجنتہ و فردوسا" سابقا سبقا" خواندہ۔ و طلقا طلقا" بوادی معنی رسیدہ سینہ بسینہ گوش بگوش حاصل کردہ بود" تقریر میکرد" یکمرتبہ آوازۂ تحسین و آفرین بلند ساختہ" تکلیف و تحریر شرح میکردند" بموجب حکم محکم و اما مسایل و بہ تسوید آں۔ در زمان عدالت بنیان" حامی دین شاہ عالمگیر ؎

نیست جز داغ و نیکش برتر — حامی دین شاہ عالمگیر
آنکہ از نام اوست رونق ملک — وآنکہ درکام اوست تاج و سریر
ہست سلطان ولے فقیر مزاج — ہست درویش لیک سلطان گیر
ہادی دین و مہدی کامل — در طریقہ محمد بیست بشیر
راست گویم در اعتقاد درست — زہ پیرست شاہ عالمگیر

و بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ" . . . پرداخت و آنرا و سیلہ نجات...

بن شیخ راجح الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ کیونکہ فقیر کو اکثر دوست اپنے اعتقاد سے بموجب ظن المومنین خیرا" سخن سنج اور نکتہ فہم تصور کرکے دوسروں کے مقابلہ میں کتب متداولہ عربی و فارسی لیکر تشریف لاتے اور سرفراز فرماتے ہیں" چنانچہ قصاید چہرہ آرائے عروسی تازہ طرازی شیرازی طالب اللہ ثراہ بھی درمیان میں آئے" اگرچہ منیر لاہوری اور قطب الدین بنی اسرائیل دہلوی غفر اللہ لہٗ نے اپنی شرحوں میں اور تحقیقات و باریکیوں میں قصاید کی بال برابر بھی فروگذاشت نہیں کی ہے" بلکہ ناخن اعتراض سے دیکھنے والوں کے گال کھرچے اور مرہم اصلاح میں کوشش کی ہے" لیکن المعنی فی بطن الشاعر کے حکم کے بموجب اکثر موقعوں میں اپنی سمجھ کی انگلی سے عقدۂ عرفی کی گرہ کھولی ہے" جس سے عقدہ کشایانِ طرازی اور گرہ بازانِ شیرازی اُن کے سروں پر منڈلاتے ہوئے نہیں پہنچے تھے" اور یارانِ اہلِ طبع ان کی وضاحت میں اعتراض کرتے ہیں" ضرورت وقت جان کر جو کچھ بھی اس فن کے محاوروں کی واقفیت اور پایۂ ناشناس سخن "شیخ محمد رستم سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت سے جو رستم معرکہ نکتہ سنجی ہے اور انہوں نے خدمت سے مرزا محمد بقا کی" اور انہوں نے خدمت سے شیخ دوست محمد کی" اور انہوں نے خدمت سے مصنف (یعنی عرفی شیرازی) کا رحمہم اللہ تعالیٰ ایمانا" کاملا" وجنتہ و فردوسا" سے سبقا سبقا پڑھا اور جو باریکیاں اُن سے معلوم ہوئیں۔ اور جنہیں سینہ بسینہ اور گوش بگوش حاصل کیا تھا میں نے سنایا" تو ایک مرتبہ ہی تحسین و آفرین کی آوازیں بلند کرکے اُس کی شرح لکھنے پر مجھ سے اصرار کیا" لیکن بموجب حکم محکم اِن مسائل کا لکھنا عدالت بنیان حامی دین شاہ عالمگیر ؎

نیست جز داغ و نیکش برتر — حامی دین شاہ عالمگیر
آنکہ از نام اوست رونق ملک — وآنکہ درکام اوست تاج و سریر
ہست سلطان ولے فقیر مزاج — ہست درویش لیک سلطان گیر
ہادی دین و مہدی کامل — در طریقہ محمد بیست بشیر
راست گویم در اعتقاد درست — زہ پیرست شاہ عالمگیر

بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ کے زمانہ میں ہوئی" اور اس کو وسیلہ

(بقیہ نوٹ ۱ صفحہ ۳۵۵) ابن محمد" ابن سلیمان" ابن داؤد" ابن یعقوب" ابن ایوب" ابن ہادی" ابن مصعب" ابن حضرت زبیر رض" ابن العوام" ابن خویلد" بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی" (الخ اسیر شجرۂ سپر دری) ہمارے ان شواہد کی موجودگی میں کیونکہ مؤلف امروہوی کے اِس بیان کی بھی کہ اس دودمان عالی شان کے بزرگ اپنے آپ کو شیخ ہی لکھا کرتے تھے اور زبیری نہ قریشی نہیں لکھتے تھے" بخوبی تردید ہو گئی ہے" اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا گل افشانی کرتے ہیں"

بجہت خیر باد جود ساخت ”چوں برائے تاریخ اختتامش کہ مسمیٰ بہ بکار نامہ فیض “ دکار فیض میگوئی) گشتہ بہ شناخت اسمش را تاریخش یافت ؎
(۱۳۵۲ھ)

سال ختم کتاب مے جستم
بود تواش کار فیض میگوئی

خاتمہ کتاب | تمت تمام شد کار من نظام شد۔ ایں کتاب شرح قصائد عرفی تحریر یافت ”در دار الخلافہ شاہجہاں آباد“ تمام شد“

حاشیہ اختتام | بتاریخ ہشتم جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ ہجری از مقابلہ یک نظر ”شرح قصاید عرفی“ از مصنفت شفیع سیفی“ فراغ یافت ”چوں مقابل عنہ بس غلط بود“ بنا بریں شکوک یافت “ اگر زمانہ فرصت میدہد“ نسخہ صحیح بدست آورده شکوکش رفع میکند“ والا مرضیٔ خدا“ فقط دہرم چند تھا“

جز بیرا اپنے خیر با وجود کا بنایا“ کیونکہ اس کے اختتام کی تاریخ کے واسطے بکار نامہ فیض “تاریخ ہوئی ہے۔ اس کے نام کی پہچان کی یہ تاریخ نکلی ہے ؎

گفت ہاتف بہ پردۂ تعمیہ
صورتِ نقش خود بخود شد تصویر

خاتمہ کتاب | تمت تمام ہوئی “ کام میرا ختم ہوا“ یہ کتاب شرح قصاید عرفی دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں لکھی گئی اور تمام ہوئی“

حاشیہ اختتام | ۸ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ ہجری کو مقابلہ سے ایک نظر میں ”شرح قصاید عرفی“ مصنفہ شفیع سیفی“ سے فراغت پائی“ کیونکہ مقابل عنہ بہت غلط تھی اس لئے شکوک پائے“ اگر زمانے نے فرصت دی تو نسخہ صحیح حاصل کرکے اس کے شکوک رفع کروں گا“ ورنہ خدا کی مرضی“ فقط دہرم چند تھا“

باب چہاردہم

”باقی رہا“ شیخ سماء الدین رح“ اور ”نواب شہباز خاں“ کا سلسلۂ نسب جو ”صاحب المشاہیر نے“ ”مصعب بن زبیر رض بن العوام“ تک درج کیا ہے“ اوّل تو اُس کے متعلق کوئی تاریخی حوالہ نہیں پیش کیا گیا“ مخدوم شیخ سماء الدین رح“ کے نسب نامہ کے متعلق صرف ”شیخ ادہن دہلوی“ کی ایک تصنیف ”مصباح العارفین“ نام کا حوالہ دیا گیا ہے“ لیکن اِس کتاب کا کہیں وجود نہیں پایا جاتا“

”ہم نے ہندوستان کے ”مختلف کتب خانوں میں تلاش و جستجو کی“ جن حضرات کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے۔ اور اُن کے یہاں اُس کا۔۔ کافی ذخیرہ موجود ہے۔ معلوم کیا“ خود مصنفین کے اہلِ خاندان سے دریافت کیا۔ لیکن اِس کتاب کا کہیں وجود نہ ملا“ پھر معلوم نہیں کہ صاحب شمس التواریخ“ اور ”المشاہیر“ نے اِس کتاب کا جو حوالہ دیا ہے۔ وہ کہاں سے“ اور یہ حوالہ کہاں تک صحیح ہے“ سیرۃ المشائخ میں ”مصباح العارفین“ نام کی کوئی کتاب اگر ”شیخ ادہن دہلوی“ کی تصنیف تھی تو ”حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی“ نے جو اُن کے حقیقی نواسہ تھے اپنی مشہور تصنیف ”اخبار الاخیار“ کی تالیف کے وقت اُس سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ اور وہ اُن کے پیشِ نظر رہی ہوگی“ پس اگر اِس کتاب میں جیسا کہ کہا جاتا ہے“ مخدوم شیخ سماء الدین رح“ کا سلسلۂ نسب منقول ہوتا تو ”حضرت محدث دہلوی“ اخبار الاخیار“ میں اُس کے حوالہ سے“ مخدوم صاحب کا نسب نامہ“ ضرور نقل فرماتے۔ پورا نقل نہ کرتے تو اُن کے ”قریشی و زبیری“ ہونے کا تذکرہ تو ضرور فرما کرتے“ جس طرح کہ انہوں نے اکثر مشائخ کرام کے حالات میں اُن کے نسب کا ذکر کیا ہے“ باوجودیکہ ”مصباح العارفین“ محدث دہلوی کے“ حقیقی نانا کی تالیف بیان کی جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس میں ”مخدوم شیخ سماء الدین رح“ کا پورا سلسلۂ نسب ”حضرت زبیر بن العوام رض“ تک منقول ہے“ لیکن حضرت محدث دہلوی کا“ اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں“ مخدوم صاحب کے تفصیلی حالات لکھنے کے باوجود“ اُن کے نسب کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھنا۔ کیا معنی رکھتا ہے“ یہ ہی نہیں بلکہ اپنے

نانا "شیخ ادہن" کے حالات میں "مصباح العارفین" نام کی۔ اُن کی کسی تالیف کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے" کیا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ "حضرت محدث دہلوی" مشائخ کا تذکرہ لکھتے ہوئے۔ جب اپنے نانا کے حالات تحریر فرماتے ہیں۔ تو اُس میں اُن کی اِس تالیف کا ذکر نہ کرتے۔ جو مشائخ کے حالات میں تھی " حالانکہ دیگر مشائخ کے تذکرہ میں وہ برابر اُن کی تصنیف کا ذکر تعریف کے ساتھ کرتے ہیں" پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ "صاحبان شمس التواریخ و المشاہیر" نے "زبیریت" کے ثبوت میں جس کتاب "مصباح العارفین" کا حوالہ دیا ہے وہ "صاحب رسالہ مبارک" کے حوالہ "اکبر نامہ" سے" جو انہوں نے "نواب شہباز خان" کے ثبوت نسب کے متعلق تحریر کیا ہے" زیادہ وقعت نہیں رکھتا" نہ "مصباح العارفین" نام کوئی کتاب "شیخ ادہن دہلوی" کی تصنیف سے تھی۔ اور نہ اس میں کسی "کنبوہ بزرگ کا" نسباً زبیری" ہونا ظاہر کیا گیا تھا" یہ سب زمانہ مابعد کی موضوعات ہیں" صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۴

مؤلف امروہوی کی غلط بیانیاں

مؤلف صاحب کے اِس بیان میں "بسم اللہ ہی غلط ہوگئی ہے" یعنی اُن کا یہ لکھنا کہ "باقی رہا **شیخ سما ؤ الدین رح" اور "نواب شہباز خاں**" کا سلسلۂ نسب جو صاحب **المشاہیر** نے "**مصعب بن زبیر بن العوام**" تک درج کیا ہے" صحیح نہیں ہے" **المشاہیر**" کے نوشتہ کے بموجب یہ دونوں بزرگ "**حضرت زبیر رض**" کے دو صاحبزادوں "**حضرت مصعب رض**" اور "**حضرت عبداللہ رض**" کی اولاد ہیں" "**حضرت مصعب رض**" کی" مگر ہم سمجھتے ہیں کہ "**نواب شہباز خاں**" کا نام اس موقع پر غلطی سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ یہاں محض "**مخدوم** صاحب" کے نسب کے حوالہ پر بحث کر رہے ہیں"

مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی کہ "مخدوم صاحب" کے سلسلۂ نسب کے متعلق کوئی تاریخی حوالہ نہیں پیش کیا گیا۔ صداقت سے خالی ہے" جب آگے وہ خود ہی "**مصباح العارفین**" کے حوالہ کا ذکر کر رہے ہیں تو ہمیں اُن کی اِس غلط بیانی پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی"

اب رہی یہ بات کہ پہلے تو انہوں نے اِس کتاب کو بلا کسی دلیل کے صرف اپنی رائے ہی سے مشتبہ قرار دیدیا تھا" مگر یہاں جن دلیلوں سے اُس کے وجود سے انکار کیا ہے" اُن کو بھی جانچ لیا جائے تاکہ اُن کی اِن تحقیقات کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے" کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ اُس نے "برّ اعظم ہند کے کُل "سرکاری" "پبلک" "اور خانگی" کتب خانے دیکھ لئے ہیں یا صرف "صوبجات متحدہ" اور "پنجاب" یا کسی ایک ہی شہر کے "تمام لوگوں سے جو" "مشائخ کرام" اور "اولیائے عظام" کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں" کتاب **مصباح العارفین** کو دریافت کر لیا ہے" ہرگز مبنی بر صحت نہیں ہو سکتا"

اگر چند کتب خانوں اور چند اشخاص کے پاس یہ کتاب نہیں ملی" تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ "وہ وہاں ہو جہاں آنہیں جانے اور تلاش کرنے کی نوبت نہ آسکی ہو" سب جانتے ہیں کہ "قریباً سو برس پہلے تک "ہندوستان" میں چھاپے کا رواج نہ تھا" کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اِس لیئے ان کی تعداد بہت ہی محدود ہوتی تھی"

لاتعداد کتابیں جس طرح معدوم ہوئیں

ہم کہیں اُوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ "کتابوں کی کثیر تعداد اب دنیا میں باقی نہیں رہی مگر اُن میں سے بعض کتابوں کے حوالے اور بعض کے صرف نام دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔ اگر اُن کے حوالے اور نام اِن کتابوں میں نہ آجاتے تو کون جان سکتا تھا کہ کبھی یہ کتابیں عالم وجود میں آئی ہوں گی"

"بہت سی تو لڑائیوں کے ہنگاموں میں تلف ہو گئیں" بہت آگ اور زلزلوں کے نذر ہوئیں" بہت سی بارش و سیلاب سے خراب و برباد ہو گئیں" بہت سی دیمک کے بھینٹ چڑھیں" اور بہت دوکانداروں کی پڑیاں بنکر غائب ہو گئیں" "**علامہ شبلی**" نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ "غزوہ میں حضرت زبیر رض

" المتوفی ۹۴ھ ہجری نے " آنحضرت صلعم " کے حالات میں ایک کتاب لکھی جو اسلام کی پہلی کتاب ہے " صاحب کشف الظنون " اور " حاجی خلیفہ " نے بھی یہی لکھا ہے " طبقات ابن سعد جز خامس " میں " حضرت عروہ رضؓ " کے حالات میں " ہشام بن حضرت عروہ رضؓ " کی یہ روایت لکھی ہے کہ " میرے والد " عروہ رضؓ نے " جنگ حرہ " ۶۳ھ ہجری کے دن تمام فقہ کی کتابیں جو اُن کے پاس تھیں جلا دیں " اس کے بعد وہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کتابوں کا میرے پاس اس وقت ہونا میری اولاد اور مال سے میرے نزدیک محبوب تر ہوتا " زبیر ابن ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعبؓ بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ " کی مشہور کتاب " انساب القریش " کا جس کے کچھ حوالے دوسری کتابوں میں آئے ہیں اور مؤرخین اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں " آج باوجود تلاش بسیار کے کہیں کھوج نہیں ملتا " حضرت امام بخاریؒ " اور دوسرے بزرگوں کی بھی بہت کتابیں جن کے نام معلوم ہیں نہیں ملتیں " مسعودی نے جو اسلام کے ہیروڈوٹس کہلاتے ہیں " سوڈیڑھ سو کتابیں لکھیں تھیں۔ اب ان کی دو تین کتابوں " مروج الذہب و معدن الجواہر " اور " تنبیہ و الاشراف " کے سوا دوسری سب مفقود ہیں " اپنی ان کتابوں میں اکثر موقعوں پر وہ بات کو تشنہ چھوڑ کر لکھ دیتے ہیں کہ " ہم نے اس بات کو اپنی " کتاب الاوسط " یا فلاں کتاب میں تفصیل سے لکھا ہے " مگر وہ کتابیں کہاں ہیں "

" طبقات ابن سعد " کے متعلق " علامہ شبلی " مرحوم و مغفور نے " سیرۃ النبی " حصہ اول مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ کے صفحہ ۲۴ و ۲۵ پر لکھا ہے کہ " یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا " ـــــ " شاہنشاہ جرمن (قیصر ولیم) کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ ایک لاکھ روپیہ جیب خاص سے دیئے اور " پروفیسر ساخو " کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزا فراہم کر کے لائیں " پروفیسر صاحب نے " قسطنطنیہ " " مصر " اور " یورپ " جا کر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں " بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی " چنانچہ نہایت اہتمام سے اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ " لیدن " (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا " مگر ہمیں اس کتاب کی بارہ جلدوں میں سے نو مل سکیں اور تین اب تک نہیں ملی ہیں) ح الف

تاریخ طبری کا بھی وہی حال تھا جو " علامہ شبلی " نے " طبقات ابن سعد " کا لکھا ہے " یہ کتاب بھی جس کے متفرق اجزا گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے " یورپ " والوں نے کثیر صرفہ اور کوشش بسیار کے بعد تلاش کر کے ۱۸۷۹ء میں چھپوائی " اگر " طبقات ابن سعد " اور " تاریخ طبری " یورپ والوں کی وجہ سے نہ مل جاتیں تو ہم " ان مؤلف صاحب کے کئی جوابات کے دینے میں یقیناً قاصر رہ جاتے "

مختصراً اتنا بتا دینے کے بعد " طوالت کے خیال سے " فرڈیننڈ " کے ہاتھوں اسپین [۲] " اور " چنگیز و ہلاکو [۳] " کے ہاتھوں مسلمانوں کے

(نوٹ نمبر ۱) حیات شبلی کے صفحہ ۲۶۶ پر ہے کہ " یورپ میں اس قسم کی متعدد انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصد عمدہ کتابوں کا بہم پہنچانا۔ اور ان کا چھاپ کر شائع کرنا ہے " ان ہی انجمنوں کی بدولت " عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر الوجود کتابیں ہم کو میسر آئی ہیں " جس کے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا " یہ " انجمنیں ہیں جنہوں نے " تاریخ کبیر ابوجعفر جریر طبری " کا کامل نسخہ بہم پہنچایا تھا اور اس کی بہت سی جلدیں، چھاپ کر شائع کیں " حالانکہ مصر و روم کے علماء " اس نایاب تاریخی خزانہ سے بالکل ناامید ہو چکے تھے " اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تو یقین دلا دیا تھا کہ وہ دنیا سے ناپید ہو گئی " بے شبہ یورپ کا یہ سخت بڑا احسان ہے اور ہم کو اس کا علانیہ اقرار کرنا چاہئے "

(نوٹ نمبر ۲) سالنامہ کائنات لاہور ۱۹۴۸ء کے صفحہ ۵ پر حضرت یگانہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ " سپین کا آخری اسلامی کتب خانہ جو اکتوبر ۱۴۹۲ء میں نہایت وحشیانہ طریقہ سے جلایا گیا ہے " وہ غرناطہ کا شاہی کتب خانہ تھا " مورخ تاریخ کبیر نے اس کی بربادی پر آنسو بہاتے ہوئے لکھا ہے کہ " کتابوں کی فہرست " فوا لیا سائز کی آٹھ جلدوں میں مندرج تھی لا یہ بربریت اور تعصب یہیں تک ختم نہ ہوا بلکہ کتب خانہ شاہی جلا دینے کے بعد بھی " کونٹ سپرن " اور " ہرننڈو " نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ کتب عہد اسلامیہ چونکہ تعلیم انجیل کے منافی ہیں۔ اس لئے جہاں سے اور جس قدر کتب ملیں " جلا کر خاک کر دی جائیں " چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوا " مسلمانوں کی خانہ تلاشیوں سے جس قدر کتب اسلامی ہاتھ لگیں وہ سب چھین کر برباد کر دی گئیں " تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کامل دس روز تک " غرناطہ " میں کتابوں کے انبار جلتے رہے " اسپین کے تمدن اسلامی کا کوئی ایسا علمی

افغانستان" خراسان" توران" بغداد" وغیرہ کی اسلامی آبادیوں اور کتب خانوں کی تباہی اور بربادی کے حالات کو چھوڑ کر اب ہم ہندوستان ہی کے حالات کو لئے لیتے ہیں" اور اُس میں صرف "دہلی" اور اُس کے قرب و جوار کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں"

"مصباح العارفین" تقریباً پانچسو برس کی تصنیف ہے" اُس زمانے سے "دہلی" پر جو انقلاب آئے پھر" نادرشاہ" مرہٹوں" جاٹوں" اور ۱۸۵۷ء کے قتل عام اور خونریزیوں کے ساتھ وہاں جو لوٹ مار اور غارت گری ہوئی" اُس سے سب واقف ہیں" ہم دور نہیں جانا چاہتے" اس موقع پر صرف ایک ۱۸۵۷ء کی خونریزی اور افراتفری میں "دہلی" کے کتب خانوں کی جیسی بربادی ہوئی اُس کی ایک جھلک دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں"

تاریخ عروج سلطنت عہد انگلشیہ ہند مؤلفہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی" جس میں ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اُس کے ص ۲۲۶ پر تحریر ہے کہ۔۔۔ بارہ بجے کالج کے کتب خانے لٹنے شروع ہوئے ہو لیٹرے عربی" فارسی" اُردو" وغیرہ کتابوں کے گٹھڑ باندھکر کتب فروشوں" مولویوں" اور" طالب علموں" کو بیچنے کے لئے لے گئے" بعض طلباء بھی کتابوں کے شوقین خود شریک ہو کر اچھی اچھی کتابیں لے گئے" لوگوں نے انگریزی کتابوں کے اچھے اچھے پٹھے اتار لئے کہ جلد سازوں کے ہاتھ بیچیں گے" باقی کو پھاڑ کر پھینکدیا۔ اور احاطہ میں کئی انچ موٹا فرش ردّی کا بچھا دیا" پرنسپل اور ہیڈ ماسٹر کے گھر کا سب سامان لوٹ لیا غرض کالج میں سوائے ردّی اور چودہ پندرہ برس کی لڑکیوں کی دو نیم برہنہ لاشوں کے کچھ نہ تھا"

روزنامہ انقلاب لاہور ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء کے ص ۲ کالم ایک تا تین پر تحریر ہے کہ" آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس رامپور" اعلیٰ حضرت تاجدار رامپور کا خطبہ صدارت" ۲۱ فروری کو رامپور میں "آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا سینتالیسواں سالانہ اجلاس اعلیٰ حضرت نواب سر سیّد رضا علی خاں بہادر" والیٔ ریاست رامپور" کے زیر صدارت منعقد ہوا" جس میں ہز ہائی نس سر آغا خاں" بھی شامل ہوئے" اعلیٰ حضرت نے اِس کانفرنس میں حسب ذیل خطبہ صدارت ارشاد فرمایا"

۔۔۔۔۔ آپ میں سے بہت سے اکابر قوم کے دلوں میں اِس اجلاس کی یاد تازہ ہوگی جو میرے والد مرحوم نواب جنت مکان کی دعوت پر

(بقیہ نوٹ ۲ ص ۲۵۹) خزانہ باقی نہ رہا جو متاخرین تک وراثتاً پہنچ سکتا"۔۔ اِسی زمانے میں اتفاقاً ہسپینی جنگی جہازوں کو جو تیہ بھر دوما" میں برسر پیکار تھے" مراکش کے دو جہاز مل گئے جو مولائے مراکش کے لئے "عربی کتب" کا ذخیرہ ممالک مصر و فلسطین سے لئے جا رہے تھے" اُن کو گرفتار کرکے اسپین لایا گیا۔۔۔ حوادث روزگار نے اس کو بھی محفوظ نہ رہنے دیا" یعنی کچھ عرصہ کے بعد اِس ذخیرہ میں آگ لگ گئی" "تہذیب نو کا ایک خونیں ورق" کی سرخی کے تحت "دہبر دکن یکم جولائی ۱۹۳۷ء کے ص ۲ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ" جرمنوں نے ہسپانوی جرنلوں کے تحت" جنگ عظیم کا انتقام" اہل باسک" سے جنہوں نے برطانیہ اور فرانس کی مدد کی تھی" لیا" بڑی مشہور و قدیم عمارتیں" "کتب خانے" اور "آرٹ کے نایاب نمونے جلا کر خاکستر کر دیئے" گورنیکا کی تباہی اور قتل عام میں دشمنوں کی قابلیت جنگ اپنی انتہا کو پہنچ گئی"

انقلاب لاہور ۱۸ اگست ۱۹۳۷ء کے ص ۸ کالم ایک پر ہے کہ" اخبار ٹائمز" نے "جگرٹ مرے کا ایک مکتوب شائع کیا ہے ۔۔۔ جاپانی فوج نے ہزاروں چینیوں کا قتل عام کیا اور دانستہ طور پر نانکنگ یونیورسٹی کی عمارتوں پر آتش خیز بم گرا کر" لائبریری اور لیباریٹری کو تباہ و برباد کر دیا" اور انقلاب ۹ نومبر ۱۹۳۷ء کے ص ۱۱ کالم ۳ پر ہے کہ "جاپانی طیاروں نے ۳۲ یونیورسٹیاں اور کالج اور بے شمار اسکول تباہ کر دیئے" جس کا مقصد یہ ہے کہ "چینی تعلیم کا خاتمہ کر دیا جائے" اور ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء کے انقلاب کے ص ۱ کالم چار پر ہے کہ "کتب خانے میں آگ لگ گئی" احمد آباد ۱۵ نومبر کل رات گاندھی روڈ پر ایک ایسی عمارت میں آگ لگ گئی جس کے ایک حصہ میں "نوجیون" اخبار کا دفتر ہے۔۔۔ آتشزدگی کی وجہ سے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ خاکستر ہو گیا"

(نوٹ ۳ ص ۲۵۹) ہلاکو نے جب ۶۵۶ ہجری میں بغداد کو فتح کیا تو وہاں کے کتب خانوں کی کتابوں کو دریائے دجلہ میں ڈلوا دیا تھا۔ اِس قدر کثیر تعداد میں تھیں کہ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُن کی وجہ سے دریا میں ایسا بند لگ گیا تھا کہ دریا کے پانی نے رُک کر اور دونوں کناروں سے اُبل کر اطراف میں بربادی پھیلا دی تھی۔ اور عرصہ تک۔ کتابوں کی روشنائی کی وجہ سے دریا کا پانی سیاہ ہو گیا تھا"

۱۹۰۰ء میں "نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی" کے زیر صدارت۔ اسی خاص باغ میں منعقد ہوا تھا" رامپور کی تاریخ میں وہ مبارک دن تھا جب یہاں عماد الملک "محسن الملک" "وقار الملک" "نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ بہادر زبیری کنبوہی امروہوی" "نذیر احمد" اور "اجمل خاں" جیسے روشن ستارے جمع ہوئے تھے" ..... اس سلسلہ کی دوسری کڑی رامپور کا مشرقی کتب خانہ ہے۔ جو قلمی نسخوں کی تعداد اور اہمیت کے لحاظ سے "ہندوستان کا سب سے بڑا مشرقی کتب خانہ مانا جاتا ہے" ریاست نے مختلف علمی اداروں۔ اور ہندوستان و بیرون ہند کے علماء کو نادر کتابوں کی نقلیں مہیا کر کے اشاعت علم میں مفید حصہ لیا ہے" اگر رامپور اس معاملہ میں فراخ حوصلگی سے کام نہ لیتا۔ تو آج بہت سی کتابیں شائع ہی نہ ہوتیں" اور بہت سی صحیح شکل میں دستیاب نہ ہو سکتیں" اس کتب خانہ نے "اردو ادب کی" جو اہم خدمات انجام دی ہیں اُن میں پہلی "میرزا غالب" کے "اردو دیوان" کی اشاعت ہے" اگر کتب خانہ میں "میرزا صاحب" کا دیوان محفوظ نہ ہوتا" تو ایام غدر (۱۸۵۷ء) میں میرزا صاحب کے شاگرد "نواب ضیاء الدین خاں" کے مال و اسباب کے ساتھ "دیوان کے مسودات" لُٹ جانے کے بعد "ہندوستان کو "موجودہ دیوان غالب کا" دستیاب ہونا ناممکن ہو جاتا"

میرزا غالب جو ۱۸۵۷ء کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہے اور جن کے دیکھنے والے اب بھی چند لوگ بقید حیات ہوں گے" اس ہنگامہ میں اُن کی کتاب پر جو گذری اور پھر جہاں سے وہ حاصل ہوئی اُس کا حال "اعلیٰ حضرت نواب صاحب رامپور" کے خطبہ صدارت سے بخوبی معلوم ہو گیا" مگر کتنی کتابیں جدید و قدیم ہوں گی جو اس موقع پر بالکل تلف ہو گئی ہوں گی" ایسی مصیبت کے زمانوں میں بہت لوگ تو قتل کئے جاتے ہیں اور جنہیں موقع ملتا ہے "صرف جانیں بچا کر ادھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوتے اور اپنے مال و اسباب کو لٹیروں نیز حملہ آوروں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ اب چاہے وہ اُسے جلا کر خاکستر کر دیں یا اُس پر خود قبضہ کر لیں" ایسے لوگوں کی اور پھر ایسے موقع پر کتابوں کی فکر و قدر کرنی ظاہر ہے"

۱۸۵۷ء میں دہلی پر حملہ آور فوج کیونکہ پنجابیوں پر مشتمل تھی "لوٹ کا کثیر حصہ یہ لوگ پٹیالہ اور پنجاب کے دیگر اضلاع میں لے گئے"

کتابیں جو بربادی سے بچ گئی تھیں اُن کا کچھ حصہ بعد میں تاجداران رامپور کے شوق علم اور فیاضی کی بدولت وہاں پہنچ گیا" جو بسا غنیمت ہے"

اس جگہ ہم نہایت شکر گذاری کے ساتھ ان تاجداران رامپور کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جنہوں نے اس ذخیرہ علم کے بہم پہنچانے میں اپنی کوششوں اور دولت کے صرف سے آئندہ نسلوں کے لئے ایسا بے بہا علمی خزانہ محفوظ کر دیا ہے جس کی نظیر ہندوستان میں نہیں ہے"

مگر افسوس ہے ان مؤلف صاحب پر جنہوں نے "خاندان زبیریہ" پر قلم اُٹھاتے وقت اس کتب خانہ سے جو اُن کے زاد بوم امروہہ" کی بغل ہی میں ہے استفادہ کرنا ضروری نہیں خیال کیا" اگر وہ "مصباح العارفین" کی تلاش کے لئے ہی "رامپور" چلے جاتے" تو اُن کا یہ سفر خالی از فائدہ نہ ہوتا۔ وہاں وہ "کتاب شجرۂ سہروردیہ" مصنفہ احمد خاں اکبر شاہی نبیرہ مخدوم شیخ جمالی رح" کو دیکھ لیتے جس میں انہیں اس خاندان کے چند نئے بزرگان پیشین سے حالات و حیثیت سے واقفیت ہونے کے علاوہ اُن کے شجرہ کے بارے میں بھی تھوڑی بہت روشنی مل جاتی" اور وہ مطلق اندھیر میں نہ بھٹکتے پھرتے"

سر سید احمد خاں المتوفی ۱۸۹۸ء بانی مدرسۃ العلوم علیگڈھ حال مسلم یونیورسٹی کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کا جو اہتمام کیا گیا ہے اُس سے سب واقف ہیں" اب ذرا اُن کی ایک تصنیف کا حال سنئے" کتاب خطوط سر سید مرتبہ سید راس مسعود صاحب مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۴ء کے دیباچہ میں سر سید کے خاص دوست "محمد عبد اللہ خاں وکیل سہارنپور" نے ص۲ پر لکھا ہے کہ "بالآخر اس سعی جمیلہ کی (رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھنے کی) سرکار نے بہت قدر و منزلت کی" اسی زمانہ میں انہوں نے "سرکشی بجنور" کی بھی ایک تاریخ لکھی" مگر اُس کا کچھ پتہ نہیں چلتا"

اب میرزا غالب کی اور دوسری کتابوں کی عدم دستیابی کا حال سنئے" روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن ۲۲ر فروری ۱۹۳۶ء کے کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "تقریر محمد عبد الرزاق صاحب راشد" ایچ سی۔ ایس "مددگار معتمد فنانس سرکار عالی" جو ۱۹ر فروری ۱۳۴۵ فصلی مطابق ۱۰ر فروری ۱۹۳۶ء کی شام کو "لاسلکی سرکار عالی" (یعنی گورنمنٹ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن) سے نشر کی گئی"

"غالب" کی تمام تصنیفات جن کے نام "آزاد (شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی) نے "آب حیات" میں درج کئے تھے۔ اُستاد

دستیاب نہیں ہوتی ہے "یادگارِ غالب" پاکستان میں نہیں ملتی۔ ارکانِ انجمن ترقی اردو کا فرض ہے کہ ان سب تصنیفات کو فراہم کریں۔

ایک اور کتاب کا حال کہ وہ بھی زیادہ قدیم نہیں ہے پڑھیے۔ "روزنامہ انقلاب لاہور" مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۲ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ "مفتاح التواریخ" کی ضرورت ہے "مجھے مفتاح التواریخ کی ضرورت ہے۔ کوئی صاحب اس کتاب کا نسخہ فروخت کرنا چاہیں۔ یا کسی ایسے کتب فروش کا پتہ دے سکیں جس کے پاس یہ کتاب موجود ہو تو باعث شکر گزاری ہو گا" المشتہر "سید حبیب" مدیر سیاست، لاہور)

اس کا جواب "انقلاب لاہور" مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۲ کالم ۱ پر اس طرح دیا گیا ہے کہ "مفتاح التواریخ" فخر ملت جناب لالہ سید حبیب صاحب کے استفسار کے جواب میں گذارش ہے کہ "مفتاح التواریخ" مصنفہ "ٹامس بیل" بالکل نایاب ہے "کسی کتب فروش کے یہاں سے دستیاب نہیں ہو سکتی" میرے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اگر سید صاحب "پسند فرمائیں تو عاریتاً لے سکتے ہیں" میں مستقل طور پر اسے کسی قیمت میں علیحدہ کرنا نہیں چاہتا" (سید عبد القادر اسلامیہ کالج لاہور)

ایک عالی شان کتب خانہ کی بربادی کا حال روزنامہ انقلاب لاہور کے ہفتہ واری ایڈیشن مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۵ کالم ایک پر ان الفاظ تحریر ہے کہ "لالہ ہرکشن لال" سابق وزیر پنجاب، کی موت ہمارے لیے انتہائی رنج و قلق کا باعث ہوئی "وہ پنجاب کے بہت بڑے آدمی تھے۔ اس صوبہ کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں انھوں نے بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔۔۔۔ عرصہ دراز تک لاکھوں میں کھیلتے رہے۔۔۔۔ دوسری جائداد وں کی طرح ان کی عالی شان کوٹھی بھی سازوسامان سمیت "قرضہ میں چلی گئی" اس میں ان کی وہ عالی شان لائبریری "بھی تھی" جس کی کتابیں "لاہور" کے کباڑیوں کے یہاں بکتی رہیں" اور شاید اب بھی بک رہی ہیں"

کیڑے، دیمک اور پانی سے جو خرابی اور بربادی کتابوں کی ہوتی رہتی ہے۔ اس کی بھی ایک مثال یہاں دیدینی غالباً نامناسب نہ ہوگی "رسالہ زمانہ کانپور" بابتہ ماہ مئی ۱۹۱۳ء کے صفحہ ۳۸۵ پر "خان بہادر مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی" بی۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر و مجسٹریٹ صوبہ متحدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "میرے چچا اور خسر "حکیم مرزا عابد حسین خاں" مرحوم کا "کتب خانہ" "اردو" "فارسی" اور "عربی" کے "قلمی نسخوں" کا نادر ذخیرہ تھا "چند وجوہ سے جن کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں" بیشتر کتابیں "ان کے انتقال کے بعد بُری طرح تلف ہوئیں" میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ "برسات کے بعد" ایک بڑا صندوق "ایسی کتابوں سے بھرا ہوا جو" پانی میں بھیگ بھیگ کر گوندا ہو گئیں تھیں" یا جن کو دیمک چاٹ گئی تھی" محلہ کے اندر اے کوڑا ڈالنے کے گڑھے، میں خالی کیا گیا"

قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ "کے مشہور کتب خانے کے آگ سے جل کر تلف ہو جانے کے واقعہ سے" مؤلف صاحب بھی خود اچھی طرح واقف ہیں"

اب ہم "نواب مبارک علی خاں مرحوم و مغفور" جن کے "رسالہ مبارک" کا مؤلف صاحب نے اپنی اس بحث میں ذکر کیا ہے" کے کتب خانے "اور ان کے صاحبزادے" نواب احمد اللہ خاں مرحوم "کی تالیف و تصنیف کردہ کتابوں کی بربادی کی داستان سناتے ہیں" جب تک نواب "مبارک علی خاں" کے بھیرے کلاں "نواب اسد اللہ خاں" خان بہادر زندہ و سلامت رہے۔ وہ الماری جس میں "نواب خیر اندیش خاں" کی ایک بیاض تھی۔ جس میں ہر مرض کے تیر بہدف نسخے ایسے درج تھے کسی کی قیمت دو تین بیسیوں سے زیادہ نہ تھی" دوسری کتاب فن طب میں جو انہوں نے "خیر التجارت" لکھی تھی۔ اس کا قلمی نسخہ انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا" اور "نواب مبارک علی خاں" کی متعدد "مذہبی" تاریخی اور طبی تصنیفیں تھیں نیز نواب احمد اللہ خاں "کی تالیف کردہ اخلاق و تاریخ و تذکرے کی قلمی کتابوں کے علاوہ اور بہت قدیم و نایاب کتابیں تھیں" اس کی حفاظت اور دیکھ بھال بخوبی ہوتی رہی" مگر نواب صاحب کے انتقال کے بعد پھر کسی نے اس الماری کی طرف توجہ نہ کی۔ کم و بیش دس پندرہ برس گذر جانے کے بعد نواب اسد اللہ خاں کے ایک بھتیجے نے مکرے کی صفائی کراتے وقت اس الماری میں کچھ دیمک لگی ہوئی پائی تو بلا سوچے سمجھے اور کسی سے دریافت نہ کرکے اس قیمتی خزانہ کو کوٹھی کے ایک ورانڈے میں ڈلوا دیا" مہینہ دو مہینہ جب وہ اسی طرح پڑی رہیں تو اس لڑکے کے ملازم نے یہ کہکر کہ میاں "ردی جو ورانڈے میں بیکار پڑی ہے اسے مجھے دیدیجیئے" میں اس کی پڑیاں بنالوں گا" ان کتابوں کے نادر ذخیرہ کو لے جانے کی اجازت حاصل کرلی" مگر خدا

کا لاکھ لاکھ شکر ہے احسان ہے کہ اُس نوکر نے بجائے ٹوکریاں بنانے کے اِس ذخیرے کو ایک دوکاندار کے ہاتھ ردّی کے بھاؤ فروخت کر دیا۔ ورنہ اُس میں کے ایک کاغذ کا بھی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ دوکاندار نے بھی اپنی دوکان کی کوٹھڑی میں اِس ذخیرہ کو ڈال دیا اور ورق پھاڑ پھاڑ کر اُن میں سودا رکھ کر فروخت کرنے لگا۔ ایک روز جو ایک عزیز نے اُسی دوکان پر سودا خریدا۔ تو جس کاغذ میں انہیں سودا ملا تھا۔ اُس کے مضمون پر اُن کی نظر پڑ گئی۔ انہوں نے اُسے پڑھکر دوکاندار سے دریافت کیا کہ تیرے پاس اور بھی ایسے کاغذ ہیں یا نہیں۔ دوکاندار مسلمان اور مذہبی خیال کا آدمی تھا۔ اُس نے کہا کہ میاں میرے پاس ایسے بہت ہیں۔ اگر ان میں خدا و رسولؐ کا نام لکھا ہے۔ یا اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔ تو آپ انہیں لے جائیے۔ میں گنہگار نہیں ہونا چاہتا۔ جتنے میں مَیں نے لئے ہیں اُتنے ہی میں آپ کو دیدوں گا۔ غرضکہ اُن عزیز نے اُس ذخیرہ کے باقی ماندہ حصّہ کو دوکاندار سے خرید لیا۔ اور اِس طرح یہ معدودے چند کتابیں بچ گئیں۔ لیکن نواب مبارک علی خاں کے گھر میں اب اُن کے کتب خانے کا ذرا سا حصّہ بھی موجود نہیں ہے۔ بلکہ ستم پر ستم یہ ہے کہ اُن کے پوتے نگڑ پوتے جو بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر، کلکٹر، سپرنٹنڈنٹ پولیس، تحصیلدار، اور کونسلوں کے رکن وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اپنے اَجداد کی مصنفہ کتابوں کے ناموں تک سے ناواقف ہیں۔ شاید ہی کسی کو ایک آدھ کتاب کا نام معلوم ہو تو ہو۔

کتاب دوم تاریخ ہند مؤلفہ مسٹر ہاشمی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن کے صفحہ ۱۶ پر تحریر ہے کہ "واضح رہے کہ سَو دو سَو برس پہلے جبکہ چھاپے کا رواج نہیں تھا۔ کسی کتاب کے نسخہ کا محفوظ رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ چنانچہ صدہا کتابیں جن کے نام اور حوالے موجود ہیں۔ اب بے نشان ہو گئیں۔ اور اسے بھی محض اپنے اسلاف کے علمی شوق کی دلیل سمجھنا چاہئے کہ ہزاروں آج تک محفوظ ہیں۔ اور صفحہ ۱۹ پر ہے کہ .....

اِن مشہور تاریخوں کے علاوہ اِس موضوع پر اور کتابیں بھی اُس زمانے میں لکھی گئی ہوں گی۔ جو مفقود و بے نشان ہو گئیں۔ اور بعض کے صرف نام دوسری کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ اور اِسی کتاب کے صفحہ ۲۴۹ پر ایک نوٹ میں مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ "اِس جگہ یہ تصریح کر دینی مناسب ہوگی کہ ابن بطوطہ کے سفرنامے اور برنی کی تاریخ کے سوا۔ اِس عہد کے (سلطان محمد تغلق کے عہد کے) حالات کو "فرشتہ" "طبقات اکبری" اور "منتخب التواریخ" میں ایسی کئی قدیم تواریخ کو سامنے رکھکر جمع کیا ہے جو اب ناپید ہیں"۔ رسالہ معارف علیگڑھ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ بابتہ ۱۹۲۵ء کے صفحہ ۲۹ پر "تاریخ سلاطین گجرات کے عربی ماخذ" کی سرخی کے تحت "قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی" نے لکھا ہے کہ "تاریخ بہادر شاہی" اِس کا کوئی نسخہ مخطوطہ نہیں ملا۔ مابعد کی تاریخوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔ (۳) تحفۃ السادات" از امام کشمیری۔ کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔

ہم نے یہ چند مثالیں صرف اِس خیال سے لکھدی ہیں کہ ناواقف بھی اچھی طرح معلوم کرلیں کہ کتب خانوں اور کتابوں کی بربادی کے کیا اسباب ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی جان لیں کہ بہت سی قدیم کتابیں تو الگ رہیں۔ اکثر قریبی زمانے تک کی کتابیں اب کیسی لاپتہ اور کمیاب ہیں۔ مگر حیف ہے۔ مؤلف صاحب پر کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی "مصباح العارفین" کے بارے میں مندرجہ بالا حالات پر مطلق دھیان نہیں دیا۔ اور ناظرین کو یہ دھوکا دیکر کہ "شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے اپنی کتاب "اخبار الاخیار" میں جن بزرگوں کے حالات لکھے ہیں اُن کی سب تصنیفات بھی ان کے حالات میں لکھی ہیں لیکن وہ اپنے نانا کے حالات میں "مصباح العارفین" نام کی اُن کی کسی تالیف کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اِس کتاب کے کبھی تصنیف ہونے سے ہی قطعی انکار کر دیا ہے۔ اُن کا یہ بیان بھی اُن کے دوسرے بیانات کی طرح صداقت سے بہت دور ہے۔ اور حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے آپ کے نانا کے حالات مگر اُن میں اپنے نانا کی تصنیف اور اُن کے نسب و اولاد کے ذکر سے محدث جی کی لا پرواہی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب "اخبار الاخیار" میں جن بزرگوں کے حالات تحریر کئے ہیں۔ تفصیلی حالات کسی کے بھی نہیں لکھے۔

(فٹ نوٹ صفحہ ۱) کاغذ سے ٹوکریاں اِس طرح بنائی جاتی ہیں کہ کاغذ کو ایک پانی کے مٹکے یا گھڑے میں ڈالکر سڑنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور جب کاغذ مہینہ دو مہینہ میں بالکل گل جاتا ہے تو اُن کو نکال کر اوکھلی میں کوٹ لیا جاتا ہے اور پھر اُس گودے سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں۔

اُن کے تھوڑے تھوڑے حالات لکھکر صرف روشناس کرادیا ہے۔ بعضوں کے حالات تو چار پانچ سطروں ہی میں ختم کر دیئے ہیں۔ اگر اُن میں سے کسی کے نسب پر بھی کچھ روشنی پڑگئی ہے تو وہ اِس طرح پڑی ہے۔ جیسے "شیخ عبدالوہاب بخاری" کی سرخی کے تحت اُن کے حال میں لکھا ہے کہ "از اولادِ سید جلال الدین بخاری بزرگ است" کوئی خاص اہتمام "محدث صاحب" نے "اپنی کتاب میں" ہر ایک کے نسب پر روشنی ڈالنے کا ہرگز نہیں کیا" انہوں نے ہر بزرگ کی تصنیفات کے بتلانے کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا ہے" یہ دوسری بات ہے کہ کسی بزرگ کے مختصر حالات میں اُن کی کسی تصنیف کا بھی نام آگیا ہے" "شیخ ادھن رح" جو اُن کے حقیقی نانا ہیں" اُن کی تصنیف "مصباح العارفین" کا ذکر تو درکنار رہا "محدث صاحب نے" اُن کے نسب تک پر روشنی نہیں ڈالی" اور اولاد کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا" صرف چند سطروں میں اُن کے حال کو ختم کر دیا ہے" وہ لکھتے ہیں کہ۔

"شیخ ادھن" جدِ مادری کاتب حروف" نام اصل ایشاں "زین العابدین" است" عرف "شیخ ادھن" دانشمند کامل بود" متورع و متعبد۔ در غایت خشوع و انکسار و تادب و وقار۔ والد میفرمودند کہ ہیچ کس را ندیدیم کہ در بیرون و درون یکساں باشد۔ اِلاّ ایشاں بہماں آداب و اوضاع کہ در میان مردم مے بودند در درونِ خانہ نیز بودند۔ و زبانِ ایشاں دائم بذکر اللہ مے گشت۔ و حلیہ در غایت جمال و نورانیت داشتند۔ چنانکہ انوار علم و تقویٰ از جبین ایشاں لائح بود۔ و اکثر احوال صائم بودے۔ و در لقمہ احتیاط تمام داشتے" سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی" ایشاں را بحجابت خویش خواندند قبول نکردند۔ مرید "مولانا سماء الدین" و شاگرد "میاں عبداللہ طلنبی" است" وفات او در سنہ اربع و ثلاثین و تسعمائۃ" (۹۳۴ھ ہجری) مقبرہ او جانب غربی حوض شمسی است" (اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص ۲۱۸ و ۲۱۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۰۹ ہجری)

کاتب حروف کے نانا کا اصلی نام "زین العابدین" ہے" اور عرف "شیخ ادھن" "دانشمند اور کامل تھے" متورع اور متعبد تھے اور بہت خشوع و انکسار و تادب اور وقار والے تھے" والد فرماتے تھے کہ کسی آدمی کو ایسا نہیں دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو" لیکن اُن کے تمام اوضاع و آداب جو آدمیوں کے درمیان رہتے ویسے ہی مکان کے اندر رہتے تھے" اور اُن کی زبان پر ہمیشہ اللہ کا ذکر رہتا تھا" اور صورت بہت باجمال اور نورانی تھی" انوار علم و تقویٰ اُن کی پیشانی سے ظاہر تھے" اکثر روزے سے رہتے اور کھانے میں نہایت احتیاط رکھتے "سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی" نے انہیں اپنی حجابت کا عہدہ دینا چاہا قبول نہیں کیا" مولانا سماء الدین رح" کے مرید اور "میاں عبداللہ طلنبی" کے شاگرد تھے" اُن کی وفات ۹۳۴ ہجری میں ہوئی" حوض شمسی کے مغربی جانب اُن کا مقبرہ ہے" (اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص ۲۱۸ و ۲۱۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۰۹ ہجری)

"شیخ ادھن رح" کے اِن حالات کی روشنی میں" مؤلف صاحب کا یہ بیان بھی کہ "باوجودیکہ "مصباح العارفین" محدث دہلوی کے حقیقی نانا کی تالیف بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اُس میں "مخدوم شیخ سماء الدین رح" کا پورا سلسلۂ نسب "حضرت زبیر بن العوام" تک منقول ہے لیکن حضرت محدث دہلوی" کا اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں "مخدوم صاحب" کے تفصیلی حالات لکھنے کے باوجود اُن کے نسب کے بارے میں ایک حرف بھی نہ لکھنا کیا معنی رکھتا ہے" شمہ برابر بھی حقیقت نہیں رکھتا" اخبار الاخیار" میں "مخدوم شیخ سماء الدین" کے حالات تفصیل سے ہرگز نہیں لکھے جیسا کہ مؤلف موصوف نے بیان کیا ہے" بلکہ اُن کے حالات کو بھی مختصر طور سے ہی تحریر کیا گیا ہے۔ محدث صاحب نے "شیخ ادھن" جیسے بزرگ کا حال جو اُن کے حقیقی نانا بھی تھے۔ جب اس قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے جس سے اُن کے "نسب" اولاد" اور دیگر بہت سے حالات پر قطعی کوئی روشنی نہیں پڑسکی ہے۔ تو دوسروں کے حالات انہوں نے جس تفصیل سے لکھے ہوں گے" ظاہر ہے"

"محدث صاحب نے "شیخ ادھن رح" کے نسب اور اولاد وغیرہ کی طرح اُن کے مختصر حال میں اگر اُن کی مؤلفہ کتاب "مصباح العارفین" کا بھی تذکرہ نہیں کیا" تو اِس بات کو اِس کتاب کے "شیخ ادھن رح" کی تصنیف نہ ہونے کی سند نہیں قرار دیا جاسکتا"

اوپر لکھا جاچکا ہے کہ "شیخ ادھن رح" کی وفات سنہ ۹۳۴ ہجری" میں "مخدوم شیخ جمالی رح" کی وفات سے بھی آٹھ سال قبل ہوئی ہے" اور "محدث صاحب" کے والد بزرگوار کی عمر و تاریخ وفات" اخبار الاخیار" کے اِس بیان سے جو ص ۲۹۹ و ۳۰۰ پر درج ہے"

سعادۃ عمر ہشتاد و سہ بود"

میگفتند کہ ہفتاد سال گذشت کہ دریں سرائے دنیائیم۔ اگر کسے
در سرائے دو روز بیا شد۔ دیگر بیشود۔ ما خود ہفتاد سال زیادہ دریں محنت
سرا بودیم۔ چرا ملول نشویم" چند بار زور نمودند و بلند تر ذکر لا الہ الا اللہ فرمودند
و ساکت شدند۔ و بپاس انفاس مشغول شدند۔ بعد از چند ساعت برحمت حق
پیوستند۔ وکان ذلک فی السابع والعشرین شہر شعبان سنہ تسعین و
تسعمایتہ " (۹۹۰ھ ہجری)

فرمایا کہ ستر سال گذرے کہ اس سرائے دنیا میں ہوں۔ اگر کوئی دو دن
سرائے میں رہتا ہے دوسرا ہو جاتا ہے۔ میں جو ستر سال سے زیادہ سرا میں رہا ہوں
کیوں غمگین نہ ہوں" چند بار زور کیا اور بلند آواز سے ذکر لا الہ الا اللہ فرمایا
اور خاموش ہو گئے۔ اور پاس انفاس میں مشغول ہوئے" تھوڑے عرصے
کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا"
(۹۹۰ھ ہجری) رحلت کا سال ہے"

اب جبکہ ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ "محدّث صاحب" کے والد بزرگوار نے ستر برس کی عمر میں، ۲۷ شعبان ۹۹۰ھ ہجری کو انتقال فرمایا" اور "شیخ اَدہن رح" کے انتقال کے وقت اُن کی عمر چودہ پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی" اس کم عمری میں اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی" ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ "مصباح العارفین" کی تالیف کے وقت محدّث صاحب جن کی پیدائش ۹۵۸ھ ہجری میں اور وفات ۱۰۵۲ھ ہجری میں ہوئی ہے" پیدا بھی نہیں ہوئے تھے" کیونکہ "مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز" کی وفات ۹۰۱ھ ہجری میں ہوئی ہے" اس لئے اگر "مصباح العارفین" مخدوم صاحب کی زندگی میں نہیں لکھی گئی تو جیسا قاعدہ رہا ہے کہ "مریدین و خلفا میں سے کچھ اصحاب اپنے پیران طریقت کے حالات اُن کی وفات ہوتے ہی جمع کر گئے ہیں" یہ کتاب بھی "مخدوم صاحب" کے وصال کے فوراً بعد تصنیف ہوئی ہے" "مخدوم صاحب" کے وصال اور "شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رح" کے والد بزرگوار کی پیدائش کے زمانے میں انیس یا بیس سال کا فرق ہے"

ہم نے یہ حالات صرف اس لئے لکھ دیئے ہیں کہ سب لوگ "مصباح العارفین" کی قدامت" زمانۂ تالیف اور وجہ تالیف کو بخوبی جان لیں" اور اس بات پر بحث کرنے کی کہ جس طرح اکثر اشخاص اپنے بزرگوں کی بیاضوں اور کتابوں سے ناواقف رہ جاتے ہیں "محدّث صاحب" بھی اپنے نانا کی اُس کتاب سے جو اُن کے والد بزرگوار کی پیدائش سے کم از کم اٹھارہ یا بیس برس قبل تصنیف ہوئی ہے" باخبر یا بے خبر تھے۔ ہمیں مطلق ضرورت نہیں ہے" ممکن ہے کہ وہ اُس سے باخبر ہوں" اپنی واقفیت کے بعد بھی اگر انہوں نے اپنے نانا کے حال میں اُس کا نام نہیں لیا" تب بھی یہ کوئی ایسی چیز کی بات نہیں ہے جس کو پکڑ کر مصباح العارفین کے شیخ اَدہن کی تصنیف ہونے سے انکار کی دلیل قرار دیا جا سکے"

ہم اُوپر بتا آئے ہیں کہ "محدّث صاحب رح" نے "اخبار الاخیار" میں بزرگوں کے نہایت ہی مختصر حالات لکھے ہیں۔ انہوں نے اُن کی تصنیفات کے ذکر کرنے کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا" "محدّث صاحب رح" نے جس طرح اپنے نانا کی کتاب کا اُن کے حال میں ذکر نہیں کیا ہے اسی طرح انہوں نے "اپنی کتاب میں اپنے حقیقی چچا اور والد بزرگوار کی بھی مندرجہ ذیل کتابوں کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے"

شیخ عبد الحق محدّث دہلوی کا اپنے والد و چچا کے حالات میں اُن کی کتابوں سے روشناس کرنے کی شہادتیں

اخبار الاخیار کے صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۰ پر اُن کے چچا "شیخ رزق اللہ المتوفی ۹۸۹ھ ہجری" کا حال درج ہے" آپ میں اُن کی گراں پایہ اور مشہور کتاب "واقعات مشتاقی" کا اور "تاریخ سکندر لودی" کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے" صاحب "طبقات اکبری" "نظام الدین احمد بخشی" نے "واقعات مشتاقی" سے استفادہ کرنا ضروری خیال کیا ہے" جن کتابوں سے "طبقات اکبری" ماخوذ ہے اُن کی فہرست میں "واقعات مشتاقی" کا نام دیکھا جا سکتا ہے" "زبدۃ التواریخ" قلمی مصنفہ "شیخ نور الحق رالمتوفی ۱۰۷۳ھ ہجری) فرزند شیخ عبد الحق محدّث دہلوی" [illegible] کے عہد پر "سلطان سکندر لودھی" کے حالات میں تحریر ہے کہ۔

جد محرر "شیخ رزق اللہ المتخلص بہ مشتاقی" تاریخ نامہ از ابتدائے عہد سلطنت "سلطان بہلول لودی" تا تاریخ جلوس سلطان عہد خود۔ نوشتہ است "واقعات مشتاقی" نام کردہ" دراں کتاب

راقم کے دادا "شیخ رزق اللہ المتخلص بہ مشتاقی" نے تاریخ نامہ شروع عہد سلطنت "سلطان بہلول لودی" سے اپنے عہد کے سلطان کی تاریخ جلوس تک لکھا اور اُس کا نام "واقعات مشتاقی" رکھا" اُس کتاب

عمدہ بیان احوال و اوصاف "سکندر سلطان" است" کہ نشو و نما ے مرحومی جناب موی الیہ دراں عہد بود"

میں سلطان سکندر لودی کے احوال و اوصاف کا عمدہ بیان ہے" کیونکہ نشو و نما مرحومی جناب موی الیہ کا اُس عہد میں تھا"

"صبح گلشن" مؤلفہ "سید علی حسن خاں" فرزند دوم "نواب صدیق حسن خاں" مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال" کے ص ۱۳۱ پر لکھا ہے کہ:-

مشتاقی "شیخ رزق اللہ دہلوی" عم شیخ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی ست" واقعات مشتاقی" و تاریخ سکندر لودی" از وے یادگار است"

مشتاقی "شیخ رزق اللہ دہلوی" چچا شیخ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی کے ہیں "واقعات مشتاقی" اور تاریخ سکندر لودی" اُن سے یادگار ہیں"

"محدث صاحبؒ" نے "اخبار الاخیار" کے ص ۲۳۵ تا ۲۴۱ پر اپنے والد بزرگوار "شیخ سیف الدین" المتوفی ۹۹۰ھ ہجری کا تفصیل سے حال لکھا ہے" لیکن اس میں اُن کی کتاب "روح الساوی" کا کہیں کوئی ذکر یا نام نہیں ہے" اُن کا بیان ہے کہ:-

والدم را اشعار بسیار بود" و از غزل و قصیدہ و رباعی" و لیکن اکثر آنہا بہ بیاض نارسیدہ فوت شد" یکے از آں باشان" تمام کتب و رسائل تصوف و غیرہ" کہ در مدت عمر بدست آمدہ بودند یکدفعہ یغمال کردہ آں اسباب دیگر است" اگرچہ از ان مطلع شد کہ ایں نہ آں اسباب است کہ بکار وے آید" لیکن ہم از آنکہ مبادا ظاہر شود ہمہ را بسوختند"

غزل و قصیدہ و رباعی" میرے والد کے اشعار بہت تھے" لیکن اُن میں سے اکثر بیاض میں نہیں داخل کئے تھے کہ اُن کی وفات ہو گئی" اُن باشوں میں سے ایک نے تمام کتب و رسائل تصوف" وغیرہ جو انہوں نے مدت عمر میں جمع کئے تھے دوسرا سامان سمجھ کر چرا لئے" اگرچہ اُسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ وہ اسباب نہیں ہے جو کام آئے لیکن چوری کے ظاہر ہو جانے کے ڈر سے سب کو جلا دیا"

محدث صاحبؒ کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ "روح الساوی" سے ناواقف رہے" اور یہ کتاب انہیں نہیں مل سکی" حالانکہ وہ اب تک موجود ہے اور دیکھی جا سکتی ہے"

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی "سبحان اللہ خاں لائبریری" میں "حالات خلفائے اربعہ" کے ضمن میں ہے" اس کا نمبر چالیس (۴۰) ہے "روح الساوی" نام ہے" جس کے مصنف "سیف الدین بخاری" پدر شاہ عبدالحق محدث دہلوی" المتوفی ۹۹۰ھ ہجری ہیں کاتب کتاب مولانا غلام علی" آزاد بلگرامی ہیں" اس کتاب میں "واقعات شہادت امام حسین رضؓ" اور دست برداری امام حسن رضؓ" و ذکر مرض اور وفات حضرت رسالتمآب صلعم" درج ہے"

اس بات کو بخوبی ثابت کر چکنے کے بعد کہ "محدث صاحبؒ" کو "اخبار الاخیار" میں بزرگوں کے مختصر حالات میں اُن کے نسب اور تصنیفات کے بتلانے کا کوئی خاص خیال نہ تھا" اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنے نانا "شیخ ادھن" کے حالات میں جس طرح اُن کی کتاب مصباح العارفین کا اظہار نہیں کیا" اسی طرح اپنے چچا "شیخ رزق اللہ" کے حال میں اُن کی مشہور و معروف کتابوں "واقعات مشتاقی" اور "تاریخ سکندر لودی" کا" اور اپنے والد بزرگوار کی کتاب "روح الساوی" کا بھی مطلق ذکر نہیں کیا ہے"

مصباح العارفین کے وجود کی شہادتیں

اب ہم "مصباح العارفین" کے "شیخ ادھن" کی تصنیف ہونے" اور "دہلی" کے متعدد [illegible] "بابر" "شیر شاہ" "ہمایوں" اور "ہیموں" کے [illegible] "شاہ" [illegible] اور "ہمایوں" کی [illegible] کے بعد [illegible] اس کے باقی رہنے کے ثبوت پیش کرتے ہیں"

(۱) حکیم نواب علی خاں صاحب [illegible] مؤلف کتاب "شمس التواریخ" مطبوعہ [illegible] کا ایک خط جو انہوں نے سنہ ۱۹۱۰ء میں "صاحب المشاہیر" کو لکھا تھا وہ ہمارے پاس موجود ہے" اور اس کی عبارت یہ ہے" "جناب نے "المشاہیر" کے صفحہ ۲۸ پر جو نسب نامہ" [illegible]

شیخ سماء الدین رح" کا تحریر فرمایا ہے۔ اس کی نسبت آپ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ "مصباح العارفین" سے نقل کیا گیا ہے" اس وقت یہ دریافت طلب ہے کہ "کتاب مصباح العارفین" جناب کی نظر سے گذری ہے کہ نہیں یا جناب نے کسی ایسی کتاب سے نقل کیا ہے کہ جس میں "مصباح العارفین کا" حوالہ تھا" یہ بھی قابلِ عرض ہے کہ "میں نے یہ نسب نامہ" اپنی کتاب "شمس التواریخ" میں درج کیا ہے" اور میرا ماخذ حکیم ابو علی خاں صاحب" کی ایک تحریر ہے" جس میں انہوں نے اس نامہ کو "مصباح العارفین" سے نقل کیا تھا" انہوں نے یہ کتاب "میرٹھ" کے کسی کتب خانہ میں دیکھی تھی لیکن مجھ کو والد صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا"۔

ہمیں نہیں معلوم کہ "صاحب المشاہیر" نے "حکیم نواب علی خاں صاحب" کے خط کا کیا جواب دیا لیکن "صاحب المشاہیر" کی ایک قلمی تحریر ہمارے پاس موجود ہے جو چہارم جمادی الاول ۱۳۰۶ھ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۸۸۹ء کی مرقومہ ہے" وہ یہ ہے" سلسلہ نسب بیش (جلد دوم صاحب المشاہیر) باقدوۃ اکابر آفاق "مخدوم شیخ اسحٰق" برادر اکبر اعیانی "مخدوم سماء الدین سماء الحق دہلوی" ابن شیخ فخر الدین ملتانی قدس اللہ اسرارہم" بلا فصل می پیوندد" و از آنجا مسلسل بہ "مصعب" ابن حضرت زبیر رض" منتہی میشود" صاحب المشاہیر" کے اس نوشتہ میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں ہے لیکن "المشاہیر میں "مصباح العارفین" کا نام لکھا ہے"

اِن دونوں بزرگوں کی مندرجہ بالا تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ "حکیم نواب علی خاں صاحب" کی "شمس التواریخ" کے شائع ہونے سے دس سال قبل اور اُن کے اِس خط لکھنے سے کم از کم تیرہ برس پہلے "صاحب المشاہیر" "مصباح العارفین" کو دیکھ چکے ہیں" اور اِن دونوں حضرات کو ایک دوسرے کی واقفیت کا قطعی کوئی علم نہ تھا" نیز "حکیم نواب علی خاں صاحب کے دادا "حکیم ابو علی خاں صاحب" کا اور "صاحب المشاہیر" کا زمانہ بھی ایک نہ تھا" "صاحب المشاہیر" وربیع الآخر ۱۲۹۲ھ ہجری میں شاہجہانپور میں پیدا ہوئے" اور حکیم ابو علی خاں صاحب کی وفات ۱۲ صفر ۱۲۷۲ھ ہجری میں اپنے وطن امروہہ" میں واقع ہوئی" اِس طرح دونوں کی ولادت اور وفات کا درمیانی زمانہ کُل دس برس کا ہے" یعنی جبکہ "صاحب المشاہیر" نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا" حکیم ابو علی خاں صاحب" کی وفات ہو گئی تھی" اِس لئے اِن دونوں بزرگوں میں بھی ایک دوسرے سے واقفیت کا رابطہ پیدا ہونے کی کوئی صورت قدرتاً باقی نہ رہی تھی" اور انہوں نے مندرجہ بالا وجہ کی بنا پر یقیناً "مصباح العارفین" کو الگ الگ" اور مختلف زمانوں میں دیکھا تھا"

(۳) علاوہ اِن بزرگوں کے ہمارے چچا حکیم ابو سعید احمد عارف صابری چشتی رح مرحوم و مغفور المتوفی ۱۹۰۰ء نے بھی جو صاحب المشاہیر کے چھوٹے بھائی تھے۔ اپنے برادر بزرگ کے اِنتقال کے کئی برس بعد "مصباح العارفین" کو دیکھا تھا" اور اپنے انتقال کے تین چار سال قبل ایک روز دورانِ گفتگو میں ہمارے چھوٹے بھائی "میاں اِمداد احمد" صابری سلمہٗ" بی۔ اے علیگ۔ ڈپٹی ایڈیٹر "شہاب" کی طالب علمی کے زمانہ میں علیگڈھ میں فرمایا تھا کہ "ہم نے خود اِس کتاب کو "مولوی احمد حسن" کے یہاں دیکھا ہے" نوگزہ پیر "نبی بخش صاحب" صابری گر رہتے ہیں" ان کے پاس یہ کتاب پہنچی تھی"

"چچا میاں مرحوم و مغفور سے "مصباح العارفین" کے بارے میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جو بات "میاں اِمداد احمد" سلمہٗ نے سُنی تھی وہ آئی گئی ہو گئی تھی" مگر جب برسوں کے بعد اِن مؤلفین کے سب کی یہ تحقیقات سامنے آئی" تب انہوں نے "چچا میاں مرحوم و مغفور" کے فرمودہ کا ہم سے ذکر کیا" ہم ملازمت کے تعلق سے دکن کے جنگلوں اور پہاڑوں میں دورے کرتے رہنے کی زندگی بسر کر رہے تھے" تاہم ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ "شیخ نبی بخش صاحب" عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں۔ وہ "حضرت مخدوم شیخ محمد" معروف بہ "بدھا پیر" خلیفہ خاص "محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رح"

(نوٹ ۱) حکیم ابو علی خاں صاحب۔ حضرت صاحب شمس التواریخ کے دادا تھے۔ ان کی پیدائش ۱۲۰۱ ہجری میں اور وفات ۱۲۷۲ ہجری میں ہوئی تھی انہوں نے علوم درسیہ صرف و نحو و منطق و فقہ و حدیث اور حکمت طبیہ و ریاضی "حاصل کئے تھے" ۲۲ برس کی عمر میں ۔۔۔ "پانچ برس" کو توال ۔۔۔ تحصیلدار رہے" پھر مستعفی ہو کر برفاقت اسکاٹ صاحب جج میرٹھ پہنچے" اور مدت العمر وہاں وکالت کرتے رہے" بہت سے علم دوست تھے" علم طلاب و طب میں اکثر رسایل تصنیف و تالیف کئے" کتاب طب اکبر" پر حاشیہ مسمّیٰ بہ تعلیقات اکبر لکھا" آپ کا مزار آپ کے وطن امروہہ میں ہے" (المشاہیر صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۲)

کے خاندان سے تھے " آج کل دہلی ہیں " اُن کے نواسے " شیخ قمرالدین حیدر ساکن کوچہ تاراچند دہلی " حضرت مخدوم شیخ نیہدرؒ " کے مزار کے سجادہ نشین ہیں " اُن کے بزرگ اور وہ خود " جامع مسجد میرٹھ " کی منتظمہ کمیٹی کے رکن ـ نیز " بالے میاں رسید سالار مسعود غازی " کے مزار اور عیدگاہ " کے متولی بھی تھے " اُن کے لڑکے کاروباری سلسلہ کی وجہ سے زیادہ تر " بمبئی " میں رہتے تھے " اب معلوم ہوا ہے کہ اُن کا انتقال ہوگیا ہے) میرٹھ میں اُن کا ایک پوتا دندان سازی کرتا ہے " شیخ نبی بخش صاحب " کے پاس پرانی اور بزرگوں کے حالات کی کتابوں کا " نادر اور کثیر ذخیرہ تھا " اور وہ اُس کو بڑی حفاظت کے ساتھ رکھتے تھے " لیکن اُن کے انتقال کے بعد اُن کی اولاد کی نااہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے یہ کتب خانہ برباد ہوگیا ـ کچھ کتابیں تو " شیخ نبی بخش کا داماد " جو " رڑکی میں چونہ کا کاروبار کرتا ہے " لے گیا " تھوڑی ڈپٹی محمد حسین صاحب شوق مرحوم " جو وقت منصبیہ میرٹھ کے متولی تھے لے گئے " اسی طرح اور لوگ بھی کتابیں لے گئے " غرضکہ یہ کتب خانہ بھی منجملہ اور بہت سے کتب خانوں کے تلف ہوگیا " شیخ نبی بخش صاحب نے اپنے خاندان کے حالات میں خود بھی ایک کتاب تصنیف کی تھی " جو صاحب المشاہیر کے کتب خانے میں موجود ہے "

ہمارے چچا میاں حکیم ابو سعید صاحب عارف چشتی صابری " صوفی محمد حسین صاحب مرادآبادی " کے مرید و خلیفہ تھے " انہوں نے شہوت پرلات مار کر " اچھی ملازمت سے بخوشی خود استعفےٰ دیدیا اور دنیا کے دھندوں سے منہ موڑ کر " عبادت " ریاضت " اور توکّل کی زندگی اختیار کرلی تھی ـ وہ جلیل مقدس بزرگ تھے ـ اُس سے مؤلف صاحب امروہوی بھی خوب واقف ہیں " اور اُن سے متعدد بار مل چکے ہیں "

مؤلف امروہوی سے چند سوالات

ان شواہد کے پیش کرنے کے بعد اب ہم مؤلف صاحب امروہوی " سے " پوچھتے ہیں کہ " انہوں نے جو تحریر کیا ہے کہ " ہم نے مصباح العارفین کو مختلف کتب خانوں میں بھی دریافت کیا اور جن کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے اور اُن کے پاس ایسی کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے " اور خود مصنفین کے اہل خاندان سے دریافت کیا لیکن اس کتاب کا وجود نہ ملا " اُن کا یہ بیان کس طرح مبنی بر صداقت قرار دیا جاسکتا ہے " صاحب المشاہیرؒ " اگر اُن کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے شائع ہونے سے بہت عرصہ پہلے انتقال فرما چکے تھے " اور اُن سے دریافت کرنے کا کوئی موقع نہ رہا تھا ـ تو اُن کو " کونسا امر مانع ہوا جو انہوں نے " صاحب المشاہیرؒ کے برادر خورد " سے " مصباح العارفین " کے بارے میں کوئی واقفیت حاصل نہیں کی " جبکہ وہ " علیگڈھ " ہی میں تشریف رکھتے تھے " جہاں مؤلف صاحب کا بھی قیام تھا " اور اُن سے ہمیں اس دریافت کے لئے دور و نزدیک سفر کرنے کی تکلیف بھی نہیں اٹھانا پڑتی تھی " علاوہ بریں انہوں نے " میاں امداد احمد سلمہ اللہ تعالےٰ سے بھی کیوں دریافت نہیں کیا " حالانکہ وہ بھی وہیں اُن کے سامنے ہی موجود تھے " اور اکثر مؤلف صاحب سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے رہتے تھے "

اب رہے " حکیم نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ " مؤلف شمس التواریخ " کہ انہوں نے بھی " مصباح العارفین " کے حوالہ سے اپنے دادا " حکیم ابو علی خاں " کے ذریعہ سے پہنچا ہوا " حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ " تک شجرہ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے " اور جو " مؤلف صاحب " کے ہم وطن " اور ان کی کتاب " تحقیق الانساب " کے شائع ہونے کے بعد بفضلہٖ اب تک زندہ و سلامت موجود ہیں " اگر وہ اُن ہی سے دریافت کرلیتے تو انہیں بلا کسی دقت کے " شہر میرٹھ " میں " مصباح العارفین " کا پتہ مل جاتا " آخر کیا وجہ تھی جو انہوں نے " مؤلف صاحب شمس التواریخ " سے " مصباح العارفین " کو دریافت نہیں کیا " وہ اگر اُن سے دریافت کرتے تو یہ دار کرنے " سے کبھی نہ چوکتے کہ ہم نے " صاحب شمس التواریخ " سے بھی دریافت کیا ـ مگر وہ ہمارے سوال کا کوئی مناسب جواب نہ دے سکے " جب خود مؤلف زندہ و سلامت موجود ہو تو کیا معترض کا یہ فرض نہیں ہے کہ " اُس سے دریافت کرے کہ " آپ نے جو یہ بات لکھی ہے کس " بنا پر لکھی ہے ـ اور وہ سند کہاں ہے " پھر جو جواب اُس سے ملے اُسے لکھدے " مؤلف صاحب نے " صاحب شمس التواریخ سے " اور صاحب المشاہیرؒ کے بھائی " اور بیٹوں سے دریافت کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا " اور ان مصنفین کے اہل خاندان میں سے بھی کسی کے نام لکھنے کی انہیں ہمت نہیں پڑی ہے " اور جن سے پوچھنا تھا جب انہیں سے کچھ نہ پوچھا تو مختلف کتب خانوں کی خاک چھاننے " اور بزرگوں کے حالات سے شغف رکھنے والوں سے دریافت کرنے کو جا بجا پھرنے کی اُن کے بیان کی حقیقت بخوبی عیاں ہوجاتی ہے " کسی خاص تحقیقات یا

مبحث کے مصنّف کے گھر میں جو مواد اِن کے متعلق مِل سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری جگہ اُس کا ہم دست ہونا کس قدر دِقّت طلب ہے "

مؤلف صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ "صاحب المشاہیر" کا کتب خانہ "میرٹھ" میں محفوظ ہے" اگر وہ وہاں جاکر اُسے دیکھنا چاہتے تو بَر بنائے تعلّقات نہایت خاطر ومدارات کے ساتھ ٹھہرائے جاتے اور اس کتب خانہ کا ایک ایک ورق نہایت اطمینان اور آسانی کے ساتھ دیکھ سکتے تھے" اُنہیں اُس میں چند ایسی کتابوں کے علاوہ جو نادر الوجود ہیں" اور جن کی کوئی ایک نقل بھی ڈ ھونڈنا کسی دوسرے کتب خانہ میں مؤجود نہیں ہے" اور حکیم نواب علی خاں صاحب مؤلف شمس التواریخ" کا اصلی خط" اور "صاحب المشاہیر" کی مندرجہ بالا تحریر بھی مِل جاتی" جن کو دیکھکر اُن کا راستہ کھل جاتا۔ وہ اندھیرے میں سے روشنی میں آجاتے اور پھر "میرٹھ" ہی میں رہکر "مصباح العارفین" کا تلاش کرلینا اُن کے لئے آسان ہو جاتا" ہمیں نہایت افسوس کرنا پڑتا ہے اُن کے حال پر کہ اُنھوں نے اپنے مقصد کے مدِ نظر کبھی "میرٹھ" جاکر اس کتب خانہ کے دیکھنے کا خیال بھی نہیں کیا" جیسا کہ ہم اُوپر کہیں لکھ آئے ہیں۔ اُنھوں نے "ریاست رامپور کا" کتب خانہ بھی جو اُن کی بغل ہی میں ہے "نہیں دیکھا" اگر وہ اُسے دیکھتے تو "شجرۂ سہروردیہ" اور "سیر محمّدی" تو ضرور اُس میں پا لیتے" جس سے خاندانِ زیرِ بحث کے متعلق اُن کی معلومات میں کافی اِضافہ ہو جاتا" اور کئی جگہوں پر بھٹکنے سے بچ جاتے"

مصباح العارفین کے وجود کی چند مزید شہادتیں

"مصباح العارفین" کی تلاش وجستجو میں "مؤلف صاحب کی کوششوں یا سَر گردانیوں کی اچھّی طرح پول کھول لینے کے بعد اب ہم اِس کتاب کے وجود کی سند میں "مولوی غلام یزدانی صاحب" ناظم آثارِ قدیمہ مملکت اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن خلد اللہ مُلکہٗ وسلطنتہٗ" کے اُس خط کی نقل پیش کرتے ہیں جو صاحب موصوف نے "میاں اِمداد احمد سلّمہٗ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا تھا"

انھوں نے مولوی غلام یزدانی صاحب کو اپنے خط لکھنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ "صاحب موصوف نے "عملِ صالح" مصنّفہ "محمّد صالح کنبوہ" کی تصحیح "ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" کی جانب سے کی ہے اور اُس پر ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے" جس میں لفظ کنبو پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے "مصباح العارفین" کا حوالہ دیا ہے" علاوہ اس کے وہ "حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی" کی اولاد بھی ہیں" اور ہندوستان میں اپنے تبحّرِ علمی کی وجہ سے خاص شہرت کے حامل ہیں"

مولوی غلام یزدانی صاحب کا خط

(مونوگرام)

OFFICE OF THE DIRECTER OF ARCHAEOLOGY (1)

HYDERABAD DECCAN

D.O.NO ۱۳۶۶ع DATED ۱۱ر آبان ۱۳۴۴ف

کرم فرمائے بندہ!

آپ کا عنایت نامہ مِلا۔ جواب میں اِس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی" مصباح العارفین کا حوالہ۔ مولوی محمّد شعیب صاحب مرحوم پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے لکھکر بھیجا تھا۔ اُن کا مطالعہ وسیع تھا۔ اور کتاب ضرور اُن کی نظر سے گذری ہو گی" بہر حال مَیں خود کتب خانوں کی فہرست میں پھر اِس کتاب کی تلاش کروں گا۔ اور پتہ لگنے کے بعد آپ کو اطلاع دُوں گا"

غلام یزدانی۔ ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی

خدمت مولوی اِمداد احمد زبیری
عثمانیہ کالج گلبرگہ شریف

نواب حاجی خادم حسین صاحب کا خط

(۲) نواب حاجی محمد خادم حسن صاحب زبیری عثمانی معینی گدڑی شاہی اجمیری نہایت ذی علم۔ اور مراد آباد کے رئیس ہیں مگر آپ نے فقیری اختیار کر لی ہے اس وجہ سے زیادہ تر اپنا قیام اجمیر شریف میں رکھتے ہیں وہیں سے ایک خط آپ نے ہمارے نام بھیجا تھا جس میں تحریر فرمایا ہے کہ "مصباح العارفین" میرے بھائی شوکت حسین صاحب (رئیس اعظم مراد آباد) نے دہلی میں بچشم خود دیکھی تھی"

(۳) مولوی غلام یزدانی صاحب نے مشہور کتاب عمل صالح کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

مولانا شیخ زین العابدین جدِ مادری مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہ باز جدِ مادری راقم الحروف می باشد در کتاب خود "مصباح العارفین" ہمے نویسد کہ در لفظ کنبو۔ واؤ نسبت است منسوب بہ کنبا چوں داؤ ہندو و کنب شہریست قریب غزنین باشندگان ایں شہر اعم از اینکہ مسلمان باشند یا بت پرست بآں لقب ملقب شدند و در بعض کتب تواریخ نوشتہ شدہ کہ کنباہ بالضم نام دریائے ست در شمال سمرقند و آبادی کہ بر کنارۂ آں دریا واقع شدہ بہمیں اسم موسوم شد چنانکہ جہلم نام دریائے است ہمنام شہرے کہ برلبِ آں دریا واقع است در زمانے سادات و شیوخ از عرب و بغداد آمدہ آنجا سکونت اختیار نمودند و بعد مرورِ قرون دراز چوں بہ ہندوستان رو نہادند ایں لقب را ہمراہ خود شان آوردند علاوہ ازیں اقوال از قرینہ ایں شعر۔ بیت

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ آشنا کم گیری
یکے افغان دوم کنبوہ سوم بدذات کشمیری

ایں امر واضح میگردد کہ کنبوہ مثل کشمیری و افغان لقب مقامی است نہ ذاتی و صفاتی"

مولانا شیخ زین العابدین نانا مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو پھر جدِ مادری راقم الحروف کے ہوئے اپنی کتاب مصباح العارفین میں لکھا ہے کہ لفظ کنبو میں واؤ نسبت ہے منسوب کنب سے مثل واؤ ہندو کے اور کنب شہر ہے قریب غزنیں اس شہر کے رہنے والے خواہ مسلمان ہوں یا بت پرست اس لقب سے ملقب ہوئے اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ شمال میں سمرقند کے ایک دریا کنباہ نام کا ہے اور آبادی جو اس کے کنارے پر واقع ہے ایک زمانے میں سادات و شیوخ نے عرب اور بغداد سے آ کر وہاں سکونت اختیار کی اور عرصہ گذرنے کے بعد جب وہاں سے ہندوستان آئے تو اس لقب کو اپنے ساتھ لائے اس کے علاوہ اس بیت کے اقوال سے بھی کہ۔ بیت

بیت

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ آشنا کم گیری
یکے افغان دوم کنبوہ سوم بدذات کشمیری

ثابت ہے کہ یہ لقب مقامی ہے نہ کہ ذاتی اور صفاتی"

مؤلف تہوی کے مصباح العارفین کے وجود سے انکار کرنے اور قدسی نفس حضرات کی بابت حملہ کرنے کے معمہ کا حل اور ان کے دھوکوں اور تیز اخفا کا حال

مؤلف صاحب کے اس بیان میں جس قدر شبہے تھے ان سب کا بطلان ثابت کر دینے اور ان کی تحقیقات کی حقیقت کو بخوبی عریاں کر چکنے کے بعد اب ہم محض اس معمہ کو حل کرنا ہے کہ انہیں اس کتاب کے وجود سے انکار کرنا پڑنے کس مقصد کے مدِ نظر کیوں ضروری تھا اور انہوں نے مصباح العارفین کے حوالے دیئے ہوئے شجرہ کو مابعد کی موضوعات بنا کر قدسی نفس حضرات کی دیانت پر جو حملہ کیا ہے اس کی وجہ کیا ہے ظاہر ہے کہ کوئی شخص جس کی نیت نیک نہ ہو۔ اسے صرف اپنے مطلب سے غرض ہو۔ یا اس کبڑی بڑھیا کی طرح ہو جس کی خواہش تھی

کہ تمام دُنیا کے اشخاص اُسی کی طرح کیڑے ہو جائیں" یا کسی اِنتقام کے دَرپے ہو۔ یا اُس کے سینہ میں خواہ مخواہ حَسد کی بھٹی سُلگ رہی ہو تو ایسا شخص جس قدر بھی دھوکے دے اور ناروا باتیں کر گذرے وہ اُس سے بعید نہیں ہیں۔ نہ ایسے شخص سے صداقت و اِنصاف کی توقع رکھی جا سکتی ہے"

ہمارے مؤلف صاحب "کیونکہ "مصباح العارفین" کا نام کسی طرح بھی چھپا نہیں سکتے تھے" اِس لئے اُن کے لئے مشکل یہ آن پڑی کہ اگر وہ اُس کے وجُود کو مان لیتے تو پھر اُس عمارت کو جو وہ بنا رہے تھے کسی صورت سے قائم نہیں رکھ سکتے تھے" اِس لئے انہوں نے پہلے تو اِس کتاب کو مشتبہ قرار دیا مگر بعد میں جب غور کیا کہ "لفظ مشتبہ سے" کام نہیں چلے گا۔ تب اُس کے تصنیف کئے جانے ہی سے اِنکار کر دینا مناسب خیال کیا" اور اب جو اِس کتاب کے وجُود کو اپنے مقصد کے منافی قرار دے لیا۔ تو اُن کے لئے "دھوکے سے" "جھوٹ سے" "قیاس سے" کام لیکر اور مقدّس بزرگوں کی دیانت پر حملہ کرنے سے غرضکہ جس طرح بھی بن پڑسکے اپنی غرض کو حاصل کرنا ضروری ہو گیا" اگر وہ اِن چالوں اور حربوں کو کام میں نہ لاتے تو اُس قلعہ کو جسے ہم زمین کے برابر کر آئے ہیں۔ کیسے تعمیر کر سکتے تھے "ماشاء اللہ کس سادگی سے لکھا ہے کہ "ہم نے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں تلاش و جستجو کی" "جن حضرات کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے اور اُن کے یہاں اُس کا کافی ذخیرہ موجود ہے معلوم کیا۔ خود مصنّفین کے اہلِ خاندان سے دریافت کیا۔ لیکن "اِس کتاب کا وجُود نہ ملا" کیا اُن کے اِس جدید بیان کو صحیح سمجھا جا سکتا ہے" کم از کم "مصباح العارفین" کے لئے وہ کسی اخبار میں اشتہار دے سکتے تھے" اور اُس اشتہار کے کسی ایک جواب ہی کو اپنی کتاب میں اپنے اِس بیان کی شہادت میں پیش کر سکتے تھے یا کسی ایسے شخص کو جسے مشائخ و اولیاء کے حالات سے دلچسپی رکھنے والا سمجھتے تھے" یا مؤلف صاحب "شمس التواریخ" اور صاحب المشاہیرؒ کے بھائی اور صاحبزادے سے دریافت کر کے اُن کے جواب درج کر سکتے تھے" مگر انہوں نے اپنے اِس بیان کی ایک شہادت بھی پیش نہیں کی" اس کے جو معنی ہو سکتے ہیں ظاہر ہیں" "ہم اُوپر بتا آئے ہیں کہ انہوں نے متذکرۂ بالا اصحاب سے ہرگز دریافت نہیں کیا اور جب اُن سے نہیں دریافت کیا تو دوسروں سے معلومات بہم پہنچانے کی حقیقت اچھی طرح روشنی میں آجاتی ہے" "صاحب المشاہیرؒ" کا کتب خانہ دیکھنے کی بھی انہوں نے کبھی کوئی خواہش نہیں کی" حالانکہ وہ قطعی طور سے اُن کی دسترس میں تھا۔ نہ انہوں نے ریاست رامپور کا کتب خانہ دیکھا جو اُن کی بغل ہی میں موجود ہے"

لیکن اِس پر بھی ہم مانے لیتے ہیں کہ مؤلف صاحب" نے "مختلف کُتب خانے" دیکھے ہوں گے اور کچھ لوگوں سے دریافت بھی کیا ہوگا اور اُنہیں "مصباح العارفین" دستیاب نہیں ہوئی ہوگی" تاہم ہمیں اِس موقع پر بتانا یہ ہے کہ "اِس کتاب کے علاوہ جو کمیاب ہے اور جس میں خاندان زیرِ بحث کا شجرۂ نسب "حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ تک درج ہے۔ اور بھی بہت سی قدامت رکھنے والی ایسی کتابیں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے اِس خاندان کی نسبی کیفیت شرح و بسط کے ساتھ معلوم ہوتی ہے" اور وہ آسانی کے ساتھ دستیاب ہو جاتی ہیں"

اِن مؤلف صاحب نے اپنی بحث میں اُن کا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے" اُن میں "سلسلۂ عالیہ" تو "میر محمدؒ" امروہہ "منہاج" مراد آباد علیگڈھ دہلی" ہی میں نہیں بلکہ "مؤلف صاحب کے وطن" امروہہ" کے اکثر گھروں میں موجود ہے" مگر اُن کی ساری بحث کو دیکھ جائیے اُس میں کہیں "سلسلۂ عالیہ" کی کوئی عبارت تو درکنار رہی" اُس کا نام تک نہیں نظر آئے گا" اِسی طرح "شجرۂ مہر وردی" جو رامپور کے کتب خانہ میں مَوجود ہے" اور "عمل صالح" کے نام بھی اُن کی کتاب میں نہیں ملیں گے" اِن کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جن کو ہم طوالت کے خیال سے چھوڑتے ہیں" اور "مؤلف صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا "مصباح العارفین" کی طرح یہ کتابیں بھی انہیں کسی کتب خانے میں نہیں دکھائی دیں" اور انہیں کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو اِن کتابوں کا انہیں پتہ بتا سکتا تھا۔ نیز المشاہیرؒ جس کے انہوں نے حوالے دیئے ہیں اور جن کے نوشتوں پر خوب خوب تنقید کی ہے "سلسلۂ عالیہ" کو سمجھا سکتا تھا"

مؤلف صاحب کے "مصباح العارفین" کی تلاش و جستجو کرنے کی حقیقت کو اچھی طرح دکھا چکنے کے بعد اب ہمیں صرف اِتنا اور بتانا ہے کہ "جو کتابیں اُن کی خواہش اور مقصد میں حائل ہیں۔ خواہ وہ اُن کے گھر ہی میں کیوں نہ ہوں انہیں مطلق نظر نہیں آئیں۔ اور تلاش و جستجو سے بھی کسی طرح [illegible]

" تو اُسی کتاب میں کنبو یا کنبوہ " کے نسب کے متعلق جو عبارت تحریر ہوتی ہے " وہ اُن کی نظروں سے قطعاً اوجھل رہ جاتی ہے۔ اور لفظ کنبوہی بھی کسی کتاب بلکہ منتخب التواریخ تک میں انہیں نظر نہیں آیا ہے " ان کی ساری کتاب دیکھ ڈالئے لفظ کنبوہی کہیں نہ ملے گا بلکہ وہ یہی یقین دلاتے ہوئے پائے جائیں گے " کہ جہاں لکھا ہے " اِس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے کنبو یا کمبو کے سوا اور کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے "

باب پانزدہم

" قطع نظر اس کے " اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے " کہ مخدوم شیخ سماء الدین رح " اور " نواب شہباز خاں " اِن دونوں بزرگوں کے نسب نامے " کسی کتاب میں منقول ہیں " تو دیکھنا یہ ہے کہ " آیا یہ سلسلے جس طرح بیان کئے گئے ہیں " حضرت زبیر رض " تک پہنچتے بھی ہیں یا نہیں " مخدوم صاحب کا سلسلہ " بذریعہ ہادی بن عیسے بن مصعب بن حضرت زبیر رض " تک پہنچایا گیا ہے " مصعب بن زبیر رض " کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہ تھی۔ کہ اُن کی اور اُن کی اَولاد کا تذکرہ " کتب تواریخ و سیر " میں نہ ملتا " اُن کے فرزند عیسیٰ " کو جن سے یہ سلسلہ ملایا جاتا ہے۔ ہر کتاب میں " غیر معقب " بتایا گیا ہے " اور " تمام مؤرخین " کا اِس پر اتفاق ہے کہ۔ اُن سے نسل نہیں چلی "

" ابن قتیبہ نے " معارف میں " اِس کی تصریح کر دی ہے۔ اور صاف لکھا ہے کہ۔

" فاما عیسیٰ (بن مصعب) فقتل مع ابیہ ولا عقب لہٗ " (عیسیٰ " اپنے باپ کے ساتھ قتل ہو گئے۔ اور اُن کے کوئی عقب نہ تھا ") نہ " مصعب بن زبیر رض " کے کسی پوتے کا نام یا لقب " ہادی " بیان کیا گیا ہے " جس کے ذریعہ یہ سلسلہ متصل ہوتا ہو " (ص ۳۴۳)

اِس بیان کا فقرہ اوّل " ہمارے اُس جملہ کی بخوبی تصدیق کر رہا ہے۔ جسے لکھکر ہم نے پچھلی بحث کو ابھی ختم کیا ہے " ورنہ وہ یہاں " اگر کے ساتھ بھی " مخدوم صاحب اور نواب شہباز خاں " کے نسب ناموں کے کسی کتاب میں منقول ہونے کو ہرگز تسلیم نہ کرتے " جو مؤلف اس سے پہلے کسی " کنبو بزرگ " کے " نسباً زبیری ہونے سے " انکار مطلق کر چکا ہو " اور اُن کے شجرہ کو جو " حضرت مصعب رض بن حضرت زبیر رض پر منتہی ہوتا ہے مابعد کی موضوعات بتا چکا ہو " اور جسے اپنی تحقیقات کی سچائی پر پورا پورا وثوق ہو۔ تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اُسے اپنے رد کردہ شجرہ پر بحث کرنے کی ضرورت کیوں پیش آسکتی ہے " مگر جب انہوں نے اِس شجرے پر بحث کرنے کو ضروری خیال کیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ " مصباح العارفین " کے وجود کے بارے میں وہ اُوپر لکھ چکے ہیں " اُس سے خود بھی کسی نہج مطمئن نہیں ہیں " اور اُن کے دل میں آس کی طرف سے ڈر موجود ہے "

فقرہ دوم " میں مؤلف صاحب نے " اپنے ترکش کا سب سے زہریلا یعنی ہم تاتل میں بجھا ہوا تیر چلایا ہے۔ اور یہ سمجھکر کہ " نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری " اپنے زعم ناقص میں گویا اِس خاندان کی جڑ ہی کاٹ دی ہے "

ہم انہیں بتاتے ہیں کہ یہ تیر بھی نشانہ پر نہیں بیٹھا " اُن کا یہ بیان کہ " اُن کے فرزند " عیسیٰ " (بن مصعب رض) کو جن سے یہ سلسلہ ملایا جاتا ہے " ہر کتاب میں " غیر معقب " بتایا گیا ہے " اور " تمام مؤرخین کا " اِس پر اتفاق ہے کہ " اُن سے نسل نہیں چلی " قطعاً غلط اور حقیقت سے کوسوں دُور ہے "

حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کے خاندان عالی شان کے ہر زمانہ میں ممتاز رہتے چلے آنے کے متعلق ایک بیان

انہوں نے اپنے اُس جوش میں جو اِس خاندان کی طرف سے اُن کے دل میں موجزن ہے۔ یہ نہیں سوچا کہ تقدس سے علم و فضل سے جس خاندان کا ورثہ رہا ہو اور ذہانت جس کی گھٹی میں پڑی ہو۔ جس کے اِن اوصاف کے تذکروں اور قصّوں سے قدیم و جدید تاریخیں بھری پڑی ہوں تو اُس پر یہ تیر کارگر نہیں ہوسکتے۔ احمد خاں اکبر شاہی صاحب "شجرہ سہروردیہ" نے لکھا ہے کہ۔

"اِیں خاندان عالی شان در ہمہ اوان و از بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند" — یہ خاندان عالی شان ہر زمانے میں ہر طرح کی رعایت و اصناف تربیت سے ممتاز رہا ہے۔

"خزانۂ عامرہ" اور "ماٰثر الامرا" کے بیانات حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے خاندان کی علمی فضیلت و حدتِ ذہن کے بارے میں

اور سنئے علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے "تذکرہ خزانۂ عامرہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے اِس خاندان کے حضرات خدماتِ شرعیہ پر مامور رہے اور اب بھی ہیں" نیز "شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب" نے اپنی "تاریخ ہندوستان کی جلد ہفتم میں" اِس خاندان کے ایک بزرگ کی ذہانت کا وہ قصہ بیان کرکے جو "ماٰثر الامراء" میں بھی ہے "اِن الفاظ میں رائے ظاہر کی ہے کہ" (چنانچہ اکثر "اِس فرقہ کے آدمی" ہندمیں "حدّت ذہن میں" "مشہور رہیں")

حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے افرادِ خاندان کی طرف سے کسی غلط اور قابلِ گرفت بات کے پیش کئے جانے کا ناممکن ہونا

ماسوائے ان مؤرخین کے جب خود مؤلف صاحب نے بھی اُسے "ناموَر قوم" اور "دودمان عالی شان" لکھا ہو تو ایک ایسا علم و فضل اور ذہانت رکھنے والا خاندان "کوئی ایسی بات کیسے بیان کرسکتا ہے" جو ان مؤلف صاحب جیسے حضرات کی گرفت میں آسانی کے ساتھ آسکتی ہو "اور اُن کے تقدس و بزرگی نیز علم و فضل پر بھی حرف لاتی ہو" یہ شجرہ جو انہوں نے "شیخ ادہمن" کو بتلایا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے اپنی صداقت کا خود ایک بیّن ثبوت ہے "اگر یہ بزرگ زبیری نہ ہوتے تو ایک ایسے بزرگ سے جسے مؤلف صاحب لاعقب بتارہے ہیں" اپنا سلسلہ ہرگز نہ ملاتے ہندی النسل ہوتے اور عرب سے رشتہ ملانا ہی اُن کا مقصد ہوتا تو اُن کے لئے "سیّد" بن جانے میں کون اَمر مانع تھا" سیّد بننا یقیناً اُن کے لئے زبیری بننے سے زیادہ آسان تھا"

ابنِ قتیبہ کی غلط بیانی کی عریانی اور تردید خود مؤلف امروہوی کے قلم سے

مؤلف صاحب نے "صرف ایک کتاب "معارف ابن قتیبہ" کا اقتباس دیکر" ہر کتاب میں" اور "تمام مؤرخین کا اِس پر اتفاق ہے کہ"، جو الفاظ لکھے ہیں "اُن میں ذرہ برابر اصلیت نہیں ہے" وہ سراسر دھوکا ہیں" جسے ہم ثابت کریں گے"

اب رہا "مسلم ابن قتیبہ" کا بیان" تو اُس کے متعلق یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ کوئی مؤرخ یا نسّاب نہیں ہے "اُس کے ذرائع معلومات محدود ہیں۔ اور اُسکے واقفیات و حالات پر پورا عبور ہرگز حاصل نہیں ہے "اُس کی شان بس اِسی قدر ہے کہ آدھی تہائی بات کہتا ہے اور جس کی اولاد کا حال اُسے نہیں معلوم ہوتا۔ بے تامل اُسے غیر معقّب لکھ دیتا ہے۔ ہم چاہیں تو ایسی بہت سی مثالیں پیش کرسکتے ہیں کہ جن کو اُس نے غیر معقّب بتایا ہے" وہ صاحب اولاد تھے اور اُن سے نسلیں چلی ہیں "اُس کی واقفیت کی حقیقت دکھانے کے لئے پہلے ہم "اِن مؤلف صاحب" ہی کا وہ بیان جو معارف میں مندرج ایک واقعہ کی تردید میں ہے" پیش کرتے ہیں" صاحب موصوف نے اپنی کتاب "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم سنہ، صفحہ ۲۰ و ۱۹ کے حاشیہ پر جو نوٹ" ابن قتیبہ کی کتاب "معارف پر" اپنی طرف سے دیا ہے وہ یہ ہے کہ"

"ابن قتیبہ" نے "معارف" میں "آپ کے (حضرت بی بی فاطمہؓ کے) ایک صاحبزادے "محسن" کا ان الفاظ ذکر کیا ہے کہ "هلک وهو صغیراً" بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ "سقط جنیناً" لیکن یہ سب موضوعات ہیں" ولادت محسن سے قطع نظر کسی روایت سے ... کا حمل میں ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا"

ابن قتیبہ کی زندیقیت اور غلط بیانیوں" اور مؤلف امروہوی کے خاندان کے شجرہ خوان میراثیوں کی حیثیت پر شیخ علی احمد صاحب صدیقی کا تبصرہ

دوسرا بیان "شیخ علی احمد صاحب صدیقی" کا ہے "صاحب موصوف کا "عرض حال" کی سرخی کے تحت ایک مضمون ہمارے مؤلف صاحب ... کے عزیز قریبی "عبید اللہ صاحب فرحتی امروہوی" کی کسی تحقیق کے جواب میں "رسالہ القریش امرتسر" جلد ۲ نمبر ۶ بابت ماہ جون ۱۹۱۷ء میں ص ۵ تا ۶ پر درج ہے" اپنے مضمون میں ص ۵ پر "مسلم ابن قتیبہ" اور اس کی کتاب معارف کے متعلق "صدیقی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے"

"... المؤرخین" جناب مسلم بن قتیبہ" جن کو "فرحتی" "طبری" وغیرہم سے قدیم شخص تسلیم فرماتے ہیں۔ بلکہ "طبری" وغیرہم کیلئے انہیں تاریخ کا ماخذ جانتے ہیں۔ اگر یہی درست ہے تو بہ ادب مولانا ممدوح کی خدمت میں عرض کرنا خلاف تہذیب نہ ہوگا۔ کہ اُن کی (ابن قتیبہ کی) تاریخ یا تحقیق "ایسی مکمل نہیں کہ اس پر کسی کو حرف گیری کا حق نہ ہو" نہ اُن کی (ابن قتیبہ کی) صداقت ایسی ہے کہ اس کو نعوذ باللہ "آیہ کریمہ" کے مساوی سمجھا جائے۔ یا اُن کی (ابن قتیبہ کی) صداقت و تحقیق سے انحراف "ایمان بالغیب" سے انحراف سمجھا جا سکتا ہے "جب اُن کی (ابن قتیبہ کی) تحقیق و تدقیق کا یہ عالم ہے۔ کہ وہ دونوں کے مقلدین "حضرت رسولِ خدا صلعم" کی ذات بابرکات سے "غرانیق" ایسی بے بنیاد حدیث منسوب کرنے میں۔ ذرا تامل نہیں فرماتے" اور اس دافع شرک (رسول مقبول صلعم) کی زبان توحید سے "عزیٰ" "لات" اور "منات" کی عزت کو جائز قرار دیتے ہیں "(فاعتبروا یا اولی الابصار") ایک فرضی قصہ کو بلا صحت اپنی تصنیف میں داخل کر لینا کچھ گناہ نہیں سمجھتے۔ اور "رسول پاک صلعم" کی بے لوث ذات پر۔ ناپاک حملے کرنے سے نہیں ہچکچاتے" "تو مولانا فرحتی" جن کی مسلمہ قابلیت کا ہمیں اعتراف ہے۔ اور وسیع واقفیت کا احترام ہے" غور فرمائیں۔ کہ ان کا یہ لکھنا کہ "قاسم" "محمد" کا بیٹا تھا" اور وہ عرب میں عالم و فاضل تھا" کیونکر بلا چون و چرا ثابت کر سکتا ہے کہ "حضرت محمد شہید علیہ الرحمۃ" بجز "قاسم" کوئی اولاد نرینہ نہ رکھتے تھے" . . . . . ہمیں اپنے محفوظ شجرے کی صحت پر "مؤرخوں کی ایسی فاش غلطیوں کو دیکھتے ہوئے" جو ایک زمانے کو زندیق بنانے کا کافی سامان ہے۔ ہرگز کلام نہیں" . . . . . ص ۱۶ "کس طرح ایک مؤرخ کے مجمل فقرے پر اس کی صحت کو قربان کر دیا جائے" . . . . . اگر "مولانا فرحتی" مؤلف امروہوی کے ایک بزرگ، کے خاندان کی طرح۔ ہمارے ہاں بھی "میراثیوں کا" کچھ عمل دخل ہوتا تو ہم بھی خم ٹھونک کر "مولانا کے پاس۔ اس کا پیکٹ ارسال کر دیتے۔ تاکہ وہ "مولانا" یا اُن کے میراثی کی "تشفی کر دیتا" لیکن کیا کریں ع "ایں زمین را آسمانے دیگر است" . . . . . صدیقی" "فاروقی" اور "ہاشمی" "قریشیوں" اور "سیدوں کا آج تک شجرہ خواں کوئی میراثی نہیں۔ اور نہ ان کے بیاہ شادی کے موقعوں پر" کوئی میراثی" شجرے کشی کی خدمت انجام دیتا ہے" بلکہ اسے چلم بھری کے انہماک ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ جس کو وہ بصد ناز غنیمت جانتا ہے" لہٰذا یہ عرض کر دینا داخل گستاخی نہ ہوگا کہ مولانا فرحتی کے شجرہ مصدقہ میراثی سے "آل عدنان" کا مستفید ہونا ناممکن ہے"

صدیقی صاحب کے مضمون میں سے ہم صرف اسی ٹکڑے کو لینا چاہتے تھے" جس سے "مسلم ابن قتیبہ" کی حقیقت معلوم ہوتی ہے" لیکن اس میں دو باتیں اور نکل آئیں" پہلی تو یہ کہ "ہمارے مؤلف صاحب کے علاوہ اُن کے دیگر اعزا نے بھی "معارف" کو سند بنا کر اکثر "قریشی خاندانوں کے نسب پر خوب خوب خامہ فرسائی کی ہے" دوسری یہ کہ اُن کے خاندان یا گھرانے کے شجروں کی خواندگی "درستی" اور حفاظت میراثی کیا کرتے ہیں" لہٰذا ضیافت طبع کے لئے ہم نے ان باتوں پر روشنی ڈالنے والے فقروں کو بھی اس مضمون سے لیکر لکھدیا ہے"۔

عبدِ قصّی کی نسل چلنے کی شہادتیں جسے ابنِ قتیبہ نے منقطع بتایا ہے

اب ہم چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جن سے یہ حقیقت ظاہر ہوگی کہ جو اشخاص صاحبِ اولاد تھے اور ان سے نسل چلی ہے" مگر مسلم ابنِ قتیبہ نے " اپنی کتاب معارف میں " انہیں غیر معقب یعنی لاولد لکھا ہے "

(۱) تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۲۲۹ پر مؤلف صاحب نے لکھا ہے کہ " اِس مشہور سردار قریش " یعنی " جناب زید الملقب بہ قصّی " کے چار " اور بروایت دیگر چھ فرزند ہوئے " یعنی " عبد مناف " " عبد العزّیٰ " " عبد الدار " اور " عبد قصّی " یہ چاروں میر زادے اپنے زمانے کے نامور زعمائے قریش سے ہوئے " ان میں ایک کی نسل منقطع ہے " یعنی آخر الذکر (عبد قصّی) کے دو بیٹے " منہب " اور " وہب " ہوئے " لیکن ان سے نسل نہیں چلی " ابنِ قتیبہ کی سند سے مؤلف صاحب کا بیان ختم ہوا " اب ہم " عبد قصّی " کی پوری اولاد اور ان سے جو نسل چلی اُسے بتاتے ہیں " ملاحظہ ہو "
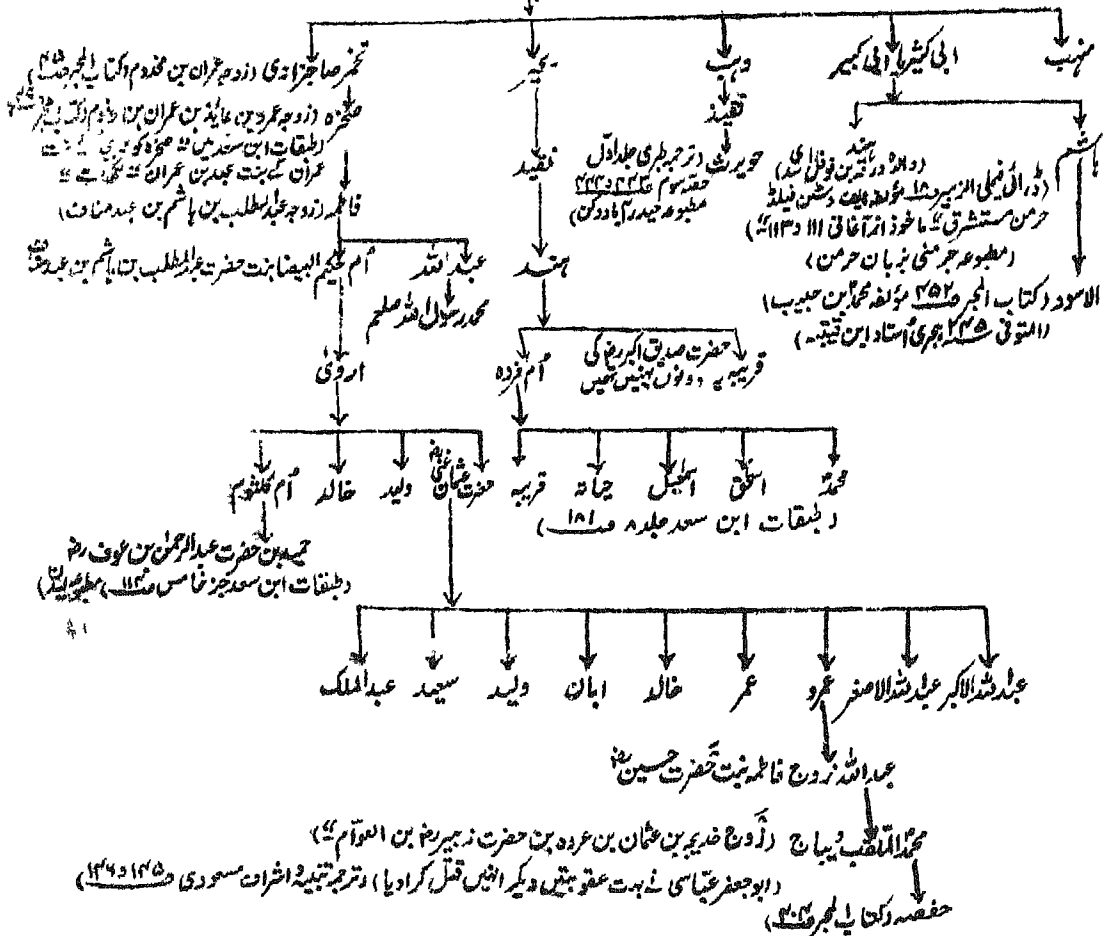
وہ متعدد بزرگ اصحابِ رسول صلعم جن کی اولاد ابن قتیبہ نے آدھی تہائی بتائی ہے

(۲) ابنِ قتیبہ" نے "حضرت زبیرؓ" کے دادا "جناب خویلد" کے کُل ایک صاحبزادی" اور تین صاحبزادے بتلائے ہیں" حالانکہ اُن کے "چار صاحبزادیاں" اور "چار صاحبزادے تھے" اُس کی عبارت یہ ہے کہ "فاطمہ بنت زائدہ بن اصم" آپ کی بیوی" مازن بن منصور" کے قبیلہ سے تھیں" اُم المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ" اور "عوام بن خویلد" کے علاوہ "نوفل بن خویلد" اور "حزام بن خویلد" آپ کی اولاد تھے" (ترجمہ معارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۳۵)

اب ہم ابنِ قتیبہ کے مقابلے میں "جناب خویلد" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ

- اُم المومنین حضرت خدیجہؓ
- ہالہ آنحضرت صلعم کی سمدھن حضرت زینبؓ کی ساس
- رقیقہ ← امیمہ
- خالدہ
- نوفل
- اسد
- حزام (حضرت حکیمؓ کے والد) (حضرت حکیمؓ آنحضرت صلعم کے لڑکپن کے تین دوستوں میں سے ایک تھے")
- العوام (حضرت زبیرؓ کے والد)
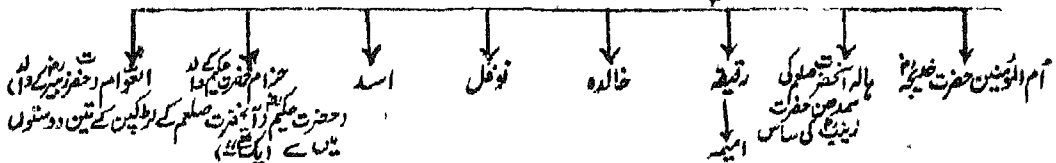
ڈاکٹر فیلی الزبیرؓ کے شجرے میں سوائے "رقیقہ" کے یہ سب نام موجود ہیں" اور "طبقات ابن سعد جز رابع کے صفحہ ۱۸ پر "امیمہ بنت رقیقہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ" کا حال تحریر ہے" نیز اکمال فی اسماء الرجال" کے صفحہ ۱۲ مطبوعہ کرزن پریس دہلی میں "حضرت امیمہ بنت رقیقہ بنت خویلد" کا حال اس طرح تحریر ہے کہ "آپ "بی بی خدیجہ رضؓ" کی بہن ہیں اور "اہلِ مدینہ میں آپ کا شمار ہے" اور کتاب المحبر کے صفحہ ۱ پر ہے کہ "خالدہ بنت خویلد" کے واسطے سے جو "بی بی خدیجہ رضؓ" کی بہن ہیں" علاج بن ابی سلمہ بن عبد العزیٰ بن عنیزہ" کے "آنحضرت صلعم" ساڑھو بنے"

(۳) ابن قتیبہ" نے "حضرت حکیم بن حزام بن خویلد" کے صرف تین بیٹے بتائے ہیں" حالانکہ آپ کے چھ صاحبزادوں کا حال ہمیں معلوم ہوا ہے" ترجمہ معارف ابن قتیبہ کے صفحہ ۱۰۹ پر تو آپ کے ایک صاحبزادے کا نام "عمر" لکھا ہے" اور صفحہ ۱۳۵ پر یہ عبارت لکھی ہے کہ "آپ کے صرف دو صاحبزادے "عبد اللہ" اور "ہشام" تھے"

اب ہم "حضرت حکیم بن حزام رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

حضرت حکیمؓ
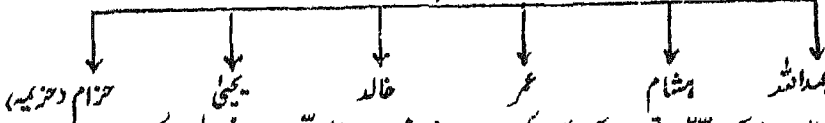
ڈاکٹر فیلی الزبیرؓ کے صفحہ ۲۳ پر تحریر ہے کہ "آپ کی بیوی "زینب" العوام بن خویلد" کی صاحبزادی (حضرت زبیرؓ کی بہن تھیں" اور ان بیوی سے آپ کے چار لڑکے "خالد" ہشام" یحییٰ" اور "عبد اللہ" ہوئے" جو اپنے والد بزرگوار ہی کی طرح "فتح مکہ" پر مسلمان ہوئے" اور اسی کتاب کے دیئے ہوئے شجرہ میں آپ کے دو صاحبزادوں "عمر" اور "حزام" کے نام بھی لکھے ہیں" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی دوسری بیوی کے بطن سے تھے" حزام بن حضرت حکیم" کا حال "نووی" کے صفحہ ۲۱۶ اور "ابن حجر" جلد ا کے صفحہ ۱۸ پر بھی موجود ہے"

(۴) ابن قتیبہ" نے "حضرت زبیرؓ" کے والد العوام بن خویلد" کی صرف چھ اولادیں لکھی ہیں" حالانکہ اُن کے

نو اولادیں تھیں۔ ترجمہ معارف ابن قتیبہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ پر تحریر ہے کہ "آپ کی (العوام کی) والدہ "مازن بن منصور" کے قبیلہ سے تھیں۔" آپ جنگ فجار میں کام آئے۔" آپ کی اولاد "زبیر رض" اور "سائب رض" اُمّ سائب صفیہ رض بنت عبد المطلب" کے بطن سے اور دیگر "عبد الرحمٰن" "اسود" "اصرم" اور "یعلیٰ" تھی۔" ان میں "زبیر رض" کے سوا کسی سے نسل نہیں چلی۔" ابن قتیبہ کے بیان میں العوام کا ایک بیٹا کم ہے۔" اور بیٹیوں کا ذکر تو مطلق نہیں ہے۔"

ابن قتیبہ نے اپنے بیان میں العوّام کی اولاد میں تین نام کم بتانے کے علاوہ یہ بھی غلط لکھا ہے کہ "حضرت صفیہ رض" کے بطن سے اُن کے صرف دو صاحبزادے "حضرت زبیر رض" اور "حضرت سائب رض" تھے۔" صحیح یہ ہے کہ "حضرت صفیہ رض" کے بطن سے العوّام کے تین صاحبزادے تھے۔"

طبقات میں ہے کہ "جاہلیت میں حضرت صفیہ رض" کی شادی "الحارث بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی" سے ہوئی تھی جن سے "حضرت صفیہ رض" کے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔" پہلے شوہر کے انتقال کے بعد آپ کی شادی "العوّام بن خویلد بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصی" سے ہوئی۔ جن سے "الزبیر رض" "السائب رض" اور "عبد الکعبہ" آپ کے تین فرزند پیدا ہوئے۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۶۔ صفحہ ۲۷)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "عبد الرحمٰن رض" کا اصلی نام "عبد الکعبہ" تھا۔" اسلام لانے پر "رسول اللہ صلعم" نے نام بدل دیا۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳۔ صفحہ ۱۳۱) (ڈائی فیملی الزبیر رض صفحہ ۲۷)

اب ہم "ابن قتیبہ" کے مقابلہ میں "جناب العوّام" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔" جس سے اس کی غلط بیانی پورے طور سے ظاہر ہو جاتی ہے۔"

العوّام بن خویلد بن اسد

↓

بجیر یا بُغیر — اسود — اُصرم — یُعلیٰ — سائب رض — عبد الکعبہ (عبد الرحمٰن رض) — زبیر رض — زینب رض زوجہ حکیم بن حزام — اُم حبیب رض زوجہ خالد بن حزام رض

عبد الکعبہ (عبد الرحمٰن رض) ↓ عبد اللہ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۱)

زینب رض ↓ عبد اللہ — خالد — ہشام — یحییٰ

اُم حبیب رض ↓ اُم الحسن

(ابن حجر جلد ۴ صفحہ ۲۸۵ و ۵۳۸)
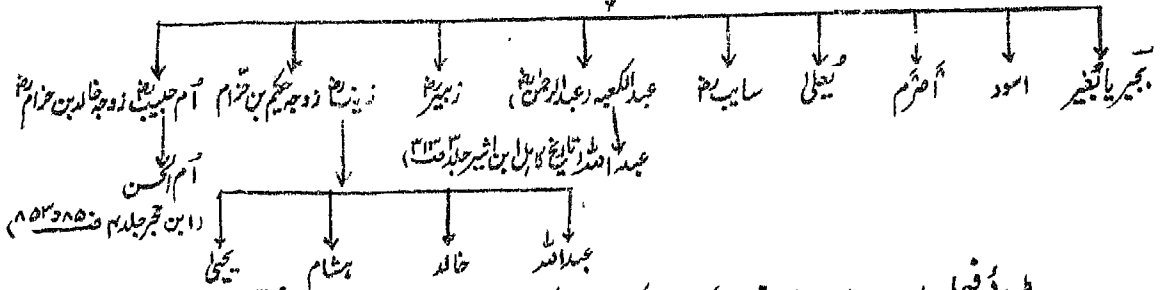
"ڈائی فیملی الزبیر رض" کے صفحہ ۲۶ پر تحریر ہے کہ "ان کی (العوّام کی) دو بیٹیاں "زینت" اور "اُمّ حبیب" تھیں" اور سات بیٹے "بجیر یا بغیر" (BUGAIR) "عبد الرحمٰن" "اسود" "اُصرم" "یعلیٰ" "السائب" اور "الزبیر رض" تھے۔"

(۵) ابن قتیبہ نے "حضرت زبیر رض" کی بیٹیوں کی کوئی تفصیل نہیں دی۔" صرف اُن کی ایک بی بی کا نام بتا کر اُن کی اولاد کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "عبد اللہ" "عاصم" "عروہ" "منذر" "اُم الحسن" (حضرت) اسماء رض بنت حضرت ابو بکر صدیق رض" کے بطن سے "مصعب" "حمزہ" "رملہ" "خالد" "عمرو" "عبیدہ" "جعفر" "خدیجہ" اور "عائشہ" وغیرہ نو صاحبزادیاں تھیں۔"

(ترجمہ المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ مترجمہ محمد عبد الواحد آسی پریس لکھنؤ)

ابن قتیبہ کے بیان میں دو غلطیاں ہیں۔" اوّل یہ کہ "حضرت اسماء رض" کے بطن سے جو صرف پانچ اولادیں اس نے بتائی ہیں" یہ تعداد صحیح نہیں ہے۔" حضرت اسماء رض" سے آپ کے آٹھ اولادیں بتفصیل ذیل تھیں۔"

"عبد اللہ" "عروہ" "منذر" "عاصم" "مہاجر" "رجاء" "خدیجۃ الکبریٰ" "اُم الحسن"

دوم یہ کہ "ابن قتیبہ" نے "حضرت زبیر رضؓ" کے جو دس صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں بتائی ہیں" اس تعداد میں دو کی کمی ہے حضرت زبیر رضؓ کے بارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تھیں "ابن سعد نے سب کے نام بالتفصیل اس طرح لکھے ہیں کہ جن بی بی سے جو اولاد ہوئی ہے" اس کے نسب کو اور اس کی اولاد کو الگ الگ بتا دیا ہے" (دیکھو طبقات ابن سعد جلد دوم ص ۷۳ مطبوعہ لیدن")

اب ہم "ابن قتیبہ" کی تحریر کے مقابلہ میں "حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

حضرت زبیر رضؓ

1. عبداللہ
2. عروہ
3. منذر
4. عاصم
5. مہاجر
6. رجاء
7. خالد
8. عمرو
9. مصعب
10. حمزہ
11. عبیدہ
12. جعفر

1. خدیجۃ الکبریٰ
2. ام الحسن
3. عائشہ
4. حبیبہ
5. سودہ
6. ہند
7. رملہ
8. زینب
9. خدیجۃ الصغریٰ
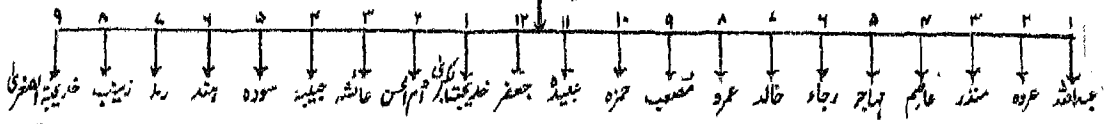
(۶) ابن قتیبہ نے عمرو بن حضرت زبیر رضؓ کی اولاد کے متعلق" المعارف کے ص ۱۳۷ پر صرف یہ عبارت لکھی ہے کہ "عمرو بن حضرت زبیر رضؓ" کا بیٹا "عمرو بن عمرو" ہے" ان کی اور اولاد کے متعلق اسے کچھ معلوم نہیں ہے"

اب ہم ابن قتیبہ کی تحریر کے مقابلہ میں "عمرو بن حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

عمرو بن حضرت زبیر رضؓ

- محمد
- عمرو
- ام عمرو
- حبیبہ
- ام عمرو

(دیکھو طبقات ابن سعد جزو خامس ص ۱۳۷)

(۷) ابن قتیبہ نے "عبیدہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی کسی اولاد ذکور و اناث کا نام نہیں بتایا" صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "عبیدہ" کی نسل باقی ہے" طبقات ابن سعد" جزو خامس کے ص ۱۳۵ پر لکھا ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے "منذر" اور ایک صاحبزادی "زینب" تھیں"

عبیدہ بن حضرت زبیر رضؓ

- المنذر
- زینب

(۸) ابن قتیبہ نے "ترجمہ المعارف جلد اوّل کے ص ۱۳۸ پر "منذر بن حضرت زبیر رضؓ" اور آپ کی اولاد کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ "منذر رضؓ" اپنی کنیت "ابو عثمان" کیا کرتے تھے" ان کا ایک لڑکا "محمد بن منذر" ہے" جو "ابو زید" اپنی کنیت کیا کرتے تھے"

اب ہم ابن قتیبہ کے بیان کے مقابلہ میں "منذر بن حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو طبقات ابن سعد جزو خامس کے ص ۱۳۵ پر درج ہے۔

منذر بن حضرت زبیر رضؓ

- عثمان
- محمد
  - زید
  - فلیح (الجزء الرابع من التاریخ الکبیر مؤلفہ امام بخاری ص ۱۳۳ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد)
- عبدالرحمٰن
- ابراہیم
- عبیداللہ
  - منذر (الجزء الرابع تاریخ الکبیر ص ۳۵۸ امام بخاری رح)
- عمرو
- ابو عبیدہ
- معاویہ
- عاصم
  - عبداللہ
    - بکار (سلیمان) ثانی فیملی الزبیر رضؓ
      - احمد ابو عبداللہ الزبیری محدث (کتاب الانساب امام سمعانی و ثانی فیملی الزبیر رضؓ)
- عمر
- عبداللہ
- عون
- قریبہ
- فاطمہ (زوجہ ہشام بن عروہ بن حضرت زبیر رضؓ) (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۵)
  - عروہ
  - محمد

(۹) ابنِ قتیبہ نے "خالد بن حضرت زبیرؓ" کی اولاد کا تذکرہ "ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "خالد بن حضرت زبیرؓ" کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" نے "یمن کا حاکم بنایا تھا۔ اُن کی نسل باقی ہے" منجملہ اُن کے "خالد بن عثمان بن خالد بن حضرت زبیرؓ" تھے۔ انہوں نے "محمد حسنی (نفس ذکیہ) کے ساتھ خروج کیا تھا" (ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اوّل ص۱۳۵)

ابن قتیبہ نے "خالد بن حضرت زبیرؓ" کے صاحبزادے کا نام "عثمان" اور پوتے کا نام "خالد" جو لکھا ہے "یہ صحیح نہیں ہے" محمد الحسنی یا محمد نفس ذکیہ" کے ساتھ ۱۴۵ھ ہجری میں "ابوجعفر منصور عباسی" پر خروج کرنے والے "عثمان بن محمد الاصغر بن خالد بن حضرت زبیرؓ" اور "عثمان کے صاحبزادے محمد تھے" عثمان ۔خالد بن حضرت زبیرؓ" کے کسی بیٹے کا نام نہیں تھا"

ابن قتیبہ "خالد بن حضرت زبیرؓ" کی بارہ اولادوں میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں بتا سکا ہے"

اب ہم "طبقات ابن سعد جز خامس کے ص۱۳۷ سے لیکر آپ کی اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"
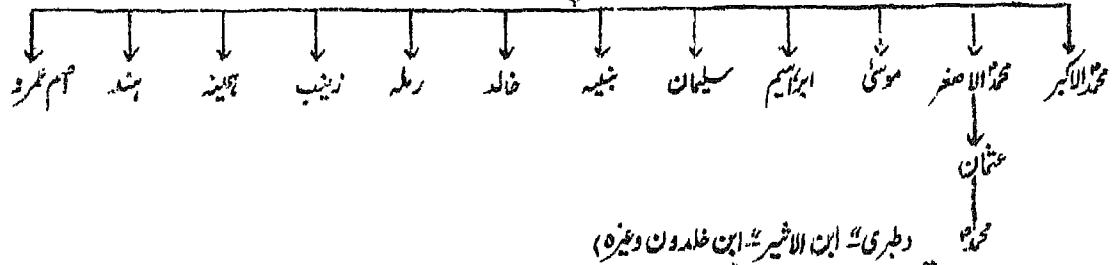
(طبری، ابن الاثیر، ابن خلدون وغیرہ)

(۱۰) ابن قتیبہ نے "جعفر بن حضرت زبیرؓ" کی ازواج و اولاد کا کچھ حال بیان نہیں کیا ہے" اور ترجمہ المعارف جلد اوّل کے ص۱۳۷ پر صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کر لیا ہے کہ "ان کی نسل، مدینہ میں ہے" اس لئے ہم "طبقات ابن سعد جز خامس کے ص۱۳۶ و ۱۳۷ سے لے کر اُن کی پوری اولاد کا نقشہ دیتے ہیں"

(اغانی جلد ۱۳ ص۱۰۶)
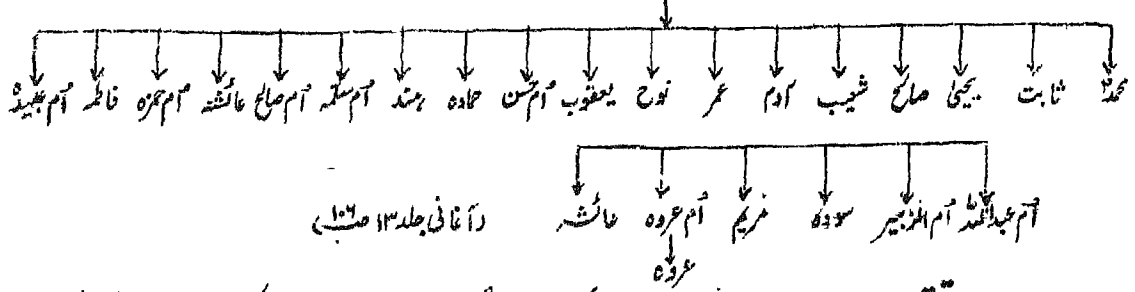
(۱۱) ابن قتیبہ نے "المعارف کے جلد اوّل کے ص۱۳۷ پر لکھا ہے کہ "عاصم بن حضرت زبیرؓ" لڑکپن ہی میں انتقال کر گئے تھے" اُن کی نسل باقی نہیں"

(۱۲) ابن قتیبہ نے اپنی کتاب کے ص۱۳۷ پر "حمزہ بن حضرت زبیرؓ" کے متعلق لکھا ہے کہ "حمزہ بن الزبیرؓ" حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے ساتھ "مکہ میں مقتول ہوئے" اُن کے کوئی اولاد نہیں"

طبقات ابن سعد جز خامس کے ص۱۳۸ و ۱۳۹ پر تحریر ہے کہ "حمزہ" کے صرف ایک لڑکا "عمارہ" پیدا ہوا تھا جس نے اُن کے حین حیات ہی میں وفات پائی"

(۱۳) ابن قتیبہ نے "المعارف" جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ پر حضرت عروہ بن حضرت زبیر رضؓ کی اولاد کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ "اُن کی اولاد۔ محمد، یحییٰ، عثمان، عمرو، عبداللہ، مصعب، عبیداللہ اور ہشام تھے" یعنی دس بیٹوں میں سے کل آٹھ بتلائے ہیں۔ اور اُن کی اولاد میں کسی ایک بھی لڑکی کا ہونا بیان نہیں کیا ہے۔ حالانکہ حضرت عروہؓ کے چھ صاحبزادیاں بھی تھیں۔

اب ہم ابن قتیبہ کے بیان کے مقابلہ میں "طبقات ابن سعد جزء خامس کے صفحہ ۱۳۵ سے لیکر حضرت عروہ رضؓ کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

عروہ بن حضرت زبیرؓ

- عبداللہ ← صالح ← عامر (طبقات ابن سعد جزء ۵ صفحہ ۳۲۲) ← حارث (طبقات ابن سعد جزء ۵ صفحہ ۳۲۲) (آغانی جلد ا صفحہ ۱۲)
- عمر
- اسود
- یحییٰ
- محمد
- عثمان ← مصعب، محمد، یحییٰ (ابن قتیبہ صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۵) (و ڈائی فیلی الزبیر صفحہ ۳۲۲)
- ابوبکر
- ہشام ← عروہ، محمد، منذر۔ (بکر) (کتاب الانساب) امام سمعانی) (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۵)
- عبیداللہ
- مصعب ← عمار ← مصعب (آغانی جلد ا صفحہ ۶)
- ام کلثوم
- عائشہ
- ام عمر
- عائشہ
- خدیجہ
- صفیہ

ابن قتیبہ کی تدلیقیت اور تاریخی ناواقفیت کا مقابلہ "محمد ابن سعد کی حیثیت و واقفیت اور شان و مرتبہ سے"

علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ "ہم نے اپنی کتاب اوسط میں "حضرت مصعبؓ کے حالات اور اُن کی بیویوں میں سے "سکینہ بنت حسینؑ" "عائشہ بنت طلحہؓ" اور "لیلےٰ" وغیرہ کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں" (مروج الذہب و معدن الجواہر مسعودی جلد دوم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) و مترجم مروج الذہب صفحہ ۳۵ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

"کتاب اوسط" کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہم اُس سے استفادہ نہیں کر سکے "تاریخ طبری" کی طرح شاید اُس میں بھی کوئی بات نکل آتی "مگر جو کچھ اب تک معلوم ہو چکا ہے اُس سے زاید کی ہمیں کیونکہ کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے" اس لئے "یہ دکھا چکنے کے بعد کہ "ابن قتیبہ کی بعض روایتوں سے ہمارے مؤلف صاحب بھی مطمئن نہیں ہیں"

(۱) انہوں نے "محسنؑ" کے متعلق اُس کی روایت کو موضوعات سے بتا کر اُس کے تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کر دیا ہے"

(۲) اور اُسے اپنی کتاب المعارف میں "غرانیق" جیسی بے بنیاد حدیث کو "جس میں "عزیٰ" لات و مناف بتوں کی عزت کو۔ دافع شرک رسولِ مقبول صلعم کی زبان توحید سے جائز قرار دیا ہے۔ بلا بحث۔ داخل کر لینے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں ہوا"

(۳) نیز اُس نے جو بھی غلط سلط اور آدھی تہائی باتیں کسی کی زبان سے سُنی ہیں اُنہیں کو من و عن اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے "تحقیق و تلاش واقعات میں کوئی کوشش نہیں کی" اُس کی معلومات کا یہ حال ہے کہ "کسی کی بیویوں اور اولاد کے نام تو درکنار رہے۔ وہ اُن کی تعداد تک سے ناواقف ہے" ایک ہی خاندان کے صرف چند بزرگوں کی ازدواج و اولاد کو اُس کی کتاب سے لیکر بطور مثال ہم اوپر لکھ آئے ہیں" اُس کے مقابلہ میں "ابنِ سعد" کا بیان "ابن قتیبہ" کی عدم واقفیت پر خود شاہد عادل ہے"

(۴) پھر اُس نے اسی قدر اکتفا نہیں کیا ہے" بلکہ جو لوگ صاحب اولاد تھے اور اُن کی نسلیں آج تک موجود ہیں اپنی حماقت سے بلا تحقیق کئے ہوئے اُن کو مقطوع النسل بتا کر لکھ دیا ہے کہ اُن سے نسل نہیں چلی" بہت سی مثالوں میں سے دو کافی سمجھکر "عبد قصیٰ" اور حضرت زبیر رضؓ کے بھائی "عبدالرحمٰن" نیز اُن کی بہنوں کی نسلیں ہم نے اوپر دکھا دی ہیں جن سے "ابنِ قتیبہ" کے ان بیانات

کا بطلان بھی بخوبی ہو گیا " اور ہمارا یہ بیان بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ " ابن قتیبہ دینوری " معتبر یعنی حالات سے واقف مورخ و نسّاب ہرگز نہیں ہے " نیز اُسے جھوٹ و سچ میں امتیاز کرنے کی بھی مطلق اہلیت نہیں ہے "

لہٰذا اُس کی حالت دکھا کر اب ہم " ابن سعد " کی حیثیت کی طرف توجہ کرتے ہیں " ابن قتیبہ " کے مقابلہ میں جو بیانات " ابن سعد " کے ہم نے اُوپر دیئے ہیں " اُن کو دیکھنے سے ہی اُن کی عُلوئے مرتبت و شان میں کسی چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر ہم مزید معلومات کے لئے لکھتے ہیں کہ " آپ کا زمانہ ابن قتیبہ " سے نصف صدی قبل کا ہے " ابن قتیبہ ۲۱۳ھ ہجری میں پیدا ہوا اور اُس کی وفات ۲۷۶ھ ہجری میں ہوئی ہے " محمد ابن سعد " ۱۶۵ھ ہجری میں عالم وجود میں آئے۔ اور آپ کا انتقال ۲۳۰ھ ہجری میں ہوا۔ آپ " محمد بن عمر الواقدی " کے شاگرد ہیں " جن کی ولادت کا زمانہ ۱۳۰ھ ہجری۔ اور زمانۂ وفات ۲۰۷ھ ہجری ہے " الواقدی " مدینہ منورہ " کے رہنے والے تھے " انہوں نے وہ لڑائی دیکھی تھی جو ۱۴۵ھ ہجری میں " منصور عبّاسی " کی چالیس ہزار فوج سے " محمد نفس ذکیہ " کی حمایت میں " زبیری اَسَدی " قبیلہ نے لڑی تھی " اور اپنی کل تعداد تین سو ہونے پر بھی " ایسی شجاعت کا اظہار کیا تھا " جس کی وجہ سے " منصور " کی اِس کثیر فوج کے چھکے چھوٹ گئے تھے اور خود اُس پر خواب و خور حرام ہو گیا تھا " اس لڑائی میں " سیدنا مصعب بن حضرت زبیر رض " کے پوتوں نے بہادری کے جو کام کئے " چشم فلک نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ وہ اپنی نظیر آپ ہیں " عیسیٰ بن مصعب بن حضرت مصعب بن حضرت زبیر " اور " ابراہیم بن جعفر بن حضرت مصعب بن حضرت زبیر رض " شہید ہوئے " اور بھی اکثر شہید و زخمی ہوئے " محمد النفس ذکیہ " بھی جب شہید ہو گئے۔ تو باقی ماندہ میں سے کچھ وہیں رُوپوش ہو گئے اور کچھ نے سرحدی مقامات پر جا کر پناہ لی " ابو جعفر منصور عبّاسی " پر اُن کی شجاعت اور بہادری کا جیسا اثر پڑا تھا۔ اُس کے متعلق " طبری " نے لکھا ہے کہ " ابو جعفر (منصور) کہا کرتے تھے کہ اگر " آلِ زبیر رض " کے ہزار آدمی مجھے ایسے ملیں جو سب کے سب نیک اور متقی ہوں۔ اور اُن میں صرف ایک بد ہو تو میں سب کو قتل کر دوں ") (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن) و (طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۶)

مگر ہم یہاں نہ تو اس جنگ کی تفصیل میں جا سکتے ہیں نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ " زبیری و اسدی " جو باہر چلے گئے وہ کن کن ممالک میں جا کر مقیم ہوئے " اور وہیں رُوپوش ہو جانے والوں نے پھر کس طرح اِقتدار حاصل کیا " مگر ہم یہاں واقدی کا ذکر کر رہے ہیں "

غرضکہ " جناب واقدی " نے اِس خاندان کا انتشار ہی نہیں دیکھا تھا بلکہ ——— اِس خاندان والوں سے بوجہ ہم وطنی ان کے تعلقات بھی تھے " طبقات ابن سعد " جزو خامس کے صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۹ پر " واقدی رح " کا خود کا بیان تحریر ہے کہ " سیدنا ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رض " گورنر و قاضی مدینہ " المتوفی ۱۹۵ھ ہجری نے " ہارون رشید " کے وزیر " یحییٰ " کے پاس اُن کی سفارش کی تھی " جس پر اُس نے انہیں اور رقموں کے علاوہ ایک دفعہ تیس ہزار درہم دلوائے اور بعد " بغداد " کے ایک حصہ کا قاضی بنا دیا "

یہاں ہمیں یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ " جناب واقدی رح " بہت بڑے مؤرخ اور نسّاب ہونے کے علاوہ محدّث بھی اعلیٰ پایہ کے ہیں " جن چند لوگوں نے اُن پر اعتراض وارد کئے ہیں " شاید وہ آپ کی کتاب " فتوح الشام و مصر و ایران " میں ہر ہر قبیلہ کے سرداروں اور افسروں کے ماسوائے اکثر سپاہیوں تک کے طُولانی رجز " اُن کی مافوق بہادریوں اور غیر معمولی جوش کی اِس قدر تفصیلی حالات دیکھ کر سٹپٹا گئے ہیں۔ اور اپنے اِس زمانہ کے ماحول میں آنکھ کھولنے نیز پرورش پانے کی وجہ سے یہ باتیں اُن کی سمجھ میں نہیں آ سکیں " مگر بہت علماء اُن کی واقفیت اور عُلوئے شانِ علم کے دل سے معترف اور قایل ہیں " لیکن یہاں اُن کی احادیث اور فتوح الشام و مصر و ایران پر بحث ہمارے مقصد سے قطعاً خارج ہے " ہم کو صرف اُن کا زمانہ " وطن " اور " خاندان حضرت زبیر " سے اُن کی واقفیت و تعلقات کو دکھانا مقصود تھا جسے ہم نے مجمل طور سے دکھا دیا ہے "

"ابوبکر بکار زبیری" جن کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ اُن کے فرزند "زبیر بن ابوبکر بکار" قاضی مکہ معظمہ" جن کی ولادت ۱۷۲ ہجری میں اور وفات ۲۵۶ ہجری میں ہوئی "وہ بزرگ ہیں جنہوں نے "ایسی مشہور اور معتبر کتاب "انساب القریش" لکھی" جو آپ کے زمانہ والوں کیلئے نیز بعد والوں کے لئے شمع ہدایت تھی۔ علم الانساب کی اکثر کتابوں میں اُس کا حوالہ موجود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب وہ نہیں ملتی "علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی" مصنف "معجم المصنفین" نے ہم سے فرمایا کہ "مصر و شام" جا کر میں نے "انساب القریش" کی تلاش کی تھی۔ میں تلاش کرتے ہار گیا کہیں اس کا پتہ نہیں چلا "جس وقت "جناب واقدی" کا انتقال ہوا ہے "زبیر بن ابو بکار" کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی اور "محمد ابن سعد" صاحب طبقات بیالیس برس کے تھے "تعلقات مندرجہ بالا کی وجہ سے "واقدی رح" نے "ابوبکر بکار" سے اور "محمد ابن سعد" نے اپنے استاد کے علاوہ "زبیر بن ابوبکر بکار" اور اُن کی کتاب "انساب القریش" سے بھی استفادہ کیا تھا"

علامہ شبلی نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی" جلد اوّل کے صـ۲۴ پر تحریر فرمایا ہے کہ "ابن سعد" نے "آنحضرت صلعم" اور صحابہ وتابعین" کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی ہے کہ آج تک اُس کا جواب نہ ہو سکا"

"ابن سعد" مشہور محدث بھی ہیں "بلاذری" جو مشہور مؤرخ ہیں۔ وہ انہیں کے شاگرد ہیں" ابن سعد کی کتاب کا نام طبقات ہے جو بارہ جلدوں میں ہے "یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی "یہ کتاب جس طرح ملی اُس کا حال ہم اوپر لکھ چکے ہیں" اس لئے یہاں پر اعادہ کی ضرورت نہیں ہے"

صاحب "المعارف" "مسلم ابن قتیبہ" کی حالت اور "محمد ابن سعد صاحب طبقات" کی حیثیت بتا دینے کے بعد" اب ہمیں یہ دکھانا ہے کہ "سیدنا حضرت مصعب رض بن حضرت زبیر رض" کی ازواج و اولاد کے متعلق ان دونوں کی واقفیت میں کیا فرق ہے" نیز یہ کہ "عیسیٰ بن حضرت مصعب رض" کے بے اولاد شہید ہو جانے اور اُن کی نسل نہ چلنے کی "ابن قتیبہ" کے بیان کی کیا حقیقت ہے" اور اُس میں سچائی یا جھوٹ کا کس قدر دخل ہے"

"سیدنا حضرت مصعب رض بن حضرت زبیر رض کی ازواج و اولاد کے متعلق "ابن قتیبہ" کا بیان"

"المعارف" "ابن قتیبہ" میں لکھا ہے کہ "حضرت مصعب رض" اپنی کنیت "ابو عبداللہ" کیا کرتے تھے" حضرت مصعب رض" کی اولاد "عیسیٰ" "عکاشہ" "عمرو" "جعفر" "حمزہ" "سعد" "مصعب" الملقب بہ جصین" اور "محمد" تھے۔

(الف) "عیسیٰ" اپنے باپ کے ساتھ قتل ہوئے۔ اور اُنہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی"

(ب) "عکاشہ" کی نسل "مدینہ" میں ہے" اُن کے صاحبزادے "مصعب بن عکاشہ" قدید کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ "قدید" اُس واقعہ کا نام ہے جس میں "ابو حمزہ خارجی" مقتول ہوا۔ اُس نے "یمن" سے خروج کیا تھا۔ اور "مکہ و مدینہ" پر قابض ہو گیا تھا۔ پھر وہ "شام" کی طرف متوجہ ہوا اور مارا گیا" (۱۳۰ ہجری میں اُس نے مدینہ پر قبضہ کیا تھا"،

(ج) "جعفر" نے "ملیکہ بنت حسن بن حسین بن حضرت علی رض بن ابی طالب" سے عقد کیا تھا۔ اور اُن سے چند لڑکیاں ہوئیں اُن کی اولاد دوسری بی بی سے بھی ہے"

(د) "حمزہ" معہ اپنے صاحبزادے "عمارہ" کے "قدید" کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ اُن کی نسل "اصل بنیلہ" میں ہے۔

(ترجمہ کتاب المعارف ابن قتیبہ" جلد اوّل صـ۱۳۸ و ۱۳۹)

نقشہ اولاد "سیدنا مصعب بن حضرت زبیر رض" مطابق بیان "ابن قتیبہ"

عیسیٰ	عکاشہ	عمرو	جعفر	حمزہ	سعد	مصعب الملقب بجصین	محمد
	مصعب			عمارہ			
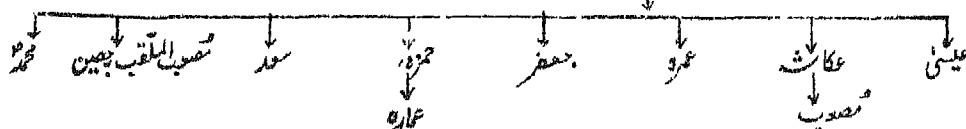
"سیدنا حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ کی" ازواج و اولاد کے متعلق "ابن سعد" کا بیان"

"طبقات ابن سعد" میں تحریر ہے کہ۔

(۱) "عکاشہ" "عیسیٰ الاکبر" جو اپنے والد کے ساتھ مقتول ہوئے" اور "سکینہ" ان تینوں کی ماں "فاطمہ بنت عبداللہ بن السائب بن ابی جیش بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی" تھیں۔

(۲) "عبداللہ بن مصعب" اور "محمد" ان دونوں کی والدہ "حضرت عائشہ بنت طلحہؓ بن عبیداللہ" تھیں" اور "عائشہ" کی ماں "ام کلثوم بنت حضرت ابوبکر صدیق ؓ" تھیں۔

(۳) "حمزہ" "عاصم" اور "عمر" یہ تینوں "ام ولد" کے بطن سے تھے"

(۴) "جعفر" یہ بھی "ایک لونڈی" کے بطن سے تھے"

(۵) "مصعب بن مصعب" یہ بھی "ایک ام ولد" کے بطن سے تھے" اور ان کا لقب "خضیبہ" تھا"

(۶) "سعد" ایک ام ولد" کے بطن سے تھے"

(۷) "منذر" ایک ام ولد" کے بطن سے تھے"

(۸) "عیسیٰ الاصغر" ایک ام ولد" کے بطن سے تھے"

(۹) "رباب بنت مصعبؓ" ان صاحبزادی کی والدہ "سکینہ بنت حسینؓ" تھیں۔

(۱۰) "سکینہ بنت مصعبؓ" ان کی ماں "ایک ام ولد لونڈی" تھیں۔

کہا راوی نے "بیان کیا مجھ سے" مصعب بن عبداللہ الزبیری (بن ثابت بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ بن العوام") نے کہا کہ "مصعب بن حضرت زبیرؓ" کی کنیت "ابو عبداللہ" تھی۔ مگر ان کا کوئی لڑکا "عبداللہ" نام کا نہ تھا"

(طبقات ابن سعد جزء خامس صفحہ ۱۳۵)

تاریخ طبری میں ۶۰ھ ہجری کے حالات میں لکھا ہے کہ "اصفہان" اس زمانہ میں "اسمٰعیل بن طلحہ بن مصعب بن حضرت زبیرؓ" کی جاگیر میں تھا۔ اور "عتاب" (عتاب بن ورقا) "اس کے حاکم تھے"

(مترجمہ تاریخ طبری جلد دوم حصہ دوم صفحہ ۲۲۱) مترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی ایم۔اے)
(مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

۲۸۴
نقشہ اولاد سیدنا مصعب بن حضرت زبیرؓ مطابق بیان ابن سعدؒ
عکاشہ
مصعب (ابن قتیبہ)
عیسیٰ الاکبر
ہادی
ایوب
یعقوب
داؤد
سلیمان
محمد
نوح
عیسیٰ
شیخ حسن
شیخ کمال الدین
شیخ حسین
ابراہیم
اسمٰعیل
جمال الدین
خواجہ فتح اللہؒ ــــــ رئیس ملتان (شجرۂ سہروردی)
خواجہ فخر الدین عرف بڈھؒ (رئیس ملتان)
فضل اللہ ــــــ رئیس ملتان (سیرۃ العارفین)
حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز
حضرت مخدوم شیخ بہاؤ الدین قدس سرہٗ العزیز زبیری گنگوہی ملتانی دہلوی
عبداللہ
محمدؒ
حمزہ
عمارہ (ابن قتیبہ)
حمزہ
ابو اسحٰق ابراہیم محدّث
(طبقات ابن سعدؒ و کتاب الانساب)
امام سمعانی
عاصم
عمر
جعفر
ابراہیم
اَمۃ الجبار دختر
(از انی نیل الزبیرؓ)
مصعب
المطلب
عیسیٰ
عثمان
کثیر
ابنہ
(تاریخ طبریؒ و تاریخ کامل ابن الاثیرؒ)
سعد
منذر
عیسیٰ الاصغر
طلحہ
اسمٰعیل
(تاریخ طبری)
سکینہ
رباب (فاطمہ)
سکینہ
زوجہ عثمان بن عروہ بن حضرت زبیرؓ

حکیم ولدار احمد ابنِ حکیم امداد حسین ابنِ حکیم عنایت حسین
حکیم ابو سعید احمد
شکیلہ جان
زوجہ احمد جان
حسینہ جان
زوجہ عبد الرحمن
جمیلہ جان
زوجہ ظہور الحسن
معشوق فاطمہ
محی الدین احمد
شمس الدین محمود
شمس النساء بیگم
سردار فاطمہ
زوجہ حکیم محمد اصلح
محمودہ جان
زوجہ عبد الصمد
سرور الحسن
زوجہ حمیدہ فاطمہ
مظہر الحسن
زوجہ کنیز بتول
انوار احمد
محمد میاں
مدینی بیگم
لاولد
محمد زبیر
زوجہ زاہدہ خاتون
بنت سرور الحسن
فضل فاطمہ
کنیز بتول
زوجہ
مظہر الحسن
شفیق فاطمہ
حسن بانو
خلیل احمد
جمال احمد
حمیرہ بانو
یسین فاطمہ
فضل اللہ
فضل الرحمن
خلیل الرحمن
ضیاء الدین
بشیر الدین
صالحہ خاتون
رضیہ خاتون
زوجہ حسن احمد
زاہدہ خاتون
زوجہ محمد زبیر
ابن حکیم محمد اصلح
ظہور حمیدہ
محمد یوسف
محمد ابراہیم
سعیدہ عظمت
رشیدہ عظمت
وحیدہ عظمت
حمیدہ عظمت
راشدہ عظمت
ناصرہ عظمت
انوار احمد
زوجہ
معشوق فاطمہ
اعجاز فاطمہ
زوجہ
ایوب حسن
حسین احمد
مؤلف
کتاب ندا
حسن احمد
زوجہ
رضیہ خاتون
حسن بانو
امداد احمد
زوجہ
خورشید بانو
حسن محمد شفیع
حسن حمیدہ خاتون
حسن محمد اکمل
اسمٰعیل حسن
زوجہ
مبارک فاطمہ
مصطفٰے حسن
زوجہ
شبیر فاطمہ
نور الزماں
احمد فاطمہ
زوجہ شمس الدین محمود
عرف حکیم محمود میاں لاولد
دختر
دختر
دختر
دختر
دختر
انوار مصطفٰے
مصطفٰے بانو
انوار خاتون
مسلمہ بانو
خورشید حسن
گوہر بانو
اقبال احمد
عارف احمد زوج مستجاب بانو
شبیر فاطمہ زوجہ مصطفٰے حسن
خدیجہ مستجاب عرف فاختہ بانو
انوار مصطفٰے
مصطفٰے بانو
انوار خاتون

سیدنا مصعب بن حضرت زبیرؓ کی ازواج و اولاد کے متعلق ابن قتیبہ اور ابن سعد کے بیانات کے فرق

"سیدنا مصعب بن حضرت زبیرؓ" کی ازواج و اولاد کے متعلق "ابنِ قتیبہ" اور "ابنِ سعد" کے بیانات جو ہم نے پیش کئے ہیں۔ اُن میں جو کمی بیشی اور اختلاف ہے۔ آسے اب یہاں بالمقابل لکھکر دکھاتے ہیں"

ابنِ قتیبہ کا بیان	ابنِ سعد کا بیان
(۱) ابنِ قتیبہ" نے حضرت مصعبؓ کی اولاد میں صرف آٹھ صاحبزادوں کا ہونا بیان کیا ہے۔	(۱) ابنِ سعد نے" بارہ صاحبزادوں" اور "تین صاحبزادیوں کے نام لکھے ہیں۔
(۲) ابنِ قتیبہ" نے حضرت مصعبؓ" کی کسی بیوی کا نام نہیں بتایا۔	(۲) ابنِ سعد" نے ہر بیوی کا نام اور نسب بتانے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ "کون اولاد کس بیوی کے بطن سے تھی۔
(۳) ابنِ قتیبہ" نے حضرت مصعبؓ کے صاحبزادے "مصعب" کا لقب "الحصین" لکھا ہے۔	(۳) ابنِ سعد نے "مصعب بن حضرت مصعب" کا لقب "خضیر" بتایا ہے" اور طبری و کامل ابن الاثیرؒ وغیرہ وغیرہ تاریخوں میں بھی "جہاں جہاں "مصعب بن حضرت مصعبؓ" کے صاحبزادے "عیسٰی" کا ذکر آیا ہے" وہاں اُن کو "ابنِ خضیر" یا "عیسٰی بن خضیر" ہی لکھا ہے۔
(۴) ابنِ قتیبہ" نے "عیسٰی" نام کا صرف ایک بیٹا بتایا ہے"	(۴) ابنِ سعد" نے دو بیٹوں کے نام "عیسٰی الاکبر" اور "عیسٰی الاصغر" لکھے ہیں"
(۵) ابنِ قتیبہ" نے لکھا ہے کہ "عیسٰی" اپنے باپ کے ساتھ قتل ہوئے" اور انہوں نے کوئی اَولاد نہیں چھوڑی	(۵) ابنِ سعد" نے "عیسٰی الاکبر" کے اپنے والد کے ساتھ مقتول ہو جانے کو تو بتایا ہے" لیکن یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہے کہ "انہوں نے اَولاد نہیں چھوڑی"

نسل رکھنے والے کو مقطوع النسل بتانے کی "ابنِ قتیبہ کی غلط بیانی کی ایک اور مثال

ابنِ قتیبہ کی واقفیت کیونکہ نہایت محدود ہے" اور وہ مؤلف امروہوی کی طرح اندھیرے میں ٹاپک ٹوئیے مارنے کا عادی ہے" اس لئے جب اُسے کچھ نہیں سوجھتا تو وہ کسی بھی صاحب اَولاد کو بے اولاد بتاکر نچنت ہو جاتا ہے" اس کی ناواقفیت کی کئی مثالیں تو ہم اُوپر لکھ چکے ہیں" یہاں ایک اور مثال پیش کرتے ہیں" ملاحظہ ہو"

اُس نے لکھا ہے کہ "نوفل بن خویلد بن اسد" (بن عبد العزّیٰ بن قصّی) یہ قریش کے شیر کہلاتے تھے" "جنگ بدر" میں "نوفل بن خویلد" بھی اور اُمرائے قریش کے ساتھ مکہ سے" جنگ کرنے کے واسطے گئے تھے" اور وہیں "حضرت علی رضؓ" کے ہاتھ سے مقتول ہوئے" اُن کی نسل باقی نہیں رہی"

(ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اوّل ص۱۳۵)

"نوفل بن خویلد بن اسد"
اُم نوفل — عبداللہ، عبدالرحمٰن
الاسود ← نوفل ← عبدالرحمٰن ← محمد ← الاسود
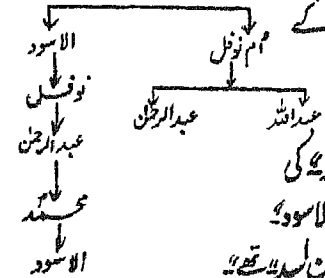
ابن قتیبہ کے اِس بیان کو دیکھ لینے کے بعد اب "ابنِ سعد" کا بیان "نوفل بن خویلد" کی اولاد کے متعلق ملاحظہ فرمایئے" نوفل" کے "اُم نوفل" ایک بیٹی" اور ایک بیٹے "اَلاسود" تھے اور "الاسود" کی نسل میں "ابو الاسود محمد" بن عبد الرحمٰن" بن نوفل" بن اسود" بن نوفل بن خویلد بن اسد" تھے"

"الاسود" نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور "حبشہ" کی ہجرت ثانیہ کی تھی۔ "ابو الاسود محمد" عالم اور راوی تھے۔ "ان کا کوئی پسماندہ نہ رہا۔" (طبقات ابن سعد جلد سوم ص۔۔)

"نوفل بن خویلد" کی بیٹی "ام نوفل" کے "حبیب بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ" سے دو لڑکے "عبد اللہ" اور "عبد الرحمٰن" تھے۔" (طبقات ابن سعد جزو رابع ص۱۵۰)

ان دونوں بیانات میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اور "ابن سعد" کا بیان "ابن قتیبہ" کے صریح جھوٹ پر شاہد عادل ہے۔ "نوفل بن خویلد" کی پانچویں پشت میں ایک صاحب کی نسل منقطع ہوئی ہے۔ مگر "ابن قتیبہ" نے خود "نوفل" ہی کو بے اولاد بتا کر ان کی نسل کو منقطع کر دیا ہے۔ "نوفل بن خویلد کے بیٹے "الاسود" کے کئی بیٹے ہوں گے۔ پھر ان کے پوتوں، پر پوتوں، نگڑ پوتوں کی بھی کئی اولادیں ہوں گی۔" کیا یہ بات قابل تسلیم ہے کہ پانچ پشتوں تک نوفل کی اولاد میں سب کے ایک ہی ایک بیٹا ہوتا رہا۔ اور پانچویں نسل والے کے بے اولاد رہ جانے کی وجہ سے ان کی نسل باقی نہیں رہی۔ کیونکہ علاوہ نوفل کی اولاد ذکور کے ان کی بیٹی کی نسل کا اظہار بھی "ابن سعد" نے دیدیا ہے۔ اس لئے "ابن قتیبہ" کے اس بیان پر ہمیں قطعاً کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ابن سعد کا مرتبہ اور ان کے لکھنے کا طریقہ

"ابن سعد" کیونکہ اعلیٰ پایہ کے محدث بھی ہیں۔ اس لئے وہ ہر بات کو سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کی اولاد گنتے ہوئے اگر ان میں کوئی بے اولاد ہوتا ہے تو وہ اسی جگہ اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور جو بیٹے اس کے صاحب اولاد ہوتے ہیں وہ ان کے صرف نام لکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تمام کتاب کو پڑھ جائیے۔ اس قاعدے میں ان کے کہیں فرق نہیں ملتا۔

مثلاً "علی بن عبد اللہ بن حضرت عباس" جو "ابو الاملاک" تھے۔ "ابن سعد" نے طبقات جزو خامس کے ص۲۲۹ پر ان کی اولاد کے نام گناتے ہوئے ان کے جن بیٹوں کی اولاد باقی نہیں رہی اسی سلسلہ میں اس کو اس طرح ظاہر کر دیا ہے کہ "...... احمد، بشرہ، مبشرہ کہ ان میں سے کسی کا پسماندہ نہ رہا۔...... اسمٰعیل اور عبد الصمد یہ سب بھی ایک ام ولد لونڈی کے بطن سے تھے۔ اور عبد اللہ الاکبر کہ ان کا بھی کوئی پسماندہ نہ رہا۔ ان کی ماں "ام ابیہا بنت عبد اللہ بن حضرت جعفر بن ابو طالب" تھیں۔ "یحییٰ، اسحٰق، یعقوب، عبد العزیز، اسمٰعیل الاصغر" اور "عبد اللہ الاوسط" کہ ان کا بھی کوئی پسماندہ نہ رہا۔ یہ سب ام ولد لونڈیوں کے بطن سے تھے۔"

مؤلف امروہوی کا اخفاء طبقات ابن سعد کے نوشتوں کا اور ہمارا ان سے خطاب

ان حقائق کی روشنی میں اب ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی ہے کہ "عیسیٰ الاکبر بن حضرت مصعب رضی" جو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے تھے ضرور صاحب اولاد تھے اور ان کی نسل ہرگز منقطع نہیں ہوئی۔ اور ان کے بے اولاد ہونے کے متعلق "ابن قتیبہ" کا نوشتہ قطعاً کسی توجہ کے قابل نہیں ہے۔ اور مؤلف صاحب امروہوی کا یہ لکھنا بھی کذب صریح ہے۔ اور نہ ہر مورخ نے "عیسیٰ بن حضرت مصعب رضی" کو جو اپنے باپ کے ساتھ مقتول ہوئے "غیر معقب" بتایا ہے۔ یہ دروغ بے فروغ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ وہ بتائیں کہ طبقات ابن سعد میں کہاں اور کس جگہ ان کو غیر معقب لکھا ہے۔ اور دوسری وہ کونسی کتابیں ہیں جن سے ابن قتیبہ نے یہ بیان لیا ہے۔ یا ان سے ابن قتیبہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔" اور اس بات کا بھی جواب دیں کہ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت مصعب رضی کبار تابعین میں سے ہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول کے اس بیان کو دیکھ کر بھی کہ طبقات ابن سعد میں کم از کم ایک لاکھ صحابہ اور تابعین کے حالات مذکور ہیں۔ اور اس کا پایہ ایسا بلند ہے کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا۔ اس کتاب سے حضرت مصعب رضی کی اولاد کا حال دیکھنا انہوں نے کیوں ضروری خیال نہیں کیا۔

اگر وہ "مصادر المعارف" کی طرح "سیرۃ النبی" سے بھی اپنی ناواقفیت یا اس کے مطالعہ نہ کر سکنے کا بہانہ پیش کریں تب بھی

یقین کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ "طبقات" سے اپنی کتاب لکھنے کے وقت ضرور واقف تھے۔ کیونکہ اُن کے قریبی عزیز جناب عبید اللہ صاحب فرحتی امروہوی نے بھی "جو اپنے حملوں کے مُرلانا موصوف کے خاندان میں اس زمانہ میں جو اس تالیف ہماری واقفیت ہے اوّلین علم بردار ہیں۔ اور جن کے ہمارے مؤلف صاحب شاگرد رشید ثابت ہوئے ہیں" اپنے مضمون "مذاکرہ و مناظرہ" جرأت و صداقت پر ایک نظر "مندرجہ القریش امرتسر جلد نمبر ۲ بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں صفحہ ۱۱ پر اپنے بیان کے ثبوت میں انہوں نے "طبقات ابن سعد" کے حوالے سے ایک حدیث لکھی ہے جو روایت کی ذیل ہے کہ یہ کتاب اُن کے دسترس میں تھی۔ اور مؤلف صاحب یقیناً اُس سے بخوبی آگاہ تھے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود مولانا صاحب نے بھی اپنی کتاب "تحقیق الانساب" تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۲۸۴ پر "حضرت عمر فاروق رضؓ" کی نسل کے ذکر میں "طبقات ابن سعد" سے حوالہ لینے کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "آپ کے جن صاحبزادوں سے نسل باقی رہی اُن کا شجرۂ اولاد" قدیم کتب انساب و رجال "طبقات ابن سعد" وغیرہ کے مطابق حسب ذیل ہے۔"

مؤلف امروہوی اور عبید اللہ فرحتی کی دوسرے خاندانوں کو مقطوع النسل ثابت کرنے کی کوشش کی جا اور عبید اللہ فرحتی کے حضرت مصعبؓ حضرت حمزہؓ اور عبداللہ عون کے متعلق بیانات کی چاک دامانی

کیونکہ مؤلف امروہوی کا سلسلۂ نسب "موسیٰ بن امین" کے قریباً چودہ سال کی عمر میں بے اولاد مر جانے کی وجہ سے صحیح اور مستقل نہیں ہے اس لئے اُن کا خاندان "صحیح النسب" نہیں مانا گیا ہے۔ اس لئے اُن کی اور اُن کے عبید اللہ صاحب کی یہ کوشش رہی ہے کہ دوسرے خاندانوں کے بزرگوں کو بھی جس طرح سے بن پڑے "غیر معقب" ثابت کریں۔ چنانچہ مؤلف صاحب کی کتاب اور عبید اللہ صاحب کے مضامین ہمارے اس بیان پر گواہ ہیں۔ مؤلف موصوف کی کتاب کی اس کوشش کو تو ہم دکھاتے ہی رہے ہیں۔ اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ عبید اللہ صاحب کی کوشش کا بھی کم از کم ایک نظارہ ضرور دکھا دیں۔ انہوں نے اپنے مضمون "ایک غلط فہمی" "اعوان اور کھوکھر قریشی نہیں" مندرجہ القریش امرتسر جلد ۵ نمبر ۲ بابت ماہ جون ۱۹۳۳ء کے صفحہ پر لکھا ہے کہ:

(الف) "عجیب تر امر یہ ہے کہ تحقیقات قوی پر کامل دَزک نہ ہونے سے ایسے بزرگان دین تک سلسلہ نسب ناسے پہنچانے جاتے ہیں جو از روئے تحقیق "لا عقب" اور "مقطوع النسل" ہیں چنانچہ ہمارے صوبہ میں ایک آسودہ گروہ بذریعہ "عیسیٰ بن مصعب بن الزبیر" تک اپنا نسب جو نوجوان "بلا اولاد" جنگ میں قتل ہوا پہنچاتے ہیں۔

(ب) ملک پنجاب کی "ایک حکمران ریاست" والے "حضرت حمزہ" "عم رسول مقبولؐ" سے اپنی اصلیت کا پتہ بتلاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت حمزہ "لا ولد" محاربہ اُحد میں شہید ہوئے۔

(ج) "علیٰ ہذا القیاس" "قوم اعوان" بھی اپنی نسل ایک شخص "عبد اللہ عون" سے بتلاتے ہیں جو جنگ سلیما جبر اوّل قتل ہوئے۔ یہ خیالات لاطائل ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "ولا تزکوا انفسکم ان اللہ یزکی من یشاء" تم اپنی ذاتی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔ دراصل خدا جس کو چاہتا ہے۔ پاکیزہ بناتا ہے یعنی بمطابقت انسان کے اعمال حسنہ کے "عمل از خدا است و ابراہیم از آذر" اور اسی مضمون کے صفحہ پر لکھا ہے کہ "حضرت علیؓ کے متعدد اولاد میں سے کسی کا نام عون نہ تھا اور حضرت جعفرؓ کے جس فرزند کا نام عون تھا اس کی نسبت کتاب المعارف ابن قتیبہ میں درج ہے "قتل فی تستر لا عقب لہ" مقام تستر میں مارا گیا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ پس عبد اللہ عون کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہو گئی اور اس کی بے اولادی کا حال بھی واضح ہو گیا۔"

مولوی عبید اللہ صاحب کا یہ بیان بھی سرتاپا غلط ہے حضرت مصعبؓ بن زبیرؓ کی اولاد کے بیان میں تو اُن کا جھوٹ ظاہر ہو ہی گیا ہے۔ باقی رہا حضرت حمزہ رضؓ کا لا ولد ہونا اور حضرت علیؓ کے کسی صاحبزادے کا نام عون نہ ہونا۔ تو اُن کا یہ بیان تو ہم نے اُن کے اس جھوٹ کی بھی اچھی طرح قلعی کھول دی ہے۔

(محمد عبید اللہ صاحب فرحتی امروہوی ۲ جون ۱۹۳۳ء)

حضرت مصعب بن زبیرؓ اور اُن کے صاحبزادے جناب عیسیٰ کی شہادت کا مختصر حال

یہاں یہ دکھانے کا تو موقع نہیں ہے کہ یہ حضرات صحابۂ کرام اور تابعینؒ کے نام کس عزت و احترام کے ساتھ تحریر کیا کرتے ہیں اور اُن کے دل میں اُن کی کس قدر عظمت ہے لیکن اُن کے جناب عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ کو نوجوان لکھنے کی وجہ سے اِس لئے کہ کوئی دھوکا نہ ہو جائے اُن کی عمر اور جذبات وغیرہ کا صحیح اندازہ دکھانے کے لئے ہم اس جنگ اور حضرت مصعبؓ و عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ کی شہادت کے واقعات کو بہت اختصار کے ساتھ لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں۔

میدان دیر جاثلیق میں جب حضرت مصعبؓ اور عبدالملک کے مقابلہ کے وقت حضرت مصعبؓ کے اُن افسروں نے جو دشمنوں سے ملے ہوئے تھے غداری کی اور بھاگ کھڑے ہوئے اُس وقت مٹھی بھر وفاداروں کے ساتھ عیسیٰ بھی ثابت قدم رہے آپ کے والد بزرگوار اور آپ باقی ماندہ ہمراہیوں کے ساتھ تین دن تک۔ اس شجاعت و بہادری سے لڑتے کہ بنو امیہ کو کثیر فوج کے ہوتے ہوئے بھی۔ اپنی فتح سے مایوسی ہونے لگی مگر یہ تھوڑے آدمی کب تک لڑتے۔ رفتہ رفتہ سب کام آگئے صرف چند افراد۔ اور آپ (یعنی عیسیٰ) کے سوائے حضرت مصعبؓ کے پاس کوئی نہ رہا تو عبدالملک نے اپنے بھائی محمد کو حکم دیا کہ وہ حضرت مصعبؓ کے پاس جاکر جو کچھ وہ طلب کریں قبول کرے نیز حضرت مصعبؓ کو یہ بھی اختیار دے کہ وہ چاہیں تو میری امان میں تشریف لے آئیں یا میدانِ جنگ سے واپس چلے جائیں حضرت مصعبؓ نے اس کا انکاری جواب دیا۔ اور فرمایا کہ مجھ کو صرف خدا کی امان کافی ہے اس کے بعد حضرت مصعبؓ کے صاحبزادے عیسیٰ سے محمد بن مروان نے کہا کہ تم کو اور تمہارے والد کو امیر المومنین عبدالملک نے امان دی ہے عیسیٰ نے یہ سُنکر اپنے والد بزرگوار سے آکر عرض کیا حضرت مصعبؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ تو مجھ کو بھی یقین ہے کہ اہلِ شام تمہارے ساتھ اپنے وعدے کو پورا کریں گے اگر تمہارا جی چاہے تو تم اُن کی امان میں چلے جاؤ

عیسیٰ نے کہا میں قریش کی عورتوں کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دوں گا کہ

عیسیٰ اپنی جان بچانے کے لئے۔ اپنے باپ سے جدا ہو گیا

حضرت مصعبؓ نے فرمایا کہ اچھا۔ تم اپنے چچا امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ) کے پاس مکہ کی جانب چلے جاؤ۔ اور اُن کو اہلِ عراق کی غداری کا حال سناؤ مجھ کو یہیں چھوڑ جاؤ۔ میں نے اپنے آپ کو مقتول سمجھ لیا ہے

عیسیٰ نے کہا میں یہ خبر جاکر نہیں سناؤں گا مناسب یہ ہے کہ آپ اس میدانِ جنگ سے واپس چلیں۔ اور سیدھے بصرے پہنچیں وہاں کے لوگ آپ سے بہت خوش ہیں۔ اور آپ کے ہر طرح مطیع ہیں بصرے پہنچکر کچھ تدارک کیا جا سکے گا۔ یا پھر مکہ کی طرف چلئے۔

حضرت مصعبؓ نے فرمایا صاحبزادے یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام قریش میں میرے میدان سے بھاگ جانے کا چرچا ہو جائے گا بہتر یہ ہے کہ تم ہر خیال کو چھوڑ دو۔ اور دشمن پر حملہ کرو

عیسیٰ یہ سنتے ہی اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے اور سینکڑوں کو خاک و خون میں ملاکر حضرت مصعبؓ کی آنکھوں کے سامنے خود بھی ہمیشہ کے لئے جاں بحق تسلیم ہو گئے

اس کے بعد عبدالملک خود آگے بڑھکر آیا اور حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ سے بڑی منت اور اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ اب میدان سے واپس چلے جائیں یا امان قبول کر لیں یہاں تک کہ اُس نے اس اصرار میں الحاح اور عاجزی سے بھی کام لیا مگر حضرت مصعبؓ نے اُس کی طرف مطلق التفات نہیں کیا

کوفیوں نے مصعب بن حضرت زبیرؓ اور حسین بن حضرت علیؓ دونوں کے قتل کرانے میں ایک ہی جیسا کام کیا

لیکن یہ دونوں جرم دو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے

(۱) "وہاں" "حضرت حسین رضؓ" اپنے دشمنوں سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کو میدانِ جنگ سے "مکہ یا دمشق" یا اور کسی طرف بچکر نکل جانے دیں"
(۲) یہاں "حضرت مصعبؓ" کے دشمن "خود چاہتے تھے کہ حضرت مصعبؓ" میدان سے نکل جائیں"
(۳) وہاں "حضرت حسینؓ" کے دشمنوں نے اُن کی بات قبول نہ کی"
(۴) اور یہاں "حضرت مصعبؓ" نے اپنے دشمنوں کی بات نہیں مانی" نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہوا"

"مصعب بن حضرت زبیرؓ" اپنے بیٹے "عیسیٰ" کی شہادت کے بعد اپنے خیمہ میں گئے" سر میں تیل ڈالا" خوشبو لگائی" اور باہر تشریف لاکر شمشیر بدست دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں آپ کا ساتھ دینے والے" صرف سات آدمی باقی تھے جو آپ کے ساتھ ہی شہید ہو گئے" "حضرت مصعبؓ" نے ایسا سخت حملہ کیا کہ "شامیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا" آخر تیروں" "تلواروں" اور "نیزوں کے زخموں سے چور چور ہو کر بیہوش ہو گئے" آپ کے گرتے ہی "شامیوں نے آپ کا سر کاٹ لیا" اور ۷۱ھ ہجری میں دس برس کے بعد "کربلا کا تماشا" پھر دیر جاثلیق میں دُہرایا گیا" (تاریخ اسلام جلد دوم ص۸۶ تا ۸۷) مؤلفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی" "وطبری" "وابن اثیر" "وکتاب الانساب سمعانی" "ومروج الذہب مسعودی وغیرہ وغیرہ۔

خالد بن یزید اور علی بن عبد اللہ عباسی

مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ "عبد الملک" کے بھائی "محمد بن مروان" نے "مصعب بن حضرت زبیرؓ" کو امان دینے کے لئے کہا تو "عبد الملک" نے اپنے درباریوں سے بھی مشورہ چاہا" علی بن عبد اللہ بن حضرت عباس رضؓ" نے کہا کہ آپ ہرگز امان نہ دیں" "خالد ابن یزید بن حضرت معاویہ رضؓ" نے رائے دی کہ "آپ ضرور امان دیجئے" اس معاملہ پر "خالد" اور "علی بن عبد اللہ" دونوں میں اتنی تیز کلامی ہوئی کہ انھوں نے "سپاہیوں کے سامنے ایک دوسرے کو گالیاں دیں" "عبد الملک" نے "خالد کا مشورہ قبول کیا" "خالد" عہد اسلام کے پہلے کیمیا داں تھے" اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ "تاریخی حیثیت سے عہد اسلام میں" "تراجم کا کام جب بھی شروع ہوا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُس کو مفید و کارآمد بنانے والے "خالد" تھے۔ خورد سالی کی وجہ سے خلافت سے محروم رہے" مشہور محدث حافظ ابن حجر" نے تہذیب میں اور "یاقوت" نے معجم میں لکھا ہے کہ "خالد نے حدیثیں بھی روایت کی ہیں" امام زہری" "بیہقی" "خطیب بغدادی" "عسکری" "حافظ ابن عساکر" وغیرہ نے "خالد" کی سند پر حدیثیں روایت کی ہیں" "خالد" شاعر" بھی اعلیٰ پایہ کے تھے" ۴۹ھ ہجری پیدا اور ۸۵ھ ہجری میں فوت ہوئے"

حضرت مصعبؓ کی شہادت پر عبد الملک کا رنج اور افسوس

"ابن قتیبہ" نے لکھا ہے کہ "خالد" قریش میں مختلف شاخوں (فنون) کے سب سے بڑے عالم تھے) عبد الملک کا مشورہ لینا برائے بیت تھا۔ وہ خود کسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ "حضرت مصعبؓ" شہید ہوں" "حضرت مصعبؓ" اور "عبد الملک" میں بہت دوستی تھی" جب یہ دونوں "مدینہ منورہ" میں رہتے تھے تو ایک عورت مسمی "جمی" کے گھر جا کر آپس میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اور کھانے پکوا کر کھایا کرتے تھے" "عبد الملک" کو "حضرت مصعبؓ" کی شہادت سے بہت رنج ہوا" اس نے افسوس سے کہا کہ "انہیں معلوم تھا کہ میں اپنی پُرانی محبت و دوستی کی بنا پر اپنے وعدے کو ضرور پورا کروں گا۔ مگر انہوں نے غیرت کی وجہ سے اس سے انکار کر دیا اور لڑائی کر کے شہید ہو گئے"

(ترجمہ طبری حصہ دوم جلد سوم ص۸۹ وتاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم ص۲۸۶)

امیر المومنین حضرت عبد اللہؓ اور حضرت مصعبؓ کی شجاعت وبہادری کے متعلق مہلب بن ابی صفرہ کا بیان

"حضرت مصعبؓ" اپنے برادر بزرگوار "امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کی طرف سے "الجزیرہ" "آرمینہ" "عراقین" "ایران وخراسان وترکستان" وغیرہ تمام ممالک کے وائسرائے تھے" اور اُن کے بڑے بڑے سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ"

وغیرہ جن کی شجاعت و بہادری مشہور ہے" انہیں ممالک میں تھے۔ اور "حضرت مصعب رضؓ" "عبدالملک کی لڑائی کو کوئی وقعت نہ دے کر" صرف اپنی رکاب کی فوج سے مقابلہ پر آئے تھے" اس پر بھی اگر "عبدالملک" رشوت دیکر اُن کی فوج کو نہ توڑ لیتا تو کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا" حضرت مصعب رضؓ کو اچھا موقع تھا کہ وہ "میدان سے واپس جا کر اپنے سپہ سالاروں کو طلب فرما لیتے اور آسانی کے ساتھ "عبدالملک" کو حکومت سے بے دخل کر دیتے" مگر "میدان چھوڑنا انہوں نے اپنی غیرت و شان کے منافی سمجھا" اور شہادت کو پسند فرما لیا" آپ کی شجاعت کا ہر شخص معترف تھا" اس زمانے کے مشہور سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ" کا قول تھا کہ "دنیا میں تین ہی شخص شجاع ہیں" "ابن کلبیہ (حضرت مصعب رضؓ) کیونکہ آپ کی والدہ یا جدہ "قبیلہ بنی کلب" سے تھیں) "احمر قریش" (عبداللہ بن معمر") اور "راکب البغلہ" (عباد بن حصین") پوچھنے والے نے کہا کہ "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" کا تو تم نے نام ہی نہیں لیا۔ اس پر "مہلب" نے کہا کہ "ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں" جنوں کا ذکر نہیں کرتے" (مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابن زبیر رضؓ")

حضرت مصعب رضؓ کے کچھ مزید حالات

حضرت مصعب رضؓ نہایت متقی اور "صائم الدہر تھے" رات دن میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے" رسول مقبول صلعم کے احکامات کی تعمیل میں آپ کی مستعدی اس نہج پر تھی کہ "ایک انصاری کا حال سنکر" جب "حضرت انس بن مالک رضؓ" نے اُن کے پاس جا کر کہا کہ "رسول اللہ ؐ فرما گئے ہیں کہ "انصار کے اچھوں سے سلوک اور بُروں سے درگذر کا برتاؤ کیا جائے" تو وہ فوراً تخت سے اُترے اور فرش زمین پر اپنا رخسار رکھکر کہا کہ "آنحضرت صلعم کا فرمان سر آنکھوں پر۔ میں انہیں رہا کرتا ہوں" (تذکرۃ الصحابہ از رسالہ مولوی دہلی بابتہ ماہ جمادی الاوّل ۱۳۵۶ھ ہجری و ڈائی فیلی الزبیر مطبوعہ لیدن) میں ہے کہ "آپ بہت فیاض ہونے کے علاوہ "رحمدل" درگذر کرنے والے اور بے حد نفاست پسند" نیز اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے" "طبری" ڈائی فیلی الزبیر اور "آداب اللغۃ العربیہ جزو اوّل صفحہ ۹۲ پر اور دیگر تاریخوں میں آپ کے بہادر صاف شہرت و بسط سے تحریر ہیں" آپ اپنے زمانے کے بہترین جمیل شخص تھے" طبقات ابن سعد جزو خامس کے صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ پر تحریر ہے کہ "فضل بن دکین" نے "یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ" کے حوالے سے "اسمٰعیل بن خالد" سے روایت کی ہے کہ "مصعب بن حضرت زبیر رضؓ" سے زیادہ کوئی خوبصورت امیر "ممبر پر کبھی نہیں دیکھا گیا" ترجمہ مروج الذہب مسعودی کے صفحہ ۱۳۴ و ۱۳۵ پر ہے کہ "حضرت مصعب رضؓ" بہت ہی خوبصورت" اور بارعب شخص تھے" آپ کے متعلق "ابن الرقیات" نے یہ جملہ کہا ہے کہ "حضرت مصعب رضؓ" اللہ کے شہاب ہیں جن کے چہرے سے تاریکی زائل ہوگئی ہے" آپ کے اور آپ کے صاحبزادے "عیسیٰ" کا تمام عرب نے ماتم کیا"

امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ اور علی بن عبداللہ و عبداللہ بن حضرت عباس رضؓ

اوپر "علی بن عبداللہ بن حضرت عباس رضؓ" کی "حضرت مصعب رضؓ" سے مخالفت کا کچھ حال لکھا گیا ہے۔ وہ کیوں تھی اس کے جاننے کے لئے سطور ذیل ملاحظہ ہوں"

حضرت عبداللہ بن حضرت عباس رضؓ "اُن کے والد" دراصل "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" کی مخالفت کیا کرتے تھے" جب انہوں نے اس مخالفت میں "مختار ثقفی" جیسے زندیق کی طرفداری کے لئے لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا" اور "حضرت امام زین العابدین بن حسین رضؓ" کے منع کرنے اور "مختار ثقفی" کی زندیقیت ظاہر کرنے پر بھی نہ مانے تو "حضرت امیر المومنین رضؓ" نے انہیں معہ اُن کے بیٹے "علی" کے نظر بند کر دیا تھا"

حضرت مصعب رضؓ نے جب "مختار ثقفی" کو جس نے "کوفہ و الجزیرہ" پر قبضہ کر کے بڑی جمعیت پیدا کر لی تھی شکستیں دیکر بالآخر قتل کر دیا۔ تو "عبداللہ بن حضرت عباس رضؓ" نے اپنے ان صاحبزادے "علی" کو "عبدالملک" کے پاس یہ پیغام دیکر روانہ کیا کہ وہ اُن کی پرورش کرے مگر اُس وقت "عبدالملک" نے "علی" کو اپنے لشکر سے فوراً نکل جانے اور واپس چلے جانے کا حکم دیا اور کوئی بات نہ کی "حضرت عبداللہ بن حضرت

عباسؓ نے یزید کی بیعت کی تھی۔ اب جو "علی" کو "عبدالملک" نے بے نیل و مرام نکال دیا۔ تو "امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے مقابلہ میں انہوں نے معہ اپنے بیٹے "علی" کے "عبدالملک" کی بھی بیعت کر لی۔ مگر حضرت امیرالمومنینؓ نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ لیکن انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ "عبداللہ بن حضرت عباسؓ" متعہ کے جواز کا فتوٰی بھی دے رہے ہیں تو اُن سے صاف کہہ دیا کہ تمہاری اس حرکت کو میں معاف نہیں کروں گا۔ اگر اب ایسا فتوٰی دیا تو سنگسار کر دوں گا۔ یہ فرما کر انہیں "مکہ معظمہ" سے طائف بھیج دیا۔ جہاں اُن کی سنہ ۶۹ ہجری میں وفات ہو گئی۔ اور "علی" اُن کی وفات کے بعد "عبدالملک" کے پاس چلے گئے۔ "حضرت عبداللہ بن حضرت عباسؓ" چاہتے تھے کہ "امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" انہیں اپنا مصاحب بنا لیں۔ اور بیش قرار رقمیں دیا کریں۔ مگر کیونکہ "امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" حضرت علیؓ کے ساتھ اُن کا برتاؤ دیکھ چکے تھے۔ "بصرہ" کے بیت المال کی رقم کو بلا حضرت علیؓ کے علم کے اپنے قبضہ میں لانے۔ اور بعد اطلاع حضرت علیؓ نے جب وہ رقم طلب کی تو اُن کو سخت جواب بھیج کر اور "حضرت علیؓ" کا ساتھ چھوڑ کر اُن کے "بصرہ" سے "مدینہ منورہ" چلے آنے کا حال امیرالمومنینؓ کو بخوبی معلوم تھا۔ اس لئے انہوں نے اُن کو اپنا مصاحب بنانا پسند نہیں فرمایا۔ رہا اُن کو بیش قرار رقمیں دینے کا معاملہ تو آپ کا زہد و اتقا کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ "مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ ایسے لوگوں پر صرف کیا جائے جو اس کے کسی طرح حقدار نہ ہوں"۔ اس وجہ کے سوا اور کوئی بات حضرت امیرالمومنینؓ سے اُن کی مخالفت کی نہ تھی۔ "ترجمہ بخاری شریف کتاب التفسیر جلد دوم پارہ انیس ص۸۵-۸۷" میں خود "عبداللہ بن حضرت عباسؓ" کا جو بیان درج ہے اس سے ہمارے بیان کو بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیان میں "امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے متعلق لکھتے ہیں کہ "خلیفہ ہو جانا اُن کی شان سے بعید نہیں"۔ اُن کے فضائل اور حق کو بھی گناتے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ اُن باتوں کی شکایت کرتے ہیں جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ یہ باتیں جو ہم نے لکھی ہیں۔ "اخبار الطوال" "مروج الذہب مسعودی" "طبقات ابن سعد" "تاریخ کامل ابن اثیر" "طبری" وغیرہ وغیرہ میں تفصیل سے لکھی ہیں۔

ہم یہاں "علی بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ" کے "حضرت مصعبؓ" کو پڑا ہوا نہ دیکھے جانے پر اصرار کا ذکر کر رہے تھے۔ مگر اُن کی "بنی اُمیہ" کے دلوں میں کوئی وقعت نہ تھی۔ "ابن قتیبہ" نے لکھا ہے کہ "خلیفہ ولید بن عبدالملک" نے بسبب کسی زبان درازی کے "علی بن عبداللہ بن عباسؓ" کے ساٹھ کوڑے لگوائے تھے۔ (ترجمہ معارف ابن قتیبہ ص۱۲۸)

سوائے المعارف ابن قتیبہ کے کسی کتاب میں "عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ" کے لاولد شہید ہونے کا ذکر نہ ہونا

کیونکہ اس موقع پر ہم "حضرت مصعبؓ" کے صاحبزادوں میں سے اُن "عیسیٰ" کے حالات کو بتا رہے ہیں جو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ لڑائی میں شہید ہو گئے۔ مندرجہ بالا بیان سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی ہے کہ "وہ اپنی شہادت کے وقت بچے نہیں تھے۔ بلکہ [illegible] جوان" ہونے کے علاوہ اُن میں ایسا تدبر بھی موجود تھا۔ جو اُن کے اپنے والد بزرگوار کو "بصرہ" جا کر تیار ہو کر آنے کے مشورہ سے ظاہر ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ صاحب اولاد نہ ہوتے۔ تو یہ فقرہ کبھی نہ کہتے کہ "میں قریش کی عورتوں کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دوں گا کہ "عیسیٰ" اپنی جان بچانے کے لئے اپنے باپ سے جدا ہو گیا"۔

ہم نے جس قدر "انساب" "تذکرہ" اور تاریخ کی کتابیں پڑھی ہیں یا [illegible] ہیں۔ لیکن ہم نے سوائے "المعارف ابن قتیبہ" کے کسی کتاب میں "عیسیٰ شہید" کو غیر معقب لکھا ہوا نہیں پایا۔

"محمد بن سعد" نے بھی جو "ابن قتیبہ" سے نصف صدی پہلے کے مصنفین اور اعلیٰ پایہ کے محدث ہیں۔ اور جن کی واقفیت و تلاش مرتبت کو ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اپنی کتاب طبقات میں کہیں غیر معقب نہیں لکھا ہے۔ تو پھر اس اکیلے "ابن قتیبہ" کے جو وہ بیان کریں جس کی نااہلی و ناواقفیت اُنہی کی تحریروں سے بخوبی ثابت ہے۔ اور جسے ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں۔ جو وقعت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔

عبیداللہ فرحتی کی حضرت حمزہ رضؓ کے معرکۂ احد میں لاولد شہید ہوجانے کی دوسری غلط بیانی حضرت حمزہ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں

البتہ اُن کے دوسرے اِس بیان پر کہ "حضرت حمزہ رضؓ" لاولد معارکۂ احد میں شہید ہوئے" ہمیں یہ کہنا ہے کہ "اُن کی یہ تحقیقات بھی" بالکل غلط اور حقیقت سے کوسوں دور ہے" نیز اُن کی پیشانی پر جہالت و ناواقفیت کا ایسا ٹیکہ لگانے والی ہے جسے وہ کسی طرح نہیں مٹا سکتے" کون پڑھا لکھا مسلمان ہے جو "حضرت حمزہ رضؓ" کی صاحبزادی "حضرت امامہ رضؓ" سے واقف نہیں ہے "محمد بن عمر (واقدی) نے کہا ہے کہ "حضرت حمزہ رضؓ کا انتقال ہجرت نبوی کے بتیسویں مہینہ پر ہوا۔ اور اُس وقت آپ کی عمر انسٹھ سال کی تھی" (طبقات ابن سعد جز ثالث صفحہ ۵)

صحیح مسلم میں ہے کہ "اکیدر دومہ" نے بطور ہدیہ کے ایک ریشمی کپڑا آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا" آنحضرت صلعم" نے وہ کپڑا "حضرت علی رضؓ" کو دیا کہ "اِس کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنا کر "فاطمہ" نامی عورتوں کو تقسیم کر دو" فاطمہ نام کی عورتوں سے مراد" غالباً چار عورتیں ہیں"

(۱) جناب سیدہ فاطمہ زہرہ رضؓ بنت آنحضرت صلعم"

(۲) حضرت علی رضؓ" کی والدہ" فاطمہ بنت اسد"

(۳) فاطمہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب"

(۴) "عقیل رضؓ" کی بیوی" فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ" (ترجمہ صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲)

حضرت حمزہ رضؓ کے دو صاحبزادے" ابو سفیان" اور" ربیعہ" تھے" (کتاب شہادت ضمیمہ دوم صفحہ ۱۰۶ مؤلفہ میرزا حیرت دہلوی)

طبقات میں ہے کہ "عامر" قبل از اسلام فوت ہو گئے" ان کی ماں کا نام "بنت الملتہ بن مالک بن عبادہ بن حجر بن فائد بن الحارث بن زید بن عبید بن زید بن مالک" عوف بن عمرو بن عوف" تھا" یہ انصار کے قبیلہ "اوس" سے تھیں"

(۳) عمارہ بن الحمزہ رضؓ" ان کی ماں کا نام "خولہ بنت قیس بن فہد الانصاریہ" تھا اور یہ قبیلہ بنی ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار" سے تھیں"

(۳) یعلیٰ بن حمزہ" کی اولاد میں "عمارہ" "الفضل" "زبیر" "عقیل" اور "محمد" تھے۔ یہ سب فوت ہو گئے۔ اور اُن سے "حضرت حمزہ رضؓ بن عبدالمطلب" کی کوئی اولاد باقی نہیں رہی"

(۴) امامہ بنت حمزہ رضؓ" کی ماں کا نام "سلمیٰ بنت عمیس خثعمیہ" تھا جو" اسماء بنت عمیس" کی بہن تھیں۔ یہ وہ" امامہ رضؓ" ہیں جن کی پرورش کے لئے "حضرت علی رضؓ" "حضرت جعفر رضؓ" اور "حضرت زید بن حارثہ رضؓ" میں بحث ہوئی تھی۔ اُن میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ اکیلے ان کی پرورش کریں۔ کیونکہ "حضرت حمزہ رضؓ" کی شہادت کے وقت وہ خوردسال تھیں) رسول مقبول صلعم" نے حضرت جعفر طیار رضؓ" کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ اِس لئے کہ "حضرت امامہ رضؓ" کی خالہ" اسماء بنت عمیس رضؓ" اُن کی بیوی تھیں" (طبقات ابن سعد جز ثالث صفحہ ۳)

طبقات میں ہے کہ "سلمیٰ بنت عمیس رضؓ" "اسماء بنت عمیس رضؓ" کی حقیقی بہن تھیں" یہ اپنی بہن کے ساتھ ابتدائے اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اُن کا نکاح "حضرت حمزہ بن عبدالمطلب" سے ہوا۔ اور یہاں "عمارہ بن حمزہ رضؓ" پیدا ہوئے" حضرت حمزہ رضؓ" کی شہادت کے بعد ان کی شادی "شداد بن الہاد لیثی" سے ہوئی" اور یہاں "عبداللہ بن شداد" پیدا ہوئے" (طبقات ابن سعد جلد آٹھ صفحہ ۲۰۹)

طبقات میں ہے کہ "خولہ بنت قیس" زوجہ حضرت حمزہ رضؓ" کا پورا نام "خولہ بنت قیس بن فہد بن قیس بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار" ہے" ان کی کنیت "ام محمد" تھی۔ بعض روایتوں میں ان کا نام "خولیہ" بجائے "خولہ" کے آیا ہے۔ ان کی شادی حضرت حمزہ رضؓ" سے ہوئی۔ اور یہاں دو لڑکے "یعلیٰ" اور "عمارہ" اور "دو لڑکیاں" پیدا ہوئیں"

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۲۵)

وقت "عبدالمطلب" [illegible]

اولادِ حضرت حمزہؓ

بلوچ بھی حضرت حمزہ رضؓ کی اولاد ہیں

"تاریخ بلوچستان" مطبوعہ ۱۹۰۶ء۔ مصنفہ ہیتو رام رائے بہادر سی۔آئی۔ای۔ باشندہ ڈیرہ غازی خان پنشنر ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور نائب پولیٹیکل ایجنٹ بلوچستان کے صفحہ ۷۱ پر تحریر ہے کہ "بلوچ بھی" اور اس کے تمام قبائل "حضرت حمزہ رضؓ" کی اولاد ہیں" حضرت علی رضؓ" اور اُن کی اولاد کے طرفدار تھے "حضرت حسین رضؓ" کی شہادت کے بعد" یزید" کے خوف سے حلب سے نکلے اور رفتہ رفتہ بلوچستان آ گئے" جس کا قدیم نام "سیوستان" تھا۔ ان کی یہاں آکر بس جانے اور حکومت قایم کر لینے کی وجہ سے اس ملک کا نام بلوچستان پڑ گیا"

حلب کی زبان میں "بلوچ" "بادیہ نشین" کو کہتے ہیں۔ جو لوگ صحرا اور دامن کوہستان میں رہتے ہوں انہیں "بلوچ" کہا جاتا ہے (جیسے پوندہ زبان افغانی میں بادیہ نشین کو کہتے ہیں")۔

ماسوائے رند اور لاشاری کے جو حضرت حمزہؓ کی اولاد ہیں" بردہی" "دودائی" "نوشیروانی" "گچکی" "گیلانی" "ایلانی" اور "کھرو" بھی بلوچ کہلاتے ہیں" حالانکہ ان کا نسب نامہ "رند و لاشاری" سے بالکل جدا ہے" مگر ان کو بوجہ ہم پیشہ اور ہم وطن ہونے کے بلوچ نام دیا گیا"

اس میں شک نہیں کہ بلوچ لوگ حلب سے یزید کے خوف سے کوچ کر کے ادھر آئے" اس واقعہ کے متعلق بلوچوں میں ایک نظم سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے جو یہ ہے۔

(۱) شکر الحمد گذاران پادشاہ ملک و تھی	یگ وتھ کھوشتی مہ ملکا دُرجھان خاک رگل
شکر ہے خدا تعالے کا جو وہ خود بادشاہ ملک کا ہے	ایک وہی ہے اور قایم ہے اور رہے گا آخر تمام جہان خاک اور گل ہو گا

(نوٹ ۱) اُم المومنین "حضرت ام سلمہؓ" کے پہلے شوہر "حضرت ابو سلمہؓ" سے (جنہوں نے جنگ اُحد" میں زخمی ہو جانے۔ اور اُن زخموں کی تکلیف سے ۴ ہجری میں وفات پائی۔ اور جو آنحضرت صلعم کے دودھ شریک بھائی تھے) "درہ" "درہ" "زینب" دو لڑکیاں" اور "ایک صاحبزادے" "حضرت سلمہؓ" تھے "ان حضرت سلمہؓ سے" امامہ بنت حضرت حمزہ رضؓ" کی شادی ہوئی تھی" (حضرت سلمہؓ "حضرت علی رضؓ کی خلافت میں "فارس و بحرین" کے حاکم تھے") (طبقات ابن سعد جزو ۸ صفحہ ۱۱۴)

(۲) "تزک محبوبیہ" میں ہے کہ "میر فیض محمد خان بہادر" آپ ننھیالی سلسلہ کے ہاشمی ہیں" امامہ بنت حضرت حمزہ رضؓ" تک سلسلہ پہنچتا ہے" اور "دادھیالی سلسلہ میں "عمر بن ابی سلمہؓ" تک سلسلہ پہنچتا ہے۔ مخزومی" ہوتے ہیں" عمر ابن سلمہؓ" کی اولاد" (جو حضرت حمزہ رضؓ کی صاحبزادی سے ہے) یزید کے "مدینہ منورہ پر" فوج کشی اور قتل عام کے زمانہ میں جب بہت لوگ جان بچانے کے لئے فرار ہوئے" وہاں سے فرار ہو گئی"

(نوٹ ۲) اسی طرح "سید احمد" ابن عمارہ ابن حضرت حمزہ رضؓ "حلب" میں چلے آئے" جب وہاں بھی امن و قرار نہ پایا تو "سندھ و ہند" کی طرف نکل آئے"

(تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر اول ردیف ت صفحہ ۳۴۵ مطبوعہ نظام المطابع حیدرآباد دکن)

(۲) ما مُریدون یا علی اے دین ایمان پشبیتین
ہم بلوچ لوگ مرید حضرت علی کے ہیں - دین ایمان ہمارا ثابت ہے

(۳) اژ حلبا پہاز کھایوں گو یزیدا جھیڑ ہیں
حلب سے ہم لوگ بدر ہوئے جبکہ امامین سے یزید نے جنگ کیا

(۴) مسترین میرین جلالان چل چہار رین بولکین
جب حلب سے روانہ ہوئے بڑا سردار بلوچوں کا میر جلال خان تھا اور چوالیس فرقے بلوچی تھے

(۵) میم جوہان بہر کھنا نان کل سردار شہکین
ملک اور جو پائے آب جو بلوچوں کے ہاتھ میں آئے آپس میں
تقسیم کرتے آئے اُس وقت سردار کل قوم کا میر شہک تھا

(۶) حبّا چانڈ صیگا کہلتی نوغ بھہ گور رین
حلب میں چاندیہ اور کہلتی اُس کے شمال کی طرف

(۷) مسترین لوغ ڈومبکی گاج سیاہ پاف سرین
بڑا خاندان ڈومبکی کا گاج اور سیاہ آف کے اوپر

(۸) گو لود گو پانگ دشتی رند تھا لیاڈ رین
گولہ و گوپانگ دشتی رند کے خاندان سے باہر ہیں

(۹) نوح دو دائی آوارین ای مہ لشاریک برین
نوحانی دودائی لاشاری کے ساتھ شامل ہوتے ہیں

(۱۰) رند مہ سوران نندی لاشار مہ گندو ئین
رند شوران میں بیٹھا اور لاشاری گنڈاوہ میں

(۱۱) شہکی و شہدادا دو الے لس سردار چاکرین
شہک اور شہداد بھی تھے مگر قوم کا سردار میر چاکر تھا

(۱۲) ہول پوش دستکلاو زکسان جاہین
بعض ہول پوش اور بعض ہاتھ میں دستانے پہنے ہوئے اور کمان بے سجی ہوئی

(۱۳) قرّان جاڑو چوٹ جوانین مڈھ دین برادرین
جاڑو از قوم پیتر مشہور بہادر تھا جس نے نام اُس کا دین کا بھائی تھا

(۱۴) ہیبتان ہیبرک مہ رند ان میر حسن براہمین
ہیبتان ہبرک نے میر حسن نے براہیم بھی رند تھے

حمزہ اولاد بلوچی صوب درگاہ گرین
بلوچ حضرت حمزہ رضؓ کی اولاد ہیں اور فتح درگاہ الٰہی سے انکو نصیب ہے

کل بلا بھنپور نیا ما شہر سیستان منزلین
پہلے کربلا علاقہ بھنپور میں اور پھر شہر سیستان میں مقام کیا

انتغون ھارین ہند اتیج راستین پہلوین
وہاں سے آئے ہارین ہند میں بجانب راست ملک پچ کے

مکران ان ہوت نندی کھوسہ مہ کیچ دہین -
ملک مکران میں ہوت بلوچ بیٹھا اور کھوسہ علاقہ کیچ میں

آؤنلیا نوح نندی جستگانی بھہ گورین
آؤنلی میں نوحانی بلوچ اور جستگانی اُس کے قریب میں

فتح میر عالی جتوئی کل مہ سیوی ڈھاڈرین
بہتر میر عالی جتوئی تمام علاقہ سیوی اور ڈھاڈر میں

تھی بلوچ باز بشارین ورست مہ رند منّا ہین
اور بلوچ بہت ہیں جو تمام رند کے ساتھ شامل ہیں

رند لاشاری مہ ملکا سیم جو ان نیمنسین
رند اور لاشاری کا ملک ایک دوسرے سے متصل ہے

فیل ہین سی سال جنگین ای بلوچی شدتین
پورے تیس سال آپس میں جنگ کیا یہ بلوچوں کے ضد یت ہے

چل ہزار میر گوانکھین تیو غاڈاڈو سے پو تر ہین
چہل ہزار لشکر میر چاکر کے بلانے پر تمام ایک خاندان سے حاضر ہوتے تھے

پٹو پیچے گو کوا ہان پہاز لعلین موڑ غین
ابریشم سے کمان پیٹے ہوئے اور پاؤں میں سرخ موزے

پیروز نہ شاہ بجار ریحان رند میران زہم جنی
پیروز نہ شاہ بجار ریحان امیران از قوم رند مشہور شمشیر زن سے

صوبہ و عالی و میہان جام سحاق علاٹ ہین
صوبہ عالی میہان جام سحاق علن بھی تھے

(۱۵) شاعر کہ شعران جو نہتہ میسر جلالان مصنفین
شاعر لوگ جو شعر بناتے ہیں گویا کہ باغ جہان میں لگاتے ہیں

اے منی پیر اور ندین اے بلوچی وپترین
یہ بلوچوں کا نسب نامہ اور تواریخ ہے

اِس نظم کی کوئی تاریخ نہیں پائی جاتی " رند اور لاشاری " اور ان کی تمام شاخیں حضرت حمزہ رضؓ کی اولاد ہیں - اور ملد ۲۲ تا

یہ ہے کہ "اگرچہ بروہی بھی ایک قسم کے بلوچ ہیں مگر ان دونوں اقوام کے قریب تین سو سال کے ایک جگہ بلوچستان میں ساتھ رہنے پر بھی رسم و رواج میں بہت تفاوت ہے" قوم بروہی کی زبان علیحدہ اور بلوچوں کی علیحدہ ہے۔

(۱) بروہی دوسری اقوام میں ناطہ نسبت دختران کرنے سے پرہیز نہیں کرتے" حالانکہ بلوچی اس کو بہت عار سمجھتے ہیں۔

(۲) بروہی مویشی اور روغن شیر بیچنے کو کچھ عیب نہیں سمجھتے" بلوچوں میں یہ کام معیوب سمجھا جاتا ہے۔

(۳) دونوں قوموں کی پوشاک میں بھی بہت بڑا فرق ہے" جو بلوچ قومیں مثلاً "مری" "بگٹی" و مزاری وغیرہ۔ اقوام بروہی سے کسی قدر الگ رہی ہیں۔ اُن کی پوشاک وہ ہی پرانی وضع بلوچی کی سی۔ (چنانچہ کرتہ بمثل جلبی جبتے کے) دیکھی جاتی ہے" بروہی لوگ صرف ایک داماز جولا یا پیراہن پہنتے ہیں" کرتہ نہیں رکھتے" عورتیں بلوچوں کی بھی بجائے پیراہن کے گھگہ جو از نمونہ گون کے ہے پہنتی ہیں جو یہ بھی قدیم رواج "جلب" کا تھا" اس سے پایا جاتا ہے کہ بروہی اور بلوچ قدیم الایام سے جدا جدا فرقے تھے۔ اگرچہ قریب تر رہنے سے کچھ رواج بلوچ کا بروہیوں میں اور بروہیوں کا بلوچوں میں داخل ہوگیا ہے" تاہم جو کوئی شخص اُن کی تواریخ اور حالت سے واقف ہو" فوراً دیکھنے سے پہچان سکتا ہے کہ بروہی ہے یا بلوچ"

(۴) ابھی تک بروہی ایسے ملتے ہیں جو بلوچوں کی زبان نہیں جانتے اور اسی طرح بہت سے بلوچ ایسے ہیں جو بروہیوں کی زبان نہیں جانتے صرف تھوڑے سے جو ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں ایک دوسرے کی زبان کو جانتے ہیں"

(۵) میرے خیال میں بلوچ بہ نسبت بروہی کے کسی قدر رحمدل اور راست گو ہیں"

(۶) اگرچہ فی الحال تمام بلوچوں کا مذہب سنّی ہے مگر ابتدا میں ان کا مذہب شیعہ تھا" آج سے قریباً ایک سو سال پہلے بلوچوں کے شیعہ ہونے کے ثبوت مل سکتے تھے" لیکن اب قریباً معدوم ہیں کیونکہ اب وہ پکے سنّی بن گئے ہیں"

(۷) بلوچوں میں چند خصائل موروثی چلے آتے ہیں" اوّل بہادری" دوئم مہمان نوازی" سوئم راست روی چہارم صلح کل یعنی بے تعصب" صفحہ ۲۲ تا ۲۴ (تاریخ بلوچستان مصنفہ ہتو رام رائے بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ باشندہ ڈیرہ غازی خاں" سابق نائب پولیٹیکل ایجنٹ بلوچستان"

جیسا کہ ہم اُوپر بتا آئے ہیں کہ "محمد ابن سعد" کا قاعدہ یہ ہے کہ "کسی کی اولاد گنانے وقت اُن میں جو لڑکے بے اولاد ہوتے ہیں اُن کو وہ مع میں ظاہر کر دیتے ہیں اور جو صاحب اولاد ہوتے ہیں اور اُن کی نسلیں چلی ہیں۔ اُن کے خالی نام ہی لکھ دیتے ہیں)۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضہ" کے جن بیٹے کی نسل نہیں چلی ہے اپنے قاعدہ کے موافق انہوں نے اُسی سلسلہ میں اِس بات کو ظاہر کر دیا ہے" اور جن سے نسل چلی ہے اُن کے ناموں کے آگے کچھ نہیں لکھا"

آوان برادری سے ہمارا خطاب

جناب عبید اللہ صاحب کے "الف" اور "ب" دو بیانات کا بخوبی بطلان کر چکنے کے بعد اب ہم اِن مولوی صاحب کے اُس بیان کو لیتے ہیں جو انہوں نے "آوان برادری" کے بارے میں لکھا ہے کہ "علی ہذا فرقہ آوان" بھی اپنی نسل ایک شخص "عبد اللہ عون" سے بتلاتے ہیں" جو جنگ میں بے اَولاد قتل ہوئے" اور اسی ۲ر جون ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت علی رضہ کے متعدد اخلاف میں سے کسی کا نام "عون" نہ تھا" اور حضرت جعفر رضہ کے جس فرزند کا نام عون تھا" اس کی نسبت کتاب المعارف ابن قتیبہ میں درج ہے کہ "قتل فی شتر ولا عقب لہ" مقام شتر میں مارا گیا اور اُس کے کوئی اولاد نہیں ہے" پس عبد اللہ عون کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہو گئی۔ اور اس کی بے اَولادی کا حال بھی واضح ہو گیا" اس کے جواب میں ہم یہاں حضرت علی رضہ کی پوری اولاد ذکور کے سبا نک الذہب سے لیکر نام لکھتے ہیں جو یہ ہیں" حسن" حسین" محمد ابن الحنفیہ" عباس" جعفر" عثمان" عبد اللہ" محمد اوسط" عبید اللہ" ابو بکر" یحیٰی" عون" محمد اصغر" اِس فہرست میں حضرت علی رضہ کے چودہ صاحبزادوں میں سے "تیرہ نمبر پر جو نام ہے" وہ "عون" ہے" جو مولوی عبید اللہ کے بیان کی بخوبی تردید کر رہا ہے" اور ان مستند المؤرخین کی تاریخ دانی کا پول خوب طرح کھول رہا ہے"

عبید اللہ فرحتی اور مؤلف امروہوی کی ایک ہی صدا

یہاں اس قدر اور بتا دینا ضروری ہے کہ "مؤلف امروہوی صاحب نے بھی اپنے مقصد کے مدِ نظر حضرت حمزہ رضؓ کی اولاد ذکور سے انکار کر دینا مناسب خیال کیا ہے "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صـ۱۳۵ پر یہ فقرہ لکھا ہے کہ "سید الشہداء حضرت حمزہ رضؓ" گو وہ احد ۳ھ ہجری میں شہید ہوئے "آپ کے اولاد ذکور نہ تھی" آنحضرتؐ کے اعمام میں حضرت عباس رضؓ" اور ابو طالب کی نسل دنیا میں باقی رہی "انہیں کی اولاد یعنی "عباسی" اور "آلِ ابو طالب" (علوی" جعفری" عقیلی") آنحضرتؐ کے اہلبیت وآلِ محمدؐ ہیں"

مؤلف امروہوی اور عبید اللہ فرحتی امروہوی حجاج بن یوسف ثقفی کے نقشِ قدم پر

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دو لطیفے بھی بیان کر دیں" ان میں سے پہلا تو یہ ہے کہ "ہمارے زمانہ میں "عبید اللہ صاحب فرحتی" اور "مؤلف صاحب ہی ایسے حقیقت دان نہیں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے "حضرت زبیر رضؓ" کی اولاد کے نسب پر حملے کئے ہیں" بلکہ اگلے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی بھی تھا" اور جس سے "حضرت اسماء ذات النطاقین رضؓ" بنت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ" ادر زوجہ حضرت زبیر رضؓ نے یہ حدیث نبوی بیان کی تھی کہ "میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ "بنی ثقیف" میں "کذاب" اور "مبیر" (ظالم) ہوں گے" کذاب (مختار ثقفی) کو تو لوگوں نے دیکھ لیا تھا "مبیر" باقی رہ گیا تھا۔ وہ تو ہے" اس حجاج نے خود حضرت زبیرؓ کے نسب پر حملہ کیا تھا" واقعہ یہ ہوا کہ "حضرت زبیر رضؓ" کی صاحبزادی رملہ" بیوہ عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام بن خویلد سے "امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی شہادت کے بعد "خالد بن یزید بن حضرت امیر معاویہ رضؓ" نے شادی کرنی چاہی تو "حجاج" نے "عبید اللہ بن موہب کو خالد" کے پاس بھیجکر یہ کہلوا دیا کہ "میں نے سنا ہے کہ تو" خاندانِ زبیر کی ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے" بغیر اس کے کہ مجھ سے مشورہ لے تو ان لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا خیال بھی کس طرح کر سکتا ہے" جو ٹھیک نسب کے بھی نہیں ہیں" یہ ہی کام تیرے دادا نے بھی کیا تھا" (عائشہ بنت ام الحسن بنت حضرت زبیر رضؓ" حضرت امیر معاویہ رضؓ" کی بیوی تھیں" حجاج نے اس طرف اشارہ کیا ہے") یہ وہ ہی لوگ ہیں جو تیرے باپ کے ساتھ خلافت کے لئے جھگڑا چکے ہیں۔ اور اس کے خلاف ہر قسم کے توہین آمیز الزام لگا چکے ہیں۔ نیز تیرے باپ اور دادا کے ایمان میں کیڑے نکال چکے ہیں" خالد بن یزید" نے دیر تک اس پیام رساں کو دیکھا۔ پھر کہا" اگر تو پیام رساں نہ ہوتا۔ اور اس بنا پر نقصان سے امن میں نہ ہوتا" تو میں تیرا ایک ایک عضو کٹوا دیتا" اور تجھے تیرے آقا کے دروازے کے سامنے ڈلوا دیتا" اس سے کہہ "کہ میں نہیں مانتا کہ وہ (حجاج) اس رتبہ کو پہنچ چکا ہو کہ میں اس کا مشورہ لینے کا پابند ہو جاؤں" کہ میں کس عورت سے شادی کروں"

اور جب وہ مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے کہ ان لوگوں نے میرے باپ سے جھگڑا کیا تھا اور اس کی ہر طرح توہین کی تھی تو یہ قریشی لوگ ہیں۔ جو آپس میں جھگڑتے رہے ہیں" اور جب وہ یہ کہنے کی جراءت کرتا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک نسل کے نہیں ہیں" تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ "حجاج" کو انساب قریش کا کس قدر کم علم ہے" کیا "العوام" "عبد المطلب بن ہاشم" کے برابر کے نہ تھے" جب انہوں نے "صفیہ رضؓ بنت عبد المطلب" (والدہ ماجدہ حضرت زبیر رضؓ") سے اور "رسولِ خدا صلعم" نے "ام المؤمنین بی بی خدیجہ رضؓ" (حضرت زبیر رضؓ کی پھوپھی) سے نکاح کیا" (آغانی جلد ۱۶ صـ۳۰)

ترجمہ جامع ترمذی صـ۱۱۲ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ" میں ہے کہ "علی بن حجر" نے کہا" حدیث کی ہم سے "عقیل بن موسیٰ" نے "شریک سے" اور انہوں نے "عبد اللہ بن اہم" سے انہوں نے "حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ سے" کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے "قبیلہ ثقیف" میں "ایک کذاب" اور "ایک خونریز ہوگا" کہا گیا ہے کہ وہ کذاب "مختار بن ابو عبیدہ" ہے۔ اور خونریز

حجاج بن یوسف ہے" حدیث کی ہم سے "ابو داؤد" یعنی سلیمان بن سلمہ بلخی" نے انہوں نے کہا حدیث کی ہم سے "نضر بن شمیل" نے "ہشام بن حسان" سے کہا انہوں نے کہ لوگوں نے شمار کیا ہے کہ ان لوگوں کو جو "حجاج" نے قید کر کے قتل کئے ہیں" سو اُن مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار کو پہنچتی ہے" "یہ ایک لاکھ بیس ہزار وہ لوگ ہیں جو صرف اُس نے بے گناہ قتل کئے ہیں۔ بغیر جنگ اور خطا کے"

ترجمہ تنبیہ و اشراف مسعودی کے صفحہ ۱۸۹ و ۱۹۰ پر ہے کہ "جو لوگ حجاج کے حملوں اور لڑائیوں میں قتل ہوئے وہ تو الگ رہے جن کو "حجاج" نے پکڑ کر قتل کیا ہے۔ فقط اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی" جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ" کے رفیق و مصاحب "سعید ابن جبیرؓ" بھی تھے" "حجاج" نے انہیں ۹۴ ہجری میں قتل کیا" حجاج نے جب وفات پائی تو قیدخانہ میں اُس وقت پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں تھیں" حجاج کا قیدخانہ بالکل مہلک تھا جس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ جو قیدیوں کو گرمی و سردی سے بچا سکے" جو پانی ان کو پلایا جاتا تھا اس میں راکھ (مٹی) ملی ہوتی تھی" اُس کے مقتولین میں "قبیلہ بنی صہبان" کے "کمیل بن زیاد نخعی" بھی تھے جو "حضرت علی رضؓ" کے مصاحب تھے"

تاریخ کامل میں ہے کہ "حجاج" نے بڑے بڑے صحابہ کرام رضؓ پر بھی ظلم و ستم کرنے اور اُن کے قتل کرنے میں کمی نہیں کی" اُس نے ایک دفعہ "حضرت انس رضؓ" کو بھی دھمکایا اور بُرا کہا" اور اُن کے صاحبزادے کو قتل کر دیا" (ترجمہ کامل ابن اثیر حصہ دوم جلد ۴ ۔ صفحہ ۲۴)

تاریخ کامل میں ہے کہ "حضرت امام شافعی رضؓ" نے فرمایا ہے کہ "مجھے تو یہ خبر ملی ہے کہ "ایک مرتبہ "عبدالملک" نے (جس کا وہ گورنر و سپہ سالار تھا) حجاج سے کہا کہ "ہر شخص اپنے عیوب سے واقف ہوتا ہے" تم اپنے عیوب کو بلا کم و کاست بیان کرو" اُس نے کہا کہ "اے امیرالمومنین میں جھگڑالو۔ اور کینہ پرور ہوں" عبدالملک نے کہا کہ تجھ میں اور شیطان میں تب کوئی قرابت ہے۔ اُس نے کہا۔ اگر شیطان مجھ کو دیکھتا تو مجھ سے صلح کر لیتا" حضرت عمر بن عبدالعزیز اُموی" فرماتے تھے کہ اگر تمام اُمتیں" اپنے خبیثوں کو ایک جگہ جمع کریں اور ہماری قوم میں سے صرف "حجاج" کے مظالم پیش کئے جائیں تو ہم سب پر غالب آ جائیں گے" "حضرت علی رضؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم "ثقیف کے ایک شخص کو دیکھو گے" اُس نے پوچھا کہ "ثقیف کا وہ کون آدمی ہے" فرمایا کہ قیامت کے دن جس سے کہا جائے گا کہ ہم میں سے جہنم میں جانے کے لئے یہ شخص کافی ہے" "وہ بیس تیس برس تک حکومت کرے گا" دنیا کی کوئی معصیت اُس سے نہ چھوٹے گی" (ترجمہ کامل حصہ دوم جلد چہارم صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ" کی وفات کا باعث بھی حجاج ہوا" اُس کے حکم سے "حضرت ابن عمر رضؓ کے پاؤں کو زہر سے بجھے ہوئے نیزے سے ایک شخص نے زخمی کیا" جس کی وجہ سے "تین ماہ بعد آپ کی وفات ہو گئی" (ترجمہ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹)

اس ہمارے بیان میں لطیفہ یہ ہے کہ "ابن قتیبہ کے" بیان کی سند پر۔ اِن عبیداللہ فرحتی صاحب نے "حجاج کو" امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" جیسے عابد و زاہد صحابی رسول اللہ صلعم پر" القریش امرتسر جلد ۳ نمبر ۱۵ بابت ماہ جون ۱۹۱۷ء میں اپنے ایک مضمون میں ترجیح دی ہے" اور خانہ کعبہ کی تعمیر کے متعلق بھی جھوٹی روایت درج کر کے "حضرت امیرالمومنینؓ" پر الزام لگایا ہے" اور حجاج کو سراہا ہے" حالانکہ "ترجمہ صحیح بخاری جلد دوم پارہ ۱۳ کتاب الانساب صفحہ ۱۵۱ اور صحیح مسلم جلد اول کتاب الحج صفحہ ۴۲۵ و ۴۲۶ میں ہے کہ "آپ نے کعبہ کی تعمیر" کے "حدود" آنحضرت صلعم کی دلی خواہش کے مطابق رکھے تھے" جنہیں "حجاج" نے آپ کے بعد گم کر دیا" حجاج جیسے شخص کی تعریف کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ "خاندان حضرت زبیرؓ کا دشمن تھا۔ اور اُس نے "حضرت زبیر رضؓ" کے نسب کو بُرا بتایا تھا۔

مؤلف امروہوی نے جس طرح اپنے پسندیدہ اشخاص غیر معقب اصحاب سے متصل ہونے والوں کے شجروں کو درست فرمایا ہے اُس کی ایک مثال

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہوئے "مؤلف امروہوی کی کتاب سے لیکر ایک مثال اِس امر پر روشنی ڈالنے کے لئے بھی دیئے دیتے ہیں کہ جن خاندانوں کے شجرے اُن اشخاص سے متصل ہوتے ہیں جو اُن کی تحقیقات میں "غیر معقب ثابت ہوئے ہیں" تو اگر وہ مناسب سمجھتے ہیں تو ان شجروں کو اس طرح کسی معقب شخص سے متصل کر کے درست بھی کر دیتے ہیں" "تحقیقات الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۴۴ پر انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ "امروہہ میں "سادات عقیلی کا" خاندان اطبا کا تھا" ... اب معدودے چند افراد باقی ہیں جو گردش زمانہ سے پریشان روزگار

ہیں "تاریخ واسطیہ" نے "اِس خاندان کا سلسلۂ نسب "عبداللہ بن مُسلم بن عقیلؓ" سے متصل کیا ہے " حالانکہ "مُسلم مذکور (المتوفی سنہ ۶۰ ہجری) سے کوئی نسل باقی نہیں رہی "حضرت عقیلؓ" کا عقب اُن کے صرف ایک بیٹے "محمدؒ" سے باقی رہا، جو حضرت علی رضؓ" کے داماد تھے "اُن کے تین بیٹے "ابو محمد عبداللہ" "قاسم" اور "عبدالرحمٰن ہوئے" آخرالذکر دو بھائی مُنقرض ہیں "ابو محمد عبداللہؒ" کا عقب "محمدؒ" اور "مُسلم" سے باقی رہا "محمدؒ" مذکور کے پانچ بیٹے "قاسم" "عقیل" "علی" "طاہر" اور "ابراہیم" ہوئے" اور "مُسلم مذکور کے تین بیٹے "عبدالرحمٰن" "محمد" اور "عبداللہ" تھے ۔ "شاید" امروہہ کے "خاندان عقیلی" کا سلسلۂ نسب "مُسلم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل رضؓ" سے متصل ہوتا ہو" جیسا کہ "واسطیہ" نے لکھا ہے "مُسلم بن عقیلؓ" سے ۔

اِس مثال سے معلوم ہوگیا ہے کہ "مؤلف تحقیقات الانساب تاریخ امروہہ" کا دل جن سے راضی نہیں ہے" انہیں اپنے قلم کی گردش سے "لاعقب" بنا دیتے ہیں" اور جن سے وہ راضی ہیں "اُن کے شجرے جو کسی لاعقب شخص سے متصل ہیں اُن کو "شاید" کا سہارا لیکر اس طرح درست کردیتے ہیں ۔ جیسا "سادات عقیلی کے اِس خاندان کے شجرے کو انہوں نے یہ لکھکر کہ "شاید امروہہ کے خاندانِ عقیلی کا سلسلۂ نسب "مُسلم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل" سے متصل ہوتا ہو" جیسا کہ "واسطیہ" نے کیا ہے ۔ "مُسلم بن عقیلؓ" سے درست کردیا ہے"

عیسیٰ بن حضرت مُصعبؓ کی اولاد کی بحث کا خاتمہ اور مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

یہاں ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ جب "حضرت مُصعب بن زبیر رضؓ" کے دو بیٹوں کا نام "عیسیٰ" اُنہوں نے "طبقات ابن سعد" میں دیکھا تھا" اور "مُصعب بن مُصعب بن حضرت زبیر رضؓ کے ایک صاحبزادے کا نام اُنہوں نے "طبری" اور "ابن اثیر" وغیرہ کتابوں میں بار بار "عیسیٰ" پڑھا تھا" تو کس خیال سے انہوں نے "اِن ناموں کو اخفا کرکے "حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ" کے اِس شجرے پر جو "عیسیٰ بن مُصعب بن حضرت زبیر رضؓ" پر منتہی ہوتا ہے" اعتراض کرکے اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے" اور وہ کیا بغض اُن کے دل میں ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ایسی غلط بیانی کرکے اپنے دل کی سوزش پر مرہم رکھنا ضروری سمجھا ہے"

مؤلف امروہوی کے اُس اعتراض کا جواب جو انہوں نے "حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ العزیز" کے شجرے پر کیا ہے" ہم نے پورے طور سے دیدیا ہے" اور بخوبی ثابت کردیا ہے کہ "مؤلف امروہوی کے اِس اعتراض کی وقعت پرکاہ کی برابر بھی نہیں ہے" کیونکہ یہاں ہم اچھے طور سے ثابت کرچکے ہیں کہ "عیسیٰ الاکبر بن حضرت مُصعب بن الزبیر رضؓ" لاولد نہیں شہید ہوئے تھے" اور حضرت مُصعب بن زبیرؓ کے دوسرے صاحبزادے "عیسیٰ الاصغر" بھی تھے" نیز "مُصعب بن حضرت مُصعب بن الزبیر رضؓ" کے ایک صاحبزادے کا نام بھی "عیسیٰؒ" تھا ۔ اِس لئے اِس بحث کو ختم کرکے اب ہم "اِن مؤلف موصوف کے اُس اعتراض کی حقیقت کو دکھاتے ہیں جو انہوں نے "نواب شہباز خاں رحمۃ اللہ علیہ" کے شجرے پر کیا ہے"

باب ششدہم

"اِسی طرح "نواب شہباز خاں" کا سلسلۂ نسب جو "فوط بن رواح بن عبداللہ" کے واسطہ سے "حضرت زبیر رضؓ بن العوام" تک پہنچایا گیا ہے" وہ بھی غیر متصل اور منقطع ہے" عبداللہ بن زبیر رضؓ کے کسی بیٹے کا نام "رواح" یا اُن کے کسی پوتے کا نام "فوط" کہیں نہیں ملتا ۔ اور نہ یہ نام اُن کی اولاد میں پائے جاتے ہیں" اور نہ اِسلام کے بعد "عرب کے مقتدر خاندانوں" اور خصوصاً قریش کی معزز شاخوں میں اِس قسم کے ناموں کا وجود باقی رہا ہے ۔

"عبداللہ بن زبیر رضؓ" کے بیٹوں کے جو نام "کتب انساب" میں ملتے ہیں یہ ہیں" (۱) حمزہ" (۲) حبیب" (۳) ثابت" (۴) موسیٰ" (۵) عباد" (۶) قیس" (۷) عامر" (۸) اور عبداللہ" ان میں سے "حبیب" اور "قیس" کے

کے اَوْلاد نہ تھی۔ اور ”عبداللہ بن عبداللہ بن زبیرؓ“ کے صرف اولاد دختری تھی ” باقی بیٹوں کی اولاد زیادہ تر ”مدینہ منورہ“ میں ساکن رہی۔ لیکن اُن کی اولاد میں ”فوط“ یا ”رواح“ کوئی نام نہیں پایا جاتا ”پس جبکہ ”نواب موصوف“ کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بوجوہ مندرجہ بالا منقطع اور غیر متصل ہے۔ نیز جب کسی ”معتبر قدیم تذکرہ یا تاریخ میں۔ اُن کے ”زبیری“ ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ تو یہ امر ظاہر ہے کہ ”نہ یہ سلسلہ صحیح ہے۔ اور نہ ”زبیریت“ کی روایت کی کوئی اصلیت ہے“ (ص۲۴۲)

اِس بیان کے فقرہ اوّل میں ”محقق صاحب نے یہ بات جو لکھی ہے کہ ”حضرت عبداللہ بن زبیرؓ“ کے صاحبزادے کا نام ”رواح“ اور پوتے کا نام ”فوط“ تھا“ صحیح نہیں ہے“ المشاہیر کے ص۶۶ پر صاف تحریر ہے کہ ”حضرت عبداللہ“ کے صاحبزادے کا نام فوط اور فوط کے صاحبزادے کا نام بھی ”رواح“ نہیں بلکہ ”ریاح تھا“

عرب میں شیوعِ اسلام سے صدیوں بعد تک عرب کے مقتدر خاندانوں میں۔ ریاح اور فوطہ نام رکھے جانے کے ثبوت

مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی قطعاً غلط ہے کہ ”عرب کے مقتدر خاندانوں اور خصوصاً قریش کی معزز شاخوں میں اسلام کے بعد اِس قسم کے ناموں کا وجود باقی نہیں رہا تھا“ ظاہر ہے کہ ”اسلام آنے کے بعد“ عربوں اور قریشیوں وغیرہ کے مذہب اور رسم و رواج میں جو بھی تبدیلیاں ہوئیں وہ بربنائے احکام خدا“ اور ”رسول اللہ صلعم“ کے فرمانِ مبارک کی وجہ سے ہوئیں“ کیونکہ عربوں کے کسی ایک قبیلہ کو بھی اِن ناموں کے رکھنے کی ممانعت نہیں کی گئی“ اِس لئے عرب بشمول قریش ”حضور اکرم صلعم کے زمانے میں ”صحابۂ کرام رضؓ“ کے زمانے میں“ تابعین و تبع تابعین کے زمانوں میں ”اپنی اولاد کے برابر یہ نام رکھتے آئے ہیں“ بلکہ صدیوں بعد تک کے عرب اور قریشی اصحاب کے یہ نام کتب انساب اور تواریخ میں ملتے ہیں“ اور اُن میں دیکھے جاسکتے ہیں“ اورنٹیل کالج میگزین لاہور بابتہ ماہ فروری ۱۹۳۸ء کے ص۶۸ و ۶۹ پر ”محمد اقبال صاحب نے جو ایک مضمون ”علامہ ابن الفوطی“ کی کتاب پر لکھا ہے“ اُس سے علامہ مذکور کے والد ”فوط“ کا زمانہ بخوبی معلوم ہوتا ہے ”محمد اقبال صاحب لکھتے ہیں کہ ”مئی ۱۹۳۵ء کے اورنٹیل کالج میگزین میں“ میں نے ایک مضمون ”علامہ ابن الفوطی“ پر شائع کیا تھا“ اُن کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب موسومہ ”حوادث المائتہ السابعہ“ کا ذکر۔ اِس مضمون میں ہے جس کا پورا نام ”حاجی خلیفہ“ نے ”الحوادث الجامعہ والتجارت النافعہ فی المائتہ السابعہ“ لکھا ہے“ ۱۳۵۱ء میں ”المکتبۃ العربیہ بغداد“ نے اِس کتاب کو شائع کیا تھا“ کتاب مذکور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ساتویں صدی کے حوادث پر مشتمل ہے“ اور عربی کی دیگر کتب تواریخ کی طرح واقعات کو بہ ترتیب سنین لکھا گیا ہے“ جس قلمی نسخے سے اسے طبع کیا گیا ہے“ وہ ناقص الاوّل ہے“ لہٰذا مصنّف کے نام اور تاریخ تالیف کا کہیں ذکر نہیں ”سنہ ۶۲۶ ہجری“ کے واقعات کے بیچ میں کہیں سے شروع ہوتا ہے اور ”سنہ ہجری کے اخیر پر ختم ہوتا ہے“ یہ واحد قلمی نسخہ۔ ابتداءً شام کے ایک فاضل عیسائی مستشرق ”جرجس صفا“ کے کتب خانہ میں تھا۔ جس نے ۱۹۱۳ء میں ”رسالہ المشرق“ میں اس پر ایک مضمون لکھا۔ اور بتایا کہ وہ بظاہر مصنّف کا خود نوشتہ ہے۔ اِس لئے اِس میں جابجا جملوں کو کاٹ کر اِصلاح کی گئی ہے۔ اور بعض صفحوں پر سادہ ورق چپکا کر ساری عبارت کو بدل کر دوبارہ لکھا گیا ہے“ بعض جگہ پورا صفحہ یا اُس کا کچھ حصہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے“ اِس نسخہ کو ”مصر کے“ مشہور فاضل اور رئیس ”احمد تیمور پاشا“ نے ”جرجس صفا“ سے خرید لیا۔ اور اُس کی ایک عکسی نقل ”مکتبہ الاوقاف العراقیہ بغداد“ کو بطور ہدیہ بھیجی“ اِسی نقل سے یہ مطبوعہ اڈیشن شائع کیا گیا ہے۔

مراۃ الجہال تصنیف شیر خاں ابن علی امجد خاں لودی بزمانۂ شاہجہاں و عالمگیر قلمی جو ہمارے خود کے کتب خانہ میں موجود ہے“ اس کے ورق ۴ پر ”اسمائے موجدانِ خطوط و خوش نویسان“ کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ“

آوردہ اند کہ اکثرے ازیں خطوط در ابتدا علی ابن ہلال ”خوب نوشت“ و ملا جلال الدین یاقوت بکمال رسانید“ و بعد از وے ششش شاگرد او در خوشنویسی علم گردیدند“

لکھا ہے کہ ”ان خطوط میں سے اکثر کو شروع میں علی بن ہلال نے خوب لکھا“ اور ملا جلال الدین یاقوت نے کمال کو پہنچایا“ اس کے بعد اُس کے چھ شاگرد خوشنویسی میں مشہور ہیں۔

(۱) شیخ احمد کہ بہ شیخ زادہ سہروردی مشہور است۔
(۲) از غون کابلی، (۳) مولانا یوسف شاہ مشہدی، (۴) مبارک شاہ زریں رقم، (۵) سید حیدر، (۶) میر یحییٰ، و از متاخرین، خواجہ عبداللہ صرفی، ملا یحییٰ شیرازی، عبداللہ آتش تیز ہروی، و حافظ قوطہ ہروی، و مولانا ابابکر، و شیخ محمود، و خواجہ عبداللہ مروارید بر ہفت قلم را بپایہ اعلیٰ رسانیدند۔

(۱) شیخ احمد جو شیخ زادہ سہروردی مشہور ہے۔
(۲) ازغون کابلی (۳) مولانا یوسف شاہ مشہدی، (۴) مبارک شاہ زریں رقم، (۵) سید حیدر (۶) میر یحییٰ، و از متاخرین، خواجہ عبداللہ صرفی، ملا یحییٰ شیرازی، عبداللہ آتش تیز ہروی، و حافظ قوطہ ہروی، و مولانا ابابکر، و شیخ محمود، و خواجہ عبداللہ مروارید، ان ساتوں نے قلم کو پایہ عالی پر پہنچایا۔

(نوٹ، (نوط، منقش چادر یا خلدار چادریں) ——— (از مجموعہ لغات عربی منشی سدا سکھ لال مطبوعہ نور الابصار پریس الہ آباد طبع ۱۸۸۰ء)

طبری میں ہے کہ "موسیٰ بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ "ابو جعفر (منصور عباسی) نے جب مُرّی عربوں کے سردار "ابن القسری" کو علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے "ریاح بن عثمان بن حیان المری" کو بلا کر "عبداللہ (محمد نفس ذکیہ کے والد) بن حسن مثنیٰ ابن حضرت حسن بن حضرت علی رضؓ) کے بیٹوں کے معاملہ میں "زیاد" اور "ابن القسری" کی سہل انگاری۔ اور بد دیانتی کی شکایت کر کے اُس کو "مدینہ کا والی" مقرر کر کے حکم دیا کہ اسی وقت گھر جانے سے پہلے اپنے مستقر حکومت کو چلے جاؤ" اور مدینہ پہنچ کر اُن دونوں کی تلاش میں پوری جد و جہد کو کام میں لاؤ" (۲۳ رمضان ۱۴۴ھ ہجری) کو جمعہ کے دن "ریاح" منزلیں طے کرتا ہوا جمعہ کے دن "مدینہ" پہنچ گیا" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل ص۱۴۸ و ۱۴۹)

اسی "ریاح" نے مدینہ منورہ پہنچ کر "بنی حسن رضؓ" کو گرفتار کر کے "پابہ زنجیر" منصور کے پاس عراق بھیجدیا۔ جہاں اُن پر ایسے ظلم و ستم کیئے گئے کہ "چنگیز خاں" کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آئے ہوں گے" "ریاح" نے "محمد نفس ذکیہ" کی تلاش میں بھی ایسی کوشش کی کہ آخر جان سے تنگ ہو کر ۱۴۵ھ ہجری میں "زبیری اسدیوں" کی امداد سے انہوں نے خروج کر کے "ریاح" کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا" ان سب واقعات کی تفصیل طبری اور دوسری تاریخوں میں موجود ہے" آخر کار "عیسیٰ بن مصعب بن حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ (الملقب بہ ابن خضیر) نے اس منصور عباسی کے گورنر کو جان سے مار ڈالا" طبری میں ہے کہ "محمد بن عمر" نے روایت کی ہے کہ "محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ" کے ساتھ "مصعب بن حضرت زبیرؓ" کے ایک پوتے "ابن خضیر" (عیسیٰ بن مصعب الملقب بہ خضیر بن حضرت مصعبؓ) تاریخ کامل میں بجائے ابن خضیر کے عیسیٰ نام لکھا ہے) بھی تھے جس دن کہ "محمد" مارے گئے" انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے ساتھیوں میں تعطل واقع ہو گیا ہے۔ اور تلوار نے اُن کا صفایا کر دیا ہے۔ انہوں نے "محمد" سے "مدینہ" جانے کی اجازت لی" محمد نے انہیں اجازت دیدی مگر انہیں یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کیوں "مدینہ" جا رہے ہیں" انہوں نے "ریاح بن عثمان بن حیان المری" اور اس کے بھائی کو زبردستی جیل میں گھس کر۔ ذبح کر دیا" اور واپس آکر محمد کو اطلاع دی۔ پھر آگے بڑھکر حریف سے لڑے اور مارے گئے"

"حارث بن اسحٰق کہتا ہے کہ "ابن خضیر" (عیسیٰ بن مصعب) نے "ریاح" کو ذبح کر ڈالا مگر اُس کا تن سے جدا نہیں کیا" بلکہ دیوار سے ٹکرا ٹکرا کے مار ڈالا" (تاریخ طبری جلد سوم حصہ اوّل ص۲۲۵)

اس بیان سے یہ بخوبی معلوم ہو گیا" کہ ۱۴۵ھ ہجری میں "منصور" کا گورنر جو قریشی تھا اُس کا نام "ریاح" تھا"

اسلام کے ہیروڈوٹس علامہ مسعودی نے ۳۰۳ھ ہجری میں سندھ کا سفر کیا تھا، انہوں نے اپنی کتاب مروج الذہب و معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ "عمر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز" "ہباری" "اسدی" "قریشی" "بادشاہ سلطنت منصورہ سندھ کے وزیر کا نام "ریاح" تھا اور "رباح" کے دو بیٹے "محمد اور علی" تھے"

ہم نے جو یہ مثالیں اُوپر دیدی ہیں" ان کی بھی ضرورت نہ تھی" کیونکہ مؤلف صاحب" کے بیان کی تکذیب" خود "رسول مقبول صلعم" کی حدیث سے ہو جاتی ہے" حضور صلعم نے غلاموں کے چار نام رکھنے کی ممانعت فرمائی تھی" عربوں اور قریشیوں کے لئے ان ناموں کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا تھا"

مؤلف امروہوی کی تحریف حدیث نبوی صلعم میں

صحیح مسلم میں ہے کہ "سمرہ بن جندبؓ" سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلعم" نے ہم کو اپنے غلاموں کے مذکورہ ذیل چار نام رکھنے کی ممانعت فرمادی تھی "افلح" "رباح" "یسار" "نافع" (کتاب الآداب حدیث ۱۸۸۸)

حضورؐ نے فرمایا۔ اپنے غلاموں کا نام "نہ افلح رکھو" "نہ رباح" "نہ یسار" "نہ نافع" (سمرہؓ حدیث ۱۹۸۹) (ترجمہ صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۱۵)

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات اب قطعی طور سے معلوم ہوگئی کہ "ہمارے مؤلف صاحب کو تاریخی واقعات کے اخفا کے علاوہ "اپنی غرض کے لئے احادیث نبویؐ" میں بھی تحریف کرنے میں کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے"

ایک حدیث یعنی حدیثوں میں نئی بات نکالنے والا مردود ہے

ترجمہ صحیح بخاری جلد اوّل کے صفحہ ۳۵ میں "حضرت زبیرؓ" کی حدیث ہے کہ "انہوں نے اپنے صاحبزادے "حضرت عبداللہؓ" سے فرمایا کہ "جانِ پدر" حضور صلعم کی رفاقت اور معیت میں دوسروں سے میرا کم حصہ نہیں ہے "میں رسول اللہ صلعم سے جدا نہیں ہوا۔ مجھے بہت حدیثیں معلوم ہیں لیکن چونکہ میں نے "آنحضرت صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جو شخص میرے اوپر جھوٹ بولے تو اُسے چاہئے۔ اپنا ٹھکانا آگ میں (جہنم میں) تلاش کرے۔ اس لئے حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" دونوں میں حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلعم" نے فرمایا "جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے۔ تو وہ مردود ہے"

دوسری حدیث۔ یعنی آنحضرت صلعم سے غلط بات کو منسوب کرنے والا دوزخی ہے

ربعی بن حراشؓ کہتے ہیں کہ میں نے "حضرت علیؓ کو فرماتے سنا ہے کہ "حضرت نبی صلعم کا ارشاد ہے کہ "میری جانب (کبھی) کسی جھوٹی بات کو منسوب نہ کرو" کیونکہ جو شخص میری جانب کسی جھوٹ بات کو منسوب کرے گا قطعی دوزخ میں جائے گا"

باطنی جس طرح تحریفیں کیا کرتے تھے

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے ایک مضمون "الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ" بابت ماہ فروری ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۵ تا ۱۹ پر "جواب تبصرہ "اسلام اور بہائیت" کی سرخی کے تحت لکھا ہے" اس میں "باطنیوں کے تحریفیں کرنے کے طریقے اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ "باطنیوں کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ "وہ کلام پاک کی بے جوڑ آیتیں لیکر ان میں "تحریف و تبدیلی کرکے" اپنا مطلب ثابت کیا کرتے ہیں" حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ (۱) کسی متکلم کی پوری عبارت میں سے اگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ اور جملے لیکر اور آگے پیچھے سے بے تعلق کرکے ان کی تشریح کی جائے "تو مطلب کچھ سے کچھ ہو جائے گا" (۲) اس کے ساتھ دوسرا اصول ان کا یہ رہا ہے کہ "کسی لفظ کو جس کے چند معنی ہوں۔ اور ان میں سے کسی ایک کے معنی کی تعین قرینہ "سیاق و سباق" اور آگے پیچھے کی عبارت سے ہوتی ہو۔ تو وہ اس کی کوشش کریں گے کہ اس کے بجائے وہ اپنے مطلب کے مطابق اس لفظ کے ایک معنی لیکر اس سے اپنا مدعا ثابت کریں" (۳) دو زبانوں میں اگر ایک لفظ مشترک ہے لیکن دونوں زبانوں میں اس کے دو معنی ہیں۔ تو وہ دوسری زبان کے مطابق اگر وہ ان کے مدعا کے لئے مفید ہوں تو ترجمہ کریں گے۔ اور اصل عربی زبان کے معنی کو چھوڑ دیں گے"

ہم نے جو دو حدیثیں "صحیح مسلم" سے لیکر غلاموں کے ناموں کے متعلق لکھی ہیں۔ (جن میں ایک نام "رباح" بھی ہے" اور جسے مؤلف امروہوی نے "بجائے غلاموں کے "عربوں اور خصوصاً قریشیوں سے منسوب کر دیا ہے" "سید سلیمان صاحب" کے بیان کے بعد" یہیں

اپنی طرف سے مؤلف موصوف کے اِن حدیثوں میں تحریف یا "تغیر و تبدل" کر دینے کی وجہ پر کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

مؤلف امروہوی کی "ابن قتیبہ" کے بجائے کتب انساب لکھنے میں دھوکا دہی

اب ہم امیرالمؤمنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رض کے بیٹوں کی اولاد کو جو مؤلف امروہوی کو "کتب انساب میں ملی ہے" جانچتے ہیں کہ اُن کا بیان کہاں تک صحیح و درست ہے۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ مؤلف صاحب نے جو "کتب انساب" کا لفظ لکھا ہے - یہ بھی مغالطہ میں ڈالنے والا ہے "تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ انہوں نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں" حالانکہ "اُن کا دارومدار یہاں بھی صرف ایک ہی کتاب "المعارف ابن قتیبہ" کے سوا کسی دوسری کتاب پر ہرگز نہیں ہے" انساب کے متعلق یا تو وہ اِس کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب کو دیکھنا گناہ سمجھتے ہیں - یا اگر انہیں کسی کتاب میں ابن قتیبہ کے بیان سے کچھ زائد نظر آتا ہے تو اُسے اپنے مقصد کے منافی سمجھ کر ظاہر کرنا ضروری نہیں سمجھتے "جس طرح چوہے کے ہاتھ ایک ہلدی کی گرہ آگئی تھی اور وہ اُس کو دکھا دکھا کر کہتا پھرتا تھا کہ دیکھو میں پنساری ہو گیا ہوں" اِسی طرح اِن مؤلف صاحب کا حال ہے کہ انہیں معارف ابن قتیبہ کیا مل گئی ہے کہ وہ اپنے آپے میں نہیں رہے ہیں" اور اِس ایک کتاب کی بنا پر ہر جگہ یہ غلط اِدعا کر دیتے ہیں کہ "ہر کتاب کو ہم نے دیکھ لیا ہے"۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ "اُن کی اولاد "حمزہ" "خبیب" "ثابت" "موسیٰ" "عباد" "قیس" "عامر" "عبداللہ" اور چند لڑکیاں تھیں "حضرت عبداللہ بن زبیر رض" نے اپنی لڑکیاں اپنے بھتیجوں سے بیاہ دی تھیں" (ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اول صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۰)

اب آپ خود "ابن قتیبہ" اور "مؤلف امروہوی صاحب" کے دیئے ہوئے ناموں کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دونوں کے بیانات میں یکسانی ہے یا نہیں" اور "بجائے ابن قتیبہ کے "کتب انساب" کا جو لفظ" مؤلف صاحب نے لکھا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں"

حضرت عبداللہ بن زبیر رض کی اولاد کی تعداد کے متعلق مؤلف امروہوی کی غلط بیانی کی چالاک دامالی

ہم باب پانزدہم میں ابن قتیبہ کے بیانات کی پوری پوری حقیقت دکھا آئے ہیں" اس لئے یہاں اِس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اب تک "طبقات ابن سعد" کی مکمل نو جلدیں "ہمارے مطالعہ میں آئی ہیں" اُن میں پہلی آٹھ میں تو مردوں کے اور نویں میں عورتوں کے حالات ہیں" لیکن اِن جلدوں میں سے کسی میں "حضرت عبداللہ بن زبیر رض" کے حالات نہیں ہیں - وہ طبقات کی باقی ماندہ اُن تین جلدوں میں سے کسی ایک میں ہوں گے جو "کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن" میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے مطالعہ میں نہیں آسکیں" اور "علامہ مسعودی کی "کتاب الوسط" بھی ہماری نظر سے نہیں گذری" مگر اس پر بھی ہم "حضرت امیرالمؤمنین رض" کی ساری اولاد سے "ابن قتیبہ" کی ناواقفیت دکھانے میں قاصر نہیں ہیں"

شاہ معین الدین احمد ندوی نے "اپنی کتاب "سیر الصحابہ رض" میں "حضرت عبداللہ بن زبیر رض" کے حالات میں لکھا ہے کہ "ابن زبیر رض" کی ازواج اور اولاد کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے" (سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۲۱ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۳۲ء)

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ "جو لوگ اُن کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اُن کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی" اِن ہی لوگوں میں اُن کے بیٹے "حمزہ" اور "خبیب" بھی شامل تھے" ان دونوں نے اپنی جانوں کے لئے امان طلب کر لی تھی" سات مہینے محصور رہنے اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے سے مجبور ہو کر ان کو امان لیکر "مکہ معظمہ" سے باہر آجانا پڑا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رض نے اپنے صاحبزادے "زبیر" سے بھی کہا کہ تم اپنے بھائیوں کی طرح کرو۔ بخدا میں تمہارے زندہ رہنے کو پسند کرتا ہوں"

اِس کے جواب میں اُس نے (زبیر بن حضرت عبداللہ بن الزبیر رض نے) کہا کہ میں وہ نہیں ہوں جس کو اپنی جان مرغوب ہو۔ چنانچہ اُس نے "اپنے والد بزرگوار کا ساتھ دیا اور جنگ میں کام آیا" (ترجمہ تاریخ کامل ابن الاثیر جلد چہارم ص [illegible])

"زبیر بن حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رض" کا نام جرمن مستشرق "ایف ووسٹن فیلڈ" نے بھی اپنی کتاب "ذراری فی الزبیر"

مطبوعہ گوتھن میں "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی اولاد کے شجرے میں تحریر کیا ہے۔ یہاں یہ بات بتلا دینی ضروری ہے کہ "ایف۔ وسٹن فیلڈ" نے جس وقت اپنی کتاب لکھی ہے اس وقت اس کی نظر سے "طبقات ابن سعد" نہیں گذری تھی۔ کیونکہ اس وقت تک وہ شائع نہیں ہوئی تھی۔

ریاح بن قوطہ اور قوطہ بن حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کے نام "رسالہ شہباز خانی" میں موجود ہیں۔ اور یہ رسالہ آج سے کچھ کم چار سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ سلسلۂ عالیہ میں بھی موجود ہیں اور المشاہیر میں بھی تحریر ہیں۔

علاوہ "زبیر بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" اور "ریاح بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے ہم کو دو نام اور "ہاشم" اور "عمر" حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کے صاحبزادوں کے "تاریخ الکبیر امام بخاری" اور "الجرح والتعدیل" سے معلوم ہوئے ہیں۔ تاریخ الکبیر القسم ثانی من جزء الرابع تصنیف امام بخاری کے صفحہ ٢٣٥ پر سطر ٢٤٤ میں تحریر ہے کہ "ہاشم بن عبداللہ بن الزبیرؓ" "ان عمر ابن الخطاب اصابتہ مصیبتہ فاتی رسول اللہ صلعم قالہ یونس بن یزید عن ابن شہاب قال حدثنی المعلی بن روبتہ عن ہاشم" "الجرح والتعدیل الجزء الثالث تصنیف امام ابی محمد عبدالرحمٰن المتوفی ٣٢٧ ہجری کے صفحہ ١١٨ پر سطر ٦٣٣ میں تحریر ہے کہ "عمر بن عبداللہ بن الزبیرؓ" "روی عن ابن الزبیر روی عنہ عبداللہ بن مسلم بن ہرمز سمعت ابی یقول ذلک" یہ دونوں کتابیں مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی ہیں اور سنہ ١٣٦٠ ہجری میں بار اول طبع ہوئی ہیں۔ "کتاب المحبر کے صفحہ ٥٥ پر "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی زوجہ کا نام "ام الحسن" لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام "حسن" بھی تھا۔ علاوہ ان کے "زبیریان خاندیس" کے پاس جو شجرہ ہے۔ اس میں "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے ایک صاحبزادے کا "معروف" تحریر ہے۔

عبداللہ بن حضرت عبداللہؓ کے اولاد ذکور نہ ہونے کے "مؤلف امروہوی کے بیان کی تردیدی شہادت

کتب انساب سے مؤلف صاحب نے "امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے جس قدر صاحبزادے ہونا بیان کئے ہیں۔ ان کی اس بارے میں تحقیقات کی غلطی ثابت کر دینے یعنی حضرت امیر المؤمنینؓ کے مزید صاحبزادے دکھا چکنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ جناب مؤلف صاحب کے اس بیان میں بھی ذرہ برابر صداقت نہیں ہے کہ "عبداللہ بن حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے صرف اولاد دختری تھی۔ انہوں نے "کتاب انساب" کا حوالہ دیا ہے لیکن نام کسی کتاب کا بھی ظاہر نہیں کیا۔ مگر ہم انہیں "انساب" کی کتاب سے بتاتے ہیں کہ "عبدہ بن حضرت عبداللہؓ" کے اولاد ذکور تھی اور اس کی نسل بھی خوب چلی ہے۔

"کتاب الانساب امام سمعانیؒ" میں ہے کہ "ابو ذر عبدالصمد" بن احمد" بن الحسن" بن علی" بن محمد" بن یحییٰ" بن عبدہ" بن حضرت عبداللہ بن الزبیر القاری الزبیری" "مدنی" ہیں۔ مدینہ داخلہ کے رہنے والے تھے۔ "ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ" "ابو العباس محمد بن اسحٰق الرابع" اور "ابو عبداللہ محمد بن المسیب الارغیانی" سے حدیثیں سنیں۔ ان کے والد بھی محدث تھے۔ انہوں نے ان تمام شیوخ سے اپنی کم سنی میں حدیثیں سنی تھیں۔ سنہ ٤٥٠ ہجری میں انتقال کیا۔

نواب شہباز خاں کے شجرۂ نسب کے خلاف مؤلف امروہوی کی کھڑی کی ہوئی عمارت کی مسماری

اب جبکہ ہم نے مؤلف صاحب کی غلط بیانیوں کو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اور ان کی تعمیر کردہ عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ تو اپنے اس ارشاد شدہ بیان کی بنا پر جو انہوں نے "نواب شہباز خاں" کے سلسلے کے منقطع اور غیر متصل ہونے" اور ان کی زبیریت کی کوئی اصلیت نہ ہونے کا نتیجہ نکالا ہے۔ وہ بھی ان کی عمارت کے ساتھ ہی پادر ہوا ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب بانس ہی نہ رہی تو اس کے ساتھ بانسری بھی اسی کے ساتھ ختم ہو گئے۔ اس لئے مؤلف صاحب کی اس تحقیقات کی حیثیت بخوبی دکھا چکنے کے بعد اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اور امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی معلومہ اولاد کا شجرہ پیش کرتے ہیں۔

اولاد حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ

- عامر ← عتیق ← عمر ← حفصہ (طبقات) ← عتیق (طبقات)
- خبیب
- موسیٰ ← صدیق (طبقات جلد ۵ ص ۳۵۱) ← یحییٰ، زوج حفصہ بن عمر ← عتیق (طبقات جلد ۵ ص ۳۲۹)
- زبیر
- حمزہ
  - عبدالواحد (الجرح والتعدیل)
  - زبیر ← یحییٰ (ذاتی نیلی الزبیرؓ)
- قیس ← عبداللہ
- ثابت
  - حبیب ← زبیر محدث (کتاب الانساب امام سمعانی)
  - نافع ← عبداللہ محدث ۳۲۵ (طبقات جلد ۵)
  - مصعب ← عبداللہ (زوج ام الجبار و خدیجہ وغیرہ، طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۲۲)
    - ابوبکر بکار ← ابوعبداللہ الزبیر (ذاتی نیلی الزبیرا)
      - عبداللہ
      - مصعب ← جعفر (کتاب الانساب امام سمعانی، رشحہ مصنفین غیر مطبوعہ، تالیف علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی)
    - محمد الاکبر
    - محمد الاصغر
    - ابوعبداللہ مصعب (طبقات جلد ۵ ص ۳۲۵) ← عبداللہ (طبقات ابن اثیر، طبری، اغانی و ابو محاسن وغیرہ)
    - علی
    - احمد
    - عبداللہ
    - زبیر (ذاتی نیلی الزبیرؓ)
- عباد
  - عباد شیخ جلیل
  - یحییٰ بن حبیب
  - محدث (کتاب الانساب امام سمعانی)
- عبد ضیا ← یحییٰ ← محمد ← علی ← الحسین ← احمد ← ابوذر عبدالصمد محدث (کتاب الانساب امام سمعانی)
- قوط ← ریاح ← زید ← خطاب ← فضل اللہ ← عبداللہ ← مبارک اللہ ← داؤد ← محمود ← ادریس محمد ← دانیال ← سلیمان ← یعقوب ← ابراہیم ← معروف متوکل ← احمد پارسا ← عبدالملک زاہد ← کمال الدین ← حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال ← جلال الدین ← شہاب الدین ← معزالدین مخاطب صدر جہاں ← برہان الدین ← بہاؤالدین ← شیخ صدرالدین
  - کرم اللہ از امرائے اکبری
  - شیر اللہ الملقب نواب نظام الدین شیبا خان
    - دختر زوجہ شیخ محمد طاہر
    - دختر زوجہ عزیز الدین امرائے اکبری شہید گجرات
    - امام اللہ تاریخ نگار شاہجہاں
    - عنایت اللہ خان از امرائے شاہجہاں
- ہاشم (تاریخ الاکبر دوم جزو رابع ص ۳۳۵ تالیف امام بخاری مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)
- حسن (کتاب المحبر ص ۳۳۵)
- معروف ← محمود ← اسحٰق ← اسمٰعیل ← محمد قاسم ← ابراہیم ← اسحٰق ← اسمٰعیل ← محمد قاسم ← زبیر ← محمود ← وحید ← محمد قاسم ← فرید ← محمد یوسف ← خلیل اللہ ← عبدالغنی ← شیخ عبدالکریم ← قاضی عبداللہ بزمانہ شاہجہاں، مورث زبیریان خاندیس
- عمر (الجرح والتعدیل جزو ثالث، مطبوعہ دائرۃ المعارف)
- فاطمہ
- فاختہ (کتاب المحبر ص ۵۸)

اب ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر بن العوام " کی ازواج و اولاد کی صحیح تعداد بتانی مشکل ہے " کیونکہ ابھی تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملی ہے " جس سے آپ کی ازواج و اولاد کی پوری تفصیل معلوم ہو سکتی ہو " لیکن آپ کی جس قدر اولاد کا حال ہمیں اب تک معلوم ہوا ہے " وہ ہی اِن مؤلف صاحب امروہوی کے ممدوح " ابن قتیبہ " کے بیان کی تردید کے لئے کافی سے زیادہ ہو گیا ہے " ابن قتیبہ " نے " حضرت عبد اللہ بن زبیر رض " کے آٹھ صاحبزادے اور چند لڑکیاں ہونا بتایا ہے " اُس کے مقابلے میں ہم نے آپ کے " چودہ صاحبزادوں " اور " دو صاحبزادیوں کے نام دکھلا دیئے ہیں " ایسی حالت میں " ابن قتیبہ " کے بیان کی حقیقت " جسے مؤلف امروہوی نے اپنے اس بیان میں سند گردانا ہے " جو کچھ ہو سکتی ہے " وہ ظاہر ہے " ہمیں اپنی طرف سے اُس پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے " ابن قتیبہ کے بیان کے سامنے ہم نے امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رض کی اولاد کا شجرہ پیش کیا ہے وہ ہمارے بیان پر شاہد عادل ہے "

باب ہفت دہم

" نواب شہباز خاں " کے تذکرہ میں " صاحب المشاہیر " نے " حاجی کمال الدین " نام ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے " جو " شہباز خاں " سے تیسری پُشت میں بیان کئے جاتے ہیں " حاجی مذکور کے متعلق وہ فرماتے ہیں۔ کہ " عرب سے وارد ہند ہوئے " بیت اللہ میں سند حدیث " میر حسن " محدث سے حاصل کی " اولاً " میر سید علی الہجویری " صاحب کشف المحجوب " سے مستفید ہوئے " پھر دار الامان ملتان میں آئے " حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رح " سے بیعت کی۔ انہیں سے استفاضہ کیا۔ اور ان ہی کے ایما سے۔ اپنی قوم و قبیلۂ عرب میں جو پہلے سے " ملتان میں سکونت پذیر تھا۔ متاہل ہوئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کی " ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں رحلت فرمائی " ص ٣٣٤

(الف) اِس تمام روایت میں۔ تاریخی لحاظ سے کوئی ربط نہیں۔ اور نہ یہ واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے ممکن الوقوع ہے " حضرت شیخ زکریا ملتانی کی وفات ٦٦٦ھ ہجری میں ہوئی " اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ " حاجی کمال الدین مذکور چالیس سال کی عمر میں۔ اور شیخ موصوف کی وفات سے چالیس سال قبل حاضر خدمت ہوئے۔ تو اس لحاظ سے حاجی مذکور کا سالِ ولادت ٥٨٦ھ ہجری ہوگا " اور ایک سو اٹھارہ برس کی عمر تسلیم کرتے ہوئے سنہ وفات ٧٠٤ھ ہجری قرار پاتا ہے " لیکن حضرت علی ہجویری " کا سنہ رحلت ٤٦٥ھ ہجری ہے۔ اور آپ مشائخ سادات کے اُن چند بزرگوں سے ہیں جو ابتدائے عہد میں " ہندوستان " تشریف لائے۔ پس آپ کا زمانۂ وفات " حاجی کمال الدین " کے " سالِ ولادت سے بھی ایک سو برس سے بھی قبل ہوتا ہے " پھر وہ کس طرح آپ سے مستفید ہو سکتے تھے " اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ " حاجی مذکور نوّے سال کی عمر میں " حضرت شیخ زکریا " کی خدمت میں اُس وقت حاضر ہوئے جو " شیخ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اور اُن کی عمر تیس سال کی تھی۔ اور " حاجی کمال الدین " نوّے سال کی عمر میں متاہل ہوئے " جو بالکل خلاف قیاس ہے " تب بھی یہ زمانہ " شیخ موصوف کی ولادت کے لحاظ سے جو ٥٦٥ھ ہجری میں ہوئی ٥٩٥ھ ہجری متعین ہوتا ہے اور " حاجی مذکور کی پیدائش ٤٧٧ھ قرار پاتی ہے " گویا ان کی ولادت کا زمانہ " سید علی الہجویری " کی وفات " بارہ برس بعد کا متعین ہوتا ہے " پس جس شخص نے " سید علی الہجویری " کا زمانہ پایا ہو۔ وہ " شیخ زکریا کا زمانہ دیکھ سکے۔ اور اُن سے مستفید ہو سکے " یا جس شخص نے " شیخ زکریا سے استفادہ کیا ہو " وہ سید موصوف کے زمانۂ حیات میں عالم وجود میں آ چکا ہو " قطعی ناممکن ہے " اس لئے " حاجی کمال الدین " کا سید علی الہجویری " سے مستفید ہونا کسی طرح درست نہیں " ہاں یہ امر کہ وہ " شیخ زکریا "

ملتانی سے بیعت تھے" قرین قیاس ہے" (صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴)

مؤلف امروہوی کی المشاہیر کے بیان میں تحریف اور اس کی وجہ

صاحب تحقیق الانساب نے یہاں "صاحب المشاہیر کے حوالہ سے جو" ایک بزرگ "حاجی کمال الدین" کو "نواب شہباز خاں" کے تیسری پشت میں بتا کر ان کو "مخدوم شیخ بہاؤالدین ذکریا رح" کا مرید بتایا ہے "یہ صحیح نہیں ہے" بلکہ "المشاہیر کے صفحہ ۸ پر "یہ عبارت ہے کہ "حاجی جمال جدّ اعلیٰ (نواب شہباز خاں) عرب سے وارد ہند ہوئے۔ اور صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ "صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں کہ "حاجی جمال" شہباز خاں کے جد ششم "مخدوم بہاؤالدین ذکریا" کے مرید تھے "ایک درویش نے "مخدوم صاحب سے سوال کیا کہ میرا ئے خدا ہر پیغمبر کے نام پر مجھ کو ایک اشرفی دیجئے" مخدوم صاحب کو تامل و تفکر ہوا" پیغمبروں کا شمار لاکھوں تک ہے۔ نہ اس کا سوال پورا کرسکتے تھے۔ نہ خدا کی دوستی کے واسطے دلانے سے ایسے شیخ وقت اور صوفی واصل بحق کو بیساختہ انکار کا محل تھا" حاجی صاحب نے عرض کیا "فقیر کو میرے ساتھ کیجئے۔ میں اس کی خواہش پوری کردوں گا۔ اور حسب اجازت فقیر کو اپنے گھر لاکر کہا "نام ایک ایک پیغمبر کا اپنی زبان سے کہتے جاؤ اور ہر اسم ایک اشرفی لیتے جاؤ" درویش دس بیس پیغمبروں کے نام اور اشرفیاں لیکر ساکت رہا۔ اور معترف بہ عجز ہو کر بخوشی رخصت ہوا" حضرت مخدوم "اس عاقلانہ تدبیر کو سنکر ان کی دانائی سے نہایت محظوظ ہوئے۔ اور دعا دی کہ تم میں کوئی خفیف العقل نہ ہو۔ چنانچہ اکثر اس فرقہ کے آدمی ہندوستان میں "حدت ذہن" اور ہوشمندی کے ساتھ مشہور و معروف ہیں"

خود مؤلف صاحب بھی اسی بحث میں صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴ پر خود لکھ چکے ہیں کہ۔

> "شہباز خاں کنبوہ "نسبش بہشش واسطہ" بہ حاجی جمال میرسد" کہ مرید مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح"
> ملتانی بود" ہر شب جمعہ صد اشرفی راشیرینی نذر" حضرت غوث الاعظم قدس سرہ تخش میکردند و مردم
> کنبوہ "آں قدر داد" کہ ہیچ کس ازیں قوم" در ہند" پریشان و بد حال نماند"

(مآثر الامراء جلد سویم مطبوعہ صفحہ ۶)

مگر وہاں ان کا دوسرا مطلب تھا وہ اپنے اس حوالہ میں "نواب شہباز خاں" کے نام کے ساتھ صرف لفظ "کنبوہ" لکھا ہوا دکھا رہے تھے" اس لئے انہیں "حاجی جمال رح" کے نام" اور جتنی پشتوں میں وہ "نواب صاحب موصوف کے دادا ہیں" ان باتوں پر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی" اس موقع پر "مؤلف صاحب نے "نواب شہباز خاں" کے جد اعلیٰ کے نام اور زمانہ کے متعلق "صاحب المشاہیر" کے بیان کی اپنے جس مقصد کے تحت تحریف کی ہے اس سے ہم واقف نہیں ہیں" مگر جب "نواب شہباز خاں" کی پیدائش اور مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح" کی وفات کا درمیانی زمانہ پونے تین سو برس کا ہے" اور ظاہر ہے کہ "نواب صاحب سے" تیسری پشت میں ان کے پردادا "مخدوم صاحب" کا زمانہ کسی طرح نہیں پاسکتے" تو ہمارے خیال میں اس تحریف سے ان کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے پہلے صاحب المشاہیر" کی واقفیت کو" اپنے ناظرین کی نظروں میں کم کرکے دکھانا چاہا تھا" اور اپنے جوش میں اس سے کوئی غرض نہیں رکھی تھی کہ جب ان کی یہ تحریف ظاہر ہوگی تو ان کو لوگ کیا کہیں گے" مگر پھر کچھ سوچ کر جو آخیر میں انہوں نے یہ لکھنا مناسب خیال کیا کہ "ہاں ایہہ کہ وہ "شیخ ذکریا ملتانی سے بیعت تھے۔ قرین قیاس ہے" اس سے ان کی ذہنی کیفیت اور ناواقفیت بخوبی معلوم ہو جاتی ہے" اور اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد"

نواب شہباز خاں کے جد ششم حاجی جمال رح کے حالات اور ان کا سنہ ولادت و وفات

صاحب المشاہیر کے بیان کی جو تحریف ان مؤلف صاحب نے کی ہے اسے ظاہر کرچکنے کے بعد اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "حاجی

جمال رح" کا تھوڑا سا حال لکھکر اُن سے رُوشناس کرادیں۔ حاجی صاحب کا اسم گرامی "حسام الدین" اور لقب "جمال الدین" تھا۔ اس لقب کو مختصر کرکے لوگ آپ کو "قاضی جمال رح" اور "حاجی جمال رح" کہتے تھے۔ آپ مرید "مخدوم بہاؤ الدین ذکریا سہروردی رح کے تھے" اور خلیفہ "مخدوم صاحب کے پسر کلاں اور جانشین حضرت شیخ صدرالدین عارف رح" کے تھے۔ "تاریخ فرشتہ" میں ہے کہ "ایک روز "حضرت شیخ صدرالدین رح" اپنے والد بزرگوار کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اُس وقت اُن کے ہمراہ "مولانا حسام الدین عرف حاجی جمال" بھی تھے۔ حاجی صاحب کے دل میں خیال آیا کہ کیا اچھا ہوتا جو بقدر ایک مزار کے زمین مجھکو پائین مزار شریف "حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی" کے "حضرت شیخ صدرالدین" عطا فرماتے" تو بہ برکت جوار مزار شریف کے میں عذاب دوزخ سے نجات پاتا۔ یہ خیال دل میں "شیخ حسام الدین" کے گذرا کہ فوراً "حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہٗ العزیز" کو الہام باطنی ہوا اور "مولانا حسام الدین" کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ: اے مولانا حسام الدین" تمھارے واسطے زمین دینے میں مجھ کو تامل نہیں ہے مگر "حضرت رسالت پناہ صلعم" نے "زمین پاک" تمھارے مدفن کے لئے "شہر بدایوں" میں تعین و مقرر فرمادی ہے۔ تمھاری قبر اُسی جگہ ہوگی۔ "حضرت حسن سنجری رح" مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء رح" نے اپنی کتاب فوائد الفواد (ملفوظات خاندانِ چشت) میں ۷۱۹ھ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ "روز دوشنبہ ۱۸ محرم ۷۱۹ھ ہجری کو سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ اُس دن ہمارا لشکر "بداؤں" سے آیا ہوا تھا۔ بدایوں اور اس کے آس پاس کا ذکر ہورہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس لشکر کو جہاں تک دیکھا گیا بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہے۔ جیسا کہ "والد بزرگوار مولانا علاؤ الدین اصولی" و مولانا سراج الدین ترمذی" و خواجہ شاہی کے موئے تاب۔ و خواجہ عزیز کوتوال" و خواجہ شاہی لکھنوتی" و قاضی جمال" بندہ نے جو ان بزرگوں کے نام لیئے۔ تو حضرت خواجہ (نظام الدین اولیاء رح) آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور ہر ایک کا ذکر کرنے لگے۔ "جب قاضی جمال" کا نام لیا تو فرمایا کہ "انہوں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ "رسول اللہ صلعم" ایک جگہ "بدایوں کے علاقہ میں بیٹھے ہوئے وضو فرمارہے ہیں" جب بیدار ہوئے تو فوراً وہاں پہنچے اور جاکر دیکھا تو وہ جگہ تر پائی" لوگوں سے کہا "میرے لئے قبر کھود دو" چنانچہ جب اُن کی وفات ہوئی تو اُن کو اُسی جگہ دفن کیا گیا" (فوائد الفواد جلد چہارم ص ۲۰۹ و ۳۱۰ مطبوعہ) مندرجہ بالا دونوں روائتیں "خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے ص ۲۲ و ۲۳ پر بھی تحریر ہیں" کتاب روضۃ الصفا" میں ایک نقل درج ہے کہ "حاجی صاحب" جمعہ کی نماز بوجہ "طیّ الارض" مکہ معظمہ میں" اکثر جاکر ادا فرماتے اور پھر واپس آجاتے"

"تذکرۃ الواصلین مطبوعہ کے ص ۲۳ و ۲۴ میں تحریر ہے کہ "حضرت سید حسن شیخ شاہی روشن ضمیر رح "شیخ عثمان" و "شیخ بدرالدین شاہ ولایت صاحب" کے بڑے بھائی ہیں اور مرید و خلیفہ "قاضی حمید الدین ناگوری" کے ہیں جو "شیخ شہاب الدین عمر سہروردی" کے خلیفہ تھے" "شیخ شاہی رح" نے "حضرت قاضی حسام الدین عرف حاجی جمال ملتانی" سے علم ظاہری حاصل کیا تھا" اسی کتاب کے ص ۲۳ و ۳۴ پر ہے کہ "حضرت حاجی جمال رح" نے بشارت دی کہ "جو کوئی شخص آپ کی قبر کے پاس ہوکر گذر جائے گا انشاء اللہ بہ برکت نزول اجلال "حضرت رسول مقبول صلعم کے" اُس پر آتش دوزخ حرام ہوگی" اور ص ۳۸ پر ہے کہ۔ آپ کے مزار کی مٹی کی یہ تاثیر ہے کہ لوگ دور دور سے آتے اور پائین قبر کی خاک پاک لے جاتے ہیں۔ بہ برکت اُس خاک کے اور بفضل خدا جس کی زبان میں لکنت ہوتی ہے اُس خاک کے چاٹنے سے جاتی رہتی ہے" بدایوں قدیم و جدید مطبوعہ کے ص ۳۲ پر ہے کہ "آپ کا نام حسام الدین" اور "عرف حاجی جمال ملتانی" ہے" آپ "حضرت سلطان العارفین سید حسن شیخ شاہی" اور سلطان العارفین صاحب کے بھائی "حضرت بدرالدین شاہ ولایت بدایوں" کے اُستاد تھے" زبان جس بچّہ کی نہیں کھلتی اُس کو آپ کے پائین قبر کی مٹی چٹائی جاتی ہے" اُس کی ہکلاہٹ" اور تُتلا پن دور ہوجاتا ہے" کامیابی پر روٹی اور گلگلا و پر آپ کی فاتحہ ہوتی ہے" آپ کا مزار "حضرت احمد خیاط" اور "حضرت سلطان العارفین" کے مزارات کے درمیان واقع ہے"۔ آپ کا ذکر "اخبار الاخیار کے ص ۶۸ پر اور سیر العارفین کے ص ۱۴۹ و ۱۵۰ پر بھی ہے" نیز اور کتابوں میں بھی مذکور ہے"

نواب شہباز خاں کے چشم "حاجی جمال رح" سے تھوڑا سا روشناس کردینے کے بعد اب ہم مؤلف امروہوی کے فقرہ الف پر نظر ڈالتے ہیں" اگر وہ تھوڑا سا تحمل کر کے ...

کوئی دشوار امر نہیں تھا جن کتابوں میں "حاجی صاحب کا سنہ وفات لکھا ہے۔ وہ غیر مطبوعہ اور نایاب نہیں ہیں" بلکہ آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں" المشاہیر سے انہیں عمر معلوم ہو ہی گئی تھی۔ سنہ وفات معلوم ہو جانے سے سنہ پیدائش بھی بالکل ٹھیک معلوم ہو جاتا تو پھر انہیں اگر "مگر کرتے اور قیاس سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہ پیش آتی"

خزینۃ الاصفیا جلد دوم مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ" کے ص۳۱ و ۳۲ پر بھی حاجی صاحب کا حال درج ہے۔ اور آپ کے سنہ وفات کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہے کہ "وفات دے۔ در ۶۸۷ ہجری است (شش صد و ہشتاد و ہفت) اب ہمیں یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ آپ کا سنہ ولادت ۵۹۶ ہجری ہے" اور یہ بھی بخوبی دریافت ہو گیا کہ "حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا رح" سے آپ کل دو ڈھائی برس چھوٹے تھے" نیز اس امر کو بھی اچھی طرح جان گئے ہیں کہ "حضرت میر علی الہجویری" کی وفات "حاجی صاحب کی پیدائش سے ایک سو پانچ برس پہلے ہو چکی تھی"

صدیوں پہلے کے اولیائے کرام سے مستفید ہوتے رہنے کی شہادتیں دوسروں اور مؤلف امرِ شہودی کی کتابوں سے

مؤلف صاحب نے جو "ان دونوں بزرگوں کے زمانوں کے اس تفاوت کو پیش کر کے حاجی صاحبؒ" سے "حضرت میر علی الہجویریؒ" سے استفادہ کرنے یا مستفید ہونے کو "کسی طرح درست قرار نہیں دیا۔ اور ناممکن بتایا ہے" اب ہم انہیں دکھاتے ہیں کہ حاجی صاحب کس طرح ان سے مستفید ہوئے تھے" اور ہر زمانے میں "حضرت میر صاحب نیز دوسرے بزرگوں سے کیسے کیسے اور کون لوگ مستفید ہوتے رہے۔ اور بہت اب بھی ہوتے رہتے ہیں" خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ۔

(۱) "ہر چوں روز وفات "کبیر الدین اسمٰعیل سہروردی مرید و خلیفہ و نبیرہ حضرت مخدوم جہانیان رح رسید" ہر دو پسران را نزد خود خواند و بر خرقہ خاص خود سرفراز کردہ فرمودہ "کہ بعد از من ہر مشکلے کہ شما را در پیش آید۔ نزدیک قبر من آمدہ۔ ظاہر کردہ باشید کہ جواب باصواب خواہید یافت" چنانچہ بعد وفات شیخ "ہمچناں بوقوع مے آید کہ چوں ہر دو پسرانش را ہیچ یا مشکلے پیش آمد بر سر قبر پدر عالی گوہر سوال میکردند۔ فی الحال بجواب مشرف مے گشتند"

جب کبیر الدین اسمٰعیل سہروردی مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں و حضرت راجو قتال رح) کی وفات کا دن آیا تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلا کر خرقہ خاص سے سرفراز فرمایا اور کہا کہ میرے بعد جو مشکل پیش آئے تو میری قبر کے پاس آ کر ظاہر کیا کرو" جواب باصواب پاؤ گے" چنانچہ بعد وفات شیخ ویسا ہی وقوع میں آیا کہ جب ان کے دونوں لڑکوں کو مشکل پیش آتی تو والد بزرگوار کی قبر پر جا کر کہتے اور اسی وقت جواب سے مشرف ہوتے"

(خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص۵۵ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ) شجرہ سہروردی قلمی موجود کتب خانہ ریاست رامپور" اور دیگر کتب میں بھی یہ کرامت تحریر ہے"

(۲) اسی کتاب کے ص۸۶ پر "مخدوم سلطان شاہ حمزہ کشمیری قدس سرہ" کے حالات میں لکھا ہے کہ "

ازراہِ خوش نصیبی" واسطہ اویسی" بروح پر فتوح "حضرت سید عالم صلعم" حاصل کرد۔ و از غیب تربیت و تکمیل مے یافت" وفات در سنہ ۹۸۴ ہجری"

ازراہِ خوش نصیبی" واسطہ اویسی "روح پر فتوح "حضرت سید عالم صلعم" سے حاصل کیا۔ اور غیب سے تربیت و تکمیل پائی" ۹۸۴ ہجری میں وفات ہوئی"

(۳) اور ص۱۱۳ و ۱۱۴ میں "شیخ جان محمد لاہوریؒ" کے حال میں تحریر ہے کہ "

چنانچہ تا وقتیکہ "میاں کلاں (شیخ اسمٰعیل) و پیر شیخ جان محمدؒ) حیات بود شیخ جان محمدؒ" تکرار احادیث بہ ایام مقررہ میکرد۔ و ذکر حدیثے کہ شبہ آید

جب تک کہ میاں کلاں (شیخ اسمٰعیل و پیر شیخ جان محمدؒ) زندہ تھے" شیخ جان محمدؒ مقررہ دنوں میں تکرار حدیثوں کی کرتے" اور جس حدیث میں

(نوٹ ۱) صاحب کشف المحجوب "شیخ علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی" کنیت شے ابو الحسن" مرید "شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی است" بسیارے از مشائخ عصر را

میگذشت "حضرت میاں" مراقبہ میفرمُود۔ واز رُوح حضرت شاہ رسالت صلعم "تصحیح میکرد"

شبہ آتا تو حضرت میاں مراقبہ فرماتے اور حضرت شاہ رسالت صلعم کی رُوح سے تصحیح کر لیتے "

(۴) نیز صفحہ ۱۹۸ پر "ابوا لعباس بیباری قدس سرہٗ" کے حالات میں ہے کہ ۔

"امروز گور پُر نور وے ظاہر است۔ وخلق اہلِ حاجت در آں جا میروند و بمقاصد خود ہا میرسند۔ ودُعائے اکثر از اہلِ حاجات بر خاک گور وے مستجاب میشوند"

آج بھی اُن کی قبر پُر نور سے فیض ظاہر ہے "خلق اہلِ حاجت وہاں جاتی اور اپنے مقاصد کو پہنچ جاتی ہے اور اکثر اہلِ حاجات کی دعائیں اُن کی قبر پر قبول ہوتی ہیں "

(۵) صفحہ ۲۵۳ و ۲۵۴ پر ہے کہ "شیخ ابو طاہر کہ از اصحاب "شیخ بہان" است۔ فرمود کہ ہر سحر من و "شیخ روز بہان" بنوبت قرآن میخواندیم "چوں وَے فوت شد "دنیا بر من تنگ آمد" آخر شب برخاستم ونماز کردم و بسر تربت شیخ بنشستم۔ وقرآن خواندن شروع نمودم "گریہ بر من افتاد۔ بدیں اندیشہ کہ از وے تنہا ماندم "چوں یک عشر تمام کردہ آواز شیخ شنیدم کہ از قبر وے آمد و عشرِ دیگر تمام کرد " تا آں زمان کہ اصحاب جمع شد۔ آں واز منقطع شد و مدتے بریں حال بگذشت "روزے با یکے از یاراں۔ افشائے ایں راز کردم۔ از اں روز خواندن قرآن از تربتِ شیخ "منقطع شد "وفات شیخ بہان " در سال ششصد و شش ہجری است"

شیخ ابو طاہر نے جو شیخ بہان کے اصحاب سے تھے فرماتے ہیں کہ میں اور شیخ بہان ہر صبح کو باری سے قرآن پڑھتے تھے "جب وہ مر گئے تو مجھے بہت رنج ہوا "آخر شب اُٹھکر میں نے نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے پاس بیٹھکر قرآن پڑھنا شروع کیا "اور اس خیال سے میں رونے لگا کہ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں "جوں ہی ایک عشر تمام کیا۔ آواز شیخ کی سنی جو اُن کی قبر سے آئی۔ اور عشر دوسرا تمام کیا "جب اور اصحاب جمع ہوئے آواز بند ہو گئی " مدتوں یہی حال گذرا "ایک دن میں نے یاروں سے یہ بھید کہہ دیا "اُس روز سے شیخ کی قبر سے قرآن پڑھنا منقطع ہو گیا "

(۶) صفحہ ۲۸۹ و ۲۹۰ پر "شیخ اسحٰق مغربی قدس سرہٗ" کے حالات میں ہے کہ "

مدتے در آنجا "راجمیر" قیام کرد "شبے از آنحضرت صلعم "بشارت یافت کہ در قصبہ کھتو "کہ از توابع "ناگور است "برو در آں ولایت آنجا باش۔ پس کھتو رسیدہ سکونت کرد"

مدتوں اُس جگہ (اجمیر میں) قیام کیا۔ ایک دن آں حضرت صلعم سے بشارت پائی کہ قصبہ کھتو میں جو توابع ناگور سے ہے جاؤ اور اُس جگہ رہو "پس کھتو پہنچکر سکونت کی "

(۷) صفحہ ۳۱۴ تا ۳۲۰ پر "حضرت شیخ احمد کھتو قدس سرہٗ کا حال تحریر ہے اُس میں لکھا ہے کہ ۔

"شیخ احمد "فرمود "کہ چوں بزیارت روضہ منورہ "حضرت شاہ رسالت مآب صلعم "بمدینہ "مشرف شدم۔ امام خان جہانے "و "شیخ تاج الدین سرکھیجی "و یک کس دیگر در صحبت ایں درویش بودند۔ و بمسجد نبوی صلعم فرود آمدیم بوقت شام "یاراں در فکر طعام افتادند۔ و ایں درویش گفت۔ کہ ما بہان حضرت رسول مقبول صلعم "ایم۔ مارا فکر طعام نیست۔ یاراں جا بجا رفتند و طعام خوردند۔ و من در مسجد بودم۔ بعد عشا یاراں بخواب رفتند۔ و ایں درویش ہم چناں نشستہ تسبیح میکرد کہ شخصے از دروازہ مسجد بہ آواز بلند گفت۔ کہ مہمانانِ حضرت رسول صلعم "فرستادہ اند۔ ایں درویش برخاست و دامن دراز کرد۔ آں طبق خرما در دامن من انداخت۔ بگرفتم و تناول کردم۔ لذت و شیرینی آں خرما در بیان نمی آید۔ و تا حال از خاطر فراموش نشدہ "

"شیخ احمد نے فرمایا کہ جب میں حضرت شاہ رسالت صلعم کے روضہ کی زیارت سے مدینہ منورہ میں مشرف ہوا "امام خان جہانے اور شیخ تاج الدین سرکھیجی اور ایک دوسرے شخص اس درویش کی صحبت میں رہتے تھے اور مسجد نبوی صلعم میں ٹھیرے ہوئے تھے "رات ہو گیا۔ دل کو کھانے کی فکر ہوئی۔ میں نے کہا کہ ہم رسول مقبول صلعم کے مہمان ہیں "ہم کو کھانے کی فکر نہیں ہے۔ یار لوگ اپنے جگہ جگہ جا کر کھانا کھا لیا اور میں مسجد ہی میں رہا "بعد عشا یار تو سو گئے اور میں اسی طرح بیٹھا ہوا تسبیح پڑھتا رہا "کہ ایک شخص نے مسجد کے دروازے سے آکر بلند آواز سے کہا کہ یہ حضرت رسول صلعم نے مہمان کے پاس بھیجا ہے "میں اُٹھا اور دامن پھیلا دیا۔ اُس نے کھجوروں کا طباق میرے دامن میں اُلٹ دیا "اُنہیں لے کر میں نے کھایا "اُن کی لذت اور شیرینی بیان میں نہیں آسکتی اور اب تک اُن کا مزا نہیں بھولا ہوں "

(۸) رسالہ مولوی بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۵ ہجری میں تحریر ہے کہ "حضرت بو علی شاہ قلندر" نے "حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء" سے ایک سال پہلے ۱۳ رمضان ۷۲۴ ہجری میں بمقام "بڈھا کھیڑہ" انتقال فرمایا اور "کرنال" میں مدفون ہوئے "پانی پت" والوں نے اطلاع پاکر نعش مبارک حاصل کی۔ اور پھر آسے پانی پت میں لاکر دفن کیا" لیکن عجیب تصرف ہے کہ "پانی پت" ہو۔ یا کرنال "بڈھا کھیڑہ" ہو یا بھاگوئی" جہاں بھی حضرت نے چند روز قیام فرمالیا ہے۔ وہ مقام سجدہ گاہِ قدسیاں بن گیا ہے "مزار مبارک سے اب تک سلسلۂ فیض جاری ہے۔

(۹) مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ ؎

"ہرکس کہ کمال اولیا را نہ شناخت — دین نعمتِ خاص نے بہا را نہ شناخت
پس شکر نہ گفت وحبِّ ایشاں نگزید — میدان بہ یقین کہ او خدا را نہ شناخت

(۱۰) بیاض جانفزا خاتمہ بیاض دلکشا "در احوال مولانا محمد نصر اللہ خاں صاحب خویشگی الخورجوی" مطبوعہ مطبع مصطفائی اکبر آباد کے ۱۲۹۱ھ پر تحریر ہے کہ "بحسن اتفاق" جامع مسجد دہلی" میں نماز عصر کی پڑھی معلوم ہوا کہ اس وقت فاتحہ خوانی عرس حضرت شیخ الشیوخ میرزا مظہر جان جاناں صاحب" کی خانقاہ میں ہوتی ہے۔ پس نعمتِ غیر مترقبہ جان کر حاضر ہوا۔ اور نذر شرکت عرس گذرانی " اس وقت جو کچھ کہ میں نے پایا" اور دیکھا" کبھی ایسا نہ دیکھا تھا"

دسویں محرم کو عرس "اخوان صاحب" کا ہوا" فاتحہ یازدہم "بارگاہ سلطان المشائخ "نظام الدین اولیاء" میں کر کے۔ خدمت میں بن ادبی شاہ صاحب" کے حاضر ہو کر۔ بر مزارات اکابر کے۔ التجا و دعائے صحت و ترقی حیات پیر دستگیر اپنے کے چاہی " عجیب جواب مجھ کو حاصل ہوا کر بادل مجروح واپس آیا۔ و بحضور مرشدی قدمبوس ہو کر عرض حال کیا کہ "حضرت شاہ آبا دانی رح" فرماتے تھے کہ "پیر تمہارا صحت نہیں چاہتا ہے۔ اور صحت اس کی منافی خدا خواستگاری پر موقوف ہے" اور "حضور سلطان المشائخ رح" سے خبر رحلت پائی گئی" اور ۱۲۹۱ھ پر ہے کہ "۲۳ محرم کو" مولانا ابوالخیر صاحب ابن حضرت مولانا شاہ عمر صاحب دہلوی" ثم مکی رح" "رامپور سے" خورجہ پہنچے۔ اور سبب اپنے پہنچنے کا بیان فرمایا کہ "مزار سے اپنے والد مرحوم مولانا محمد عمر صاحب کے حکم سفر "خورجہ" کا بہ حاضری خدمت مولانا کے صادر ہوا" پھر ۱۲۹۲ھ پر ہے کہ "ہر گاہ جامع اوراق اندرون مزار پُر نور کے گیا اور قبر کرتے وقت، اور زیر لحد بیٹھا "قسم تھا کہ گویا بہشت میں پہنچا۔ اور انوار برکات سے مالا مال ہو گیا۔ ہرگز اندر سے دل نکلنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اور کسی طرح خوشبوئے عجیب سے تفرقہ گوارا نہیں تھا۔ اور وہ ایسی خوشبوئے عجیب تھی کہ اب تک دماغ اس کا مشتاق ہے" اسی وقت ایک مشت خاک زیر قدم مرشدی سے اٹھا کر لوگوں کو دیدی۔ اور خواص حاضرین کو سنگھائی سب نے شور مچایا کہ تھا۔ کا ہے ایسی خوشبو نہیں سونگھی" اور کسی عطر و مشک میں یہ فرحت نہیں پائی" خدایا یہ کیا خوشبو ہے" بیشک بہشت بریں کی مشک بو ہے" اور اندرون قبر شریف ایک در بسمت قبلہ دیکھا جس کا حال خدا ہی جانتا ہے۔ اور جو عجیب حال خدا نے اپنے بندوں پر اس وقت یا بانگی ظاہر کر دیا۔ اور حجاب اٹھا دیا۔ اس کا بیان ہر بار و اعتبار سے مجاز نہیں۔ اور اظہار اسرار اپنا انداز نہیں" ۱۲۹۵ھ پر ہے کہ جب کوئی لڑکا و در مدرسہ صاحب کے حضور میں نہ آتا اور سبق یاد نہ کرتا تیسری رات کو "سیدی مرشدی" خواب میں اس کو دھمکا دیتے کہ صبح کو جا کر سبق لے لیا کیا مجھ کو مردہ جانتا ہے۔ میں تو زندہ ہوں۔ پس صبحدم وہ ڈرا ہوا حضرت جی کی تربت سے روتا۔ دھمکی سے ڈرتا ہوا خود بخود کتاب بغل میں لئے ہوئے حاضر مدرسہ ہوتا اور تعبیر خواب کو بیان کر دیتا" یہ تصرفات مرشدی کے کچھ شاگردان خاص مدرسہ اور عزیزان حاضر باش پر منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ اب تک مسافر جو حاضر خواجہ شریف ہو کر صدق ارادت پیش کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی "سیدی" مہمان نوازی بدستور دیانت جہانی فرماتے ہیں۔ چنانچہ اگر خوف طول کتاب کا نہ ہوتا۔ تمام حال تفصیلی عرض کرتا"

(۱۱) خزینۃ الاصفیا جلد اول کے صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر "شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کے پیر "سید موسیٰ پاک شہید قدس سرہٗ" کے حال میں تحریر ہے کہ

"فرزند و جانشین "حامد گنج بخش گیلانی است" و بخطاب جمال الدین ابوالحسن مخاطب بود" بارہا بزیارت "حضرت شاہ رسالت مآب صلعم" و شرف رویت حضرت غوث الاعظم" بخواب و بیداری مشرف گشت۔ و نیز شیخ عبدالقادر ثانی"

"فرزند و جانشین حامد گنج بخش گیلانی کے ہیں اور جمال الدین ابوالحسن کے خطاب سے مخاطب تھے" بارہا حضرت شاہ رسالت مآب صلعم کے شرف رویت اور حضرت غوث الاعظم سے خواب و بیداری میں مشرف ہوئے" اور شیخ

احرار نقشبندی سے بھی آن کو بہت فیض حاصل ہوا۔"

(۱۸) اسی کتاب کے ص۲۲ پر ہے کہ "مظہر جلال میں لکھا ہے کہ "حضرت مخدوم جہانیان بن سید احمد کبیرؒ جب مدینہ منورہ گئے تو شرفائے مدینہ نے آن کی سیادت کی سند طلب کی۔ روضۂ حضرت رسول اللہ صلعم پر گئے اور کہا اسلام علیکم یا ولدی وجدی۔ اندر سے آواز بلند آواز ہوئی کہ علیکم السلام یا ولدی یا قرۃ عینی۔ یہ کرامت دیکھکر حضرت کی سیادت کے سبب قائل ہوئے۔"

(۱۹) مآثر الامراء ص۵۲۹ و ۵۲۰ میں اور خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے ص۴۲ پر "حضرت مخدوم شیخ جمالی زبیری کنبوی" کے حالات میں تحریر ہے کہ۔

روزے در نعت "حضرت پیغمبر صلعم" قصیدہ نوشت "ہماں شب" آں حضرت صلعم را در خواب دید کہ میفرمایند کہ اے جمالی "ایں بیت از قصیدۂ تو قبول دارم۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات — تو عین ذات می نگری در تبسمی

گویند "قصیدۂ در نعت گفتہ۔ کہ بعضے صلحا بقبولیت ایں بیت از آں حضرت بشارت یافتہ اند۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات — تو عین ذات می نگری در تبسمی

جس دن آں حضرت صلعم کی نعت میں قصیدہ لکھا اُسی رات کو خواب دیکھا "کہ فرماتے ہیں "اے جمالی تیرے قصیدے کی یہ بیت میں نے قبول کی۔"

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات — تو عین ذات می نگری در تبسمی

کہتے ہیں کہ قصیدہ جو نعت میں کہا "بعض صلحائے آنحضرت صلعم سے اس بیت کی قبولیت کی بشارت پائی ہے۔"

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات، — تو عین ذات می نگری در تبسمی

(۲۰) خزینۃ الاصفیا جلد اوّل کے ص۴۲۴ پر ہے کہ۔

شیخ دانیال چشتیؒ "مرید وخلیفہ "سید راجی حامد شاہ است" و فیض باطنی اندر وح خواجہ بزرگ "معین الدین حسن سنجریؒ" حاصل میکرد۔ وفات در ۹۹۴ ہجری۔ عمر یکصد و یازدہ۔"

شیخ دانیال چشتیؒ "مرید وخلیفہ سید راجی حامد شاہ کے ہیں "فیض باطنی خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجریؒ" سے حاصل کیا "ایک سو گیارہ برس کی عمر میں ۹۹۴ ہجری میں وفات پائی۔"

(۲۱) حدیقۃ الاولیاء کے ص۱۵۱ و ۱۵۲ پر "شیخ حسین المشہور بہ لال حسین لاہوری المتوفی ۱۰۰۸ ہجری کے حال میں لکھا ہے کہ آپ "شیخ بہلولؒ کی نظر فیض اثر سے فوراً دس سال میں ولی کامل ہو گئے" بعد مدت مدید عبادت اور ریاضت شاقہ میں مصروف رہے "اور کئی چلے مزار گوہر بار "میر علی مخدوم گنج بخش ہجویری" پر کئے اور تکمیل کو پہنچے۔"

(۲۲) خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے ص۲۳۲ تا ۲۳۴ پر حضرت میر علی ہجویری الغزنوی اللاہوری قدس سرہٗ کا حال تحریر ہے کہ۔

مخفی مباد کہ مقام پر انوار "شیخ علی ہجویریؒ" جائیست متبرک و پر فیض و ملجائے خلق "کہ در ایام سابق وحال "خلق خدا از خاک پاک "آں مقتدا اولیا از فوائد دینی و دنیوی حاصل میکنند" چنانچہ "خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری اجمیری، قطب الہند (ولادت ۵۳۰ ہجری) و فرید الدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم "وغیرہ" اولیائے کبار و مشائخ نامدار "از مزار گوہر بار وے "فوائد عظیم یافتند" و مدتے دریں جا خلوت گزیں ماندند۔ کہ تا حال مقام خلوت "خواجہ بزرگ" اندرون حریم مزار "و مکان چلہ حضرت فریدؒ "بیرون خانقاہ عالی جاہ "موجود است۔"

نقل است کہ وقتے "خواجہ بزرگ معین الدینؒ" بعد حصول مقاصد و عطائے خلعت قطبیت ہند "از مزار گوہر بار وے "حضرت

مخفی نہ رہے کہ مقام پر انوار "شیخ علی ہجویری" متبرک اور پُر فیض اور ملجائے خلق جگہ ہے "ایام سابق اور حال کے زمانہ میں خلق خدا اُس مقتدائے اولیاء کی خاک پاک سے فوائد دینی اور دنیوی حاصل کرتی ہے "چنانچہ خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری اجمیری، قطب الہند اور فرید الدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم وغیرہ اولیائے کبار "اور مشائخ نامدار نے مزار گوہر بار سے فوائد عظیم پائے ہیں "اور مدت تک اس جگہ خلوت گزیں رہے ہیں "اور اب تک مقام خلوت خواجہ بزرگ اندرون حریم مزار "اور مکان چلہ حضرت فرید خانقاہ عالی جاہ کے باہر موجود ہے۔"

نقل ہے کہ جس وقت خواجہ بزرگ معین الدینؒ نے بعد حصول مقاصد اور عطائے خلعت قطبیت ہند مزار گوہر بار حضرت شیخ سے رخصت پائی۔"

شیخ "رخصت یافت" بوقت روانگی "دبرے مرقد مقدس بہ ایستادہ ایں شعر خواندے

گنج بخش ہر دو عالم۔ مظہر نورِ خدا
کاملاں را پیرِ کامل۔ ناقصاں را رہنما

از آں روز نامِ نامی وے "علی مخدوم سخی گنج بخش ہجویری" مشہور شد"
(اصل مخدوم از شہرِ غزنی است" و ہجویر" و جلاب" دو محلہ از محلہ ہائے "غزنی اند")

بوقت روانگی دربردے مزار مقدس کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھے

گنج بخش ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا
کاملاں را پیرِ کامل ناقصاں را رہنما

اُس روز سے نام نامی اُن کا "علی مخدوم سخی گنج بخش ہجویری" مشہور ہوا"
(اصل مخدوم صاحب کی شہر غزنی سے ہے" اور ہجویر اور جلاب دو محلے غزنین کے محلوں میں سے ہیں")

(۲۳) حدیقۃ الاولیاء کے صفحہ ۹۵ پر ہے کہ "شیخ علی مخدوم ہجویری الملقب بہ داتا گنج بخش" کی وفات کے بعد بھی "اولیائے کرام" "فیض وافر" اُن کی خاک پاک سے حاصل کرتے رہتے ہیں" چنانچہ خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری نے بھی یہاں چلہ پاؤں کی طرف کیا۔ اور سرفرازی حاصل کی "شہنشاہ ہند" خطاب پایا"

خواجہ فرید الدین گنج شکر چشتی نے ذوق و شوق کا مذاق بھی اسی دربار سے پایا" علیٰ ہذا القیاس "تمام بزرگان اقلیم ہند" جس قدر ہوئے ہیں سب نے ان کی آستاں بوسی کی ہے"

"حضرت شاہزادہ دارا شکوہ" فرماتے ہیں کہ "چالیس جمعرات" جو کوئی ہمیشہ ان کے مزار پر جائے" خدا سے جو مانگے سو پائے"

اب بھی ہر جمعرات کو معتقدان "شہر لاہور و امرتسر" جمع ہو کر" حضرت کے مزار پر تمام رات" بیدار رہتے ہیں" شام سے صبح تک" درود شریف کا ذکر ہوتا ہے" پھر دن کو ہر جمعہ کے روز میلا ہوتا ہے" عام و خاص" حضرت کے سلام سے بہرہ مند ہوتے ہیں" غرضکہ حضرت کی ولایت کا بازار باوجودیکہ آٹھ سو تائیس برس اُن کی وفات کو گذرے ہیں" آج تک گرم ہے" بلکہ روز افزوں ہے" وفات آخر سال چار سو چھیاسٹھ ہجری کی ہے"

یہ چند مثالیں جو ہم نے کچھ بزرگوں اور "میر علی ہجویری" صاحب کشف المحجوب" کے فیضان کی دی ہیں" انہیں دیکھ لینے کے بعد بھی" اگر جناب مؤلف صاحب کو" حاجی جمالی" کے "حضرت میر علی الہجویری" سے مستفید ہونے میں تامل ہے تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
اولیا را بر قیاس خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر
آں یکے شیرے کہ آدم میخورند — آں یکے شیرے کہ آدم میخورند

اولیاء اللہ" زندہ ہیں۔ اُن کا انتقال محض انتقال مکانی ہوتا ہے" اُن کی ظاہری موت کے بعد بھی اُسی طرح اور اُسی شان سے اُن کا فیض عام جاری ہے" جس کے مشاہدے ہر زمانہ میں برابر ہوتے چلے آئے ہیں"

یہ درجات جو "اولیاء اللہ" کو حاصل ہوئے۔ وہ بڑی ریاضتوں کے بعد حاصل ہوئے ہیں" علاوہ مجاہدات کے اُن کے عمل ان باتوں پر ہیں جو اُن کی اقوال سے ظاہر ہیں کہ "غیر مصفا تو ایک طرف" مشتبہ غذا کا" ایک تل بھی لذتِ عبادت کھو دیتا ہے" اور لقمۂ حرام تو قلب کو بالکل تاریک کر دیتا ہے" نیز رشوت" خیانت" دھوکا" سود" اور غیر مصفا باتوں کی خوراک" ذوقِ عبادت کو تباہ کر دیتی ہے"

اگر رجحان بُرائی اور شرارت کی طرف رہا ہے۔ اور ضمیر کی مخالفت بہم کی جاتی رہی ہے تو لازماً "نفس قوی ہو گا" اور ضمیر کی آواز بہت کمزور ہو گی" اگر انسان کا رجحان نیکی کی طرف رہتا چلا آیا ہے اور وہ بُرے کاموں سے برابر بچتا آ رہا ہے تو ضمیر کے حوصلے بلند ہوں گے۔ وہ قوی ہو گا اور جلد نفس کو مغلوب کر سکے گا" اگر ضمیر مُردہ ہو گیا ہو گا تو پھر اُسے بُرائی کا کوئی احساس نہ ہو گا" اور یہ انسان ایک مجسم شیطان اور پیکر شیطنت ہو گا" ایسی حالت کے لئے "ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ" کہا گیا ہے" پھر انسان کو نہ کچھ سوجھتا ہے۔ نہ سوچ سکتا ہے" نہ دیکھ سکتا" نفس قوی اور تنہا رہ جاتا ہے" اس لئے اُس سے پھر بُرائیاں ہی بُرائیاں سرزد ہوتی ہیں" جب نفس مُردہ ہو جاتا ہے تو انسان ملائکہ صفت اور فرشتہ خصلت ہو کر رہ جاتا ہے" وہ بُرائیوں کا تصور ہی نہیں کر سکتا" اُس سے پھر نیکیاں ہی نیکیاں سرزد ہوتی ہیں"

حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ پیر میں یہ پانچ صفات نہ ہوں تو وہ پیر نہیں دجّال ہے۔

(۱) شریعت کا عالم ہو۔ (۲) علم حقیقت جانتا ہو۔ (۳) مسکینوں اور مسافروں کو کھانا کھلاتا ہو۔ (۴) عجز و انکساری کے ساتھ پیش آتا ہو۔ تکبر، حسد، غرور، غفلت، آرام طلبی اور خود بینی سے پاک ہو۔ اور مریدوں کی باطنی تعلیم و تربیت کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔

(۵) لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہو۔ فرماتے ہیں کہ دس خصائل ایسے ہیں جو انسان کو معراج کمال تک پہنچا سکتے ہیں۔ جن پر اگر انسان کاربند اور پختگی کے ساتھ عمل پیرا ہوجاتا ہے تو خدائے عزّوجل اُسے بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ اور اس کا نام بزرگوں کی فہرست میں شامل ہوجاتا ہے۔

(۱) جب تک انسان اپنے اندر پختہ رہنے کی قوت نہ دیکھ لے۔ اُس وقت تک کسی حالت میں خدا کی سچّی یا جھوٹی قسم نہ کھائے۔

(۲) دروغ گوئی اور کذب بیانی کی عادت قطعاً ترک کردے۔ صدق گوئی کی عادت پڑ جائے۔ اور اُس کا خوگر بن جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ انشراحِ صدر کر دے گا۔ اس کے رگ و پے میں سچائی اُتر جائے گی۔ وہ دوسروں کو جھوٹ بولتے دیکھے گا تو روکے گا۔ اور اُس کے حق میں دعا کرے گا۔ جس کا ثواب ملے گا۔

(۳) یہ کہ جو وعدہ کرے اُسے ضرور پورا کرے۔ اس خصلت کو محکم بنانے کی یہ صورت ہے کہ وعدہ کرنا ہی چھوڑ دے۔ وعدہ خلافی کیا ہے۔ جھوٹ ہے۔ اس خصلت کی وجہ سے اُس کو درجہ حیا عطا ہوگا۔ سخاوت کا دروازہ اُس پر کھولا جائے گا۔ اور راست بازوں کے دلوں میں اُس کی دوستی پیدا ہوگی۔

(۴) مخلوقات عالم میں کسی پر بھی خواہ وہ انسان ہو یا اور کوئی، لعنت نہ بھیجے۔ اور نہ ایذا پہنچائے کیونکہ لعنت نہ کرنا۔ اور ایذاؤں سے احتراز کرنا صدیقوں اور ابراروں کے اخلاق ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھتا۔ ہلاکت سے بچاتا۔ اور اپنا قرب نصیب کرتا ہے۔

(۵) مخلوق خدا میں سے کسی کے لئے بددعا نہ کرے۔ قطع صلہ رحم نہ کرے۔ اور نہ بدلہ لے۔ خواہ اُس پر ظلم ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ اللہ کے لئے اُسے برداشت کرے۔ یہ عادت انسان کو بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہے۔ دُنیا و آخرت میں عزت و مقبولیت ہوتی ہے۔

(۶) یہ کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرے۔ نہ کسی پر الزام لگائے۔ اور نہ اس کی شہادت دے۔ یہ قربِ خداوندی کا بہترین راستہ ہے۔ کہ اُس سے شفقت علی المخلوق پیدا ہوتی ہے۔

(۷) یہ کہ ظاہر و باطن میں معاصی کی آلائشوں سے محفوظ رہ کر پاکیزگی حاصل کرے۔ اور اپنے اعضاء و جوارح کو بھی روکتا رہے۔

(۸) یہ کہ مخلوق میں سے کسی پر بھی اپنا تھوڑا یا کُلّی بار نہ ڈالے۔ بلکہ خود دوسروں کا بار اُٹھانے کی سعی کرے۔ جب وہ اس پر کاربند ہوں گے تو اللہ کے نزدیک اُن کی عزت و توقیر بڑھ جائے گی۔ اور درجات ترقی کرتے چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تونگری، یقین اور اعتماد کی دولت سے مالا مال کر دے گا اور اُس پر اُسے حق کہنے میں باک نہ ہوگا۔

(۹) یہ کہ لوگوں سے کوئی طمع نہ کرے۔ اور نہ اس شے کی آرزو کرے جو ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ خصلت بہت بڑی خصلت ہے۔ اس کے اختیار کرنے سے پرہیزگاری اور اتقاء حاصل ہوتا ہے۔ یہ خصلت زہد کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جن دروازوں میں سے اللہ پر اعتماد رکھنے والے گذریں گے۔ ان میں سے یہ بھی ایک دروازہ ہے۔

(۱۰) یہ کہ تواضع اختیار کرے۔ عابد کی حیثیت اس سے مستحکم ہوتی ہے۔ متواضع شخص جس شے کا ارادہ کرے گا۔ اُس پر اُسے قوت حاصل ہوگی۔ اُس کی دنیا و آخرت کے سب کام پورے ہوں گے۔ خلق اللہ میں اُسے عزت و سربلندی حاصل ہوگی۔ صالحوں کے مراتب بندے کو اسی عادت سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ خصلت تمام طاقتوں کی اصل ہے۔ متواضع لوگ ہی سرد و گرم زمانے میں راضی خوشی رہتے ہیں۔

بزرگوں نے صبر کی تعریف یہ کی ہے کہ صبر کے معنی بزدلانہ خاموشی کے یا کسی عزیز رشتہ دار کے مرنے پر چُپ ہو جانے کے نہیں۔ بلکہ اُس کے معنی صرف ثبات و استقلال بلکہ زبردست ثبات و استقلال اور ہمت و استقامت اور مصائب و نوائب کا مردانہ وار مقابلہ

کرنے کے ہیں " جس کی تشریح یہ ہے کہ " کتنی ہی مصیبت آپڑے " مشکلات و آفات کے " کتنے ہی پہاڑ ٹوٹ پڑیں " دشمنوں کا ہجوم ہو " غنیم نے گھیر لیا ہو " سیلاب حوادث سر سے گذر رہا ہو " کسی پریشانی اور گھبراہٹ کا اظہار کئے بغیر " ہمت و جواں مردی سے اُس کا مقابلہ کیا جائے "

اور " زہد " تو صرف یہ ہے کہ " انسان " تمام منہیات شرعی سے کراہت و نفرت کرتا رہے۔ اور اس کا دامن " معاصی کے داغ دھبوں سے یکسر پاک و مبرا ہو۔ لیکن یہ زہد بھی ظاہری زہد ہے " باطنی زہد اس سے بلند اور بہت ارفع چیز ہے " وہ یہ ہے کہ " نہ صرف منہیات شرعیہ سے اجتناب کلّی کرتے۔ بلکہ اس کا قلب " دنیا کی تمام فانی چیزوں سے بیزار و متنفر ہو جائے "

اسی طرح " ورع " عام تو یہ ہے کہ " انسان تمام مشتبہ و حرام چیزوں سے خود کو بچائے لیکن " ورع خاص " بہت بڑی چیز ہے " وہ یہ ہے کہ " تمام خواہشات و لذائذ انسانی سے بے پروا ہو جائے۔ اور اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے " پھر " ورع " ایک خاص الخاص درجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ " انسان خود کو ہر اُس چیز سے روکے جس کا وہ ارادہ کر سکتا ہے " بالفاظ دیگر اُس کا کوئی اپنا ارادہ ہی باقی نہ رہے " اور اُس کے تمام ارادے " مرضیات الٰہیہ کے تابع ہو جائیں " جو کھلانے والا کھلائے کھائیں " جو پہنانے والا پہنائے پہنیں " جو کرانے والا کرائے وہ کریں " یہ انقلاب و اُفتاد کا درجہ ہے "

بزرگوں یا اولیاؤں کی روحانیت سے مستفید ہونے کے متعلق مؤلف امروہوی کے بیانات

اس قدر دکھا اور بتا چکنے کے بعد اب ہم " جناب مؤلف صاحب کی تحریر کردہ ایک روایت کو جس میں بتایا گیا ہے کہ " کس طرح ایک عباسی شہزادی نے " حضرت قثم بن حضرت عباس رض کے " مزار مبارک سے استفادہ کیا " درج کرتے ہیں "

انہوں نے اپنی کتاب " تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم کے صفحہ [illegible] پر لکھا ہے کہ " کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ " جب خلافت عباسیہ کا " چنگیزیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا " خاندان عباسیہ کے " ہزاروں افراد کو گرفتار کر کے تہ تیغ کیا " امیر المومنین مستعصم باللہ عباسی آخری خلیفہ بغداد " کی بھتیجی " تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئی " قافلہ تاتار " جب " سمرقند " پہنچا " عفیفہ نے (عباسی شہزادی نے) مزار شاہ حضرت قثم کے مزار کو دیکھ کر " فاتحہ خوانی کی اجازت مانگی۔ اور مزار پر آکر بارگاہ رب العزت میں یوں ملتجی ہوئی کہ " اے قادر و توانا " اگر صاحب مزار " تیرے پیارے رسول کے بھائی " اور تیرے مقرب ہیں۔ تو اس مزار کو شق فرما دے " کہ میں اس میں سما جاؤں " خدایا خاندان نبوت کی ایک ناچار لڑکی کی عفت محفوظ رہے اور خاندان رسالت کی لاج رکھ " قدرت خدا سے قبر شق ہو جاتی ہے۔ اور اس میں وہ " عفیفہ " (شہزادی) سما جاتی ہے "

اپنے مقصد کے تحت جیسا کہ اوپر کہیں ہم دکھا آئے ہیں اس روایت میں بھی مؤلف صاحب نے اچھی خاصی تحریف کی ہے " مگر ہمیں یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ " وہ حضرت قثم رض کے انتقال سے تقریباً چھ سو برس بعد " ایک عباسی شہزادی کا " اُن کی روحانیت یا قبر سے مستفید ہونا خود بتلا رہے ہیں " تو جب اس شہزادی نے " جو کوئی ولیہ اور عورت نہ تھی بلکہ محض شہزادی تھی " بلا کسی مجاہدہ اور ریاضت کے آناً فاناً میں استفادہ حاصل کر لیا " تو حاجی جمال قدس سرہٗ جیسے بزرگ کے " حضرت میر علی الہجویری " سے استفادہ کرنے یا مستفید ہونے کو مؤلف امروہوی کسی طرح بھی نادرست اور ناممکن نہیں ثابت کر سکتے " انہوں نے اپنی تصنیف تاریخ امروہہ کی جلد ثانی موسوم بہ تذکرۃ الکرام میں " سینکڑوں برس پہلے کے بزرگوں سے لوگوں کے استفادہ حاصل کرنے اور اُن کی روحانیت سے مستفید ہونے کے واقعات خود اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں " لیکن یہاں وہ حاجی جمال قدس سرہٗ کے میر علی الہجویری سے فیض حاصل کرنے اور اُن سے مستفید ہونے پر اعتراض کر رہے ہیں " اس سے انہوں نے اپنی دناءت طبع میں اس کینہ کا جو اُن کے دل میں زبیری کنبوہی خاندان کی طرف سے ہے ایک اور ثبوت بہم پہنچا دیا ہے "

تذکرۃ الکرام کے صفحہ [illegible] پر مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ " صاحب کشف و کرامت بزرگ بڑے بڑے ولی اللہ صاحب سلسلہ مشائخ ہر زمانہ اور ہر عہد میں ہوتے رہے ہیں " حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی " نے تصوف فاروق اعظم میں بسوط رسالہ لکھا ہے جو ان کی بے مثل کتاب " ازالۃ الخلفاء کا ایک جزو ہے " مشائخ کے بہت کم سلسلے حضرت فاروق اعظم رض سے منسوب ہیں۔ البتہ آپ کے کشف و الہام اور فراست ایمانی کے اکثر واقعات کتب سیر و رجال میں مذکور ہیں " سنہ ۲۳ ہجری میں بعہد خلافت فاروقی " ممالک عجم پر مسلمانوں نے فوج کشی کی۔ ایک دستہ فوج کے افسر " حضرت ساریہ بن زنیم "

صحابی تھے جنہوں نے "نہاوند" کا محاصرہ کیا۔ ایرانیوں نے گرد و نواح سے مدد طلب کی۔ سخت جنگ چھڑ گئی غنیم نے ایک پہاڑی کی آڑ پکڑ کر پُشت کی جانب سے اسلامی فوج پر حملہ آور ہونا چاہا "مسلمانوں کے لیئے یہ موقع نہایت خطرہ کا تھا" جس وقت یہ واقعہ میدانِ جنگ میں رونما ہو رہا تھا "حضرت فاروق اعظم رض" مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے ممبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ یکایک ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے میدانِ جنگ کا نقشہ آجاتا ہے "مسلمانوں کو خطرے کی حالت میں دیکھکر آپ نے اسلامی فوج کے افسر کو للکارتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں" یا ساریۃ الجبل الجبل "یعنی اے ساریہ" پہاڑی کی جانب پھر پڑو "حضرت ساریہ رض نے کئی مہینہ بعد میدانِ جنگ سے واپس آکر مدینہ منورہ میں بیان کیا کہ تم لوگ تو مسجد نبوی ﷺ میں امیر المؤمنین کا یہ کلام سُن رہے تھے اور میں نے میدانِ جنگ میں سُنا کہ حضرت امیر المؤمنین رض سامنے کھڑے ہوئے پیچھے للکار کر فرما رہے ہیں "یا ساریۃ الجبل الجبل" میں خلافت پناہی کی آواز پہچان کر پہاڑ کی طرف پھر پڑا "اور تھوڑی دیر میں مسلمانوں کو دشمنانِ دین پر فتح حاصل ہو گئی" اس بیان کو لکھنے کے بعد مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے جو نوٹ اس پر دیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

نوٹ مؤلف امروہوی بر کشف و الہام حضرت عمر فاروق رض

آج کے مادہ پرست شاید معترض ہوں کہ انسان کی آواز ہزاروں کوس کے فاصلہ پر کیسے سنائی دے سکتی ہے" انہیں سوچنا چاہیئے کہ "ٹیلی فون" "ٹیلی گراف" "وائرلیس" کے ذریعہ گھر بیٹھے ہزاروں میل کے فاصلہ پر گفت و شنید ہوتی ہے "ریڈیو" کی ایجاد نے تو انسان کو اس پر قادر کر دیا ہے کہ "کرۂ ہوا" اور فضائے آسمانی میں آوازوں کی جو لہریں متحرک ہیں اُن کو سُن سکے "پیرس" اور لندن کی تقریریں آپ "دہلی اور بمبئی میں" بیٹھے سُن لیتے ہیں "میں اکثر جب دہلی جاتا ہوں برادر عزیز مسعود احمد صاحب عباسی کے یہاں جنہوں نے "ریڈیو کی مشین" اپنی نو تعمیر اور خوشنما کوٹھی میں لگا رکھی ہے "کلکتہ" "بمبئی کی روزانہ خبریں" اور لیکچر و تقریریں "نغمہ و سرود کی آوازیں سنتا ہوں" ہاتھ کی ذراسی حرکت سے "آپ کے کان میں" اہلِ تاشقند وغیرہ کے نغمہ و سرود کی آوازیں آجائیں گی "جب انسان کی بنائی ہوئی ایک ادنیٰ مشین کی یہ کیفیت ہو۔ تو قادرِ مطلق اگر اپنے اس بندے کی آواز کو جو جانشین رسول صلعم۔ اور جامع کمالات ہو" ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچا دے "تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے"

اور اسی کتاب کے صفحہ ۶۵ و ۶۶ پر "قطب الاقطاب شیخ عبدالمجید علوی قدس سرہ العزیز کے حال میں (جن کی ولادت سنہ ۵۹۰ ہجری کی ہے۔ اور وفات سنہ ۶۷۴ ہجری میں ہوئی ہے لکھا ہے کہ "بعد فراغ تحصیل علوم ظاہری" شیخ موصوف سے (حضرت شیخ نظام الدین نارنولی سے) ارادت درست کی "سالہا سال خدمتِ مرشد میں حاضر رہکر کمالات و فضائل کا سرمایہ فراہم کیا" شیخ قدس سرہ نے اپنا جانشین و خلیفہ بنا کر وطن جانے کی اجازت مرحمت کی "یہاں آکر" (امروہہ آکر) حضرت سید شرف الدین حسن شاہ ولایت رح "(جن کی ولادت سنہ ۶۶۳ یا ۶۶۴ وفات بقول مؤلف امروہوی سنہ ۷۴۳ ہجری اور بقول دیگر تذکرہ نویسوں کے سنہ ۷۸۳ ہجری میں ہوئی") کی روحانیت سے استفاضہ کیا"

اور صفحہ ۱۳۹ پر "شاہ عبدالہادی صدیقی قدس سرہ (ولادت سنہ ۱۰۸۰ ہجری وفات سنہ ۱۱۹۰ ہجری) کے حالات میں لکھا ہے کہ "مدت تک آپ نے سخت سے سخت مجاہدات کئے" کہا جاتا ہے کہ یہاں کے زمانۂ قیام میں (سوت ندی کے کنارے کے غار میں) حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ جن کے فیوض و برکات سے "علوم لدنی آپ پر منکشف ہو گئے۔ یہیں حضرت غوث الاعظم (المتوفی سنہ ۵۶۱ ہجری) سے فیضِ روحانی حاصل ہوا" اور یہیں حضور سرورِ کائنات ﷺ نے عالمِ رویا میں قیام آبادی۔ و رہنمائی خلق اللہ کی ہدایت فرمائی"

اور صفحہ ۱۶۵ پر شاہ عبدالباری چشتی (ولادت سنہ ۱۱۶۰ ہجری وفات سنہ ۱۲۲۶ ہجری) کے حال میں لکھا ہے کہ "قطب الاقطاب خواجہ قطب الملۃ والدین" محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء (المتوفی سنہ ۷۲۵ ہجری) اور دیگر بزرگان سے روحانی استفادہ و استفاضہ کیا"

اور صفحہ ۲۲۵ پر "شاہ محمد ارتضیٰ الرحمٰن صدیقی معروف عبیداللہ شاہ (پیدائش سنہ ۱۲۸۷ ہجری) کے حالات میں لکھا ہے کہ "حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی" (زمانہ شہنشاہ جہانگیر) اور دوسرے بزرگوں "بالخصوص علی الہجویری داتا گنج بخش لاہوری" صاحب کشف المحجوب کی

اور صفحہ ۲۲۹ پر حاجی شاہ محمد ابراہیم کے حال میں لکھا ہے کہ "یہ شاہ عبدالہادی کی پانچویں پشت میں تھے۔ ولادت آپ کی سنہ ۱۲۰۸ ہجری میں ہوئی" "خود فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں درگاہ حضرت شاہ عبدالہادی کے شمالی برج میں مقیم تھا اور وظیفہ ابجد پڑھا کرتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے برج کی شمالی کھڑکی پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک شیر چوکھٹ پر کھڑا مجھے گھور رہا ہے۔ میں خایف ہوکر صحن میں آگیا لیکن پشت پھیر کر دیکھا تو شیر میرے پیچھے پیچھے پر تھا اس نے مجھے اور خایف کردیا۔ اور میں جنوبی برج میں آگیا لیکن وہاں سے جو دیکھا تو شیر کو صحن میں کھڑا پایا۔ اب خیال ہوا کہ یہاں سے بھاگنا چاہئے۔ چنانچہ برج سے کود کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ احاطہ درگاہ سے باہر پہنچکر راستہ پر آنا چاہتا تھا کہ حضرت شاہ عبدالہادی رح نے سامنے سے آکر مجھے بغل میں لے لیا۔ اور تسلی و تشفی دیکر اپنے ہمراہ لے گئے اور برج میں بٹھا دیا۔" یہ مقام ابتدائے عمر کا ہے" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ آپ اپنے بزرگوں کی امداد ہوتی رہی ہے۔"

اور صفحہ ۲۵ کے اپنے نوٹ میں مؤلف امروہوی نے سید علاؤالدین الملقب شیخ علاول بلاول بن سید سلیمان بن سید حسن الحسینی (شاہ ولایت آگرہ) کے حال میں تحریر کیا ہے کہ "دہلی پہنچکر میاں لاڈن[*] کمبوہ مفتی دہلی سے تفسیر کا درس لیا۔ حضرت بختیار کاکی رح کی روحانیت سے مستفیض ہوئے۔"

یہ چند بیانات جو ہم نے مؤلف امروہوی کی کتاب سے لیکر پیش کئے ہیں۔ ان سے صاف ثابت ہوگیا ہے کہ وہ بزرگان پیشین سے استفادہ و استفاضہ حاصل ہوتے رہنے کے شدت سے قایل ہیں۔ جب ہی تو اپنی کتاب کے ناظرین کو ان واقعات پر یقین کرلینے کے لئے زور دے رہے ہیں۔ مگر یہاں انہوں نے "حاجی جمال قدس سرہٗ" کے "میر علی ہجویری" سے فیض حاصل کرنے اور مستفید ہونے کو جو قطعی ناممکن بتایا ہے" کیا اس سے اُن کی جماعت کی چہ خوب طرح روشنی نہیں پڑ گئی ہے۔ ہمارے اس بات کو قطعی طور سے ثابت کر چکنے کے بعد کہ بزرگان اسلام کے پردہ پوش ہو جانے کے بعد بھی اُن سے فیض حاصل ہوتے رہنے کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ اب ہم کو یہ بتانا ہے کہ صاحب المشاہیر رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ دھوکا ہوا کہ انہوں نے میر علی بجری اور میر علی الہجویری کو لاہور کے تعلق کی وجہ سے ایک سمجھ لیا ہے۔ اس سے مؤلف امروہوی نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور رسالہ نواب شہباز خاں "جو" نواب شہباز خاں" کے بزرگوں اور اُن کے نسبی حالات کا ماخذ ہے" مؤلف موصوف نے اپنے مقصد کے منافی جانکر اس کی تحریر کو چھپا لینے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ بلکہ کتاب مصباح العارفین کی طرح اس رسالہ کے وجود ہی سے انکار کردینا مناسب و ضروری خیال کیا ہے۔" تاریخی تحقیق و تلاش میں ایسی جسارت کرنا مؤلف امروہوی جیسے شخص سے ہی ممکن ہے۔ رسالہ نواب شہباز خاں میں "نواب صاحب کے جد ششم حاجی جمال کے لاہور جانے اور میر علی الہجویری قدس سرہٗ داتا گنج بخش لاہوری سے اُن کے مستفید ہونے کا کوئی ذکر تحریر نہیں ہے۔ بلکہ حاجی جمال قدس سرہٗ کے میر علی بجری کے ہمراہ ایران و توران کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان آنے اور حاجی جمال رح کے ملتان میں ٹھیر جانے اور میر علی بجری کے لاہور جاکر توطن اختیار کر لینے کا ذکر ہے۔" رسالہ نواب شہباز خاں جو تصنیف بزمانہ شہنشاہ اکبر اعظم کی ہے اس میں تحریر ہے کہ۔

شہباز خاں دیبند اربہ آں اُمرائے نامدار گفت کہ حقیقت آباؤ اجداد بندہ در ہندوستان این ست کہ جد و پدرم حاجی جمال الدین بن کمال الدین شرف حج مشرف شدہ و بسند احادیث از میر حسین محدث حاصل کردند و بشعر حضرت میر علی بجری سیر ایران و توران کرد۔ چوں بہ قصبۂ جمال کہ در تحت کوہ جودی واقع است آنجا رسیدہ شتیاق مانند کرتا گہاں بہ ہندوستان رسیدند۔ چوں بدارالسرور ملتان رسیدند بشرف ملازمت حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا مشرف شدند۔ بارادت صادق و

شہباز خاں دیبند ار نے اُن اُمرائے نامدار سے کہا کہ حقیقت میرے باپ دادا کی ہندوستان میں یہ ہے کہ میرے بزرگوں میں سے حاجی جمال الدین حج کے شرف سے مشرف ہوئے اور احادیث کی سند میر حسین محدث سے حاصل کی۔ اور ہمراہی میں میر علی بجری کے انہوں نے ایران و توران کی سیر کی۔ جب قصبہ جمال میں جو کوہ جودی کے تحت میں واقع ہے وہ پہنچے" وہاں انہوں نے ہندوستان کا ارادہ کر دیا جب دارالسرور ملتان میں پہنچے تو شرف ملازمت سے حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا

---

[*] فوٹ علامیاں لاڈن مخدوم شیخ نصیرالدین ابن حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز زبیری کنگوہی کنبوہی کے فرزند دوم تھے۔

مطلب واثق بدرجہ خرقہ خلافت ممتاز گشت" حضرت میر علی بطرف لاہور
متوجہ شدہ متوطن گشت۔ القصہ جمال الدین بحکم حضرت بہاؤ الدین
ذکریا ملتان را وطن ساختند" عیال و اطفال بہم رسانیدند و اوقات
شریف بدرس احادیث متصرف مے نمودند و طالب کسب و کمالات با مردم
مشغول بودند تا بدرجہ شیخی رسیدہ اشتہار یافت۔ دراں اثنائے جناب آنہ
بہج عبادت براوج سعادت نقل فرمودند" بجائی حضرت شیخ صدر الدین
علیہ الرحمۃ قرار یافت۔ ایشاں ہر یکے خلفائے نامدار بر جائے تعین کردند
حاجی جمال را از جانب جہتے معین کردند" اکثر اعیان آں دیار ارادت
آوردند۔ و سرداران اطراف و جوانب آں ملک معتقد شدند" و فرزندانش
تحصیل کسب جمیع علوم مقید شدند۔ و در سایۂ پدر خود تربیت یافتند" عمر
شریف حاجی تا یکصد و سیزدہ سالہ رسیدہ بود" اگر حقیقت حال ہر یکے از
آباؤ اجداد خود بعرض قبلہ ہندوستان نمودہ آید حامے دراز نقشے" بادشاہ
جم جاہ است"

(رسالہ نواب شہباز خان ص...)

کے مشرف ہوئے اور ارادت صادق و مطلب واثق سے بدرجہ خرقۂ خلافت
ممتاز ہوئے" حضرت میر علی لاہور جاکر متوطن ہوگئے" القصہ جمال الدین
نے حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے فرمانے سے ملتان کو وطن بنا لیا"
وہیں شادی کر لی اور اولاد ہوئی۔ وہ اوقات شریف کو احادیث کے درس
میں صرف کرنے لگے اور لوگوں کے کسب و کمالات میں مشغول رہے یہاں
تک کہ درجہ شیخی کو پہنچکر مشہور ہوگئے" اسی اثنا میں برج عبادت سے اوج
سعادت پر نقل فرمایا" شیخ ذکریا کے بعد اُن کے سجادہ حضرت شیخ
صدر الدین ہوئے" انہوں نے ہر ایک خلفائے نامدار کو مختلف سمتوں میں
متعین فرمایا" حاجی جمال الدین قدس سرہٗ کو ایک سمت متعین کیا" اکثر
شرفا و امیر جو وہاں کے تھے ان کو ارادت اُن سے ہوگئی۔ اور اس ملک کے اطراف
جوانب کے سرداران کے معتقد ہوگئے" اُن کے بیٹے تحصیل و کسب تمام علوم میں
مشغول ہوئے اور اپنے والد بزرگوار کے سایہ میں انہوں نے تربیت پائی" عمر
شریف حاجی صاحب ایک سو تیرہ برس کو پہنچی تھی" اگر حقیقت حال باپ
اور دں میں سے ہر ایک کی عرض کروں تو بڑی داستان ہو جائے گی"

کیونکہ مؤلف امر [illegible] کی اس تحقیقات اور لاطائل بحث کی بھی حقیقت اچھی طرح ہم نے کھول کر دکھا دی ہے اس لئے ہم آگے بڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ اب وہ اور کیا فرماتے ہیں"

باب ہشت وہم

"صاحب المشاہیر" نے اپنی کتاب کی ابتدا میں "لفظ کنبوہ" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ
"زبیری" مقام کنبہ" واقع غزنیں" یا "کبناہ" واقع "سمرقند" میں اوّلاً آباد ہوئے" اور وہاں سے
اکثر و بیشتر "محمود غزنوی" کے زمانہ میں "ہندوستان آئے" اور "لقب کنبوہ" بھی اسی نسبت مکانی کی
وجہ سے ساتھ لائے"

لہ لیکن یہ روایت بھی قطعاً مصنوعی ہے" افغانستان وغیرہ" میں اس نام کا کوئی مقام" نہ اب موجود
ہے" نہ پہلے تھا" (ص۲۲۲)

صاحب المشاہیر کا مکمل بیان

مؤلف صاحب کے اس بیان پر کچھ لکھنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "صاحب المشاہیر" نے جو عبارت "کنبوہ" کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھی ہے اُسے بھی پیش کر دیں تاکہ کوئی بات تشنہ نہ رہنے پائے" "المشاہیر کے ص۱۷ تا ۱۹ پر تحریر ہے کہ" سجلاتِ قدیم" و بزرگان پیشین" و معتبر اشخاص کی کتابت" و پُرانی کتابوں میں یہ لفظ (کنبو) و (کنبوہ) (کنبوی) ان صورتوں میں لکھا پایا جاتا ہے" بعض کم استعداد" شاذ" "کمبوہ" لکھدیتے ہیں۔ اور اس کے اصل میں "اقوال مختلف" "غیر مستند" بیان کئے گئے ہیں" کسی نے (کم انبوہ) کہا ہے۔ کسی نے کیا نیوں میں جا ملایا ہے اور (کے انبوہ) بتایا ہے" مگر یہ سب طبعی باتیں ہیں" حقیقتاً جس پر ثقات کا اتفاق" اور مقرون بصواب ہے یہ ہے کہ "لقب مکانی ہے" ذاتی" صفاتی" یا نسبی" خطاب نہیں ہے" مولانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن" جد مادری" شیخ عبد الحق محدث دہلوی" نے اپنی کتاب (مصباح العارفین) میں لکھا ہے کہ "لفظ کنبوہ" میں واؤ نسبت کا ہے۔ جیسا کہ ہندو میں" یعنی منسوب بہ کنب" اور "کنب" ایک شہر ہے" قریب غزنی" حسو طبع

سادات بنی فاطمہ و علوی یا شیوخ آمدہ عرب اور جو لوگ باشندگان قدیم کشمیر میں سے مسلمان ہو گئے۔ یا جو اب تک اپنے قدیم مذہب پر ہیں وہ سب بہ لحاظ سکونت کشمیر (کشمیری) کہلاتے ہیں علیٰ ہذا ساکنانِ کنبہ۔

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دہلوی (دربار اکبری) میں بضمن حالات شیخ گدائی لکھتے ہیں کہ ان کے والد شیخ جمالی سکندر لودی کے عہد میں شعراء باکمال میں شمار ہوتے تھے اور شیخ جمالی کنبوی دہلوی کہلاتے تھے۔ ایک مورخ کا قول ہے کہ کنباہ ایک دریا ہے۔ اس کے کنارے کی آبادی کو بھی باسم محل (کنباہ) کہتے ہیں جس طرح ضلع جہلم دریائے جہلم کے نام سے مشہور ہے قدما عرب و بغداد سے وہاں آکر آباد ہوئے پھر ہندوستان آئے اور یہ لقب ساتھ لائے یہ بات ظاہر ہے کہ کسی مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھدیا جاتا ہے۔ کبھی اس کو ایسی قبولیت عام و شہرت ہو جاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ اسی نام سے شہرت پذیر ہو کر ایک قوم بن جاتی ہے کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے کوئی باسم محل اور کوئی باسم صفت موسوم ہو گئی ہے۔ لہذا اس فریق کا بھی باسم محل موسوم ہو جانا انوکھی بات نہیں[1] یہ بھی مشہور ہے کہ اکثر لوگ اس گروہ کے قریب زمانہ محمود غزنوی ہندوستان آئے۔

شہر کنباہ کے آباد ہونے کے متعلق تاریخ فرشتہ کا بیان

صاحب المشاہیر کا بیان اور اس پر ان کے نوٹ متن و عن ہم نے لکھدیئے ہیں اور ان کے بیان کا جو اقتباس یا اختصار جس طرح صاحب تحقیق الانساب نے کیا ہے وہ نظروں کے سامنے موجود ہے اپنے اس بیان میں بھی مولف امروہوی نے اپنے ناظرین کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے یعنی یہ باور کرانا چاہا ہے کہ کنب واقع غزنی یا کنباہ واقع سمرقند سے یہ خاندان محمود غزنوی کے زمانے میں بالامارت ہندوستان آیا جو سراسر غلط ہے یہ خاندان سلطنت منصورہ کی تباہی کے بعد ہی کنباہ واقع سندھ کو چھوڑ کر ملتان آگیا تھا اور ملتان بھی سندھ میں شامل تھا نہ کہ ہندوستان میں صاحب المشاہیر نے تو یہ لکھا ہے کہ قریب زمانہ محمود غزنوی یعنی محمود غزنوی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد یہ خاندان ہندوستان آیا مگر مولف موصوف نے ان کے بیان میں کتر بیونت کر کے لکھا ہے کہ نہ ہی محمود غزنوی کے زمانے میں ہندوستان آئے قریب کا لفظ انہوں نے اپنی مصلحت سے چھپالیا ہے جو کھلی بددیانتی ہے اور مولف موصوف نے صاحب المشاہیر کے بیان کے ممکنات پر بحث کرنے سے احتراز کر کے اسے قطعاً مصنوعی قرار دے کر جو یہ لکھا ہے کہ افغانستان وغیرہ میں اس نام (کنب یا کنباہ) کا کوئی مقام نہ اب موجود ہے نہ پہلے تھا) اور اپنے اس فقرہ میں لفظ وغیرہ شامل کر کے بلا کسی تحقیقات کے مصباح العارفین کی طرح اپنا یہ ناطق فیصلہ دیدیا ہے کہ ہندوسندھ تو درکنار رہے دنیا کے کسی حصہ میں بھی اس نام کا کوئی شہر کبھی کسی زمانہ میں آباد نہیں ہوا ان کا یہ بیان پایۂ تحقیق سے بالکل گرا ہوا اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

نوٹ [1] بعض اہل شکوک بوجہ ناواقفیت وجود کنباہ میں متردد ہو جاتے تھے ہندہ ناچیز جامع مختصر ہذا کو ایک سیاح معقول و معتبر بغدادی الاصل و اولاد امجاد حضرت غوث پاکؒ کے ملنے کا اتفاق ہوا۔ بہ اثنائے مہربانی اپنی سیاحت کے تذکرہ میں بیان کیا کہ سمرقند سے شمال کی طرف چھ سات منزل کے فاصلہ پر کنباہ بضم کاف ایک دریا ہے۔ اس کا پانی نہایت سرد و شیریں اور خوشگوار ہے۔ اس کے کنارے پر ایک قصبہ اسی نام سے مشہور و آباد ہے پہاڑی ملک ہے۔ آب و ہوا نہایت صحت بخش میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں باشندے وہاں کے سخی خلیق انتہا درجہ کے مہمان نواز ہیں ان کا جی ہرگز نہیں چاہتا کہ مہمان سے ان کا مکان خالی رہے میں چند روز بکمال آسائش اس قصبہ میں مقیم رہا ہوں۔ نوٹ [2] صاحب تذکرہ افغانی وجہ تسمیہ پٹھان میں لکھتے ہیں کہ جب اول اول یہ لوگ ہند میں آئے تو بلدہ پٹنہ میں آباد ہوئے اس سبب سے اہل ہند افغانوں کو پٹھان کہتے ہیں افغانوں کے ایک فرقہ کو روہیلہ اس سبب سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملک روہ کے رہنے والے ہیں یعنی ملک روہ والا کثرت استعمال سے روہیلہ مشہور ہو گیا۔ وجہ تسمیہ افغان لوحانی یہ ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ نوح تھا اس کی نسل نوحانی مشہور ہوئی۔ اب نون کی جگہ لام ہو کر لوحانی کہلاتے ہیں۔ قوم قزلباش کے لوگ سرخ کلاہ رکھتے تھے ترکی میں قزل سرخ کو اور باش سر کو کہتے ہیں یعنی سرخ سر والی قوم۔ یہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

تاریخ فرشتہ کی تلاش کے لئے کچھ کوشش درکار نہیں ہے۔ یعنی اس کے لئے ”نہ تو کتب خانوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے“ ”نہ جا بجا پھر کر لوگوں سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے“ ”یہ کتاب عام ہے“ ہر جگہ ملتی ہے“ ”مؤلف امروہوی کے مطالعہ میں بہت رہی ہے“ ”انہوں نے اسے بنظر امعان دیکھا ہے اور اکثر باتوں سے متعلق اس کے حوالے پیش کئے ہیں“ ”چنانچہ اس بحث میں بھی ”میاں چمن“ اور ”عماد الملک“ کے متعلق مؤلف صاحب نے ”تاریخ فرشتہ“ کا حوالہ دیا ہے“ ”مگر کیا یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ ”انہیں“ فرشتہ کی جلد اوّل میں ”سب کچھ تو نظر آگیا“ لیکن وہ عبارت جس میں ”شہر کنبایا“ کے آباد ہونے کا ذکر ہے“ مطلق نظر نہیں آئی“ ”تاریخ فرشتہ“ میں صاف لکھا ہے کہ۔

(”نہروال بن ہند۔ (بن حام بن حضرت نوح ؑ) کے بھی تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام ”بہروج“ ”کنباج“ اور ”مالراج“ تھے ”نہروال“ نے ”ان بیٹوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے“)

شہر کنباہ کے متعلق بشاری مقدسی کا بیان

فرشتہ کے ماسوا ”مؤلف صاحب نے اپنی کتاب ”تحقیق الانساب تاریخ امروہہ“ کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۶۷ پر ایک سیاح ”بشاری مقدسی“ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ ”بشاری مقدسی“ جو چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان آیا تھا“ سندھ“ کے پایہ تخت ”منصورہ“ کے حال میں لکھتا ہے ”واما المنصورۃ فعلیہا سلطان من قریش یخطبون العباسی“ ”منصورہ“ کا بادشاہ ”نسلاً قریش ہے۔ یہاں کے مسلمان ”خلیفہ عباسی“ کا ”خطبہ“ پڑھتے ہیں“ گو اس عربی عبارت کے ترجمہ میں بھی مؤلف صاحب نے اپنے قاعدہ کے مطابق تھوڑی سی تحریف کی ہے“ یعنی بجائے اس کے کہ یہ ترجمہ کرتے کہ ”منصورہ کا قریشی بادشاہ“ ”خلیفہ عباسی“ کا خطبہ پڑھتا ہے۔ انہوں نے اس طرح ترجمہ کر دیا ہے کہ ”یہاں کے مسلمان ”خلیفہ عباسی“ کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ مگر ہمیں یہاں یہ بتانا ہے کہ ”بشاری مقدسی“ سنہ ۳۸۰ یا ۳۸۵ ہجری میں ”سندھ و ہند“ کی سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اپنا جو سیاحت نامہ لکھا ہے“ اس کا نام ”احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم“ ہے۔ اور ان کا پورا نام ”شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی۔ المعروف بالبشاری“ ہے“ ”اقلیم السندھ“ کی شرح کے تحت انہوں نے ”سندھ“ کی اپنے زمانے کی تقسیم ملکی“ پیداوار“ اور ”تجارت“ وغیرہ وغیرہ کا حال بتانے کے ساتھ ”وہاں کے شہروں کے نام بھی لکھے ہیں“ چنانچہ بادشاہت ”منصورہ“ کے جہاں اور شہر گنائے ہیں“ وہاں ”بانیہ“ اور ”کنباہی“ دو شہروں کے نام بھی لکھے ہیں“ انہوں نے ”منصورہ“ کے شہر کی شرح کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ ”سندھ“ کے قصبات میں ”منصورہ“ شامل ہے“ اور اس کے حسب ذیل شہر ہیں“

دیبل“ ”زندریج“ ”کدار“ ”مایل“ ”تمبلی“ ”فارسی کا بیان ہے کہ ”البیرون“ ”قالری“ ”آنری“ ”بلری“ ”المسواہی“ ”البھرج“ ”بانیہ“ ”منہاتری“ ”سدوسان“ ”الرور“ ”سوبارہ“ ”کنباص“ ”صیمور“ بھی شامل ہیں۔“

اس وقت کے ”سندھ“ کو آج کا ”سندھ“ جو انگریزوں کی تقسیم ملکی کے مطابق نقشوں پر چند ضلعوں پر مشتمل چھوٹا سا صوبہ نظر آتا ہے“ نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اس زمانے کے ”سندھ“ میں ”تمام مشرقی افغانستان“ ”مکران“ ”پورا“ ”بلوچستان“ ”کشمیر“ کے پہاڑوں تک سارا ”پنجاب“ ”موجودہ صوبہ سندھ“ اور ”تھوڑا راجپوتانہ“ ”شامل تھا“ ”پنجاب“ ”افغانستان“ اور ”بلوچستان“ کسی ملک یا صوبہ کا نام نہ تھا۔ یہ نام بعد کی پیداوار ہیں“ ”پنجاب“ کا اطلاق صرف ان پانچ دریاؤں پر کیا جاتا تھا۔ جو کشمیر کے ایک پہاڑ سے نکل کر اسی ملک کے اندر بہتے تھے“

”بانیہ“ وہ شہر ہے جو ”سلطنت منصورہ“ کے بانی کا ”وطن تھا۔ اور یہ بانی سلطنت ”منصورہ“ حضرت ابن عبدالمطلبؓ کے چچازاد بھائی کی نسل سے تھے“ ”نیز ”شہر بانیہ“ اور ”شہر کنبایہ“ میں زیادہ فاصلہ نہ تھا۔“

اور ہم نے فرشتہ اور بشاری مقدسی کی کتابوں سے ”کنباہ“ کے وجود کو بخوبی ظاہر کر دیا ہے“ یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں مؤلف امروہوی نے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ انہوں نے ان کے جا بجا حوالے بھی اپنی کتاب میں پیش کئے ہیں مگر حیرت بالائے حیرت ہے کہ انہیں ان کتابوں

میں سب کچھ تو نظر آگیا لیکن نظر نہ آیا تو صرف " کنبایہ " یا " کنباہ "
کچھ انہیں کتابوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ اور بہت مستند کتابوں میں بھی یہ " کنب و شہر کنبایا " دریائے کنباہ " اور علاقہ کنباہ کے حالات تحریر ہیں۔ جن میں سے چند کے اقتباسات مؤلف موصوف کی مزید تسلی کے لئے ہم اور پیش کرتے ہیں "

فتوح البلدان بلاذری کا بیان

فتوح البلدان بلاذری المتوفی ۲۷۹ ہجری جزو دوم کے صفحہ ۱۷۳ پر ہے کہ " ...... کاؤس اشروسنہ کا بادشاہ تھا ایک قہرمان (سردار) تھا۔ اس کے مزاج میں بڑا دخل۔ اس نے فضل بن کاؤس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔ اس غرض سے کہ اس کے دل میں فضل کی محبت بڑھے فضل کی بہت ثناؤ صفت کرتا۔ اور اس کے دوسرے بیٹے حیدر المعروف بہ افشین کی مذمت کیا کرتا۔ حیدر کو ایک دن موقع ملا۔ اشروسنہ کے دار السلطنت " کنب " کے دروازہ پر قہرمان کو قتل کر دیا۔ اور بھاگ کر ہاشم بن محمود ختلی کے پاس چلا گیا جو اپنے شہر کا حاکم و مختار تھا۔ درخواست کی کہ وہ اس کے باپ کو راضی کرنے کے لئے خط لکھدے .... پھر حیدر نے اسلام ظاہر کیا۔ مدینۃ الاسلام کی راہ لی۔ مامون سے ملا۔ اس کو بتایا کہ اشروسنہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ لوگوں پر جس مہم کا ہول تھا۔ اس نے سہل کر کے بیان کیا۔ اور اشروسنہ پہنچنے کا قریب ترین راستہ بتایا۔ مامون نے اپنے کاتب احمد بن ابی خالد الاحول کو جیش عظیم کے ساتھ اس مہم پر مقرر کیا "

ابن حوقل کا بیان

علامہ مسعودی کے بعد " الاصطخری " نے اپنا جغرافیہ لکھا " اور اُن کے بعد چوتھی صدی کے ربع دوم میں " ابن حوقل " نے سیاحت کر کے " اپنا جغرافیہ " تحریر کیا۔ کیونکہ ان دونوں کی سیاحت کے زمانوں کے درمیان زیادہ مدت نہیں ہے " اور دونوں کی تحقیقاتیں بھی قریب قریب یکساں ہیں " اس لئے اختصار کے مد نظر یہاں ہم صرف " ابن حوقل " کی کتاب " المسالک والممالک " مطبوعہ مطبع بریل واقع لیدن " سے لیکر ضروری مقامات کا حال لکھتے ہیں " ابن حوقل " نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۵ میں باب " بلاد السند و ما یتصل بہا " کے تحت لکھا ہے کہ " یہ سمندر " (بحر فارس) مشرق میں " صیمور " سے لیکر " تیز مکران " تک سیدھا چلا گیا ہے " اور اس کے بعد " مکران " کے بیابان کے پاس ٹیڑھا ہو گیا ہے " اور اس نے ممالک " کرمان و فارس " پر جا کر کمان کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اطراف مکران میں | تیز " قنزبور " درک " اور " راسک " ہے۔ اور یہ خوارج کا شہر ہے " اور " بہ " بند " قصر قند " و اصفقہ " فہلفہرۃ " مشکی " قنبلی " ارمائیل " ہیں "

اطراف طوران میں | مندرجۂ ذیل شہر ہیں " محالی " کیزکانان " شورۃ " اور " قزدار "

اطراف بدھ میں | قندابیل " شہر ہے۔ اور یہ اس اطراف کا مرکزی مقام ہے "

سندھ کے اطراف میں | مندرجۂ ذیل شہر واقع ہیں " منصورہ " جس کا مشہور نام " بہمن آباد " ہے " دیبل " بیرون " قالری " انری " بلہری " مسواہی " فہرج " بانیہ " منحاتری " سدوستان " اور " بندقند "

اور ہند کے حسب ذیل شہر ہیں | تاقہل " کنبایہ " سوبارہ " اس کے اطراف بہت خوشنما ہیں " اساول " جناول " سنداج " صیمور " بلین " جندرور " سندرود " یہ وہ شہر ہیں جن کا مجھے علم حاصل ہوا۔

اور اطراف بلاد ہند میں | کھابیاں " اور مکانات تھے " مشہور کھاٹی " فرزان " اور " قندہج " ہے۔ اور مکانات " لطلنت " اور " او دخشترۃ " اطراف نا شستہ یہ ہیں " ..... اور " کنبایہ " اور " صیمور " کے درمیان ایک شہر ہے جس کا نام " بلھرا " ہے۔ اور " بلھرا " کا لیلا مثال کا مصنف ہے " اور وہاں کا بادشاہ بھی " اسی نام سے مشہور ہے " جیسا کہ " غانہ " ایک علاقہ کا نام ہے " اور وہاں کے بادشاہ کو بھی " غانہ " کہتے ہیں

اور اسی طرح "کوغہ" وغیرہ ہیں" اور یہاں کے اکثر باشندے کافر ہیں" اور مسلمان بھی قلیل تعداد میں ہیں" مگر وہاں کا بادشاہ مسلم ہے" لیکن اس اطراف میں بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن کا بادشاہ کافر ہے" اور باشندے مسلمان ہیں" مثلاً "خذر" "سمریہ" "لان" "غانہ" "کوغہ" مگر مسلمان کافر کا حکم نہیں مانتے تھے" اور اپنے حدود کے والی انہیں نہیں خیال کرتے تھے" ....

بلاد بلہرا میں | بہت سی مساجد ہیں" جہاں جماعت سے نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ اور ہر مسجد میں منارہ پر اذان ہوتی ہے" اور تکبیر و تہلیل سے نماز کا اعلان ہوتا ہے۔ اور یہ ایک وسیع بادشاہت ہے"

اور شہر منصورہ | طول و عرض میں تقریباً ایک میل ہے" نہر مہران" (دریائے سندھ) کے ایک خلیج نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اور یہ شہر دیکھنے میں ایک جزیرہ کی طرح معلوم ہوتا ہے" یہاں کے باشندے مسلمان ہیں" اور ایک "قریشی آدمی جو" ہبار بن اسود" (حضرت زبیر رضی کے چچازاد بھائی) کی اولاد میں سے ہے" وہاں کا حکمران ہے" اس کے آباؤ اجداد نے اس ملک پر اپنا قبضہ جما کر" اپنی بہترین سیاست کی بدولت "رعیت" کو ان کا مطیع بنا رکھا تھا" مگر خطبہ "بنی عباس" کے نام کا پڑھا جاتا ہے" (سلطنت منصورہ خود مختار تھی" اور اس زمانے کے دستور کے مطابق" جس قدر بھی خود مختار اسلامی سلطنتیں تھیں" خطبہ عباسی خاندان کا ہی جو بہت کمزور و سقیم حالت میں "تیلیوں کی طرح" بغداد میں تھا" پڑھوایا کرتی تھیں") "منصورہ" ایک گرم شہر ہے" وہاں کھجور" کا درخت ہے" انگور" "سیب" "اخروٹ" اور "امرود" وہاں نہیں ہے۔ مگر وہاں "گنا" پایا جاتا ہے" اور "سیب" جیسا ایک ترش پھل وہاں پایا جاتا ہے جس کو "لیموں" کہتے ہیں۔ اور وہاں "خوخ" کی طرح ایک قسم کا پھل ہوتا ہے جسے "آم" کہتے ہیں" چیزوں کی قیمت بہت ارزاں ہے اور وہاں لوگ آسودہ ہیں" اس علاقہ میں "قندھاری سکہ رائج ہے" جس کا ایک درہم پانچ درہم کے برابر ہے" "تیز طاطری" نام کا ایک سکہ وہاں رائج ہے جو ایک درہم اور آٹھویں حصہ کے برابر ہے" وہاں لوگ دینار سے بھی لین دین کرتے ہیں" وہاں کے باشندوں کا لباس "عراقیوں" کی طرح ہے" لیکن بادشاہوں کا لباس "ہندوستانی" بادشاہوں کی طرح ہے" کرتے" اور "بال" ہندوستانی بادشاہوں کی طرح ہوتے ہیں"

شہر ملتان | "ملتان" بھی "منصورہ" کی برابر ایک شہر ہے" جس کو "فرج بیت الذہب" کہتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بت ہے" ہندو اس کی تعظیم کرتے ہیں" اور اطراف ملک سے اس کی زیارت کو آتے ہیں" ..... "ملتان" پر قلعہ بھی ہے" یہ آسودہ شہر ہے" ہر چیز ارزاں ہے" مگر منصورہ سے کم" ....

شہر بانیہ | "بانیہ" ایک چھوٹا شہر ہے" عمر بن عبد العزیز ہباری قرشی" جو عراق میں بزرگی اور بہادری کی وجہ سے مشہور ہے" بانیہ" کا رہنے والا تھا" اور "منصورہ" اور اس کے اطراف پر غالب آنے والوں کا جدِّ امجد ہے"

فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے صفحہ ۲۰۱ پر ہے کہ "عمران گورنر سندھ" (از ۲۲۱ ہجری تا ۲۲۳ ہجری کے زمانے میں" عربوں کی دو مشہور جماعتوں "نزاریوں" (یعنی قریش اوّل کے جدِّ اعلیٰ کی اولاد یا حجازی) اور "یمنیوں" (قحطانیوں) کے درمیان عصبیت پھوٹ پڑی" عمران" یمنیوں" کا طرفدار ہو گیا" نزاریوں کے سردار "عمر بن عبد العزیز الہباری" نے موقع پا کر اس کو "عمران گورنر سندھ" کو قتل کر دیا" عمر بن عبد العزیز ہباری" کے پردادا "منذر بن زبیر بن عبد الرحمٰن بن ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد" ان لوگوں میں تھے جو "حکم بن عوانہ" گورنر سندھ (از ۱۱۰ ہجری تا ۱۲۰ ہجری) کے ساتھ اس ملک میں آئے تھے"

یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ میں ہے کہ "عمر" نے اس ملک پر غلبہ پا لیا" پھر انہوں نے "متوکل" (عباسی خلیفہ بغداد جس کا زمانہ خلافت ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ ہجری تا ۴ شوال ۲۴۷ ہجری ہے") کو لکھا کہ میں بہت اچھا انتظام کر رہا ہوں" سندھ کی ولایت مجھے دی جائے" متوکل" نے اسے منظور کر لیا۔ اور وہ "متوکل" کے پورے زمانے میں "سندھ" کے حاکم رہے"۔ متوکل کے قتل ہونے کے چند برسوں کے بعد" پھر اسی سلطنت منصورہ نے عباسی حکومت سے جو تھوڑا بہت تعلق تھا اسے بھی توڑ دیا اور بالکل خود مختار ہو گئی" دیکھو آئینہ حقیقت نما جلد اوّل صفحہ ۲۱۱)

حضرت ہبّار رضؓ کے دادا "مطلب" اور "حضرت زبیر رضؓ کے دادا "خویلد" دونوں سگے بھائی تھے" اور اس طرح "حضرت ہبّارؓ" حضرت زبیر رضؓ کے چچا زاد بھائی تھے"

مذکورۂ بالا "حکم بن عوانہ" گورنر نے اپنے زمانے میں "عمر بن محمدؒ قاسم" فاتح سندھ کے بیٹے کو "سپہ سالار بنایا تو انہوں نے محفوظہ کے بالمقابل "شہر منصورہ" آباد کیا تھا" جو بعد میں سندھ کا دارالسلطنت ہوگیا تھا" (آئینۂ حقیقت نما جلد اوّل ص۲۲۸)

.... قاہل" سندان" صیمور" اور "کنبایہ" میں بہت سی مسجدیں اور جامع مسجدیں موجود ہیں" ان علاقوں میں مسلمانوں کے احکام غالب ہیں" یہ بہت سرسبز اور شاداب علاقے ہیں" اور بہت کشادہ بھی ہیں" اِن علاقوں میں "ناریل" پائے جاتے ہیں" لوگ اِس سے "سرکہ" اور "شراب" بناتے ہیں جس سے اُن کو نشہ ہوتا ہے" اور گیہوں کے بچوڑ کو "اہل شہر "نبیذ" ملا کر پیتے ہیں" مگر بخدا نہ میں نے اِسے دیکھا اور نہ مجھے اِس کا علم ہے" اور نہ مجھے اس کی کیفیت معلوم ہے" وہ اکثر چاول کی ہی زراعت کرتے ہیں" اور وہاں "شہد" بہت پایا جاتا ہے" اور "کھجور" کا درخت بھی اِس علاقہ میں ہے" ....

"بانیہ" اور "قاہل" کے درمیان بیابان ہے" اور "قاہل" سے "کنبایہ" تک بھی میدان ہے۔ اِس کے بعد "کنبایہ" سے لے کر "صیمور" تک متصل گاؤں ہیں" اور اہلِ ہند کی "وسیع آبادی ہے" وہاں مسلمان اور کفّار کا ایک ہی لباس ہے" اور دونوں "بال" لمبے چھوڑتے ہیں" یہاں کے لوگ اِزار باندھتے ہیں" بوجہ سخت گرمی کے" ایسے ہی "ملتان" کے باشندے بھی اِزار باندھتے ہیں" کیونکہ یہاں بھی سخت گرمی پڑتی ہے"

"منصورہ" ملتان" اور اُس کے اطراف کے لوگ "عربی" اور "سندھی" زبان بولتے ہیں" اکثر لوگ "کرتے" استعمال کرتے ہیں" مگر سوداگر لوگ "قمیص" اور "چادر" پہنتے ہیں" اہلِ عراق و فارس کی طرح" ....

.... "قاہل" سے "کنبایہ" تک چار منزل ہے" اور "کنبایہ" دریا سے ایک فرسخ ہے" .... "بانیہ" منصورہ" اور "قاہل" کے درمیان واقع ہے" اور "منصورہ" سے ایک منزل کے فاصلہ پر" اور "قاہل" "منصورہ" سے دو منزل پر ہے" ....

نوٹ:- الاصطخری جو ابن حوقل سے چند برس پہلے سندھ تشریف لائے تھے۔ اُن کا بیان بھی یہ ہی ہے جو ابن حوقل کا ہے"
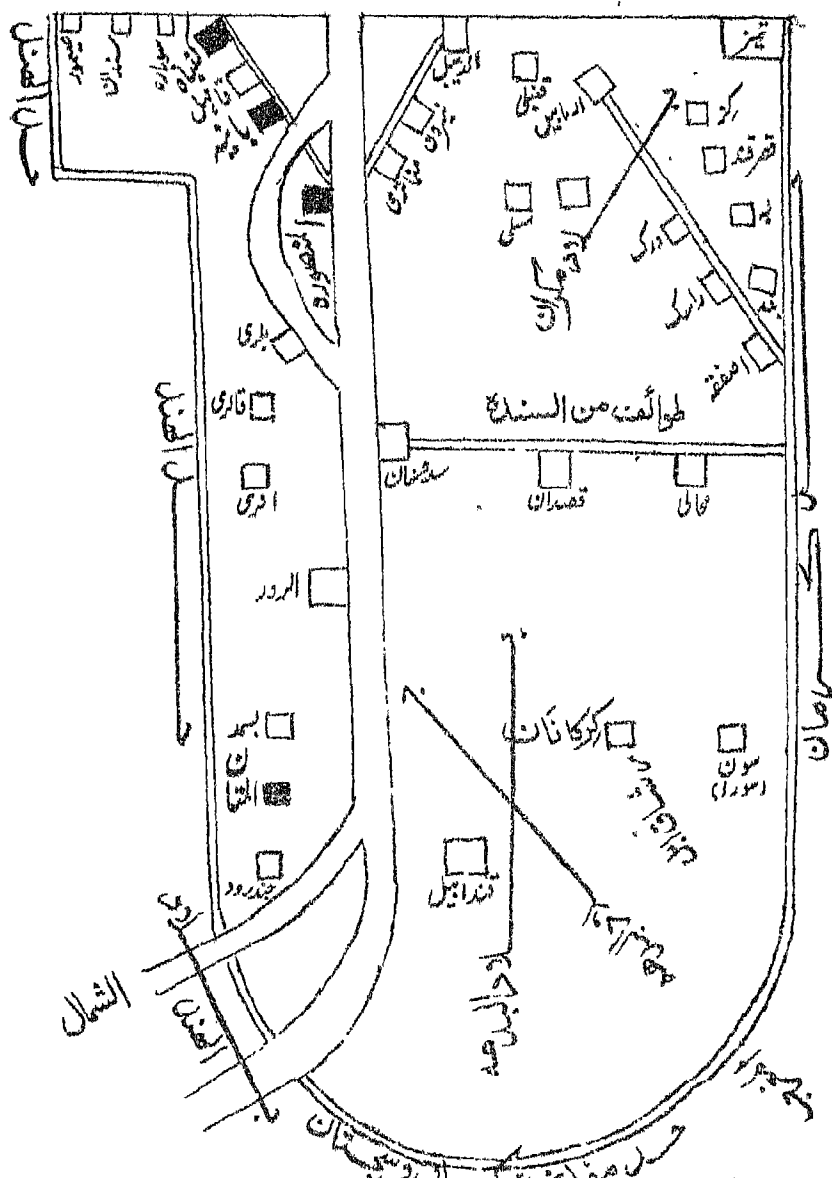
علامہ مسعودی کا بیان

شہر کنبایہ | علامہ مسعودی نے جنہوں نے سنہ ۳۰۳ ہجری میں "سندھ" وغیرہ ممالک کی سیاحت کی ہے" اپنی کتاب مروج الذہب معدن الجواہر کی جلد اول میں جو عربی اور اُس کے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ "پیرس" کی مطبوعہ ہے" اور کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے" اِس کے الباب السادس العشر میں صفحہ ۲۳۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ "سب سے پہلا سمندر جو "بصرہ" سے ملحق ہے" الاُبلہ" اور "بحرین" ہے۔ اُس کے بعد "بحر لاروی" اور اُس پر "بلاد صیمور" اور "سوپارہ" اور "تابتہ" اور "سندان" اور "کنبایہ" وغیرہ وغیرہ "ہند و سندھ میں سے ہیں"۔.........

اور صفحہ ۳۲۹ و ۳۵ پر ہے کہ "اور میں نے دیکھے بہت سے لوگ جو "بلاد صغد" کو نوشادر کے پہاڑ پر گئے" تبت تک۔ اور چین میں" اور بلاد خراسان و ہند تک "جو ملا ہوا ہے" بلاد خراسان" اور "سندھ" سے" جس کے بعد "منصورہ" ہے" اور "ملتان" ہے" اور یہ ملے ہوئے چلے گئے ہیں۔ سندھ سے "خراسان" تک۔ اور اسی طرح ہندوستان تک" یہاں تک کہ مل گئے ہیں۔ یہ ممالک "ابلتان" یعنی بلاد زابلستان تک"

اور یہ بلاد وسیع ہیں اور جانے جاتے ہیں "سلطنت فیروز ابن کبک سے" اور اُن میں عجیب عجیب ناقابلِ تسخیر قلعہ ہیں" بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں" اور بہت سی قومیں ہیں" لوگوں نے اُن کے حسب و نسب میں بڑا اختلاف کیا ہے" پس بعض اُن میں سے وہ ہیں جو اُن کو ملاتے ہیں۔ ساتھ لڑکے "یافث بن نوح ؑ کے" (یعنی منگولین ہیں") اور بعض وہ ہیں جنہوں نے اُن کو ملایا ہے" ساتھ "فرس اوّل کے" ایک شجرہ نامہ طویل سے"........

...... اور صفحہ ۳۷۲ پر تحریر ہے کہ "قندھار کا بادشاہ "ملوک سندھ" میں سے ہے۔ اور اس کے پہاڑ "ہنج" کہلاتے ہیں" یہ نام جو ہے زیادہ مشہور ہے" اور صفحہ ۳۷۳ پر ہے کہ "کشمیر" یہ ایک ملک ہے" سندھ کے ملکوں میں ایک" اور اُس کے پہاڑ ایک بڑی سلطنت ہیں جس میں بہت سے شہر واقع ہیں"...........

...... اور صفحہ ۳۸۲ پر تحریر ہے کہ "منجملہ اور باتوں کے یہ ہے کہ "سندھ" اور "ہند" کے بادشاہوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کو دہرکا اور ڈرا سکے اپنے ملک میں" جیسا کہ "بلہری" ہے" پس اسلام اُس کے ملک میں بھی سربلند اور محفوظ ہے" مسلمانوں کی مسجدیں اور جامع مسجد وہاں ہیں۔ اور پانچوں وقت نمازیوں سے معمور رہتی ہیں"........

چچ نامہ کا بیان

شہر کنباہ "علاقہ کنباہ" اور دریائے کنباہ" کی موجودگی کے سندھ میں شواہد | فتح نامہ سندھ" المعروف بہ "چچ نامہ" تالیف علی بن حامد ابو بکر الکوفی در سنہ ۶۱۳ ہجری بہ سعی و اہتمام مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد دکن طبع در مطبع لطیفی دہلی شہر سنہ ۱۳۵۸ ہجری م ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۱۲ تا ۱۶ پر "راجہ سی ہرس بن ساہسی" کے حالات میں لکھا ہے کہ"

"شہر اروڑ کہ دارالملک "ہند و سندھ" است شہرے بود معظم" آراستہ بانواع قصور و راغ و ریاحین و باغ و حیاض و انہار و ریاض و ازہار" بر "آب سیحون" کہ آنرا "مہران" گویند۔ و ایں شہر بانزہت را" رائے بود" نام وے "سی ہرس بن ساہسی" رائے بود" باخزاین وافر۔ و دفائن متوافر" عدلِ او در عالم منتشر" و سخاوت

"شہر اروڑ" جو دارالملک "ہند اور سندھ" کا ہے" بہت بڑا شہر تھا" طرح طرح کے محلوں اور مرغزاروں اور پھولوں اور باغوں اور حوضوں اور نہروں اور سبزے سے آراستہ اور دریائے "سیحون" پر جسے "مہران" کہتے ہیں۔ آباد تھا" اِس شہر کا ایک با رونق راجہ تھا۔ اُس کا نام "سی ہرس بن ساہسی" رائے تھا" اُس کے پاس خزانے بیشمار تھے اُس کے

کرد وصد قہادادؔ و عزم بالا کردؔ و رایانِ "برہمپور" و "کرور" و "اشہار" شرطِ خدمت را قیام نمودند، و از آنجا تا حدِ "کنبہ" و "کشمیر" رسیدند"

اور آگے کا ارادہ کیا "برہمپور" اور "کرور" اور "اشہار" کے راجے شرطِ خدمت بجا لائے اور وہ وہاں سے "کنبہ" اور "کشمیر" کی حد تک پہنچا"

"ہیچ شاہے با وے مقابل نہ شد۔ کہ او را منع و زجر کردی" ملک تعالےٰ چوں کسے را بزرگ گرداند، ہمہ ہیچ ہا بروے آسان کند، و جملہ مرادہا۔ در کنار او دہد۔ بہر موضع کہ میرسید مسلّم میشد، تا بحصار "شاکلہا" رسید، و آں موضع بالاترِ "کنبہ" و "گزینہ" و سرحد "کشمیر" است"

کوئی بادشاہ اُس کے مقابلہ میں نہیں آیا۔ کہ اُس کی روک ٹوک کرتا۔ خدائے تعالےٰ جب کسی کو بڑا بناتا ہے تو ساری مشکلیں اُس پر آسان کردیتا ہے" اور ساری مرادیں اُس کی پوری کردیتا ہے" جس جگہ گیا وہ قبضہ میں آگئی۔ وہ "کنبہ" سے آگے قلعہ "شاکلہا" تک پہنچا جو سرِ "کشمیر" ہے"

ہم بدانجا مقام کرد و مدت یک ماہ توقف کرد، ملوک آں نواحی بعضے را قہر کرد۔ و برخے تحت فرمان و بیعت خود آورد" و با امراء و ملوک آں نواحے عہدِ وثیق بست" و مملکت استقامت پذیرفت"

وہ وہاں مقام کرکے ایک مہینہ ٹھیرا" اُس نواح کے بعضے سرداروں پر اُسے سختی کرنی پڑی اور ماسوائے اُن کے دوسروں نے خود اُسکی اطاعت کرلی" اور اُس نواح کے امیروں اور سرداروں سے اُس نے عہدِ وثیق باندھے اور اُس کی سلطنت مستحکم ہوگئی"

تاریخ سندھ جلد اوّل مؤلفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے صفحہ ۵۹ پر اور چچ نامہ میں ہے کہ "جس سال رسول مقبول صلعم مکہ معظمہ سے ہجرت فرماکر "مدینہ منورہ" تشریف لائے اور سنہ ہجری شروع ہوا" "چچ" نے تخت پر بیٹھ کر "راجہ ساہسی" کی رانی "سوہن دی" کو اپنے عقد میں لے لیا" پھر فوج کو راجہ کا خزانہ کھول کر۔ انعام و اکرام دیکر" اپنا گرویدہ بنالیا"

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ" حضرت عثمان غنی رضؓ" حضرت علی رضؓ" حضرت امیر معاویہ رضؓ" اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" کی خلافتوں کے زمانوں میں بھی "سندھ" پر۔ (جس کے حدود میں اُس وقت "مشرقی افغانستان و سارا بلوچستان و مکران و پنجاب اور کچھ حصہ راجپوتانہ کا شامل تھا") حملے ہوئے تھے"

"ولید بن عبد الملک اموی" کی سلطنت کے زمانہ میں "محمد بن قاسم" کی سپہ سالاری میں ۹۳ھ ہجری میں جو حملہ "سندھ" پر ہوا" اُس میں تمام "سندھ" فتح کرکے "عربوں" نے اپنے زیرِ نگیں کرلیا" اور وہاں مستقل طور سے اُن کی حکومت قایم ہوگئی" یہ حملہ جس وقت ہوا ہے اس وقت "سندھ" پر "راجہ چچ" کا بیٹا "راجہ داہر" حکمران تھا" جو اس لڑائی میں قتل ہوگیا تھا"

"محمد بن قاسم" کے فتح سندھ کے حالات میں "چچ نامہ" کے صفحہ ۱۱۱ تا ۱۲۱ پر تحریر ہے کہ......"

......لشکر اسلام بداں پیغام معلوم کردہ عبرہ شدند" و "محمد قاسم" شب و روز جنگ متواتر فرمود" مدت نزدیک یک ہفتہ حصاریاں دست از جنگ بکشیدند" چوں "بجہرا" دانست کہ حصار تنگ آمد" از دروازہ شمالی" بوقت آنکہ عالم در حجاب قیرگون نہاں شد" از آب عبرہ کرد" متواری شد" و بگریخت" تا بحدِّ "بودہیہ" رسید" و آں وقت "ملک بودہیہ" "کاکا بن کوتک" بود" "بہ سمنی بہکو" و حصار او "سیسم" بر لبِ آب "کنبہ" "و اہل بودہیہ" و مقدمات آں نواحی" باستقبال آمدند" و پیش حصار۔ او را فرود

......لشکرِ اسلام اُس پیغام کو معلوم کرکے آتش بجاں ہوگیا" اور "محمد قاسم" نے رات دن جنگ کی" قریباً ایک ہفتہ میں قلعہ والوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا" جب "بجہرا" نے جان لیا کہ قلعہ تنگ ہوگیا ہے" تو اس نے شمالی دروازے سے جو اندھیری رات میں پوشیدہ ہوگیا تھا چھپا ہوا تھا۔ دریا کو پار کیا اور چھپکر بھاگ گیا" یہاں تک کہ "بودہیہ" کی حد میں پہنچ گیا" اُس وقت "بودہیہ" کا سردار "کاکا بن کوتک" تھا" "سمنی بہکو" اور اُس کا قلعہ "سیسم" دریائے "کنبہ" کے کنارہ پر تھا" اہلِ "بودہیہ" اور اُس پاس کے چودھری اُس کے استقبال کو آئے

نوٹ :۔ "شاکلہا" "کنبہ" کا مشہور قلعہ" سرحد پر واقع تھا"

آوردند

پس محمد قاسم چون بجہرا برفت و سمنیان در رابقۂ اطاعت آوردند و در حصار سیوستان در آمدہ ایمن شد و عمال و نواب خود را بر مہمات ولایت نصب کرد و نواحی و اہتمام و عہدہ ادا کرد پس ہر جا کہ زر و نقرہ بود اختیار کرد و سیم و پیرایہ و نقود ہمہ بستد الا از سمنیان کہ باوے عہد وثیق کردہ بودند پس آنچہ حق لشکر اسلام بود بداد و خمس بیرون آورد و بخزانہ دار حجاج و پسرائے ولید بن عبد الملک و چچا محمد بن قاسم) تسلیم کرد و آن فتحنامہ بہ حجاج بنشست و راوتان را نامزد فرمود و غنیمت ببردہ فرستاد و خود آنجا مقام کرد بعد از دو سہ روز کہ از مہم خمس و حصۂ حشم بپرداخت روے بحصار سیسم آورد و جماعت بودہیہ و ملک سیوستان نصب فرمود با باقی حشم بمنزلے کہ آنرا بدھان گویند نزول کرد بر کنار کنبہ و سکان حوالی آن موضع جملہ کفار بودند چون لشکر اسلام را دیدند جملہ متفق شدند کہ شبخون آرند تا ایشان متفرق گردانند

اور قلعہ میں لاکر اُسے ٹھیرایا۔

جب بجہرا چلا گیا اور سمنی لوگوں کو مطیع کر لیا تو محمد قاسم نے سیوستان میں آکر اطمینان سے قیام کیا اور اپنے سرداروں اور امیروں کو ولایت کی مہمات پر مقرر کیا اور اُن کے علاقوں اور عہدوں کا انتظام کیا اور جس جگہ سونا چاندی تھا اور نقود و جواہر اور زیبائشی چیزوں کو قبضہ میں کر لیا لیکن سمنیوں سے کہ انہوں نے عہد وثیق کر لیا تھا جو حق لشکر اسلام کا تھا دیا اور پانچواں حصہ اُس میں سے نکال کر حجاج (وپسرائے ولید بن عبد الملک اور چچا محمد بن قاسم) کے خزانہ دار کو دیا۔ اور فتحنامہ اس کا حجاج کو لکھا اور راوتوں کو نامزد فرمایا اور غنیمت لے کر بھیجی اور خود وہاں مقام کیا دو تین دن کے بعد جب مہم خمس اور حصۂ حشم کا انتظام کر چکے تو قلعہ سیسم کی طرف تشریف لائے اور ایک جماعت کو بودہیہ اور ملک سیوستان پر مقرر فرمایا اور باقی حشم کے ساتھ دریائے کنبہ کے کنارے اُس منزل پر جسے بدھان کہتے ہیں آکر قیام کیا۔ اُس جگہ کے حوالی کے رہنے والے سب کفار تھے جب انہوں نے لشکر اسلام کو دیکھا تو سب متفق ہو کر شبخون لائے۔ لیکن اُن کو متفرق کر دیا گیا۔

اِس کے آگے چچ نامہ کے صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۲ پر تحریر ہے کہ شان کے سردار کاکہ کوتک[1] نے اگلے دن اپنے فرمانبرداروں اور دوستوں کے ساتھ محمد بن قاسم کے پاس جاکر اطاعت قبول کر لی اور ہر طرح کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ محمد بن قاسم نے خوش ہو کر کاکا کو خلعت پہنا کر اُس کے سر پر پگڑی باندھی۔ اور اُسے ہی وہاں کے نظم و نسق پر مامور کر دیا۔

یہاں سے محمد بن قاسم کوچ کر کے شہر سیسم پر جہاں بجہرا[2] پناہ گزین تھا حملہ آور ہوئے۔ دو دن کی لڑائی کے بعد بجہرا اور اُس کے بہت سردار مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔ بعض نے قلعہ بہطلور میں جو بدھ سالوج اور قندابیل کے درمیان تھا جاکر وہاں سے امان نامہ کی درخواست کی اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے اپنی طرف سے کفیل بھیج دیئے۔ اور چچ نامہ کے صفحہ ۱۲۴ تا ۱۳۰ پر یہ ہے کہ بعد فتح سیسم محمد بن قاسم نے وہاں حمید بن ذواع النجدی اور عبد القیس آل جارود کو حاکم کیا۔ سیسم ہی میں محمد بن قاسم کو حجاج کا خط ملا جس میں انہیں نیرون واپس جانے اور وہاں سے راجہ داہر پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا تھا۔ اِس لئے وہ نیرون واپس آگئے۔

نوٹ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔ اُن دنوں جس شخص کا نام کاکا پسر کوتک کے ہاتھ میں تھا۔ وہ سمائی یعنی بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ بدھیہ کی حکومت کا مستقر شہر سیسم تھا جو دریائے کنبہ کے کنارے واقع تھا۔

نوٹ نمبر ۲ بجہرا یعنی نج رائے چندر کا بیٹا اور راجہ داہر کا بھتیجا تھا۔ اور قلعہ و شہر سیوستان کی حکومت اُس کے سپرد تھی۔ جب وہ کاکا کے پاس بھاگ گیا۔ تو سیوستان نے اطاعت قبول کر لی۔ سیوستان سے محمد بن قاسم قلعہ سیسم کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں بندھان ایک مقام تھا جو دریائے کنبہ کے کنارے واقع تھا۔ وہاں کے لوگ بدھ مذہب کے پیرو اور قوم کے جاٹ تھے۔ اُن کے سردار کاکا نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے محمد بن قاسم کی اطاعت اختیار کر لی۔)

ترجمہ فتوح البلدان بلاذری سے صفحہ ۵۸۱ تا ۵۸۸ پر ہے کہ "محمد بن قاسم" نے "مکران" سے روانہ ہو کر "شہر قنزپور" پر حملہ کیا۔ اور پھر "ارمابیل" "قنبل و دیبل" (ٹھٹھہ و کراچی) کو فتح کیا۔ ان شہروں کے بعد "نیرون" کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کر لی۔ پھر وہ دریائے سندھ کی ایک شاخ سے اتر کر اور "سربیدس" والوں پر خراج مقرر کر کے "سہبان" گئے اور آگے بڑھ کر سیوستان کا محاصرہ کر لیا

شہنشاہ بابر کا بیان

شہنشاہ بابر نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "موسوم بہ تزک بابری" میں سنہ ۹۰۰ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ
"سنہ ۹۰۰ ہجری میں حسن یعقوب باغی ہوا لیکن میرے ایک سپاہی کے تیر سے مارا گیا۔ اسی سال میں نے مشتبہ کھانے سے پرہیز کیا یہاں تک کہ چھری، چمچ اور دسترخوان کی بھی احتیاط ہو گئی۔ نماز تہجد بھی کم قضا ہوتی تھی۔ ماہ ربیع الثانی میں "سلطان محمود میرزا" تینتالیس برس کی عمر میں مر گیا۔ سلطان محمود کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے "بایسنقر میرزا" کو امراء نے "سمرقند" کے تخت پر اٹھارہ برس کی عمر میں بٹھایا۔ اسی زمانے میں سلطان جنید برلاس اور بعض اکابر "سمرقند" کی تحریک سے "محمود خاں" نے فوج کشی کی اور "کنبائی" کے نواح میں آ گیا۔ "بایسنقر میرزا" نے اپنی فوج لے کر "کنبائی" کے مقام پر مقابلہ کیا اور فتح پائی۔"

"........ اور سنہ ۹۰۱ ہجری کے واقعات میں رقم فرمایا ہے کہ "بایسنقر میرزا" کے بھائی "علی میرزا" نے "بایسنقر میرزا" کو شکست دی اور "سمرقند" کی طرف چلا۔ یہ خبر عید کے چاند کے بعد پہنچی۔ میں بھی "سمرقند" کے لئے مع لشکر اسی ماہ میں روانہ ہوا۔ سلطان مسعود میرزا بھی "سمرقند" لینے کے خیال سے "شہر سبز" پر آ گیا۔ اہل سمرقند کیل کانٹے سے درست تھے۔ اس لئے میں "اندجان" پلٹ آیا۔ "شیرز" اور "کنبائی" کے نواح سے "مہدی سلطان" بھاگ کر "سمرقند" چلا گیا۔ اور "حمزہ سلطان" مقام "رامین" سے اجازت لیکر "سمرقند" پہنچا۔ "مہدی سلطان" نے "عبد الکریم" کو شکست دی۔ ان سلاطین نے جب دیکھا کہ میرزاؤں کی سرکار بہت ڈگمگا رہی ہے تو وہ سب "شیبانی خاں" کے پاس چلے گئے۔"

شہنشاہ جہانگیر کا بیان

دریائے کونہر یا کامہ معاون دریائے کابل

اقبال نامہ جہانگیری یعنی تاریخ ہندوستان حصہ ششم تالیف شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب کے صفحہ ۵۳ و ۵۵ پر تحریر ہے کہ "امیر الامراء" ایسا ضعیف اور بیمار تھا کہ میں نے ("شہنشاہ جہانگیر نے") "اٹک" میں اسے چھوڑا۔ اور بخشیوں کو حکم دیا کہ "کابل" کی ولایت لشکر عظیم کی برداشت نہیں کر سکتی۔ سوائے نزدیکوں اور مقربوں کے کوئی دریا سے عبور نہ کرے۔ وہ میری معاودت تک "اٹک" میں رہیں۔ اور چہار شنبہ نوزدہم کو "شاہزادوں" اور چند خاصوں کو ساتھ لیکر جالسر پر سوار ہو کر آب "نیلاب" سے سلامت گذرا۔ ("نیلاب" ایک قصبہ تھا جس کے سبب سے اس دریا کا نام بدل گیا۔ نیلاب "اٹک" مشہور ہوا۔) شمال شرقی سے نیچے کی طرف اس کو "اباسین" کہتے ہیں۔ دریا کالا باغ سے "اٹک" تک اس کو "اٹک" کہتے ہیں۔ اور اس کے ہمسایہ کے "ہندو" "سندھو" کہتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے دھرم شاستر میں یہی نام پڑھا ہے۔"

اور "دریائے کامہ" کے گرد فروکش ہوا۔ یہ دریا "جلال آباد" کے نیچے بہتا ہے۔ (دریائے کامہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جلال آباد کے محاذی۔ ایک قلعہ کا نام ہے۔ وہاں "دریائے کابل" سے "دریائے کونہر" ملتا ہے) کونہر ہی کو "کامہ" کہتے ہیں۔"

نوٹ: شہنشاہ بابر نے اپنی تخت نشینی کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "میری بارہ برس کی عمر تھی۔ دوشنبہ پانچویں رمضان سنہ ۸۹۹ ہجری تھی جو "ملک فرغانہ" میں بادشاہ ہوا۔"

جس کے نیچے کے حصہ کو "جہانگیر" نے "کامہ" لکھا ہے "اس کو اب "لنڈی مان" کہتے ہیں "پنجکورہ" کے ملک سے "لنڈی" نکلتی ہے" اور تقریباً جنوب میں بہہ کر "پشاور" کے سامنے "دریائے کابل" میں ملتی ہے۔ "جلال آباد" سے "پشاور" تک اس کو "کامہ" کہتے ہیں"

...... یہاں سے ایک منزل درمیان "سرائے بارہ" میں ہوئی "سرائے بارہ" کے مقابل میں "اب کامہ" کے اس طرف ایک قلعہ "زین خان کوکہ" نے اس وقت بنایا تھا کہ وہ "یوسف زئی" "افغانوں" کے استیصال کے لئے گیا تھا۔ اور اس کو "نوشہرہ" سے موسوم کیا تھا۔ اور اس میں پچاس ہزار کے قریب خرچ ہوا تھا" کہتے ہیں کہ "حضرت ہمایوں" نے اس سرزمین میں "گورخر" کا شکار کھیلا تھا"...

روزنامہ انقلاب لاہور کا بیان

دریائے کنہہ | واقع صوبہ مشرقی افغانستان "روزنامہ انقلاب لاہور" ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء کے ص۳ کالم ۳ میں "افغانستان" کے بعض دریاؤں میں سیلاب" متعدد مویشی ہلاک ہوئے" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "کابل" (ڈاک سے) بارش کی شدت کی وجہ سے "دریائے کنہہ" صوبہ مشرقی میں "زبردست سیلاب آیا" جس کی وجہ سے ایک آدمی ہلاک" اور اٹھارہ مویشی ہلاک ہو گئے" ایک چکی اور پچاس گھر بھی ویران ہو گئے۔ ان کا سارا مال واسباب دریا برد ہو گیا" اسی طرح دریا کے کنارے بہت سی فصلیں تباہ ہو گئی ہیں" "دروک" وغیرہ سے بھی بارش کی شدت کی اطلاع ملی ہے" معلوم ہوا ہے کہ "سیلاب کے پانی نے دروں سے نکل کر عجیب صورت اختیار کر لی تھی جس کی وجہ سے متعدد مویشی ہلاک ہو گئے ہیں"

کمبو اور اس کے مماثل ناموں کے اور بہت شہر دنیا کے مختلف حصوں میں

کتاب ہینڈ بک برائے سفر فرانس کے ص۵۶۵ پر حسب ذیل شہروں کے بھی نام دیئے ہیں"
(۱) کمبو" (۲) کمپا کرٹس" (۳) کمبرائی" (۴) کمباٹ ڈیس ٹرینیٹ" (۵) کمپئے ڈی میلوال"

کتاب تفصیلی کامیدانِ جنگ (ملک یونان) میں "جہاں جہاں ترکی اور یونانی فوجیں مقیم تھیں ان میں "کمبورکی نا" نامی قصبہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ایک فرانسیسی اٹلس میں یہ شہر ہیں" (۱) کمبلٹین" اسکاٹ لینڈ میں" (۲) کمبے رلیس" اسپین میں" (۳) کمبو" اسپین میں" (۴) کامبتل" اسپین میں" (۵) کیمپولنگ" گلیشیا میں" (۶) کمبولی" البانیا میں" (۷) کمبوج" شہر و ضلع در اس در سلطنت انام" (۸) کمبوہی" برازیل جنوبی امریکہ" (۹) کمبلین" در بلجیم" (۱۰) کمبو" سرحد پیرنیز جانب فرانس" (۱۱) کمبو فورمو" بر لب دریائے ڈینیوب"

ہندوستان کے اسکولوں میں رائج میکلین اور دوسری اٹلسوں میں بھی مندرجہ ذیل شہر دیکھے جا سکتے ہیں"
(۱) شہر کمبوآت" چینی صوبہ تانکنگ مقبوضہ فرانس میں" (۲) کمپیا" ہند چینی مقبوضہ فرانس میں" (۳) کمبے" شہر و خلیج در کاٹھیاواڑ گجرات"
(۴) کمبارلی گھاٹ" قصبہ درمیان ستارہ و رتن گیری کے در صوبہ بمبئی"
(۵) کمبتم" ریلوے اسٹیشن ہے در ضلع کرنول صوبہ مدراس" (۶) کمبا کونم" در ضلع تانجور صوبہ مدراس" (۷) کمبو یا جندار" در صوبہ مدراس"
(۸) کوامباپا" در جزیرہ سیلون یا لنکا" (۹) کمبوڈیا یا کمبوجا" ہند چینی مقبوضہ فرانس" (۱۰) لے کمبو" در سیلون یا لنکا"

نیو پکٹوریل اٹلس آف دی ورلڈ ان اردو کے ص۲۲ پر ہمیں ملک تبت میں دو شہر یہ اور ملے ہیں"
(۱) کمبو لاد وار" (۲) کمپا نڈونگ" (کمبو جانز")

دیگر شہر جو ہمیں مختلف کتابوں اور اخباروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ وہ یہ ہیں"
(۱) کمبالوک" ملک خطا کا پایۂ تخت" (سفرنامہ مارکو پولو مؤلفہ ۱۲۹۸ء"
(۲) کوہمبھی" سرکار لکھنؤ" (آئین اکبری جلد دوم حصہ اوّل ص۵۵۴)

(۳) "کھمبالیا" راجکوٹ سے دوارکا جانے والی ریل پر جام نگر سے آگے اسٹیشن ہے" (در نقشہ ریلوے ہندوستان مرتبہ زیر نگرانی کرنل کمانڈنٹ ای اے ٹنڈے انجینیر سرویر جنرل ہندوستان")

(۴) "شہر کھمباٹا" در ملک حبش افریقہ" (روزنامہ رہبر دکن ۶ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ و ۳")

(۵) "کمپالا" در یوگنڈا علاقہ افریقہ" (انقلاب لاہور ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۳")

(۶) "کنپالو" در برہما" (رہبر دکن یکم مئی ۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۲ و ۳)

(۷) "شہر کنبالو" در افریقہ" اس شہر کا ذکر علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۵ھ ہجری نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے" (علیگڑھ میگزین ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۷۵ و ۷۶)

(۸) "کمبار" بر سرحد سندھ و بلوچستان" لاڑکانہ و شہداد پور کے درمیان" (نقشہ ریلوے ہندوستان مرتبہ سید معصوم علی سبزواری")

(۹) "موضع کمبائے" در صوبہ خاندیش"

(۱۰) "قصبہ کمبھائے پال" در ریاست نظام دکن اورنگ آباد سے جالنہ جانے والی سڑک پر ہے" (ایڈورٹائزمینٹس ان روڈ ٹرانسپورٹ اسٹیٹ ریلوے روڈ سروس صفحہ ۲۱")

(۱۱) "قصبہ کمباوی" در ضلع گلبرگہ ریاست نظام دکن" (دیکھو نقشہ ریاست نظام")

(۱۲) "شہر کمبونا" در اسپینش مراکو شمالی افریقہ" (روزنامہ تیج دہلی ۹ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ کالم ۱ و ۲")

کمبو" اور اس کے مماثل ناموں کی "گھاس" "لکڑیاں" "اناج" "پرند" "خطاب" "علاقے" "پہاڑیاں" "خلیجیں" "دریا" "جزایر" "گھاٹیاں" "قلعے" "میدان"

"بحری گھاس" (۱) "کومبو" ایک قسم کی بحری گھاس کا نام ہے جس کا پتہ لمبا اور چوڑا ہوتا ہے" جسے جاپانی دلہن کو تحفہ میں دیتے اور اس سے اولاد ہونے کی مراد لیتے ہیں"

"گھاس" (۲) "کمبھی" ایک قسم کی گھاس کا نام ہے" (کتاب ایلیمنٹری جنرل سائنس پارٹ دو برائے کلاس چہارم اینگلو ورنیکلر اسکول صفحہ ۲۵)

"درخت" (۳) "کمبہ" ایک درخت کا نام ہے جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں بکثرت ہوتا ہے" (کتاب باغبانی یعنی فرمینگرس مینول آف گارڈننگ کا ترجمہ حصہ دوم صفحہ ۵۳")

"اناج" (۴) "کمبو" ٹامل یا اُردی زبان میں جو صوبہ مدراس کے ایک حصہ میں بولی جاتی ہے "باجرے" کو کہتے ہیں" (رہنمائے مسافران ہند حصہ اول صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶ پولی چیسر لا اور سلا کا چہرو قصبا کی پیداوار کے حالات میں") (روزنامہ نظام گزٹ حیدرآباد ۱۵ جولائی ۱۹۴۲ء)

"سینگ لکڑی" (۵) "کومبو" کنڑی زبان میں "سینگ" کو کہتے ہیں" اور اُردی یا ٹامل زبان میں "سینگ" کو بھی کہتے ہیں اور لکڑی یا چھڑی کو بھی کہتے ہیں"

"چھڑی" (۶) "کوبل" کو "کبو" اردی یا ٹامل زبان میں "ہاتھ کی چھڑی" کو کہتے ہیں"

"پرندہ" (۷) "کمبھا" ایک حلال پرند کا نام ہے" اس کا ذکر ملک محمد جائسی نامور ہندی شاعر نے اپنی ایک نظم میں کیا ہے جبکہ علاؤالدین خلجی کی دعوت راجہ رتن سین والئی چتوڑ نے کی تھی" اس موقع پر میزبان نے اپنے میر مطبخ کو جن جن جانوروں کے فراہم کرنے اور پکانے کا حکم دیا ہے شاعر نے ان کی تفصیل بتائی ہے" کمبھا پرند کا ذکر اس شعر میں کیا ہے۔

رہے پریوا" پانڈک سیرتی "کمبھا" "کدرو" اور تیر بگیری

ترجمہ:- شکار کئے کبوتر" فاختہ ڈھونڈ "کمبھا" "کدرو" اور بگیری کو بھی لا

(اخبار سرگذشت علیگڑھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۵)

"خطاب" (۸) "کامبو اور جنگا مبو" یہ تبت میں خطابات کے نام ہیں" (کتاب چنگیز خاں ... [illegible]

"دریا" (۹) "دریائے کونبہ یا کنبھر" معاون دریائے کابل" (اقبال نامہ جہانگیری صلاٰ یعنی تاریخ ہندوستان حصہ ۸ مؤلفہ شمس العلماء "مولوی ذکاء اللہ" صاحب - روزنامہ انقلاب لاہور ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء صلاٰ کالم ۳")

"دریا" (۱۰) "دریائے کمبوگا" در جزیرہ نیوگنی" (دیکھو نقشہ نظام گزٹ حیدرآباد دکن - ۱۶ دسمبر ۱۹۴۳ء")

"دریا" (۱۱) "دریائے کیابھی" برازیل جنوبی امریکہ" (در فرانسیسی اٹلس")

"دریا" (۱۲) "دریائے کمبوکان" (در جزیرہ سیلون یا لنکا")

"علاقہ" (۱۳) "علاقہ کمبانیہ" در سلطنت اسپین یا اندلس" قرطبہ سے شرقی و جنوبی سمت میں واقع ہے" (ترجمہ کتاب الاحاطہ فی اخبار غرناطہ حصہ اوّل)

"پہاڑیاں" (۱۴) "کمبائی یا کومبائی کی پہاڑیاں" در صوبہ سرحد ہند" (روزنامہ انقلاب لاہور یکم و ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء صلاٰ کالم ۲ و ۳)

"خلیج" (۱۵) "کھمبایت یا کمبایت یا کمبے" گجرات کاٹھیاواڑ کی مشہور خلیج ہے" دیکھو نقشہ جات ہند درسی")

"پہاڑ" (۱۶) "کوہ کامبا" در ہند" (روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن - ۱۳ جون ۱۹۳۷ء صلاٰ کالم چار")

"پہاڑ" (۱۷) "کوہ کمبالا" در شہر بمبئی" (رہنمائے مسافران ہند حصہ اوّل صلاٰ و رفیق مسافران صلاٰ ۳۷")

"پہاڑ" (۱۸) "کوہ کھیانگ" (در ملک سیام")

"پہاڑ" (۱۹) "کوہ کمناکو" (در جزیرہ بورینو") اور "کنباچین" چوٹی ہمالیہ پہاڑ (۲۵ ہزار ۸۲ فٹ بلند) کنچن جنگا چوٹی سے تبت کی سمت

"جزیرہ" (۲۰) "جزیرہ کیمبوجی" در مشرق اقصیٰ" (روزنامہ رہبر دکن - ۱۹ دسمبر ۱۹۳۷ء صلاٰ کالم ۳")

"قلعہ" (۲۱) "کمبا فورٹ" در کشمیر" (روزنامہ انجام دہلی - ۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء صلاٰ کالم ۱")

"قلعہ" (۲۲) "کنبہ کوٹ" در گجرات" (مرآۃ محمدی یعنی مکمل تاریخ اسلامی گجرات صلاٰ ۴۶")

"میدان" (۲۳) "میدان ہائے کمپانیان" در ملک اٹلی" (حالات روما یعنی تاریخ سیر المتقدمین صلاٰ ۳۴")

"گھاٹی" (۲۴) "کھمبو گھاٹی" سرحد روس و افغانستان پر" (روزنامہ اودھ اخبار لکھنؤ" ۲۷ فروری ۱۸۸۵ء نمبر ۵ جلد ۲۷ صفحہ ۵۸۷" و "اخبار خیر خواہ عالم دہلی یکم مارچ ۱۸۸۵ء نمبر ۹ جلد ۱۴ - صلاٰ) بحوالہ اخبار انگریزی پانیر الہ آباد ۲۱ فروری ۱۸۸۵ء)

"ندی" (۲۵) "کنباس ندی" معاون دریائے گنگا" (اکبر نامہ جلد سوم صلاٰ)

"دریا" (۲۶) "دریائے کپانگ" در جزیرہ بورینو" (از کتاب خوفناک دنیا" و انقلاب لاہور ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء صلاٰ ۱۵ کالم ۲")

"کمبو" اور اس کے مماثل نام کے اشخاص دنیا کے مختلف حصوں میں

جس طرح کمبو اور اس کے مماثل نام کی مختلف النسل بہت اقوام دنیا کے مختلف حصوں میں ہیں اسی طرح مختلف ممالک میں اشخاص کے نام بھی ہیں ملاحظہ ہو"

(۱) جنرل کنبو چیچی" (روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن" ۴ دسمبر ۱۹۴۳ء صلاٰ کالم ۳")

(۲) الجمیمین سفیر فرانس" (کتاب تبصرہ کا میدان جنگ صلاٰ ۲۹")

(۳) لارڈ کمبرلی کالونیز سیکرٹری گورنمنٹ برطانیہ" (کتاب جنگ ٹرانسوال صلاٰ ۵۵ و ۱۵۵")

(۴) "مسٹر اے ڈی کومبی آئی۔ سی۔ ایس - انگریز معتمد مال ریاست نظام دکن" (روزنامہ پیام حیدرآباد دکن ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء صلاٰ کالم ۴")

(۵) "سر جان ابرکومبی انگریز لیڈر ترقی پسند جماعت مجلس مقننہ بمبئی" (روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن ۴ دسمبر ۱۹۴۳ء صلاٰ ۲ کالم ۴)

(۶) "کمبھ کرن" راون راجہ لنکا کا بھائی" (روزنامہ انقلاب لاہور" ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء صلاٰ ۲ کالم ۱")

(۷) "این آر کمبھادی" ہندوستانی کرناٹکی" (روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن ۲۳ دسمبر ۱۹۳۷ء صلاٰ ۲ کالم ۱")

(۸) "کمبار شی" "مشہور مصنف رامائن"

(۹) "رانا کونبھا" "مسند نشین ۱۴۳۳ء راجپوت" (کارنامۂ راجپوتان ص ۲۶۹)

(۱۰) "کمبو جی" "امریکی جرائم پیشہ گروہ کا ایک سردار" (روزنامہ پیام حیدرآباد دکن ۱۱ جولائی ۱۹۳۸ء ص ۲ کالم ۴)

(۱۱) "مسٹر اے۔ ایس۔ اے کمبار انگیر" "مدراسی برہمن" (انگریزی اخبار دی ہندو فرائی ڈے، نومبر ۱۹۳۵ء ص ۲۲)

(۱۲) "قنبو زاغلو مصطفےٰ آفندی ترک" (روزنامہ رہبر دکن پنجشنبہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۹ء ص ۵ کالم ۳)

(۱۳) "جنرل گمبارا" "اطالوی جنرل" (رہبر دکن حیدرآباد۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۹ء ص ۳ کالم ۳)

(۱۴) "پول کامبون" "سفیر فرانس" (روزنامہ پیام حیدرآباد دکن۔ ۱۶ فروری ۱۹۳۸ء ص ۸ کالم ۵)

(۱۵) "شونگ کھومبو" "برہمی نام ہے" (کتاب حالات برہما کے ص ۳۳ پر ہے کہ "مردوں کے نام اس طرح کے ہوتے ہیں "موکا نجی" "مونگ بہوتانگ" "مونگ کھومبو"

(۱۶) "فیوکو کومباموتو" "جاپانی عورت کا نام" (رسالہ بیسویں صدی لاہور سالنامہ ۱۹۳۳ء ص ۱۱۵)

(۱۷) "کام بوزیا اوّل شہنشاہ ایران" "کیقباد اوّل"

(۱۸) "کام بوزا دوم شہنشاہ ایران" (کیقباد دوم المتوفی ۵۲۹ء قبل مسیح) جس کی اولاد بن جانے کے لئے مؤلف تاریخ کمبوہان نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے"

(۱۹) "کنباج بن تہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوحؑ" جس کے نام پر ایک شہر بھی آباد ہوا" اس کے نام کی تحریف کر کے مؤلف تاریخ کمبوہان نے بجائے کنباج کے کمبوج لکھا ہے اور اس کے نام پر بجائے شہر آباد ہونے کے ملک کمبوج کا آباد کرنا اپنی جدت طبع سے ظاہر کیا ہے" اور حوالہ تاریخ فرشتہ کا ہی دیا ہے" (دیکھو فہرست تاریخ کمبوہان)

(۲۰) "مسٹر کمکو" "چیرمین پراونشل گورنمنٹ آف کوریا" (روزنامہ میزان حیدرآباد دکن جمعرات ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء ص ۲ و اخبار رہبر دکن)

کمبو کے مماثل نام رکھنے والی اقوام

قوم کمبا سفرنامہ "اوگنڈا و ممباسا در برٹش ایسٹ افریقہ کے حبشی و وحشی باشندوں کے حالات" مطبوعہ خادم التعلیم پریس لاہور در سنہ ۱۹۱۰ء کے ص ۵۹ پر تحریر ہے کہ "کلہ بنڈورہ سے واپس آ کر اب ہم اس مقام پر آتے ہیں" جو "نڑھ لیٹے" سے شمال کی جانب "چاکوس" کے نام آباد ہے" یہ مقام "ممباسہ" سے تین سو دس میل کے فاصلہ پر ہے" شیریں چشموں کے کناروں پر خودرو گھنزار وادی مسرت خیز ہے" یہاں "قوم کمبا" کثرت سے آباد ہے" پہاڑ ہونے کی وجہ سے شب کے وقت سردی زیادہ ہوتی ہے" معمولی خیموں میں بلا تین چار کمبلوں کے رات کا کٹنا مشکل ہے" پہاڑیوں میں ہر قسم کی گلہ داریں مچھلی ہوتی ہیں۔ یہاں ہندوستانی اور انگریزی ترکاریوں کی کاشت کا تجربہ کیا گیا ہے اور نتیجہ خاطر خواہ نکلا ہے "کئی "مٹر" "سیم" اور "شکرقندی" کی کثرت سے پیداوار ہے" نشیب میں چھوٹے چھوٹے چشمے جوش شباب میں لہریں مار رہے ہیں" باشندے اپنے مویشی چرانے میں مصروف ہیں"

"کمبا قوم" کا طرز معاشرت اور رسم و رواج نہایت عجیب ہیں اور ان کا اندراج ناظرین کے لئے قابل دلچسپی ہوگا" ان کا قد متوسط ہے" نہ لمبا ہوتا ہے نہ چھوٹا لیکن ان کے جسم مضبوط اور سڈول ہوتے ہیں یہ لوگ نہایت کشتی اور بردبار ہیں" ان کی پوشاک صرف ایک بکری یا ہرن کی کھال ہے جس کو کندھوں پر لٹکائے پھرتے ہیں۔ اس سے ستر پوشی مراد نہیں ہے" بلکہ اپنی امارت دکھانا مقصود ہے" انگریزی حکومت کی بدولت اب کپڑا بھی نصیب ہوگیا ہے" مگر کچھ سوا گزسے زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا" اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو گیرو اور چربی میں رنگ لیا جاتا ہے" یہ لوگ دوسری افریقی قوم سے بہت جلد شناخت کئے جاسکتے ہیں" کیونکہ یہ لوگ لباس کی طرح اپنے بدن کو

بھی گیرو اور سیاہ مٹی سے چربی ملا کر رنگتے ہیں۔ اور اپنے اگلے دو دانتوں کو ریتی سے نوکیلا بنا لیتے ہیں۔ ان کی مستورات یا بانکے چھبیلے نوجوان مرد آئینہ کا چھوٹا سا گول ٹکڑا ماتھے پر لٹکاتے ہیں۔ اور سرخ و زرد چھوٹے موتیوں کی لڑیاں پنڈلیوں اور بازوؤں پر باندھتے ہیں۔ چونکہ ان کے مویشیوں کو جنگل میں رہنا پڑتا ہے اس لئے ہر فرد و بشر تیر اور کمان سے مسلح ہوتا ہے۔ ان کے تیر عموماً چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ لیکن جنگ کے موقع پر جو تیر چلائے جاتے ہیں وہ قدرے لمبے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ ان کے پھلوں کو زہر آلود کیا جاتا ہے۔ اگر ذرا سی خراش جسم پر لگ جائے تو زخم اچھا نہیں ہوتا۔ ان کی مستورات پیتل کے تاروں اور موتیوں کی بڑی دلدادہ ہوتی ہیں۔ ابھی چار پانچ سال گذرے ہیں کہ یہ لوگ تاروں کے چند گچھوں اور موتیوں کے عوض گائے اور بکریاں دینے میں عذر نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن زمانہ کی رفتار دیکھ کر اب یہ لوگ بھی اپنے مال کی خاطر خواہ قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں بکری اور گائے کی قیمت علی الترتیب بیس اور اسی روپیہ پڑتی ہے۔

کنواری لڑکیوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے سر اردگرد سے منڈے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر [illegible] ایک گاؤں میں پانچ سے لیکر پندرہ جھونپڑے ہوتے ہیں۔ لکڑیوں کو سیدھا رکھوا کر کھڑا کر کے مٹی اور گوبر سے لیپ لیتے ہیں۔ اور گھاس یا سرکنڈوں کی چھت بناتے ہیں۔ ہر ایک گاؤں کا ایک سردار ہوتا ہے۔ اور وہ باہمی تنازعوں اور جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ سرداری میراث کے طور پر اولاد کو نہیں ملتی بلکہ جس کے پاس زیادہ گائے بیل ہوں وہ ہی سردار کہلا سکتا ہے۔ جملہ سرداروں کی سال بھر میں ایک میٹنگ ہوتی ہے۔ اس میں سب بوڑھے اور تجربہ کار لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور اپنی اپنی ذہانت و تجربہ سے اپنی قوم کے ناتجربہ کار آدمیوں کو مستفید کرتے ہیں۔

شادی کی رسم یہ ہے کہ جب لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کو پسند کر لیتے ہیں تو لڑکی کے والدین کو خبر کی جاتی ہے۔ اور اس کی قیمت جس قدر مویشی مقرر کئے جائیں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ لڑکی خاوند کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے اور تازہ خون سے نومولود کے چہرے پر تلک لگائے جاتے ہیں۔ مردہ دفن نہیں کیا جاتا۔ بلکہ گاؤں سے کچھ فاصلہ پر جھاڑیوں میں چھوڑ آتے ہیں جہاں وہ صحرائی درندوں کا ناشتہ بن جاتا ہے۔ سردار قوم البتہ دفن کئے جاتے ہیں۔

ڈوروما قوم والوں کی طرح ان کے گاؤں بھی مستقل نہیں ہیں۔ آج یہاں اور دو چار سال بعد [illegible] دور کسی گاؤں میں پے در پے دو چار اموات کا ہونا دیرینہ مقام کو تبدیل کرنے کا عذر ہوتا ہے۔

ایک فوجی افسر کی رائے ہے کہ "یہ لوگ جنگ کے لئے کافی مضبوط نہیں ہیں۔ اور ان کی جنگ بھی ہمیشہ بے قاعدہ ہوتی ہے۔ کسی جنرل یا سردار کی جنگ کے موقع پر ان کو ضرورت نہیں ہے۔ جو جس کی مرضی میں آتا ہے کرتا ہے۔ ایک شخص کا چشم دید بیان ہے کہ ان کی جنگ صرف اس قدر ہوتی ہے کہ کسی پنہاں مقام سے دو دو چار چار تیر چلا دیئے اور جب ترکش خالی ہو گیا تو گھر کی راہ لی۔"

ان کے مذہبی خیالات بھی عجیب ہیں۔ یہ لوگ فوق المخلوقات طاقت یا طاقتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر گاؤں کے پاس کوئی بڑا درخت یا چٹان ہوتا ہے جس سے مشکلات کے حل کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اور وہ مقام اتنا متبرک گنا جاتا ہے کہ اس کے قریب سوائے سردار قوم یا پجاری کے اور کوئی نہیں جا سکتا۔ خشک سالی کے ایام میں جانوروں کی قربانیاں [illegible] ہوتی ہیں۔ اگر قربانی کرنے کے دو چار روز بعد یا اسی دن بارش ہو جائے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اس درخت یا چٹان نے دعا قبول کر لی ہے۔ [illegible] ہے۔ اور جب تک بارش نہ ہو [illegible] برابر جاری رہتا ہے۔ ...... یہ لوگ [illegible] کے متعلق [illegible] کہتے ہیں [illegible] کی مثل عام درختوں کے [illegible] پیدا ہوتا ہے [illegible] پھولتا ہے۔ اور آخر ایک دن [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible] لوگوں کی نسبت ان کا خیال قابل مضحکہ ہے۔ وہ کہتے ہیں [illegible] آدم خور قوم ہے۔ [illegible] جو کسی جرم کی پاداش میں آسمان سے نکال دیئے گئے ہیں۔ [illegible] گاؤں کے باشندوں کا خیال تھا کہ یہ لوگ [illegible] لگاتے ہیں۔ [illegible] شب کے وقت سونے کو آسمان پر چلے جاتے ہیں [illegible] کا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ شام کے وقت [illegible]

دیوتاؤں کی ناخوشی اور رضامندی کا نتیجہ کہتے ہیں۔

کمبا قوم کی شرارت — "ڈوٹیا" اپنے جھونپڑے لکڑی اور گھاس کے بناتے ہیں۔ لیکن ڈروما والوں کی طرح ان کے مکانات چھوٹے چھوٹے اور پست قد نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی گنبد نما چھتیں دس دس فیٹ اونچی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ زراعت بھی کرتے ہیں۔ ان کے کھیتوں میں "گنا" "مکی" "تمباکو" "شکر قندی" کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ تجارت کے فوائد سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض بعض لوگ "شتر مرغ" "گائے" اور "مرغیاں" پالتے ہیں۔ اور "ممیاسہ" کی طرف سوداگری کے لئے لے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو معقول منافع ملتا ہے۔ ان کے کھیت عموماً پہاڑی کے پیروں میں ہوتے ہیں۔ "پھاوڑہ" "ہل" یا "کھرپا" وغیرہ کی قسم سے ان کے پاس آلات زراعت نہیں ہوتے ہیں۔ نوکدار لکڑیوں سے زمین کو بنا لیتے ہیں۔ اور باران رحمت پران کی پیداوار کا دارومدار ہے۔

ان کی ہمسایہ اقوام "مسائی" اور "کمبا" بہت شریر ہیں۔ جس وقت ان بے چاروں کی کھیتیاں تیار ہوتی ہیں۔ لوٹ لے جاتے ہیں۔ لیکن برٹش عملداری ہونے سے بچاؤ ہو گیا ہے۔ اور اب امید کی جاتی ہے کہ یہ لوگ زراعت کا سلسلہ میدانوں اور دریاؤں کے کنارے دور تک پھیلا دیں گے۔

قوم کمبوالا — روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء مطابق ۲۲ خورداد ۱۳۴۶ف کے صفحہ ۶ کالم ۴ پر تحریر ہے کہ اشتہار از محکمہ عدالت منصفی تعلقہ کانات ضلع ناندیڑ اسٹیشن نواب کمال یار جنگ بہادر دام اقبالہ واقع ۴ خورداد ۱۳۴۶ف نمبر مقدمہ ۵ رجسٹر ما بابت ۱۳۴۶ف بہ اجلاس مولوی قمر الدین صاحب منصف تعلقہ کانات۔

ڈرجیہ پوٹیا (مدعی) بنام بوٹی پوری راگھوبا (مدعا علیہ) دعویٰ واپسی زر نقد مبلغ ۲۶۵ سکہ عثمانیہ ۱۲ پائی

بنام بوٹی پوری راگھوبا ولد سیورا بیا قوم کمبوالا عمر تیس سال پیشہ زراعت ساکن کوڑنگل تعلقہ کانات۔

ہرگاہ مقدمہ صدر میں تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجرا ہوئے لیکن ذات پر تعمیل نہیں ہوئی۔ اس لئے حسب خواہش مدعی اشتہار ہذا بذریعہ اخبار کیا جاتا ہے کہ بتاریخ تیس خورداد ۱۳۴۶ف روز شنبہ بوقت آٹھ ساعت اصالتاً یا وکالتاً بمقام مستقر پیشی ال عدالت حاضر ہو کر جوابدہی کرو بصورت غیر حاضری حسب ضابطہ کارروائی ہوگی۔ آج بتاریخ ۴ خورداد ۱۳۴۶ف میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ (دستخط سر رشتہ دار، صاحب عدالت)

قوم کھمبو — روزنامہ اخبار الامان دہلی بابت ۲۸ جون ۱۹۳۵ء کے صفحہ کالم چار پر "کوہ ایورسٹ پر ایک اور حملہ" اس مرتبہ تبت پر چڑھائی کی جائے گی "تبت کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "لندن ۲۵ جون ۱۹۳۵ء بذریعہ برطانوی لاسلکی" رائل جغرافی سوسائٹی کے خطبہ صدارت کے موقع پر "میجر جنرل سر پرسی کاکس نے" کوہ ایورسٹ پر از سر نو چڑھائی کرنے کے قصد کا اظہار کیا۔ کمیٹی اس مرتبہ لائحہ عمل سے بالکل مختلف پروگرام اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ ایک مختصر جماعت "مسٹر ایرک شپٹن" کے زیر سرکردگی۔ (جو پچھلی مرتبہ بھی پارٹی میں شامل تھے) تبت پہنچ چکی ہے۔ اور مغربی جانب سے چڑھائی کرنے والی ہے۔ اگر ممکن ہوسکا تو جماعت اس امر کا مطالعہ کرے گی کہ پہاڑوں کی مانسون ہواؤں سے قبل کیا کیفیت رہتی ہے۔ "مجر سی جی مارس" جو اہل نیپال "اور ان کی زبان سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں" تبولہ کھمبو قوم کے قلیوں سے تعلقات بڑھائیں گے۔ خاص تحقیقاتی جماعت اس بہار کے آغاز میں ہم پر روانہ ہو جائے گی۔ اور اس مرتبہ بھی اس پارٹی کے لیڈر "مسٹر رگ" [illegible] ہوں گے۔

(نوٹ: قدیما قوم کمبوالے زمانہ میں اور مرہواڑی یا مہاراشٹر میں بھی کافی تعداد میں ہے۔ کاشتکاری اور لکھا بنانے کے پیشے کرتی ہے۔ "سیوا جی" کے زمانے میں اس قوم کے لوگ [illegible] کا کام بھی کرتے تھے اور جاسوسی کے کام بھی کرتے تھے۔ ان میں "ناناجی" اور "بٹھو طارام" جاسوس تھے۔ بھیس بدل کر گھوم پھر کر اور ہر جگہ کی خبریں لا کر مرہٹہ راجاؤں کو پہنچاتے تھے۔)

قوم کمبرین | حالات روما یعنی تاریخ سیر المتقدمین مترجمہ محمد سعید خاں کے صفحہ ۱۹۱۸ پر ہے کہ "چھٹی فصل" قوم گال کا اٹلی میں آنا ۳۹۹ تا ۳۲۶ قبل مسیح "وہ ملک جو اٹلی کے شمال میں "کوہ الپائن کے گردا قع ہے۔ اس میں ایک قوم جو مجملہ قوم کلٹ کے تھی .... ہر جگہ اس قوم کلٹ کے خط و خال "زبان و اسلحہ جنگ" لباس "وغیرہ سب ایک ہی سا تھا" اور اب بھی اُن کی نسل کے لوگ جو ان پہاڑوں وغیرہ میں آباد ہیں جو کہ دیگر اطلاعات دیگر آوتیا نوس کے واقع ہیں بہت صورتوں میں انہیں کے پیچ دریائیں "جہاں کہیں ہم اُن کا حال سنتے ہیں۔ خواہ وہ کلٹ "بیل" گال "کیلٹین" ویلش "بلجائی" سمری "سمارنیر" اور خواہ وہ قوم کمبرین "یعنی برطین" وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے نظر آتے ہیں "نیلی آنکھیں" سیاہ یا سرخ بال "طبیعت میں جراءت اور چھریت اور جنگ سمائی ہوئی" اطاعت گذار نہیں "نازک" ہنرمند "یہ ساری باتیں اب تک اُن کو دیگر اقوام سے تمیز کرتی ہیں"

ذات کمبہ | ترجمہ آئین اکبری جلد اول حصہ دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱ پر تحریر ہے کہ "صوبہ کابل" "سرکار کشمیر" پرگنات شرقی و جنوبی "گیارہ محل" سوپنمن ذات کمبہ .... اور صفحہ ۱۹۵ پر تحریر ہے کہ "اس زمانے میں یہ ملک شاہی قلمرو میں داخل اور بے شمار ایرانی و تورانی و کشمیری نسل کے مختلف قبایل و اقوام کا بسترت انگیز ملجا و ماویٰ ہے"

خاندان کموں "آلِ کموں" | سہ ماہی رسالہ تاریخ حیدرآباد دکن بابتہ ماہ جون ۱۹۴۷ء کے صفحہ ۸۶ پر تحریر ہے کہ "راحت افزا کا مصنف" سید محمد علی بن سید محمد صادق الحسینی "آلِ کموں" سے ہے "آلِ کموں" عراق عرب کے سادات عالی درجات کا مشہور خاندان ہے "اور اس میں بڑے بڑے علماء و شہزادے پیدا ہوئے ہیں" بنی عباس کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر عبداللہ المنصور کے عہد خلافت سے "عراق عرب کی نقابت و نیابت اس خاندان میں بطور میراث چلی آرہی ہے" سید محمد کموں "اس خانوادہ کا نامور شخص گذرا ہے" شاہ اسمٰعیل صفوی "دور ۹۰۷ ہجری تا ۹۳۰ ہجری) نے ۹۱۳ ہجری میں بغداد فتح کیا۔ تو سید محمد کموں کو نجف اشرف کا متولی اور عراق عرب کے بعض شہروں کا حاکم بنا دیا" راحت افزا کا مصنف اسی سید محمد کموں کی اولاد سے ہے ....

قوم کومی | کتاب "ساویٹ روس" سیاحت روس "پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند" ناشر لاجپت رائے اینڈ سنز کے صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ "ساویٹ یونین میں تمام اقلیتوں کا شمار خالی از دلچسپی نہیں جن میں "پول" یوکرینین "استھونین" جرمن "فنس" ہنگر "آرمینین" سفید روسی "سرتیٹ" آسٹیا کس "اسکیمو" قرغیز "مرکا بین" اوایت "چوارش" کومی "ماری" "انجش" کالمک یا کلماک "موردوا" شمالی قفقاز کے "اسا" یمن "اور کرائین" ہیں یہ فہرست مکمل نہیں ہے"

قوم کمبا | روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن بابت ۳۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کے صفحہ کالم ۳ میں "کمبا فرقہ کی استدعا کی شرح کے تحت لکھا ہے کہ "اہل کمبا فرقہ" کی جانب سے ایک درخواست معتمد صاحب مالگذاری کی خدمت میں پیش کر کے انہیں اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ "محفوظ اقوام کی فہرست کی جو اغراض و ستور العمل انتقال اراضی تیار ہوئی ہے "قوم کمبا" کو نظر انداز کر دیا گیا ہے "اور ریڈی" اور "کاپو" قوموں کا ذکر کیا گیا ہے .... درخواست یہ ہے کہ "کاپو" کے ساتھ "ریڈی" کو بھی درج کیا گیا ہے "تو کمبا کا ذکر بھی ضروری ہے"

قوم کمبو | تاریخ کمبوہاں ہی مصنف نے ایک جگہ خود تحریر کیا ہے "اب پنجاب میں ہماری قوم کمبو کے نام بہت سے ہیں "مترادف ہو گیا ہے" اور یہ "قوم کمبو" وہاں "کمبو" بولی جاتی ہے"

"خاندان کنگو "کنبوہی یا کنبو"

حضرت زبیر رضی حواری رسول اللہ صلعم کی اولاد سے مشہور خاندان ہے۔ جس کا اسی کتاب میں کافی ذکر آچکا ہے"

اسی قبیل کی دیگر اقوام | قوم کوجہادت "خاندان ہیپانی" و خاندان کوھمبو "قوم کنپادت" قوم کونپادت "قوم کیموج" کے و خاندان کمبرانی" یا موں کی تحقیقات العنسل اقوام اور بھی ہیں ان کے متعلق ہم نے اس کتاب کی دوسری جلد میں جس میں ہم نے مؤلف تاریخ کمبوہاں کی تحقیقات کی حقیقت دکھائی ہے اور جو اس موجودہ جلد سے بھی ضخیم ہے وضاحت سے لکھا ہے "یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں"

دیگر ہمنام و مماثل نام رکھنے والے مگر مختلف النسل قبایل و اقوام

(۱) عربی قبیلہ "شیبانی" (۲) ترکی قبیلہ "شیبانی" (۳) برہمن خاندان "نہرو" (۴) راجپوت خاندان "نہرا" (۵) سید خاندان "نہری" (۶) دیگر خانوادے اور قبایل "نارو"، "تاروی"، "نونہروی"، "نہروانی"، "اور نہر والا"، "ماوراء النہری" وغیرہ ہیں۔

"نارو" ایک کیڑے اور جزیرہ کا بھی نام ہے۔ "اور نہر جوری" ایک بزرگ کا خطاب ہے۔ جس طرح کے ملتے جلتے ناموں کے یہ خاندان قبایل ہیں اسی طرح (۷) اقوام "بٹ"، "بھٹ"، "بھٹی"، "بٹے یا بٹی"، "بوٹانی"، "بھٹہ"، "بھوٹہ"، "بھاٹیا"، "بھاٹی"، "بھٹانی"، "بہٹیانی"، "بھوٹانی"، "بھاٹیلا"، "بھٹناگر"، "بہٹانا"، "بھٹیارا"، "بھٹاچاری" وغیرہ ہیں۔ (۸) اور افغان خاندان "سُوری" اور ہندو خاندان "سُوری" بھی ہے۔ اور "سُوریا"، "سُور"، اور "سُوریانی" وغیرہ نام بھی ہیں۔

ایک ہی نام کے "دریا"، "اشخاص"، "خاندان"، "پہاڑ"، "قصبے"

(۱) دریائے "سندھ" (۲) "سندھ ندی" (۳) تحصیل "سندھ" (۴) "سندھی" نام شخص (۵) خاندان "سندھیا" (۶) "سوندھی" (۷) ذات "سدھوانی" (۸) "گومتی" ندی در اودھ (۹) "گومتی" نام کی دو ندیاں در راجپوتانہ (۱۰) "گومتی" نام کی پہاڑیاں در صوبہ بمبئی (۱۱) "بان گنگا" در راجپوتانہ (۱۲) "بین گنگا" در دکن (۱۳) "گنگا یا گوداوری" در ریاست نظام دکن (۱۴) "گنگا" شمال مشرقی ہندوستان کا مشہور دریا (۱۵) "رام گنگا" در روہیل کھنڈ صوبہ یو۔پی (۱۶) "کشن گنگا" در کشمیر (۱۷) دریائے "گھاگرہ" ریاست بیکانیر میں (۱۸) دریائے "گھاگرہ" معاون دریائے گنگا در ضلع گورکھپور (۱۹) دریائے "راین" در فقفاز (۲۰) دریائے "راین" در جرمنی (۲۱) موضع "لونی" قریب پونہ (۲۲) موضع "لونی" در دکن ضلع بیدر میں (۲۳) قصبہ "لونی" در ضلع میرٹھ قریب دہلی (۲۴) "جودھپور" ضلع لدھیانہ پنجاب میں (۲۵) "جودھپور" مشہور شہر در ریاست در راجپوتانہ (۲۶) قصبہ "ہمیرپور" در ضلع کانگڑہ پنجاب (۲۷) شہر و ضلع "ہمیرپور" در یو۔پی (۲۸) جزیرہ "تبت" (۲۹) شہر "تبت" (۳۰) ملک "تبت" وغیرہ وغیرہ۔

اقوام جو اپنے پیشوں یا سکونتی مقاموں یا دیگر وجوہ سے مشہور ہیں

(۱) قوم "زمیندار" (۲) قوم "مہاجن" (۳) قوم "مولوی" (۴) قوم "عیسائی" (۵) قوم "جہیوہ" (۶) ذات "کشوریہ" (۷) قوم "سکروال" (۸) قوم "ملتانی" (۹) قوم "چشتی" (۱۰) خانوادہ "چشتی" (۱۱) قوم "سندھیا" (۱۲) ذات "امیر عشقی" (۱۳) "حاجی خاندان" (۱۴) ذات "بجاج" (۱۵) قوم "فقیر" (۱۶) قوم "قصاب" (۱۷) قوم "خواجگان" (۱۸) "اکیانی" (۱۹) "کیانی" (۲۰) قوم "سوانی" (۲۱) خاندان "نجی" (۲۲) خاندان "نوکیان" (۲۳) خاندان "سکیٹی" (۲۴) خاندان "قاضی زادگان" (۲۵) خاندان "دانشمندان" (۲۶) خاندان "ٹریگیہ" (۲۷) "ڈیکوری" (۲۸) خاندان "بارہ پوتیان" (۲۹) خاندان "ملقب بہ مرزا" (۳۰) خاندان "مشائخ پوتہ" (۳۱) خاندان "قزلباش" (۳۲) خاندان "حفاظ" (۳۳) خاندان "برتے" (۳۴) خاندان "وکیلان" (۳۵) خاندان "کلہوڑہ" (۳۶) خاندان "جاموٹ" (۳۷) قوم "میر" (۳۸) قوم "باڑا" (۳۹) ذات "گوالیری" (۴۰) ذات "اکبرآبادی" (۴۱) قوم "ملتان" (۴۲) قوم "پردیسی" (۴۳) قوم "ہندوستانی" (۴۴) قوم "درانی" (۴۵) مغل ہیں مگر "ماڑواڑی" کہلاتے ہیں (۴۶) پنجاب کے ہیں مگر "سندھی" کہلاتے ہیں (۴۷) غزنی کے ہیں مگر "خیرآبادی" کہلاتے ہیں (۴۸) خاندان "دوباشی" (۴۹) ایک مشہور جاٹ خاندان جو "ہنگی" کہلاتا ہے (۵۰) خاندان "ہلکر" (۵۱) قبیلہ "غسان" (۵۲) قوم "راول" (۵۳) قوم "قدوائی"۔

ایسی مثالیں اور بہت ہیں۔ طوالت کے خیال سے ہم انہیں نظرانداز کرتے ہیں۔ ان سب کو تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس کتاب کی دوسری جلد میں جس میں مؤلف تاریخ کمبوہاں کی تحقیقات کی حقیقت دکھائی ہے لکھا ہے اور وہیں ان کی اسناد بھی پیش کی ہیں۔

کیونکہ "صاحب المشاہیر رحمتہ اللہ علیہ" کے بیان کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکی اور مؤلف امروہوی کی ان غلط بیانیوں کا بھی پردہ بخوبی چاک ہو چکا ہے "اس لئے اب ہم آگے بڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا فرماتے ہیں"

باب نوزدہم

"لیکن حسب روایت مذکورۂ بالا "نواب شہباز خاں" کے جدِ اعلیٰ "حاجی کمال الدین" براہِ راست "عرب سے" ہندوستان آئے "ان کا زمانہ آمد ساتویں صدی ہجری کا اوائل ہے" وہ "کنبوہ" نہیں رہے "اور نہ "کنباہ" ہیں جب اُن کو نسباً "زبیری" لکھا جاتا ہے۔ تو وہ عرب میں یقیناً "زبیری یا اسدی" کے لقب سے معروف ہوں گے "نہ کنبوہ یا کمبوہ" کے لقب سے "پھر باوجود اس کے ان کا یا ان کی اولاد کا ہندوستان آکر "کنبو یا کمبوہ" کے لقب سے ملقب ہوتا کیا معنی" اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ ان کی "قوم و قبیلہ عرب" کے لوگ جو ان کی آمد سے پیشتر ملتان میں آباد تھے "کمبوہ" کہلاتے تھے "ان کی قرابت بھی یہاں آکر انہی لوگوں سے ہوئی "اس وجہ سے یہ بھی "کمبوہ" مشہور ہوئے "لیکن یہ جواب قابلِ قبول۔ اور قرینِ قیاس نہیں "ہم دیکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں "بنی ہاشم" اور "قریش" کے مختلف لوگ "مختلف مقامات سے" مختلف زمانوں میں آئے "اور یہاں آکر ان کے باہم قرابتیں ہوئیں۔ لیکن جو جس جگہ سے آیا۔ آج تک اس کی اولاد اسی نسبت سے مشہور رہی ہے "یہ نہیں ہوا کہ "خراسانی سید" بخاری سید" سے "یا واسطی" مشہدی سے "قرابت کے سبب" بخاری یا مشہدی "مشہور ہو گیا ہو" اسی طرح "حاجی کمال الدین" جبکہ براہِ راست عرب سے آئے تھے "یا تو" اپنی نسبی نسبت "زبیری اسدی" کے ساتھ شہرت پاتے "یا مکانی نسبت کے لحاظ سے "اس مقام عرب سے "جہاں سے وہ آئے تھے" نہ کہ یہ کہ ان دونوں نسبتوں کے علاوہ۔ ایک تیسری نسبت۔ سے "جس سے ان کا کوئی "نسبی تعلق تھا۔ اور نہ مکانی" یعنی کمبوہ کہلاتے "(ص ۲۲۳)

حاجی جمالؒ کے حالات میں مؤلف امروہوی کی غلط بیانی

مؤلف امروہوی کے اس بیان میں حسب ذیل چار باتیں قابلِ غور ہیں "(۱) پہلی تو یہ ہے کہ انہوں نے یہاں بھی "نواب شہباز خاں کے جدِ اعلیٰ کو جو براہِ راست عرب سے آئے تھے "بجائے حاجی جمال کے حاجی کمال الدین" تحریر کیا ہے "جو صحیح نہیں ہے" مؤلف موصوف خود بھی "مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۸۷ پر "نواب شہباز خاں" کے حال میں لکھا دیکھ چکے ہیں کہ نسبش به شیخ اسد "یہ حاجی جمال" میر

(۲) دوسرے یہ کہ پہلے وہ "کنبوہ" یا "کنبوہ" لکھتے آرہے ہیں۔ مگر یہاں انہوں نے "کنبو" یا "کمبوہ" لکھا ہے "کمبوہ" میم سے لکھنا غلط اور صحیح نہیں ہے "اس خاندان کے کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "کمبوہ" یا "کنبو" "کنبوہ" کے سوائے "کمبوہ" لکھا ہوا نہیں ملتا ہے"

(۳) تیسرے آن کا یہ فقرہ کہ "پھر باوجود اس کے ان کا یا ان کی اولاد کا ہندوستان میں آکر "کنبوہ یا کمبوہ" کے لقب سے ملقب ہونا کیا معنی" دھوکے میں ڈالنے والا ہے "کیونکہ "حاجی صاحب" خود تنہا تشریف لائے تھے "ان کی ساری اولاد یہیں پیدا ہوئی "اور یہیں رہی" عرب میں ان کے کسی بیوی یا بچّے کے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے "

(۴) چوتھے مؤلف صاحب کا یہ لکھنا کہ صحیح نہیں ہے کہ "حاجی صاحب" عرب سے آکر "کمبوہ" مشہور ہوئے "ان کا تذکرہ جن کتابوں

سے بھی آیا ہے" اُن کے نام کے ساتھ "حاجی" اور "قاضی" کے لقب کے سوائے "کنبوی یا کنبوہ" کہیں بھی نہیں لکھا ہے" مؤلف موصوف کا فرض تھا کہ وہ جب "حاجی صاحب" کے نام کے ساتھ اِن القاب میں سے کوئی لقب دیکھ لیتے اُس وقت یہ بات لکھتے" مؤلف امروہوی کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے بے اصل باتیں لکھ دینے میں خاص مہارت حاصل ہے" اسی لئے یہاں بھی اپنے مخصوص قاعدہ کے مطابق" سچ اور جھوٹ سے بے نیاز ہو کر انہوں نے ایسی بات لکھ دی جس کی کوئی سند وہ کسی تاریخ سے بھی پیش نہیں کر سکتے"

حاجی جمال قدس سرہٗ کی اولاد کا اپنی نانہیال کے سکنی لقب سے "ملقب ہو جانا" کوئی نرالی بات نہیں ہے

اب رہا یہ سوال کہ "حاجی صاحب" کی اولاد کیوں "کنبوہی" اور "کنبوہ" کہلائی۔ تو جب یہ بات ظاہر ہے کہ "وہ عرب سے تنہا تشریف لائے تھے۔ اور متاہل ہونے کے بعد واپس نہیں گئے" اور ان کی اولاد جو اپنے نانہیالی خاندان ہی میں" رہی اُن کا ہم سری اور اپنے سکنی لقب سے اسی طرح مشہور ہونا جس طرح "مشہدی" "بخاری" وغیرہ وغیرہ خاندان مشہور ہیں" اپنی آنکھیں کھولنے کے وقت سے اور پھر مسلسل قرابتیں ہوتے رہنے کی وجہ سے برابر شامل رہنا اگر اپنے مادری خاندان کے سکنی لقب سے موسوم ہو گئی تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے" اور اُن کی زبیریت میں اس سے کیا رخنہ پڑ گیا"

"ایک حدیث" "کسی قوم کا بھانجا اُنہیں میں سے ہے"

"ترجمہ صحیح بخاری جلد سوم صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی" میں ہے کہ "حضرت انس رضؓ" فرماتے ہیں "حضور صلعم" نے ارشاد فرمایا "کسی قوم کا بھانجا" انہیں میں سے ہے"

جنگ جمل کے موقع پر "حضرت علی رضؓ" کی گفتگو "حضرت زبیر رضؓ" سے

"شمس التواریخ جلد چہارم مطبوعہ مطبع الانوار" میں "جنگ جمل" کے موقع پر "حضرت زبیر رضؓ" اور "حضرت علی رضؓ" کی گفتگو کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "پھر حضرت علی رضؓ" "حضرت زبیر رضؓ" کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا "اے حضرت زبیر رضؓ" آپ کو کس امر نے خروج پر آمادہ کیا "حضرت زبیر رضؓ" نے فرمایا "آپ اس کے باعث ہوئے" "حضرت علی رضؓ" نے فرمایا "کیا آپ حضرت عثمان رضؓ کے بعد" مجھے خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے "حالانکہ میں تو آپ کو اپنا عزیز اور "عبد المطلب" کی اولاد سمجھتا ہوں"

علامہ شبلی کی ایک نظم کا وہ شعر جس میں "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کو اُن کے والد بزرگوار کے نانہیال کے خاندان سے ظاہر کیا ہے"

علامہ شبلی مرحوم نے اپنی جس نظم میں "امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی "لا مثال شجاعت" "شہادت" اور اُن کی والدہ "حضرت اسماء رضؓ ذات النطاقین بنت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ" کے استقلال کے واقعہ کو دکھایا ہے" وہ مشہور اور معروف ہے" اس نظم کا پندرھواں شعر یہ ہے"

خون نے پکا جو قدم پر تو کہا از رہ فخر — یہ ادا دیکھ کہ ہم "ہاشمیوں" کا ہے شعار

سب جانتے ہیں کہ "ہاشمی اور مطلبی" "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کے والد بزرگوار کی "نانہیال تھی۔ دادھیال نہ تھی" مگر جیسا کہ "رسول مقبول صلعم کے ارشاد مبارک" اور "حضرت علی رضؓ" کے بیان سے ظاہر ہو چکا ہے" وہ جس طرح "اسدی زبیری" تھے" اسی طرح سے "ہاشمی و مطلبی" بھی تھے" یہاں جو علامہ مرحوم نے ان کو ہاشمی لکھا ہے" تو نانہیالی خاندان کے لقب سے موسوم کیا ہے"

متعدد خاندانوں و اشخاص کے "دوسرے القاب اور ناموں سے مشہور ہو جانے کا بیان" خود مؤلف مرحوم کے قلم سے"

حاجی صاحب کی اولاد کے اپنی ننھیال کے لقب سے موسوم ہو جانے کو تصور کرنے میں اب بھی اگر ان مؤلف صاحب کو کوئی عذر ہے تو ہم انہیں کی تحریرات سے اُن کو مطمئن کئے دیتے ہیں۔

(۱) تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۱ پر تحریر ہے کہ "امروہہ میں "ترکمانوں" کا ایک قدیم خاندان ہے جو عرف عام میں "بڑیگہ" مشہور ہے "بڑیگہ" حقیقتاً "دستار کلاں" کا ہندی ترجمہ ہے" اور "دستار کلاں" "قوم ترکمان" کی خصوصیت ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ہندی لقب "بڑیگہ" ہو گیا" اور صفحہ ۲۳۹ پر لکھا ہے کہ "ملا امان اللہ صدیقی" فضلائے عہد اکبری سے تھے" ان کی اولاد کی قرابتیں خاندان ترکمان (بڑیگہ) سے زیادہ ہوئیں" سکونت بھی ایک جگہ رہی "مسلسل اور متواتر قرابتوں کی بنا پر" یہ خاندان بھی "عرف عام میں "بڑیگہ" مشہور ہو گیا"

(۲) اور صفحہ ۱۶۹ پر ہے کہ "موضع [illegible] ضلع (سندھ) میں "مخدوم زادگان عباسی" کا ایک قدیم خاندان ہے جو زمیندار پیشہ ہیں "سندھی میں "زمیندار" کو "جاموٹ" کہتے ہیں" یہ حضرات بھی اسی لقب سے ملقب ہوئے"

(۳) اور صفحہ ۱۶۷ پر لکھا ہے کہ "خلیفہ مستعصم باللہ" (آخری خلیفہ بغداد) کے چچا "ابو القاسم احمد" کی اولاد میں "شہزادہ احمد ثانی" بن مزمل" بن عقیل" بن سہیل" ابن ابو القاسم احمد" مذکور مع چند "آل عباس رض" کے مصر سے ہجرت کر کے "کیچ و مکران" ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے" ان کے بیٹے ہوئے "ابو نصر محمد عرف امیر ابن" کی اولاد میں "امیر عبد القاہر" معروف بہ کاہر خاں" نے "شہر کاہر بیلہ" بسایا۔ ان کے پوتے "امیر یحییٰ خاں" کے دو فرزند "امیر مہدی" اور "امیر داؤد" ہوئے" اول الذکر کی اولاد میں "میاں آدم شاہ" سندھ کے مشہور پیر طریقت تھے" مزار پر انوار ان کا "گکھڑی آدم شاہ" میں "سکھر" سے متصل ہے" ان کی نسل میں ۱۱۸۲ھ میں "سندھ" کی حکومت و سلطنت رہی" جن میں "نواب ثابت جنگ خدا یار خاں" عباسی" "نواب غلام شاہ عباسی" وغیرہ مشہور فرماں روا گذرے" یہ خاندان سندھ میں "کلہوڑہ" کے نام سے مشہور ہوا"

(۴) صفحہ ۱۶۸ پر ہے کہ "خاندان کلہوڑہ" کی آبادی (ضلاع لاڑکانہ" وغیرہ میں ہے "خان بہادر محمد پریل عباسی" رئیس بادشاہ" ان میں ممتاز ہیں" انہیں کے بنی اعمام "حاجی پور" نواح (ملتان) کے قدیمی جاگیردار "مذہباً شیعہ" ہیں۔ "امیر داؤد" کی اولاد "داؤد پوترہ" کہلاتی ہے"

(۵) "شیخ ابن رح" کے نسب پر جن طریقوں سے مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب میں طویل بحث کی ہے اور انہیں "شیخ" سے سید بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اس کی ایک جھلک ہم "ملا عبد القادر بدایونی" "صاحب منتخب التواریخ" کے حالات کے ضمن میں اوپر دکھا آئے ہیں" انہوں نے اپنی ساری کوشش اپنے ناظرین کو یہ بات باور کرانے میں صرف کی ہے کہ "شیخ ابن رح" اور ان کی اولاد کی شادیاں "قریشی" "صدیقی" "فاروقی" "اور عباسی" خاندانوں میں ہونے کی وجہ سے یہ خاندان "شیخ کہلایا" ورنہ اصل میں "سید رضوی" ہے" اپنے بیان میں مؤلف موصوف نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے جہاں اور توجیہیں کی ہیں وہاں سند میں "خلاصۃ الانساب قلمی" مؤلفہ سید ارشاد علی" شفاعت پوتہ مرقومہ ۱۲۸۰ ہجری کی یہ تحریر بھی پیش کی ہے کہ۔

"ایک گروہ خاندان حضرت شاہ [illegible] صاحب قدس سرہ کا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ سیادت اور بزرگی ان کی سلامت سے چلے آئے ہیں" مگر بسبب صاحب بسبب قرب و قرابت اور رشتہ داری "شیوخ عباسیہ" اور "قریشیہ" اور "فریدیہ" اور "انصاریہ" کے "سیادت" اپنی کو کم ظاہر کرتے تھے"

بلکہ تقیہ کو کام فرماتے ہیں۔ اور اس مقدمہ میں۔ مثل چشمۂ آبِ حیات کے سکندری طالع اپنے سے
"ظلماتِ عافیت میں رہتے ہیں۔ اور بہ لحاظ اس بات کے کہ۔ اوّل ساتھ آخر کے نسبت رکھتا ہے"
یہاں بزرگی اور سیادت مخفی ان کی کو آخر ظاہر کیا" واللہ اعلم"

"کچھ ان خاندانوں پر ہی منحصر نہیں ہے۔ جن کے متعلق ابھی ہم نے مؤلف امروہوی کی کتاب سے لیکر خود اُن کے بیانات پیش کئے ہیں۔ بلکہ مؤلف موصوف ہی کے وطن امروہہ میں اور بہت خاندان ہیں جو دوسرے خاندانوں میں قرابت ہونے کی وجہ سے اپنے نسبی لقب کے بجائے اُن کے نسب سے موسوم ہیں" اور دیگر القاب سے بھی ملقب ہیں"

چنانچہ کتاب "انکشاف[1] المعروف بہ تنقید محمود" کے صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر تحریر ہے کہ "اب شہرت عامہ پر نظر دوڑائیے کہ "امروہہ میں کس قدر خاندان ایسے ہیں جو نسباً کچھ اور ہیں اور عوام اُن کو کیا سمجھتے ہیں"

"جس طرح کہ شہرت عامہ میں ہمارے خاندان کو شیخ استعمال کرنے سے عوام نسباً شیخ صدیقی سمجھتے ہیں کیا اسی طرح خاندان مرزا رفعت اللہ محلہ سدّو کو جو نسباً شیخ صدیقی ہیں۔ لیکن عوام اُن کو مغل سمجھتے ہیں۔ کیا مرزا مقصود علی محلہ چاہ غوری" جو نسباً مغل ہیں اُن سے بوجہ قرابتداری کے ہر دو خاندان ایک نہیں سمجھے جاتے"

"کیا حکیم عبدالقیوم عطّار بازار گذری و محمد اختر محلہ شاہی چبوترہ جو نسباً صدیقی ہیں لیکن کلالوں میں رشتہ داریاں ہونے سے نسباً کلال نہیں سمجھے جاتے"

"کیا خاندان محمد ابراہیم محلہ ملّانہ جن کو مؤلف نے شیخ صدیقی لکھا ہے وہ خود اور عوام اُن کو خاندان سادات بڑیگوں میں نہیں جانتے"

"کیا مولوی احمد حسین خاں کلال ہوتے ہوئے اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب نہیں استعمال کرتے" کیا خاندان مرزا رفعت اللہ محلہ سدّو" صدیقی ہوتے ہوئے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث کا خطاب مرزا استعمال نہیں کرتے"

"جس طرح ہمارا خاندان سیّد ہوتے ہوئے اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب شیخ استعمال کرتا ہے۔ کیا اسی طرح گھڑیال والے" و سیّد اختر حسین خاں۔ سیّد محسن خاں دانشمند۔ و توصیف الحسن خاں" دربار کلاں کا خاندان۔ سادات ہوتے ہوئے کیا اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب خان استعمال نہیں کرتے"

"کیا خاندان چودھری سیّد حسن و سیّد سبط علی جعفری سابق آنریری مجسٹریٹ۔ سیّد ہوتے ہوئے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث کا خطاب چودھری استعمال نہیں کرتے"

"کیا خاندان حاجی شوکت حسین ملّانہ" فاروقی" ہوتے ہوئے اپنے مورث کا خطاب چودھری استعمال نہیں کرتے"

غرضکہ بہت سے خاندان باعث فخر اُن الفاظ کو خواہ بہ حیثیت بزرگانہ ہوں یا خطابی یا لقبی برابر اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں" اور بعض خاندان ایسے بھی ہیں جو نسباً کچھ نہیں اور شہرت عامہ و خطابی و لقبی الفاظ کے استعمال سے اُن کے نسب پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا"

اب جبکہ ہم نے "آنحضرت صلعم" کی حدیث مبارکہ اور حضرت علی رضہ کی حضرت زبیر رضہ سے گفتگو نیز علّامہ شبلی رح کے بیان سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کسی قوم کا بھانجا اپنی ننہیال کے نام سے بھی موسوم ہوتا ہے۔ اور مؤلف امروہوی کی خود کی تحریروں سے بھی دکھلا دیا ہے کہ

نوٹ [1]۔ انکشاف المعروف بہ تنقید محمود کے مؤلف نے صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے کہ "ہمارے بزرگ فضل علی صاحب نواب آصف الدولہ نواب وزیر اودھ کے ملازم رہے" "شیخ ڈاڑھی رنگے کا خطاب آپ کو نواب آصف الدولہ نے دیا" ایک روز پہلی مرتبہ فضل علی صاحب نے ڈاڑھی کو مہندی لگائی دربار میں حاضری کا موقع ہوا۔ نواب صاحب نے کہا آئیے شیخ ڈاڑھی رنگے" اسی روز سے فضل علی صاحب شیخ ڈاڑھی رنگے کے نام سے مشہور ہو گئے اور رفتہ رفتہ یہ خاندان "شیخ [illegible]

(الف) دو عبّاسی خاندان "عراق و مصر سے" سندھ میں آجانے پر نہ تو اپنی نسبی نسبت عبّاسی سے شہرت پذیر ہوئے اور نہ اپنی مکانی نسبت یعنی اُن مقامات سے جہاں سے وہ آئے تھے موسوم ہوئے بلکہ بالکل جد اگانہ نسبتوں سے "جاموٹ" اور "کلہوڑے" کہلائے اور کہلاتے ہیں"

(ب) نیز ایک صدیقی خاندان دوسرے غیر قریشی ترکمان خاندان بڑہگہ میں قرابتیں کرنے کی وجہ سے "اپنے ننھیالی خاندان بڑہگہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے"

(ج) اور شیخ ایّن رح اور اُن کی اولاد کی شیوخ عبّاسیہ اور قریشیہ اور فریدیہ اور انصاریہ میں قرابتیں ہوتے رہنے سے یہ خاندان بھی بجائے سیّد کے شیخ مشہور ہوا"

(د) پھر یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو چکی ہے کہ خطابی اور لقبی اور توصیفی القاب سے بھی بہت خاندان موسوم و ملقب ہیں" ہمارے پیش کردہ ان شواہد کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ مؤلف امروہوی کا یہ سارا بیان جو انہوں نے نواب شہباز خاں کے جدِ اعلیٰ اور ان کی اولاد کے لقب کے بارے میں اور سیّدوں اور قریشی خاندانوں کے ایک دوسرے میں مدغم نہ ہونے کے متعلق دیا ہے "سراسر غلط اور پایۂ تحقیق سے قطعاً خارج ہے" مؤلف امروہوی کی تو وہ ہی مثل ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"

باب ہفتم

"اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "وہ ملتان میں "اِس زبیری خاندان" کی قرابت کی وجہ سے جو اُن کے آنے سے پیشتر وہاں آباد تھا اور "کمبوہ" کہلاتا تھا "کمبوہ مشہور ہوئے" تو کیا وجہ ہے کہ "حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح" جن کا خاندان "ملتان میں آکر آباد ہوا۔ اور نسباً اِسی خاندان سے تھا۔ جس سے حاجی کمال الدین کو بتلایا گیا ہے "یعنی قریشی اسدی" باوجودیکہ حسب روایت مذکورہ۔ ان سے پیشتر بھی "ایک اسدی زبیری خاندان "ملتان میں آباد" اور "کمبوہ" کہلاتا تھا" کمبوہ "مشہور نہ ہوئے" اور آج تک "قریشی اسدی" کہے جاتے ہیں" اور محض "حاجی کمال الدین" جو شیخ کے خاندان کے بہت بعد "عرب" سے آئے "کمبوہ" مشہور ہو گئے"

"اور کیوں نہ "شیخ ذکریا ملتانی" کے خاندان نے۔ اِس عربی زبیری خاندان سے "اپنی قرابتیں کیں" جو اُن کے ہم نسب پہلے سے وہاں موجود تھا۔

نیز جیسا کہ کہا جاتا ہے جبکہ "حاجی کمال الدین" براہ راست عرب سے آئے تھے "زبیری اسدی تھے" حضرت شیخ کے ہم نسب" تو پھر "شیخ بہاؤالدین" نے اُن کی قرابت اپنے خاندان میں کیوں نہ کی۔ اور اُن سے یہ کیوں اِرشاد فرمایا۔ کہ تم اپنے قوم و قبیلہ میں متاہل ہو" باوجودیکہ "حاجی کمال الدین" اور "حضرت شیخ ذکریا" ایک ہی قوم و قبیلہ سے تھے"

نیز "حضرت شیخ ذکریا رح کا" اِس سے پیشتر آباد شدہ خاندان سے۔ جو زبیری تھا۔ اور "کمبوہ" مشہور ہو گیا" اپنی قرابتیں نہ کرنا۔ اور ایک نو وارد عرب زبیری کو "اِس خاندان میں متاہل ہونے کی ہدایت فرمانا۔ کیا ثابت کرتا ہے۔

اِس کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ "حقیقتاً حاجی کمال الدین" کا نسبی تعلق "عرب سے" یا قبیلۂ اسدی" سے نہ تھا" بلکہ پنجاب کے "قدیم خاندان کمبوہ" سے تھا جو "ملتان میں آباد"

اور وہیں کا باشندہ تھا۔

"حاجی صاحب" وہیں "حضرت شیخ ذکریا کے" حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور اپنے قبیلہ "کمبوہ" میں متاہل ہو گئے" ان کا عرب سے آنا "نسباً زبیری ہونا" یا حضرت شیخ کے "خاندان کے علاوہ کسی دوسرے "زبیری اسدی خاندان کا" اس زمانہ میں "ملتان میں" آباد ہونا۔ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا" (صفحہ ۳۴۴ و ۳۴۵)

مؤلف امروہوی کی غلط بیانی

اِس بیان کا پہلا فقرہ قطعاً غلط ہے "حاجی کمال الدین عرب سے ہندوستان یا ملتان کبھی نہیں آئے جیسا کہ مؤلف امروہوی نے باور کرایا ہے۔ بلکہ اُن کے صاحبزادے حاجی جمال قدس سرہ تشریف لائے تھے" پہلے ہم بتا آئے ہیں کہ زبیری خاندان حسب دستور اپنے سکونت کے مقام کنبایہ کے تعلق سے کنبوی سے ملقب ہوا۔ اور یہ لفظ کاتبوں کی غلطیوں کی وجہ سے کنبوہ اور کہیں ی چھوٹ جانے سے کنبو بھی لکھ گیا ہے "مگر ہم کے املا سے کمبو کی شکل میں کسی کتاب میں تحریر نہیں ہوا۔ اور متذکرہ صدر دونوں بزرگ کبھی اپنی زندگی میں اور بعد وفات بھی "کنبوی یا کنبوہ اور کنبو" نہیں کہلائے نہ کسی کتاب میں اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ اِن لفظوں میں سے کوئی لفظ تحریر ہے" مؤلف موصوف نے جو یہاں کمبوہ کے لقب سے اِن بزرگوں کا ملقب ہونا ظاہر کیا ہے "یہ قطعاً غلط ہے" اور اُن کا کھلا ہوا جھوٹ ہے"

حضرت ذکریائے ملتانی قدس سرہ کے کنبوی مشہور نہ ہونے کی وجہ

رہا یہ بات کہ "حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کس وجہ سے "کنبوی" نہیں مشہور ہوئے" اور کیوں اُن کے خاندان نے جو ملتان میں آکر آباد ہوا "اِس عربی زبیری خاندان سے جو پہلے سے "ملتان" میں آباد تھا۔ اپنی قرابتیں نہیں کیں؟" تو اِس عبارت کے پہلے جملہ کا جواب۔ خود اُس کے دوسرے حصہ میں موجود ہے" مؤلف صاحب ہی کی تحریر کے مطابق جب "اُن کی قرابتیں "زبیری کنبوی" خاندان میں نہیں ہوئیں تو اُن کو یا اُن کی اولاد کو آخر کس تعلق کی بنا پر "کنبوی یا کنبوہ" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا" یا وہ اِن القاب سے مشہور ہو سکتے تھے"

مخدوم شیخ ذکریاؒ کے دادا "اور "والد کی "ہجرت مکہ" اور خود اُن کی پیدائش کوٹ کروڑ" اور رہائش ملتان کی کیفیت

اب رہا یہ سوال کہ اِن دونوں خاندانوں میں قرابتیں کیوں نہیں ہوئیں" اس کا سبب بیان کرنے سے پہلے ہم "حضرت شیخ ذکریاؒ کے خاندان سے روشناس کرا دینا اِس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اُس کے قیام ملتان کا حال بخوبی معلوم ہو جانے سے" اِس امر پر بھی خاصی روشنی پڑتی ہے" "سیر العارفین" میں "مخدوم شیخ جمالی رحؒ المتوفی ۹۴۲ھ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین ذکریا "غوث العالم قدس سرہ "از اولیائے کبار بود" .... جد بزرگوار آنحضرت کمال الدین علی شاہ قریشی "از مکہ مبارکہ" در خوارزم "آمد" و از آنجا "قبۃ الاسلام" خطۂ ملتان" رسید و مدتی در آں بقعۂ شریفہ مدتے ساکن شد" او حاجی حرمین شریفین بود بکمال صلاحیت منسوب" او فرزندے بود "وجیہ الدین نام" جو اپنے پاک ذات

"شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین ذکریا غوث العالم قدس سرہ" اولیائے کبار سے تھے" ...... اُن کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی "مکہ سے خوارزم آئے تھے اور وہاں سے قبۃ الاسلام خطۂ ملتان پہنچے" اور اُس بقعۂ شریف میں ایک عرصہ ساکن رہے" وہ حاجی حرمین شریفین تھے" کمال صلاحیت سے منسوب" اُن کا لڑکا تھا" وجیہ الدین" نام جو اپنے پاک ذات اور نیک صفات

(ملک صفات مولانا حسام الدین ترمذی از فرارت خروج ملاعین تاتار دریں دیار رسیدہ بود و دریں قلعہ کوٹ کرور کہ سلطان محمود غزنوی قبل از ضبط دیار ہندوستان فتح نمودہ بود۔ مولانا مذکور در آنجا ساکن بود۔ دخترے داشت در کمال عفت و طہارت شیخ وجیہ الدین را بہ دپیوند شرعیت۔ بوقوع پیوستہ و حضرت شیخ بہاؤالدین قدس سرہٗ ہمدراں قلعہ متولد شدہ و پدر بزرگوارش ایشاں را دوازدہ سالہ بگذاشت و بجرت حق پیوست

وحضرت حفظِ قرآن باہفت قرأت از برداشت واز آنجا۔ بعد فوت پدر بخراسان آمد و بتدریس ظاہر و تقدس باطن۔ ہفت سال مشغول گشت و از آنجا بخارا آمدہ بتعلیم خواندن اشتغال نمود۔ چنانچہ بپایۂ اجتہاد رسید

از کمال عفت و صلاحیت کہ داشت اہلِ بخارا ایشاں را بہاؤالدین فرشتہ گفتندے۔ واو را در خراسان و بخارا شہرتے عظیم بود و از آنجا بطرف مکہ عزیمت نمود از تشریف حج بسعادت زیارت سرور کائنات و خلاصۂ موجودات مشرف گشت و مدازنہ پنج سال بحرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مجاور گشت۔ و پیش شیخ کمال الدین محمد یمنی کہ یکے از محدثان کبار بود بہ تعلیم حدیث مشغول شدہ (صفحہ ۱۰۲)

ایں حقیر (مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ) را از زبان دُرِبار گہر نثار حضرت سلطان المحققین برہان المدققین پیر دستگیر سماء الحق والدین قدس سرہٗ مسموع است کہ درایّام حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق در بغداد بسعادت صحبت حضرت شیخ الشیوخ عالم (شہاب الدین عمر سہروردی) مشرف گشتہ

بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام غوثہ را وداع کردہ فرمود کہ بروند در ملتان متوطن باش و اہلِ آں دیار را بمقصود برسان۔ درانجہ حضرت شیخ الاسلام از پیر بے نظیر رخصت یافتہ ...... حضرت شیخ الاسلام غوث العالم بملتان آمدند و ساکن شدند و در آنجا تاہل فرزندان حاصل شدہ۔ صفحہ ۱۰۹

شجرۂ سہروردیہ کے صفحہ ۶۶ پر تحریر ہے کہ۔

"پس بملتان آمدند و تاہل واقع شد و ہفت پسر و چند دختر بوجود آمدہ"

مولانا حسام الدین ترمذی ملاعین تاتار کے خروج کی وجہ سے بھاگ کر اس دیار میں پہنچے تھے اور قلعہ کوٹ کرور میں جسے سلطان محمود غزنوی نے قبل از ضبط دیار ہندوستان فتح کیا تھا۔ مولانا مذکورہ وہاں ساکن تھے اُن کے لڑکی تھی باکمال عفت و طہارت جس کی شادی شیخ وجیہ الدین سے ہوئی۔ حضرت شیخ بہاؤالدین قدس سرہٗ اسی قلعہ میں پیدا ہوئے اور اُن کے والد اُن کو بارہ برس کا چھوڑ کر مر گئے۔

مخدوم بہاؤالدین نے ساتوں قرأت کے ساتھ قرآن حفظ کیا اور وہاں سے باپ کے مرنے کے بعد خراسان آئے اور ظاہری و باطنی تعلیم میں سات برس مشغول رہے اور وہاں سے بخارا آکر علم پڑھانے کا شغل رکھا۔ چنانچہ پایۂ اجتہاد کو پہنچے۔

اُن کے کمال عفت اور صلاحیت کی وجہ سے اہلِ بخارا انہیں فرشتہ سمجھتے تھے اور خراسان و بخارا میں اُن کی بہت شہرت تھی۔ وہاں سے انہوں نے مکہ معظمہ جا کر سعادت حج حاصل کی اور زیارت سرورِ کائنات و خلاصۂ موجودات سے مشرف ہوئے۔ اور پانچ سال حرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مجاور رہے۔ اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے جو محدثین کبار میں سے ایک تھے حدیث کی تعلیم میں مشغول ہوئے۔

اس حقیر (مخدوم شیخ جمالی) نے اپنے پیرِ دستگیر حضرت سلطان المحققین برہان المدققین سماء الحق والدین قدس سرہٗ کی زبان دُربار گہر نثار سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

بعد ازاں حضرت نے شیخ الاسلام غوث کو وداع کیا اور فرمایا کہ جاکر ملتان میں متوطن رہو اور وہاں کے علاقہ کے رہنے والوں کو اُن کے مقاصد پہ پہنچاؤ۔ حضرت شیخ الاسلام اپنے پیر بے نظیر سے رخصت ہوئے۔ حضرت غوث الاسلام غوث العالم ملتان میں آکر ساکن ہوئے اور وہاں جا کر شادی کی اور اولاد پیدا ہوئی۔

پس ملتان آئے اور نکاح ہوا۔ اور سات لڑکے اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صـ۲۸ـ پر ہے کہ

حضرت شیخ بہاؤ الدین ملتانی رح "ہفت پسر نیک اختر داشت" "شیخ صدر الدین عارف" "شیخ برہان الدین" "شیخ ضیاء الدین" "شیخ علاؤ الدین" "شیخ شہاب الدین" "شیخ قدوۃ الدین" "شیخ شمس الدین"

حضرت شیخ بہاؤ الدین ملتانی [illegible]

ہوئے" "شیخ صدر الدین عارف" "شیخ برہان الدین" "شیخ ضیاء الدین" "شیخ علاؤ الدین" "شیخ شہاب الدین" "شیخ قدوۃ الدین" "شیخ شمس الدین"

سیر العارفین کے صـ۱۰۹ تا ۱۱۰ـ پر ہے کہ "آوردہ اند کہ از اجلہ" "شیخ فخر الدین" عراقی اور بھانجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی" "بملازمت" "حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الملۃ والدین" "میبود" "و دختر حضرت ایشاں کہ در حبالہ او میبود - وفات فرمود" "بعد از چندگاہ" "کہ دختر دیگر کہ ہمشیرہ از خواہر" "بود" "بحبالہ او در آورد" "بحضرت شیخ صدر الدین عارف" "فرمود کہ" "بابا صدر الدین" "دریں کار مصلحت چیست" "شیخ صدر الدین قدس سرہ" "عرض نمود کہ من روزے" "شیخ فخر الدین" "را" "بر بساط خانہ ایستادہ دیدم کہ پیرہن بر داشتہ" "کسیہ ہوا میکرد - و از نسیم صبا محظوظ می گشت" "کسے را کہ ایں قدر حظ نفس باشد - دختر شما - در حبالہ او حیف است"

سیر العارفین کے صـ۱۰۹ تا ۱۱۰ـ پر ہے کہ "بیان کیا گیا ہے کہ شیخ فخر الدین" عراقی بھانجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الملۃ والدین کی خدمت میں رہتے تھے" "ان کے حبالۂ عقد میں حضرت بہاؤ الملۃ کی جو لڑکی تھی اُس کا انتقال ہو گیا" "تھوڑے عرصہ بعد دوسری لڑکی جو اپنی بہن سے چھوٹی تھی اُس کا نکاح شیخ فخر الدین سے کر دینے کے لئے حضرت بہاؤ الملۃ والدین نے اپنے صاحبزادے کلاں شیخ صدر الدین عارف سے صلاح پوچھی" "انہوں نے عرض کیا کہ میں نے فخر الدین کو بساط خانہ پر اس حالت میں کھڑا دیکھا ہے کہ" "وہ پاجامہ نکال کر کسیہ ہوا کر رہے تھے" "اور خوش ہو رہے تھے جس شخص کی ایسی حالت ہو اس سے آپ کی بیٹی کا نکاح ہونا افسوسناک ہے"

ترجمہ اُردو تاریخ فرشتہ جلد دوم مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ" کے صـ۴۸۵ تا ۵۶۵ـ پر آپ کے حالات تحریر ہیں" اس میں ہے کہ۔

شیخ معین الدین بیجاپوری نے تذکرۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ" "شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" "اولاد" "ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ بن کلاب" سے ہیں - (ایک لڑکی آپ کی سید جلال الدین سرخ بخاری رح سے بیاہی تھی)"

"مولوی دہلی" ماہ شوال ۱۳۲۵ ہجری کے صـ۱۹ تا ۲۰ـ میں آپ کے حالات میں تحریر ہے کہ" "۶۱۴ ہجری میں شیخ الشیوخ (شہاب الدین عمر سہروردی) نے آپ کو ملتان جانے" اور وہاں خدمت خلق میں مصروف ہونے کی ہدایت کی" "چنانچہ آپ" "بغداد سے" عازم ہندوستان ہوئے" "اُس وقت" "سلطان محمد غوری" (معز الدین محمد سام المعروف شہاب الدین غوری" کی طرف سے" ناصر الدین قباچہ" "ملتان" کی گورنری پر مامور تھا"

شجرۂ سہرورد کے صـ۴ـ پر ہے کہ" "چوں عمر عزیز" "نود و نہ سال و پنج ماہ و کسرے رسید" "بعد از ظہر روز شنبہ ہفتم شہر صفر ۶۶۶ ہجری ششصد و شصت و شش" "غوث العالم" "از دنیا رحلت کرد"

شجرۂ سہرورد کے صـ۴ـ پر ہے کہ" "جب آپ کی عمر ننانوے سال پانچ مہینے اور چند روز کی ہوئی تو بعد ظہر ہفتہ کے دن ۷ صفر ۶۶۶ھ کو آپ دنیا سے رحلت فرما گئے"

شیخ ذکریا رح کے الد ملتان میں کسی قریشی خاندان سے رشتہ قائم نہ کرنے کی وجہ" اور اُن کا رشتہ ٹوٹ کر دریا ایک ہندو گھرانہ میں خاندان میں ہونے کا سبب

اقتباسات مندرجہ بالا سے جو ہم نے "حضرت شیخ ذکریا رح" کے خاندان اور خود اُن کے متعلق پیش کئے ہیں" "نجیب العلوم

ہو گیا کہ جب "شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" کے دادا اپنے صاحبزادے کے ہمراہ "مکہ معظمہ" سے نکل کر مختلف ممالک میں گھومتے ہوئے "خطۂ ملتان" میں پہنچے تھے۔ یہاں نہ تو اُن کا کوئی جاننے والا تھا۔ نہ وہ وہاں کسی سے واقف تھے۔ سب جانتے ہیں کہ کسی پردیسی انجان شخص کو کوئی بھی اپنی بیٹی نہیں دیتا۔ اپنے ملک میں اشخاص خواہ کیسا ہی شرف رکھتے ہوں۔ مگر پردیس میں جہاں اُن سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ ان میں خود ہی نامور اور عالی جاہ "مقامی خاندانوں سے" اپنے یا اپنی اولاد کے رشتہ کی تحریک کی ہمت نہیں ہوتی۔ اسی لئے "شیخ ذکریا رح" کے دادا کو اپنے صاحبزادے کی شادی ایک ایسے شخص کی لڑکی سے کرنی پڑی جو تاتاریوں کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر "قلعہ کوٹ کروڑ" میں آکر پناہ گزیں ہوا تھا۔ اور ان ہی کی طرح "پردیسی تھا" کہ اس کا بھی وہاں کوئی جاننے والا نہ تھا۔ اس کے علاوہ جب ہمیں یہ امر بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ "شیخ بہاء الدین ذکریا رح" "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے وقت بھی وہ وہیں تھے۔ تو اس سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ "اُن کے والد و دادا دونوں اپنے تا دمِ آخریں" اسی قلعہ میں سکونت پذیر تھے۔ ایک شخص جس طرح "دہلی" "بمبئی" "کلکتہ" "لاہور" اور "حیدرآباد" وغیرہ وغیرہ شہروں میں برسوں تک رہنے کے بعد بھی "وہاں کے بڑے اور چھوٹے تمام گھرانوں سے واقفیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا"۔ اسی طرح "شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" کے دادا "اور والد کے متعلق بھی یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ یہ حضرات "زبیری کنبوی" خاندان سے واقف تھے"۔ یا سندھ میں پہنچتے ہی یا کچھ عرصہ بعد واقف ہو گئے تھے"۔ اس بات کا بار ثبوت "مؤلف صاحب کے ذمہ ہے کہ" وہ ہمیں کسی سند سے دکھلائیں کہ "اگر کمال الدین علی شاہ" نے اس خاندان کو "زبیری" نہ جان کر" اور محض "کنبوہ" سمجھ کر اپنے بیٹے کی شادی "اس خاندان میں نہیں کی" تو وہ وہاں کے اور کن خاندانوں سے واقف تھے" نیز یہ بھی بتلائیں کہ "جب "ملتان میں" صدیقی" "فاروقی" "ہاشمی" "انصاری" "عباسی" "فاطمی" "علوی" "اسدی" اور دیگر قریشی خاندان "خاصی تعداد میں موجود تھے" تو انہیں ان سب سے پرہیز کر کے "قلعہ کوٹ کروڑ" میں جا کر "ایک پناہ گزیں کی لڑکی سے" کیوں اپنے بیٹے کی شادی کرنی پڑی"۔ کیا اس کی وجہ یہی تو نہیں ہے۔ جسے ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں کہ "اُن کو اجنبی و پردیسی جان کر اور اُن سے ناواقفیت کی بنا پر" ان خاندانوں متذکرہ بالا میں سے کسی خاندان نے بھی اُن کے صاحبزادے کو اپنی بیٹی دینی گوارا نہیں کی۔ یا خود اُن کو ہی۔ ان خاندانوں سے بیٹی مانگنے کی ہمت نہیں پڑی "کسی خاص تاریخ کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ "محمد بن قاسم" کے فتح "سندھ" کے زمانہ سے ہی" اس میں یہ سب قومیں داخل ہو گئیں تھیں" اور ملتان ان عربی قوموں کا بعد میں مرکز و منبع ہو گیا تھا"۔

مخدوم ذکریا رح کے قبیلہ اسدی کی سلطنت منصورہ سندھ۔ اور اسدی و دیگر عربی قریشی قبائل کے ملتان میں مسکن گزیں ہونے کی تم

مؤلف امروہوی نے "تحقیق الانساب جلد چہارم" کے صفحہ ۱۰۰ پر "بشاری مقدسی" کی کتاب سے "بیکر داما المنصورہ فعلیھا سلطان من قریش" یعنی "منصورہ کا بادشاہ" "نسلاً قریشی ہے" تو لکھا ہے" مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ "قریش کی کس شاخ سے تھا"۔ ہم اُن کو بتاتے ہیں کہ "سلطنت منصورہ کے بانی "عمر بن عبدالعزیز بن ربیع بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن حضرت ہبار رض اسدی" (شہید جنگ اجنادین در ۱۵ ہجری) تھے۔ یہ حضرت ہبار رض "حضرت زبیر رض" کے چچا زاد بھائی تھے" "عمر بن عبدالعزیز" بانی "سلطنت منصورہ" اور "شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" کے دادا "کمال الدین علی شاہ" دونوں حضرت ہبار رض" کی نسل سے تھے"۔

فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے صفحہ ۲۰۲ پر ہے کہ "عمر بن عبدالعزیز" کے پردادا "منذر" ۱۱۱ ہجری میں بنی امیہ کے گورنر حکم بن عوانہ کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تھے"۔ ۱۲۲ ہجری تا ۱۳۲ ہجری کے زمانے میں جب "یمنیوں یعنی قحطانیوں" اور نزاریوں یعنی حجازیوں" کے درمیان عصبیت پھوٹ پڑی" تو "عمر بن عبدالعزیز ہباری اسدی" نے جو "نزاریوں یعنی

حجازیوں (قریشیوں) کے "سردار تھے" عباسیوں کے گورنر سندھ "عمران" کو قتل کرکے "دارالحکومت منصورہ پر" قبضہ کرلیا"
یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ پر ہے کہ "پھر انہوں نے "خلیفہ بغداد" متوکل عباسی" کو لکھا کہ میں اچھا انتظام کررہا ہوں "سندھ کی ولایت کا پروانہ میرے نام بھیجدیا جائے" متوکل نے اُسے منظور کرلیا اور وہ متوکل کے پورے زمانے میں "سندھ کے حاکم رہے"
ابن حوقل نے لکھا ہے کہ "عمر بن عبد العزیز" بانیہ" کے باشندے تھے" اور یہ "بانیہ" کنباہ" سے کل پانچ فرسخ تھا" اور "بانیہ" سے "منصورہ" ایک منزل ہے" پھر ۲۵۱ھ ہجری میں "منصورہ" کی سلطنت نے اس تعلق کو جو "بغداد کے خلفاسے برائے نام باقی رکھا تھا۔ بالکل ختم کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا" (آئینہ حقیقت نما جلد اوّل صفحہ ۱۱) جس سے "عباسی سلطنت بغداد میں بڑی ہل چل مچی" طبری وغیرہ مورخین نے "سندھ کے عباسی گورنروں کی حکومت اُٹھ جانے کے بعد" اس ملک کے حالات کے بارے میں قطعی خاموشی اختیار کرلی ہے" مگر اسی زمانے میں "بغداد میں" جو اس خاندان کی راسدی خاندان کی پکڑ دھکڑ ہوئی" اُسے ترجمہ طبری جلد سوم حصہ سوم و چہارم کے صفحہ ۴۵۱ و ۴۵۲ پر دیکھنا چاہیئے" طبری میں اس پکڑ دھکڑ کا حال تو لکھا ہے" مگر اُس کی وجہ کو دبا دیا ہے" ابن حوقل نے لکھا ہے کہ "بانیہ" ایک چھوٹا سا شہر ہے" عمر بن عبد العزیز" ہباری قریشی" جو "عراق" میں بزرگی اور بہادری کی وجہ سے مشہور رہے "بانیہ" کا رہنے والا۔ اور "منصورہ" اور اس کے اطراف پر غالب آنے والوں کا جدّا مجد ہے" عمر بن عبد العزیز کے بعد "اُن کے صاحبزادے عبد اللہ" اور ان کے بعد "عمر بن عبد اللہ" پھر "منذر بن عمر" تخت پر بیٹھے"
غرضکہ ۴۱۶ھ ہجری تک یہ "ہباری اسدی خاندان" جاہ و جلال کے ساتھ "سلطنت منصورہ" پر حکمرانی کرتا رہا"
مروج الذہب و معدن الجواہر مسعودی کے صفحہ ۳۷۶ تا ۳۸۰ میں ہے کہ "منصورہ" کے ماتحت تین لاکھ گاؤں ہیں" اور ان تمام گاؤں کے دریا "شجر و کھیت ہیں"

"بادشاہ منصورہ" کے پاس اسی ہاتھی ہیں" ہر ہاتھی کے ساتھ پانچسو پیدل ہوتے ہیں" طریقہ یہ ہے کہ ہاتھی کی سونڈ میں لوہا چڑھا ہوا مثل تلوار کے" اور زرہ بکتر اُس کے جسم پر ہوتا ہے" اُس کا سوار مثل شہسوار کے ہوتا ہے۔ اس ہاتھی کے چاروں طرف پانچ سو پیدل ہوتے ہیں جو اُسے روکتے اور پیچھے سے اُکساتے ہیں" اور اُس کے آگے چھ ہزار سوار لڑتے ہیں"
عمر بن عبد اللہ کا وزیر اس وقت "ریاح" تھا۔ اور "ریاح" کے دو بیٹے "محمد اور علی" تھے "منصورہ" کے بادشاہوں" اور "آل ابی الشوارب القاضی" کے مابین قرابت تھی" اور وصل تھا" اور نسب تھا"
بالآخر اس سلطنت پر "قرامطہ" غالب آگئے" مگر چند ہی برسوں کے بعد "سلطان محمود غزنوی غازیؒ" نے ان قرامطہ کا استیصال کرکے "سندھ" میں "اپنی حکومت قائم کرلی" اور "منصورہ و ملتان" سب اُن کے قبضہ میں آگئے" (آئینہ حقیقت نما جلد اوّل کے صفحہ ۲۱۱ پر ہے کہ "منصورہ" کو عربوں نے گلزار بنا دیا تھا" اُن کی سلطنت کے ختم ہوتے ہی وہ پھر بنجر اور غیر آباد علاقہ بن گیا" اس سلطنت کی تباہی کے بعد تمام عربی قومیں ملتان میں جمع ہوگئیں" ملتان سے جس قدر قومیں تعلق رکھتی ہیں وہ سب کی سب عربی النسل بتائی جاتی ہیں" وہ اُن کا مرکز و منبع ہے۔ یہ عربی قومیں پنجاب کے سلطنت غزنی میں شامل ہونے کے بعد "پنجاب" میں آئیں۔ اور شہاب الدین غوری کے بعد جب شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو "بہار و بنگال" تک پھیل گئی" پنجاب کے اعوان" کشمیر کے ککھے" اور "کھیپے" بھی یقیناً انہیں لوگوں میں سے ہیں"

مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

اقتباسات مندرجہ بالا سے "ملتان" اور "سندھ" کی "عربی قریشی" قوموں کا حال بخوبی معلوم ہوگیا۔ اور جب اس سے بھی واقفیت ہوگئی ہے کہ "ہباری اسدی" بھی وہاں مسکن گزیں تھے" تو آپ مؤلف صاحب ہی ہمیں بتلائیں کہ آخر وہ کیسا

سبب تھا جس کی بنا پر "کمال الدین علی شاہ" "ہباری اسدی" نے اپنے خاندان میں اپنے صاحبزادے کی قرابت نہ کر کے "اپنی طرح کے ایک غریب الدیار" اور "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پناہ گزیں دوسرے خاندان والے شخص سے رشتہ جوڑنا کیوں پسند کیا" "زبیری کنبوی خاندان" اور قریشیوں کے دیگر خاندانوں سے اگر کسی وجہ سے اُن کو تعلق قائم کرنا منظور نہ ہوا تو "ہباری اسدی" خاندان سے میل کرنے میں آخر انہیں کونسا امر مانع ہوا"۔

"حاجی جمال قدس سرہ کا رشتہ حضرت مخدوم شیخ ذکریاؒ کے خاندان میں نہ ہونے کا سبب"

مؤلف صاحب کے اس بیان کی حقیقت ظاہر کر چکنے کے بعد کہ کیوں "شیخ ذکریاؒ" کے خاندان کی "ملتان" میں دیگر قریشیوں اور "زبیری کنبوی" خاندان سے قرابتیں نہیں ہو سکیں" اب ہم اُن کے اس بیان پر نظر ڈالتے ہیں کہ:

"حاجی جمال صاحب" براہ راست عرب سے آئے تھے" اور "شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ" کے ہم نسب "زبیری و اسدی" تھے۔ تو انہوں نے حاجی صاحب کی قرابت" اپنے خاندان میں کیوں نہ کی" اور انہیں اپنی قوم و قبیلہ میں متاہل ہونے کے لئے کیوں ارشاد فرمایا")

اس کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے" ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ "حاجی صاحب" "شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ" کے قریباً ہم عمر تھے" اُن کی وفات ایک سو اٹھارہ برس کی عمر میں سنہ ۶۸ ہجری میں ہوئی" اور "شیخ ذکریاؒ" کی وفات سنہ ۶۶۶ ہجری میں ۷ ماہ صفر کو" قریباً ننانوے برس پانچ ماہ اور چند روز کی عمر میں واقع ہوئی" جس سے معلوم ہو گیا کہ "حاجی صاحب" کی ولادت سنہ ۵۶۹ ہجری میں" اور "شیخ ذکریاؒ" کی پیدائش رمضان سنہ ۵۶۶ ہجری کی ہے" ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ "شیخ ذکریاؒ" "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پیدا ہوئے" وہیں پرورش پائی" اور بعد وفات پدر" بارہ سال کی عمر میں" وہاں سے روانہ ہو کر سنہ ۶۱۴ ہجری میں" جبکہ آپ کی عمر اڑتالیس ۴۸ برس کی تھی" ملتان میں آکر مسکن گزیں" اور متاہل ہوئے" اپنے گھر میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے "ملتان" کی سکونت مستقل طور سے اختیار کی" اور انہیں کی اولاد سے اس شہر میں اُن کا خاندان قائم ہوا" اُن کی نسل کے اکثر اشخاص مختلف زمانوں میں "دہلی" "لاہور" اور "آگرہ" وغیرہ شہروں میں چلے گئے۔ اور اکثر اب تک وہیں آباد ہیں" جن میں کچھ اُن کے" اور اُن کے صاحبزادے" اور پوتے وغیرہ کے مقبروں کے مجاور و محافظ ہیں" اسی بیان میں اوپر بتایا جا چکا ہے کہ "حضرت شیخ ذکریاؒ" کے سات صاحبزادے اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں" اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ "اُن کی سب سے پہلی اولاد یعنی "حضرت شیخ صدر الدین عارف قدس سرہ" کس سنہ میں پیدا ہوئے" شجرۂ سہروردیہ تالیف "فضیلت شعار" بلاغت و ثار" نتیجۃ المشائخ العظام" سلالۃ الاولیائے کرام" میاں احمد خاں اکبر شاہی" میں ہے کہ:

"مدت العمر شصت و پنج سال و یازدہ ماہ" وفات روز چہار شنبہ بست و سوم ذی الحجہ سنہ ۶۸۶ ہجری ست و ثمانین وستمائیہ"

"آپ کی کل عمر پینسٹھ برس اور گیارہ مہینوں کی ہوئی اور آپ نے بدھ کے دن تئیس ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۶۸۶ ہجری میں وفات پائی"

اس تحریر سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ "حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ" کی پیدائش ۲۷ محرم سنہ ۶۲۰ ہجری میں ہوئی جبکہ ان کے والد بزرگوار کو "ملتان" میں تشریف لائے چھ برس" اور اس وقت اُن کی عمر چونتیس سال تھی" حاجی صاحب کی عمر سنہ ۶۲۰ ہجری میں اکیاون یا باون ۵۲ برس کی تھی"

مؤلف امروہوی نے تحریر کیا ہے کہ "اگر فرض کر لیا جائے کہ "حاجی صاحب" "شیخ ذکریاؒ" کی وفات سے چالیس برس قبل تشریف لائے" تو اس لحاظ سے "حاجی مذکور کا سال ولادت سنہ ۵۶۹ ہجری ہوگا اور ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ برس کی عمر تسلیم کرتے ہوئے سنہ وفات سنہ ۶۸۷ ہجری قرار پاتا ہے" تو اُن کے اس فرضی حساب سے "حاجی صاحب" اور "شیخ ذکریاؒ" کا سال پیدائش ایک ٹھہرتا ہے" مگر جب ہم "حاجی صاحب"

کو "شیخ ذکریا" سے دو ڈھائی برس چھوٹا بتا کر" اور "مؤلف موصوف کی" یہ بات مان کر کہ وہ "شیخ ذکریا" کی وفات سے چالیس برس قبل "ملتان" تشریف لائے تھے" تو اُن کی آمد کا زمانہ ۶۲۵ھ ہجری یا ۶۲۶ھ ہجری قرار پاتا ہے" جبکہ "حضرت ذکریا" کے بڑے صاحبزادے "حضرت صدرالدین عارف" کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ نہ تھی" اور "حاجی صاحب" کی عمر ستاون اٹھاون سال کی اور مؤلف صاحب کی فرضی تحقیق کے مطابق "ساٹھ سال کی تھی"۔

اگر حاجی صاحب ساٹھ برس کی عمر میں بلکہ اور چند برس بعد بھی متاہل ہوئے" تو اُس وقت "شیخ بہاؤالدین ذکریا" کے کسی لڑکی کے موجود ہونے کا ہی ثبوت موجود نہیں ہے" جس سے وہ "حاجی صاحب" کا عقد" کرتے۔ اِس بات کا بار مؤلف موصوف پر ہے کہ "وہ ثابت کریں کہ جب "حاجی صاحب" متاہل ہوئے ہیں "شیخ ذکریا" کے قابلِ شادی کوئی لڑکی موجود تھی" اور انہوں نے اُس کے موجود ہوتے ہوئے" "حاجی صاحب" سے اُس کی شادی نہیں کی" حقیقت کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ اگر مگر اور فرض قیاس کام لیکر دنیا کو دھوکے میں نہیں ڈالا جاسکتا" جب تک کسی بات کا ثبوت نہ پیش کیا جائے" محض جریدہ بیان اور سے قطعاً کام نہیں چل سکتا"۔

"حضرت مخدوم شیخ ذکریا قدس سرہٗ کی" حاجی جمال قدس سرہٗ کو "اپنے ہی قوم قبیلہ میں رشتہ کرنے کی رائے دینے کی وجہ"

آگے چل کر جو مؤلف امروہوی نے اِس بات کو بہت زور دے کر بیان کیا ہے کہ۔

("شیخ ذکریا" نے "حاجی صاحب" سے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ "تم اپنے قوم و قبیلہ میں متاہل ہو" نیز "حضرت شیخ ذکریا" کا اس سے پیشتر آباد شدہ خاندان سے جو "زبیری" تھا اور "کنبو" مشہور ہوگیا تھا۔ اپنی قرابتیں نہ کرنا اور "ایک نو وارد عرب و زبیری" کو (حاجی تھے) کو) اِس خاندان میں متاہل ہونے کی ہدایت فرمانا کیا ثابت کرتا ہے"۔)

اِس بیان میں یہ بات غلط ہے کہ "یہ خاندان" جو "زبیری" تھا "کنبو" مشہور ہوگیا تھا" بلکہ "قریشی" "زبیری" "کنبوہی" تینوں ناموں سے پکارا جاتا تھا"

حضرت شیخ ذکریا" کے خاندان کی حالت اور اُن کی قرابتوں کی کیفیت ہم اُوپر بتا چکے ہیں کہ "حضرت شیخ کے دادا" ایسے مردِ مستی تھے جنہیں اُس ملک میں کوئی نہ جانتا تھا" نہ وہ کسی سے واقف تھے" "شیخ ذکریا" بچپن ہی میں "قلعہ کوٹ کرور" سے خراسان" اور وہاں سے "عرب" چلے گئے تھے" جب وہ اٹھائیس سال کی عمر میں واپس آکر "ملتان" میں مستقل طور سے قیام پذیر ہوئے اور اُن کا سلسلۂ ارشاد جاری ہوا" اُس وقت وہاں کے خاندانوں سے وہ واقف ہوئے"

"شیخ ذکریا" نے "مکہ معظمہ" اور "مدینہ منورہ" میں برسوں مقیم رہکر وہاں کے محدثانِ کبار سے حدیث کی تعلیم پائی تھی" اور "حاجی صاحب" نے بھی جو "پیا اُن کے ہم عمر تھے" "مکہ معظمہ" میں سندِ حدیث حاصل کی تھی" اس لئے کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ یہ دونوں حضرات مکہ معظمہ ہی میں ایک دوسرے سے واقف ہو چکے تھے" اور اسی واقفیت کی بنا پر "حاجی صاحب" "ملتان" تشریف لائے تھے" "ملتان" آکر چونکہ "شیخ ذکریا" "زبیری و کنبوہی" خاندان سے بھی واقف ہو گئے تھے" اس لئے حاجی صاحب کا شادی کا ارادہ معلوم ہوتے پر ٹھیک اسی خیال کے ماتحت جسے ہندوستان کا ہر شخص جانتا ہے کہ "جب کوئی شادی کرنا چاہتا ہے" تو ہر شخص اُسے اپنوں ہی میں رشتہ کرنے کا مشورہ دیتا اور غیروں میں تعلق قائم کرنے کو منع کرتا ہے۔ اگر "انہوں نے بھی "حاجی صاحب" کو اُن کے قوم و قبیلہ سے واقف کرا کر اپنے ہی ہم نسب خاندان میں "متاہل ہونے کا مشورہ دیا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے"۔

"قریشی" زبیری کنبوی خاندان کے "حاجی جمال قدس سرہٗ کے رشتہ کو قبول کر لینے کا سبب

اَب رہی یہ بات کہ "اِس زبیری کنبوی خاندان" نے جو اپنی عصبیت کے لئے مشہور تھا اور اب تک ہے" ایک نووارد "زبیری" کو جس سے وہ واقف نہ تھا کس طرح قبول کر لیا۔ یعنی حاجی صاحب کی "زبیریت" کو تسلیم کر کے اُن سے رشتہ قایم کرنے میں کچھ پس و پیش نہیں کیا۔ تو اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" جیسے مقدس بزرگ" اور "ولی اللہ" کی شہادت سے بڑھ کر اور کون سی شہادت ہو سکتی تھی" جس پر یہ خاندان اعتبار کر سکتا تھا"

"مؤلف امروہوی کے "ملتان میں شیخ ذکریاؒ کے زمانے میں کسی زبیری اسدی خاندان کے آباد ہونے کے بیان کا بطلان"

اخیر میں "مؤلف صاحب نے" جو اپنی یہ رائے قایم کی ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" کے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے "زبیری" اسدی" خاندان کا اس زمانے میں "ملتان" میں آباد ہونا" پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا" اُن کی اس رائے زنی پر ہمیں اب پھر دوبارہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے" کیونکہ ان کے سارے بیان کا بطلان ہم نے بخوبی ثابت کر دیا ہے" اور ان کی تحقیقات کی حقیقت اچھی طرح دکھا چکے ہیں۔"

"قدیم ہندی قوم کمبوہ کے ملتان کا باشندہ ہونے کے "مؤلف امروہوی بیان کی تردید ایک کمبوہ مصنف ہی کے قلم سے"

مؤلف امروہوی کا یہ بیان بھی پایۂ تحقیق سے قطعاً خارج ہے" "پنجاب" کے قدیم خاندان کمبوہ سے" حاجی صاحب کا تعلق تھا جو "ملتان" میں آباد" اور وہیں کا باشندہ تھا۔"

"عبداللہ پاپہ تی" جو اس قوم کمبوہ کا ایک مصنف ہے اور جس نے اپنی کتاب "سفینۂ مالیری" سنہ ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۱۹ ہجری میں "مطبع صدیقی لاہور" سے چھپوائی ہے" اپنی قوم کا اصل باشندہ شہر کیراپنٹ" سے بتایا ہے" نہ کہ "ملتان" سے" نیز منشی آر نلڈ صاحب بھی اس قوم کو گجرات کا باشندہ بتاتے ہیں یہ رائیں دونوں کے بیانات ہم اس کتاب میں پہلے لکھ آئے ہیں۔ اب ہم مؤلف موصوف کی اس دھوکے میں ڈالنے والی بحث کا شافی جواب دیتے ہیں کہ بعد دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا گل افشانی فرماتے ہیں۔"

باب بست و یکم

"غالب ہے کہ خود "حاجی کمال الدین" "مخدوم شیخ علاؤ الدین" اور "صوبجات متحدہ کے" دیگر "کمبوہ خاندانوں کے مورث" بھی سب کے سب "ملتان و نواح ملتان" کے ساکن تھے "حضرت شیخ ذکریا" یا اُن کے خاندانوں کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے" اور چونکہ "حضرت شیخ" اور آپ کے بزرگ "قریشی اسدی" "حضرت زبیرؓ" کے خاندان سے تھے" اس لئے اوائل کے دستور کے مطابق "جو شخص یا جو خاندان" جس عربی قبیلہ کے بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوتا" وہ باعتبار ولا" اُسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا تھا" اور ان نومسلموں کو "اسدی" "زبیری" وغیرہ" کہا جاتا تھا" ممکن ہے کہ اسی اعتبار سے "ملتان" کے کمبوہ" جو "حضرت شیخ ذکریا" یا اُن کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر "مشرف بہ اسلام ہوئے" اپنے کو "کمبوہ زبیری" خیال کرنے لگے ہوں" اور اپنے "نسب ولا" "منقطع" ہو کر حقیقتاً زبیری

کہنے لگے۔ اور نسب نامے بنا لیے " یہ قیاس اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ " زبیری "
صرف ان ہی " کمبوہ " خاندانوں نے کہنا شروع کیا ہے " جن کے بزرگوں کا سلسلۂ بیعت و ارشاد
بالواسطہ یا بلا واسطہ " حضرت شیخ ذکریا ملتانی " تک پہنچتا ہے " یا جن کے مورث " ملتان "
سے وقتاً فوقتاً آکر۔ اِس صوبہ میں آباد ہوئے۔ جیسے اولادِ " مخدوم شیخ سماؤ الدین کنبوہ " شیخ جمالی "
" حاجی کمال الدین وغیرہ " ورنہ مندرجۂ بالا تمام واقعات پر نظر رکھتے ہوئے " کسی زبیری "
کا " کمبوہ " مشہور ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا " (صفحہ ۳۴۵، ۳۴۶)

مؤلف امروہوی کی متضاد باتیں

پہلے تو " مؤلف صاحب نے " صفحہ ۳۳۳ " پر " اعلیحٰدہ " کی یہ تحریر پیش کی تھی کہ " ان میں سے اکثر کو " سلطان محمود غزنوی "
نے " دینِ اسلام میں داخل کیا تھا " واس کا شافی جواب ہم دے چکے ہیں " لیکن برخلاف اس کے یہاں وہ اغلب ہے کی آڑ میں اپنے
قوی قیاس سے کام لیکر اب بتلا رہے ہیں کہ " حضرت شیخ ذکریا " یا اُن کے خاندانوں کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام
ہوئے " دروغ گو را حافظہ نہ باشد " اِسی کو کہتے ہیں " کسی ایک بات پر آدمی کو قایم ہونا چاہیئے " اور اچھی طرح سے تحقیق کر کے کسی امر
پر قلم اُٹھانا چاہیئے " اغلب اور قیاس " وغیرہ کے دُم چھلے لگا کر حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا " چنانچہ یہ بیان بھی اُن کا اسی طرح غلط ہے "

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا ایک بیان زبیری کنبوہ خاندان کے بارے میں

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی " نے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ " ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے " اِس
خاندان کے حضرات " خدماتِ شرعیہ پر " مامور رہے ہیں " اور اب بھی ہیں ")

سلطنت اسلامیہ کے قیام ہندوستان اور مخدوم شیخ ذکریا کے ملتان آنے کا زمانہ

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ " سلطان سبکتگین " نے شعبان ۳۸۷ ہجری مطابق ۹۹۷ء میں وفات پائی " اُن کے صاحبزاد
اور جانشین " سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ " نے ۳۹۶ ہجری مطابق ۱۰۰۵ء میں ملتان پر " دوبارہ حملہ کیا " ابوالفتح حاکم
ملتان " نے محاصرہ سے تنگ آکر " سلطان کی اطاعت اختیار کر لی " ۴۰۱ ہجری مطابق ۱۰۱۰ء میں " سلطان نے ملتان پر " پھر لشکر
کشی کی " اور وہاں کے حاکم داؤد بن نصر " کو گرفتار کر کے " غزنی " لائے " پھر اُسے عمر بھر کے لیے " غور " کے قلعہ میں نظر بند کر دیا " ۴۰۹ ہجری
مطابق ۱۰۱۸ء میں سلطان نے " قلعہ بھیم نگر " پر دھاوا کیا " اہلِ قلعہ نے پچاس ہزار دینار " اور تیس ہاتھی پیش کر کے امان حاصل کی "
غرضکہ مختلف سنین میں آپ نے سارا پنجاب " کشمیر " کی سرحد تک " کالنجر " قنوج " سندھ " متھرا " اجمیر و سومنات وغیرہ "
کو فتح کر لیا " اور ۲۲ ربیع الثانی ۴۲۱ ہجری مطابق ۲۹ اپریل ۱۰۳۰ء میں انتقال فرمایا "

اِن تمام ممالک مفتوحہ میں سے " پنجاب و سندھ " کا آپ نے اپنی سلطنت میں الحاق فرما لیا تھا۔ اور یہ علاقے انتزاع سلطنت
غزنویہ تک آپ کی اولاد کے قبضہ میں مسلسل باقی رہے "

خسرو شاہ بن بہرام شاہ غزنوی " علاؤ الدین غوری " کے خوف سے " لاہور " آ گیا تھا " اور ۵۵۵ ہجری میں
اُس نے " لاہور " ہی میں وفات پائی "

۵۷۶ ہجری میں "سلطان شہاب الدین غوری" نے "افغانستان" "پشاور" "ملتان" اور "سندھ" کو فتح کر کے لاہور پر چڑھائی کی۔ "خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی" مقابلہ کی تاب نہ لاکر" قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ "سلطان شہاب الدین غوری" "خسرو ملک" کے خورد سال بیٹے اور "لاہور" کے ایک ہاتھی کو گرفتار کر کے "غورستان" واپس گئے۔ مگر پھر ۵۸۲ ہجری مطابق ۱۱۸۶ء میں واپس آکر "لاہور" پر قابض ہو گئے۔ اور "خسرو ملک" کے بعد "خاندان غزنویہ" کا خاتمہ ہو گیا۔ ۵۸۸ ہجری ۱۱۹۲ء میں "سلطان شہاب الدین" نے "دہلی و اجمیر" کے "رائے پتھورا" کو قتل کر کے کہرام و سمانہ کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اور "قطب الدین" کو "کہرام" کا حاکم بنا کر خود "غزنی" چلے گئے۔ "سلطان" کے تشریف لے جانے کے بعد "اسی سال" "قطب الدین" نے "میرٹھ" اور "دہلی" کو سلطنت اسلامیہ میں الحاق کر لیا۔ ۵۸۹ ہجری مطابق ۱۱۹۳ء میں "قطب الدین" نے "کول" کا قلعہ تسخیر کیا اور "دہلی" کو دار الخلافت بنایا۔

۳ شعبان ۶۰۲ ہجری مطابق ۱۲۰۵ء میں "سلطان شہاب الدین غوری" شہید ہو گئے۔ آپ کی زندگی میں "گجرات" اور قریباً تمام شمالی "ہندوستان" بشمول "بنگال و آسام" سرحد "تبت" تک فتح ہو چکے تھے۔

سلطان کی شہادت کے بعد "غور" کے تخت پر ان کے بھتیجے "سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین" بیٹھے انہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی "قطب الدین" کو "ملک" سے "سلطان بنا دیا" اور آزادی کے فرمان کے ساتھ "چتر" اور بادشاہی کے لوازمات بھی ان کے لئے "ہندوستان" روانہ کئے۔ "قطب الدین" نے اس خلعت و فرمان کا "لاہور" تک استقبال کیا۔ اور اٹھارہویں ذیقعد ۶۰۲ ہجری مطابق جولائی ۱۲۰۵ء میں بمقام لاہور تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اپنی خود مختاری اور "سلطان محمود غوری" کے فرمان کا عام اعلان کر کے وہ "لاہور" سے "دہلی" واپس آ گئے۔ اوائل ۶۰۷ ہجری میں "سلطان قطب الدین ایبک" لاہور میں چوگان بازی کرتے ہوئے "گھوڑے سے گر کر وفات پا گئے"۔ ان کے جانشین ان کے صاحبزادے "آرام شاہ" ہوئے۔ لیکن ان کی نااہلیت کو دیکھ کر امراء نے "سلطان قطب الدین" کے داماد "سلطان شمس الدین التمش" حاکم "بدایوں" کو خطوط لکھ کر بلا لیا۔ "آرام شاہ" نے ان سے مقابلہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی۔ "آرام شاہ" کی مدت حکومت ایک سال سے بھی کم رہی۔

"سلطان شمس الدین التمش" نے ۶۰۷ ہجری مطابق ۱۲۱۰ء میں دہلی میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ ۶۱۴ ہجری مطابق ۱۲۱۷ء میں "سلطان التمش" اور "ناصر الدین قباچہ" (حاکم ملتان و سندھ) میں "منصورہ" کے نواح میں مقابلہ ہوا۔ اور "سلطان" کو فتح ہوئی۔ ۶۲۵ ہجری مطابق ۱۲۲۷ء میں "سلطان" کا "ملتان و سندھ" پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اور "ناصر الدین قباچہ" مر گیا۔ ۶۲۲ ہجری میں "سلطان" نے "بہار و بنگالہ" کو مطیع کیا۔ اور ۶۲۳ ہجری میں "قلعہ رنتھنبور" اور ۶۲۴ ہجری میں "مالوہ کا قلعہ مندو" فتح کیا۔ ۶۳۰ ہجری میں "قلعہ گوالیار" پر ایک سال کے محاصرہ کے بعد اپنا تسلط کر لیا تو اس قلعہ کی تسخیر کی تاریخ "ایک رباعی" میں "ملک تاج الدین تاج الملک محمود دبیری" "دبیر مملکت" نے نکالی۔ جسے "سلطان" نے پسند کر کے قلعہ کے دروازے پر کندہ کرا دیا۔ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں "دبیری" کو "ریزہ" لکھا ہے۔ اس کتاب میں یہ غلطی کاتبوں یا ناقلوں کی وجہ سے یا کیڑوں کی کثرت بیوست سے ہوئی ہے۔ دیکھو تاریخ فرشتہ اور نوٹ ترجمہ انگریزی تاریخ مبارک شاہی مترجمہ جادوناتھ ۶۳۱ ہجری میں سلطان نے مالوہ کے دیگر قلعوں کے ساتھ "قلعہ اجین" کو بھی فتح کر کے "مہاکال" کے بت خانے کو جو تین سو برس میں تیار ہوا تھا مسمار کر دیا۔ اور شعبان ۶۳۳ ہجری مطابق مئی ۱۲۳۶ء میں وفات پائی۔

"سلطان التمش" کے جانشین ان کے بیٹے "سلطان رکن الدین" ہوئے۔ اس بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت ارکان دولت نے نذریں پیش کیں۔ اور شعراء نے تہنیت میں قصائد نظم کئے۔ ان تمام قصیدوں میں "ملک تاج الدین تاج الملک محمود دبیری" کا قصیدہ بہت مشہور ہے۔ لیکن جب "سلطان" نا اہل ثابت ہوا تو امرائے حضرت میں "ملک تاج الدین تاج الملک محمود دبیری"

"ملک محمد" "بہاؤ الدین حسن" "کریم الدین" "ضیاء الملک" "خواجہ رشید" اور "امیر فخر الدین" وغیرہ تھے"
"رکن الدین" کے لشکر سے جدا ہو کر" اور "دہلی" آکر "سلطان التمش کی صاحبزادی "رضیہ سلطانہ" کو تخت نشین کر دیا" ربیع الاول
۶۳۴ہجری مطابق نومبر ۱۲۳۶ء میں "رکن الدین" اپنی بہن "رضیہ سلطانہ" سے لڑا" مگر گرفتار ہو کر قید ہوا"

کیونکہ ہم "زبیری کنبوہی" خاندان کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں۔ بلکہ صرف مؤلف صاحب کی تحقیقات اور قیاس آرائی کی حقیقت کو جانچ رہے ہیں" اس لئے یہ چند واقعات جو اس موقع پر ہم نے بقید سنین لکھے ہیں ان سے ہمارا مقصد محض اسی قدر ہے کہ ہندوستان میں "سلطنت اسلامیہ کے" قیام کے زمانے کو ٹھیک طور سے جان لیں۔ تاکہ "علامہ غلام علی آزاد بلگرامی" کی دکھائی ہوئی روشنی میں مؤلف صاحب کے بیان کی اچھی طرح پرتال کر سکیں "سلطان محمود غزنوی" سے اول کی مسلمانوں کی فتوحات میں "پنجاب و سندھ" نصف "راجپوتانہ" "مالوہ" تک شامل تھا" ان میں سے کئی حصے اگرچہ ان کے قبضہ سے نکل گئے تھے" مگر وہ "پنجاب و سندھ" کے کم و بیش حصوں پر برابر حکومت کرتے رہے"

غزنوی سلطنت جو پانچویں صدی کی ابتداء سے ۵۷۶ ہجری تک "سندھ و پنجاب" دونوں پر اور ۵۸۲ ہجری تک اکیلے پنجاب کی مالک رہی" اور اس کے دو آخری بادشاہ "لاہور" ہی میں آ رہے تھے" جن کا کوئی تعلق افغانستان وغیرہ سے باقی نہیں رہا تھا" اگر ان کے زمانے کو یہ مؤلف صاحب "ہندوستان کی" "ابتدائی عملداری مسلمانان" اپنی مصلحت سے ماننے کو تیار نہ ہوں" تو ان کی یہ حرکت اس لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ "علامہ آزاد بلگرامی" نے اپنے فقرہ میں کسی مسلم خاندان یا ہندوستان کے کسی خاص حصہ کی تخصیص نہیں کی ہے" جب بھی جس زمانہ میں بھی کسی مسلمان نے ہندوستان کے تھوڑے یا بہت حصہ پر پہلی دفعہ قبضہ جما کر حکومت کی" اس زمانہ کے سوا "ہندوستان" میں ابتدائے عملداری مسلمانان کا کوئی دوسرا زمانہ کسی طرح نہیں قرار دیا جا سکتا" پہلے سلطنت کی ابتدا ہوتی ہے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ وسیع ہوتی رہتی ہے "پنجاب" اور کچھ جمنا و ستلج کے درمیانی علاقوں نیز راجپوتانے کے تھوڑے سے حصہ کا "سلطان محمود غزنوی غازی رح" نے الحاق اپنی سلطنت میں کر لیا۔ ان کا خاندان تادم آخر کم و بیش ان علاقوں پر حکومت کرتا رہا" سلطان شہاب الدین غوری رح" نے ان علاقوں کو اور وسعت دی" "سلطان قطب الدین ایبک رح" نے ۵۸۹ ہجری میں "دہلی" کو فتح کر کے اپنا دار الخلافت بنایا۔ اور ۶۰۲ ہجری میں ہندوستان کے مفتوحہ ملک کے وہ خود مختار بادشاہ قرار پائے" آپ کے بعد بھی ملک وسیع ہوتا رہا۔ دکن کو "سلطان علاؤ الدین خلجی" نے اپنی سلطنت میں داخل کیا"

اب اگر ہم مؤلف صاحب کا دل قائم رکھنے کے لئے دہلی کے دار الخلافت بنائے جانے کے سال کو بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر "سلطان قطب الدین" کی خود مختاری کے سنہ کو "ہندوستان" کی "عملداری مسلمانان کا" ابتدائی زمانہ قرار دیدیں" اور ان کے پورے زمانہ حکومت میں بھی "شیخ بہاؤ الدین ذکریا" کو "ہندوستان و سندھ و افغانستان" میں تلاش کریں۔ تو ان کو وہاں ہرگز موجود نہیں پا سکتے" یہ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ "شیخ ذکریا" "قلعہ کوٹ کروڑ" سے "بارہ برس کی عمر میں ۵۹۰ ہجری میں "بخارا" گئے۔ اور پھر وہاں سے عرب میں چلے گئے" "وہ ۶۱۴ ہجری میں جب واپس آکر "ملتان" میں مقیم ہوئے" اس وقت "سلطان شمس الدین التمش" دہلی کے تیسرے بادشاہ کو سلطنت کرتے ہوئے سات برس ہو چکے تھے" ان حالات کے اچھی طرح معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہندوستان میں "ابتدائے عملداری مسلمانان" کے زمانہ میں "حضرت شیخ ذکریا" کا وجود ہی نہ تھا" اور انہوں نے "ہندوستان کی اس سلطنت میں جس کا دار الخلافہ دہلی تھا" تیسرے بادشاہ کے زمانے میں "تبلیغ و اشاعت اسلام شروع کی تھی" تو اب ہم مؤلف صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ منقولہ علامہ آزاد بلگرامی" کے بیان سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ "ہندوستان" میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے "اس خاندان کے حضرات "خدمات شرعیہ پر" مامور رہے ہیں اور اب بھی ہیں" تو غلط ہے" یا انہوں کا یہ لکھنا کہ یہ خاندان زیر بحث کے مورث "شیخ ذکریا" یا ان کے خاندان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے" کہاں تک پایہ ثبوت کو پہنچا ہے" اور ان کی تحقیقات میں حقیقت کس قدر ہے"

مؤلف امروہوی کے لفظ کنبوی کو معرضِ خفا میں رکھکر اور کنبو و کمبو لکھکر التباس ڈالنے کے مقصد کا تجزیہ

اب یہ بات نظروں میں رکھنی ضروری ہے کہ "مؤلف امروہوی" نے اِن کتابوں میں سے جن میں لفظ کنبو بھی "زبیری بزرگوں کے ناموں کے سامنے کہیں کہیں کاتبوں اور ناقلوں کی غلطیوں سے لکھ گیا ہے" اِس لفظ کو بڑے چاؤ اور شوق سے اُچک لیا ہے لیکن اُنہیں کتابوں میں جو متعدد جگہوں پر "کنبوی" بوزن امروہوی لکھا پایا ہے" اِس لفظ کنبوی "کو اپنے مطلب و مقصد کے منافی جان کر "کسی نہج بھی کسی جگہ بھی اپنی کتاب میں روشنی میں لانا پسند نہیں کیا ہے" اِس لفظ کنبوی "کو پوشیدہ رکھنے میں اُن کی احتیاط اِس درجہ رہی ہے کہ "حالانکہ "المشاہیر" ہی کے جس کے نوشتہ پر وہ تنقید کر رہے ہیں۔ صفحہ ۱۸ پر "شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی" کی "دربار اکبری" کا یہ جملہ نقل ہے کہ "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "شیخ جمالی" سکندر لودی" کے عہد میں "شعراء باکمال میں شمار ہوتے تھے" اور "شیخ جمالی" دہلوی "کنبوی" کہلاتے تھے" انہوں نے "لفظ کنبوی" کو ان بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کسی ایک موقع پر بھی لکھا ہوا نہیں دکھایا ہے" ہر جگہ صرف "کنبو" ہی لکھا ہے" اور اُسی پر اپنی بحث کی بنیاد قایم کرکے اپنی غرض کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور طرح طرح سے زور لگایا ہے" لیکن جب اِس لفظ "کنبو" سے بھی کام چلتا نہ دیکھا تو اب انہوں نے اپنی بحث کے آخری حصّہ میں "کنبو کے نون کو میم سے بدل کر "کمبو" (کمبو)" لکھنا شروع کر دیا" حالانکہ کسی کتاب میں کسی "زبیری" بزرگ کے نام کے سامنے "کمبو" لکھا ہوا کسی ایک جگہ بھی موجود نہیں ہے" اور سب سے بڑا ثبوت ہمارے اِس دعوے کا یہ ہے کہ "مؤلف صاحب" جیسے نقاد" تک کسی بزرگ کے نام کے سامنے سوائے "کنبو" کے "کمبو" لکھا ہوا نہیں دکھا سکے" اُنہیں اپنے جوش میں اس سے مطلق کوئی غرض نہیں رہی کہ "کتابوں میں کیا لکھا ہے اور خود انہوں نے کیا ظاہر کیا ہے" وہ تو صرف اُسی بات کو لیتے ہیں جس سے اُن کے مقصد کے پورا ہونے میں کچھ مدد کی اُمید ہوتی ہے" اگر وہ کہیں کوئی بات اپنی ضرورت کی نہیں پاتے تو اُنہیں اُس کے ایجاد کر لینے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا" چنانچہ ان کا اس لفظ "کمبو" کو "زبیری" بزرگوں کے لئے لکھنا اِسی قبیل سے ہے" جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے" مؤلف صاحب کا "زبیری کنبوی" خاندان کو "ہندوستان" کی قدیم "قوم کمبوہ" سے بتانا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی "الہ آباد" کے مشہور برہمن خاندان نہرو" اور "راجپوت خاندان نہرا" نیز اورنگ آباد دکن کے سید خاندان نہری" اور ترکی و عربی و عجمی خاندانوں "ماورالنہری" اور "نہروانی" سب کو ایک ہی قوم سے بتانے لگے" یا تبت کی قوم کمبوج" اور نیپال کی قوم کمبو" اور سیدوں کے مشہور خاندان کموں" اور شیخ خاندان کمبی" اور راجپوتانہ کے کمبانی" اور کوہستانی خاندانوں اور یوروپ کی قوم کمبرین" اور دکن کی قوم کمبوار کو ہم نسل بتائے" یا "بھٹی" "بھٹہ" "بھٹائی" "بھٹاچارجی" "بھٹیری" "بھوٹانی" اور افغانی قوم بھٹانی" اور بھٹانی قوموں یا خاندانوں کو ایک نسل سے ہونا سمجھانے لگے" یا محمد سوری بادشاہ غور" اور شیر شاہ سوری" نیز رام لال سوری "ایک قوم سے باور کرائے" یا ترکی قبیلہ شیبانی" اور "عربی قبیلہ شیبانی" کو ایک نسل بتائے"

واقعاتِ تاریخی اور علامہ آزاد بلگرامیؒ صاحب شجرہ سہروردیہ کے بیانات کی روشنی میں مؤلف امروہوی کے دلائل کے ڈھکوسلے یا گورکھ دھندے کی شکست

"شیخ ذکریاؒ" یا اُن کے خاندان کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر اگر کسی شخص یا خاندان نے اِسلام کا شرف حاصل کیا ہوتا تو اس نومسلم شخص یا خاندان کو تعلیم و تربیت اور ایسی اہلیت و قابلیت پیدا کرنے میں کہ وہ "علم و فضل" اور خدمات شرعیہ کی انجام دہی میں خود "شیخ ذکریاؒ" کے

خاندان سے بھی شرف لے گیا" ظاہر ہے کہ کئی پشتوں تک یہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی تھی"

اگر ہم سلطان محمود غزنوی کے الحاق صوبجات ہندوستان" کو مؤلف صاحب کی خاطر سے" ابتدائے عملداری مسلمانان در ہندوستان" نہ بھی قرار دیں" اور "خسرو شاہ بن بہرام شاہ" اور "خسرو ملک بن خسرو شاہ" کی حکومتوں کو بھی جن کا دارالسلطنت لاہور تھا" ہندوستان" میں مسلمانوں کی عملداری" نہ سمجھیں" اور "سلطان قطب الدین ایبک" کے دہلی کو دارالخلافہ بنانے کے زمانہ کو ہندوستان" میں مسلمانوں کی عملداری کی ابتداء" مان لیں تب بھی علامہ آزاد بلگرامی کی دکھلائی ہوئی روشنی سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ زبیری کنبوی خاندان حضرت مخدوم ذکریا" سے بہت پہلے سے اپنے علم و فضل کی وجہ سے سلطنت اسلامیہ ہند کے اہالیان حل و عقد میں خاص پوزیشن کا حامل تھا" اور جب یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ خود شیخ ذکریا" ہی دہلی کے تیسرے بادشاہ کے زمانے میں ملتان تشریف لائے تھے" تو ظاہر ہے کہ ان کے یا ان کے خاندان کے کسی بزرگ کے مرید و شاگرد ابتدائے عملداری مسلمانان میں" زبیری کنبوی خاندان کی سی نہ تو اہلیت و قابلیت حاصل کر سکتے تھے اور نہ ان کا کسی اعلیٰ خدمت پر اس وقت مامور ہو جانا ممکن تھا"

جب علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری نے بتایا ہے کہ "ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے" اس خاندان (زبیری کنبوی) کے حضرات" خدمات شرعیہ" پر مامور رہے ہیں اور اب بھی ہیں" اور صاحب شجرۂ سہروردیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

اِیں خاندان عالی شان (زبیری کنبوی) از عنایت کرم" در ہمہ اوان" و از بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند"

یہ خاندان عالی شان (زبیری کنبوی) تمام زمانوں میں ہر طرح کی رعایت اور اصناف تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہتا چلا آیا ہے"

تو مؤلف موصوف کا یہ لکھنا کہ "زیادہ غالب ہے کہ حاجی کمال الدین" مخدوم شیخ سماؤ الدین" اور صوبجات متحدہ" کے دیگر کنبو خاندانوں کے مورث جو سب کے سب "ملتان و نواح ملتان" کے ساکن تھے" حضرت شیخ ذکریا" یا ان کے خاندان کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے" اور "بہ اعتبار ولاء" ان کے خاندان سے منسوب ہوئے اور اپنے آپ کو زبیری کہنے لگے" اور نسب نامے بنائے، کس قدر کھلا ہوا جھوٹ ہے" بلا کسی سند کے "اغلباً" کی بیچ" اور قیاس کے روڑے لگانے سے کوئی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی"

اگر یہ خاندان "بہ اعتبار ولاء" حضرت شیخ ذکریا" کے نسب سے منسوب ہوا ہوتا۔ یا خود کو ان سے منسوب کرتا تو اسدی کہلاتا" اور اپنے آپ کو "اسدی" ہی کہتا" کیونکہ "حضرت شیخ" اسدی تھے" زبیری" نہیں تھے۔ ایک "اسدی" خاندان کے "بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو کر کسی شخص یا خاندان کا اپنے آپ کو "زبیری" "تیمی" یا فاروقی" وغیرہ کہنے لگنا ایسا ہی ہے جیسے کہ "وہ مشرف بہ اسلام تو ہوا ہو" حضرت علی رض" کے ہاتھ پر۔ اور "نسبت ولاء" قائم کرے "حضرت عباس رض" سے لیعنی بجائے "علوی" کے اپنے آپ کو "عباسی" کہنے لگے" ہاشم" اور "اسد" سگے چچا زاد بھائی تھے" ہاشم کی نسل میں بہت سے قبیلے "عباسی" جعفری" عقیلی" علوی" وغیرہ وغیرہ اور "حسنی" حسینی" نقوی" رضوی" موسوی" وغیرہ وغیرہ ہیں" اسد" کی نسل میں "تمیمی" ہباری" اور "زبیری" وغیرہ قبائل اور زبیریوں کی شاخیں "بنی غنی" "بنو حلان" بنو رمضان" بنو بہرت" بنو مصلح" کنبوی" اور "قرق" وغیرہ قبائل ہیں۔ اور ان میں سے ہر قبیلہ اپنے اپنے نام سے الگ الگ موسوم ہے" حالانکہ یہ سارے قبائل ایک خاندان سے ہیں" مگر اپنے ناموں کے سوا کوئی ایک دوسرے کا نام نہیں اختیار کرتا" حضرت شیخ ذکریا" حضرت ہبار رض" کی نسل میں تھے" اور "حضرت زبیر رض" کی نسل میں نہیں تھے" اس لئے وہ اپنے آپ کو "ہباری" بھی کہہ سکتے" اور "اسدی" بھی کہہ سکتے تھے" مگر "زبیری" کسی طرح بھی نہیں کہہ سکتے تھے ...

اندان "ہتیاری" کے نام سے بھی نہیں مشہور ہوا" صرف "اسدی" کہلایا۔ اور کہا جاتا ہے "حضرت زبیر رضؓ" کی اولاد" نے آپ کو "اسدی" بھی کہہ سکتی ہے" لیکن اس پر بھی جب اُس نے "حضرت شیخ ذکریاؒ" کے خاندان کا نسبی لقب "اسدی" نہیں اختیار کیا" اور اپنے آپ کو "زبیری" بتایا" تو اب ہم مؤلف صاحب ہی سے پوچھتے ہیں" کہ انہوں نے جو "نسبت ولا" کا ڈھکوسلا نکال کر" اپنی کتاب کے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش فرمائی ہے۔ وہ کہاں تک درست اور مناسب ہے" اور اس کی کس قدر قیمت ہے"

اب جبکہ ہم نے مؤلف صاحب کے اس "ولا" کے گورکھ دھندے کو بھی توڑ پھوڑ دیا ہے اور اُن کے سارے بیان کا بطلان کر دیا ہے۔ تو وہ عمارت جو انہوں نے بلا کسی سند کے بنائی کیئے ہوئے "صرف اغلباً کی پچروں اور قیاس کے روڑوں سے تیار کی تھی اب اُس کا کیونکہ کوئی وجود باقی نہیں رہا ہے۔

باب بست و دوئم

"ملتان اور نواح ملتان" جہاں سے صوبۂ ہذا کے "(صوبہ متحدہ کے) مسلمان کنبوہوں" کے مُورِثوں" اور خاندان کا نکاس" بیان کیا جاتا ہے" اب تک ہندو اور مسلمان "کمبوہ" آباد ہیں۔ ان میں سے بعض اشخاص "عہد سلاطین چغتائیہ" میں سرکاری عہدوں پر ممتاز تھے۔ حالات کتاب ملتان "مؤلفہ سید یوسف شاہ" میں تحریر ہے"

"واضح باشد۔ کہ از اقوام معتبرہ "سکنہ قدیم" قوم کنبوہ" بود۔ کہ در عمل "سلاطین چغتائیہ" بعضے از آنہا "بعہدہ قانون گوئی" پرگنہ بلدہ" و برخے بدیگر عہدہ ہائے منصوب شدہ" آمدہ بودند" حالانکہ اشخاص قلیل آنہا باقی ماندہ۔ کہ بعضے از آنہا درین جا" بعضے "بحسب قسمت آنجوز" بیروں رفتہ" چوں آں قوم معتبر بود" ساکنان دیگر اقوام خود را با آنہا منسوب ساختہ "کنبو" می گویند" (۳۴۶)

ترجمہ "جاننا چاہئے کہ" قدیم سکونت رکھنے والی "معتبر قوموں میں سے "قوم کنبوہ" تھی "شاہانِ چغتائیہ (مغلیہ) کی حکومت کے زمانہ میں" بعضے وہاں سے "عہدہ قانونگوئی پرگنہ بلدہ" اور علاوہ اس کے دوسرے عہدوں پر مقرر ہو کر آتے رہے۔ اُن میں سے جو تھوڑے اشخاص باقی رہے۔ اُن میں سے بھی اکثر اس جگہ سے آب و دانہ کی کشش سے باہر چلے گئے" کیونکہ یہ قوم معتبر تھی۔ اس لئے وہاں کی (ملتان کی) رہنے والی دوسری قومیں اپنے آپ کو اُن سے منسوب کر کے "کنبو" کہنے لگی ہیں"

غالباً اس بیان کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ "امروہہ" اور دیگر مقامات کے "مسلمان کنبوہ خاندان" ان ہی اشخاص کی اولاد سے ہیں جو "ملتان" سے "بحسب قسمت آنجور" دیگر مقامات کو منتقل ہوئے" (۳۴۶، ۳۴۷)

سید یوسف شاہ کی کتاب حالات ملتان سے زبیری کنبوہی خاندان کی حیثیت دکھانے سے مؤلف اشرف ہوی کا مقصد اور اس کی حقیقت

اقتباسات سے اس بیان میں بھی "مؤلف صاحب نے بجائے "کنبوہ" کے ہر ایک جگہ "کمبوہ" لکھا ہے" خاندان زیر بحث

کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے "قدیم وجدید کتابوں میں "کنبوی" لکھا ہے" اور کہیں کسی کتاب میں کسی جگہ "کنبوی" کی "ی" کی شکل بگاڑ کر "کنبوہ" اور کہیں "ی" متروک ہو کر "کنبو" بھی لکھ گیا ہے "کمبوہ یا کمبو" یعنی بجائے نون کے میم سے یہ لفظ اِن بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ناموں کے آگے کسی موقع پر تحریر نہیں ملے گا" جیسا کہ مؤلف صاحب کے پیش کئے ہوئے تمام پچھلے اقتباسات اور "سید یوسف شاہ کے اِس اقتباس سے بھی ظاہر ہے" مؤلف صاحب نے لفظ "کنبوی" کو تو اپنے مقصد کو خاک میں ملانے والا سمجھ کر بالکل ہی چھپا ڈالا" اور اپنے پیش کردہ کسی اقتباس میں اُسے دکھانا گوارا نہیں کیا" مگر اپنی بحث کے اخیر حصوں میں جو اُنہوں نے اپنی رائے زنی کے موقعوں پر "لفظ کنبو" کو "کمبو" کی شکل میں لکھنا شروع کیا ہے" اُسے "اِملا" کی غلطی نہ سمجھنا چاہئے بلکہ اِس تبدیل اِملا میں اُن کی جو غرض پنہاں ہے" وہ وہاں ظاہر ہوگی" جہاں مؤلف صاحب اپنی تنقید و تحقیق کے خاتمہ پر "اِسی لفظ کمبو" کے تریاق سے" اپنے اُس جوش کو جو اُن کے دل میں "زبیری کنبوی" خاندان کی طرف سے موجزن ہے" اور جو شروع بحث سے اُبلتا آرہا ہے" تسکین دیں گے"

سید یوسف شاہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ" وہ کوئی قدیم شخص نہیں ہیں" اُن کی کتاب مغلیہ سلطنت کے بھی بعد قریبی زمانے میں" ایسے وقت لکھی گئی ہے" جبکہ مدتوں پہلے" سوائے چند کے "کنبوی" حضرات کی اکثریت ملتان کی سکونت چھوڑ کر باہر جا چکی تھی" انہوں نے جو سُنا اور دیکھا اُسے نیک نیتی سے لکھ دیا ہے" مگر تحقیقات تاریخی سے کوئی غرض نہیں رکھی ہے" اُن کو یہ بات بالکل معلوم نہیں ہے کہ "ہندوستان میں "ابتدائے علمداری مسلمانان سے" یہ خاندان" سلطنت ہائے اسلامیہ کا دست و بازو رہا ہے" اور "دہلی" کے خانوادہ ہائے "ترک" و "خلجی" "تغلق و سیّد" اور "لودیوں" نیز "سُوریوں" کے زمانوں میں بھی اِس خاندان کے بزرگ "وزارت و وکالت" گورنری اور سپہ سالاری" و "شیخ الاسلامی" نیز "مفتی" و "قاضی" اور "چودھرات و قانون گوئی" وغیرہ وغیرہ عہدوں پر مقرر رہے۔ اور دہلی و "سنبھل" و "میرٹھ" "مارہرہ" و "بدایوں" نیز "جیور" و "آگرہ" وغیرہ میں آکر مقیم تھے" دہلی میں قدامت اِقامت اِس خاندان زبیری کنبوی کی مشہور ہے"

"مخدوم شیخ اسحٰقؒ" "مخدوم شیخ سماؤالدینؒ" اور "مخدوم شیخ جمالیؒ" جن کے نام اِس بحث میں مؤلف صاحب نے کئی جگہوں پر دُہرائے ہیں" یہ بزرگ بھی "لودیوں" کے ابتدائی زمانے میں ہی "مُلتان" کو چھوڑ کر "دہلی" تشریف لا چکے تھے" علاوہ اِن بزرگوں کے حالات کے اُن بہت بزرگوں نے بھی جو متذکرہ بالا عہدوں پر ممتاز تھے" اور اس سے بھی کہ کون بزرگ کس زمانے میں آکر کس شہر میں مقیم ہوئے" مؤلف صاحب امروہوی خود بھی واقف ہیں" اِس لئے اُن کے حالات یہاں لکھنا غیر ضروری ہیں کیونکہ ہم اِس خاندان کی یہاں تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں" اگر "سید یوسف شاہ" کا یہ مطلب ہے کہ "زمانہ سلطنت مغلیہ میں اِس قوم یا خاندان کے اُن قلیل اشخاص میں سے بھی جو "ملتان میں" باقی رہ گئے تھے کچھ اور افراد باہر چلے گئے تب تو اُن کا لکھنا ٹھیک اور درست ہے" لیکن اگر وہ اِس خاندان کے بزرگوں کے مختلف عہدوں پر مقرر ہو کر باہر چلے جانے کو "صرف مغلیہ سلطنت کے زمانہ ہی سے مخصوص سمجھ رہے ہیں تو اس کی مؤلف امروہوی بھی تصدیق کریں گے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے" کیونکہ کتابوں میں کہیں کہیں "لفظ کنبوی" کو جیسا کہ ہم اُوپر بتا چکے ہیں "کنبوہ یا کنبو بھی لکھا گیا ہے" اور امتداد زمانہ سے یہ دونوں لفظ جو بغلط عام شہرت پکڑ کر خاندان حضرت زبیرؓ کے ساتھ بولے جانے لگے تھے" اِس لئے "سید یوسف شاہ" نے بھی اِس خاندان کو اُسی لقب سے رُوشناس کرایا ہے جو اُن کے زمانے میں بولا جانے لگا تھا" قوم یا خاندان میں کوئی فرق نہیں ہے" جس طرح "قوم قریش لکھتے ہیں" خاندان قریش" بھی لکھتے ہیں" اِن دونوں سے ایک ہی مفہوم لیا جاتا ہے" سید یوسف شاہ" نے اِس خاندان کے نسب کے متعلق کھول کر کچھ نہیں لکھا لیکن اس کی تعریف جن الفاظ میں کی ہے" اُس سے زیادہ مؤثر طریقہ خاندان زبیری کنبوی کے علوئے شان و مرتبت اور عالی نسبی کے اظہار کا دوسرا ہونا ممکن نہیں ہے" وہ لکھتے ہیں کہ "یہ قوم ایسی معتبر تھی کہ اُس کے چلے جانے کے بعد" دوسرے خاندانوں نے اُس کا لقب" بطور فخر کے اختیار کر لیا ہے") کوئی قوم کسی دوسری قوم سے خواہ وہ کیسی ہی "صاحب علم و اتقا" اور صاحب جاہ و منزلت" یا صاحب سلطنت و حکومت" کیوں نہ ہو" اپنے آپ کو

منسوب نہیں کیا کرتی" یہ قوم جس کا حال "سید یوسف شاہ" نے لکھا" اور مؤلف صاحب نے اُسے پیش کیا ہے" اگر عالی نسبت" یعنی "زبیری کنبوی" نہ تھی" تو اِس چیستاں کے حل کرنے کے لئے" ہم مؤلف صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں" کہ کم ظرکیا وجہ درپیش ہوگئی تھی" جو دوسری قوموں نے" اِس خاندان کا لقب" اختیار کر لیا۔ اور اُسے اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا"

مؤلف صاحب نے جو سید یوسف شاہ کی کتاب سے اقتباس پیش کیا ہے" اُس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ لفظ کنبوہ" لکھا ہوا دکھائیں" مگر اس لفظ کو دیکھ کر وہ ایسے مبہوت ہو گئے کہ ہوش و خرد کو جواب دے بیٹھے اور اپنے جوش میں یہ نہ سمجھ سکے کہ سید یوسف شاہ کے اِس بیان سے اِس زبیری کنبوی خاندان کے علوئے نسب اور حسب کا ایک جید ثبوت اور سامنے آگیا ہے" جس کے لئے بیساختہ ہمیں کہنا پڑا کہ ع " عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد "

باب بست و سوئم[۲۳]

"ملتان میں اب بھی مسلمان "کمبوؤں" کے خاندان آباد ہیں" ملک کرم ایزد" بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی" اُن میں ہیں" یہ لوگ اپنے کو" ہندی الاصل" سمجھتے ہیں۔ اور" زبیریت کی" کوئی روایت اُن میں موجود نہیں ہے" اور" ہندو کمبوہ" بھی" ملتان" اور اُس کے نواح میں موجود ہیں"

(ب) " ہندو کنبو" بھی" سلاطین ہند" کے عہد میں" مناصب جلیلہ پر فائز تھے" مثلاً" راجہ روشن رائے کنبوہ" جو راۓ رایان کے" خطاب سے مخاطب" اور" نواب وزیر اعظم" قمر الدین خاں کے" وزیر تن تھے" (سعادت السادت صفحہ ۵۴)

(ج) ملتان کا" ایک ذی علم ہندو" جو مشہور کتاب انشا کا مصنف ہے۔ دیباچہ میں اپنی قومیت کا اظہار اِن الفاظ میں کرتا ہے"

" فقیر حقیر ہیچمدان۔ اضعف عباد" ہرکرن ولد متھرا داس" کنبو" ملتانی" روزے در دار النجاۃ" بلدہ متھرا" صحبت یاران نشستہ بود" (صفحہ ۳۲۷)

بلا کسی سند کے ایک غیر معروف شخص کا نام پیش کر کے۔ مؤلف مرحوم کی اپنی کاربرآری کی کوشش

فقرہ الف میں" مؤلف صاحب نے جن خاندانوں کا ذکر کیا ہے" اور انہیں خود ہی "کمبوہ" بتایا ہے" "کنبوی یا کنبوہ" نہیں لکھا ہے" تو ہمیں اِس بات کی کہ وہ اپنے آپ کو کس نسل سے منسوب کرتے ہیں بحث میں پڑنے کی مطلق کوئی ضرورت نہیں ہے" مگر اُن کے بیان میں یہ بات غور طلب ہے کہ "ملتان اور نواح ملتان میں" اِن کمبو خاندانوں کے آباد ہونے کی انہوں نے جو کوئی ایک سند بھی پیش نہیں کی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے" محض ایک غیر معروف شخص کا نام لکھ دینے سے یہ بات کس طرح پایۂ یقین کو پہنچ سکتی ہے کہ" یہ خاندان اُن مقامات پر ضرور آباد ہیں" جن کے متعلق" مؤلف صاحب نے اپنے جریدہ بیان کے سوائے" کوئی بھی حوالہ کسی قسم کا پیش نہیں کیا ہے" اور اگر کنبوی حضرات کے علاوہ کمبو بھی ملتان میں آباد ہیں تو اس میں کون سے تعجب کی بات ہے۔ عباسی تو عرب سے یُوپی وغیرہ میں آن کر آباد ہو سکے ہیں۔ اِس لئے پنجاب کے کچھ کمبوؤں کا ملتان میں آباد ہو جانا کنبوی لوگوں پر کیونکر اثر انداز ہو سکتا ہے"

قریشی کنبوہ خاندانوں کے ملتان اور نواح ملتان میں اب تک سکونت پذیر ہونے کی شہادت ایک سیاح کی یادداشت سفر ملتان سے

"منشی سید احمد صاحب مرحوم و مغفور" "ہیڈ ماسٹر شیعہ ہائی اسکول آگرہ" اور "مصنف" "مرقع اکبر آباد" "بوستان خیر" "آثارِ اکبری" "آثارِ خیر" "حیاتِ خسرو" "حیاتِ صالح" اور "ریاضِ محمدیہ" وغیرہ نے ہمارے چھوٹے بھائی "میاں امداد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ" "بی۔اے علیگ و ڈپ ایڈ عثمانیہ" کے پاس "اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۵ راکتوبر ۱۹۳۵ء کے ساتھ" "منشی احمد الدین صاحب ایم۔اے" "ایل۔ٹی" "پروفیسر تاریخ کی" "یادداشت سفر ملتان" "قلمی روانہ فرمائی تھی اور وہ اب۔ ہمارے پاس موجود ہے۔"

اس کے صـ۷ پر تحریر ہے کہ "ایک سوداگر صاحب سے جو چمڑے کی تجارت کرتے ہیں۔ دریافت کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ کنبوہ "تحصیل خانوال" میں آباد ہیں اور زراعت پیشہ لوگ ہیں" "ایک نائب تحصیلدار" البتہ یہاں ہیں۔ مگر وہ کچہری گئے ہوں گے۔"

اور صـ۸ پر ہے کہ "ایک کنبوہ ملے" "جو کاشتکاری کرتے ہیں" "جوان العمر آدمی تھے" "مگر سوائے اس کے وہ اور کچھ نہ بتاسکے کہ "ہمارے باپ دادا" "اپنے آپ کو "شیخ قریشی" لکھتے تھے۔ وہ ہی ہم لکھتے ہیں" اور وہ "کنبوہ" کو "نون" ہی سے لکھتے ہیں" "ہندو کنبوہ" یہاں نہیں ہیں۔"

اور صـ۹ پر لکھا ہے کہ "صبح لائبریری میں جاکر "ملتان" کا "ڈسٹرکٹ گزیٹیر" دیکھا۔ اس میں سوائے اس کے کہ "قوم کنبوہ" کی اس قدر آبادی ہے" اور کچھ ذکر اُن کا تحریر نہیں ہے" "جغرافیہ دیکھا" اس میں بھی کچھ پتہ نہ چلا" لائبریرین نے ایک ضخیم اور بڑی تقطیع کی کتاب، جس کے آٹھ سو چھتیس صفحات تھے۔ پیش کی" یہ کتاب "منشی حکم چند" نے ۱۸۸۰ء کے قریب لکھی تھی۔ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا۔ اس میں اُن تمام قوموں کے شجرے جو یہاں آباد ہیں اپنے وقت کے دیئے ہیں۔ مگر "کنبوہ قوم" کا کہیں ذکر نہیں۔"

"شیخ قریشیوں" کے متعلق لکھا ہے کہ "حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا" اور "حضرت رکن الدین" کی اولاد میں سے ہیں" (سب جانتے ہیں کہ "حضرت رکن الدین رکن العالم" "جو "حضرت بہاؤ الدین ذکریا" کے پوتے اور اپنے والد بزرگوار "حضرت صدر الدین" کے جانشین تھے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی" اس لئے اُن کی وفات کے بعد اُن کے جانشین اُن کے بھتیجے ہوئے تھے)

اِس بیان سے حکم چند کی واقفیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔"

اور صـ۱۰ پر ہے کہ "ہیڈ ماسٹر صاحب کے ذریعہ سے "اُن بچوں کے باپوں سے ملا جو "کنبوہ" تھے۔ انہوں نے یہ کہا کہ ہم "شیخ قریشی ہیں" "کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یہ ہی تھے۔"

پھر "امیر دین صاحب" سے ملا جو "تحصیلدار نہیں" بلکہ "قانون گوؤں" کے انچارج ہیں" انہوں نے اپنے آپ کو "شیخ قریشی" ہی بتایا" اور پردادا تک جو نام یاد تھے وہ گنائے۔ تمام نام دین پر ہی ختم ہوتے تھے" اور بقیہ جتنے "کنبوہ" اُن کی نظروں میں تھے۔ سب کے نام "دین پر تھے۔"

اور صـ۱۱ پر ہے کہ "ایک بھاٹ سے ملنا ہوا۔ جس کو تمام شجرے یاد ہیں۔ (اور اس کو سرکار سے "رائے بہادر" کا خطاب ملا ہے" اُس نے کہا کہ "ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ (کنبوہ) شیخ قریشی" ہیں" اب آگے آپ جیسا کہیں ہم ان کا شجرہ بناکر تیار بنا دیں" میں نے کہا۔ ہم اس قسم کی روایات نہیں چاہتے۔"

اور صـ۱۲ و ۱۳ پر ہے کہ "شیخ بہاؤ الدین ذکریا" کے سجادہ نشین "مرید حسین صاحب" سے ملا۔ مگر صرف چند منٹ کے واسطے" وہ آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ اور مقدمات کے واسطے لوگ صبح ہی سے آگئے تھے" انہوں نے "کنبوہ" کی وجہ تسمیہ سے لاعلمی ظاہر کی" میں

اُن کے پاس سے واپس چلا آیا۔"

اور صفحہ ۱۶ پر ہے کہ "لاہور" کی لائبریری میں "عبد الطیف صاحب" کی "تاریخ ملتان" ہے "چھوٹی سی کتاب ہے۔ اور خوب لکھی ہے۔ مگر "کنبوہوں" کا اس میں کہیں تذکرہ نہ تھا۔"

اور صفحہ ۲ پر "منشی احمد الدین صاحب" کے بیان میں جن "شیخ امیر دین صاحب کنبوہ" کا ذکر آیا ہے "اور جو پہلے نائب تحصیلدار" اور پھر صدر قانون گو ہوئے "انٹرنس پاس ہیں اور اُن کے چچا "تاج دین صاحب" تاجر چرم ہیں۔ وہ ملتان" کے قریب "موضع کہروڑ پکا" کے رہنے والے ہیں۔ جہاں اب تک "قریشی النسل کنبوہوں" کی مختصر آبادی موجود ہے۔ جو پنجاب کے نو مسلم کنبوہوں سے "بالکل جداگانہ ہستی رکھتے ہیں" اور اپنے آپ کو "شیخ قریشی" کہتے اور "کاغذات سرکاری میں بھی "شیخ قریشی" لکھے جاتے ہیں "زراعت کا پیشہ کرتے ہیں "علم اُن میں باقی نہیں رہا" صرف چند آدمی اُن میں تعلیم یافتہ ہیں جن میں ایک "شیخ امیر دین صاحب" بھی ہیں "خاص ملتان" میں بھی "قریشی النسل کنبوہ" موجود ہیں۔

ہمارے پیش کردہ اقتباسات کی روشنی سے کیونکہ مؤلف صاحب کے بیان کردہ فقرہ الف کی حقیقت بخوبی معلوم ہو گئی ہے" اس لئے اُس پر اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔"

"روشن رائے کی حقیقت اور اُس کے پیش کرنے سے مؤلف امروہوی کا مقصد"

مؤلف صاحب کے فقرہ "ب" کے بارے میں دھوکے سے بچانے کے لئے ہمیں یہ بتا دینا ضروری ہو گیا ہے کہ "شہر کنباہ" کے تعلق رکھنے والے "کنبوی" (بروزن امروہوی و لکھنوی) یا "کنبوہ" خاندانوں میں سے سوائے "زبیری کنبوی" خاندان کے کوئی بھی دوسرا خاندان "علم و فضل" "ورع و تقویٰ" "قدر و منزلت" "جاہ و ثروت" اور "مناصب حکومت وغیرہ کا حامل نہیں رہا ہے"

اگر اس خاندان کے "اُمراء یا "وزیروں" "گورنروں" "سپہ سالاروں" "کمانڈروں" "بادشاہ گروں" "قائدوں" "شیخ الاسلاموں" "قاضیوں" "مفتیوں" "میر منشیوں" اور دیگر مناصب عظمیٰ رکھنے والوں "جاگیرداروں" نیز "مشائخ طریقت" "علماء" "فضلاء" "شعراء" "حکماء" اور "مصنفین" وغیرہ کے صرف ناموں ہی کی فہرست دی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی" جیسا کہ ابتداء سے یہ خاندان اِن متذکرہ صفات سے متصف رہا ہے۔ آج بھی اپنی اُسی حیثیت کو قایم رکھے ہوئے ہے" مؤلف صاحب نے خود بھی اپنی اِسی بحث میں ہمارے متذکرہ بیان کی تائید کی ہے" کیونکہ انہیں کوئی موقع اس سے انکار کا کسی صورت میں بھی نہیں مل سکا" اِس لئے وہ اِس خاندان کے علوئے مرتبت و شان اور علم و فضل پر "کچھ نہ کچھ روشنی ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اپنے اُس مقصد کو پیش نظر رکھ کر بھی جسے "لفظ کنبوہ" سے انہوں نے حاصل کرنا چاہا ہے" اور اس قدر جانفشانی کی ہے" انہیں اس خاندان کی یہ حیثیت بتانی پڑی ہے۔" جس طرح مؤلف صاحب نے جگہ جگہ اور بار بار لفظ کنبوہ کی تکرار کی ہے" یعنی جہاں بھی یہ لفظ انہیں ملا ہے اُسے انہوں نے چھوڑا نہیں ہے بلکہ نہایت چستی کے ساتھ پیش کر کے اُس پر رائے زنی کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہاں بھی صرف ایک ہندو کے نام کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہوا دکھلا کر اپنی اُسی جانی بوجھی غرض کو حاصل کرنا چاہا ہے کہ کیسے بھی ہو "اس خاندان کا "ہندی النسل ہونا" اُن کے ناظرین کے ذہن نشین ضرور ہو جائے" مزید منشا اُن کا "راجہ روشن رائے" کو دکھلانے سے یہ بھی ہے کہ "وہ اس بات کو ذہن نشین کر دیں کہ "شاہان پیشین نے" خاندان رہبر بحث زبیری کنبوی" کی اُس کی عالی نسبی اور علم و فضل کی وجہ سے قدر و منزلت نہیں کی تھی" اور اُسے ہی مناصب نہیں دیئے تھے بلکہ "ہندو کنبوہ" بھی ان مناصب اعلیٰ پر سرفراز تھے" تاکہ اِس لفظ "کنبوہ" کے اشتراک سے اور ان دونوں کے یکساں مناصب پر مقرر ہونے سے اُن کے ناظرین "ان اکلوتے ہندو" اور "زبیری کنبوہوں" میں تمیز نہ کر سکیں اور انہیں ایک سمجھنے کے دھوکے میں آجائیں"

مؤلف صاحب کی جد و جہد کو دیکھکر جو اظہر من الشمس ہے" یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انہیں تلاش بسیار کے بعد بھی سوائے "روشن رائے" کے کوئی دوسرا "ہندو کنبوہ" ایسا نہیں مل سکا جو کسی عہدے پر مقرر ہوا ہو۔ ورنہ وہ اُس کے نام و عہدہ کو ظاہر کئے بغیر ہرگز باز نہ رہتے" اور اس ایک ہی نام پر اکتفا کرکے خاموش نہ ہو جاتے" راجہ روشن رائے" کے زمانے اور اُن کے عہدے کی حیثیت جاننے کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانے میں" نواب قمرالدین خاں" "محمد شاہ رنگیلے" کے وزیر تھے" بعض اُمراء اپنی پیشی میں" ہندو متصدیوں یا منشیوں کو رکھنے لگے تھے" اور اپنے خانگی انتظامات کے لئے" بطور داروغہ بھی اُن کو رکھ لیتے تھے" اسی قبیل کے یہ" راجہ روشن رائے" تھے۔ جن کو" زبیری کنبوہی" بزرگوں کے مقابلہ میں پیش کرنا" راجہ بھوج" کے مقابلہ میں" گنگا تیلی" کو پیش کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا" بادشاہوں کے وزیر تن ہونے کا حال تو سب جانتے ہیں مگر کسی وزیر اعظم کے وزیر تن ہونے کا حال کسی کو بھی معلوم نہیں ہے" مؤلف امروہوی نے یہ نیا انکشاف کیا ہے کہ "وزیروں کے بھی وزیر تن ہوتے تھے" سبحان اللہ"

کتاب عماد السعادت ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی ہے" اور ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ" راجہ روشن رائے" کے نام کے سامنے "کنبوہی یا کنبوہ یا کمبوہ" میں سے کونسا لفظ لکھا ہوا ہے" اور اس کے سکنی یا قومی لقب میں مؤلف امروہوی نے کیا کتر بیونت کی ہے

مؤلف امروہوی کی کھلی بے ایمانی" ہرکرن کنبوہی کو کنبوہ باور کرانا

لیکن فقرہ (ج) میں ایک کتاب انشا کے مصنف" ہرکرن ولد متھرا داس" کا جو مؤلف موصوف نے ذکر کیا ہے اور اُس کے نام کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہے" اس لفظ "کنبوہ" کے لکھنے میں بھی حسب معمول انہوں نے بددیانتی سے کام لیا ہے" یہ کتاب قلمی اور چھوٹے سائز کی ہے" قرول باغ دہلی" میں مؤلف صاحب کے ایک ہم وطن سید ظہیر حسن صاحب امروہوی صاحب دار الفلاح کے کتب خانہ میں ہم نے دیکھی ہے" ہمیں بتایا گیا کہ مؤلف امروہوی بھی اس کتاب کو دیکھ گئے ہیں اس طرح گویا ہم نے وہی کتاب دیکھی ہے۔ جس سے مؤلف صاحب نے یہ عبارت لے کر اس بحث میں پیش کی ہے" مگر اس کتاب انشا میں اُس کے مصنف کے نام کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ ہرکرن ولد متھرا داس" کنبوہی" لکھا ہے"

ہم کہیں اوپر بتا چکے ہیں کہ "مؤلف صاحب نے جن کتابوں سے حوالے دیئے ہیں۔ اُن میں اپنے حسب منشا کتر بیونت کردی ہے۔ خاندان زیر بحث کے جن بزرگوں کے ناموں کے سامنے "کنبوہی" لکھا ہے" انہوں نے اُسے پیش نہیں کیا ہے۔ اور اپنی ساری تنقید میں "کنبوہ" کے سوائے "کنبوہی" ایک جگہ بھی لکھا ہوا نہیں دکھایا ہے" یہاں انہیں کیونکہ ایک" ہندو کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہوا دکھانا ضروری تھا" اس لئے اُس کے نام کے سامنے کے لفظ "کنبوہی" میں تھوڑی سی تحریف کرکے جو "کنبوہ" بنالیا ہے۔ تو اس سے ان کی تحقیقات کی حقیقت خود ہی عیاں ہوگئی ہے"

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہوئے" یہ بتانے کے بعد کہ زبیری کنبوہی خاندان کے مقابلہ میں مؤلف صاحب کو جو دوسرے کنبوہی خاندان کے سرخیل ایک ہی شخص کی تصنیف دکھا کر خاموش ہو جانا پڑا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ" وہ کثیر کتابوں کی ورق گردانی" اور کوشش بسیار کے بعد بھی" اس میں کوئی دوسرا مصنف نہیں پا سکے" اگر وہ انہیں کہیں مل جاتا تو اس کے ظاہر کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے"

اب ہم تذکرۂ بالا کتاب انشا کے پورے ایک صفحہ کی نقل کئے دیتے ہیں" جس سے ہمارے اس بیان کی بخوبی تصدیق ہو جائے گی کہ اس کتاب میں" ہرکرن ولد متھرا داس" کنبوہ" کے بجائے" ہرکرن ولد متھرا داس" کنبوہی" لکھا ہے" اور "کنبوہ" لکھنے میں مؤلف صاحب نے تحریف کا عمل کیا ہے" ملاحظہ ہو"

اِنشاءِ ہرکرن کا دیباچہ

از مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس " صفحہ ۱ بعد از حمد و سپاس

فرحضرت ایزد متعال ذوالجلال انگہ بندہ شکستہ و دلِ خستہ عاصی

فقیر الحقیر ہیچدان اضعف عباداللہ " ہرکرن ولد متھرا داس "

کنبوی ملتانی " روزے در دارالخلافت بلدہ متھرا " بصحبت

یاران نشستہ بود۔ بعضے دوستان گفتند " کہ تو تا مدتے در خدمت

نواب غفران پناہ۔ حاتم زماں۔ رضوان دستگاہ۔ نوشیروانِ عصر "

اعتبار خاں[1] " منشی بود۔ عمرے در فن اِنشا صرف کردی چیزے

بطریق یادگارے بنویس " صفحہ ۲ کہ تا مردم بخواندن آں بہرہ حاصل

نمایند۔ بحکم اِشارت آں عزیزان خطی چند بعبارت شکستہ و بستہ

در قید قلم آمد کہ طالبان ایں فن را در نوشتن روزمرہ بکار آید مشتمل

بر ہفت باب است "

نقل مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس صفحہ ۱و۲ بعد از حمد و سپاس

فرحضرت ایزد متعال ذوالجلال بندہ شکستہ و دلِ خستہ گنہگار "

فقیر الحقیر " ہیچدان اضعف العباد " ہرکرن ولد متھرا داس "

" کنبوی ملتانی " ایک دن دارالخلافہ بلدہ متھرا میں یاروں کی

صحبت میں بیٹھا ہوا تھا " بعضے دوستوں نے کہا کہ " تو مدت تک خدمت

میں نواب غفران پناہ " حاتم زماں " رضوان دستگاہ " نوشیروان عصر "

اعتبار خاں[1] کا منشی تھا۔ اور تو نے اپنی عمر کو فن اِنشا میں صرف

کیا ہے " کوئی چیز بطور یادگار لکھ۔ تاکہ لوگ اُسے پڑھ کر واقفیت

حاصل کریں " اُن عزیزوں کے کہنے کے بموجب " چند خطوط عبارت

شکستہ و بستہ میں لکھ دیئے ہیں کہ اس فن کے خواہشمندوں کے روزمرہ

لکھنے میں کام آ دیں " سات باب پر یہ کتاب مشتمل ہے "

مؤلف امروہوی کی بددیانتی " اور اُن سے ہمارا خطاب "

یہ بخوبی دکھانے کے بعد کہ " ہرکرن ولد متھرا داس " نے اپنے آپ کو " کنبوی " لکھا ہے اور مؤلف صاحب نے اُسے " کنبو " لکھ کر بددیانتی سے کام لیا ہے " ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر شیخ " سید " مغل " پٹھان " وغیرہ مسلمان " امروہہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے " امروہوی " اپنے آپ کو لکھتے ہیں " اور ہندو اقوام باشندگان امروہہ بھی امروہوی لکھے اور کہے جاتے ہیں تو اس لفظ امروہوی " کو اِن اقوام مختلفہ کے نسب سے کیا تعلق ہے " اور اِن سب کا ایک نسب کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے "

باب بست و چہارم[۲۴]

" قوم کنبوہ " کے اصل و نسب کے بارے میں " مبسوط تصنیف " چودہری وہاب الدین "

" کمبوہ " کی " تاریخ کمبوہان " اِن حضرات کے مطالعہ کے قابل ہے۔ جو اس بحث سے

دلچسپی رکھتے ہیں " اِس کتاب میں اِس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ " کمبوہوں " کے جملہ خاندان

خواہ ہندوستان کے کسی صوبہ میں آباد ہوں " اِسی ایک گروہ سے ہیں " جو قدیم ایرینا

قوم کی شاخ ہیں " اُن کی آبادی " پنجاب " گجرات " کابل " اور لواح غزنی تک "

پھیلی ہوئی تھی " اور ایک زمانہ میں " افغانستان کے مشرقی حصّہ کو اِسی نسبت سے

رفوٹ نمبر ۱) منشی ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی ملتانی " عہد جہانگیر میں نواب اعتبار خاں کا منشی تھا جو سنہ ۱۰۳۱ ہجری و سنہ ۱۰۳۲ ہجری میں اکبر آباد کا صوبیدار تھا۔ جب انگریزوں کو فارسی میں کاروبار کی ضرورت ہوئی تھی تو انہوں نے اس کی اِنشاء کو پیش نظر رکھا تھا۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا " ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصّہ " مرتبہ سید عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی لٹ، شائع کردہ انجمن ترقی اردو ۱۹۴۲ء)

" کمبوج " کہا جاتا تھا " صرف صوبہ پنجاب میں " ہندو اور مسلمان " کمبوؤں کی تعداد " " اکیاسی ہزار چار سو اکیانوے ہے " بلاد مغربی کے " کمبوہ " ابتدائی صدیوں میں مشرف بہ اسلام ہوئے " اس کے بعد رفتہ رفتہ دوسرے خاندانوں نے بھی اسلام قبول کیا " ان ہی مسلمان کنبوہوں میں جو بزرگ ابتدائی زمانہ میں " اسلامی عساکر " کے ساتھ " شمالی ہند میں چلے آئے " یا جو عہد مغلیہ کے ابتدائی دور میں " ملتان و لاہور " وغیرہ سے " دہلی " آئے ۔ وہ یہیں کے ہو رہے " ان میں سے بعض نے " " عہدِ مغلیہ " میں " کافی شہرت " اور " ترقی حاصل کی " ان کی اولاد " دہلی کے قرب و جوار " مختلف مقامات میں " جہاں سادات و شرفا کی آبادیاں تھیں " سکونت پذیر ہو گئی " صوبجات متحدہ کے کمبوہ ان ہی کی نسل ہیں " چونکہ یہ لوگ " پنجابی برادری سے علیحدہ ہو گئے " دولت اور علم میں بھی ان سے ممتاز رہے " عربی و قریشی " خاندانوں کے دوش بدوش آباد ہوئے " اس بنا پر ان میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوا " کہ وہ اپنے آپ کو " عربی النسل " مشہور کریں " انہوں نے سابقہ نسبت کے لحاظ سے جو " حضرت شیخ ذکریا ملتانی " کے خاندان سے " ان کے مورثوں کو رہی ہے " زبیری " کہنا شروع کر دیا " حالانکہ حقیقتاً وہ " نہ عربی النسل ہیں " نہ زبیری " بلکہ ہندی الاصل ہیں " اور نسباً آرین چھتری " (ص ۳۴۸،۳۴۷)

اس بیان میں جن باتوں کی طرف مؤلف امروہوی نے توجہ دلائی ہے اُن میں سب سے پہلے تاریخ کمبوہان دیکھنے کی سفارش کی ہے " ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی مؤلف جسے تحقیقات پر درک رکھنے کا دعویٰ ہو اس کتاب کو بہ نظر غایر دیکھکر کبھی بھی اُس کے نوشتوں کو دیکھنے کی اپنے ناظرین سے سفارش کرنے کی جرات نہیں کر سکتا " مگر کیونکہ ہر رطب و یابس بات کو اپنا لینا اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اُسے پیش کر دینا مؤلف موصوف کے پیشِ نظر رہا ہے اور اس موقع پر بھی اُن کا مطلب " زبیری کنبوہی " خاندان کے حسب و نسب میں فی نکالنا تھا " اس لئے انہوں نے اس سے کوئی غرض نہیں رکھی کہ جس کتاب کے دیکھنے کی وہ سفارش فرما رہے ہیں اُس کی حیثیت کیا ہے "

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی طرح کیونکہ ہم تاریخ کمبوہان کے مؤلف کی تحقیقات کی حقیقت اور دلی مقصد سے بھی پہلے ہی واقف ہو چکے تھے " اس لئے ہم نے اُن کی پوری تحقیقات کی داد دینے کے لئے ایک علیحدہ جلد میں ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے تاریخ کمبوہان کی حقیقی صورت حال سامنے آگئی ہے " رہی مؤلف صاحب امروہوی کی تحقیق " مورخانہ نظر " سچائی " تنقیدی دلائل " حوالہ جات " منقولات " اقتباسات کی حیثیت " واقعات کی پردہ پوشی " اور " دلی حالت وغیرہ وغیرہ کی کیفیت تو وہ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہو گئی ہے "

اب لگے ہاتھوں تاریخ کمبوہان کے بھی چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ مؤلف امروہوی کی اس کتاب کے دیکھنے کی استدعا خالی نہ جا سکے "

تاریخ کمبوہان کی حیثیت کی ایک جھلک

مؤلف تاریخ کمبوہان کی " قوم کمبوہ " نامعلوم زمانے سے پس ماندہ حالت میں چلی آرہی ہے " تاریخیں اور تذکرے

اُس کے حالات سے یکسر خالی ہیں۔" اپنی قوم کو اُبھارنے کے لئے جس جذبہ کو لیکر اس کتاب کے لکھنے کی کوشش کی گئی وہ بہت احسن اور قابلِ ستائش جذبہ تھا۔ لیکن جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ کسی طرح مقصد کی تکمیل کے لئے معاون ثابت نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے زبیری کنبوی خاندان "اور قوم کمبوہ میں التباس پیدا کرنے کی سعی کی" حقیقت سے منہ موڑ کر اور واقعات کو اخفا کر کے جو چاہا اور جس طرح چاہا اپنی کتاب میں لکھ مارا۔ کیونکہ اس کتاب میں "قوم کمبوہ" کو اعلیٰ نسل سے ظاہر کرنے کے شوق کی وجہ سے عربوں سے تو وہ اپنا رشتہ یوں نہیں ملا سکتے تھے۔ کہ اُن کی قوم میں "مسلمان" "ہندو" اور سکھ بھی موجود تھے۔ لہٰذا اُن کو اپنی باگ دوسرے میدانوں کی طرف موڑنی پڑی۔"

قوم کمبوہ اپنے متعلق کسی ایک بات پر متفق نہیں ہے۔ (۱) کوئی کہتا ہے کہ ہم "راجہ کرن" کی اولاد ہیں۔

(۲) کوئی کہتا ہے کہ ہم "راجہ کمبوج" کی اولاد ہیں جو ملتان کا راجہ تھا۔

(۳) کوئی کہتا ہے کہ ہماری قوم کا نام پہلے "کم بدھ" تھا وہی بعد میں "کمبوہ" ہو گیا۔

(۴) اور کوئی اس بات پر زور دیتا ہے کہ گجرات کی "خلیج و شہر کھمبے یا کمبایت" کی وجہ سے ہماری قوم کا نام "کمبوہ" پڑا ہے۔ "لیکن ہم سورج بنسی چھتری "راجہ رامچندر جی والئے اودھ" کی اولاد میں سے اس راجہ کی نسل سے ہیں جس نے کاٹھیاواڑ گجرات میں جا کر اپنی حکومت و سلطنت قائم کی تھی اور جو کمبایت کا بانی تھا۔" وغیرہ وغیرہ۔

"مؤلف تاریخ کمبوہان" نے ان سب باتوں سے اختلاف کر کے اپنے رشتہ کو "کورش اعظم" المشہور بہ کیخسرو (جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن شریف میں مذکور "ذوالقرنین" بتایا ہے) کے بڑے بیٹے "شہنشاہ کامبوزیا (کیقباد)" سے جا ملایا ہے۔ جو اپنے باپ کے بعد اس کا جانشین ہوا اور مصر کو اس نے مغلوب کیا اور وہاں سے واپس ہوتے ہوئے یہ سن کر کہ اس کی غیبت میں ایران پر ایک شخص نے قبضہ کر لیا ہے۔" اس نے خودکشی کر لی تھی۔" اس پر مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے یہ ایزاد کیا ہے کہ "شاہنشاہ کامبوزیا" کی اولاد باپ کی خودکشی کے بعد سلطنت کے غاصب کے خوف سے ایران نہیں گئی۔" بلکہ افغانستان چلی آئی اور کمبوج کے نام سے مشہور ہوئی۔" پھر اس نے افغانستان میں اپنی حکومت بھی قائم کر لی جس کی وجہ سے افغانستان "کمبوج" کہلانے لگا۔" مدن بعد زمانہ گذرنے کے بعد "کمبوج قوم" "قوم کمبوہ" کہلانے لگی۔" اِس قوم کمبوہ نے بڑی ترقی کی۔ "افغانستان" سے نکل کر کاٹھیاواڑ گجرات میں آس "ندر" کی سلطنت قائم کی اور بنگال پر بھی حملہ آور ہوئی۔ یہاں تک کہ "ہند چینی" میں پہنچ کر اس نے اپنی سلطنت قائم کر لی۔" اِس لئے کہ ایرانی" "آریا تھے" اور "شہنشاہ کامبوزیا بھی ایرانی تھا۔ "قوم کمبوج" جو اب کمبوہ کہلاتی ہے۔" آرین چھتری یا راجپوت ہے۔"

پھر اس قوم کے کمبوج سے کمبوہ نام پڑنے کی وجہ تحقیق اس طرح دی ہے کہ "کمبوج" کی جیم کو "پنڈت جی" "شیخ جی" کی طرح عزت کا لفظ خیال کرتے ہوئے "سلطان شمس الدین التمش" نے بولنے کو منع کر دیا تھا۔ اِس لئے اس وقت سے یہ لفظ کمبوج لنڈورا ہو کر "کمبوہ" کہلانے لگا ہے۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اسی طرح کی من گھڑت باتیں تحریر کرتے ہوئے کتب تواریخ میں زبیری کنبوہی خاندان کے کنبوہی لقب کو دیکھتے ہوئے بھی اسے بالکل ہی اخفا کر لینا مناسب خیال کر کے مؤلف امروہوی کی طرح کنبوہ بھی نہیں بلکہ اپنی قوم کا نام "کمبوہ" لکھا ہوتا۔ باور کرایا ہے۔ اور اپنا پورا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ زبیری کنبوہی خاندان اور اُن کی قوم کمبوہ (جو بقول مسٹر آرنلڈ کاٹھیاواڑ گجرات کی ایک پنج قوم سے تعلق رکھتی ہے) کو ایک ہی سمجھا جائے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اسی پر ہی بس نہیں کی ہے بلکہ چلتے چلتے زبیری کنبوہی خاندان کے نسب پر بھی بحث [illegible] ظاہر کر نا مؤلف امروہوی نے مناسب نہیں سمجھا

مؤلف امروہوی نے اپنی پوری بحث میں لفظ کنبوی کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیا ہے۔ لیکن مؤلف تاریخ کمبوہان نے زبیری کنبوی خاندان اور اپنی قوم کمبو کو ایک باور کرانے کی خواہش کے تدنظر یہ جتانا ضروری سمجھا ہے کہ اگر کسی قصبہ یا دریا کے نام سے کمبوؤں کو منسوب تصور کیا جائے جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو اُن کا نام کنبی (منسوب بہ کنب) یا کنبوی (منسوب بہ کنباہ) ہونا چاہئے۔ نہ کہ کمبوہ۔ حالانکہ اکبر نامہ۔ تاریخ فرشتہ اور آئین اکبری وغیرہ کتابوں میں کمبوہ امراء کے ناموں کے بعد صاف صاف طور پر لفظ کمبوہ لکھا ہوا ہے۔ جیسے شہباز خان کمبوہ۔ شیخ گدائی کمبوہ۔ شیخ جمالی کمبوہ۔

آگے چل کر مؤلف تاریخ کمبوہان نے لکھا ہے کہ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مشرق میں اشاعت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اور فتوحات اسلامیہ کی تفصیل میں تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی ریاست یا کوئی شہر وغیرہ کمبوہ نام کا موجود تھا۔ نہ جزیرہ نمائے کمبوج کے سوائے کوئی قطعہ ملک اس نام سے اس وقت تک موسوم ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو جزیرہ نمائے کمبوج (کمبوڈیا) سے تا حال کوئی تعلق پیدا نہیں ہوا۔ ہم صرف دعوؤں کو تسلیم نہیں کرتے ثبوت درکار ہے۔ مزید براں۔ مؤلف موصوف نے زبیری خاندان کے سکنی لقب کنبوی کے علاوہ اُن کے صفاتی لقب ککگو پر بھی تنقید فرمائی ہے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان کے مندرجہ بالا بیان کے متعلق ہم یہاں صرف اسی قدر ظاہر کرنے پر اکتفا کریں گے کہ اکبر نامہ ہو۔ یا تاریخ فرشتہ۔ اور آئین اکبری یا دوسری کوئی بھی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لی جائے کسی میں بھی کنبو کو کمبو کی صورت میں میم سے لکھا ہوا نہیں پایا جائے گا۔ ان کتابوں کے علاوہ جن کے نام مؤلف تاریخ کمبوہان نے پیش کئے ہیں اُن سے پہلے کی تاریخوں طبقات اکبری مؤلفہ نظام الدین احمد اور منتخب التواریخ مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی نیز اکبر و جہانگیر اور اُن کی بعد کی متعدد کتب تواریخ میں برابر اس زبیری خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ اُن کا سکنی لقب کنبوی یا کنبو کی شکل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اب اگر امروہوی اور امرتسری مؤلفین نے تاریخوں میں اچھی طرح سے اس لفظ کنبوی یا کنبو کو دیکھ کر اور اس کے مطلب کو سمجھ کر بھی اسے ظاہر کرنا پسند نہیں کیا ہے اور انہیں اپنے مقصد کے تدنظر یہ کنبوی یا کنبو۔ کمبو کی شکل ہی میں لکھا ہوا نظر آیا ہے تو ہم نے اس کا بھی علاج کر دیا ہے کہ ہم نے جدید و قدیم تاریخوں سے لیکر زبیری خاندان کے جن بزرگوں کے ناموں کے سامنے کنبوی لکھا ہوا ہے اُن کی ایک فہرست پیش کر دی ہے۔ اس زمانہ کے ان نئے مؤرخین نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اُن کا فریب لوگوں کے نظروں سے پوشیدہ رہے گا مگر اُن کو جان لینا چاہئے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوا کرتے۔ اور وہ کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔

ہم نے سندھ کے حدود کے اندر دریائے کنباہ۔ علاقہ کنباہ۔ اور شہر کنباہ کی موجودگی۔ زبیری کنبوی خاندان کے صفاتی لقب ککگو کی حقیقت۔ قوم کمبوج کے متعلق تحقیقات اور قوم کمبو کے ابرین چھتری ہونے کے ادعا اور مؤلف صاحب کی دوسری تحقیقات پر سیر حاصل بحث کر کے حقیقت کو وضاحت سے پیش کیا ہے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "ہماری قومی تاریخ کے ماخذ ناکافی ہیں" کے عنوان سے تحریر کیا ہے کہ۔

(۱) قطع نظر قومی روایتوں۔ مذہبی یا رزمیہ نظم کی کتابوں کے مجھے کوئی عنوان ایسا نہیں مل سکا جو اس راستہ میں میرے لئے شمع راہ کا کام دے سکتا اور ہماری روایتوں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔

(۲) ہمارے قدیمی حالات ایسی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ خضر خیال اس ظلمات میں جانے سے گھبراتا ہے۔

(۳) ہمیں اپنی ہمسایہ اقوام میں بلحاظ نسل۔ رنگ۔ قد و قامت۔ خد و خال۔ کوئی ایسا امتیاز حاصل نہیں جو اس معاملہ میں ہماری رہبری کر سکے۔ ہندوستان کے تمام باشندے بہ استثنائے بھیل۔ گونڈ۔ مینا۔ بوگری کا یا وغیرہ کے جنہیں ہندوستان کا اصلی باشندہ کہا جاتا ہے۔ آریہ نسل کے ہیں۔ اور انہیں میں ہم بھی شامل ہیں۔ اس لئے یہ طریق استدلال بھی ہمارے لئے کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔

(۴) بلحاظ زبان کے بھی ہمیں کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔ ساسنی۔ باوریہ وغیرہ کی اپنی اپنی علیحدہ زبان ہے۔ جس میں وہ اپنی آزادانہ

گفتگو عام سامعین کی موجودگی میں ادا کر لیا کرتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس یہ ہتھیار بھی نہیں ؎

(۵) بقول مسٹر **طالب کمبوہی** (رہائش دہ گاؤں کمبوا از قوم کمبو) نہ ہمارے پاس کوئی مستند روایت ہے۔ نہ کسی خاندان کے پاس کوئی قابلِ وقعت شجرۂ نسب ہے۔ نہ کوئی قومی تاریخ اور تحریری یادداشت ہے۔ جس سے انسان صحت اور اطمینان کے ساتھ کوئی دعویٰ کر سکے۔

(۶) ہمارے بھاٹوں اور میراثیوں کا مبلغ علم بھی نہایت قلیل ہے بلکہ قریب بہ صفر ہے۔ اور ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کی یادداشتوں پر یقین کریں اور میں بھی (یعنی مؤلف تاریخ کمبوہان بھی) مسٹر **سراج الدین صاحب (طالب)** کے ساتھ متفق ہوں کہ ان کی یادداشت ہائے سلسلۂ نسب قابلِ اعتبار نہیں ؎

(۷) البتہ ہمارے ہندو بھائیوں کے پاس وہ یادداشتیں موجود ہیں جو ان کے مقدس مقامات کے پروہتوں نے اموات وغیرہ کی نسبت تحریر کی ہوئی ہیں۔ جن سے چند سو سال تک خاندانی حالات اور شجرہ ہائے نسب کی تفصیل آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے مگر ظاہر ہے کہ قوموں کی تاریخ میں چند صدیاں دنوں اور ہفتوں کی حیثیت رکھتی ہیں ؎

(۸) ہمارا موجودہ طرزِ معاشرت اور طریقِ تمدن۔ اس درجہ گرا ہوا ہے اور ہم اس قدر ضعیف ادبار میں گرفتار ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم کسی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتے ہیں اپنے تئیں ہنسوانا ہے۔ دولت و ثروت۔ علم و لیاقت۔ دنیاوی وجاہت۔ دینی حالت ہر ایک معیار میں ہم ناقص ہیں اپنی ہمعصر اقوام سے ان باتوں میں ہمیں کوئی مساوات نہیں۔

(۹) لیکن یا ایں ہمہ اگر ہم تجسس سے کام لیں اور تحقیقات کی روشنی میں آگے بڑھیں۔ ذرا گہری نظر سے کام لیں اور ادھر ادھر ڈھونڈیں تو قومی روایتوں۔ پیرانی اور مستند پیشگوئیوں اور گرنتھوں۔ نظم کی کتابوں۔ مذہبی صحیفوں اور بچے کھچے آثار سے بہت کچھ اصلیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ ان کتب ہائے تاریخ سے جو غیروں نے اپنے لئے لکھی ہیں اور جن میں ہمارا بھی ضمناً ذکر آگیا ہے۔ حوالہ جات دستیاب ہو سکتے ہیں اور ایک دفعہ پیدا شدہ خانہ حیثیت کو قائم رکھکر اپنے حسب و نسب کے اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے ؎

مؤلف تاریخ کمبوہان کی مندرجہ بالا تحریر خود اپنی حالت کے اظہار کے لئے کافی ہے۔ نمبر (۹) میں جن ذرائع کو پیش کر کے ایک دور خانہ حیثیت کو قائم رکھکر اپنے حسب و نسب کے اعلیٰ ہونے کے دعوے کو صحیح ثابت کر دینے کا یقین دلایا ہے وہ محض ایک لفاظی ہے۔ ان کا دار و مدار صرف قرائن اور من گھڑت کہانیوں پر ہے لیکن اس پر بھی مؤلف امروہوی اس کتاب کے دیکھنے کی سفارش کرتے ہیں۔ جس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ مغالطہ پیدا کرنے۔ واقعات کے اخفا کرنے سے۔ قرائن کی بیچ لگانے اور من گھڑت کہانیوں میں بے معنی بحثیں کرنے میں دونوں مؤلف ہم جنس باہم جنس پرواز کی مصداق ہیں ؎

مؤلف امروہوی نے تاریخ کمبوہان کے مطالعہ کی سفارش فرمائی تھی ہم یہاں ان دونوں مؤلفین اور ناظرین کتاب ہذا سے استدعا کریں گے کہ وہ ہماری اس کتاب کے بعد ہماری دوسری تصنیف (جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں تحریر کی گئی ہے) بعد طبع ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ قوم کمبوہ کی پوری پوری حقیقت اور زبیری کنبوہ خاندان کی صورت حال سامنے آجائے ؎

عربی و قریشی خاندانوں سے دوش بدوش آباد ہونے کو لکھنے سے مؤلف امروہوی کی غرض

مؤلف امروہوی نے آگے چل کر اپنی اسی تحریر مندرجہ عنوان پر اس بات کا بھی اظہار کیا ہے کہ زبیری کنبوہ خاندان میں عربی و قریشی خاندانوں کے دوش بدوش آباد ہونے کی وجہ سے یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ بھی اپنے آپ کو عربی الاصل مشہور کریں۔ یہ بات صرف اس وجہ سے مؤلف صاحب نے بیان کی ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں پیش کر سکیں کہ زبیری خاندان کی پیشانی کے ساتھ اس خاندان کو ہندی الاصل اور نسباً آریہ چھتری باور کرانا چاہتے ہیں جس کے متعلق اسی کتاب میں پوری طرح اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔ بیشتر اس کے کہ ہم اپنے خاندان سے متعلق کچھ تحریر کریں ان کے خاندان کی آمد امروہہ کے متعلق خود انہیں کی ایک تحریر کو پیش کر دیں تاکہ حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ مؤلف امروہوی کے ایک ہم جدی بزرگ نے اپنے خاندان کے متعلق سب سے پہلی کتاب

آئینۂ عباسی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ ہجری کے صفحہ ۲۱ میں اپنے خاندانی حالات لکھے ہیں۔" جن کو مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۸۱ پر اس طرح نقل کیا ہے کہ۔

"ہمارے بزرگ بھی پنجاب میں پھرتے رہے۔ چنانچہ دادا مولانا لال محمدؒ پیدائش پنجاب میں ہندی نام ہے۔ اور ان کے والد مولانا مٹھے اور ان کے چچا مولانا بتن .... اسی عرصہ میں اسی مقام امروہہ میں کہ یہاں کے سکنا سے ملاقات ہوئی۔ مسکن سادات و شرفاء سمجھ کر دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی۔"

کیا خدا کی شان ہے کہ اپنے خاندان کو کس مپرسی کی حالت میں مسکن سادات و شرفا سمجھ کر امروہہ میں آباد ہونے کو نظر انداز کر کے اس کا اطلاق زبیری کنبوی خاندان پر کیا جا رہا ہے۔ اس کو آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لینا نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں۔ ہم خود مؤلف امروہوی سے سوال کرتے ہیں کہ آج جن جن مقامات پر ہمارا خاندان آباد ہے اور جہاں وہ پہلے آباد رہ چکا ہے۔ کون کون سے ایسے سادات و شرفاء آباد تھے یا ہیں جنہیں ہمارے خاندان کی شرافت کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور جن کی شرافتیں اس خاندان کے لئے خضر راہ بنیں۔ اور نہ یہی" لودھیوں کی سلطنت کے زمانہ سے تو خود مؤلف صاحب کو اس خاندان کے ہر طرح کے شرف کا اقرار ہے۔ لیکن جذبہ پیدا ہونے کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ تیس چالیس سال سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارے خاندان جیسے صاحب شرف خاندان کے متعلق اس طرح کا بیان سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ کوئی خاص جذبہ مؤلف صاحب کے دل میں موجزن ہے جو حقیقت بیانی سے ان کو روک رہا ہے۔

جن جن مقامات پر زبیری کنبوی خاندان اقامت پذیر رہا ہے وہاں وہ حاکمانہ اور جاگیردارانہ طور پر رہا ہے۔ نہ کہ مؤلف امروہوی کے خاندان کی طرح بطور رعایا اکر رہا ہو۔ جو مقامات اس خاندان کے مرکز رہے ہیں اُن میں۔ دہلی۔ سنبھل۔ میرٹھ۔ مارہرہ۔ بجنور۔ امروہہ۔ گوالیار۔ آگرہ۔ کول (علیگڈھ) اور دھولپور۔ وغیرہ وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔"

ان میں سے اگر تجزیہ کیا جائے۔ تو دہلی کے متعلق تو سلسلۂ عالیہ کے صفحہ ۶ پر تحریر ہے کہ "چنانچہ در دہلی تدارت اقامت ایں گروہ (زبیری کنبوی) مشہور است" پھر بعد میں ملتان میں ۸۴۳ھ ہجری میں انقلاب کی وجہ سے وہاں کے شرفاء و سادات بہلول لودی کے عہد حکومت میں جب دہلی آئے تو ان سب کا ملجاء و ماویٰ اور مرکز یہی خاندان زبیری کنبوی بنا رہا۔ یہی مرکز علم اور یہی مرکز عرفان تھا۔ اور اسی در پر بادشاہوں سے لے کر عوام تک اور عالم سے لے کر عارف تک سجدہ ریز تھے۔ اور دارالسلطنت دہلی کے عہدۂ افتاء اور قضاءت کا سلسلہ بھی شروع سے آخر زمانۂ سلطنت اسلامیہ تک اسی خاندان میں متوارث رہتا چلا آیا۔ سکندر لودی تو کسی شریف و نجیب اور غیر صاحب حسب و نسب سے گفتگو کرنا اور ان کو ملازمت میں رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ کیوں خاندان زبیری کنبوی کے بزرگوں کو اپنا انیس و جلیس رکھتے تھے۔ اُن سے دعا کے جویا ہوتے اُن کے دیئے ہوئے خطاب سے آپ نے آپ کو مشہور کرتے تھے اگر اس خاندان کے حسب نسب کے متعلق ان کو وہ علم ہوتا جو آج چار سو برس کے بعد مؤلفین امروہوی و امرتسری کو حاصل ہوا ہے تو وہ کیسے اس طرح اس خاندان کے ساتھ پیش آتے مگر اُن کے علم و یقین میں اس خاندان کی نجابت و شرافت مسلّم تھی انہوں نے وہی طریقہ اس خاندان کے ساتھ برتا جو ایک صاحب علم و فضل اور دانشور بادشاہ کو کرنا چاہئے تھا۔

رہے میرٹھ۔ سنبھل۔ مرادآباد۔ بجنور۔ دھول پور وغیرہ یہ وہ مقامات ہیں کہ جہاں وہ صاحب امارت اور جاگیردار بن کر گئے اور ان مقامات پر آج تک بھی کوئی ایسا خاندان سادات و شرفاء کا نہیں ہے کہ جن کے چراغ اس خاندان کی شرافت کے آگے جل سکتے سنبھل علم کا مرکز رہا لیکن یہ تو دیکھو کہ اس علم کی شمع کو روشنی کہاں سے پہونچی۔ ملا عبدالقادر بدایونی کے استاد مولانا شیخ حاتم سنبھلی نے دہلی جا کر اسی خاندان زبیری کنبوی کے بزرگوں کے سامنے زانوئے ادب طے کیا تھا اور اُن کے چچا حضرت عجائب المعروف بہ شیخ ہلالیؒ نے دست بیعت اسی خاندان کے بزرگ سے استوار کیا تھا۔"

ولا کے ڈھکوسلے کی حقیقت

مؤلف امروہوی نے متذکرہ باتوں پر ہی بس نہیں کی ہے بلکہ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "انہوں نے زبیری کنبوی خاندان نے سابقہ نسبت کے لحاظ سے جو حضرت شیخ زکریا ملتانی کے خاندان سے ان کے مورثوں کو ہی زبیری کہنا شروع کردیا ہے۔"

لیکن یہ تحریر بھی مؤلف صاحب کا جھوٹ اور فریب ہے جیسا کہ اسی کتاب میں ہم بتا آئے ہیں۔ سب تاریخ داں جانتے ہیں کہ حضرت مخدوم "حضرت ہبار اسدی کی اولاد میں تھے۔ یہ حضرت ہبار حضرت زبیرؓ کے چچازاد بھائی تھے" اس لئے حضرت مخدومؒ "ہباری اور اسدی تو تھے" مگر زبیری نہیں تھے" لہٰذا ان کی نسبت سے زبیری بن جانے کے مؤلف امروہوی کے بیان کی جو حقیقت ہے اس کا اندازہ لگانا بھی کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

مؤلف صاحب امروہوی کو اس زبیری کنبوہی خاندان کے متعلق جس قدر بحث کرنی تھی یہاں وہ ختم کر چکے اور اس کے جواب پا چکے ہیں۔ "ہم اپنی بحث میں دکھلا چکے ہیں کہ زبیری خاندان کا اسکی لقب "کنبوی" ہے۔ ناقلوں اور کاتبوں کی غلطیوں اور لاعلمی کی وجہ سے کہیں کہیں "کنبوہ" اور "کنبوہ" کی شکل میں لکھا گیا ہے" مؤلف موصوف نے لفظ کنبوی کو چھپا کر اور کسی جگہ لفظ کنبو اور زیادہ تر کمبو لکھ کر "زبیری کنبوی" خاندان اور قوم کمبو کو جو ایک بادرانے کی کوشش میں اپنا خون پسینہ ایک کرلیا ہے اس کی تردید شواہد تواریخی سے ہم نے ایسی کر دی ہے کہ ان کی تحقیقات اور طینت کا حال اس سے بخوبی واضح ہوگیا ہے۔ البتہ اتنا بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مؤلف امروہوی نے ہر واقعہ پر تاریخی" "جغرافیائی" اور اثری شہادتوں سے روشنی ڈالنے کا" اور علامہ ابن خلدون کے مقرر کردہ اصول درایت پر عمل پیرا ہونے کا" اور اپنی صداقت بیانی کا بھی ادعا کیا ہے" اس لئے ہم "علامہ شبلی" کے الفاظ میں "علامہ ابن خلدون کے" اصول درایت" کا لکھ دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں جس کو دیکھ کر بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ مؤلف موصوف نے اپنی تحقیقات میں ان میں سے ایک اصول کو بھی اختیار کرنا ضروری نہیں خیال کیا۔ بلکہ ان سب کو پس پشت ڈال دینا ہی مناسب سمجھا ہے"

درایت کے اصول

"مولانا شبلیؒ" نے "الفاروق" میں تحریر فرمایا ہے کہ "علامہ ابن خلدون" نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گذرا ہے" جب "فلسفہ تاریخ" کی بنیا ڈالی تو "درایت کے اصول" "نہایت نکتہ سنجی" اور "باریک بینی" کے ساتھ مرتب کئے" چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے"

(الف) خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے" اور "عادت کے اصول" اور سیاست کے قواعد" اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا" اچھی طرح جائزہ نہ لیا جائے" اور غائب کو حاضر پر" اور حال کو گذشتہ پر" قیاس کیا جائے" تو اکثر لغزش ہوگی"

(ب) علامہ موصوف نے تصریح کی ہے" کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے" پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے" بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے" کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں" کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے"

(ج) علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ "ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں" بلکہ اصول عادت" اور قواعد تمدن کی رُو سے ممکن ہونا مراد ہے" (ص۱۴ و ۱۵)

اس کے بعد "مولانا شبلیؒ" نے لکھا ہے کہ "واقعات کی تنقید کے لئے" درایت کے اصول" سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے" درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں"

اِن میں سے جو ”اصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں“ حسب ذیل ہیں ”

(۱) ”واقعہ مذکورہ ”اصول عادت کی رُو سے ممکن ہے یا نہیں“

(۲) ”اُس زمانے میں لوگوں کا میلانِ عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق“

(۳) ”واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے۔ تو اِسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں“

(۴) ”اِس امر کی تفتیش۔ کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے۔ اُس میں قیاس اور رائے کا کس قدر حصّہ شامل ہے“

(۵) ”راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا“ وہ واقعہ کی پوری تفسیر ہے“ یا اِس امر کا احتمال ہے ”کہ راوی اُس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا“

(۶) ”اِس بات کا اندازہ“ کہ زمانے کے اِستداد“ اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے“ روایت میں کیا کیا“ اور کس کس قسم کے تغیّرات پیدا کر دیئے ہیں“

اِن اصولوں کی صحت سے کوئی اِنکار نہیں کر سکتا“ اور اُن کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں“ مثلاً“ آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں اُن میں غیر قوموں کی نسبت ”حضرت عمرؓ“ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں“

لیکن جب اِس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ ”اس زمانے کی تصنیفیں ہیں“ جب اسلامی گروہ میں تعصّب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا“ اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اِس قسم کے واقعات بالکل نہیں۔ یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصّب آتا گیا“ اُسی قدر روایتیں خود بخود تعصّب کے سانچے میں ڈھلتی گئیں“

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ ”حضرت عمرؓ“ نے حکم دیا تھا کہ ”عیسائی“ کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں“ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج“ و تاریخ طبری) میں یہ روایت اِس قید کے ساتھ منقول ہے کہ ”جب مسلمان نماز پڑھتے ہوں اُس وقت ”عیسائی“ ناقوس نہ بجائیں“

”ابنِ اثیر“ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ”قبیلۂ تغلب“ کے عیسائی“ اپنے بچّوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں“ لیکن یہ روایت ”تاریخ طبری“ میں اِن الفاظ میں مذکور ہے کہ ”جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں اُن کے بچّوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے“ (ص۱۶و۱۷)

جس قدر اِن میں تنقید ہوتی گئی ہے۔ اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئیں“ فدک“ قرطاس“ سقیفہ بنی ساعدہ“ کے واقعات ”ابنِ عساکر“ بیہقی“ مسلم“ بخاری“ سب نے نقل کئے ہیں“

لیکن جس قدر اِن بزرگوں کے ”اصول“ اور شِدّت احتیاط میں فرق مَراتب ہے“ اُسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور ”نزاع انگیز الفاظ“ کم ہوتے گئے ہیں“ یہاں تک کہ خود ”مسلم“ اور ”بخاری“ میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے“ (ص۱۸)

اِنہیں اصول عقلی کی بنا پر ”مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف ہوں گے“

مثلاً ”یہ مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ“ کی خلافت کے واقعات نوّے برس کے بعد تحریر میں آئے۔ اِس بنا پر“ تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً ”صف آرائی کی کیفیت“ فریقین کے سوال و جواب“ ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی“ پہلوانوں کے داؤ پیچ“ اِس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ۔ یقین تک نہیں پہنچ سکتا“ لیکن انتظامی امور۔ اور قوانینِ حکومت۔ کیونکہ مدّت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔ اِس لئے اُن کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں“ (ص۱۸)

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابلِ ذکر نہ تھے“ اور باوجود اِس کے اُن کا ذکر آ جاتا ہے۔ اُن کی نسبت سمجھنا چاہئے کہ اصل واقعہ اِس سے زیادہ ہوگا“ مثلاً“ ہمارے مورخین“ رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں۔ اور رنگینیوں کے مقابلہ میں“ انتظامی امور“ کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں“ (ص۱۹و۲۰)

"مؤرخ کا اصلی فرض ہے کہ وہ "سادہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے" (ص۲)

"اسباب و علل کے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے" اس لئے مؤرخ کو "اجتہاد و قیاس" سے چارہ نہیں "لیکن" یہ اُس کا لازمی فرض ہے کہ وہ "قیاس و اجتہاد" کو "واقعہ میں اس قدر مخلوط نہ کر دے" کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے" (ص۲۲)

(الفاروق جلد اوّل ص۱۴ تا ۲۰ و ۲۲ مؤلفہ مولانا شبلیؒ)

"علامہ ابن خلدون" نے یہ بھی لکھا ہے کہ۔

(۱) "جب تک کہ انسان فارغ الذہن" اور معتدل مزاج نہ ہوگا۔ واقعہ کی تحقیقات نہیں کر سکتا" اگر وہ پہلے سے کسی کا جانبدار ہے" یا مخالف" یا معتقد" تو واقعات کے اسی قدر حصے اُس کو نظر آئیں گے جو اُس کے ذوق کے مطابق ہوں گے"

(۲) لحاظ اغراض بھی ضروری ہے" یعنی جو واقعہ بیان کیا گیا ہے" بیان کرنے والے کی اُس سے غرض کیا ہے"

(مجلۂ عثمانیہ۔ جلد ۱۱۔ شمارہ (۱ و ۲) مطبوعہ حیدرآباد دکن)

(مضمون علامہ عبداللہ العمادی "ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ نویسی")

مؤلف امروہوی کی اپنے نسب کے بارے میں غلط بیانیاں

اُصولِ درایت سے بخوبی واقفیت کرا چکنے کے بعد" اب ہم مؤلف امروہوی کی اُس تحقیقات کو دکھاتے ہیں جو انہوں نے اپنے نسب کے بارے میں پیش کی ہے" تاکہ یہ اچھی طرح معلوم ہو سکے کہ "زبیری کنبوی خاندان" کے لئے جن "تاریخی و جغرافی" اور اثری" شہادتوں کو مؤلف موصوف نے ضروری سمجھا ہے۔ اپنے نسب کے بیان میں اُن کی مطلق کوئی ضرورت نہیں سمجھی" اُن کے اس بیان کا دارو مدار صرف اُن کی خاندانی روایتوں یا من گھڑت کہانیوں پر ہے" جن میں "موسیٰ بن امین الرشید" کی عمر کے متعلق دھوکے اور اپنے بزرگوں کے بارے میں غلط بیانیاں" نیز اپنے شجرے میں اُن کی کتر بیونت بھی شامل ہے" اور ایسی پوچ و لچر باتیں پیش کر کے وہ ہمیں کا یقین دلا رہے ہیں کہ جھوٹ نہیں بول رہے ہیں" اور لکھ رہے ہیں نیز ان کے اس بیان کے مقابلہ میں کسی "اصولِ درایت" اور "تاریخی شہادت" کی مطلق کوئی ضرورت نہیں ہے" یعنی بلا کسی سند کے جو کچھ بھی انہوں نے لکھ دیا ہے" آیت اور حدیث ہے" اور اس کا منکر کافر ہے" ناظرین کی واقفیت کے لئے اب ہم مؤلف امروہوی کا وہ بیان جو انہوں نے اپنے نسب کے بارے میں دیا ہے پیش کرتے ہیں"

"تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" جلد چہارم کے ص۱۷۸ و ۱۷۹ پر تحریر ہے کہ "خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ "مخدوم زادہ محمد یوسف عباسی" شروع "عہد بلبنی" میں "ہندوستان" آئے"

مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول۔ آئی۔ سی۔ ایس" مؤلف "ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد" امروہہ کے قدیم اور تاریخی خاندانوں کے تذکرہ میں "خاندان عباسیہ" کا ذکر ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں"

"۱۲۵۸ء میں جب "بغداد" کے آخری خلیفہ عباسی "مستعصم باللہ" مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ خاندان (عباسیہ) کے معدودے چند افراد زندہ بچے" ان میں سے "محمد احمد (ابو القاسم احمد) بھاگ کر "مصر" پہنچے۔ اور وہاں خلافت قائم کی" دوسرے شخص "محمد یوسف" براہ سمندر "سندھ" آئے" "سلطان غیاث الدین بلبن" نے "ہارون الرشید اعظم" کی اولاد میں ہونے کی بنا پر اُن کا اعزاز و اکرام کیا" (ص۱۷۹)

اور ص۱۷۹ و ۱۸۰ پر لکھا ہے کہ "عہد بلبنی" میں "خلفائے عباسی" کی اولاد سے بعض بزرگ وارد ہندوستان ہوئے مگر "فرشتہ" نے "ان عباسی شہزادوں کے نام لکھے ہیں" اور نہ کسی دوسرے مورخ نے اس کی تصریح کی ہے" تاہم "خاندانی روایات میں" علی التواتر مذکور ہے کہ "ایک شہزادہ کا نام "محمد یوسف" تھا جن کی اولاد میں "خاندان عباسیہ متوطن امروہہ ہے"

تحریر مندرجۂ بالا سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ "سوائے خاندانی روایت" کے اس خاندان کے مورث کا زمانہ اور نام تک کسی تاریخ میں تحریر نہیں ہے "گزیٹیر صرف ساٹھ ستر برس قبل لکھے گئے ہیں" اُن کی حقیقت بس اسی قدر ہے کہ "ایک ملازم اپنی مفوضہ کام کی انجام دہی کے لئے آیا اُس نے مختلف خاندان کے لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے اپنے اپنے خاندانوں کے متعلق روایتوں کو اُس سے بیان کر دیا اور وہ انہیں لکھکر چلتا نظر آیا" اِن تحریروں کو تحقیق و تلاش تاریخی کا درجہ حاصل نہیں ہے "اور پھر یہ بھی ہے کہ اسی مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد مسٹر نیول کے اکثر بیانات سے جنہیں مؤلف امروہوی نے اپنے مقصد کے خلاف پایا ہے جگہ جگہ اختلاف کیا ہے وہ خود اُس کی تحریروں سے متفق نہیں ہیں مگر یہاں اپنے مطلب کے لئے اُسی کا بیان پیش کر رہے ہیں"

..... پھر آگے چل کر تحریر کیا ہے کہ "حالات کی تفصیل کتب تاریخ میں درج نہیں ہے "کیونکہ ہمارے ہندوستانی مورخین کی یہ عادت ہے کہ "وہ صرف اِن ہی واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں "جو ملک کی سیاسی حالت" یا جنگ و جدال" اور بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں "کہیں کہیں علما اور مشائخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے "لیکن شرفاء کے مشہور اور تاریخی خاندانوں اور اُن کے مورثوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں "اِن حالات کو عام اور معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیتے ہیں "اس لئے مخدوم زادگان عباسی" کے اسمائے گرامی "اور اُن کے خاندانی حالات "اِن کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے"

لیکن یہ کمی "بعض کتب تذکرہ علما و مشایخ سے "جن میں بعض عباسی بزرگوں کے حالات درج ہیں "اور زیادہ تر خاندانی روایات" سے پوری ہوتی ہیں۔ جو علی التواتر خاندانوں میں چلی آتی ہیں "اور مختلف زمانوں میں ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں"

شرفائے ہند کے خاندانی حالات کا ماخذ "اکثر و بیشتر" یہی خاندانی روایات تھیں "جنہوں نے مختلف زمانوں میں تحریری شکل اختیار کی" اور یہ روایات اگر روایتاً صحیح اور درایتاً معقول تھیں "تو انہیں بعد میں تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی"

"خاندان عباسیہ" متوطنہ امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی "سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کی طرح" زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

اِن میں بیان کیا گیا ہے کہ "فتنۂ تیمور" ۸۰۰ہجری کے بعد۔ اس خاندان کے افراد "دہلی" سے منتشر ہو کر اولاً "پنجاب" گئے۔ جہاں کچھ مدت تک مسکن گزیں رہنے کے بعد "ان میں سے ایک بزرگ "امروہہ" میں آکر متوطن ہوئے"

"صاحب آئینۂ عباسی" "محمد محب علی خاں عباسی" مؤلف آئینۂ عباسی "سنہ تالیف ۱۲۹۶ ہجری" لکھتے ہیں کہ پھر "دو سلطنت تغلقیہ" خراب ہوئی" دہلی" تباہ ہوئی "امیر منتشر ہوئے" ہمارے بزرگ بھی "پنجاب و سندھ" میں پھرتے رہے "چنانچہ دادا "مولانا لال محمد" پیدائش پنجاب ہیں "ہندی نام ہے" اِن کے والد "مولانا" تھے "اور اُن کے چچا مولانا بڈھن...... اسی عرصہ میں اسی مقام "امروہہ" میں کہ یہاں کے سکنا ئے سے ملاقات ہوئی "مسکن سادات و شرفا" سمجھ دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی"

صاحب تاریخ اصغری" "سید اصغر حسین نقوی امروہوی" سنہ تالیف ۱۲۹۱ ہجری "سنہ طباعت ۱۸۸۹ء" نے بھی اسی روایت کی تائید کی ہے "اور لکھا ہے کہ "جب امیر تیمور" نے "دہلی" کو فتح کیا۔ یہ لوگ وہاں سے بھی جلاوطن ہو کر "پنجاب" میں جا بسے" برخلاف اس کے "صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹیر" ۱۹۰۹ء" لکھتے ہیں کہ "تیمور" کے حملہ ۱۳۹۸ء کے بعد جب "دہلی" کے اکثر سربرآوردہ خاندان جابجا منتشر ہو گئے" شمس الدین دادا شرف الدین عباسی" مع اپنے بیٹوں کے "امروہہ" میں مسکن گزیں ہوئے" ۸۰۱ہجری میں "فتنۂ تیمور" کے بعد "دہلی" سے اس خاندان کے ترک وطن کرنے کے متعلق تو مندرجۂ بالا روایتیں متفق ہیں" البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ "امروہہ" میں ابتداءً اس خاندان کے کون بزرگ آئے"

"صاحب آئینۂ عباسی" اور "تاریخ اصغری" کا یہ بیان درحقیقت صحیح نہیں کہ "مولانا لال" و "مولانا بڈھن"

یہاں آئے۔ کیونکہ "مولانا لال" کے جدِ امجد" اور "مولانا بابن" کے پدر بزرگوار "مولانا رکن الدین عباسی" کی "امروہہ" میں موجودگی بزمانہ "ہمایوں" اور "اکبر" دیرینہ تحریرات سے ثابت و محقق ہے"

"صاحب تخبتہ التواریخ" (مولوی آلِ حسن نجفی امروہوی ساسنہ تالیف ۱۲۹۷ ہجری) نے اس کی تائید کی ہے" وہ لکھتے ہیں کہ "و از تحریرات دیرینہ موثقہ بدرجہ تحقیق است کہ در زمانہ "اکبر جلال الدین"

"ملا لال" و "ملا بابن" و "ملا رکن الدین عباسی" در سواد "امروہہ" معزز آن وقت بودند"

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہتا ہے کہ آیا "مولانا رکن الدین عباسی" بذاتِ خود "امروہہ" تشریف لائے یا جیساکہ "صاحب گزیٹیر" نے تحریر کیا ہے۔ اُن کے جدِ امجد "مولانا شمس الدین" یہاں آئے" ۸۱۰ ہجری کے بعد "مولانا شمس الدین" اور اُن کے خاندان کا "دہلی" سے نکل کر "پنجاب" جانا اور اس خاندان کا کچھ مدت تک "پنجاب" میں متوطن رہنا۔ اس امر واقع سے بھی ثابت ہے کہ "پنجاب" کے بعض مقامات پر اس خاندان کی شاخیں اب تک موجود ہیں" مثلاً "سادات عباسی سکنہ جوکالیاں (ضلع گجرات)، وغیرہ" پس ایسی حالت میں "مولانا شمس الدین" کا براہِ راست "امروہہ" آنا جیساکہ "ڈسٹرکٹ گزیٹیر" میں بیان کیا گیا ہے" قرینِ قیاس نہیں" زیادہ تر قرینِ صحت یہ ہے کہ ان کے نبیرہ "مولانا رکن الدین عباسی" یہاں تشریف لائے"

حسنِ اتفاق سے ایک پروانہ کی نقل سے جو "عہد اکبری" کی موثقہ و مستند ہے یہ ثابت ہے کہ "مولانا موصوف کو" بعہد سکندر لودی "امروہہ" میں مدد معاش عطا ہوئی۔

عہد لودی سے قبل "امروہہ" میں اس خاندان کی موجودگی کا کوئی ثبوت ہم نہیں پہنچا" مندرجہ بالا وجوہ سے" یہ قیاس درجہ یقین کو پہنچتا ہے کہ "مولانا رکن الدین عباسی" جو فضلائے عہد سے تھے "سکندر لودی" جیسے قدردان بادشاہ کے عہد میں جس کا قیام اس زمانے میں عرصہ تک "سنبھل" میں رہا" پنجاب" سے مع اہل و عیال کے بطلب ہائے مدد معاش "امروہہ" میں آکر مسکن گزیں ہوئے" (ص ۱۸۲)

"مؤلف تحقیق الانساب" نے مندرجہ بالا تحریر میں اپنے خاندان کا حال جن کتابوں سے بیان کیا ہے اُن میں پہلی کتاب اُن ہی کے ایک بزرگ کی لکھی ہوئی ہے" جسے لکھے ہوئے پینسٹھ برس سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا" دوسری دو کتابیں بھی قریباً اُسی زمانے میں لکھی گئی ہیں اور اُن کے ہموطن امروہیوں نے لکھی ہیں نیز مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی تحریر کا بھی وہ ہی زمانہ ہے" ان چاروں کے بیانات میں سے جس کے بیان کو انہوں نے اپنی غرض کے مناسب حال دیکھا اُسے قبول کر لیا ہے اور دوسروں کو رد کر دیا ہے۔ اپنے بزرگ "محمد محب علی عباسی" صاحب آئینہ عباسی" اور "سید اصغر حسن" صاحب تاریخ اصغری" کے نوشتوں سے اختلاف کرکے انہوں نے دیرینہ تحریرات کا حوالہ دیا ہے لیکن اُن تحریرات کو درج کتاب نہیں کیا" اور ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے بیان پر صرف اپنے قیاس کو ترجیح دیکر اس کا بطلان کر دیا ہے" مقابلہ میں کوئی سند پیش نہیں کی ہے"

روایات علی التواتر کا بھی انہوں نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے" مگر جو روایت اُن کے بزرگ صاحب آئینہ عباسی" تک اُن کو پہنچی تھی" اسے انہوں نے کسی طرح قبول نہیں کیا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے خاندان میں کوئی ایسی مستحکم روایت موجود نہیں ہے جس سے یقینی طور پر وہ جان سکتے کہ "امروہہ" میں اُن کے کس بزرگ نے پہلے پہل توطن اختیار کیا تھا اور اُن کے توطن اختیار کرنے کا صحیح زمانہ کون سا تھا۔ آیا وہ سکندر لودی کے وقت میں پنجاب سے مع اہل و عیال بطلب مدد معاش امروہہ آکر مسکن گزیں ہوئے" یا زمانہ مابعد میں سلطنا امروہہ سے ملاقات ہونے سے مسکن سادات و شرفا سمجھکر وہاں مقیم ہوئے" ایک کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ [illegible] ہیں" کیونکہ انہوں نے یہ [illegible] میں شناوری کی ہے اس لئے مختلف سمتوں میں بہہ گئے ہیں" جب وہ تحقیقی طور سے اتنا بھی ثابت نہ کر سکے تو [illegible]

مسعودی (۲) مسعودی نے لکھا ہے کہ "امین" نے اپنے بیٹے "موسیٰ" کے لئے بیعت خلافت لی اور اُس کو "ناطق بالحق" (یعنی گویائی حقیقت) کا خطاب دیا" یہ ولی عہد اُس وقت "بہت چھوٹا ننھا سا بچہ تھا"

(ترجمہ تنبیہ و اشراف مسعودی صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ وفات مصنف چوتھی صدی ہجری کا وسطی زمانہ)

(علامہ مسعودی کی کتاب "مروج الذہب و معدن الجواہر" کا بیان بھی وہی ہے جو اُن کی کتاب "تنبیہ و اشراف" سے لے کر لکھا ہے۔)

ابو الفدا (۳) تاریخ ابو الفدا میں جو چھٹی صدی ہجری کی کتاب ہے مرقوم ہے کہ "جبکہ یہ (موسیٰ بن امین) بقول مورخین "شیرخوار تھے" اُن کی ولیعہدی کا انعقاد ہوا ہے"

سیوطی (۴) تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق "۱۹۵ھ ہجری میں" موسیٰ بن امین "کی شیرخوارگی تسلیم شدہ ہے" علامہ سیوطی "کے الفاظ یہ ہیں" وبایع بولایۃ العہد لابنہ "موسیٰ" ولقبہ الناطق بالحق۔ وھو اذ ذاک طفل رضیع۔ فقال بعض الشعراء فی ذالک شعراً"

ابن اثیر (۵) تاریخ کامل ابن اثیر "کی تحریر" میں بالکل چھوٹے بچے "کے بجائے "موسیٰ" کو اُس وقت "چھوٹا بچہ" لکھا ہے۔ بالکل کا لفظ اُس میں چھوٹ گیا ہے" یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ "ابن اثیر" کی "تاریخ کامل" "تاریخ طبری" سے تقریباً تین سو برس بعد کی کتاب ہے"

ابن خلدون (۶) تاریخ ابن خلدون "آٹھویں صدی ہجری کی کتاب ہے" مؤلف موصوف نے "موسیٰ بن امین" کی عمر کے متعلق اس تاریخ میں سے کچھ لکھنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی ہے۔ لیکن ہم نے ابن خلدون سے بہت پہلے کے معتبر مورخین کے "بیانات دیئے ہیں اُن سے موسیٰ کی عمر پر بخوبی روشنی پڑ گئی ہے"

مگر کیا ہم مؤلف امروہوی سے دریافت کرسکتے ہیں کہ اُن کا ان بیانات کی روشنی موجود ہونے پر بھی "۱۹۵ھ ہجری میں ناطق بالحق" کا خطاب دیئے جانے اور ولیعہد بنائے جانے کے وقت "موسیٰ" کی عمر چھ سات ماہ کے بجائے چھ سات سال لکھ دینا۔ تاریخی نقطۂ نظر سے کہاں تک جائز ہے" اور صداقت سے اس کو کس قدر تعلق ہے۔ نیز یہ کہ "جسٹس امیر علی" کی حالیہ "تاریخ عرب" کے سوا "موسیٰ" کی شادی کا حال جاننے کے لئے انہوں نے کسی قدیم اور معتبر تاریخ کی جستجو کیوں نہیں کی" یا ان قدیم کتابوں میں انہیں موسیٰ کی شادی کی کوئی روایت ملی ہی نہیں" جسٹس امیر علی کی تاریخ عرب، غلطیوں اور غلطیوں سے پُر ہے مثلاً اُس میں بجائے عیسیٰ بن حضرت مصعب کے جو باپ کے ساتھ شہید ہوئے تھے" لکھا ہے کہ "یحییٰ بن حضرت مصعب" باپ کے ساتھ شہید ہوئے تھے"

پھر جب انہیں "موسیٰ" کی عمر کے "انیس و بیس" یا "ٹھیک ۲۹ تئیس برس" کے ہونے کا یقین تھا کہ اس عمر میں ہر لڑکا، کا بالغ ہو جانا اور صاحب اولاد ہو جانا ہے" تو انہوں نے یہ بحث کس غرض کو خیال میں لا کر کی ہے کہ "عربی شہزادے بالعموم شہزادے پندرہ سولہ برس کی عمر میں بالغ اور صاحب اولاد ہو جاتے تھے" اور جب انہوں نے "عبداللہ بن الامین کے حال کے لئے" "ابن خلدون" کا حوالہ دیا ہے اور یہ الفاظ ذیل کے تحت اس مورخ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کو "عبداللہ کا حال آنے سے پہلے ہی ختم کرکے نکتے لگا دینے میں اُن کی کیا مصلحت ہے"

"موسیٰ بن امین" کے متعلق "صفر ۱۹۵ھ ہجری" "بالکل صغیر سن" "بہت چھوٹا ننھا سا بچہ" "شیرخوار" "طفل رضیع" کے الفاظ اس حقیقت کو صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ اُن کی ولادت ۱۹۴ھ ہجری کے آخری مہینوں یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۴ھ ہجری کے وسط سے پہلے ہرگز نہیں ہوئی"

موسیٰ کی پیدائش کے زمانہ سے بخوبی معین ہو جانے کے بعد اب ہم اُن کا سنہ و ماہ وفات لکھتے ہیں تاکہ اُن کی عمر کے تعین میں ذرا سا بھی شک اور شبہ باقی نہ رہے"

سنہ [illegible] ہجری کے واقعات میں "تاریخ طبری" میں ہے کہ "اِس سال کے ماہ شعبان میں "امین" کے لڑکے "موسیٰ" کا انتقال ہوا" اور "فضل بن الربیع" نے ذیقعدہ میں وفات پائی"

(ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ [illegible] مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی)

(و تاریخ کامل ابن اثیر)

اِن بیانات سے اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ "موسیٰ بن امین" کی انتقال کے وقت تقریباً چودہ برس کی عمر تھی" نہ کہ "بیس" یا "انتیس" و "تیس برس کی"۔ جیسا کہ مؤلف موصوف نے اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے صداقت سے منہ موڑ کر باور کرایا ہے"

کسی کتاب "تاریخ" "تذکرہ" "رجال" وغیرہ میں "موسیٰ بن امین" کی شادی اور صاحب اولاد ہونے کا حال درج نہیں ہے۔ "کم سنی میں انتقال کر جانے کی وجہ سے وہ یقیناً بے اولاد رہے۔ اور "امین" کی نسل منقطع ہو گئی"۔ اگر مامون نے بیٹیوں کی طرح اُنہیں پرورش کر کے اپنی صاحبزادی کی اُن سے شادی کی ہوتی۔ اور اُن کے اولاد ہوئی ہوتی تو کہیں تو کسی تاریخ میں اُن کی نسل کے کسی شخص کا ضرور ذکر ہوتا"

مؤرخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے اِس دور کی بہت مستند کتاب "تاریخ اسلام" میں تحریر فرمایا ہے کہ "معتصم (ابنِ ہارون رشید، برادر امین) کو لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا" اِس لئے "ہارون رشید" نے اُسے ولیعہدی کے قابل نہ سمجھا" مگر وہ خلیفہ ہوا۔" اُسی کی اولاد سے بہت سے عباسی خلیفہ ہوئے" "دراصل اسی سے "ہارون" کی نسل چلی" (تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ [illegible])

جب یہ بات حقیقت کو پہنچ گئی کہ "موسیٰ بن امین الرشید" کم عمری میں لاولد فوت ہوئے۔ تو مؤلف موصوف کا یہ لکھنا کہ "اُن کے کئی اولادیں ہوئی ہوں گی" "کم از کم ایک فرزند "محمد نقی" سے سلسلۂ عقب باقی ہے۔ یعنی عباسیانِ امروہہ" کا سلسلۂ نسب اُن سے متصل ہوتا ہے" کوئی کس طرح قبول کر سکتا ہے"

مؤلف امروہوی نے جس طرح اپنے شجرے کو۔ موسیٰ بن امین سے متصل کیا ہے

مؤلف تحقیق الانساب نے جس طرح اپنے شجرے کو "موسیٰ بن الامین" سے متصل کیا ہے" وہ اُن کی تحریر کے مطابق اِس طرح ہے کہ "خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" کے جدِ اعلیٰ "مخدوم زادہ محمد یوسف" کا سلسلۂ نسب جو بعد تباہی "بغداد" "ہندوستان" آئے۔ دس واسطوں سے "موسیٰ" مذکور کے ذریعے "خلیفہ امین الرشید عباسی" سے متصل ہوتا ہے بدیں طریق "مخدوم زادہ محمد یوسف" بن محمد حمزہ" بن محمد اسحٰق" بن محمد اسمٰعیل" بن محمد باقر" بن علاء الدین" بن قطب الدین" بن محمد النقی" بن محمد نقی" بن موسیٰ" بن امین الرشید"

"محمد امین" موصوف کا سنہ ولادت سنہ [illegible] ہجری ہے اور "مخدوم زادہ محمد یوسف" کی عمر جبکہ تباہی "بغداد" کے بعد مختلف دیار و امصار میں ہوتے ہوئے تقریباً سنہ [illegible] ہجری میں وارد ہند ہوئے" اور "سلطان التمش" نے "امیر المومنین ہارون الرشید" کے پوتے کی حیثیت سے اُن کا اعزاز و اکرام کیا۔ یقیناً چالیس پچاس سال کی ہوگی"۔ اِس لئے اِن دو بزرگوں یعنی "امین الرشید" اور "محمد یوسف" کے سنین ولادت کا درمیانی زمانہ "تقریباً چار سو برس کا شمار میں آتا ہے۔ پس ایک صدی میں تین واسطوں کی اوسط سے اِس مدت میں تعداد وسایط "تقریباً تیرہ ہونی چاہئے"۔ لیکن مندرجہ بالا سلسلہ میں صرف گیارہ واسطے مذکور ہیں۔ گویا دو واسطوں کی کمی رہتی ہے"

لیکن ایسے اشخاص کے سلسلۂ نسب میں جو اپنے "دودمان عالی شان" کی تباہی اور جفائے ابنائے زمان کی بنا پر ترک وطن پر مجبور ہوئے ہوں "بعض ناموں کا تقدم و تاخر یا ایک دو ناموں کا ترک ہو جانا ایک ایسا امر ہے جو شرفائے ہند کے تقریباً تمام سلاسل نسب

میں پایا جاتا ہے "

ماسوائے اس کے "شموسی موصوف" کے بعد اگر اس سلسلہ کے اکثر اشخاص نے طویل عمر پائی ہو جس کا اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے قوی امکان ہے "تو دو صدیوں میں چار یا پانچ واسطوں کے اوسط سے اس سلسلہ میں کوئی کمی باقی نہیں رہتی "

مخدوم زادہ موصوف کے بعد کا سلسلۂ نسب "باعتبار تعداد وسایط صحیح و متصل ہے " مولانا رکن الدین عباسی " سے "مخدوم زادہ محمد یوسف" تک سات پشتیں ہوتی ہیں۔ بایں طریق " مولانا رکن الدین " بن نظام الدین " بن شمس الدین " بن شرف الدین " بن معین الدین " بن تاج الدین " بن محمد یوسف " مذکور "

" مولانا رکن الدین عباسی " کا زمانہ آمد " امروہہ " تقریباً ۵۹۰ ہجری اور " مخدوم زادہ موصوف " کا زمانہ ورود ہند ۸۶۲ ہجری ہے " ان دونوں سنین کا درمیانی زمانہ " دو سو چھتیس برس کا ہے " اس مدت میں مندرجہ بالا سات پشتیں باعتبار اوسط تعداد صحیح و درست ہیں "

" مولانا رکن الدین موصوف " سے موجودہ نسل کے نوجوانوں تک چودہ اور پندرہ واسطے اور مسن اشخاص بلکہ میرے ہمسنوں تک " بارہ اور تیرہ واسطے شمار میں آتے ہیں " جو بہ لحاظ مدت صحیح و درست " نیز مستند دستاویزی اور تحریری شہادتوں سے ثابت و محقق ہیں "

مثلاً " خاکسار مؤلف " کا سلسلۂ نسب " مولانا موصوف سے اس طریق پر متصل ہوتا ہے " محمود احمد " بن مولوی علی محمد " بن حضرت شاہ علی احمد " بن مولوی سعادت علی " بن مولانا عبد الحی " بن مولانا عبد الرحیم " بن مولانا عنایت اللہ " بن ملا نذر محمد " بن حاجی محمد صالح " بن مولانا محمد " بن مولانا بابن " بن مولانا رکن الدین عباسی "

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں " سوائے خاندان عباسیہ " کے صرف معدودے چند خاندان ایسے ہیں " جن کا سلسلۂ نسب اپنے مورث تک جو " امروہہ " آئے " مستند دستاویزی شہادتوں سے ثابت و محقق ہو " اس لئے علم الانساب کی اصطلاح میں یہ خاندان صحیح النسب خاندان ہے " (ص ۱۵۸ و ۱۹۸)

مؤلف امروہوی کے شجرۂ نسب کی حقیقت بہ حسب تاریخ سادات امروہہ کا بیان

مؤلف امروہوی کے مندرجہ بالا بیان کے متعلق " تاریخ سادات امروہہ " میں بدیں الفاظ درج ہے کہ۔

(۱) " صاحب تاریخ امروہہ " اور " صاحب آئینۂ عباسی " نے " تاریخ فرشتہ " کی بعض عبارات کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں کوئی نام۔ اس خاندان کے کسی فرد کا درج نہیں ہے "

(۲) اس خاندان کا ذکر اب سے قریباً پچھتر سال قبل تک کی بعض کتب تذکرہ میں ملتا ہے۔ اس زمانہ سے قبل کی کسی کتاب میں کوئی ذکر اس خاندان یا اہل خاندان کا نہیں ہے "

(۳) اسی ایک صدی کے اندر جو کتب " تذکرہ " امروہہ " سے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے البتہ۔ اس خاندان کے حسب و نسب کے متعلق رائے قائم کی جا سکتی ہے "

(۴) امروہہ کے تذکرہ نویسوں میں سب سے اول " مولوی محمد علی خاں صاحب " نے جو اس خاندان کے ایک عالم اور ذی عزت شخص تھے " شجرۂ نسب " شائع کیا " جس کا سلسلہ " مولانا شیخ " اور " مولانا ذکی " برادران حقیقی " تک ۱۲۹۲ ہجری میں درج فرمایا ہے " (ص ۲۶۸)

(٥) "آئینۂ عباسی" "تاریخ اصغری" "نخبۃ التواریخ" "تحقیق الانساب" ان چاروں تذکرہ نویسوں کے بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "مولانا رکن الدین" اور اُن کے تین فرزند "بہن" "منجھے" اور "اِنجھن" "جلال الدین اکبر بادشاہ" کے ہم عصر ہیں۔ "اکبر بادشاہ" کی سلطنت کا آغاز ٩٦٣ھ ہجری میں ہوا ہے پس یہ باور کر لینا قطعاً جائز ہے کہ "مولانا رکن الدین" کی پیدائش تقریباً ٩١٠ھ ہجری میں ہوئی۔

(٦) "موسیٰ بن امین الرشید" کے اوپر کا شجرہ بالکل صاف ہے۔ اور ہزارہا تاریخی شہادتیں اس کی تائید میں ملتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ "مولانا رکن الدین" اور "موسیٰ بن امین" کے درمیان اسماء کی تعداد بلحاظ بعد زمانی "اتصال نسب کے لئے حسب قاعدہ مقبولہ نسابین" کافی ہے یا نہیں۔

(٧) جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے "مولانا رکن الدین" کی پیدائش ٩١٠ھ ہجری میں ہوئی۔ اور "موسیٰ بن امین" کی وفات ٢٠٨ھ ہجری میں ہوئی پس ان دونوں سنین کا درمیانی زمانہ قریب قریب سات سو برس ہوتا ہے۔

(٨) سات صدیوں میں حسب قاعدہ مقبولہ بحساب تین فیصدی اکیس پشتوں کی ضرورت اتصال نسب کے لئے ہوتی ہے۔ ایک دو یا تین کی کمی بیشی بھی ہو تو چنداں مضائقہ نہیں۔

(٩) مگر شجرہ مندرجہ "آئینۂ عباسی" متذکرہ بالا پر نظر ڈالی جاتی ہے تو "مولانا رکن الدین" اور "موسیٰ" کے درمیان صرف گیارہ نام شمار میں آتے ہیں۔ اور دس پشتوں کی کمی واقع ہوتی ہے۔ پشتوں کی کمی کی تعداد اس قدر کثیر ہے (یعنی دس) کہ اس سلسلۂ نسب کو صحیح اور متصل نہیں کہا جا سکتا ہے۔ (صفحہ ٢٦٥ و ٢٦٤)

(١٠) اس کے بعد صاحب "تاریخ اصغری" کا بیان بھی توجہ طلب ہے۔ بیان فرماتے ہیں کہ جب "امیر تیمور" نے دہلی کو فتح کیا۔ تو یہ لوگ وہاں سے بھی جلاوطن ہو کر پنجاب میں جا رہے اور وہیں "مولوی میاں منجھے" جن کو طوطئ پنجاب کہنا لائق ہے پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے "سلطان محمد امین" تک پہنچتا ہے۔

اس بیان سے بھی "سلسلۂ نسب" کے واسطوں کی حد تک قریب قریب وہی نتیجہ نکلتا ہے جو "صاحب آئینۂ عباسی" کے بیان سے برآمد ہوا۔ جس کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا۔ مزید وضاحت اب غیر ضروری ہے۔ (صفحہ [illegible])

(١١) "آئینۂ عباسی" کی تاریخ اشاعت ١٢٩٢ھ ہجری ہے۔ نصف صدی کی مدت گذر جانے کے بعد "مولوی محمود احمد عباسی" نے "تاریخ امروہہ" شائع کی۔ اس کی دوسری جلد "تذکرۃ الکرام" کے ص ٣١٨ پر "مولانا رکن الدین صاحب" مذکور کا شجرۂ نسب درج کیا ہے۔

(١٢) "آئینۂ عباسی" اور "تذکرۃ الکرام" کے دونوں شجروں کا مقابلہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ "تذکرۃ الکرام" کے شجرے میں تین نام "محمد تقی" "محمد اسمٰعیل" اور "نظام الدین" زائد ہیں۔

تعجب ہے کہ [illegible] نصف صدی کی مدت میں ان دو شجروں میں [illegible] تین ناموں کی بیشی نظر آتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ "صاحب آئینۂ عباسی" نے [illegible]

(١٣) "آئینۂ عباسی" کے شجرے سے [illegible] اتصال نسب [illegible] واسطوں کی کمی [illegible] "تاریخ امروہہ" [illegible] "موسیٰ بن امین" کے ناموں کا اضافہ کر لیا جائے [illegible] واسطوں کی [illegible] (صفحہ [illegible])

الغرض [illegible] تذکرہ نویسوں کے بیانات [illegible] "مولانا رکن الدین" [illegible] "اکبر بادشاہ" [illegible] مولانا نور الدین کے شجرے میں "موسیٰ بن امین" تک [illegible] "تاریخ اصغری" اور "آئینۂ عباسی" [illegible]

دو تین سال کے عرصہ تک "محمود احمد" (مؤلف امروہوی) اور اُن کے آباؤ اجداد اِسی پوستین کے نیچے آرام کرتے رہے" جب سے قریشی کانفرنس امروہہ میں ہوئی اور انہوں نے اپنی قوم و قبیلہ کا اظہار کیا۔ اُس وقت سے اِس پوستین کے نیچے جناب نے بھی حرکت فرمائی" کہ یہ اپنے آپ کو عربی النسل ظاہر کرکے یہ پردا صرف نومسلموں کے لئے قرار دیتے ہیں۔ تو جناب کو بہت غیظ آیا۔ جس کا ایک نسخہ یہ سُوجھا کہ "تاریخ امروہہ" لکھنا چاہئے اور اپنے آپ کو "بنی ہاشم" کے قبیلہ ہی میں نہیں "بلکہ سادات امروہہ" میں ظاہر کرنا چاہئے" اور یہ سب ترقی کا ذریعہ "عبّاسیت" ہونا چاہئے" خیر اِس قدر خیریت ہوئی کہ سعودی رتبہ عبّاسیت ہی رہی۔ جناب اگر کسی ائمہ اہل البیت سے سلسلہ جا جوڑتے تو کون روکنے والا تھا" اِس قسم کے امروہہ میں اور بھی سیّد ہیں" کون جھانکتا پھرتا ہے کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں" البتہ مؤلف سے چُوک ہوگئی"

مُولف امروہوی کے شجرۂ نسب بمطابق بڑے بول کا پول کی تنقید اور اُس کا نتیجہ

اور کتاب بڑے بول کا پول مصنفہ "سیّد فیاض حسین صاحب امروہوی نقوی مطبوعہ ریاضی پریس امروہہ کے صفحہ ۲۳ تا ۲۴ پر تحریر ہے کہ "موسیٰ ابن محمد امین (پسر ہارون رشید) کی کم سنی اور اُس میں چند اولادوں کا ہو جانا" تحقیق الانساب" کے صفحہ ۱۸ پر مؤلف نے ایک تمثیل سے بہت کام لیا ہے" فرماتے ہیں کہ "عبداللہ بن عمر بن عاص رض" اپنے والد سے صرف بارہ برس چھوٹے تھے" لہذا موسیٰ کے بھی کئی اولادیں ہوں گی" اور فوراً "محمد تقی" کو فرزند بنا کر سلسلہ "عبّاسیان امروہہ" کا جوڑ دیا ہے" اور عربی شہزادوں شہزادوں کے بلوغ میں بہت ذہانت فرمائی ہے" لیکن یہ ظاہر نہ فرمایا کہ کس قدر اولاد ہوئی" کتنے ذکور تھے۔ اور کس قدر اناث" "محمد تقی اولاد اکبر تھے" یا اولاد اصغر" معلوم تو اولاد اکبر ہی ہوتے ہیں" کیونکہ عبد بن عمرو بن العاص رض کی مثال سے کام لیا گیا ہے" جو اپنے پدر سے صرف بارہ سال چھوٹے تھے" اِس لئے محمد تقی بھی اپنے پدر عالی قدر "سلطان ناطق بالحق" (موسیٰ بن امین) سے بارہ سال ہی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں" یہ بات ہے جو مؤلف "موسیٰ" کے چند اولادیں ہوں گی لکھکر بلے باندھ گئے ہیں" اِس طرح کہیں پیچھا چھوٹا ہے" یہاں سے تو مؤلف کے نسب صحیح اور متصل کا کچا چٹھا کھلتا ہے" جناب والا بلوغ کے زمانہ کے شمار میں "زمانہ حمل بھی خارج ہوگا" جس کی انتہائی مدّت بقول امام ابو حنیفہ صاحب" دو سال ہو سکتی ہے" لہذا بارہ سال کی عمر میں جس کے بیٹا ہو وہ دس سال کی عمر میں بالغ ہونا چاہئے" کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ "محمد تقی صاحب" موصوف کتنے دنوں میں شکم مادر سے برآمد ہوئے" لہذا مدت حمل محمد تقی موصوف" دو سال ماننی پڑے گی جس سے واضح ہے کہ "سلطان موسیٰ ناطق بالحق" دس ہی برس کی عمر میں بالغ ہوگئے تھے" بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ شکم مادر ہی میں بالغ ہوگئے تھے تو کیا بعید ہے"

مؤلف صاحب نے "تحقیق الانساب" کے صفحہ ۱۸ پر نسب کی اقسام پانچ دکھائی ہیں" مگر یہ قسم جو محمد تقی کے نسب کی ہے درج نہیں فرمائی" جس کا نام ہم مؤلف موصوف کو بتائے دیتے ہیں۔ (نسب اقبالی) یعنی فقط اقبال ہی سے "سلطان موسیٰ ناطق بالحق" کے "محمد تقی سا گبرو پسر پیدا ہو جائے" درحقیقت یہ بڑے زور کی کرامت ہے" جس سے "خاندان عبّاسیہ مؤلف" کی بنا ہے" معلوم ہے شاید نہ گی" یہ ہی وجہ تو ہے کہ "صاحب آئینۂ عبّاسی" اِس مقام پر ایسے بدحواس ہوئے کہ سلسلۂ نسب ہی مؤلف کا قطع تھا" جس کو زیادہ مدّت نہیں ہوئی" صاحب آئینۂ عبّاسی" کون جو مؤلف ہی کے نسب کے عبّاسی ہوتے ہیں اور مؤرخ عبّاسی ہوتے ہیں" وہ محمد تقی کا پسر قطب الدین جانتے ہیں" مؤلف نے اپنے شجرے سے ایک کڑی اضافہ فرمائی" اور صفحہ ۲۳۸ جلد دوم میں "محمد تقی پسر محمد تقی درج فرمایا" اور قطب الدین کو محمد تقی کا نبیرہ" برخلاف صاحب آئینۂ عبّاسی تحریر فرمایا ہے" یہ ایک صناعی مؤلف کی شجرۂ عبّاسیہ میں انوکھی نہیں ہے" بلکہ اِس سے بھی زیادہ نازک مقام" رکن الدین صاحب" کا ہے" جن سے مؤلف کے خاندان عبّاسیہ امروہہ کی بنا ہے"

لیکن ہنوز اِسی مقام سے مؤلف کا پیچھا چھوڑانا دشوار ہے "سلطان ناطق بالحق" موصوف کے والد ماجد محمد امین صاحب کے قتل کی وجہ قبالہ وقف علی الاولاد سلطنت عباسیہ ہے" جو تنسیخ ولیعہدی مامون رشید ہوکر "بنام موسیٰ" اور موسیٰ کے بعد بنام چھوٹے پسر "عبداللہ" کے ہوتا ہے "اِس سے بھی یہی پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ "موسیٰ" کے اختیارات ولیعہدی کا خاتمہ کردیا گیا تھا" چونکہ محمد امین خلیفۃ اللہ عوام کی نظر میں تھے۔ اِس لئے بہ نورِ باطن انہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ "موسیٰ" کے کوئی اولاد ہونے والی نہیں ہے" لہٰذا چھوٹے بیٹے کو بھی ولیعہد بنا دینا چاہئے" اِس سے بھی "محمد تقی" کا وجود قطعی حذف ہوجاتا ہے"

"رکن الدین کا مقام بھی آتا ہے مگر سلسلہ ہی سے آئے گا" اگرچہ یہ سلسلہ کچھ لوہے یا رسّی کا نہیں ہے" پچھے دھاگے کا ہے جا بجا سے تار علیحدہ ہی نظر آرہے ہیں تاہم جہاں جہاں جوکڑی مؤلف کی قایم کی ہوئی نظر آرہی ہے" اِسی سلسلہ سے بیان کیا جائے گا"

"محمد یوسف صاحب" جو بقول مؤلف "بانئ سلاسل عباسیہ ہوئے اور جو ٦٦٥ھ ہجری میں بہ سفر سمندر وارد ہندوستان ہوئے" ...... اِس کے متعلق یہ ہے کہ "کتب سیر نے یہاں تک بھی لکھا ہے کہ بغداد کے صوفیہ اور اہلِ باطن کا یہ قول تھا کہ چنگیز خانیوں کے ساتھ تباہی بغداد وسلطنت عبّاسیہ کے وقت) ہم حضرت خضرؑ کو دیکھتے ہیں" اب کون شخص یقین کرسکتا ہے کہ "محمد یوسف صاحب کے لئے سمندر کے کنارے اگن بوٹ کھڑے ہوں کہ تشریف لایئے ہم آپ کو ہندوستان پہنچادیں" آپ کی نسل سے تو "محمود احمد صاحب مؤلف تاریخ امروہہ" پیدا ہونے والے ہیں۔

مؤلف نے اِن حالات میں صفحہ ١٩١و١٩٠ میں "محمد یوسف" کو ہندوستان براہِ سمندر بلاکر پھر اپنا سلسلۂ نسب جوڑا جو قطعی لغو اور مہمل ثابت ہوتا ہے" اور "محمد یوسف" سے "تاج الدین و معین الدین و شرف الدین و شمس الدین نظام الدین" کا تانا بانا پھیلایا جس کو ہم نظام الدین کے حالات سے غور کرتے ہیں"

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صفحہ ١١٠ پر ۶۲۱ھ ہجری میں "سید شرف الدین صاحب" (شاہ ولایت امروہہ اعلی اللہ مقامہٗ کا ایک خلیفہ کامل "شیخ نظام الدین عباسی" کے "سودہرہ" سے "امروہہ" آنا مؤلف کو تسلیم ہے" اِن نظام الدین کو مجاور اپنا جد بتاتے ہیں۔ جو بقول مؤلف "آستانہ سید صاحب موصوف یعنی شاہ ولایت صاحب" پر دفن ہیں" اور مجاور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہی "شیخ نظام الدین" خلیفہ باکمال "سید شرف الدین صاحب کے تھے"

مؤلف صاحب (محمود احمد) اِس تحریر سے "صاحب نخبۃ التواریخ" پر بہت گرم ہوئے ہیں۔ انہوں نے تاریخ امروہہ حصّہ اوّل کے صفحہ ۲۰۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ "مولانا آلِ حسن نخشبی" مؤلف نخبۃ التواریخ نے "عدم مبالاۃ کی بنا پر حضرت شاہ ولایت کے خادم نظام الدین کو اور آپ کے خلیفہ باکمال "شیخ نظام الدین عباسی" دو جداگانہ ہستیوں کو ایک سمجھکر خادمانِ درگاہ شاہ ولایت صاحب اولادِ شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید و خلیفہ باکمال "شیخ نظام الدین عباسی" کی نسل سے لکھ مارا" مولوی صاحب ممدوح (محمود احمد صاحب) اگر ذرا عقل سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنی دُور دراز فاصلہ پر جائے" جیسے امروہہ سے ملتان ہے" اور وہاں جاکر سکونت بھی اختیار کرلے۔ اور پھر سلسلہ بیعت بھی جاری کرے" تو اُس کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لئے "امروہہ" کیوں آجاتی" ایک ایسے شخص کی اولاد" اپنے آبائی سجادہ پر متمکن ہوتی" یا درگاہ شاہ ولایت "کے نذر و نیاز کے" چند منصوری پیسے اور ریوڑیوں کے چند دانے لینے کے لئے امروہہ آجاتی"

تاریخ امروہہ کے حصۂ اوّل کے صفحہ ١٩١ پر "رکن الدین" کے امروہہ آنے کا بیان درج ہے" جو فرزند "شمس الدین" تھے" اور جو سلسلۂ نسب مؤلف کا صفحہ ١٩١و١٩٠ جلد اوّل میں درج تھا اُس میں کسی نظام الدین کا وجود بھی نہ تھا" ہمیں یہ حیرانی تھی کہ مؤلف کیوں اِس قدر جلال میں "نخبۃ التواریخ کی تحریر سے آگئے" الٰہی یہ ماجرا کیا ہے" لیکن جلد دوم کے صفحہ ۲۳۸ پر یہ معمہ حل ہوا کہ "شیخ نظام الدین خلیفہ باکمال سید شرف الدین صاحب" "شیخ رکن الدین صاحب" "جد بانئ خاندانِ عباسیہ

(امروہہ) کے حقیقی پدر بزرگوار ہیں" اس لئے اس میں کوئی راز مخفی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے جلد اوّل تک کیوں "نظام الدین" کا وجود مخفی کیا" اور رکن الدین کی ولدیت "فرزند شمس الدین" درج کر کے "پسر شمس الدین کیوں ظاہر کیا"

درحقیقت واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ "شیخ نظام الدین" خلیفہ باکمال کا وجود سید شرف الدین کے ساتھ ۷۲۱ھ میں امروہہ میں ہوتا ہے" جبکہ خلیفہ باکمال کی عمر زائد از چالیس سال ہونی چاہئے اور محمدؐ یوسف کی عمر جن کو مؤلف نے ۷۹۵ ہجری میں پنجاہ سالہ مانا ہے۔ پچاس سال ہونی چاہئے" لہٰذا نظام الدین عبّاسی ہی کی پیدائش ۷۷۱ ہجری کی جو محمدؐ یوسف کے ہندوستان آنے کے سنہ سے صرف پانچ یا چھ سال بعد ہوتی ہے تو پھر "تاج الدین و معین الدین و شرف الدین و شمس الدین" کا وجود کیسا" یہ نمبر تو "محمد تقی" سے بھی چار قدم آگے نکلا"

اسی لئے مؤلف نے جلد اوّل میں اپنے نسب میں سے "نظام الدین" کا قصّہ ہی تمام کر دیا تھا" اور دوسرے حصّہ پر اُس کو رکھ چھوڑا تھا کہ کون دیکھتا پھرتا ہے کسی کو اس پر توجہ بھی نہ ہو گی اور نہ ہوتی" چنانچہ احمدؐ علی سے سابق کی پشتیں ہم نے بھی نظر انداز کر دیں۔ مگر کیونکہ صاحب تحفتہ التواریخ کے معاملہ میں" مؤلف بہت جھلّائے ہیں اور سید امیر علی صاحب کی اولاد کے ساتھ بہت گستاخی سے پیش آئے ہیں اس لئے ہم کو بھی نظام الدین خلیفہ باکمال سے ایک گونہ خصوصیت ہو گئی ہے" اس کے بعد سید فیاض حسین صاحب نے شاہ ولایت صاحب اور نظام الدین خلیفہ باکمال کے متعلق لکھتے ہوئے ص۳۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ "مؤلف صاحب نے یہ خود بھی تسلیم فرمایا ہے کہ "شیخ نظام الدین عبّاسی" ملتان چلے گئے تھے اور انہوں نے سلسلہ جاری کیا تھا وہ جاری ہے جس سے واضح ہے کہ وہ نظام الدین عبّاسی کوئی اور ہوں گے" وہ ہرگز رکن الدین صاحب کے پدر نہیں ہو سکتے" مماثلت اسمی کے سبب مؤلف کو دھوکا ہوا ہے"

مؤلف نے بعض موقعوں پر "شیخ نظام الدین" کے بعد عبّاسی کا لفظ نہ ہونے کی بابت بھی توجہ دلائی ہے" جس سے اُن کا یہ خیال ہے کہ یہ "رکن الدین صاحب" کے پدر عالی قدر نہیں ہو سکتے" اس کو ہم پیشتر ہی ظاہر کر چکے ہیں کہ عبّاسی امروہہ میں عبّاسیت کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے" کیونکہ وہ قاتلِ سادات تھے" لہٰذا شیخ نظام الدین ہرگز "عبّاسی" نہ تھے" بعض موقعوں پر عبّاسی "شیخ نظام" کے بعد غلط درج کیا گیا" جس سے مؤلف نے یہ غلط خیال باندھا ہے" "شیخ نظام" ہرگز عبّاسی نہ تھے" محض ہندی النسل مسلمان تھے اور کچھ نہیں تھے"

علاوہ اس کے "شیخ نظام الدین صاحب" کی عمر تقریباً دو سو سال کی بقول مؤلف ہوتی ہے" کیونکہ پیدائش کا زمانہ ۷۷۱ھ ہجری کے قریب ہوتا ہے اور ۹۹۰ ہجری میں "رکن الدین" عالمِ شباب میں بسر کرتے ہیں اور معہ کنبہ "امروہہ" میں جدید سکونت اختیار فرماتے ہیں" جس کے سبب "تاج الدین" سے لے کر "شمس الدین" تک کی چار پیڑھیوں کا خون ہوا جاتا ہے" لہٰذا مؤلف سے کسی نے غلط کہہ دیا ہے کہ آپ اُن نظام الدین کی اولاد ہیں جو ملتان کے ہیں۔ عقلاً بھی ۷۲۱ھ ہجری کا زمانہ حیات سید شرف الدین کا ہے" "نظام الدین خواہ وہ خادم ہو یا خلیفہ باکمال ہو" آپ جناب سید شرف الدین (شاہ ولایت) کے زمانہ میں تو موجود ہونا چاہئے!! نہ یہ کہ اس کے درمیان میں چار پشتیں "تاج الدین" سے لے کر "شمس الدین" تک کا فاصلہ بنا دیں" مؤلف کو جو خاصے ہوشیار بلکہ مؤرخ ہیں" ذرا غور و تامّل سے کام لینا چاہئے تھا"

اب رہے "رکن الدین صاحب عبّاسی" اگرچہ ضمناً اُن کا حال "نظام الدین صاحب" کے تذکرہ میں آ چکا ہے" تاہم کچھ تشریح کی ضرورت بھی جاتی ہے" چونکہ یہ بانیٔ خاندان عبّاسیہ امروہہ ہوئے ہیں" جو مؤلف کا ہے" لہٰذا کچھ صفائی کرنا چاہئے۔

جو ص۱۹۱ جلد اوّل پر تو فرزند "شمس الدین" ہیں"

اور ص۲۳ جلد دوم میں "بن مولانا نظام الدین" ہیں۔

جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۷ پر یہ فقرہ درج ہے کہ "موجودہ صحیح النسب عباسیوں" "جعفریوں" "عقیلیوں" کے مورث "شاہ ولایت صاحب" اور اُن کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی کے زمانے سے بہت بعد یعنی تقریباً ڈیڑھ دو صدی بعد امروہہ آئے تھے" جس سے ظاہر ہے کہ نظام الدین کا زمانہ رکن الدین سے ڈیڑھ صدی قبل کا ہے "پس کس طرح رکن الدین پسر نظام الدین ہو سکتے ہیں" اس پر بھی وہ نظام الدین کے پسر ہوں تو سوائے خلیفہ صاحب کی کرامت کے "وجود رکن الدین" کا عقلاً محال ہے" اور اس سے زاید یہ امر تعجب انگیز ہے۔ کہ وہ فرزند شمس الدین بھی ہوں" اور پسر نظام الدین" بھی یہ کرامت بالائے کرامت ہے"

رکن الدین جد مؤلف کی عمر کی تعداد بھی عقل کو چکر میں ڈالے بغیر نہیں چھوڑتی" ۷۹۸ھ میں بھی یہ معہ اپنے پدر شمس الدین کے امروہہ آجاتے ہیں۔ یہ زمانہ شاہ فیروز تغلق کا ہوتا ہے" سکندر لودھی کے وقت میں بھی امروہہ آجاتے ہیں جیساکہ جلد دوم کے صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ سے ظاہر ہے جو ۸۹۴ھ سے ۹۱۵ھ تک ہوتا ہے" اسی جلد دوم کے صفحہ ۲۵۵ پر شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں امروہہ کے معززین میں ہوتے ہیں" جو ۹۶۳ھ سے ۱۰۱۴ھ تک کا زمانہ ہوتا ہے" اور اس کے بعد بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُن کی وفات واقع ہوئی یا نہیں" اگرچہ بعینہ یہی حال نظام الدین خلیفہ باکمال کا بھی عمر کے معاملہ میں ہے" جو دوسرے پدر آنجناب کے علاوہ شمس الدین پدر کے ہیں" الولد سرٌ لابیہ کے اعتبار سے تو موصوف پسر خلیفہ باکمال نظام الدین ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ شمس الدین سے تاج الدین تک کی پشتوں میں تو فقط ایک سال" یا زیادہ سے زیادہ دو سال" بزرگی اور خوردی کا حساب سے زیادہ نہیں ہے" اِن حالات میں نظام الدین اور رکن الدین کے اس وقت میں مان لینے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے"

اور صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ ..... یہ دیکھنا اور باقی رہتا ہے کہ مؤلف (محمود احمد) کی تحریرات سے امروہہ میں عباسیوں کے زمانہ کی کیا حالت ہے" صفحہ ۱۹۷ جلد چہارم سے "نظام الدین" کا آنا ثابت ہوتا ہے" جس کی بابت ظاہر کیا گیا کہ وہ نظام خادم تھے جو ۶۲۱ ہجری میں "سید شرف الدین" کے ساتھ تھے" اور امروہہ میں سید صاحب کے ساتھ تھے اور امروہہ سید صاحب کے ساتھ آئے جس میں کسی طرح کلام نہیں ہو سکتا" جن کو مؤلف بھی خلیفہ باکمال سے متقدم فرماتے ہیں اور جن کی نسبت مؤلف کو جلد اول تک تو علم بھی نہ تھا" کہ یہ پدر رکن الدین ہیں"

صفحہ ۱۹۰ جلد اول پر "شمس الدین" کا امروہہ آنا ثابت ہوتا ہے" (۷۹۸ھ میں تیمور کے حملہ کی وجہ سے) نظام الدین ہوتے ہیں" اور صفحہ ۱۹۱ پر رکن الدین فرزند شمس الدین معہ اپنے خاندان کے سب سے پہلے امروہہ آتے ہیں" اور جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۱ کے مطابق "شمس الدین" "نظام الدین" "رکن الدین" آتے ہیں بلکہ "مصطفےٰ" اور "بلّن" آتے ہیں" اِن حالات میں کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ان مورثان مؤلف میں سب سے پہلے امروہہ آیا" یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی مورثان مؤلف میں ایسا نہیں امروہہ نہیں آیا۔ جس قابل تذکرہ ہوتی"

مؤلف نے نسب کے جو اقسام بیان کئے ہیں اُن کو دکھانے کے بعد صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۴ پر سید فیاض حسین صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ اب ہم جناب عبد اللہ اور مؤلف تک کے نسب کی جانچ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کہاں تک نتیجہ صحیح النسب جو مؤلف نے برآمد فرمایا ہے صحیح ہے"

ابن خلدون جلد دوم پر حضرت عبد المطلب کی وفات ایک سو چالیس ۱۴۰ سال کی عمر میں ہونا درج ہے" اُس وقت پیغمبر خدا کی عمر شریف آٹھ سال دو ماہ کی تھی" جناب عباسؓ کا تین سال آنحضرت صلعم سے بڑا ہونا تسلیم شدہ اور مسلّم ہے" اس لئے جناب عباسؓ نے حضرت عبد المطلب ..... ایک سو تئیس ۱۲۳ برس کی عمر میں پیدا ہوئے ہیں" مؤلف کے اصول موضوعہ پوری

چار پشتیں غایب نظر آتی ہیں " ایک دو بھی نہیں سرے ہی سے " جناب عباسؓ " کے " بن اور بن اور بن اور بن " جن کے بعد حضرت عبد المطلب آئیں گے " مؤلف ظاہر فرماتے جائیں تو بہتر ہے " اب آخری کڑی جو مؤلف تک پہنچتی ہے قابل ملاحظہ ہے "

مؤلف کے جد امجد مسمّٰی احمد علی شاہ صاحب کا سنہ ولادت ۱۱۲۶ھ ہجری ہے " ملاحظہ ہو جلد دوم موسومہ تذکرۃ الکرام صفحہ ۱۹۲ اور ہنوز مؤلف صاحب چشم بد دور تقریباً چہل سالہ ہیں۔ اگرچہ عمر طبعی ۔ ۳۰ ۲/۱ سال سے متجاوز ہیں " تاہم احمد علی شاہ صاحب سے تخمیناً ایک صدی کا فاصلہ جناب کی پیدائش سے ضرور ہے " اور " علی محمد " آنجناب کے پدر بزرگوار جو بیان کئے جاتے ہیں " صرف ایک ہی واسطہ ہوتے ہیں " پورے دو واسطوں کی کمی ہے " اس حساب سے مؤلف صاحب ہی کی دو پشتیں لاپتہ ہیں۔ یہ حالت تو جناب ہی کے شجرہ پدری کی ہے " (مؤلف نے ایک صدی میں تین پشتیں قرار دی ہیں ")

اب ہم جناب عباسؓ سے مؤلف تک اس اصول سے دیکھتے ہیں "

(۱) " جناب عباسؓ " (۲) " جناب عبد اللہ " (۳) " جناب علی سجاد " (۴) " جناب محمد "
(۵) " جناب منصور " (۶) " مہدی " (۷) " ہارون رشید " (۸) " امین "
(۹) " موسیٰ " (۱۰) " محمد تقی " (۱۱) " محمد نقی " (۱۲) " قطب الدین "
(۱۳) " علاؤ الدین " (۱۴) " محمد باقر " (۱۵) " محمد اسمٰعیل " (۱۶) " محمد اسحٰق "
(۱۷) " محمد حمزہ " (۱۸) " محمد یوسف " (۱۹) " تاج الدین " (۲۰) " معین الدین "
(۲۱) " شرف الدین " (۲۲) " شمس الدین " (۲۳) " نظام الدین " (۲۴) " رکن الدین "
(۲۵) " بابن " (۲۶) " محمد " (۲۷) " صالح " (۲۸) " نذر محمد "
(۲۹) " عنایت " (۳۰) " عبد الرحیم " (۳۱) " عبد الحیٰ " (۳۲) " سعادت علی "
(۳۳) " احمد علی " (۳۴) " علی محمد " (۳۵) " مؤلف (محمود احمد) "

سنہ ۵۶۶ء کی پیدائش جناب عباسؓ کی ہے جو مطابق چھپن ۵۶ سال قبل سنہ ہجری کے ہے " مؤلف کی عمر چالیس کے قریب ظاہر کر آئے ہیں " لہذا مؤلف کی پیدائش تقریباً سنہ ۱۳۱۰ ہجری کی ہوتی ہے " اس لئے جناب عباسؓ تک تیرہ سو چھیاسٹھ ۱۳۶۶ سال ہوتے ہیں " جس میں اکتالیس ۴۱ واسطے ہونے چاہئیں۔ حالانکہ صرف تینتیس واسطے ہیں اور اگر جناب عبد المطلب تک دیکھا جائے تو چھیالیس ۴۶ ہونے چاہئیں اور یہاں چونتیس ۳۴ ہوتے ہیں " اکٹھے بارہ ۱۲ واسطوں کی کمی آتی ہے "

اب محمد یوسف سے جو مؤلف تک دیکھا جاتا ہے تو سترہ ۱۷ پشتیں ہوتی ہیں " اگر مؤلف ہی کی مسلمہ عمر سنہ ۶۵۹ ہجری میں محمد یوسف کی مانی جائے " تب بھی سات صدیاں ہوتی ہیں " اکیس ۲۱ واسطوں کی ضرورت ہے " گر سترہ میں پانچ پشتیں لاپتہ ہیں "

مؤلف نے صفحہ ۱۸۸ جلد چہارم پر " محمد یوسف سے رکن الدین تک اسی اصول سے جانچ فرما کر نتیجہ صحیح النسب برآمد کیا ہے جو بالکل غلط ہے " کیونکہ رکن الدین کا امروہہ آنا ہرگز سنہ ۹۸ ہجری نہیں ہے "

مؤلف نے خود صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ جلد اول پر " جہاں رکن الدین کو فرزند " شمس الدین " ظاہر کیا ہے " سنہ ۹۸ ہجری میں فتنہ تیمور کا ہونا تسلیم کرتے ہوئے " امروہہ آنا تسلیم کیا ہے " فقط اس قدر اختلاف کیا ہے کہ " شمس الدین " نہیں آئے بلکہ اُن کے فرزند کچھ عرصہ کے بعد آئے " یہ وقت جبکہ فتنہ تیمور رہتا " آٹھویں صدی ہجری کے آخر کا ہے " کچھ عرصہ " پانچ یا چھ سال کا زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے " لہذا زیادہ سے زیادہ سنہ ۸۰۵ ہجری ہو سکتا ہے " ہرگز سنہ ۹۸ ہجری نہیں ہو سکتا " محمد یوسف سنہ ۶۵۹ میں آئے " اس طرح ایک سو انچاس ۱۴۹ سال تقریباً ہوئے " رکن الدین " شمس الدین " کے پسر ہوتے ہیں " سنہ ۹۸ عمر مطابق سنہ ۷۹۵ ہجری کے قریب میں موجود ہوتے ہیں " اس طرح بھی سنہ ۶۶۴ ہجری تک صرف ایک سو اکتیس ۱۳۱ سال کا زمانہ ہوتا ہے " اگر رکن الدین "

کی عمر اس وقت دس یا ۱۲ سال کی بھی مانی جائے تو ایک سو بیس سال ہی ہوتے ہیں۔ جس میں مؤلف کا دو سو برس جوڑنا ہرگز صحیح نہیں ہے " علاوہ بریں نظام الدین جو جلد دوم سے " پدر رکن الدین ہوئے ہیں " خلیفہ باکمال سید شرف الدین ہوئے " وے ۶۱۱ھ ہجری میں بقول مؤلف امروہہ میں موجود پائے گئے " اگر اس وقت ان کی عمر بوجہ خلیفہ باکمال ہونے کے صرف چالیس سال ہی مانی جائے تو " نظام الدین " کی پیدائش ۵۸۰ھ ہجری کی مانی جا سکتی ہے " محمد یوسف کا ۵۶۶ھ ہجری کا ہند کا آنا مؤلف کو تسلیم ہے " اس طرح نظام الدین کی پیدائش اور محمد یوسف کے درمیان کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ جبکہ ۶۱۱ھ میں صرف چالیس ہی سال کی عمر نظام الدین کی مانی جائے تو صرف پانچ یا چھ سال ہی پڑتے ہیں " لہٰذا ہر طرح " شمس الدین " و شرف الدین و معین الدین و تاج الدین " کے وجود خلاف عقل ہیں " زیادہ سے زیادہ محض نظام الدین خلیفہ باکمال سید شرف الدین (شاہ ولایت) محمد یوسف کے پسر ہو سکتے ہیں " جیسا کہ پیشتر بھی ہم نے ظاہر کیا ہے " جس سے ظاہر ہے کہ مؤلف نے " چار پشتیں اپنی طرف سے تراشی ہیں اور کچھ نہیں "

دوسرا مقام جو ص ۱۸۵ جلد چہارم کا " محمد یوسف سے امین تک کا ہے " اگرچہ اس میں " موسیٰ " بھی داخل ہیں " جو دس برس کی عمر میں " محمد تقی " سے " صاحب ولد ہو جاتے ہیں " اور امین بھی موجود ہیں جن کے بیس سال کی عمر میں موسیٰ ہوتے ہیں " گویا تیس سال ہی کے درمیان " امین " اور " محمد تقی " کے بیچ میں موسیٰ واسطہ بن جاتے ہیں " اس میں بھی " امین اور محمد یوسف " کے درمیان جبکہ وہ ص ۶۵۹ ہجری میں پچاس سال کے ہوں ۶۰۹ھ ہجری پیدائش امین " اور پیدائش محمد یوسف میں جو ۵۰۹ھ ہجری کی ہو سکتی ہے صرف چار سو انتالیس سال کا فرق بقول مؤلف ہی نکلتا ہے " جس کو انہوں نے چار سو پچاس کا درج کیا ہے " یعنی گیارہ سال زاید درج کیا ہے " تاہم اس سے بھی ٹھو آگے نہ چلا اور اس قدر کھینچ تان سے بھی مؤلف کے شمار میں گیارہ واسطے آئے " یعنی محمد یوسف اور امین کے درمیان جو زمانہ ہے۔ خواہ وہ چار سو پچاس سال ہی ہی اس میں گیارہ واسطے آئے " جناب صرف نو ہی واسطے آئے " ریاضی تیر ابرا ہو ہر جگہ آڑے آرہی ہے " ابھی پوری چار پشتیں غایب " دس برس کے بچوں کی اولاد محمد تقی بھی شامل اور موسیٰ بھی شامل " اور اس پر بھی یہ حال کہ زبان پر یہ کلمہ جاری فرما کر بھی کہ " موسیٰ " کے بعد اس سلسلہ کے اکثر اشخاص نے طویل عمر پائی ہو " یہ سلسلہ مؤلف کا صحیح اور متصل ہے " ہا۔ یہ ہٹ تریا ہٹ سے بھی بڑھی ہوئی ہے "

جس سے واضح ہو گیا کہ امروہہ کے عباسی صاحبان جو مؤلف کو کہتے ہیں وہ صحیح ہے کہ " مؤلف اپنے کو عباسی کہتے ہیں۔ ہمارا تو ان سے شادی بیاہ بھی نہیں ہوتا "

اِن حالات میں مؤلف کے نسب کی بابت آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ " مؤلف ایسے نسب کے شخص ہیں کہ اقسام نسب تو درکنار وجود نسب ہی میں داخل ہونا اُن کا دشوار کیا بلکہ ناممکن ہے " مسٹر محمود احمد مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کے نسب کی جو کیفیت ہے۔ وہ ہمارے پیش کردہ اِن شواہد و بیانات سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہو چکی ہے "

کلہوڑہ اور داؤد پوتروں کے عباسی نسب ہونے کے متعلق مؤلف امروہوی کا بیان

مؤلف امروہوی نے اپنے خاندانی نسب کا پورا حال جانتے ہوئے کہ اُس کو خود اُن کے مسکن امروہہ میں صحیح النسب خیال نہیں کیا جاتا۔ پوا زور اپنے صحیح النسب ہونے پر لگایا مگر دل میں خلش رہنے کی وجہ سے اب اُن کو ضرورت ہوئی کہ دوسرے مقامات کے اپنے ہی نام نہاد عباسیوں کی ہمدردی حاصل کی جائے اور اُن کو بھی عباسیت کی زرد ارقبا پہنائی جائے تو انہوں نے اس سلسلہ میں سندھ کے جاموٹ اور کلہوڑہ ۔ داؤد پوتہ خاندانوں کی راگ مالا شروع کر دی اور اس طرح حقیقت کو بس پردہ ڈال کر

اپنے حسب نسب کا ڈانڈا عباسیت کو جا ملایا۔ اگر مؤلف موصوف اِن لوگوں کا تذکرہ اپنی لاجواب تالیف میں کرنے سے قبل صرف امپیریل گزیٹیر ہی کو ملاحظہ فرما لیتے تو شاید وہ اِن خاندانوں کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھتے۔ لیکن انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۵۷ پر یہ لکھا ہے کہ "خلیفہ مستعصم باللہ" رخاتم خلافت عباسیہ جسے ہلاکو خاں نبیرہ چنگیز خاں نے نمدوں میں لپٹوا کر اور ستون سے بندھوا کر پھر لاتیں لگوا کر مروا دیا تھا کے چچا "ابو القاسم احمد" کی اولاد میں "شہزادہ احمد ثانی" بن "مزمل" بن "عقیل" بن "سہیل" بن "ابو القاسم احمد" مذکور مع چند آل عباس کے "مصر" سے ہجرت کر کے کچھ و مکران ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے۔ "اُن کے کئی بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے "ابو الفرا احمد عرف امیر ابّن" کی اولاد میں "امیر عبد القاہر معروف به کاہر خاں" نے "شہر کاہر بیلہ" بسایا۔ اُن کے پوتے "امیر چنّی خاں" کے دو فرزند "امیر مہدی" اور "امیر داؤد" ہوئے۔ اوّل الذکر کی اولاد میں "میاں آدم شاہ" "سندھ" کے مشہور پیر طریقت تھے۔ "مزار پُر انوار اُن کا "ٹکری آدم شاہ" میں "سکھر" سے متصل ہے۔" اُن کی نسل میں ۱۷۸۲ء میں "سندھ" کی سلطنت و حکومت رہی۔ جن میں نواب شاہ ثابت جنگ "خدایار خاں عبّاسی" "نواب غلام شاہ عبّاسی" وغیرہ مشہور حکمراں گذرے ہیں۔" یہ خاندان "سندھ" میں "کلہوڑہ" کے نام سے مشہور ہوا" خاندان کلہوڑہ کی آبادی "ضلع لاڑکانہ" وغیرہ میں ہے۔" خان بہادر محمد ایوب عبّاسی رئیس بالیشاہ" ان میں نمودار ہیں۔" انہیں کے بنی اعمام "حاجی پور نواح ملتان" کے قدیمی جاگیردار" مذہباً شیعہ ہیں۔" امیر داؤد" مذکور کی اولاد "داؤد پوترہ" کہلاتی ہے۔"

"کلہوڑہ اور داؤد پوترہ عبّاسی نہیں ہیں"۔ امپیریل گزیٹیر کی شہادت"

اب ہم مؤلف موصوف کے بیان متذکرہ کے مقابلہ میں "امپیریل گزیٹیر" مرتبہ ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صاحب ایل ایل ڈی سی آئی۔ ای" کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس سے مؤلف امروہوی کے بیان کی پورے طور پر تردید ہو جاتی ہے۔"

IMPERIAL GAZETTEER V. VIII-PP. 358 & 359

BY DR. W. W. HUNTER LL.D., C.I.E

The hold of Khalifas upon this District (Province (Sindh) grew slowly weaker and became virtually extinct in 871 A.D.	خلفاء کا اثر اِس ضلع (صوبۂ سندھ) میں کم ہونا شروع ہوا اور ۸۷۱ء عیسوی میں قطعی طور پر زائل ہوگیا۔
When Mohmood Ghaznavi invaded India in 1019 Sindh was ruled By a Governor who nominally represented The Khalifa, Qadir Billah Abul Abbas-Ahmad. Mahmood sent his Wazir Abdur Razi to Conquer Sindh,	جب ۱۰۱۹ء عیسوی میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ سندھ میں ایک گورنر حکمران تھا جو خلیفہ قادر باللہ ابو العبّاس احمد کا نمائندہ تھا۔ محمود نے اپنے وزیر عبدل راضی کو سندھ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جس کو وزیر نے ۱۰۲۴ء عیسوی میں فتح کر لیا۔

Which the Wazir accomplished in 1026. In the interval Between Akbar and invasion of Nadir Shah the Daudputas Sons of Daud Khan rose to Distinction. They were weavers and warriors by profession and led a wandering life, they established Their supremacy over upper Sindh.

اِس دَوران میں جو اکبر اور نادرشاہ کے حملہ کے درمیان میں گذرا داؤد خاں کے لڑکے نامور ہو گئے۔ وہ ذات کے جولاہے اور پیشہ میں لڑنے والے تھے۔ اور اُن کی زندگی خانہ بدوش لوگوں کی طرح تھی، اُنھوں نے شمالی سندھ پر عروج حاصل کیا۔

Towards the end of 17th century another race closely allied to the Daudputas rose to power. They were Kolhoras, traced their descent historically to Mohammad Kambatho (1204) and more mythically to Abbas, the uncle of prophet.

سترہویں صدی کے اختتام پر دوسری نسل داؤد پوتوں کے سے ملتی جلتی طاقتور ہو گئی۔ اُن کو کلہوڑہ کہتے تھے اور تاریخ کی رُو سے اُن کا سلسلہ محمد کہیا تھو (۱۲۰۴ عیسوی) سے ملتا تھا۔ اور زیادہ تر بناوٹی اور جھوٹی کہانیوں کی رُو سے حضرت عباس سے ملتا تھا جو کہ رسول کریم کے چچا تھے۔

About 1558 the family of Kalhaura rose into notice through the sanctity of Adam Shah, who was a mendicant

۱۵۵۸ عیسوی کے لگ بھگ کلہوڑہ خاندان نے نمایاں صورت اختیار کرلی۔ اور یہ سب کچھ درویش صفت آدم شاہ کی برکت سے حاصل ہوا۔

The Governor of Multan attacked the religious Leader, Dispersed his followers, and put to death Adam Shah himself. The fakirs Descended from the familly long lived a life of warfare against the Moghul Lieftenant Governors. In 1658,

ملتان کے گورنر نے مذہبی لیڈر پر حملہ کردیا۔ اور اُس کے مُریدوں کو تتر بتر کردیا۔ اور آدم شاہ کو پھانسی دے دی۔ فقیر کی اولاد نے عرصہ تک مغل لفٹنٹ گورنر صاحبان سے لڑائی رکھی تھی ۱۶۵۸ عیسوی میں کلہوڑہ قبیلہ نے نظیر محمد کے تحت اپنے آپ کو گورنمنٹ کی شکل

میں منظم کیا۔

Under Wazir Mohammad Kalhauhura organised themselves into a regular government.

In 1701 Yar Mohammad Kalhauhura By the assistance of Talpores Tribe, Balochis (بلوچی) seized Shikarpoor fixed his Court and received from the Emperor grant of Darjat in 1719 Noor Mohammad son of Yar Mohammad succeeded. In 1739 Sindh Became a persian territory and shortly after Nadir Shah returned to Kabul, Nadir Shah Set out for a Second expedition against Noor-Mohammad who had made a bargain of a piece of province for 3 Lakhs of rupees with Sadiq Ali Subehdar of Tatta against the wishes of Nadir Shah. On his approach Noor Mohammad fled and afterwards surrendered with the loss of Shikarpore and Sebi. A tribute of 20 Lakhs with high sounding tittle was imposed upon him.

۱۷۰۱ء عیسوی میں یار محمد کلہوڑہ نے بلوچی نسل کی ایک جماعت تالپور کی مدد سے سکھر کو حاصل کر لیا۔ اور اپنی عدالت قایم کر دی۔ اور بادشاہ نے درجات کو عطا فرما دیا۔ نور محمد پسر یار محمد ۱۷۱۹ء میں جانشین ہوا۔ ۱۷۳۹ء عیسوی میں سندھ فارس میں شامل ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نادر شاہ نے کابل کو واپس ہو کر نور محمد پر دوبارہ چڑھائی بول دی۔ جس نے صادق علی صوبیدار ٹھٹھہ سے نادر شاہ کی مرضی کے خلاف ایک قطعہ اراضی کا سودا تین لاکھ روپئے میں کر لیا تھا۔ اس کے آتے ہی نور محمد فرار ہو گیا۔ اور شکارپور اور سیبی کے نکل جانے کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۲۰ بیس لاکھ روپئے کا عطیہ اور بڑا خطاب اس کو دیا گیا۔

In 1748 Sindh Became a territory to Ahmad Shah Durrani of Kandahar who Conferred Noor Mohammad the tittle of Shah Nawaz KHAN

۱۷۴۸ء عیسوی میں سندھ احمد شاہ درانی ساکن قندھار کی ملکیت ہو گیا۔ اور اس نے نور محمد کو شاہ نواز کا خطاب عطا کیا۔

۱۷۵۴ء عیسوی میں جبکہ یہ افرقہ پٹ ہو گیا تھا۔ احمد شاہ سندھ کی طرف بڑھا۔ نور محمد جیسلمیر کو بھاگ گیا۔ جہاں کہ وہ مر گیا۔ اور محمد مراد خاں اس کا جانشین ہوا۔

In 1754 the tribute being in arrears Ahmad Shah advanced against Sindh Noor Mohammad fled to Jassolmur, where he died. Mohammad Murad Khan succeeded.

۱۷۵۷ء عیسوی میں مراد خاں تخت سے اتار دیا گیا۔ اور اس کا بھائی غلام شاہ تخت پر بٹھا دیا گیا۔

In 1757 Murad Khan was dethroned and his Brother Ghulam Shah was put upon the throne.

۱۷۶۸ء عیسوی میں اس نے شہر حیدرآباد قدیم نارن کوٹ کی جگہ آباد کیا۔

In 1768 he founded the city of Hyderabad on the ancient site of Naran Kot. (

۱۷۷۲ء عیسوی میں وہ مر گیا اور اس کا لڑکا سرفراز خاں اس کا جانشین ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کو تخت سے اتار دیا گیا۔ دو سال تک بغاوت رہی۔

In 1772 he died and was succeeded by his son Sarfaraz Khan. Soon after he was dethroned anarchy followed for 2 years.

۱۷۷۷ء عیسوی میں غلام نبی خاں برادر غلام شاہ تخت پر آیا۔ مگر تالپوری سردار کے خلاف جنگ میں انتقال کر گیا۔ اس کا بھائی عبدالنبی خاں تخت نشین ہوا۔ اور اس نے اپنے جملہ اعزا کو قتل کروا دیا۔

In 1777 Ghulam Nabi Khan Brother of Ghulam Shah Saccecded who lost his life in the battle against Talpore Chief. Abul Nabi Khan his brother succeeded to the throne and put all his relatives to death.

۱۷۸۱ء عیسوی میں کلہوڑہ خاندان کا آخری فرد جودھپور کو بھاگ گیا۔ جہاں اس کی اولاد کے فرد اب تک مراتب اعلیٰ پر ہیں۔

In 1781 the Last of Kalhora fled to Jodhpore were his descendents still hold - Distenguished runks.

(امپیریل گزیٹیر ۵ - ۸ - صفحات ۳۵۸ و ۳۵۹ - منجانب ڈاکٹر ڈبلو۔ ڈبلو۔ ہنٹر۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ سی۔ آئی۔ ای۔)

سر لیپل گریفن کا بیان

"رولرز آف انڈیا اور رنجیت سنگھ" مصنفہ "سر لیپل گریفن" کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ مترجمہ مولوی نظیر حسین صاحب فاروقی مہتمم تعلیمات ضلع رائچور (حیدرآباد دکن)، مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سنہ ۱۳۴۲ ہجری مطابق ۱۳۳۱ فصلی مطابق سنہ ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ پر تحریر ہے کہ "دوسری ہندو ذاتوں کی طرح ان پر بھی صحیح اور حقیقی طور پر شودری الاصل کا اطلاق ہوتا ہے" ان کے

ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کرنے سے۔ ان کی قومی خصوصیات کو تغیر یا نقصان پہنچنے کے بجائے اور مستحکم کر دیا" اکثر کا یہی تعلق عام آشکارا ہے" ٹوانا "سیال" "غیبا" اور "بھاولپور کے داؤد پوتر" سب کے سب یک جدی ہیں" گو مؤخر الذکر اپنا سلسلۂ نسب "حضرت عباس رضی اللہ عنہ" سے ملا کے دل خوش کرتے ہیں۔ (جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار تھے) لیکن یہ لوگ پنجاب کی دوسری قدیم ذاتوں کی طرح "راجپوت نسل" کے ہیں"

مولوی صبغت اللہ صاحب بی۔ اے۔ رئیس امروہہ داماد نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی تنقید"

مؤلف امروہوی کے حالات اور مؤرخانہ حیثیت پر

مولوی صبغت اللہ صاحب بی۔ اے۔ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" جلد اوّل کی اشاعت یکم اپریل ۱۹۳۰ء کو ہوئی۔ مضامین اکثر مقامات پر تشنہ و ناقص تھے" خدا جانے کن جذبات کے ماتحت پیرزادگان کی سیادت کے خلاف ثبوت کا انبار عظیم اس جلد میں عمداً یا سہواً جمع کر دیا گیا تھا" ثبوت و شواہد کو دیکھتے ہوئے مؤلف کا رجحان بھی پیرزادگان کی عدم سیادت کی طرف میل کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس امر کا ثبوت کہ جلد اوّل کی تدوین کے وقت مولوی محمود احمد صاحب کی رائے مخالف سیادت پیرزادگان تھی خود ایک لائق و قابل پیرزادہ صاحب کی زبان قلم سے سن لیجئے۔ پیرزادہ حکیم مولوی طفیل حسن صاحب نے جمعیۃ العلماء کے اجلاس نہم کے استقبالیہ کمیٹی کے خطبۂ صدارت میں فرمایا"

"میں قانون اخلاق کا مجرم ہوں گا اگر شکریہ کے عنوان میں مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کا تذکرہ نہ کروں جو امروہہ کے قابل مگر متعصب مؤرخ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے باوجود اجلاس جمعیت کے اوّلین داعی ہونے کے از اوّل تا آخر شریک کار نہ ہونے پر اکتفا فرمایا۔ ورنہ اگر وہ افتاد طبیعت کے ہاتھوں بجائے خاموش رہنے کے مخالفت پر اتر آتے تو ارکان استقبالیہ کو نہ معلوم کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا"

یہ الفاظ اُن حکیم صاحب کے ہیں جن کے خاندان کو مؤلف نے ناخونوں تک کا زور لگا کر تاج رضویت عطا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس سے زیادہ مؤلف کی ہنگامہ آرائی و تعصب کا اور کیا ثبوت درکار ہے"......

ہمارے نزدیک تو بابو صاحب (محمود احمد صاحب) کے لئے یہ مناسب ہے کہ پیرزادگان کی سیادت کے تعاقب سے باز آئیں۔ اپنی عباسیت کی فکر کریں۔ موسیٰ ابن امین الرشید کو صاحب اولاد ثابت کریں۔ ورنہ مایۂ ناز عباسیت رخصت ہوئی" اگر پیرزادگان کی سیادت ثابت کرنے سے مؤلف ناکام رہے تو نظام شمسی درہم برہم نہ ہوگا۔ اگر مؤلف کی عباسیت ثابت نہ ہوئی اور یہ یقینی امر ہے کہ حشر تک ثابت نہ ہوگی تو یقین کیجئے کہ قیامت قبل از وقت قائم ہو جائے گی"

دوسرا حصّہ موسومہ تذکرۃ الکرام مئی ۱۹۳۲ء کو شائع ہوا۔ ذاتیات کے حملے غیر متعلق و ناگوار آمیز اعتراضات کا ایک انبار عظیم دیباچہ میں اور نیز تحت مقالہ راقم الحروف بندہ محمود" میں موجود ہے"

"جلد چہارم موسوم "تحقیق الانساب" ۱۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو شائع ہوئی۔ تقریباً ہر خاندان اور ہر گروہ کی مجموعی عام نسب پر دل کھول کر لایعنی نکتہ چینی کی گئی۔ دوسرے خاندانوں کی تنقیص اور اپنے اور پیرزادوں اور چودھریوں کے خاندانوں کی تفضیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا"

جن کتب تواریخ اور تذکروں کو جو بعد غدر ۱۸۵۷ء تالیف ہو کر شائع ہوئے تھے۔ اور جن کو جلد اوّل میں حضرت مؤلف غیر معتبر و مجموعہ خرافات ظاہر کر چکے تھے انہیں کو جلد چہارم میں [illegible]

اور جو کہنہ دستاویزات و فرامین شاہی بحق آباء پیرزادگان جلد اوّل میں داخل کر چکے تھے اُن کی طرف سے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور جذبۂ افتخار نسبی کی بدولت خارجی اثرات سے متاثر ہو کر بربنائے مفاد ذاتی پیرستی اپنی بیانات کو تباین و تناقص و خود ساختہ قصص و بیانات و موضوعات سے بھر دیا دوسرے خاندانوں میں بے بنیاد معایب منسوب کر کے اپنے اور اپنے متعلقین کے نقائص خاندانی کو یا تو پوشیدہ رکھا یا خفیف کر کے دکھلایا......

بابو محمود احمد نے جن کتب و دستاویزات سے اپنی مذعومہ عباسیت اور پیرزادگان کی مفروضہ سیادت ثابت کرنے میں کام لیا ہے اُن کی کیا حقیقت ہے اور باعتبار استناد کے وہ کن درجہ پر ہیں مؤلف کی معتمد علیہ کتب و مدار علیہ دستاویزات حسب ذیل ہیں :۔

(**اوّل**) فرامین شاہی و کہنہ دستاویزات۔ کوئی مستند فرمان یا قابلِ اعتبار دستاویز یا کاغذ مثبت سیادت پیرزادگان و عباسیت عباسیان مؤلف کے پاس نہیں ہے۔ سیادت تو درکنار پیرزادگان کی شیخیت خاصہ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔

(**دوم**) تواریخ و تذکرے۔ یہ دو قسم کے ہیں :۔

(الف) معتبر و مستند۔ مثلاً:۔ **منتخب التواریخ "تاریخ فرشتہ" تاریخ فیروز شاہی " مآثر الامراء " اسراریہ " ثمرات القدس " اخبار الاخیار " طبقات اکبری " گلزارِ ابرار " جامِ جہاں نما "**

(ب) تاریخ یا تذکرے جو بعد غدر تالیف ہوئے۔ اور جن کو مؤلف نے غیر معتبر اور غیر مستند ٹھیرایا ہے۔ یا جو مجہول الحال اور غیر معروف شخص کی تالیف ہیں۔ مثلاً:۔ **آئینۂ عباسی " گزیٹیر " نخبۃ التواریخ " تاریخ رضوی " تاریخ واسطیہ " خلاصۃ الانساب " مثنوی مولوی ظہور علی "**

(۱) "**منتخب التواریخ**" ملا عبد القادر بدایونی کی تالیف ہے اس میں سوائے الفاظ "سید مشائخ الیہ" کے جو متن میں **حضرت شاہ ابن صاحب** کے حال میں آ گئے ہیں اور کوئی ذکر سیادت پیرزادگان کا نہیں ہے۔ یہی وہ تین الفاظ ہیں جن کی بحث میں مؤلف نے اپنے ذہن کی بلند پردازی کا جلوہ جس کے ارتفاع کا اندازہ قوت واہمہ کی دسترس سے باہر ہے صفحات قرطاس پر پورا پورا دکھلایا ہے۔ اگر واقعات و حقائق پر مؤلف اکتفا کرتے تو پھر جولانیٔ طبع کے واسطے مواد کہاں سے آتا۔

مؤلف کو شاید معلوم نہ ہوگا کہ بدایونی کی تاریخ کا اصل نسخہ جو خود اُن کے قلم کا ہوگا تلف کر دیا گیا تھا۔ اکبر کے عہد میں اس تاریخ نے رواج نہیں پایا جس سال میں ملا نے تاریخ ختم کی اُسی سال کے آخر میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں اس تاریخ کا چرچا ہوا۔ بادشاہ نے دیکھی اور حکم دیا کہ اُس نے میرے باپ کو بدنام کیا ہے اُس کے بیٹے کو قید کرو۔ گھر کو لوٹ لو اور جملہ کتب فروشوں سے چھین لئے جائیں۔ کوئی فروخت نہ کرنے پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کی نقول خفیہ طور پر کی جاتی تھیں۔ مقابلہ و شدواری سے خالی نہ تھا۔ ہر چند جد سوسی کا خطرہ تھا۔ ایسی حالت میں صحت و غلطی کا کیا لحاظ ہو سکتا تھا۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ عنوان میں لفظ شیخ صحیح لکھا گیا......

یہ کتاب تین جلدوں میں **ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ** سے چھپکر شائع ہوئی ہے۔ دوسری جگہ یہ تاریخ مطبع نولکشور میں [illegible] میں طبع ہوئی۔ پرانے قدیم کتب خانہ **نواب ضیاء الدین خاں رئیس لوہارو** سے منقول ہے۔ اس میں بھی عنوان پر شیخ ہی تحریر ہے اور ملا **عبد القادر** نے قطعاً سید قطعاً نہیں لکھا۔ یہ تو قطعاً جائز نہیں ہو سکتا کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل تراش خراش کر کے اور خلاف واقعہ امور ملائے موصوف کے سر تھوپ دیئے جائیں **سید مشائخ الیہ** کے معنی گھڑ لئے جائیں اور اس معاملہ خاص میں **منتخب التواریخ** کی اس طور سے مدد کی جائے جیسے کہ ایک کمزور بے طاقت انسان کو یا کسی میت کو اپنے بازو اور اپنے ہاتھ کے سہارے چلایا جائے۔

دوسرا کام مؤلف نے اس تاریخ سے یہ لیا ہے کہ چند قصے اپنے دل سے گھڑ کے اور بعض عبارات اختراع کر کے ملا بدایونی سے منسوب کر دیئے ہیں۔ مثلاً ملائے موصوف کو امروہہ میں **سید محمد میر عدل** کے پاس بغرض اکتساب علوم لا بٹھایا ہے۔ اور الفاظ "مولا الہ داد" کو **منتخب التواریخ** میں دیکھ کر لکھ مارا کہ یہی الہ بخش ہیں " یہ ہی عباسی ہیں " یہی منصبدار ہیں "۔ یہی فوج کے افسر اعلیٰ تھا

(۱) یہ بھی معافیات کی تحقیقات کے کمیشن کے رکن اعظم تھے۔ حالانکہ بدایونی کے "الہ داد" ان میں سے کسی عنوان میں داخل نہیں۔ البتہ باعث گرمیٔ محفل اور مجلس آرائی کے سنگھار اور فوج میں منسلک ہو سپاہی ہیں۔ طبقات اکبری کے صفحہ ۳۹۱ پر تحریر ہے کہ "مرد خوش فہم ملائمیہ مشرب بود"
مؤلف نے جلد دوم کے صفحہ ۳۹ پر جو عبارت منتخب التواریخ سے نقل کی ہے اس کا تو منتخب التواریخ میں پتہ تک نہیں غرضیکہ تاریخ نہ مفید عباسیان ہے اور نہ مثبت سیادت عباسیان"

(۲) تاریخ فرشتہ "اس کتاب سے مؤلف نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یوسف بے کارواں ہوا اولاد ابن الرشید بتلائے جاتے ہیں۔ بعد تباہی ہندوستان آئے اور بے یار و مددگار بہ حالت پریشانی یکہ و تنہا خاک پاک سنبھل پر قدم رکھا۔ مگر مؤلف کی بدقسمتی سے فرشتہ میں نہ نام ملتا ہے اور نہ ولدیت کا پتہ۔ "نام اور ولدیت مؤلف نے اور نیز ان کے بزرگ مولوی محب علیخاں صاحب مرحوم نے عطا فرمائے ہیں" المختصر تاریخ سے نہ مؤلف کی عباسیت اور نہ پیرزادگان کی سیادت ثابت ہوتی ہے۔

(۳) تاریخ فیروز شاہی "اس کو محض بغرض افتخار عباسیت کام میں لایا گیا ہے اس کا کوئی تعلق نہ مؤلف کی عباسیت سے ہے اور نہ پیرزادگان یا چودھریان کی سیادت سے"

(۴) - مآثر الامراء - اسراریہ "ثمرات القدس" اخبار الاخیار "طبقات اکبری" گلزار ابرار "جام جہاں نما" یہ ساتوں کتابیں حضرت ابن آ کو شیخ پکار پکار کے کہہ رہی ہیں۔ ان میں پیرزادگان کے واسطے لفظ "سید" ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ اور "گلزار ابرار" میں تو مصنف نے نہایت شاد رت و دلیری کے ساتھ تحریف سے کام لیا ہے جس کو تبصرۂ ہذا میں اپنے مقام پر واضح طریقہ سے دکھلا دیا جائے گا۔

قسم دوم میں وہ تواریخ و تذکرے ہیں جو بعد غدر تالیف ہو کر شائع ہوئے ان میں حسب ذیل کتابیں شامل ہیں۔

(۱) آئینۂ عباسی "مؤلفہ مولوی محب علی خانصاحب ۱۸۷۸ء۔ یہ کتاب بنا ۂ بغداد سے چھ سو بیس (۶۲۰) اور ابن الرشید (۱۷۳ھ) سے ایک ہزار تہتر برس بعد عالم وجود میں آئی۔ سب سے پہلے یوسف بے کارواں کا نام اور مؤلف کا سلسلۂ نسب اسی کتاب میں ملتا ہے۔ یہی کتاب بابو محمود احمد صاحب کی عباسیت کی بنیاد ہے۔ اسی میں دودمان عباسی کے شجرۂ مبارکہ مختصرہ کے اسمائے گرامی ملتے ہیں جو ابن الرشید سے لے کر محب علی خاں صاحب کے وقت تک ہر اہل خاندان کو اور خصوصاً خاندان مولوی علی محمد صاحب کو ازبر یاد تھے۔ اور سینہ بسینہ چلے آرہے تھے۔ غرضکہ مؤلف کی طویل و عریض داستان اسی چند ورق کی کتاب میں سمائی ہوئی ہے۔

تماشہ یہ ہے کہ بابو صاحب نے جو اپنا خانہ ساز شجرۂ بغدادی اپنی تالیف میں درج فرمایا ہے اس میں ایک نام کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے۔ اور سلسلۂ شیدی میں ایک وقت میں دو رکن الدین اور چار نظام الدین تشریف رکھتے ہیں۔ محب علی خانصاحب اسی کتاب میں پیرزادگان کی نسبت لکھتے ہیں کہ "ایک گروہ پیرزادہ صاحب کا کہ اولاد شیخ ابن قدس سرہٗ العزیز کثیر ہیں"
"بابو محمود احمد صاحب" اسی رسالہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ:-

"اس مختصر کتاب میں جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی سادات و شرفاء امروہہ کے خاندانوں کے اجمالی تذکرے۔ کہیں کہیں چند تاریخی حالات سے متعلق ہیں۔ (جلد ۱ صفحہ)"

(۲) نخبۃ التواریخ "مؤلفہ مولوی آل حسن صاحب" اس تاریخ کا ایک حرف بھی مؤلف کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ ایک وقت تو مولوی صاحب کو مستند نہیں مانتے اور دوسرے وقت انہیں کو اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور بھول جاتے ہیں کہ حضرت کا قلم ابتداء میں ان پر تہا یت بیباکانہ جرح و قدح کر چکا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
(الف) خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ (جلد ۱ صفحہ ۹)

(ب) خدا مولوی آلِ حسن کو معاف فرمائے کہ انہوں نے اپنی تالیف میں آئینۂ عباسی و تاریخ رضوی کی تحریرات کے سراسر خلاف...... بشرطیکہ اُن کی کسی بدنیتی یا تعصب پر محمول نہ کیا جائے......... شیخ نظام الدین کی اولاد کو شیخ نظام الدین عباسی کی نسل میں لکھ مارا۔" (جلد ۲ صفحہ ۱۹۱)

(ج) کیا ایسے متعصب مورخ کو بدترین بددیانتی سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ اُن کا ضمیر اور اُن کا کانشنس بھی بوقت تحریر اُن کو ملامت کر رہا تھا۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۹)

(د) جس خاندان کو پہلے نخبتہ نے زمرۂ شیوخ میں شامل کیا تھا اُس کو پھر نیا "سید" لکھدیا۔ نخبتہ کے اوراق تبدیلہ خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)

(ہ) مولوی غلام نبی خاں صاحب نے اُس کا اُردو شائع کیا۔ (جلد ۲ صفحہ)

غرضیکہ یہ کتاب بھی جو تباہی بغداد سے (۶۱۸) برس اور امین الرشید سے (۱۰۶۵) برس بعد عالم وجود میں آئی اور خود عباسیوں کی زبانِ قلم سے ساقط الاعتبار و مردود ٹھہری کیسے لائقِ اِستناد ہو سکتی ہے۔ صاحب نخبتہ کی تحقیق کا تو یہ عالم ہے کہ اُن کو حضرت شاہ اِتّن صاحب کے والد ماجد کا نام تک معلوم نہ تھا جو متن میں تحریر فرماتے لہٰذا حاشیہ پر اُن سے شجرۂ پیرزادگان نقل کرا دیا گیا۔ گھگھا دلی سے اِنتقال مکانی کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔

(۳) "تاریخ رضوی" مؤلف نے اس کا ماخذ دربارۂ حالات عباسیان "آئینۂ عباسی و نخبتہ التواریخ" بتلایا ہے۔ حالانکہ "رضوی" کو "نخبتہ" پر تقدم حاصل ہے۔ نخبتہ میں جا بجا رضوی کے حوالے موجود ہیں۔ اِس تاریخ کی نسبت مؤلف کی رائے ہے کہ۔

"تحقیق و تنقید سے مطلق کام نہیں لیا۔ غلط اور مہمل روایتیں درج کر دی ہیں" (جلد ۱ صفحہ ۶)

(۴) "تاریخ واسطیہ" یہ کتاب عند المؤلف (مؤلف کے نزدیک) "مجموعۂ خرافات ہے" چنانچہ فرماتے ہیں۔

(الف) خاندانی تذکرہ زیادہ تر مہمل و مضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔ (جلد ۱ صفحہ دیباچہ)

(ب) اِس کے اَوراق پر تو خرافات واہیہ کا ایک انبار لگا ہوا ہے اس کے مؤلف نے بعض جگہ قصداً و عمداً غلط بیانی سے گریز نہیں کیا۔ (جلد ۱ صفحہ دیباچہ)

(۵) خلاصۃ الانساب قلمی مؤلفہ سید ارشاد علی راقم ساکن محلہ شفاعت پوتہ ۱۲۸۲ ہجری بیان کی جاتی ہے سُنا جاتا ہے (دروغ برگردن راوی) کہ یہ حضرت پیرزادگان میں، چند تعویش اسپین (چند روپلوں) کے ملازم تھے۔ اور جناب کی تجرّ علمی کا پارہ بابو صاحب کے مبلغِ علم سے کئی درجہ گرا ہوا تھا۔

جس قدر عبارت اس قلمی غیر معروف نسخہ سے بابو صاحب نے نقل کی ہے اُس کو دیکھکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ع

"اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ اِنہیں کچھ نہ کہو"

حضرت راقم نہ مؤرخ ہیں نہ نسّاب۔ ایک معمولی حیثیت کے بزرگ اور بزرگ زادے ہیں اور جبکہ بابو محمود احمد صاحب کو مطبوعہ کتب میں تحریف و تدلیس کرنے میں تامل نہیں ہوا تو ایسے قلمی غیر معروف کتابوں کے حوالجات و منقولات و اقتباسات کا جو عباسی صاحب نے اپنی تالیفات میں درج کئے ہیں کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مؤلف نے دیانتداری برتی ہوگی۔ بہر حال اِس کتاب کی عمر ۸۴ سال ہے۔

(۶) مثنوی مولوی ظہور علی صاحب دہلوی۔ اِس مثنوی کی نسبت کہا گیا ہے کہ پیرزادہ محمد نذر نبیرہ حضرت شاہ اتّن صاحب [illegible] کہا جاتا ہے کہ وہ ضلع بلند شہر میں جہاں موضع [illegible]

عہدہ سرکاری پر مامور تھے۔ اس تنقیح سے پیرزادگان کی سیادت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے"

(۷) کنز بشیر۔ اس کو بھی بابو صاحب نے صحیح و مستند نہیں سمجھا۔

نوٹ:- خلاصۃ الانساب کے مصنف کے متعلق البتہ تاریخ واسطیہ کے صفحہ ۳۲۲ پر یہ عبارت ملتی ہے "

"سید ابو شاد علی ولد سید اوارث علی یہ اچھے شاعر تھے۔ ان کو استعداد علم فارسی میں کامل تھی۔ فن تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ اکثر تواریخ وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ قبالہ نویسی میں لاجواب مشہور و معروف تھے۔ ان کا ایک رسالہ تاریخ سادات امروہہ میں تالیف ہے۔ اس میں بعض حضرات خلاف اصل و خلاف کتب تواریخ سابقین من وجہ مندرج ہو گئے ہیں"

یہ حالت و کیفیت تو ان تواریخ کی ہے جو در بارۂ ثبوت عباسیت و سیادت پیرزادگان مؤلف کے ماخذ ہیں۔ جب بابو صاحب کو احساس ہوا کہ ریت کی بنیاد پر مؤلف کی عباسیت اور پیرزادگان کی رضویت قائم نہیں رہ سکتی ..... تو انہوں نے جدید شواہد وضع کرنے اور نئے ثبوت گھڑنے پر کمر باندھی .... اس طرح جب مؤلف نے ہر طرف سے اپنے حصول مطلب کے دروازہ بند پائے تو اپنے تخیلات کے مادہ و اقوال پریشان و موضوعات کا تھیلا جلد پنجم کے صفحات قرطاس پر الٹ دیا لیکن جلد اول کا تدارک نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ تناقض و مغالطہ کا شکار رہ گئے۔

جو خود ساختہ و وضعی شواہد مؤلف نے بر ثبوت سیادت پیرزادگان جلد چہارم تحقیق الانساب میں درج کئے ہیں ان کو حسب ذیل اقسام پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(قسم اول) دستاویزی یا تحریری ثبوت "جس میں کاغذات ذیل شامل ہیں:-

(الف) کھیوٹ مندرجہ جلد چہارم صفحہ ۵۱ متعلق گھٹاولی۔

(ب) عکس چکنامہ موسومہ خواجہ محمد حسن متعلق صفحہ ۴۲ جلد ۴

(ج) نقل پروانہ بنام چودھری بہادر

(د) کاغذ کا ایک چھتڑا جس کو ایک کتاب کے دیباچہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(ھ) کاغذات دیہی متعلق گھٹاولی

(ی) ایک تحریر جو پیر عزیز اللہ المعروف بہ پیر جیون کے وقت کی بتائی جاتی ہے۔

مذکورۂ بالا کاغذات قطعاً غیر قابل اعتبار ہیں۔ مقالہ پیرزادگان کے سلسلہ میں ان کاغذات پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال دی گئی ہے۔

جلد ۴ صفحہ ۲ میں کاغذ بوسیدہ کرم خوردہ پیرزدہ کاغذ کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ شاہ ابّن صاحب کے نام سے پیشتر جو الفاظ بطور صفت کے استعمال کئے گئے تھے وہ اصل میں سے چھیل ڈالے گئے ہیں۔ اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ وہ کتاب جس کا اس پرزہ کو دیباچہ بتلایا گیا ہے کسی مخالف کے پاس تھی اس نے الفاظ صفتی کو چھیل ڈالا۔ مگر کسی نہ کسی وقت یہ کتاب بابو صاحب کے پاس بھی آئی تھی اور انہوں نے اس کی جانچ پڑتال بھی کی۔ ورنہ ان کو الفاظ کے چھیل ڈالنے کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ مؤلف کو کیونکر علم ہوا کہ وہ کتاب حسب ایماء شاہ ابّن صاحب تصنیف ہوئی تھی۔ اسی صفحہ کے فٹ نوٹ میں کاغذ دریدہ کے الفاظ ہیں مگر متن میں چھیل ڈالنا ہے۔

(قسم دوم) "خاندانی روایات" جو صرف عباسیوں اور پیرزادوں کے خاندان میں سینہ بسینہ دوڑتی رہی ہیں ان میں بھی گھٹاولی والی روایت کو خاص اہمیت ہے۔ مقالہ پیرزادگان میں اس مادہ کے جو تو ست کنندہ حالات درج کر دیئے گئے

اور غیر جس نوعیت سے یہ قصہ خاص گھٹاولی اور اس کے اطراف میں مشہور ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ قصہ روایتاً و درایتاً غلط اور
سرتاپا لغو اور ذاتی خیال کا موضوعہ ہے۔

(قسم سوم) "شہرت بلدیہ" یہ تو سفید جھوٹ ہے "امروہہ" میں پیرزادگان و عباسیان اور ان کے دیگر متعلقین کو چھوڑ کر
جو شہرت ہے وہ سیادت پیرزادگان کے خلاف ہے۔ رہی موضع گھٹاولی کی روایت یا شہرت اس کی امروہہ میں تو کوئی شہرت نہیں
اور گھٹاولی والے شاہ ابنؔ صاحب کے اصلی نام تک سے واقف نہیں۔ اور گھٹاولی میں جس نوعیت سے شہرت دی گئی ہے۔
اس سے تو پیرزادگان کی عمارت سیادت سر بسجود ہو جاتی ہے ....

(قسم چہارم) "خانہ ساز و خود ساختہ اصول" جو بطور قاعدہ کلیہ کے اس غرض سے وضع کئے گئے ہیں کہ مؤلف اور پیرزادگان
کے سلاسل میں جو وسائط مفقود ہیں اور طرح طرح کے خبط و انتشار نظر آتے ہیں ان کی توجیہ ہو جائے۔ اور لفظ شیخ و شیخ زادہ و پیر
و پیرزادہ جو حضرات پیرزادگان کے ناموں کے ساتھ وابستہ چلا آتا ہے۔ وہ قادح سیادت و رضویت نہ ہو۔ مثلاً مؤلف فرماتے
ہیں کہ "اگر کسی خاندان میں مشیخت و طریقت۔ پیری و مریدی کا سلسلہ پایا جاتا ہو۔ اور خاندان مشائخ کی حیثیت سے مشہور ہو۔ اور
اس میں سلسلہ بیعت و سجادگی بھی پائی جاتی ہو اور وہ خاندان پیرزادہ کہلاتا ہو۔ تو اسے خاندان کے بزرگوں کا اظہار نسب میں لفظ شیخ
تحریر کرنا بربنائے مشیخت ذاتی نہ ہوگا اور" "باوجود اپنے کو شیخ و سجادہ لکھنے کے سید بن جانے کا حقدار ہوگا" افسوس ہے
کہ ان اصول موضوعہ نے سلاسل نسب کو بد سے بدتر کر دیا۔

(قسم پنجم) "اقسام نسب" یا تو صاحب نے نسب کی پانچ اقسام اپنے دماغ سے آتاری ہیں اور عوام پر اپنی علمیت کی دھونس
جمانے کے لئے یہ بھی ٹانک دیا ہے کہ علمائے علم الانساب نے نسب کی چھان بین کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل پانچ اقسام دی ہیں۔"

(۱) صحیح النسب جو جملہ نسابین کے نزدیک ثابت و متحقق ہو سلسلۂ نسب "منقطع و غیر متصل" نہ ہو اور" نسابین نے
بالاجماع اس کی تصدیق کی ہو" .... زمانۂ حال کے نسابین میں تو محمود احمد صاحب کو بھی شامل ہونے کا دعویٰ ہے جو جناب
کے کمالات سے کما حقہٗ پر وقوف رکھتے ہیں وہ تو یقیناً حضرت مؤلف کو عادل نسابین کے زمرہ سے خارج ہی رکھیں گے۔
.... غضب تو دیکھئے کہ جناب مؤلف نے جلد چہارم صفحہ ۱۸۹ کے فٹ نوٹ میں پیرزادگان کے خاندان کو اور
متن میں اپنے خاندان کو صحیح النسب کہا ہے .... صحیح النسب کے جو شرائط مؤلف نے مقرر کی ہیں ان خاندانوں میں کہاں پائی
جاتی ہیں۔ کون کون نسابین ان دونوں خاندانوں کی سیادت و رضویت پر شاہد ہیں۔ اجماع تو در کنار یہاں تو ایک نساب دیکھنے
کو بھی نہیں۔ یا تو مؤلف کی تعریف غلط اور لغو یا ان دونوں خاندانوں کا صحیح النسب ہونا غلط ہے"

(۲) مقبول النسب "جو اکثر نسابین کے نزدیک ثابت ہو اور ایک، دو نے انکار کیا ہو۔ پس وہ چند عادل نسابین
کی شہادت کی بناء پر مقبول ہوگا۔ اور بعض کے انکار کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ یہ نسب بلحاظ مرتبہ اس نسب کی برابر نہیں جس پر جملہ
نسابین کا اجماع و اتفاق ہو۔

یہ تعریف نہایت درجہ خبط ہے" مؤلف فرماتے ہیں کہ ایک یا دو نے انکار کیا ہو لیکن اگر مثلاً ایک ہزار نسابین کے
دس یا دس سے زیادہ انکار کریں تو کیا حکم ہوگا۔ اگر ایک ہزار میں سے دو سو منکر اور آٹھ سو مثبت ہوں تو کیا حکم لگایا جائے گا"
اوّل تو نسابین کا شمار ہی محال ہے خصوصاً مؤلف جیسے قابلیت کے شخص کے لئے ...... یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اکثریت کے مقابلہ
میں چند کا لفظ بالکل مہمل ہے پس یہ تعریف بھی انتہائی لغو ہے۔

(۳) مشہور النسب .... یہ قسم تو محض بنائے دنیا سے ہے کیونکہ یہ قسم صرف سادات و شیوخ سے متعلق
[illegible] .... نتیجہ یہ ہے کہ سوائے سادات و شیوخ کے دنیا میں کوئی

خاندان مشہور النسب کے عنوان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

(۴) **مجہول النسب**۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں اگر کوئی نسب متنازعہ فیہ ہو تو طرفین کے ثبوت و شواہد کو میزانِ عقل میں وزن کرنا پڑے گا اور عقلاً جو ثبوت قوی ہو گا اُس کے موافق فیصلہ صادر کرنا ہو گا پس جو تعریف مجہول النسب کی کی گئی ہے وہ بھی لغویت سے خالی نہیں۔

(۵) **فرد ود النسب**۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس مثال کی تلاش میں کچھ دور جانا نہ پڑے گا۔ خاندان **پیرزادگان و خاندان مولوی محمود احمد صاحب** اس تعریف کے لحاظ سے طابق النعل بالنعل کے مصداق ہیں۔ حضرات پیرزادگان کے اسلاف کا اپنے ناموں سے پیشتر خود اپنے قلم سے شیخ و پیر کا لکھنا کیا مظہر بطلان نہیں ہے۔

مذکورۂ بالا اقسام نسب جامع و مانع نہیں ہیں۔ ذیل میں چند صورتیں پیش کی جاتی ہیں۔ اور دریافت کیا جاتا ہے کہ ان صورتوں میں ذیل کے لئے کون سے اقسام ہیں۔

(الف) اگر کسی سلسلۂ نسب میں صدیوں تک چند وسائط ندرنسیان ہو گئے ہوں اور صدیوں کے بعد اسلاف کے فراموش کردہ تمام اخلاف بعید وہ گھڑ لئے ہوں یا اپنے قیاس سے سلسلہ کی کڑیوں کو مربوط کر لیا ہو تو ایسے خاندان کو منجملہ پانچ اقسام مذکورہ کے کس قسم میں داخل کیا جائے گا۔

(ب) اگر کسی خاندان کا سلسلہ کسی ایسے شخص سے ملحق کیا جائے جس کے مسلمہ طور پر عقب نہ ہو تو وہ خاندان کس قسم میں شمار کیا جائے گا۔

(ج) اگر کوئی مغل یا قزلباش ہو یا کوئی مسلم برہمن یا راجپوت ہو اور اُس کی برہمنیت یا راجپوتیت علی وجہ الشہرت و تواتر مسلم ہو تو وہ منجملہ اقسام مذکورہ کے کس قسم کے تحت آئے گا۔ غرضکہ بیسیوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(قسم ششم) سیادتِ پیرزادگان کے علمبردار جب تک وہ مردوں کے مال پر تصرف کر کے طبع آزمائی کرتے رہے اُن کی حقیقت حال پر ایک مدت تک پردہ پڑا رہا مگر جب اُنہوں نے اس میدان سے آگے قدم بڑھایا۔ اور قیاس کے گھوڑے دوڑانے شروع کئے تو محالات عقلی و نقلی میں پھنسکر قیاسات فاسدہ کا شکار ہو گئے۔ چند اسماء گرامی جن سے پیشتر لفظ "شیخ" اُن کو لکھا ملا۔ حوالہ قلم کر کے اپنے قیاس سے نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ خاندانِ پیرزادگان کے افراد کے ناموں کے ساتھ محض لفظ "شیخ" کا پایا جانا کسی طرح صحت سیادت کے مخالف نہیں۔ مثلاً۔ (۱) **شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری**" ان کی نسبت مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۲۸۶ پر صاف تحریر ہے کہ "از سادات بخاری است" "**شیخ ابنّ صاحب**" کی نسبت کہاں تحریر ہے کہ از سادات کرمانی است۔ (۲) **شیخ محمد غوث گوالیاری**" یہ قطعاً سید نہیں۔ ۔ ۔ (۵) **شیخ احمد رفاعی**" ان کی سیادت کے متعلق ملاحظہ ہو مقالہ **شیخ عبدالقادر جیلانی** رح" یہ بھی مسلّم نہیں ہیں"

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم خود جلد چہارم کے صفحہ ۲۹ سطر ۲۰ میں لکھتے ہو کہ اُن کی سیادت مسلم ہے۔ جن کی سیادت مسلم الثبوت ہو اور مورخین ابتداء سے اُن کی سیادت پر مُہر تصدیق ثبت کرتے چلے آئے ہوں اور ہر زمانہ اور ہر عہد میں اُن کی سیادت زبان زدِ خلائق رہی ہو۔ اور کوئی قابلِ لحاظ اختلاف پیدا کرنے والا نہ ہو۔ اگر ایسے ناموں سے پیشتر لفظ شیخ لکھا ہے تو یہ لفظ اُن کی صحت سیادت کے منافی نہ ہو گا۔ مگر وہ ہستیاں جو قرنہا قرن تک اپنے کو باقرار شرعی شیخ لکھتی اور لکھواتی اور اپنے دستخط خود اپنے اقراری دستاویزات پر بلفظ شیخ کرتی رہی ہوں اور دوسروں کی دستاویزات پر اپنی گواہیاں اپنے قلم سے بلفظ شیخ کی ہوں اور دیگر اشخاص نے اُن کے ساتھ شیخ و شیخنت پناہ جیسے الفاظ سے مخاطبت و مکاتبت کی ہو۔ اور خود انہوں نے اپنے کو "بیچارہ" لکھا ہو اور باوجود ادعاء سیادت کے لفظ شیخ کی آڑ میں صدقات بفرقِ مبارک قبول کئے ہوں اور سوائے روایاتِ خاندانی کے جو غدر ۱۸۵۷ء کے قریب گھڑی گئی ہیں کوئی دستاویزی ثبوتِ سیادت اُن کے ہاتھ میں نہ ہو۔ اور ایک فرمانِ شاہی میں شیخ زادہ تک لکھا ہے۔ تو پھر انصاف کرو کہ ان حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے لفظ شیخ اُن کے حق میں کس معنی پر دلالت کرے گا۔ اور کیوں اُس کی صحت سیادت کے خلاف نہ ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اوّلاً **شاہ ابنّ صاحب** کی سیادت دلیل قطعی و

روشنی سے ثابت کرو اور اُن کو مُسلّم الثبوت سید بٹھراؤ۔ اور لفظ "بچارد" کو چھیل کر پھینک دو۔ یا کسی کرم کی غذا بناؤ اُس وقت تم یہ کہنے کے مجاز ہوگے کہ لفظ شیخ اُن کے اور اُن کے خاندان کے افراد کے ناموں سے مخالف سیادت و قادح رضویت نہیں ہے۔ ......

لفظ شیخ پر قلم فرسائی کرنے کے بعد حضرت مؤلف اِس نتیجہ پر پہونچتے ہیں "

"آپ (شاہ ابن صاحب) جیسے شیخ وقت و ولی کامل کے اِسم گرامی کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال تا وقتیکہ نسب کا اظہار صراحۃً نہ کیا جائے قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا " (جلد ۲ صفحہ ۲۴)

جو کہ فقرۂ بالا میں ارشاد فرمایا گیا ہے وہ اُس موقع کے لئے ہے جہاں سیادت مُسلّم و ثابت ہو۔ شاہ ابن صاحب کی سیادت کب مسلّم ہے۔ جو شیخ کا لفظ قادح نہ ہوگا۔ اوّلاً شاہ صاحب کی سیادت ثابت کیجئے۔ اُس کے بعد آپ کو اپنی زبانِ قلم سے الفاظ "قادح نہ ہوگا" فرمانے کا مجاز ہوگا۔ ....

صاحب تجنتہ۔ مولوی سید آلِ حسن صاحب مرحوم و مغفور" لفظ شیخ کی نسبت لکھتے ہیں کہ۔

" در اکثر بطون سادات امروہہ کہ سیادت ایشاں اشہر و اظہر است۔ دو بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت بنیا دبودند۔ وہم در کتب مسطور۔ اِلّا نسب ایشاں ہم مذکور "

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ لفظ شیخ اِن حضرات کے نام کے ساتھ قادح سیادت نہیں ہے جن کی سیادت اشہر و اظہر ہے (مشہور اور ظاہر ہے) اور اُن کا نسب بھی مذکور ہے مگر جہاں نہ شہرت ہے اور نہ کسی کتاب میں نسب درج ہے اُن کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ قادح و منافی سیادت کیوں نہ ہوگا۔"

مؤلف کی تالیفات میں جو شئے نمایاں نظر آتی ہے وہ اپنے اقالیم ثلثہ یعنی عباسیان "پیرزادگان و چودھریان کی تعریف اور دوسرے معتبر و معزز خاندانوں کی تنقیص ہے۔ مؤلف نے دوسرے گروہوں کی عیب چینی کر کے اپنے خاندان کے نسب کی شانِ امتیاز کو بالائے بام لے جانے کی کوشش کی ہے۔ جس چیز کو عیب سمجھا ہے اور جو چیز مؤلف کے خاندان میں بدرجۂ اتم موجود ہے اُسے پوشیدہ رکھا ہے اور دوسرے خاندانوں میں نمایاں کر کے دکھلایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (جلد ۲ صفحہ ۱ دیباچہ)

" ہاشمیوں بالخصوص.............. کنیزوں سے ملتا ہے "

اِن حضرت مؤلف سے دریافت کیا جائے کہ حضرت نے اِس فقرہ میں خلفائے بنی عباس کو چھوڑ کر فاطمیوں کو کیوں مخصوص کیا ہے .... بہترین مثال تو خلفائے عباسیہ کی تھی " جن میں تابڑتوڑ مسلسل یکے بعد دیگرے بلا انقطاع کنیز زادوں کی بھرمار رہی۔ انہیں میں مامون رشید و ہارون رشید بھی ہیں۔ کیا یہ خلفاء کی شانِ امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ جو ان سے چشم پوشی کی گئی۔

اِسی ضمن میں (جلد ۲ صفحہ ۱۱) پر ہے کہ :۔

" صدہا ایرانی .... عورتوں کے بطن سے ہوئے "

یہاں بھی کسی ایک خلیفۂ عباسی کا نام زبانِ قلم سے نہ نکلا۔ ....

.... یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اِس وقت تک جتنے حصّے اوّل و دوم و چہارم شائع ہو چکے ہیں اُن میں سے ہر حصہ اپنے ماسبق سے مؤلف کی نسبی لن ترانی۔ دروغ بیانی۔ خانہ ساز روایات اور اپنے اقارب کے خاندانوں کی تفضیل اور دوسرے گروہوں کی تنقیص میں بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ کیا حالات تھے جو مؤلف کی طرف سے مواد کے لئے باعثِ عناد و مخالفت اور اپنے ..... کے لئے بے سبب مدح خوانی ہوئے بظاہر اس کے تین اسباب ہیں۔

(اوّل) اپنے نسب کے علوئے شان کا اظہار۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت بابو صاحب کے جدِّ امجد نے خاکِ پاک امروہہ میں قدم رکھا اور یہاں کی سکونت اختیار کی ہے اُن کو یہاں کے سادات نے منہ نہیں لگایا۔ کوئی سلسلہ مصاہرت و مناکحت اُن سے پیدا نہیں کیا۔ البتہ ملّا و مکتبی بن کر لڑکوں کو درس دیتے رہے جس کا مؤلف کو بھی اقرار ہے چونکہ اپنے کو شیخ کہتے اور کہلواتے تھے اسی لئے چند ہی روز کے بعد ان لوگوں کا خلا ملا ایسے خاندان سے ہوگیا جو بنی فاطمہ نہ تھے اور شیخ ہی کہلاتے تھے۔ اِن گروہوں کی سیادت تو بالائے طاق اِن کو تو کسی نوعیت سے عربی النسل ہونے کا بھی موقع نہ تھا۔ مؤلف سے پیشتر جس قدر تاریخیں تالیف ہوئیں اُن میں اصلی و نقلی عباسی شیخ ہی لکھے گئے۔ اور اُن کا ذکر عنوان شیوخ ہی میں ذیل پر کیا گیا۔ محمود احمد کو یہ لفظ خوش نہ آیا کیونکہ انصارِ اہلِ قریش۔ صدیقی و صدقی۔ عثمانی و فرّوانی۔ سب شیخ ہی کہلاتے تھے۔ مؤلف کو سیّد بننے کی ہوس دامنگیر تھی مغرور و نخوت عباسیت خواہ وہ خود ساختہ ہی کیوں نہ ہو۔ شیخ کہلانے کی کب اجازت دے سکتا ہے۔ جس طرح بلا دلیل محض اُن تواریخ کی توت پر عبّاسی بن گئے تھے جو بعد غدر ۱۸۵۷ء تالیف ہوئی تھیں اور جن کو مؤلف غیر معتبر ٹھہرا چکے ہیں۔ اِسی طرح بلا کسی برہان قوی کے اپنی سیادت کا بلبل بھی بجانا شروع کر دیا۔ سیّد بن جانے کے بعد اُن ہندی الاصل گروہوں کو بھی خلعتِ سیادت عطا کرنا لازمی ہوا جن کے ساتھ سالہا سال سے رشتۂ مناکحت چلا آ رہا تھا۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے مجبور کیا کہ صرف الفاظ "سیّدن مشائخ الیہ" پر پیرزادگان کی سیادت کی عمارت بیالیس ۴۲ صفحات میں بنا کر کھڑی کر دی اور اپنے حالات میں جن کا بیشتر حصہ تاریخ امروہہ کے نقطۂ نظر سے بالکل غیر متعلق تھا۔ چورانوے ۹۴ صفحات سیاہ کر ڈالے۔

(دوم) مخالفت الیکشن میونسپل بورڈ امروہہ جس میں ایک طرف مؤلف صاحب۔ پیرزادگان و چودہریان اور دوسری جانب دوسرے تمام خاندان جن میں سادات پیش پیش تھے۔ اور اوّل الذکر کو اس میں شکست فاش ہوئی تھی جس کا انتقام کچھ تو ایک اخبار کے ذریعے سے لیا گیا جو "وقار" کے نام سے اُچھل کود کر کے فنا ہوگیا۔ اور کچھ غیظ و غضب کے اظہار کے واسطے مؤلف نے اپنی تالیفات کو وقف کر دیا۔"

(سوم) مؤلف کی بے بضاعتی و تنگدستی۔ ....

اپنی اسی کتاب میں مولوی مبصفت اللہ صاحب بی اے "مؤلف امروہوی کی تالیفات کے متعلق ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "مؤلف کی حیثیت افسانہ گوئی ہے نہ کہ وقائع نویسی کی" اور یہ کہ محمود احمد (مؤلف امروہوی) کی تالیفات کے سرسری مطالعہ سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ "انہوں نے شرافت کو صرف اپنے اور اپنے قرابتداروں کی قوم تک محدود کر دیا ہے۔ ...... سوائے پیرزادگان داناؤ و لاد شیخ ابن امروہوی، اور عبّاسیان اور اپنے اقارب کے انہوں نے "امروہہ" میں کسی قوم کو ایسا نہیں چھوڑا "جس کے حسب و نسب" میں نکتہ چینی یا خوردہ گیری نہ کی ہو" اور ان کے افراد میں قوع بنوع کے عیب نہ پیدا کئے ہوں"۔ مؤلف امروہوی کا یہ راسخ عقیدہ معلوم ہوتا ہے کہ "عبّاسی" اور "پیرزادگان" اور اپنے دیگر اقارب کی چار دیواری سے باہر شرافت و نجابت نہیں جا سکتی"

مؤلف امروہوی کی افتادِ طبیعت کے متعلق صاحب تنقید محمود کا بیان

مؤلف امروہوی کے متعلق صاحب تنقید محمود کا بیان ہے کہ "خاندانِ متعلقہ کے کسی فرد سے معلوم کئے بغیر علم واقعی حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر چونکہ مؤلف تاریخ امروہہ کی افتادِ طبع اس کے خلاف ہے" اِس لئے کوئی خاندان ایسا نہیں ہے جس کے حالات صحیح لکھے گئے ہوں حتیٰ کہ عبّاسی خاندان تک بھی جناب والا سے نالاں ہے" پھر دوسرے خاندانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے" جس کی وجہ سے تاریخ امروہہ کی آج یہ گت بن رہی ہے" اور شہر کا مشکل سے کوئی خاندان ایسا ہوگا جو آپ کی تاریخ پر صدائے احتجاج بلند نہ کرتا ہو۔ جس کا ثبوت موجودہ پمفلٹ سے ہے۔ جس کی تردید میں اس وقت تک گیارہ پمفلٹ لکھے گئے ہیں۔ یعنی"

(۱) تاریخ امروہہ پر ریویو " (۲) تحفۂ سیادت " (۳) تاریخ امروہہ کے ایک نوٹ پر اجمالی نظر " (۴) نسب نامۂ عباسیہ " (۵) ذوالفقار " (۶) بڑے بول کا پول " (۷) القریش " (۸) الخلیفہ " (۹) یداللّٰہی تپانچہ " (۱۰) خاتمہ بالخیر " (۱۱) تاریخ سادات امروہہ " اس کے علاوہ رسالوں اور اخباروں اور پوسٹروں میں بھی آپ کی تاریخ کی تردیدیں کی ہیں۔ یعنی رسالہ جیا فنڈ " روزنامچہ خواجہ حسن نظامی " اخبار اتحاد " نیر اعظم مرادآباد " برخلاف اس کے امروہہ کی سابقہ تاریخوں پر کبھی اُن کی تردید میں پمفلٹ بازی نہیں ہوئی "

اور ص۳ پر لکھا ہے کہ " اور دوسرے سلسلہ کو جن میں حکیم عبدالرب اور پروفیسر عبدالجلیل وغیرہ ہیں۔ زمرۂ شیوخ میں بھی نہیں رکھا۔ بلکہ قوم ترکمان میں شمار کیا ہے " جس طرح ہم کو شیخ کے استعمال سے شیخوں میں شامل کیا ہے " اسی طرح بڑے پکے ترکمان کہلاتے ہیں۔ اس لئے مؤلف نے قیاس کر لیا کہ ترکمان سیّد نہیں ہوسکتے۔ اور یہ اُن کا خود ساختہ نسب ہے لیکن واضح رہے کہ بالکل یہی نظیر اس وقت لاہور میں بھی موجود ہے " وہ خاندان ترکمان بھی کہلاتے ہیں اور سیّد بھی ہیں " جو اولاد دختر شاہ بخارا سے ہیں اس لئے یہ نسلیں جہاں پر بھی ہیں ترکمان کہلاتی ہیں۔ اور میراں شاہ موج اولاد احمد کبیر بن جلال الدین میر سرخ ہیں اُن کا سلسلہ نسب امام نقیؑ سے متصل ہوتا ہے " .... اسی طرح کیا کتاب تحفۃ التواریخ جو اُن کے خاندان کے ایک بزرگ کی تحریر شدہ ہے اس کے علاوہ تاریخ اصغری و آئینۂ عباسی نے " سادات نخشبی کو جن کا سلسلہ خواجہ محمود چشتی سے ملتا ہے۔ زمرۂ سادات میں تحریر نہیں کیا " لیکن مؤلف تاریخ امروہہ کو اُن کی سیادت میں کلام ہے۔ اور زمرۂ شیوخ میں شامل کیا ہے۔ جس سے مؤلف موصوف کی حق پسندی اور دیانت اور اُن کے دماغی تعصب پر تاریخی حیثیت سے کافی روشنی پڑتی ہے " اس لئے کہ ایک مؤرخ کا اوّل ترین فرض ہے کہ وہ اپنے تعلقات قومی و مذہبی سے قطع نظر کر کے کتاب کو تحریر کرے لیکن مؤلف تاریخ امروہہ نے قطعاً اس طرف توجہ نہیں کی جیسا کہ ہر سہ جلد سے ظاہر ہے "

اور ص۳۷ پر تحریر کیا ہے کہ " مؤلف نے سیادت کے پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی تیار کی ہے جس سے اُن خاندانوں کو پرکھا ہے جو سیادت کے مدعی ہیں " چنانچہ اس بنا پر ہمارے خاندان پر بھی اعتراض کیا ہے " کہ " اس خاندان میں نہ کبھی مشیخت نہ طریقت کا چرچا رہا نہ پیری مُریدی کا سلسلہ ہوا نہ کبھی پیرزادے مشہور ہوئے۔ نہ کسی بزرگ سے سلسلہ بیعت کا چلا نہ مسند سجّادگی رہی تو پھر نسباً کیسے سیّد ہو سکتے ہیں " سیادت کے پرکھنے کا یہ معیار ہے جو مؤلف تاریخ امروہہ نے قائم کیا ہے " ناظرین اس کو اچھی طرح یاد کر لیں ممکن ہے کسی وقت کام آئے۔ لیکن ہے عجیب و غریب بہت اطمینان اور فرصت کے وقت کا تیار شدہ " جس کو سیّد بننا ہو خواہ وہ نسباً کوئی بھی ہو اُس کو چاہئے کہ کسی بزرگ سے بیعت ہو کر پیری و مُریدی کا سلسلہ شروع کرے۔ مسند سجّادگی پر بیٹھ جائے اور اپنے کو پیرزادہ مشہور کرے بس کچھ عرصہ میں دو ایک پشت کے بعد بغیر کسی اعتراض کے چوکھا سیّد ہو جائے گا " نسخہ نہایت اچھا ہے ایک پنت دو کاج " سیادت بھی ملے گی اور روٹیوں کا ٹھکانا بھی ہو جائے گا۔ لیکن اس کسوٹی پر دوسروں کو تو پرکھ لیا ہے اپنے خاندان کو بھی دیکھا ہوتا " مشیخت و طریقت کا چرچا کبھی ہوا " پیری مُریدی کا سلسلہ کبھی ہوا۔ کبھی پیرزادے مشہور ہوئے " کبھی مسند سجّادگی پر متمکن ہوئے " ان سب کا جواب عوام کے نزدیک نفی میں ہے "

صاحب تنقید محمود کے اس بیان سے بھی مؤلف امروہوی کی دلی کیفیت اور تحقیقات کی حقیقت بخوبی عیاں ہو گئی ہے۔ اور اُس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے "

مؤلف امروہوی کی جغرافی ناواقفیت کے مزید دو نمونے

(۱) ہستناپور | مؤلف تاریخ امروہہ نے جلد اوّل کے ص پر لکھا ہے کہ۔

"مہابھارت کے بعد راجہ یدھشٹر نے ہستناپور میں راجدھانی قایم کی۔ سلطنت کو وسعت دی۔۔۔۔ ہستناپور دریائے جمنا کے کنارے موجودہ دہلی سے نئی کوس دور واقع تھا۔ دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہہ گیا۔ تو اس خاندان کا راجہ دشٹے دان جو ۱۲۱۲ قبل مسیح گدی نشین ہوا۔ ہستناپور چھوڑکر اندرپت (اندرپرست) چلا آیا۔"

مؤلف موصوف کا یہ بیان غلط اور اُن کی ناواقفیت کا ایسا کھلا ثبوت ہے۔ جس پر مدرسوں کی بچیاں بھی اپنی ہنسی کو کسی طرح ضبط نہیں کرسکتیں۔

"ہستناپور" اپنی آبادی کے زمانے سے ہمیشہ اپنی جگہ موجود رہا اور اب بھی ہے" یہ دوسری بات ہے کہ راجدھانی کے وہاں سے منتقل ہوجانے کی وجہ سے اس کی آبادی اور رونق میں زوال آگیا اور وہ شہر سے قصبہ رہ گیا ہے "ہستناپور جمنا کے کنارے اور دہلی کے قریب کبھی واقع نہ تھا" بلکہ گنگا کے کنارے "شہر میرٹھ سے سولہ کوس یا چوبیس ۲۴ میل دور" تحصیل موانہ میں ہے" جینیوں کے وہاں متعدد مندر ہیں اور مسجد بھی ہے۔ وہاں ہر سال ایک بڑا میلہ لگا کرتا ہے۔ جس میں دور دور سے بکثرت جاتری آیا کرتے ہیں"

(۳) <u>سنگرہ</u> | مؤلف امروہوی نے اپنی تاریخ امروہہ جلد اوّل کے <u>صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۸</u> پر لکھا ہے کہ "صاحب آئینۂ عباسی کہتے ہیں کہ۔

"ایک گروہ ملقب بہ سنگرہ "علوی حنفی" کہتے ہیں" ان میں شاہ جی بہاؤ الدین "خلیفہ صاحب علی اور خلیفہ روشن علی وغیرہ ہیں"۔۔۔۔۔۔ اپنا سلسلۂ نسب انہوں نے "حضرت امام محمدؒ حنفیہ کے صاحبزادے" امام ابوہاشم عبداللہ سے متصل کیا ہے" حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں "ابوہاشم کو غیر متعقب بتایا گیا ہے" معارف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں اُن کے متعلق لکھا ہے کہ "لاعقب لہٗ" یعنی اُن کے کوئی عقب نہیں تھا" پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی کہ "حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابوہاشم عبداللہ کی اولاد میں ظاہر کرکے اُن سے اپنے خاندان کا سلسلۂ نسب جا ملایا ہے۔۔۔۔۔۔۔ مشہور ہے کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی"

"مجھے شاہ ضیاء الدین صاحب کی (مؤلف مراۃ الانساب مطبوعہ ۱۹۱۳ء کی) علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ یہ خاندان جیسا کہ "صاحب آئینۂ عباسی (مطبوعہ ۱۸۹۳ء رسالہ کی شکل میں ہے) نے لکھا ہے کہ "مورث اعلیٰ اُن کے" شاہ خداوند غازی" مقام سنگرے علاقہ پنجاب سے" یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ لہٰذا "سنگرے" کہلائے"

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی "پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا"

"البتہ سنگرہ ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ ضرور ہے" ممکن ہے کسی علوی بزرگ نے جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے "سنگرہ قوم کے کسی بزرگ کو دین اسلام میں داخل کیا ہو۔ اور بطور ولا" وہ سنگرے علوی حنفی مشہور ہوگئے ہوں" واللہ اعلم بہ حقیقت حال"

سنگرہ قوم کے وجود کے متعلق اپنے بیان کی تائید میں ایک نوٹ میں مؤلف موصوف نے "سرہنری ایلیٹ کی تاریخ سے یہ شہادت بھی پیش کی ہے" کہ۔

"قدیم زمانے میں عرصہ دراز تک ان کا راج رہا۔ بہتر پشتوں تک دکن میں ان کی سلطنت رہی۔ اس کے بعد دیار میں آکر عرصہ تک رہے۔ اور اب اس قوم کے لوگ اضلاع اٹاوہ (صوبہ متحدہ) وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہوگئے ہیں"

مؤلف تاریخ امروہہ نے "خاندان سنگڑھ کی تحقیق نسب میں جن دو متضاد رایوں کا اظہار کیا ہے ان ہی سے اُن کی عدم اصابت رائے یا ناواقفیت اور شیعیت کا حال بخوبی عریاں ہوگیا ہے"

(الف) "مؤلف موصوف ہمیشہ لکھ دیتے ہیں کہ تمام قدیم کتب انساب میں ایسا لکھا ہے" اور جب سند پیش کرتے ہیں تو "صرف معارف ابن قتیبہ ہی کی پیش کرتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی کتاب ان کے پاس ہے جس کا نام انہوں نے تمام قدیم کتب انساب رکھا ہے۔ اس سے زیادہ معتبر اور قدیم کتاب ان کے نزدیک دوسری کوئی بھی نہیں ہے" "لیکن اس کی جو حقیقت ہے اُسے ہم اپنی اسی کتاب کی پچھلی بحثوں میں وضاحت سے دکھا اور ثابت کر آئے ہیں کہ اُن کا یہ مستند اور قدیم مؤرخ جھوٹ کی پوٹ ہے" "اس کی کتاب معارف کے نوشتے ہرگز قابل تسلیم نہیں ہیں" ہم خاندان سنگڑھ علوی حنفی کے مورثوں کے متعلق بہت کچھ لکھ سکتے ہیں مگر یہاں اُن کے معقب اور غیر معقب ہونے کی بحث میں پڑنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے "ہمیں تو یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ مؤلف امروہوی کو اس امر کا یقین ہے کہ "خاندان سنگڑھ نے جن دو بزرگوں سے اپنا سلسلہ نسب ملایا ہے۔ وہ غیر معقب یا لاولد تھے" مگر اس پر بھی انہیں اس خاندان کی علویت سے انکار نہیں ہے۔ اور جن خاندانوں کی انہیں خاطر منظور تھی اُن کے شجروں میں اسی قسم کی غلطیاں پاکر بھی کہ خاندان سنگڑھ کے شجرے میں، دکھائی ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں کئی جگہ یہ لکھنا ضروری خیال کیا کہ "امتداد زمانہ کی وجہ سے شجروں کے ناموں میں کمی بیشی یا غیر صحیح ناموں کا اندراج ہوجانا قطعی ممکن ہے" "یعنی ایسی غلطیوں کی وجہ سے ایسے شجرے رکھنے والے خاندانوں کے نسب پر کوئی حرف زنی نہیں کی جاسکتی" اور اُن لوگوں کے خاندانوں کے متعلق جن سے بغض ملّی تھا انہوں نے اپنی اس تحریر سے انحراف کرنا ضروری جانا ہے "انہیں مطلق خیال نہیں آیا کہ اُن کی ایسی تحریروں کو دیکھ کر ناظرین کیا کہیں گے "اور کیسا اثر لیں گے" سچ ہے کہ حسد اور کینہ عقل کو زایل اور انسان کے سوچنے سمجھنے کی طاقت کو سلب کر دیتا ہے"

(ب) اب رہا خاندان سنگڑھ علوی حنفی کے متعلق مؤلف امروہوی کا یہ لکھنا کہ۔

"لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی "پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا (سنگڑھ نام کا) خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا"

ان کی ناواقفیت کا ایسا ثبوت ہے جس سے اُن کی تحقیق و تلاش کی قلعی بالکل ہی کھل گئی ہے "جو شخص اپنے ملک بلکہ قریبی صوبے کے جغرافیہ سے اتنا بھی واقف نہ ہو جتنا کہ ایک طالب علم ہوتا ہے "اس کی تحقیقات کی حقیقت ظاہر ہے۔

ہمیں اس سے مطلق بحث نہیں ہے کہ کوئی قوم "سنگڑھ" بھی ہے کہ نہیں ہے "اور وہ کہاں رہتی ہے" البتہ ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ پنجاب میں "سنگڑھ" ایک مشہور مقام ہے۔ تاریخوں میں بھی اس کا ذکر ہے اور اخبارات و رسائل میں بھی اس کا نام آتا رہتا ہے" بلکہ اس نام کے پنجاب میں کئی مقامات ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

"تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند" مؤلفہ شمس العلماء محمد ذکاء اللہ کے صفحہ ۱۰۱ پر سلسلہ فتح پنجاب "سکھوں کی لڑائی کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "...... اس نوجوان بلوچی سردار نے جنرل صاحب سے اجازت لے کر "ڈیرہ غازی خاں پر چڑھائی کی ...... سونگا مل کے ساتھ اس کا چچا "جھیتن مل" حاکم "سنگڑھ" اور "منگروٹا" مل گیا ....

روزنامہ "انقلاب لاہور مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء کے صفحہ کالم ۱ پر "نارتھ ویسٹرن ریلوے پر تیز رفتار ریل کاریں" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ ...... "کاریں "جالندھر شہر" "ہوشیار پور" "کپورتھلہ" "ٹانڈہ" اور دسوہہ اور لوہیاں خاص کے درمیان" اور "امرت سر" "نارووال" "قادیان" "بٹالہ" "اور گورداسپور" کے درمیان" اور "فیروز پور" "بھٹنڈا" "دھوری" "سنگر" کے درمیان چلیں گی"

اور کار ہر روز امرت سر سے لاہور آیا کرے گی۔"

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۸ء کے صفحہ کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "بعدالت خان صاحب سردار محمد کریم اللہ خاں صاحب آنریری سب جج درجہ چہارم تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں لچھمن داس ولد ٹھاکر داس برہمن گوسائیں سکنہ منگالی تحصیل سنگھڑ مدعی۔

رسالہ آواز نسواں دہلی بابتہ ماہ جولائی ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۳ پر ایک حمد تحریر ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

کس نے کہلایا انا الحق دار پر منصور سے
کس نے دکھلائی جھلک موسیٰ کو کوہِ طور سے

اور مقطع یہ ہے

غرق عصیاں کس کے ہے محبوب کی اُمت عجب
کون بیٹھا دیکھتا ہے خود تماشا دور سے

اس حمد کی مصنفہ کا نام اس طرح تحریر ہے "از محترمہ سیدہ عجیبہ خاتون صاحبہ عجب سنگر ڈوی" (اٹک) مقام سنگر ڈہ کی موجودگی کے شواہد مندرجۂ بالا کے علاوہ "حضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قدس سرہٗ" (پیدائش اواخر آٹھویں صدی ہجری) سے بھی اس موقع پر تعارف کرا دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔" آپ حضرت سلطان سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی" کی اولاد سے ہیں "تیرھویں پشت میں آپ کا سلسلہ حضرت سلطان سید احمد قدس سرہ العزیز سے مل جاتا ہے" آپ بڑے پایہ کے اولیاء اللہ تھے" آپ کے بھانجے اور خلیفہ "حضرت شیخ ضیاء الدین عبدالکریم بیابانی" نے آپ کے ملفوظات اپنی مشہور و معروف تالیف "مطلوب الطالبین" میں خاص اہتمام اور اعتقاد سے جمع کر دیئے ہیں" اور "مولانا شاہ رفیع الدین" نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ انوار القندھار" (ضلع ناندیر دکن) مؤلفہ ۱۳۱۲ھ ہجری میں آپ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں"۔ آپ نے دکن کے مختلف مقامات کے علاوہ پنجاب و سندھ وغیرہ کا بھی سفر کیا تھا جب سندھ میں "قصبہ سنگر ڈہ میں آپ کچھ عرصہ مقیم رہے تو آپ کے کشف و کرامات دیکھ کر وہاں کی مخلوق جوق جوق آپ کے زمرۂ مریدوں میں شامل ہونے لگی اور حسن عقیدت کی بنا پر آپ کو "سانگڑے سلطان" کے لقب سے یاد کرنے لگی"

آپ کے حالات اولیاء اللہ کے حالات کی اکثر کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور رسالہ شہاب حیدر آباد دکن بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء میں بھی صفحہ ۵۵ تا ۵۹ پر تحریر ہیں"

ہمارے پیش کردہ ان شواہد سے اب یہ بات پورے طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ مؤلف امروہوی کا مبلغ علم کس قدر ہے اور ان کا یہ لکھنا کہ "خاکسار مؤلف کو پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا تحقیق نہیں ہوا۔ کیا حقیقت رکھتا ہے"۔ جب حضرت سید شاہ شیخ علی قدس سرہٗ کا لقب قصبہ سنگر ڈہ میں کچھ عرصہ مقیم رہنے سے ہی "سانگڑے سلطان" ہمیشہ کے لئے پڑ گیا تو ایک خاندان کا وہاں سے امروہہ آکر سنگر ڈہ لقب پڑ جانا بالکل ممکن ہے" اور مؤلف امروہوی کی کمبوہ کی طرح مقام سنگر ڈہ کی ناواقفیت سے خاندان سنگر ڈہ علوی حنفی کے بیان کی کسی طرح بھی تردید نہیں ہو سکتی"

مؤلف امروہوی کی تحقیقات کا تجزیہ کرنے کے بعد ہماری گذارش

ان حقائق و شواہد سے جو ہم نے اپنی اس کتاب میں پیش کئے ہیں "مؤلف امروہوی کی تحقیقات کی حقیقت اور حیثیت نیز طبعی خصلت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے، اور اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ انہوں نے کس مقصد اور جذبہ کے ماتحت اپنی تالیف مرتب کی ہے۔ مؤلف موصوف نے جن طریقوں سے قیاس آرائی کی بچھڑیں لگا کر اور غلط باتیں پیش کر کے صحیح حالات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی کیفیت بھی اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے" حالات کے بہم دست نہ ہونے یا ناواقفیت کی وجہ سے اگر وہ غلط راستہ پر جا پڑتے تو اُن پر کوئی الزام نہ تھا لیکن انہوں نے تو صحیح راستہ سے بھٹکانے کے لئے خود ایک نئی سڑک تیار کی۔ تاکہ ناواقف دھوکے میں آکر بھٹک جائیں اور منزل مقصود سے دور جا پڑیں انہوں نے صداقت کا خون کرنے اور حقیقت کے اخفا کے جرم کے علاوہ اس دودمان عالی شان زبیری کمبوہ خاندان کے متقی اور پرہیزگار بزرگوں کی نیتوں پر ہی حملے نہیں کئے اور اُن کے درجات کو گھٹا کر دکھانے کی ہی کوشش نہیں کی بلکہ اُن کی طینت و ناموس پر بھی کھلم کھلا چوٹیں کی ہیں"

ظاہر ہے کہ ان باتوں کا نسبی تحقیقات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ نے عباسی بننے کے شوق میں دوسرے خانوادوں کی آنکھوں میں تنکے ڈالنے کی کوشش میں تو اپنا خون پسینہ ایک کر لیا لیکن انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر بالکل نظر نہیں آیا۔ جن دلائل و شواہد اور طریقوں سے انہوں نے اپنے شجرے کو موسیٰ بن امین بن ہارون رشید عباسی سے جو کم عمری میں لاولد مر گیا متصل کیا ہے اور اُسے اولاد والا ثابت کرنے میں جیسی تاویلیں کی ہیں اور دعوے دیئے ہیں اُن کی حقیقت بھی بخوبی عیاں ہو چکی اور معلوم ہو گیا ہے کہ اُن کے نسب کی کیا کیفیت ہے نیز سادات و قریش اور دیگر خانوادوں سے اُن کی مخالفت کے کیا اسباب ہیں۔

اس لئے اب ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کر کے ان مباحث کو ختم کرتے اور مؤلف موصوف کے لئے نیک خصلتی اور صداقت بیانی کی دعا کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نے ہمیں کذب و افترا کی تاریکی کو زائل کر دینے اور حقیقت و سچائی کی روشنی پھیلانے کی توفیق عطا فرمائی۔ فقط۔ والسلام۔

صد شکر کہ اتمام پذیرفت کتاب
واضح شد ازاں جملہ مضامین کتاب

سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۲۱	ملفوظات خواجگان چشت حصہ دوم۔ فوائد الفواد حصہ چہارم	مطبوعہ	حضرت حسن سنجری رح		وفات سنہ ۷۳۵ ہجری
۲۲	مآثر الامراء	مطبوعہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ مطبع اردو گائیڈ پریس کلکتہ	نواب صمصام الدولہ شاہنواز خاں	سنہ ۱۷۵۵ء	سنہ ۱۱۹۷ ہجری میں زندہ تھے
۲۳	سلسلۂ عالیہ	مطبوعہ مطبع شعلۂ ضیائی اٹاوہ سنہ ۱۳۰۶ھ	حکیم عنایت حسین صاحب مہری کیموی ماہروی	سنہ ۱۳۲۶ھ	ولادت محرم ۱۲۹۲ھ وفات سنہ ۱۳۶۵ھ
۲۴	تاریخ فرشتہ	مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن، نولکشور پریس لکھنؤ	محمد قاسم فرشتہ بن مرزا غلام علی ہندوشاہ	سنہ ۱۰۱۵ھ	وفات سنہ ۱۰۳۶ھ
۲۵	سفرنامہ مارکو پولو	مطابع پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور	نکولو موفیو مارکو پولو	سنہ ۱۳۰۰ء	وفات سنہ ۱۳۲۳ء
۲۶	خزینۃ الاصفیا	مطبوعہ مطبع نولکشور کانپور سنہ ۱۸۹۴ء جلد دوم در مطبع نولکشور لکھنؤ	غلام سرور بہاری استادی		
۲۷	تاریخ ہندوستان	مطبوعہ	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب		وفات سنہ ۱۹۱۰ء
۲۸	کارنامۂ راجپوتان	مطبوعہ۔ کارخانہ روزانہ اخبار پنجابی گزٹ پریس بریلی	حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری	سنہ ۱۹۲۳ء کے بعد	
۲۹	کتاب بیرام خاں	مطبوعہ آگرہ پریس آگرہ سنہ ۱۹۳۱ء	حکیم علی کوثر چاندپوری	سنہ ۱۹۳۱ء	
۳۰	سیرۃ امام اعظم ابو حنیفہ	مطبوعہ	علامہ شبلی نعمانی		ولادت وفات سنہ ۱۸۵۷ سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲
۳۱	شرح نہج البلاغۃ	مطبوعہ			
۳۲	تاریخ اسلام	مطبوعہ رفیق عام پریس بریلی سنہ ۱۳۲۲ھ	علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی		وفات سنہ ۱۳۵۸ھ
۳۳	ترجمہ رولرز آف انڈیا رنجیت سنگھ	مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق سنہ ۱۳۳۱ ف مطابق سنہ ۱۹۲۲ء	مسٹر لیپل گرفن کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔	ربع چہارم انیسویں صدی	
۳۴	نظم	مطبوعہ	علامہ شبلی نعمانی		وفات سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ
۳۵	اقبال نامہ	مطبوعہ	میر محمد المخاطب معتمد خاں		
۳۶	در مقصود	مطبوعہ علمی پریس امروہہ سنہ ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء	انیس الدین احمد امروہوی	۱۹۳۴ تاریخی ۱۳۵۲	
۳۷	شمس التواریخ	مطبوعہ مطبع رائیفنا منشی گلاب سنگھ لکھنؤ	خانصاحب حکیم نواب علی خاں صاحب ہنر امروہوی	سنہ ۱۸۹۸ء	
۳۸	تاریخ سنبھل موسومہ معرکۂ عظیم	مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مرادآباد سنہ ۱۳۵۶ ہجری	غلام احمد صاحب فریدی	سنہ ۱۳۵۶ھ	
۳۹	تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد اول	مطبوعہ تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی سنہ ۱۹۳۰ء	محمود احمد صاحب امروہوی	سنہ ۱۹۳۰ء	
۴۰	تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم	مطبوعہ جید برقی پریس دہلی سنہ ۱۹۳۴ء	مسٹر محمود احمد امروہوی	سنہ ۱۳۵۲ھ	

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۴۱	کتاب تحصیل کا میدان جنگ ۔	مطبوعہ۔ کارخانہ پیسہ اخبار لاہور	سر الیشلے بارٹلٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان مترجمہ محبوب عالم صاحب	سنہ ۱۸۹۷ء	
۴۲	تذکرہ مصنفین دہلی ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ حیدرآباد دکن	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	.	ولادت سنہ ۹۵۸ھ وفات سنہ ۱۰۵۲ھ
۴۳	تاریخ خانجہانی مخزن افغانی ۔	قلمی درکتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	نعمت اللہ ہروی	سنہ ۱۰۱۸ھ تا سنہ ۱۰۲۰ھ	.
۴۴	حیات لودی معروف بہ شوکت افغانان	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ	محمد عبد الحکیم خاں لودھی	.	.
۴۵	تزک بابری۔ مترجمہ شاہزادہ مرزا نصیر الدین حیدر گورگانی المتخلص بہ فانی ۔	مطبوعہ مطبع محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی سنہ ۱۹۲۴ء	شاہنشاہ بابر	.	وفات سنہ ۹۳۶ ہجری
۴۶	تاریخ جہانگیر ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	بینی پرشاد پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی	.	.
۴۷	تاریخ سادات امروہہ ۔	مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۳۴ء	جمال احمد نقوی امروہوی	سنہ ۱۹۳۴ء	.
۴۸	بحر الابرار ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی۔ درکتب خانہ حسین احمد	جمال محمد	سنہ ۱۰۲۲ تا سنہ ۱۰۳۶ھ	.
۴۹	زبدۃ التواریخ ۔ ۔ ۔	قلمی۔ درکتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	شیخ نور الحق فرزند شیخ عبد الحق محدث دہلوی	.	وفات سنہ ۱۰۷۳ ہجری
۵۰	تاریخ مبارک شاہی ۔ ۔ ۔ ترجمہ انگریزی۔ مترجمہ کے کے باسو	مطبوعہ	.	.	.
۵۱	خزانہ عامرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ نول کشور پریس کانپور	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	سنہ ۱۱۶۲ تا سنہ ۱۱۷۶ھ	ولادت سنہ ۱۱۱۶ھ وفات سنہ ۱۲۰۰ھ
۵۲	مآثر عالمگیری ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ جامعہ عثمانیہ	محمد ساقی مستعد خاں	سنہ ۱۱۲۱ھ	.
۵۳	تاریخ ابن خلدون ۔ ۔	مطبوعہ قیصر ہند پریس الہ آباد ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء	عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن محمد بن حسن بن محمد بن جابر بن محمد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن خلدون الاشبیلی المغربی	ختم در سنہ ۷۹۷ھ	ولادت سنہ ۱۳۳۲ء مطابق سنہ ۷۳۲ھ وفات سنہ ۱۴۰۶ء مطابق ۸۰۸ھ
۵۴	اغانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ جرمنی	ابو الفرج اصفہانی	.	وفات سنہ ۳۵۶ھ مطابق سنہ ۹۶۷ء
۵۵	تاریخ کامل ابن الاثیر ۔ ۔	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ و جامعہ عثمانیہ دائرۃ المعارف پریس حیدرآباد دکن	مبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی المعروف بہ ابن اثیر	.	ولادت سنہ ۵۵۵ھ وفات سنہ ۶۰۶ھ مطابق ۱۲۱۰ء
۵۶	ابو المحاسن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ کلکتہ	امیر جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن تغری بن بردی ۔	.	وفات سنہ ۸۷۴ھ مطابق سنہ ۱۴۶۹ء
۵۷	وفیات الاعیان ابن خلکان ۔	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ سنہ ۱۳۰۴ھ	قاضی ابو العباس احمد ابن خلکان برمکی	سنہ ۶۷۲ھ	ولادت سنہ ۶۰۸ھ ۱۲۱۱ء وفات سنہ ۶۸۱ھ ۱۲۸۲ء
۵۸	ڈائی فیلی الزبیر ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ جرمنی گوٹنجن	ایف وسٹن فیلڈ مستشرق	سنہ ۱۸۷۸ء	.
۵۹	تاریخ گزیدہ سنہ ۱۳۲۸ ہجری مطابق سنہ ۱۹۱۰ء۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ۔ ۔ ۔	مطبوعہ لندن در سنہ ۱۳۲۸ھ و سنہ ۱۹۱۰ء	حمید اللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی ۔	سنہ ۷۳۰ ہجری	.

سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۶۰	تاریخ فیروز شاہی ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ کلکتہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	علامہ ضیاء الدین احمد برنی مرید حضرت نظام الدین اولیاء متوفی ۷۲۵ھ	۔	۔
۶۱	تنبیہ و اشراف ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ ۔ دار الطبع جامعہ عثمانیہ	ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی البغدادی		وفات ۳۴۶ ہجری مطابق ۹۵۷ء
۶۲	تاریخ ابو الفدا ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع النعمانی امرتسر	شہزادہ اسمٰعیل بن علی عزیز قریبی سلطان صلاح الدین ایوبی	۱۳۲۱ء مطابق ۷۲۱ھ کو ختم ہوئی	وفات ۱۳۳۱ ہجری
۶۳	مستدرک حاکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم	۔	وفات ۴۰۵ ہجری
۶۴	سیر الصحابہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ	شاہ معین الدین ندوی	۔	وفات ۱۳۶۱ ہجری
۶۵	تقریر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ در رسالہ زبیری دہلی اپریل ۱۹۳۴ء	سید طفیل احمد آنریری سکریٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ	۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء	۔
۶۶	نظم نواب شہباز خاں کا ایک ٹکڑا	غیر مطبوعہ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	ماہ شہر نومبر ۱۳۴۲	۔
۶۷	طبقات اکبری ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ راقم کتاب ہذا حسین احمد زبیری	نظام الدین احمد خاں بخشی	۔	وفات ۱۰۰۳ ہجری
۶۸	جنگ نامہ اعظم شاہ و بہادر شاہ	مطبوعہ	نعمت خاں عالی میرزا محمد بن حکیم فتح الدین	۔	وفات ۱۱۲۱ ہجری
۶۹	عمل صالح (شاہجہاں نامہ)	مطبوعہ کلکتہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	محمد صالح زبیری کنبوہی	۱۰۷۰ ہجری	۔
۷۰	مفاوضات عالمگیری ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	۔	۔	۔
۷۱	سفر نامہ برنیر مترجمہ خلیفہ محمد حسین وزیر ریاست پٹیالہ	مطبوعہ	برنیر فرانسیسی	۔	۔
۷۲	ایک نظم کا ٹکڑا ۔ ۔ ۔ ۔	غیر مطبوعہ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	ماہ نومبر ۱۹۳۹ء	۔
۷۳	تذکرہ وقار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ عزیزی پریس آگرہ	محمد امین زبیری گنگو کنبوہی مارہروی	۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء	
۷۴	نکات الشعراء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	میر تقی میر دہلوی	۱۱۶۲ھ / ۱۷۵۲ء	ولادت ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء آگرہ، وفات ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء در لکھنؤ
۷۵	آب حیات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی	۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء	وفات ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء
۷۶	محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن	مطبوعہ مطبع رحمانی حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ	محمد عبد الجبار خاں ملکاپوری براتی حیدرآبادی	آغاز ۱۹۰۲ء / ۱۳۲۰ھ	انجام ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء
۷۷	کارنامہ سروری ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	آغا میرزا بیگ المخاطب بہ سرور الملک بہادر	۔	۔
۷۸	بہار سخن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	محمد صالح زبیری کنبوہی	۔	وفات ۱۰۸۵ ہجری
۷۹	سلسلۂ نظامیہ ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ منشی نظام حسین مارہروی و در کتب خانہ حسین احمد مؤلف کتاب ہذا	نظام حسین زبیری گنگو کنبوہی مارہروی	بعد غدر سنہ ۱۸۵۷ء	
۸۰	کتاب شیلا المارہرہ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ حسین احمد مؤلف کتاب ہذا	چودھری بہاؤ الدین زبیری کنبوہی مارہروی	۔۔	وفات بعد ۱۸۵۷ء

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف و تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۸۱	تلخیص التواریخ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	مولوی مصطفیٰ زبیری کنبوی مرحوم	–	–
۸۲	خاندان حضرت زبیرؓ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ حسین احمد مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی	–	–
۸۳	سیرت سیدنا حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم	قلمی در کتب خانہ حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی	–	–
۸۴	سیرت امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	قلمی در کتب خانہ حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی	–	–
۸۵	سیر سیدنا حضرت مصعب بن زبیرؓ	〃 〃 〃	〃	–	–
۸۶	سیر سیدنا حضرت عروہ بن زبیرؓ	〃 〃 〃	〃	–	–
۸۷	زبیری سندھ میں ۔ ۔ ۔	〃 〃 〃	〃	–	–
۸۸	زبیری ہند میں ۔ ۔ ۔	〃 〃 〃	〃	–	–
۸۹	کلمات الصادقین ۔ ۔ ۔	〃 در کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی	〃	–	–
۹۰	مجمع النفائس ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی و شاہی کتب خانہ رام پور	سراج الدین علی خاں آرزو	۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء	ولادت ۱۱۰۱ھ وفات ربیع الثانی ۱۱۶۹ھ مطابق ۲ جنوری ۱۷۵۶ء
۹۱	صبح گلشن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ	سید علی حسن خان بہادر سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ فرزند نواب صدیق حسن خاں	۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء	وفات ۱۳۵۵ ہجری مطابق ۱۹۳۶ء
۹۲	تاریخ پادری نقش ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	منشی	–	–
۹۳	کتاب پرشیا ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ لندن	لارڈ کرزن سابق وائسرائے ہند	–	–
۹۴	کتاب دوم تاریخ ہند ۔	مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	مسٹر ہاشمی رکن دار الترجمہ سرکار عالی	–	–
۹۵	تاریخ آئینہ حقیقت نما حصہ اول	مطبوعہ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ	علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	۱۹۲۶ء	وفات ۱۳۵۸ھ
۹۶	تاریخ الفنسٹن ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	الفنسٹن	–	–
۹۷	کتاب جگ بیتی ۔ مترجمہ محمود علیخاں	مطبوعہ جید برقی پریس دہلی	پنڈت جواہر لال نہرو	۱۹۴۳ء	–
۹۸	خمخانۂ جاوید ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی	لالہ سری رام ایم اے مصنف دہلوی آغاز ۱۹۰۸ء پہلی جلد ۱۹۰۸ء میں اور چوتھی ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی۔	–	وفات ۱۹۳۰ء
۹۹	خاندان زبیری کنبوی جلد دوم یعنی مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کا تجزیہ ۔	در کتب خانہ حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی ۔ ایڈیٹر منشی فیض احمد صاحب لمشاہیر	–	–
۱۰۰	مضامین فرحت حصہ ششم	مطبوعہ عہد آفریں برقی پریس حیدرآباد دکن	مرزا فرحت اللہ بیگ	۱۳۴۲ء	–

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۱۰۱	گلزار ابراہیم	قلمی در کتب خانہ رام پور	نواب ابراہیم خان بہادر نصیر جنگ تخلص خلیل	اختتام تصنیف سنہ ۱۱۹۸ھ ۱۷۸۴ء	وفات سنہ ۱۲۰۸ ہجری مطابق سنہ ۱۷۹۳ء
۱۰۲	مثنوی گلزار ارم یا گلشنِ ہند	مطبوعہ اول از اہتمام مولوی عبداللہ خان در سنہ ۱۹۰۶ء بعدہ از طرف انجمن ترقی اردو در سنہ ۱۹۳۴ء مطابق سنہ ۱۳۵۲ ہجری	مرزا علی المتخلص بہ لطف	اختتام سنہ ۱۲۱۵ ہجری مطابق سنہ ۱۸۰۱ء	وفات سنہ ۱۲۲۸ ہجری مطابق سنہ ۱۸۱۳ء
۱۰۳	تاریخ الامت جلد چہارم ...	مطبوعہ	محمد اسلم جیراج پوری	"	"
۱۰۴	فتوح البلدان جزء دوم	مطبوعہ۔ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سنہ ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء	احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری	"	وفات سنہ ۲۷۹ ہجری
۱۰۵	جغرافیہ افغانستان	مطبع مفید عام لاہور سنہ ۱۳۰۶ھ	محمد حسین رئیس تدریسات افغانستان	سنہ ۱۳۰۶ھ	"
۱۰۶	بیاض جانفزا خاتمہ بیاض دلکشا	مطبوعہ مطبع مصطفائی اکبر آباد	"	"	"
۱۰۷	شباب کشمیر .. .. (اسلامی مدارس کی اجمالی تاریخ)	مطبوعہ۔ در رسالہ عالمگیر لاہور	محمد عبد اللہ قریشی	ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء	"
۱۰۸	تاریخ اودھ جلد سوم	مطبوعہ	حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری	سنہ ۱۹۲۳ء کے بعد	"
۱۰۹	سوانح سلاطین اودھ	مطبوعہ	کمال الدین حیدر حسینی الحسینی	"	"
۱۱۰	ادبی خطوط مرزا غالب	مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ	مرزا محمد عسکری بی۔ اے لکھنوی	"	"
۱۱۱	سیر [illegible] کشمیر	مطبوعہ		"	"
۱۱۲	تذکرہ افغانی	مطبوعہ	"	"	-
۱۱۳	سیر المتاخرین	مطبوعہ	غلام حسین بن ہدایت علی خان اسد جنگ بن سید علیم اللہ خان طباطبائی	سنہ ۱۱۹۴ھ سنہ ۱۷۸۰ء	"
۱۱۴	ریاض الفصحا تذکرہ ہندی گویان	مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی	غلام ہمدانی مصحفی	آغاز سنہ ۱۲۳۰ھ ۱۸۲۶ء ختم سنہ ۱۲۰۹ھ	وفات سنہ ۱۲۴۰ ہجری مطابق سنہ ۱۸۲۵ء
۱۱۵	عقد ثریا: فارسی گو شاعروں کا تذکرہ	قلمی۔ در کتب خانہ رامپور			
۱۱۵	عقد ثریا: فارسی گو شاعروں کا تذکرہ	قلمی۔ در کتب خانہ رامپور	غلام ہمدانی مصحفی	ختم سنہ ۱۱۹۹ھ ۱۷۸۴-۸۵ء	وفات سنہ ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء
۱۱۶	عقد ثریا	مطبوعہ	مرزا صفی الدین محمد المتخلص بہ صفائی	"	"
۱۱۷	آثار احمدی	قلمی۔ در کتب خانہ راقم کتاب [illegible] حسین احمد [illegible] کنتوری	حکیم عنایت حسین صاحب بیبری مارہروی	سنہ ۱۲۲۶ھ	ولادت محرم سنہ ۱۱۹۲ھ وفات جمادی الاول سنہ ۱۲۶۵ھ
۱۱۸	تذکرہ بہادران اسلام حصہ اول موسوم بہ فلاح امت	مطبع یوسفی پریس پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات پنجاب	کرم الٰہی صوفی ڈنگوی	"	"
۱۱۹	شرح قصائد عرفی	قلمی۔ در کتب خانہ دار الفلاح سید ظہیر الدین امروہوی مقیم دہلی	محمد شفیع سنبھلی زبیری	سنہ ۱۱۱۱ھ	
۱۲۰	الفاروق	مطبوعہ	علامہ شبلی نعمانی		ولادت سنہ ۱۸۵۷ء وفات سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ
۱۲۱	کشف الظنون	مطبوعہ	حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی	"	وفات سنہ ۱۶۵۷ء

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۱۲۲	طبقات ابن سعد	مطبوعہ۔ لیڈن یوروپ	محمد ابن سعد	..	ولادت سنہ ۱۶۸ھ وفات سنہ ۲۳۰ھ
۱۲۳	سیرۃ النبی صلعم	مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ	علامہ شبلی نعمانی	..	ولادت سنہ ۱۸۵۷ء وفات سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ
۱۲۴	ارمغان ہندوستان	مطبوعہ گلشن آباد ناسک حافظ بمبئی سنہ ۱۳۰۳ فصلی مطابق سنہ ۱۳۱۱ ہجری	مولوی سید خواجہ لطف علی شاہ صاحب مودودی افغانی سنہ ۱۳۱۱ ہجری	..	..
۱۲۵	روح السادی	قلمی در سبحان اللہ خاں لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	سیف الدین بخاری پدر شیخ عبد الحق محدث دہلوی	..	وفات سنہ ۹۹۰ ہجری
۱۲۶	خط موسومہ صاحب المشاہیر	قلمی	محررہ جناب خانصاحب حکیم نواب علی صاحب زبیری کنبوی امروہوی	سنہ ۱۹۰۱ء	ولادت ۱۵ شوال سنہ ۱۲۸۶ ہجری
۱۲۷	ایک تحریر	قلمی	صاحب المشاہیر	۸ جنوری سنہ ۱۸۸۹ء	..
۱۲۸	حیات میر جلیل بلگرامی	مطبوعہ۔ الہ آباد سنہ ۱۹۲۹ء	سید مقبول احمد صمدانی	-	..
۱۲۹	انکشافات المعروف بہ تنقید محمود	مطبوعہ۔ حمایت اسلام پریس لاہور	سید محمد سراج الحق المتخلص بہ تکلیبی	سنہ ۱۳۵۲ھ	..
۱۳۰	خط موسومہ حسین احمد زبیری	قلمی۔ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	نواب خادم حسین صاحب	-	..
۱۳۱	خط موسومہ مسٹر امداد احمد خاں زبیری کنبوی بی۔ اے	قلمی۔ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ مملکت آصفیہ دکن۔	محررہ ۱۱ ارآبان سنہ ۱۳۴۴ ف	..
۱۳۲	معارف ابن قتیبہ	مطبوعہ	ابن قتیبہ	.	ولادت سنہ ۲۱۳ھ وفات سنہ ۲۷۶ھ
۱۳۳	کتاب المحبر	مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	محمد بن حبیب (استاد ابن قتیبہ)	.	وفات سنہ ۲۴۵ ہجری
۱۳۴	تہذیب التہذیب	مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد مشہور بہ ابن حجر عسقلانی الکنانی الشافعی		وفات سنہ ۸۵۲ ہجری
۱۳۵	کتاب الانساب امام سمعانی	قلمی۔ در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	حافظ ابو سعد عبد الکریم بن محمد المروزی الشافعی		وفات سنہ ۵۶۲ ہجری
۱۳۶	صحیح مسلم	مطبوعہ۔ حمیدیہ پریس دہلی	ابو الحسن مسلم بن حجاج بن مسلم بن وردبن کوشاد قشیری	..	ولادت سنہ ۲۰۴ یا ۲۰۶ھ در نیشاپور وفات سنہ ۲۶۱ھ ۸۷۵ء در نیشاپور
۱۳۷	کتاب شہادت ضمیمہ دوم	مطبوعہ۔ کرزن گزٹ پریس دہلی	میرزا حیرت دہلوی	..	..
۱۳۸	جامع ترمذی	مطبوعہ۔ نولکشور پریس دہلی	محمد بن عیسیٰ ترمذی	..	وفات سنہ ۲۷۹ھ
۱۳۹	مراۃ الخیال	قلمی۔ موجودہ کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	شیر خاں ابن علی امجد لودھی	..	زمانہ شاہجہان و عالمگیر
۱۴۰	الجرح والتعدیل الجزء الثالث	مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	امام ابی محمد عبد الرحمٰن	..	وفات سنہ ۳۲۷ ہجری
۱۴۱	معجم المصنفین	قلمی۔ موجودہ در کتب خانہ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی	..	حیات
	تذکرۃ الواصلین	مطبوعہ	محمد رضی الدین بسمل بدایونی پسر مولوی حکیم محمد سعد اللہ [illegible]	..	..

شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	سنہ ولادت یا وفات مصنف
۱۴۳	مکتوبات احمدیہ دفتر ثالث	مطبوعہ	حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی	"	"
۱۴۴	حدیقۃ الاولیاء ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع نامی نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۹ء	مفتی غلام سرور بہاری اسدی	"	"
۱۴۵	تذکرۃ الکرام تاریخ امروہہ کی جلد ثانی	مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی	محمود احمد امروہوی	سنہ ۱۹۳۲ء	"
۱۴۶	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	مطبوعہ مطبع بریل شہر لیدن واقع ہالینڈ	علامہ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البنا الشامی والمقدسی المعروف بالبشاری	سنہ ۳۷۵ھ	سنہ ۹۹۸ء
۱۴۷	شمس التواریخ جلد چہارم ۔	مطبوعہ مطبع مطلع الانوار	"	"	"
۱۴۸	کتاب المسالک الممالک ۔	مطبوعہ جرمنی	ابو القاسم ابن حوقل موصلی سنہ ۳۳۱ھ میں سفر پر روانہ ہوا۔	سنہ ۳۵۹ھ سنہ ۹۷۶ء	سنہ ۳۶۷ ہجری میں زندہ تھے
۱۴۹	سفرنامہ ملتان ۔ ۔ ۔	قلمی۔ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مسٹر احمد الدین ایم۔ اے پروفیسر تاریخ	"	حیات
۱۵۰	انشائے ہرکرن ۔ ۔	قلمی۔ در کتب خانہ سید ظہیر الدین امروہوی مقیم دہلی	ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی ملتانی		
۱۵۱	تاریخ الخلفاء ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	علامہ سیوطی		ولادت سنہ ۸۴۹ھ وفات سنہ ۹۱۱ھ
۱۵۲	تاریخ سادات امروہہ جلد اول	مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۳۴ء	جمال احمد عرف خصال احمد نقوی امروہوی	سنہ ۱۹۳۴ء	
۱۵۳	کتاب پیدائش الٰہی تپانچہ ۔ ۔	مطبوعہ چندر گپت پریس چاوڑی بازار دہلی	فیاض حسین نقوی الامروہوی	"	"
۱۵۴	نسب نامہ عباسیہ ۔ ۔	مطبوعہ ریاضی پریس امروہہ	ایضاً	"	"
۱۵۵	کتاب چھوٹے بول کا بول ۔ ۔	ایضاً	ایضاً	"	"
۱۵۶	امپیریل گزیٹیر ۔ ۔ ۔	"	ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ایل۔ ایل۔ ڈی سی۔ آئی۔ ای	"	"
۱۵۷	مؤلف تاریخ امروہہ کے حالات زندگی	قلمی۔ موجود در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مولوی محمد صبغت اللہ بی۔ اے رئیس امروہہ	"	"
۱۵۸	مجموعہ لغات عربی ۔ ۔ ۔	مطبوعہ نور الابصار پریس الہ آباد سنہ ۱۸۷۷ء	منشی سدا سکھ لال	سنہ ۱۸۷۷ء	
۱۵۹	اودھ کے بادشاہ ذکر ۔ ۔	مطبوعہ مضمون در علی گڑھ میگزین	مولوی محمد امداد احمد صاحب زبیری کنبوی بی۔ اے (علیگ)، ڈپلوما اِن ایجوکیشن (عثمانیہ)	نومبر۔ دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء	"
۱۶۰	سیر عالم ۔ ۔ ۔	مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن	محمد سراج الدین طالب	"	"
۱۶۱	تاریخ داؤدی ۔ ۔ ۔ اس کا فوٹو برٹش میوزیم لندن سے حاصل کیا گیا ہے۔	فوٹو۔ در کتب خانہ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔	خواجہ عبداللہ	بزمانہ شہنشاہ جہانگیر	
۱۶۲	سیاحت شبلی ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ سنہ ۱۳۶۲ ہجری مطابق سنہ ۱۹۴۳ء	سید سلیمان ندوی	"	حیات

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانۂ تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۱۶۳	المسالک والممالک	مطبوعہ	ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری	سنہ ۳۴۰ھ ۹۵۱ء	"
۱۶۴	رہنمائے مسافران ہند	مطبوعہ خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور	منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور	سنہ ۱۹۰۴ء	"
۱۶۵	الاحاطہ فی اخبار غرناطہ	مطبوعہ حیدرآباد دکن در سنہ ۱۳۵۰ھ	الوزیر محمد لسان الدین الخطیب مترجمہ سید احمد اللہ ندوی	"	"
۱۶۶	کتاب سوویٹ رس سیاحت روس	مطبوعہ پبلیشر لالہ لاجپت رائے اینڈ سنس	پنڈت جواہر لال نہرو	"	حیات
۱۶۷	کتاب باغبانی یعنی ترجمہ فری بینگرس مینول آف گارڈننگ	مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ در سنہ ۱۹۱۸ء	"	"	"
۱۶۸	فوائد الفواد یعنی ملفوظ خواجگان چشت	مطبوعہ	حضرت خواجہ حسن سجزی	"	المتوفی سنہ ۷۳۵ ہجری
۱۶۹	تذکرہ مصنفین دہلی	مطبوعہ مطبع تاریخ حیدرآباد دکن	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	"	ولادت در سنہ ۹۵۸ھ وفات در سنہ ۱۰۵۲ھ
۱۷۰	مآثر الکرام موسومہ سرو آزاد ..	مطبوعہ مطبع رفاہ عام لاہور	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	سنہ ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۳ء	ولادت سنہ ۱۱۱۶ھ وفات سنہ ۱۲۰۰ھ
۱۷۱	آثار الصنادید	مطبوعہ	سر سید احمد خاں دہلوی	"	وفات در سنہ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء
۱۷۲	تذکرہ علمائے ہند	مطبوعہ مطبع نولکشور پریس لکھنؤ در سنہ ۱۹۱۴ء	رحمان علی ممبر کونسل ریواں	"	
۱۷۳	یافعی	مطبوعہ	علامہ ابو محمد عبد اللہ ابن اسعد یافعی	"	وفات در سنہ ۷۶۷ھ
۱۷۴	طبقات الحفاظ	مطبوعہ	حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت بغدادی معروف بہ خطیب	"	وفات در سنہ ۳۹۲ ہجری
۱۷۵	تذکرہ حافظ ذہبی	مطبوعہ	حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	"	وفات در سنہ ۱۳۴۸ء
۱۷۶	خصائص الکبریٰ	مطبوعہ	از علامہ جلال الدین سیوطی اصلی نام عبد الرحمٰن بن الکمال بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین		ولادت در سنہ ۸۴۹ھ وفات در سنہ ۹۱۱ھ
۱۷۷	عجایب الہند	مطبوعہ	بزرگ بن شہریار	سنہ ۳۰۴ھ	"
۱۷۸	یعقوبی	مطبوعہ	محمد بن یعقوب بن واضح کاتب عباسی	سنہ ۲۷۷ھ ۸۷۴ء	"
۱۷۹	یاد انوار	مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ	محمد امین سابق مہتمم تاریخ ریاست بھوپال	سنہ ۱۹۳۶ء	حیات
۱۸۰	سیر حامدی یعنی سفرنامہ نواب صاحب ریاست رامپور	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ	نواب حامد علی خاں والئی ریاست رامپور	"	"
۱۸۱	فہرست کتب خانہ بانکے پور ..	مطبوعہ	منتظم کتب خانہ بانکے پور	"	"
۱۸۲	پینڈیکٹ فاطر پولران فرانس ..	ناشر جان سٹر گولک نیوی اینڈ کو پیرس	اسٹار سن اینڈ زیویر	سنہ ۱۸۵۲ء	"
۱۸۳	آئینۂ محمدی	"	حاذقی بدخشی	"	"
۱۸۴	سفرنامہ اُوگنڈا و ممباسہ	مطبوعہ خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور	"	"	"
۱۸۵	تاریخ سیر المتقدمین یعنی حالات روما	مطبوعہ	مترجمہ محمد سعید خاں	"	"
۱۸۶	کاشف الاستار	قلمی نزد سید احسن صاحب مارہروی	حضرت شاہ محمد حمزہ صاحب مارہروی	"	وفات در سنہ ۱۱۹۸ ہجری

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۱۸۷	برکات الاولیاء ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ انتصل المطابع دہلی در ۱۳۲۲ھ	سید امام صاحب گلشن آبادی	...	...
۱۸۸	تاریخ بلوچستان ۔ ۔ ۔	مطبوعہ در ۱۹۰۷ء	ہیتورام رائے بہادر سی۔ آئی ای ایکسٹرا اسسٹنٹ ٹو دی پولیٹیکل ایجنٹ بلوچستان	...	...
۱۸۹	کتاب شہادت ۔ ۔ ۔	مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی	میرزا حیرت دہلوی	...	...
۱۹۰	انساب الخلافہ ترجمہ سبایک الذہب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	علامہ شہاب الدین ابی العباس علامہ ابو الفوز محمد امین السویدی	...	...
۱۹۱	خطبات عالیہ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ	حاجی منشی انوار احمد صاحب زبیری مارہروی	۱۹۲۷ء / ۱۳۴۶ھ	وفات در ۱۹۳۲ء
۱۹۲	الفخری فی آداب السلطانیہ و الدول الاسلامیہ	مطبوعہ بیروت در ۱۸۶۰ء	محمد بن علی طباطبا المعروف بہ ابن الطقطقی	...	وفات در ۷۳۰ھ ہجری
۱۹۳	چچ نامہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع لطیفی دہلی۔ در ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء	علی بن حامد ابو بکر الکوفی	چھٹی صدی ہجری	...
۱۹۴	انڈیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس	کرنل تھامس ہنگر فورڈ ہولڈچ	...	...
۱۹۵	دستور الفصاحت ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	حکیم سید احمد علی یکتا لکھنوی	...	...
۱۹۶	تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ	مطبوعہ شمس المطابع دہلی در ۱۹۰۴ء / ۱۳۲۲ھ	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی	...	...
۱۹۷	تحفہ اثنا عشریہ ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی	...	...
۱۹۸	ہیپی آف انڈیا ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	لالہ لاجپت رائے	...	...
۱۹۹	پریچنگ آف اسلام ۔ ۔	مطبوعہ	پروفیسر مسٹر آرنلڈ	...	وفات در ۱۹۳۰ء
۲۰۰	ڈائی نمیلی الزبیشر ۔ ۔	مطبوعہ۔ جرمنی در ۱۸۶۵ء	جرمن مستشرق ایف وسٹن فیلڈ		...
۲۰۱	سفینۂ مالیری ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور در ۱۹۰۲ء / ۱۳۱۹ھ	عبد اللہ مالیری	...	...
۲۰۲	تاریخ ہند ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	لالہ لاجپت رائے	...	...
۲۰۳	تاریخ کمبوہان ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	چودہری وہاب الدین امرتسری	...	...
۲۰۴	ترجمان القرآن ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	مولانا ابو الکلام آزاد	...	حیات
۲۰۵	تاریخ عرب قدیم ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	علامہ عبد اللہ عمادی	...	وفات در ۱۳۶۶ھ
۲۰۶	مرقع اکبر آباد آگرہ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع اکبری آگرہ	مولانا سید احمد صاحب زبیری مارہروی	۱۹۱۶ء	...
۲۰۷	کتاب چنگیز خاں ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ	ہیرلڈلیمپ مترجمہ محمد عنایت اللہ	...	...
۲۰۸	سفرنامہ ملتان ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی۔ موجود در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	منشی احمد الدین ایم۔ اے۔ پروفیسر تاریخ	...	حیات

(۲۰۹) اخبار الطوال (۲۱۰) ابن الرقیات (۲۱۱) کتاب مسلمانوں کا روشن مستقبل (۲۱۲) عقد الفرید (۲۱۳) مسند امام احمد حنبل وغیرہ وغیرہ۔

فہرست رسائل-اخبارات ونقشہ جات

(۱) رسالہ معارف اعظم گڑھ بابت ماہ جون ۱۹۲۴ء و اکتوبر ۱۹۲۶ء و ۲۷ رجب ۱۳۵۳ ہجری مطابق نومبر ۱۹۳۴ء و اگست ۱۹۳۸ء

(۲) رسالہ عالمگیر لاہور سالانہ نمبر و ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء و ۱۹۳۶ء

(۳) اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت ماہ اگست ۱۹۳۱ء و مئی ۱۹۳۳ء و اگست ۱۹۳۴ء و نومبر ۱۹۳۴ء و مئی ۱۹۳۷ء و فروری ۱۹۳۸ء

(۴) رسالہ زمانہ کانپور بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۵ء و مئی ۱۹۳۶ء

(۵) رسالہ عبرت نجیب آباد ضلع بجنور

(۶) رسالہ کائنات لاہور بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء و سالنامہ ۱۹۳۳ء

(۷) رسالہ فاران بجنور بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء و نومبر ۱۹۳۶ء و جنوری ۱۹۳۷ء و فروری ۱۹۳۷ء

(۸) رسالہ دلگداز لاہور ۱۵ جون ۱۹۳۷ء

(۹) رسالہ القریش امرتسر بابت ماہ جون ۱۹۱۷ء و جون ۱۹۲۳ء و دسمبر ۱۹۲۴ء و مارچ ۱۹۳۰ء و اپریل ۱۹۳۰ء ✓

(۱۰) رسالہ مولوی دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۵۴ ہجری و جمادی الاول ۱۳۵۶ ہجری

(۱۱) رسالہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۲) رسالہ الفرقان دہلی۔ ولی اللہ نمبر

(۱۳) رسالہ مجلۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۱۱ شمارہ (۱و۲)

(۱۴) رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب بابتہ ماہ جولائی و اگست ۱۹۳۲ء

(۱۵) رسالہ آواز نسواں دہلی بابت ماہ جولائی ۱۹۴۳ء

(۱۶) رسالہ مصنف علی گڑھ

(۱۷) رسالہ زبیری دہلی ۱۹۳۴ء

(۱۸) رسالہ شہاب حیدرآباد دکن بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۹) رسالہ تاریخ حیدرآباد دکن بابت ماہ جون ۱۹۴۰ء وغیرہ

اخبارات

(۱) روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء و یکم جولائی ۱۹۳۷ء و ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء و ۶ جنوری ۱۹۴۰ء

(۲) اخبار البشیر اٹاوہ ۲ مئی ۱۹۳۳ء و ۲۰ جون ۱۹۳۹ء

(۳) اخبار شحنۂ ہند و طوطیٔ ہند شہر میرٹھ ۱۹۰۰ء

(۴) روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن ۲۲ فروری ۱۹۳۶ء

(۵) روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۵ فروری و ۶ فروری و ۲۲ فروری و ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء و ۱۷ فروری و ۲۸ فروری و ۵ مارچ و ۱۰ اپریل و ۱۰ جولائی و ۲۰ جولائی و ۱۸ اگست و ۱۰ ستمبر و ۹ نومبر و ۱۷ نومبر و ۱۸ نومبر و ۲۵ نومبر ۱۹۳۷ء و ۲۰ ستمبر و ۳۰ نومبر ۱۹۳۸ء و ۴ جنوری و ۱۷ مئی و ۲۴ جولائی و ۵ ستمبر ۱۹۳۹ء

(۶) اسٹیٹسمین ۸ جون ۱۹۲۸ء

(۷) اخبار الامان دہلی۔ ۲۸ جون ۱۹۳۵ء
(۸) اخبار مدینہ بجنور۔ ۲ مارچ ۱۹۳۹ء
(۹) اخبار الجمعیتہ دہلی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۴۹ء۔ وغیرہ۔

نقشہ جات

(۱) اٹلس مطبوعہ دی کلکتہ پینٹنگ کمپنی لمیٹڈ ۱۹۲۱ء۔ مرتبہ سید شرف الدین ایم۔اے۔ بی۔ ٹی۔ حیدرآباد دکن
(۲) نقشہ سٹی اسٹیٹس آف انشینٹ انڈیا مندرجہ الیسٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۰ء ص ۲۵ از کے۔ وی۔ راماسوامی،
(۳) نقشہ لنلو ایسٹ آف ماؤنٹ ایورسٹ مندرجہ بمبئی کرانیکل سنڈے ایڈیشن ۲۲ اگست ۱۹۳۷ء ص ۱
(۴) نقشہ بلاد السند ماخوذ از کتاب انڈیا مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس انگلستان۔ (مرتبہ کرنل تھامس ہنگرفورڈ)
(۵) نقشہ مملکت آصفیہ دکن۔ (مرتبہ محمد سلطان)
(۶) نقشہ کتاب ریلویز گائیڈ۔ (مرتبہ سید معصوم علی سبزواری)
(۷) ایڈورٹائزمینٹس اِن روڈ ٹرانسپورٹ پاکٹ ٹائم ٹیبلس یا ایڈ یکس ہلپیسنر روڈ۔ از ایچ ای ایچ دی نظامس اسٹیٹ ریلوے روڈ موٹر سروس۔
(۸) نقشہ ریلوے جات ہندوستان ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء مرتبہ زیر نگرانی کرنل کمانڈنٹ ای۔ اے۔ ٹنڈے رائل انجینیرس و جنرل ہندوستان۔
(۹) فرانسیسی اٹلس کلاں موجودہ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا
(۱۰) میکملین اٹلس
(۱۱) دیگر نقشے اور اٹلسیں

کتاب کے ملنے کا پتہ

(۱) منشی صادق حسین صاحب زبیری

مکان نمبر ۳۵ محلہ سرائے خیر نگر شہر میرٹھ (یوپی)

(۲) مولوی حسن احمد صاحب زبیری

محلہ گلشن آشیانہ قریب درگاہ حبیب علی شاہ حیدرآباد دکن

(۳) مولوی محمد زبیر صاحب

سول لائن۔ بدرباغ۔ فرحت منزل۔ علیگڈھ (یوپی)

(۴) مسٹر ایم۔ میاں زبیری

فردوس جنرل اسٹورس۔ اسلامیہ وقف بلڈنگ

پنجابی مینشن۔ فریر روڈ۔ کراچی۔ (پاکستان)